

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا

معارف نبوی

احادیث نبویہ کا آسان اور عام فہم ترجمہ و تشریح



شہید اسلام
حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی

www.besturdubooks.wordpress.com



وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا

معارفِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

احادیثِ نبویہ کا آسان اور عام فہم ترجمہ و تشریح

جلد سوم

ترجمہ و تشریح

شہید اسلام حضرت مولانا محمد یونس لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

مکتبہ لدھیانوی

18- سلام کتب، ادریس نبوی ٹاؤن کراچی

021-34130020-0321-2115595-0321-2115502



جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب

ترجمہ و تشریح

ترتیب و تحقیق

طبع اول

ناشر

معارفِ نبویؐ

شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی

مولانا محمد زبیر طاہر

جون ۲۰۱۲ء

مکتبہ لدھیانوی

18 - سلاک کتب مارکیٹ پوری ٹاؤن کراچی

021-34130020-0321-2115595-0321-2115502

www.shaheedeislam.com

فہرست مضامین

۵۸	مقام بندگی اور دُعا کی حقیقت	۱۳	کتاب الاذکار والدعوات
۶۴	دُعا کے قبول ہونے کا عمل	۱۴	(ذکر و اذکار اور دعاؤں کا بیان)
۶۴	پچھلی کے ساتھ دُعا کرنی چاہئے	۱۷	ذکر اللہ کی فضیلت
۶۵	تسبیحاتِ فاطمہ کی فضیلت	۱۸	مجالس ذکر کی فضیلت
۶۹	فرض نماز کے بعد مجرب وظیفہ	۲۰	اللہ کا ذکر کثرت سے کرو
	سورہ بقرہ سے جادو، آسیب، جنات اور	۲۰	ذکر کا مفہوم
۷۰	شیاطین سے حفاظت کا وعدہ	۲۱	سب سے اشرف بات اللہ کا ذکر ہے
۷۰	صبح و شام کا افضل عمل	۲۱	اللہ کا ذکر کرنے والوں کی مثال زندوں کی ہی
۷۱	ان کلمات کو پڑھنے پر چار انعامات کا وعدہ	۲۲	ہے
۷۱	کسی بھی چیز کے ضرر سے بچنے کا وظیفہ	۲۹	فضائل قرآن
	دو ہلکے پھلکے گلے میزان کو بھرنے والے	۳۵	قرآن کریم کے حقوق
۷۲	ہیں	۳۳	قرآن کریم سیکھ کر پڑھنے کے فضائل
۷۲	قبولیت دُعا کا وقت	۴۶	قرآن کریم پر اجرت لینے کا حکم
۷۳	مسلمان بھائی کے لئے دُعا کی فضیلت	۴۸	سورہ اخلاص کی فضیلت
۷۴	ایک دن میں ایک ہزار نیکیاں	۴۹	قوموں کا عروج و زوال قرآن سے
	ہر قسم کی آفت و پریشانی سے حفاظت کے	۵۰	قرآن کریم کا ادب کرو
۷۵	لئے دُعائے انس (علیہ السلام)	۵۵	قرآن کریم کے مشابہات کا حکم
۷۶	استخارے کی دُعا	۵۸	فضیلت سورہ فاتحہ
۷۶	صبح و شام کی نعمتوں کا حق	۵۸	سورہ بقرہ سے کفایت کا وعدہ
۷۷	درو و پاک کی فضیلت	۵۸	دُعا اور اس کے آداب

۹۳	۴۸	اسمائے حسنیٰ کی فضیلت
۹۴	۸۱	لفظ ”اللہ“ کے معنی اور اس کے خواص
۹۵	۸۱	① اَللّٰہُ
۹۶	۸۲	② الرَّحْمٰنُ: نہایت مہربان
۹۷	۸۲	③ الرَّحِیْمُ: بے حد رحم کرنے والا
۹۷	۸۲	④ الْمَلِکُ: بادشاہ
۹۹	۸۳	⑤ الْقُدُّوسُ: نہایت پاک
۹۹	۸۴	⑥ السَّلَامُ: سلامتی والا
۱۰۰	۸۴	⑦ الْمُؤْمِنُ: امن دینے والا
۱۰۰	۸۵	⑧ الْمُہْمِیْنُ: سب کا نگہبان
۱۰۲	۸۵	⑨ الْعَزِیْزُ: عزت والا، ہر غالب سے
۱۰۲	۸۶	غالب
۱۰۳	۸۶	⑩ الْحَبِیْرُ: بگڑے ہوئے کاموں اور
۱۰۳	۸۷	حالات کو درست کرنے والا
۱۰۴	۸۷	⑪ الْمُتَكَبِّرُ: عالی شان، بڑائی والا
۱۰۶	۸۸	⑫ الْخَالِقُ: عدم سے پیدا کرنے والا،
۱۰۶	۸۸	بنانے والا
۱۰۷	۸۹	⑬ الْبَارِئُ: بغیر مثال اور بغیر نمونے کے
۱۰۸	۸۹	پیدا کرنے والا
۱۰۹	۹۰	⑭ الْمُصَوِّرُ: صورت گری کرنے والا
۱۰۹	۹۱	⑮ الْغَفَّارُ: بہت بخشنے والا
۱۱۰	۹۱	⑯ الْقَهَّارُ: سب پر غالب
۱۱۱	۹۱	⑰ الْوَہَّابُ: بہت عطا کرنے والا
۱۱۲	۹۳	⑱ الرَّزَّاقُ: رزق پہنچانے والا
		②۰ الْفَتَّاحُ: بہت کھولنے والا
		②۱ الْعَلِیْمُ: بہت جاننے والا
		②۲ الْقَائِضُ: بند کرنے والا
		②۳ الْبَاسِطُ: کشادہ کرنے والا
		②۴ الْخَافِضُ: نیچا کرنے والا
		②۵ الرَّافِعُ: اُٹھا کرنے والا
		②۶ الْمُعِزُّ: عزت دینے والا
		②۷ الْمُدِیْلُ: ذلت دینے والا
		②۸ السَّمِیْعُ: بہت سننے والا
		②۹ الْبَصِیْرُ: بہت دیکھنے والا
		③۰ الْحَكَمُ: فیصلہ کرنے والا
		③۱ الْعَدْلُ: انصاف کرنے والا
		③۲ الْمَلِیْطُفُ: مہربان
		③۳ الْحَبِیْرُ: خبردار
		③۴ الْحَلِیْمُ: بردبار، حلم والا
		③۵ الْعَظِیْمُ: بڑی عظمت والا
		③۶ الْعَفْوُ: بہت بخشنے والا
		③۷ الشُّكُورُ: قدردان
		③۸ الْعَلِیُّ: بلند
		③۹ الْکَبِیْرُ: بڑائی والا
		④۰ الْحَفِیْظُ: حفاظت کرنے والا
		④۱ الْمُقِیْتُ: قدرت والا
		④۲ الْحَسِیْبُ: کافی
		④۳ الْجَلِیْلُ: جلال والا

۱۳۱	⑤ الْوَاحِدُ: ایک	۱۱۲	⑥ الْكَرِيمُ: کرم والا
۱۳۱	⑤ الْأَخْدُ: بکنا	۱۱۲	⑥ الرَّقِيبُ: نگہبان
۱۳۲	⑤ الصَّبَدُ: بے نیاز	۱۱۳	⑥ الْمُجِيبُ: قبول کرنے والا
۱۳۲	⑤ الْقَادِرُ: بڑی قدرت والا	۱۱۴	⑥ الْوَاسِعُ: وسعت کرنے والا
۱۳۳	⑤ الْمُقْتَدِرُ: اقتدار والا	۱۱۴	⑥ الْحَكِيمُ: حکمت والا یا حکم والا
۱۳۳	⑥ الْمُقْتَدِرُ: آگے کرنے والا	۱۱۵	⑥ الْوَدُودُ: بے حد محبت کرنے والا
۱۳۳	⑥ الْمُؤَخَّرُ: پیچھے کرنے والا	۱۱۷	⑥ الْمُجِيدُ: مجبور اور بزرگی والا
۱۳۵	⑥ الْأَوَّلُ: سب سے پہلا	۱۱۸	⑥ الْبَاعِثُ: اٹھانے والا
۱۳۵	⑥ الْأَخِرُ: سب سے پچھلا	۱۱۹	⑥ الشَّهِيدُ: گواہ
۱۳۶	⑥ الظَّاهِرُ: ظاہر	۱۲۰	⑥ الْحَقُّ: حق کے معنی سچ
۱۳۶	⑥ الْبَاطِنُ: پوشیدہ	۱۲۱	⑥ الْوَكِيلُ: کارساز، کام بنانے والا
۱۳۷	⑥ الْوَالِي: ولایت والا	۱۲۲	⑥ الْقَوِيُّ: طاقت ور، قوت والا
۱۳۸	⑥ الْمُتَعَالَى: عالی شان	۱۲۲	⑥ الْمَتِينُ: مضبوط
۱۳۹	⑥ الْبَرُّ: نیکی	۱۲۳	⑥ الْوَلِيُّ: نگران
۱۴۰	⑥ الثَّوَابُ: توبہ قبول کرنے والا	۱۲۴	⑥ الْحَمِيدُ: حمد کیا ہوا
۱۴۰	⑥ الْمُنْعَمُ: نعمتیں دینے والا	۱۲۴	⑥ الْمُخَصِّي: شمار کرنے والا
۱۴۰	⑥ الْمُنْتَقِمُ: انتقام لینے والا	۱۲۵	⑥ الْمُبْدِئُ: شروع کرنے والا
۱۴۱	⑥ الْعَفْوُ: معاف کرنے والا	۱۲۶	⑥ الْمُعِينُ: لوثانا
۱۴۱	⑥ الرَّؤُوفُ: بہت شفقت کرنے والا	۱۲۶	⑥ الْمُخَيُّ: زندگی دینے والا
۱۴۲	⑥ مَالِكُ الْمَلِكِ: سلطنت کا مالک	۱۲۷	⑥ الْمُهَيِّئُ: موت دینا
	⑥ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ: جلال اور	۱۲۸	⑥ الْحَيُّ: ہمیشہ سے زندہ
۱۴۲	عزت والا	۱۲۹	⑥ الْقَيُّومُ: تھانے والا
۱۴۳	⑥ الرَّبُّ: پالنے والا	۱۳۰	⑥ الْوَاحِدُ: پانا اور غنی ہونا
۱۴۳	⑥ الْمُقْسِطُ: عدل و انصاف کرنے والا	۱۳۰	⑥ الْمَاهِدُ: بزرگی والا

۱۷۷	اسلام اور انسانی حقوق	۱۴۴	⑤ الجامع: جمع کرنے والا
۱۷۸	اسلامی اخوت اور شیطانی تدابیر	۱۴۴	⑥ الغنی: بے پروا
۱۸۱	احساس ذمہ داری	۱۴۵	⑦ المغنی: غنی کرنے والا،
۱۸۵	کتاب الآداب	۱۴۶	⑧ المعطی: سب کو عطا کرنے والا
۱۸۵	عیادت کے آداب	۱۴۶	⑨ المتاع: رد کئے والا
۱۸۵	غیر مسلموں کو اسلام کا حکم	۱۴۷	⑩ الضار: ضرر پہنچانے والا
۱۸۶	گھر میں آگ جلانے کے آداب	۱۴۷	⑪ النافع: نفع پہنچانے والا
۱۸۷	مسلمان کے مال و جان کی حفاظت کا حکم	۱۴۸	⑫ القور: وہ نور ہے
۱۸۹	مسلمان بھائی کی پردہ پوشی	۱۴۹	⑬ الهادی: ہدایت کرنے والا
۱۹۰	احترام انسانیت	۱۴۹	⑭ البانیع: بے نظیر
۱۹۱	میاں بیوی آپس میں درگزر کا معاملہ رکھیں	۱۵۰	⑮ الباقی: ہمیشہ باقی رہنے والا
۱۹۳	ذم حرام کا وبال	۱۵۰	⑯ الوارث: پیچھے رہنے والا
۱۹۴	مسلمان کے خلاف ہتھیار اٹھانا	۱۵۱	⑰ المرشید: رہنمائی کرنے والا
۱۹۵	دعوت کا قبول کرنا	۱۵۱	⑱ الضبور: بہت صبر والا
۱۹۷	کسی پر لعن طعن کا وبال	۱۵۲	دعا
۱۹۸	کسی کی تعریف میں مبالغے کی ممانعت	۱۵۲	توبہ و استغفار کا بیان
۲۰۱	زائد پانی کو روکنا	۱۵۳	توبہ کے کیا معنی ہیں؟
۲۰۳	لعنت کرنا برا عمل ہے	۱۵۳	توبہ کے قبول ہونے کی شرائط
۲۰۴	بدگمانی سے بچنا چاہئے	۱۶۵	حقوق العباد کے معاملے میں توبہ
۲۰۴	مظلوم کی بددعا سے بچو	۱۶۸	اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں سے شفقت
	یتیم کی کفالت کرنے والے کے لئے عظیم	۱۷۱	اللہ کی رحمت سے ناامیدی نہیں
	خوشخبری	۱۷۳	غلطی اور بھول چوک پر نیکو نہیں
۲۰۵	جانوروں کو تکلیف نہ دیں		کتاب المعاشرة والمعاملات
۲۰۶	جاندار کو نشانہ نہ بنانا چاہئے		اسلامی معاشرت و معاملات
			حقوق و فرائض اسلام کی نظر میں!

۲۴۰	قربانی کے گوشت کا حکم	۲۰۹	اپنے عہد و وفاء کو پورا کرو
۲۴۰	سدھائے ہوئے جانور سے شکار	۲۰۹	نیک غلام و خادم کے لئے ذہرا آجر
۲۴۱	غلام آزاد کرنے کی فضیلت		اپنے غلام و نوکروں کے ساتھ اچھا سلوک
۲۴۲	غلام اور باندی کے متعلق احکامات	۲۱۰	کرنا چاہئے
۲۴۵	اپنے غلام پر تہمت لگانا	۲۱۱	اسلام میں سلام کی اہمیت و فضیلت
۲۴۶	غلاموں اور خادموں کے ساتھ احسان		سلام میں چہل کرنے کی فضیلت اور سلام
۲۴۸	غلاموں کے متعلق	۲۱۳	کے آداب
		۲۱۳	دونوں ہاتھوں سے مصافحہ مستحسن ہے
	کتاب آداب الطعام و الشراب	۲۱۴	غیر مسلم کو سلام کرنے کا حکم
	کھانے کے آداب و احکام	۲۱۴	چھینک کا جواب کیسے دیا جائے
	آنحضرت ﷺ کس چیز پر رکھ کر کھانا	۲۱۵	کسی کی تعریف کرنے کا طریقہ
۲۴۹	تناول فرماتے تھے؟	۲۱۷	مسلمانوں کے حقوق کی پاسداری
۲۵۰	خزگوں کھانے کا حکم	۲۲۱	مہمان کی عزت کرنا
۲۵۱	گوہ (سوسار) کے کھانے کے بارے میں	۲۲۳	رحم کا مستحق
۲۵۳	بجوکے کھانے کے بارے میں	۲۲۳	صلہ رحمی، وسعت رزق کا سبب ہے
۲۵۴	گھوڑے کے گوشت کا حکم	۲۲۶	غضب ارض کا وبال
۲۵۵	گدھے کا گوشت حرام ہے		کسی کی زمین غضب کرنے یا کسی کا مال
۲۵۶	کافروں کے برتنوں میں کھانا	۲۲۸	غضب کرنے کا وبال
۲۵۷	غیر مسلم کے برتن کو استعمال کرنے کا حکم	۲۳۱	آگ کا ٹکڑا
	چوہا اگر گھی کے برتن میں مر جائے، اس	۲۳۳	کٹاپالنے کی ممانعت
۲۵۹	کا حکم	۲۳۵	گر گٹ کو مارنے کا حکم
۲۶۰	بائیں ہاتھ سے کھانے پینے کی ممانعت	۲۳۵	بد کے ہوئے جانور کے شکار کا طریقہ
۲۶۲	کھانے کے بعد انگلیاں چاٹ لینے کا حکم	۲۳۷	تصویر اور کتے کا حکم
۲۶۲	اگر لقمہ گر جائے تو صاف کر کے کھالیا جائے	۲۳۹	قربانی کے جانور کی عمر

کھانے کے درمیان سے کھانا مکروہ ہے	۲۶۶	گوشت کا کون سا حصہ آنحضرت ﷺ کو	۲۶۶
لہسن اور پیاز کھانے کی کراہت	۲۶۷	محبوب تھا؟	۲۸۲
پکا ہوا لہسن کھانے کی اجازت	۲۶۷	سرکہ کے بارے میں	۲۸۳
سونے سے پہلے برتن ڈھک دیئے جائیں		تازہ کھجور کے ساتھ ملا کر تریبوز کھانے	
اور آگ کے چراغ کو بجھا دیا جائے	۲۶۹	کا بیان	۲۸۳
کھجور کے دودھ انے اکٹھے کھانا مکروہ ہے	۲۷۰	تازہ کھجور کے ساتھ لکڑی کھانے کا بیان	۲۸۴
کھجور کا پسندیدہ ہونا	۲۷۱	کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد	
کھانے سے فارغ ہو کر اس پر شکر کرنا	۲۷۱	ہاتھ دھونا	۲۸۵
جذامی کے ساتھ کھانا	۲۷۲	کھانے سے پہلے وضو نہ کرنے کے بیان	۲۸۶
مؤمن ایک آنٹ میں کھاتا ہے	۲۷۲	گھیا کدو کھانے کے بیان میں	۲۸۶
ایک آدمی کا کھانا دو کو کافی ہوتا ہے	۲۷۳	زیتون کا خیل کھانے کے بیان میں	۲۸۷
مڈی کے کھانے کا بیان	۲۷۴	غلاموں کے ساتھ کھانے کے بیان میں	۲۸۷
گندگی کھانے والے جانور کے گوشت اور		کھانا کھلانے کی فضیلت	۲۸۸
دودھ کا حکم	۲۷۵	رات کا کھانا کھانے کی فضیلت	۲۸۸
مرغی کھانے کے بیان میں	۲۷۶	کھانے سے پہلے بسم اللہ شریف پڑھنا	۲۸۹
جبارئی کا گوشت	۲۷۶	کھانا کھانے کے چند آداب	۲۹۰
بھنا ہوا گوشت کھانا	۲۷۷	کھانے کی بُوہاتھوں میں ہو تو اس حالت	۲۹۲
تکیہ لگا کر کھانا مکروہ ہے	۲۷۷	میں رات گزارنا مکروہ ہے	
آنحضرت ﷺ کو شیرینی اور شہد مرغوب			
تھے	۲۷۸	پینے کے آداب و احکام	
شور باز یا دہ کرنے کا حکم	۲۷۸	شراب نوشی کا وبال اور وعید	۲۹۳
ثرید کی فضیلت کے بیان میں	۲۸۰	ہر نشہ آور مشروب حرام ہے	۲۹۵
گوشت کو دانتوں سے نوچنے کا حکم	۲۸۱	جس شراب کی زیادہ مقدار نشہ آور ہو اس کی	
چھری سے گوشت کاٹنے کی اجازت	۲۸۱	کم مقدار بھی حرام ہے	۲۹۵

۳۱۷	سرخ کپڑے کا حکم	۲۹۶	مٹکے کی بنید کے بارے میں
۳۱۸	سرخ جوڑے میں حضور ﷺ کی خوبصورتی	۲۹۶	مخصوص برتنوں میں بنید بنانے کی ممانعت
۳۱۸	دوسرے چادروں کا لباس	۲۹۷	خاص برتنوں میں بنید بنانے کی اجازت
۳۱۹	زعفران کی رنگی ہوئی چادریں	۲۹۸	مشکیزوں میں بنید بنانے کی اجازت
۳۲۲	رسول اللہ ﷺ کا پسندیدہ لباس	۲۹۸	کن غلوں سے شراب کشید کی جاتی ہے؟
۳۲۵	حضور ﷺ کی قمیص کی استعمیوں کا بیان	۲۹۹	دو چیزوں کو ملا کر بنید بنانا
۳۲۵	صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا لباس میں اجتماع نبوی		سونے چاندی کے برتنوں میں کھانے پینے
۳۲۸	ریشم پہننے کی ممانعت	۳۰۰	کی ممانعت
۳۲۸	لباس ٹخنوں سے نیچے لٹکانا	۳۰۰	کھڑے ہو کر پینے کی ممانعت
۳۲۹	ریشمی کپڑے کا حکم	۳۰۱	کھڑے ہو کر پینے کی اجازت
۳۳۰	ریشم کا حکم	۳۰۲	پانی تین سانس میں پینا چاہئے
۳۳۳	ریشم پہننا منع ہے	۳۰۲	دو سانس سے پانی پینا
۳۳۴	ریشم اور دیباہ	۳۰۴	پانی میں سانس لینے کی ممانعت
۳۳۶	ستر اور پردے کے احکام	۳۰۵	پانی کے برتن میں سانس لینے کی کراہت
۳۳۶	عورت شیطان کی صورت میں آتی ہے	۳۰۵	مشکیزے کو منہ لگا کر پانی پینے کی ممانعت
۳۳۷	خواتین کا گھر سے باہر نکلنا	۳۰۶	مشکیزے کو منہ لگا کر پانی پینے کی اجازت
۳۳۹	کیا پردہ صرف شرم و حیا کا نام ہے؟	۳۰۶	دائیں والے پانی پینے کے زیادہ مستحق ہیں
۳۴۳	بغیر پردہ عورتوں کا سر عام گھومنا	۳۰۷	پلانے والا سب سے آخر میں پیا کرتا ہے
۳۴۳	دیور سے بھی پردہ		آنحضرت ﷺ کو کون سا مشروب پسند
۳۴۴	اسلام میں داڑھی کا حکم	۳۰۸	تھا؟
۳۴۹	کتاب الآداب		
۳۴۹	ایک جو تاپہن کر چلنے کی ممانعت		کتاب اللباس والزینۃ
۳۵۰	راستوں کے بھی حقوق ہیں	۳۰۹	کافروں کے لباس سے مشابہت
۳۵۱	مجلس کے آداب میں سے ایک ادب	۳۱۲	سفید کپڑوں کی فضیلت
	گھر میں داخل ہوتے وقت اور کھانا کھاتے	۳۱۳	سیاہ بالوں کی چادر
۳۵۲	وقت اللہ کا نام لینا	۳۱۴	آپ ﷺ کا تنگ استعمیوں والا جبہ پہننا

۳۸۲	خط و کتابت کے لئے مہر کی ضرورت	۳۵۳	اپنے خادم کو کھانے میں شریک کرنا
	بیت الخلاء میں جاتے وقت انگوٹھی کا	۳۵۳	سفر، جانور اور راستوں کے حقوق و آداب
۳۸۲	اتار دینا		آنحضرت ﷺ کی انگوٹھی کی مثل انگوٹھی نہ
۳۸۶	گنڈا پہنانے کی ممانعت	۳۵۵	بنانے کا حکم
۳۸۷	جاندار کو نشانہ نہ بنانا چاہئے	۳۵۶	بیمار جانور کو گھٹاٹ پر نہ لے جایا جائے
	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا کھیل دیکھنا عید کے	۳۵۷	تھوکنے کے آداب
۳۹۰	موقع پر	۳۵۸	جمائی لینے کے آداب
	سونے کی انگوٹھی پہننے پر حضور ﷺ کی	۳۵۸	سونے کے آداب و دُعا
۳۹۱	ناراضگی	۳۶۰	ایک جوتا پہن کر چلنے کی ممانعت
۳۹۳	حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خود سے ختمہ کرنا	۳۶۱	نام رکھنے کے آداب
۳۹۳	بلی کو ستانے پر عذاب	۳۶۱	بچوں کا نام دیکھ بھال کر رکھنا
۳۹۴	تھوکنے کے آداب	۳۶۶	آنحضرت ﷺ کی انگوٹھی کا بیان
		۳۶۶	چاندی کی انگوٹھی
	أَبْوَابُ الطَّبِّ	۳۶۶	مہر بنانے کی ضرورت
	علاج معالجہ اور طب کے آداب	۳۶۷	انگوٹھی کا نقش
۳۹۶	بیماری میں پرہیز کرنے کا بیان		رسول اللہ ﷺ کے فعل شریف یعنی جوتے
۳۹۸	دوا کا بیان اور اس کی ترغیب	۳۶۹	کا بیان
۳۹۹	بیمار کو کیسی خوراک دی جائے؟	۳۷۱	بالوں کے بغیر کے جوتے
	بیمار کو اگر اس کا جی نہ چاہے تو کھانے پینے پر	۳۷۲	دھوڑی کے جوتے
۴۰۰	مجبور نہ کیا جائے	۳۷۲	سلے ہوئے جوتوں میں نماز
۴۰۱	کلونجی کے ساتھ علاج	۳۷۴	جوتا پہننے اور اتارنے کے آداب
۴۰۱	بطور علاج معالجے کے اونٹوں کا پیشاب پینا		حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے بھی دو تسمے والے
	زہر یا کسی اور چیز کے ساتھ خود کشی کرنے	۳۷۵	جوتے تھے
۴۰۲	کا ویاں	۳۷۶	خط و کتابت کے لئے مہر کی ضرورت

۴۲۳	۴۰۳	دردوں کا دم	حبیث دوا سے علاج
۴۲۴	۴۰۴	سنا کے بیان میں	نشا اور چیز کے ساتھ علاج کرنا
۴۲۵	۴۰۴	شہد کے ساتھ علاج کرنا	سقوط وغیرہ کا بیان
۴۲۶	۴۰۶	عیادت کی دُعا	داغ دے کر علاج کرنا
۴۲۷	۴۰۷	راکھ کے ساتھ علاج کرنا	داغ دینے کے علاج کی اجازت
۴۲۷	۴۰۷	عیادت کا ادب	پچھنے لگانے کا بیان
	۴۰۹		مہندی کے ساتھ علاج کرنا
	۴۰۹	کتاب الشکاح	جھاڑ پھونک کا ناپسندیدہ ہونا
	۴۱۰	نکاح کرنا کب فرض، واجب اور کب	جھاڑ پھونک کی اجازت کے بیان میں
۴۲۹	۴۱۱	حرام ہے؟	مختوف تین کے ساتھ جھاڑ پھونک کا بیان
۴۲۹	۴۱۱	اولاد جب بالغ ہو جائے تو نکاح کا حکم	نظر کو جھاڑنے کا بیان
۴۳۰	۴۱۲	نکاح میں گواہوں کا ہونا شرط ہے	جھاڑ پھونک کے جامع کلمات
۴۳۰		حق مہر کی تفصیل	نظر برحق ہے، اور نظر اُتارنے کے لئے
۴۳۳	۴۱۲	ولیمہ کا مسنون طریقہ	اعضا کا دھونا
۴۳۴	۴۱۴	ولیمہ کی دعوت کا ثبوت	جھاڑ پھونک یا تعویذ پر اجرت لینا
۴۳۴	۴۱۷	میاں بیوی کے حقوق	جھاڑ پھونک اور دواؤں کا بیان
۴۳۶	۴۱۷	شوہر کا حق ادا نہ کرنے والی بیوی کا حکم	کھمبی اور مجوہ کا بیان
۴۳۷	۴۲۰	دو بیویوں میں برابری	کاہن کی اجرت کا بیان
۴۳۹		متحدہ کا بیان	کسی چیز کے لٹکانے کے مکروہ ہونے کے
۴۴۳	۴۲۰	رضاعت کے احکام	بیان میں
۴۴۵		رضاعت کے احکام	بخار کو پانی کے ساتھ ٹھنڈا کرنے کے
۴۴۶	۴۲۱	احکام رضاعت	بیان میں
۴۴۸	۴۲۲	رضاعی رشتہ دار	بخار اُتارنے کا نبوی دم
۴۴۹	۴۲۲	رضاعت کا ثبوت	ذات الجنب کی دوا کے بیان میں

۴۹۱	جانور کا دودھ روک کر بیچنے کی ممانعت	بیوی شوہر کے سامنے کسی غیر عورت کے حسن
۴۹۳	عمری کے احکامات	کا ذکر نہ کرے
۴۹۵	نادار کو مہلت دینے کی فضیلت	مرد دوسری شادی کے لئے پہلی بیوی کو
۴۹۸	شفعہ کا مسئلہ	طلاق نہ دے
۴۹۹	سونے اور چاندی کے بدلے بیع کا حکم	لعان کا ایک مسئلہ
۵۰۰	خزیر اور شراب کی بیع حرام ہے	نکاح میں محرمات کے جمع کا مسئلہ
۵۰۰	شراب پینا اور بیچنا دونوں حرام ہیں	عدت کا حکم
۵۰۲	سود اُچار میں ہے	خطبہ (پیغام نکاح) کے آداب
۵۰۳	پھل پکنے سے پہلے بیچنے کا حکم	نکاح میں عورت کی اجازت ضروری ہے
۵۰۳	تجارت میں مسلمان کو نقصان نہ پہنچایا جائے	کن کن عورتوں سے نکاح جائز نہیں
۵۰۵	مسلمان بھائی کے مال کی حرمت	شغار کا حکم
	قبضے سے پہلے خریدا ہوا سامان آگے نہیں	
۵۰۶	بیچا جاسکتا	کتاب البیوع
۵۰۷	ایک جنس کا تبادلہ اسی جنس سے	اپنے ہاتھوں کی کمائی
۵۰۸	خرید و فروخت میں اختیار کا حکم	حضرت داؤد علیہ السلام کا اپنی کمائی سے کھانا
۵۰۹	خرید و فروخت میں زیادہ قسمیں کھانا	آنحضرت ﷺ کا ذریعہ معاش
۵۱۰	پھلوں کو بیچنے کا صحیح وقت	حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے وزیر خزانہ
۵۱۰	ایک کے بدلے دو کی خرید و فروخت	چند سکوں کی وجہ سے رات کو نیند نہیں آئی
	سونے چاندی کا آپس میں تبادلہ برابر برابر	مسلمان بھائی کے سودے پر سودا کرنا
۵۱۱	ہونا چاہئے	ذخیرہ اندوزی کی مذمت
	سود کو حلال قرار دینے کی نام نہاد مجددانہ	قرض کی ادائیگی میں نیت کا دخل
۵۱۲	کوشش	مفسل کا بیان
		بیع شلّم کا بیان
		بیع و شراء کا اصول



کتاب الأذکار والدعوات (ذکر و اذکار اور دعائوں کا بیان)

ذکر اللہ کی فضیلت

[حدیث: ۸۰۲] ”عن أبي هريرة رضي الله عنه، لا يفتقد قوم يدُكرون الله إلا حَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ، وَنَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِينَةُ، وَذَكَرَهُمُ اللَّهُ فِيمَنْ عِنْدَهُ۔“ (رواه مسلم: کتاب الذکر، باب لَفْظِ الْإِجْتِمَاعِ، حدیث: ۴۸۶۸)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: نہیں بیٹھے کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہوئے مگر گھبرا ڈال لیتے ہیں ان کا فرشتے، اور ڈھانپ لیتی ہے ان کو رحمت اور نازل ہوتی ہے ان پر سکینت، اور یاد فرماتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ اپنے پاس کے لوگوں میں۔“

تشریح: اس حدیث میں ذکر اللہ کی فضیلت بیان فرمائی ہے کہ جو قوم یا جماعت اللہ کے ذکر کے لئے جمع ہوتے ہیں، ”حَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ“ ملائکہ ان کے ارد گرد گھیرا ڈال لیتے ہیں، اور ایک حدیث میں ہے کہ گھبرا ڈالنے والے اوپر آسمان تک پہنچ جاتے ہیں، ”وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ“ رحمت ان کو ڈھانک لیتی ہے، گویا کہ سرپوش ہو جاتا ہے رحمت کا، جیسے رحمت کا سائبان ہے، ”وَنَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِينَةُ“ ان پر سکینت نازل ہوتی ہے، دل پر خاص اطمینان اور راحت کی کیفیت کا نام ”سکینہ“ ہے، آپ چاہیں تو اس کا ”تسکین“ رکھ لیں، اطمینان اور سکون کی کیفیت خاص میسر آتی ہے اور وہ حق تعالیٰ شانہ کی جانب سے دل پر نازل ہوتی ہے، یہ ذکر اللہ کے انعام میں۔ اور ان کا چوتھا انعام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پاس کے لوگوں کو جو لوگ کہ اللہ تعالیٰ کے پاس رہتے ہیں یعنی انبیاء اور صدیقین کی ارواح طیبہ اور ملائکہ مقربین ان کے پاس اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا تذکرہ فرماتے ہیں۔

اور ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ ان پر فخر فرماتے ہیں، جب ملائکہ حق تعالیٰ شانہ کی بارگاہ

عالیٰ میں حاضر ہوتے ہیں تو حق تعالیٰ شانہ دریافت فرماتے ہیں کہ: میرے بندے کیا کر رہے تھے؟ وہ جواب دیتے ہیں کہ یا اللہ! آپ کا ذکر کر رہے تھے، آپ کو یاد کر رہے تھے، اللہ ان سے پوچھتے ہیں کہ کیا انہوں نے مجھے دیکھا ہے؟ فرشتے جواب دیتے ہیں کہ: نہیں! دیکھا تو نہیں، اگر وہ دیکھ لیتے تو پھر آپ کا اور زیادہ ذکر کرتے۔ پھر اللہ پوچھتے ہیں کہ وہ کیا مانگتے ہیں؟ فرشتے کہتے ہیں: جی وہ جنت مانگتے تھے، اللہ کہتے ہیں کہ کیا انہوں نے جنت دیکھی ہے؟ فرشتے جواب دیتے ہیں کہ جی دیکھی تو نہیں! اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ اگر وہ جنت دیکھ لیتے تو؟ فرشتے کہتے ہیں: تو پھر اس کی اور زیادہ رغبت کرتے۔ اللہ پوچھتے ہیں کہ وہ کس چیز سے پناہ مانگتے تھے؟ فرشتے جواب دیتے ہیں کہ وہ دوزخ سے پناہ مانگتے تھے! پھر اللہ پوچھتے ہیں کہ کیا انہوں نے دوزخ دیکھی ہے؟ فرشتے کہتے ہیں کہ نہیں! اگر دیکھ لیتے؟ تو اس سے اور زیادہ بھاگتے، پناہ مانگتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: تم گواہ رہو میں نے سب کی بخشش کر دی۔

صحیح بخاری کی حدیث میں ہے: ایک فرشتہ عرض کرتا ہے کہ: یا اللہ! ایک بندہ ان ذاکرین میں سے نہیں تھا، خاص ذکر الہی کے لئے نہیں آیا تھا، ویسے ہی چلتے چلتے ان کو دیکھنے کے لئے کھڑا ہو گیا تھا یا بیٹھ گیا تھا، ذرا دیکھیں کہ یہ مولوی کیا کر رہے ہیں؟ فرمایا: میں نے اس کی بھی بخشش کر دی۔ صحیح بخاری میں ہے کہ یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والے کو بھی محروم نہیں کیا جاسکتا۔

مجالس ذکر کی فضیلت

[حدیث: ۸۰۳] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ لِلَّهِ مَلَائِكَةً يَطُوفُونَ فِي الطُّرُقِ يَلْتَمِسُونَ أَهْلَ الذِّكْرِ فَإِذَا وَجَدُوا قَوْمًا يَذْكُرُونَ اللَّهَ تَنَادَرُوا هَلُمُّوا إِلَيَّ حَاجِبِكُمْ قَالَ فَيَحْفَوْنَهُمْ بِأَجْحَبِهِمْ إِلَى السَّمَاءِ الَّذِي قَالَ فَيَسْأَلُهُمْ رَبُّهُمْ وَهُوَ أَعْلَمُ مِنْهُمْ مَا يَقُولُ عِبَادِي قَالُوا يَقُولُونَ يَسْتَبْخِرُونَكَ وَيُكَبِّرُونَكَ وَيُحَمِّدُونَكَ وَيَمَجِّدُونَكَ قَالَ فَيَقُولُ هَلْ رَأَوْنِي قَالَ فَيَقُولُونَ لَا وَاللَّهِ مَا رَأَوْكَ قَالَ فَيَقُولُ وَكَيْفَ لَوْ رَأَوْنِي قَالَ يَقُولُونَ لَوْ رَأَوْكَ كَانُوا أَشَدَّ لَكَ عِبَادَةً وَأَشَدَّ لَكَ تَمَجُّدًا وَتَعْظِيمًا وَأَكْثَرَ لَكَ تَسْبِيحًا قَالَ يَقُولُ فَمَا يَسْأَلُونِي قَالَ يَسْأَلُونَكَ الْجَنَّةَ قَالَ يَقُولُ وَهَلْ رَأَوْهَا قَالَ يَقُولُونَ لَا وَاللَّهِ يَارَبِّ مَا رَأَوْهَا قَالَ يَقُولُ فَكَيْفَ لَوْ أَنَّهُمْ رَأَوْهَا قَالَ يَقُولُونَ لَوْ أَنَّهُمْ رَأَوْهَا كَانُوا أَشَدَّ عَلَيْهَا حِرْصًا وَأَشَدَّ لَهَا طَلَبًا وَأَعْظَمَ فِيهَا رَغْبَةً قَالَ فَبِمَ يَتَعَذَّرُونَ قَالَ يَقُولُونَ مِنَ النَّارِ قَالَ يَقُولُ وَهَلْ رَأَوْهَا قَالَ يَقُولُونَ لَا وَاللَّهِ يَارَبِّ مَا رَأَوْهَا

قَالَ يَقُولُ فَكَيْفَ لَوْزَوْهَا قَالَ يَقُولُونَ لَوْزَوْهَا كَانُوا أَشَدَّ مِنْهَا فِرَازًا وَأَشَدَّ لَهَا
مَخَافَةً قَالَ فَيَقُولُ فَأَشْهَدُكُمْ أَنِّي قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ قَالَ يَقُولُ مَلَكٌ مِنَ الْمَلَائِكَةِ
فِيهِمْ فَلَان لَيْسَ مِنْهُمْ إِنَّمَا جَاءَ لِحَاجَةٍ قَالَ هُمْ الْجَلَسَاءُ لَا يَشْفَى بِهِمْ
جَلِيسُهُمْ۔“ (رواہ البخاری: کتاب الدعوات، فی فضل ذکر اللہ، حدیث: ۵۹۲۹)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: بے شک اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے گھومتے رہتے ہیں راستوں میں، وہ تلاش کرتے ہیں اہل ذکر کو، پس جب وہ پاتے ہیں کسی قوم کو جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہے ہوں تو ایک دوسرے کو پکارتے ہیں کہ آؤ تمہاری حاجت یہاں ہے، پس وہ ان کا گھیرا ڈال لیتے ہیں اپنے پردوں کے ساتھ آسمان دنیا تک، جب وہ لوگ اس مجلس سے منتشر ہو جاتے ہیں تو فرشتے آسمان پر جاتے ہیں، پس ان کا رب ان سے پوچھتا ہے (حالانکہ وہ ان بندوں کو ان سے بہتر جانتا ہے) کہ: تم کہاں سے آئے ہو؟ وہ کہتے ہیں کہ: ہم آئے ہیں تیرے بندوں کے پاس سے جو زمین میں رہتے ہیں، پس ان سے ان کا پروردگار پوچھتا ہے اور وہ ان کو ان سے بہتر جانتا ہے کہ: میرے بندے کیا کہہ رہے تھے؟ وہ عرض کرتے ہیں کہ: آپ کی تسبیح کر رہے تھے، آپ کی تکبیر کر رہے تھے، آپ کی حمد بیان کر رہے تھے، آپ کی تہلیل یعنی ”لا الہ الا اللہ“ کا ورد کر رہے تھے، آپ کی بزرگی بیان کر رہے تھے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: کیا انہوں نے مجھے دیکھا ہے؟ فرشتے کہتے ہیں: اللہ کی قسم! انہوں نے آپ کو نہیں دیکھا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اگر وہ مجھے دیکھ لیتے تو ان کی کیا حالت ہوتی؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: اگر آپ کو دیکھ لیتے تو آپ کی اور زیادہ عبادت کرتے، آپ کی اور زیادہ بزرگی بیان کرتے، آپ کی اور زیادہ تسبیح پڑھتے، فرماتے ہیں کہ: وہ مجھ سے کیا مانگ رہے تھے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: آپ سے جنت کی درخواست کر رہے تھے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: کیا انہوں نے جنت کو دیکھا ہے؟ کہتے ہیں کہ: اللہ کی قسم! اے پروردگار! انہوں نے جنت کو دیکھا نہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اگر جنت کو دیکھ لیتے تو ان کی کیا حالت ہوتی؟ فرشتے کہتے ہیں: اگر وہ جنت کو دیکھ لیتے تو اس کی اور زیادہ حرص کرتے، اس میں اور زیادہ رغبت کرتے۔ فرماتے ہیں: کس چیز سے پناہ مانگ رہے تھے؟ کہتے ہیں: دوزخ سے پناہ مانگ رہے تھے، حق تعالیٰ شانہ ارشاد فرماتے ہیں کہ: کیا انہوں نے دوزخ کو دیکھا ہے؟

فرشتے کہتے ہیں: دیکھا تو نہیں۔ حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں: اگر وہ اس دوزخ کو دیکھ لیتے تو کیا حالت ہوتی؟ عرض کرتے ہیں: اگر وہ اس دوزخ کو دیکھ لیتے تو وہ اس سے اور زیادہ بھاگتے اور زیادہ خوف کرتے۔ اور فرشتے یہ بھی عرض کرتے ہیں: یا اللہ! یہ لوگ آپ سے اپنے گناہوں کی بخشش مانگ رہے تھے، پس اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان کی بخشش کر دی۔ ایک فرشتہ ان میں سے کہتا ہے: اے اللہ! ان میں ایک فلاں آدمی تھا جو ان میں کا نہیں تھا، وہ تو یونہی کسی کام سے آیا تھا، فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے پاس بیٹھنے والا بھی محروم نہیں رہتا۔“

تشریح: اس حدیث کا مضمون واضح ہے، اور یہ آپ سب سن چکے ہیں کہ جب آپ سب مل کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ہیں جو راستوں میں گھومتے پھرتے ہیں ان کو ذکر ہی کی تلاش ہوتی ہے، جب ان کو ذکر کروں کی جماعت مل جاتی ہے تو فرشتے ایک دوسرے کو پکار کر کہتے ہیں کہ میاں! تمہارا مطلب مل گیا، تمہارا مطلوب مل گیا، اس مجلس کا احاطہ کر لیتے ہیں اور آسمان تک پہنچ جاتے ہیں ایک دوسرے پر اور جب یہ مجلس منتشر ہو جاتی ہے تو فرشتے وہاں سے فارغ ہو کر حق تعالیٰ شانہ کی بارگاہ میں پیش ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ تو سب ہی کچھ جانتے ہیں، ان سے پوچھتے ہیں: کہاں سے آئے ہو؟ وہ کہتے ہیں: یا اللہ! کچھ لوگوں کے پاس سے آئے ہیں جو آپ کی تسبیح و تکبیر کہہ رہے تھے، ”لا الہ الا اللہ“ کہہ رہے تھے اور آپ کی بزرگی اور شان بیان کر رہے تھے۔ فرماتے ہیں: انہوں نے ہمیں دیکھا ہے؟ کہا: دیکھا تو نہیں! کہا: اگر دیکھ لیتے؟ کہتے ہیں کہ: اگر دیکھ لیتے تو آپ سے اور زیادہ محبت کرنے والے ہوتے اور آپ کی اور زیادہ عبادت کرتے اور آپ کی اور زیادہ بزرگی بیان کرتے۔ اچھا کیا مانگ رہے تھے؟ کہا: یا اللہ! جنت کی درخواست کر رہے تھے یا اللہ! ہم سب کو جنت عطا فرما۔ فرماتے ہیں: کیا انہوں نے جنت کو دیکھا ہے؟ کہتے ہیں: دیکھا تو نہیں! کہا: دیکھ لیتے تو؟ کہا: یا اللہ! پھر اس کی اور زیادہ طلب کرتے، اس کی اور زیادہ حرص کرتے، ان کے اندر اس کا شوق و رغبت اور زیادہ بڑھ جاتا، یوں کہتے ہیں کہ اگر جنت کی ایک نعمت کوئی دیکھ لیتا تو نیند اڑ جاتی، پھر کسی کو نیند نہ آتی اتنا شوق اور اتنی رغبت ہوتی کہ نیند اڑ جاتی۔ فرمایا: اچھا! کس چیز سے پناہ مانگ رہے تھے؟ کہتے ہیں: وہ تو دوزخ سے پناہ مانگ رہے تھے۔ فرماتے ہیں: کیا انہوں نے دوزخ کو دیکھا ہے؟ کہتے ہیں: یا اللہ! دیکھا تو نہیں۔ اور اگر دیکھ لیتے تو؟ کہتے ہیں: اس سے اور زیادہ بھاگنے والے ہوتے اور زیادہ ڈرنے والے ہوتے اور آپ کی پناہ مانگنے والے ہوتے، اور فرشتے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں یا اللہ! وہ آپ سے بخشش بھی مانگ رہے تھے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: تم گواہ رہو میں نے ان کی بخشش کر دی، ایک فرشتہ کہتا ہے: یا اللہ! اس مجلس میں ایک آدمی بھی تھا، وہ چلتے چلتے یہاں کھڑا ہو گیا تھا، اپنے کسی کام سے آیا تھا، مجلس

میں شریک ہونے کے لئے نہیں آیا تھا، یونہی کھڑا ہو گیا تھا دیکھیں یہ مولوی کیا کرتے ہیں؟ فرمایا: اس کی بھی بخشش کر دی، ”هو القوم لا يشقى جلبهم“ یہی وہ لوگ ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والے کو بھی محروم نہیں رکھا جاسکتا، وہ بھی محروم نہیں رہتا، اگر چہ ان میں سے نہیں ہے، لیکن پاس تو آکر بیٹھ گیا تو یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے پاس رہنے والا بھی محروم نہیں رکھا جاتا۔

اس سے ذکر الہی کی عظمت بھی ثابت ہوتی ہے، اور حق تعالیٰ شانہ کو اپنے بندوں کے ساتھ جو عنایت ہے وہ بھی معلوم ہو جاتی ہے اور یہاں سے یہ بات بھی معلوم ہو جاتی ہے کہ نیک لوگوں کی صحبت کتنی بڑی چیز ہے اور برے لوگوں کی صحبت کتنی خراب چیز ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ نیک صحبت کی مثال عطار کی دکان کی طرح ہے، یا تو خرید لو گے اگر نہیں تو ایک پھایہ تمہیں ایسے ہی دیدے گا، اور یہ بھی نہ ہوا تو جتنی دیر بیٹھو گے دماغ تو معطر رہے گا، اور برے، ہم نشین کی مثال ایسی ہے جیسے لوہار کی بھٹی، دھواں بھرا ہوا ہے، آگ کی گرمی الگ ہے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی چنگاری اڑے تو وہ بھی تمہارے اوپر آ پڑے، اور کچھ نہیں تو جب تک بیٹھو گے دھوئیں سے دم گھٹے گا ہی۔ (صحیح مسلم، کنز العمال: ۲۴۸۴۹) اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کے پاس بیٹھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ایک بات اور اس حدیث سے معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کو گواہ بناتے ہیں، ان کو گواہ بنانے کی کیا ضرورت تھی؟ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ فرشتوں نے ایک بار کہہ دیا تھا:

﴿ اَنْجَعَلْ فِيْهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۝ ﴾
(البقرہ: ۳۰)

کہ آپ زمین میں ایسی مخلوق کو خلیفہ بنانے جارہے ہیں جو زمین میں فساد مچائے گی اور قتل ناحق کرے گی، تسبیح و تحمید کرنے کے لئے تو ہم بہت ہیں، اس وقت فرمایا تھا: ”إِنِّيْ أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ“ جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔ تو جب بھی ان بنی آدم پر اللہ تعالیٰ کوئی انعام فرماتے ہیں تو فرشتوں کو گواہ بناتے ہیں کہ دیکھو! تم یہ کہہ رہے تھے ان کے بارے میں، ان کے اندر خواہشات، غفلتیں ہیں اور بشری تقاضے ہیں، اس کے باوجود ان کا کمال دیکھا کہ اپنے بشری تقاضوں اور آرزوؤں پر خاک ڈالتے ہوئے یہ ہماری پاک بارگاہ میں آتے ہیں۔

اللہ کا ذکر کثرت سے کرو

[حدیث: ۸۰۴] ”فَاكْثِرُوا ذِكْرَ اللَّهِ وَاعْمَلُوا لِمَا بَعْدَ الْيَوْمِ، فَإِنَّهُ مَنْ يُضْلِحْ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ اللَّهِ يُكْفِيهِ اللَّهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّاسِ، ذَلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ يَفْضِلُنِيْ عَلَى النَّاسِ

وَلَا يَقْضُونَ عَلَيْهِ، وَيَمْلِكُ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَمْلِكُونَ مِنْهُ، اللَّهُ أَكْبَرُ وَلَا خَوْلَ وَلَا
قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَظِيمِ۔“

(حیاء الصحابة ج: ۳ ص: ۳۹۷، البدایہ والنہایہ ج: ۳ ص: ۲۱۳)

ترجمہ: ”پس تم اللہ کا ذکر زیادہ کرو، اللہ کا ذکر کثرت سے کرو اور آج کے دن کے مابعد کے لئے عمل کرو، اس لئے کہ جو شخص اپنے درمیان کا اور اللہ کے درمیان کا معاملہ درست کر لیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے درمیان اور لوگوں کے درمیان کے معاملے کے لئے کافی ہو جاتے ہیں، وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کا فیصلہ فرماتے ہیں اور لوگ اس کا فیصلہ نہیں کرتے، اور وہ لوگوں پر اختیار رکھتے ہیں، لوگ اس کے مقابلے میں اختیار نہیں رکھتے، اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے، اور نہیں قوت مگر اللہ عظمت والے کے ساتھ۔“

تشریح: یہ آخری جملے اس خطبہ شریفہ کے ہیں جو آنحضرت ﷺ نے مدینہ طیبہ تشریف لانے کے بعد سب سے پہلے جمعہ میں دیا تھا، اس خطبے میں چند ضروری اور بنیادی باتوں کی طرف اُمت کو متوجہ فرمایا، ان میں سے ایک یہ کہ اللہ کا ذکر کثرت سے کیا کرو، اللہ کو بہت کثرت سے یاد کیا کرو، اللہ کا ذکر اتنی کثرت سے کیا کرو کہ ذکر الہی تمہارے دلوں کی صفت بن جائے، ذکر الہی تمہارے دلوں میں پیوست ہو جائے، اور اس کے نور سے تمہارے دل منور ہو جائیں، اور تمہاری رُوح اس کی لذت و حلاوت سے سرشار اور مست ہو جائے۔ ایک حدیث شریف میں فرمایا ہے: ”حَتَّى يُقَالُ إِنَّهُ مُخْنُونٌ“ یہاں تک کہا جائے کہ یہ تو دیوانہ آدمی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی یاد میں مست اور دیوانہ ہو جاؤ، جیسے آدمی کسی کی محبت میں دیوانہ ہو جاتا ہے۔ تو کثرت ذکر الہی کو اپنا وظیفہ بناؤ، حتیٰ الوسع تمہارا کوئی لمحہ اللہ کے ذکر کے بغیر ضائع نہیں ہونا چاہئے، ذکر زبان سے بھی کرو، دل سے بھی کرو، تنہائی میں بھی کرو، مجلس میں بھی کرو، ہمہ وقت اللہ کا ذکر کرو۔

ذکر کا مفہوم

”ذکر“ کہتے ہیں یاد کرنے کو، یا تذکرہ کرنے کو، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ: ”فلاں آدمی آپ کا ذکر کر رہا تھا“، یعنی آپ کا تذکرہ کر رہا تھا۔ ”ذکر“ کے اصل معنی ”یاد“ کے ہیں۔ زبان سے یاد کرنا یہ ہے کہ تمہاری زبان پر اللہ کا نام جاری رہے۔ ایک شخص حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! کوئی نصیحت کیجئے، مگر نصیحت مختصر ہی ہو، بات لمبی نہ ہو کہ لمبی بات بھول جاتی ہے۔ فرمایا:

”لَا يَزَالُ لِسَانُكَ وَطَنًا قَبْلَ ذِكْرِ اللَّهِ“ (مشکوٰۃ ص: ۱۹۸، بحوالہ ترمذی)

ترجمہ: ”تمہاری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر رہنی چاہئے۔“

اگر تمہاری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر رہتی ہے تو بس تمہارا کام ہو گیا، پس اپنی زبان کو ذکر الہی کا عادی بناؤ، جب بھی تمہیں کوئی موقع ملے فوراً اللہ کو یاد کرو، تمہاری زبان پر فوراً اللہ کا ذکر جاری ہو جانا چاہئے، ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی صاحب تور اللہ مرقدہ کا شعر ہے:

اب یہ عالم ہے ذرا بھی جب کبھی خلوت ہوئی
پھر وہی جان تصور، پھر حدیث دل وہی

ذرا سی فرصت مل جائے، کوئی لحظہ مل جائے، بس اللہ کے ذکر میں مشغول ہو جاؤ، یہ ہے کثرت ذکر۔ قرآن کریم میں بھی اور حدیث شریف میں بھی جگہ جگہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کا حکم فرمایا ہے، اور اس کے ساتھ کثرت ذکر کی قید بھی لگائی ہے: ”اذْکُرُوا اللہَ ذِکْرًا کَثِیرًا“ یعنی اللہ کو کثرت سے یاد کرو۔

ایک جگہ بھی یہ نہیں فرمایا کہ نماز کثرت سے پڑھا کرو، اور دوسری عبادتوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ قید نہیں لگائی کہ کثرت سے کیا کرو، لیکن ذکر کے لئے فرمایا: ”اذْکُرُوا اللہَ ذِکْرًا کَثِیرًا“ کثرت سے اللہ کا ذکر کرو۔ یہاں پر بھی فرمایا: ”اللہ کو کثرت سے یاد کرو“ اور اس کثرت کی کوئی حد بیان نہیں فرمائی، گویا اپنی ہمت اور اپنی طاقت کے مطابق جتنا بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کر سکتے ہو کرو، اللہ تعالیٰ کو اتنا یاد کرو، اتنا یاد کرو کہ اللہ کی یاد تمہارے دل کی صفت بن جائے، اور ذکر الہی تمہارے دل کی ایک کیفیت بن جانی چاہئے۔ اور اللہ تعالیٰ کو اتنا یاد کرو کہ اللہ کا ذکر دوسری تمام چیزوں اور کیفیتوں پر غالب آجائے، جب اس کا غلبہ اتنا ہو جائے تب اس کے اثرات ظاہر ہوں گے، کیونکہ آدمی کے دل کی جو کیفیت غالب ہوتی ہے وہ دوسری کیفیتوں کو مغلوب کر لیتی ہے، اب اگر دن بھر تو ہم دوسرے تذکرے کریں لیکن پھر تھوڑا سا اللہ کا ذکر بھی کر لیا کریں، اس سے تو کچھ کام نہیں چلتا، کیونکہ ذکر الہی سے قلب کی غالب کیفیت نہیں بنی، اللہ تعالیٰ کے ذکر کو غالب ہو جانا چاہئے تب قلب کی دوسری کیفیتیں مغلوب اور کمزور ہوں گی۔

اللہ کے ذکر سے دل زندہ ہوتا ہے، اور ذکر الہی کے بغیر دل مردہ ہے، حدیث شریف میں فرمایا ہے:

”قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَثَلُ الَّذِي يَذْكُرُ رَبَّهُ وَالَّذِي لَا يَذْكُرُ مَثَلُ الْخَيِّ وَالْمَقْتَبِ۔“

(متفق علیہ، مشکوٰۃ ص: ۱۹۶)

ترجمہ: ”مثال اس شخص کی جو اللہ کا ذکر کرتا ہے اور جو شخص کہ اللہ کا ذکر نہیں کرتا، زندہ اور مردہ کی مثال ہے۔“

ذکر الہی کرنے والا زندہ ہے، اور جو شخص ذکر الہی سے محروم ہے وہ مردہ ہے، آنحضرت ﷺ دعا فرمایا کرتے تھے: ”یا اللہ! میں آپ سے سوال کرتا ہوں شکر کرنے والی زبان کا، اور یاد کرنے والے دل کا“ اپنے لطف و احسان سے زبان شاکر عطا فرمادے اور دل ذاکر عطا فرمادے جو صرف اس اللہ کو یاد کرنے۔

اللہ تعالیٰ آنحضرت ﷺ کی دعا کی برکت سے ہم سب کو بھی یہ دولت نصیب فرمائیں۔

سب سے اشرف بات اللہ کا ذکر ہے

[حدیث: ۸۰۵] ”عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: وَأَشْرَفُ الْحَدِيثِ ذِكْرُ اللَّهِ وَخَيْرُ الْقَصَصِ الْقُرْآنُ، وَخَيْرُ الْأَمْوَالِ عَوَاقِبُهَا، وَشَرُّ الْأَمْوَالِ مَبْدَأُهَا، وَمَا قُلَّ وَكَثُرَ خَيْرٌ مِمَّا كَثُرَ وَالْهَى... الخ۔“

(حلیۃ الأولیاء: علی عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ، ج: ۱ ص: ۱۳۸)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آپ نے ارشاد فرمایا: سب سے اشرف بات اللہ کا ذکر ہے، اور بہترین قصہ قرآن کریم ہے، اور سب سے بہتر کام وہ ہیں جن کا انجام بہتر ہو، اور سب سے برا کام وہ ہے جس کو گھڑ لیا گیا ہو، اور جو مال کم ہو اور کفایت کرنے والا ہو، وہ اس مال سے بہتر ہے جو زیادہ ہو اور غفلت میں ڈالنے والا ہو۔“

تشریح: یعنی آدمی جو بھی گفتگو کرتا ہے ان میں سب سے اشرف ذکر الہی ہے، ذکر اللہ میں قرآن کریم کی تلاوت بھی شامل ہے، تسبیحات، درود شریف، استغفار اور تمام وہ الفاظ جن سے اللہ تعالیٰ کو یاد کیا جائے وہ سب ذکر الہی میں شامل ہیں۔

کسی کلام کا شرف یا تو اس کے مقصد کے اعتبار سے ہوتا ہے، یا جس کا تذکرہ کیا جائے اس کے تذکرہ کے اعتبار سے ہوتا ہے، قرآن کریم سب کا سب اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اس کے باوجود کلام اللہ شریف کے بعض حصے بعض حصوں سے افضل ہیں، سورہ یس کو قرآن کریم کا قلب فرمایا گیا ہے، یعنی قرآن کریم کا دل ہے، آیت الکرسی کو ”اعظم آیت من القرآن“ فرمایا گیا ہے، یعنی قرآن کریم کی سب سے زیادہ عظمت والی آیت۔ سورہ اخلاص کو ثلث قرآن فرمایا گیا ہے، یعنی تہائی قرآن کریم کے برابر ہے، سورہ کافرون کو چوتھائی قرآن کے برابر فرمایا گیا ہے۔

پھر قل هو اللہ احد میں اللہ تعالیٰ کا تذکرہ ہے، یہ ایک سورہ ہے جو تہائی قرآن کے برابر ہے، یعنی دس پارے کے برابر، کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی توحید کا ذکر ہے، اسی طرح آیت الکرسی میں حق تعالیٰ شانہ کی صفات کا ذکر ہے، اور اس کے دس جملے ہیں اور دسوں میں الگ الگ صفت کو ذکر فرمایا گیا ہے، تو معلوم ہوا کہ کلام کا شرف اس کے اس مضمون کی وجہ سے ہے جس کا ذکر ہو رہا تھا۔

آنحضرت ﷺ حق تعالیٰ شانہ کی ذاتِ عالی کے بعد سب سے زیادہ صاحب مرتبہ ہیں، تو آپ ﷺ کا ذکر خیر، ذکر اللہ کے بعد تمام اذکار سے افضل ہوگا، اس لئے درود شریف کی فضیلت بہت ہے، آپ

ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے:

”مَنْ صَلَّى عَلَيَّ وَاحِدَةً صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ عَشْرًا“ (مشکوٰۃ ص: ۸۶)

ترجمہ: ”جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود شریف پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں فرمائیں گے۔“

دس مرتبہ درود شریف پڑھو تو سو رحمتیں، اور سو مرتبہ درود شریف پڑھو تو ہزار رحمتیں میسر آئیں گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ذکر الہی پر جو کلام مشتمل ہو وہ سب سے افضل ہے، جو کلام ذکر الہی پر مشتمل ہو وہ اشرف الحدیث ہے، جو بات اللہ تعالیٰ کے ذکر پر مشتمل ہو، جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو یاد کیا جائے وہ سب سے اشرف ہے، اس لئے کہ اس پر اجر ملتا ہے اور اس کے ذریعہ بندے کا مرتبہ بلند ہوتا ہے اور اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کی محبت بندے کے دل میں آتی ہے، اللہ تعالیٰ کی عظمت بندے کے دل میں آتی ہے، بندے کے دل میں عبدیت پیدا ہوتی ہے، حق تعالیٰ شانہ کی عظمت اور بندے کی عبدیت یعنی فنایت یہی حاصل ہے سب چیزوں کا، اس لئے بلاشبہ اشرف الحدیث ذکر اللہ ہے، سب سے بہترین کلام، اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے، اس سے آدمی کو غافل نہیں ہونا چاہئے۔

لیک صاحب آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور کہا: یا رسول اللہ! کوئی نصیحت فرمائیے، بات بلی نہ ہوتا کہ میں اس کو ضبط کر سکوں۔ فرمایا:

”لَا تَزَالُ لِسَانُكَ رَطْبًا مِنْ ذِكْرِ اللَّهِ“ (مشکوٰۃ ص: ۱۹۸)

ترجمہ: ”تیری زبان ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے تر رہنی چاہئے، اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہو۔“

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا نور اللہ مرقدہ نے یہ حدیث فضائل اعمال کے فضائل ذکر میں ذکر کر کے اس کے اتنی فائدے لکھے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی توفیق عطا فرمادے۔

اشرف الحدیث کے ساتھ اپنی زبان کو منور کرو، زبان میں بھی نور آئے گا، دل میں بھی نور آئے گا، اللہ تعالیٰ کی محبت اور رضا بھی نصیب ہوگی، اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرمائے!

اللہ کا ذکر کرنے والوں کی مثال زندوں کی سی ہے

[حدیث: ۸۰۶] ”عَنْ أَبِي مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَثَلُ

الْبَيْتِ الَّذِي يَذْكُرُ اللَّهَ فِيهِ وَالْبَيْتِ الَّذِي لَا يَذْكُرُ اللَّهَ فِيهِ مَثَلُ الْحَيِّ وَالْمَيِّتِ“

(رواہ مسلم: کتاب صلاة المسافرين، باب انتخاب صلاة التالفیق، حدیث: ۱۲۹۹)

ترجمہ: ”حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: مثال اس گھر کی جس میں اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے اور اس گھر کی جس میں اللہ کا ذکر نہیں کیا جاتا، مثال زندے اور مردے کی ہے۔“

تشریح: اس حدیث میں فرمایا کہ مثال اس گھر کی جس میں اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے اور اس گھر کی جس میں اللہ کا ذکر نہیں کیا جاتا زندہ اور مردہ کی مثال ہے یعنی جس گھر میں اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے وہ زندہ ہے، اس کے در و دیوار وہاں کے رہنے والوں کو دعائیں دیتے ہیں اور جس گھر میں اللہ کا ذکر نہیں کیا جاتا وہ مردہ ہے، ایک دوسری حدیث میں ہے کہ جب کسی نیک آدمی کی روح نکلتی ہے تو اس کا بدن اور اس کی روح ایک دوسرے کو مبارک باد دیتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ایک دوسرے سے ہماری بہت اچھی رفاقت رہی ہے، اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر عطا فرمائے، اور برے آدمی کی جب روح نکلتی ہے تو روح اور بدن ایک دوسرے پر لعنت کرتے ہیں، کہتے ہیں خدا تیرا ناس کرے، تیرے ساتھ بہت بری رفاقت رہی، یہی مثال گھر کی بھی ہے جس گھر میں اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے، نماز پڑھی جاتی ہے، تلاوت کی جاتی ہے، وہ مکان وہاں کے رہنے والوں کو مبارک باد پیش کرتا ہے اور جس میں ٹی وی چلایا جاتا ہے اور دوسری لغویات و فحش چیزیں چلائی جاتی ہیں وہ اس پر لعنت کرتے ہیں۔

فضائل قرآن

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اور جیسی کلام والے کی عظمت ہوتی ہے ویسی ہی کلام کی عظمت ہوتی ہے۔ ایک چھوٹا آدمی بات کرتا ہے تو اس کی قدر و قیمت اس شخص کی حیثیت کے مطابق ہوتی ہے، وہی بات اگر کوئی بڑا آدمی کہتا ہے تو اس کی عظمت اور ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ شانہ سب سے زیادہ عظمت والے ہیں، تو ان کے کلام کی بھی عظمت سب سے زیادہ ہے، اس لئے قرآن کریم کی جتنی عظمت ہے اتنی اور کسی کلام کی نہیں، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿لَوْ أَنزَلْنَاهُ هَذَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ جَبَلٍ لَّرَأَيْنَهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةٍ﴾
(الحشر: ۲۱)

ترجمہ: ”اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو (اے مخاطب) آپ اس کو دیکھتے کہ وہ خدا کے خوف سے پھٹ جاتا۔“

پہاڑ بھی اس کلام پاک کی عظمت کو برداشت نہیں کر سکتا، یہ تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسی دولت اپنے محبوب ﷺ کے طفیل عطا فرمادی ہے۔ آپ ﷺ کے مبارک قلب پر قرآن کریم نازل ہوا، پھر آنحضرت ﷺ

کی زبان مبارک سے ادا ہوا، اور پھر لوگوں کے کان کے ذریعے سے ان کے دلوں تک پہنچا، اتنے واسطے بیچ میں آئے۔ پہلا جبریل علیہ السلام کا واسطہ، پھر آنحضرت ﷺ کے قلب مبارک کا واسطہ، پھر آپ ﷺ کی زبان مبارک کا واسطہ، پھر انسانوں کے کانوں کا واسطہ۔ اتنے واسطوں سے چھن چھن کر قرآن کریم ہم تک پہنچا، اس لئے ہمیں اس کا تحمل ہو سکا۔ براہ راست اگر یہ کسی پر نازل ہو جاتا تو وہ اس کا تحمل نہیں کر سکتا تھا، اس کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا، یہ تو اس کلام پاک کی عظمت ہے، اور جتنی عظمت ہے اتنی ہی اس کی فضیلت بھی ہے، دنیا کی کوئی کتاب پڑھو، اگر اچھی بات ہے تو اس کو پڑھنے کا ثواب ہوگا اور نیکی ملے گی، ہدایت ملے گی۔ لیکن دنیا میں کوئی ایسی کتاب نہیں ہے جس کے ایک حرف کو پڑھنے پر دس نیکیاں ملتی ہیں، یقیناً ایسی کوئی کتاب نہیں۔

اور پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے اپنے بندوں کے دلوں میں اس کی محبت ڈال دی، قرآن کریم سے مسلمانوں کو جتنی محبت ہے ایسی کسی اور کتاب سے نہیں، اور نہ ایسی کسی قوم کو اپنی کتاب سے ہے، گھروں میں قرآن کریم ہوتے ہیں، اچھے سے اچھے خلاف میں ان کو لپیٹ کر رکھتے ہیں، ادب کی جگہ رکھتے ہیں، اونچی جگہ رکھتے ہیں، ان کی طرف پیٹھ نہیں کرتے۔ ہمارے ایک عزیز ہیں، بزرگ ہیں، وہ حافظ قرآن کی طرف پیٹھ نہیں کرتے کہ اس کے سینے میں قرآن ہے۔ مسلمانوں کو قرآن کریم سے ایسی محبت ہے کہ اس کی کوئی مثال نہیں، اور یہ محبت اللہ تعالیٰ نے ڈالی ہے، پھر اس محبت کے بھی درجات مختلف ہیں، جتنا اللہ تعالیٰ کی ذات عالی سے کسی کو تعلق ہوگا اتنا ہی اس کے کلام سے تعلق ہوگا، جتنا ایمان قوی ہوگا، جتنا یقین قوی ہوگا، اتنی ہی حق تعالیٰ شانہ سے محبت زیادہ ہوگی، اور اتنا ہی کلام پاک سے تعلق ہوگا، کلام پاک سے محبت ہوگی۔ چنانچہ ہر مسلمان تھوڑا بہت قرآن تو پڑھ ہی لیتا ہے، اور نہ ہوتا ”قل هو اللہ“ ہی سہی۔

سورۃ الفاتحہ اور قل هو اللہ شریف تو ہر مسلمان کو یاد ہوتی ہے۔ بھی! ایک مسئلہ یاد رکھو، وہ یہ کہ چار سنتیں ہم پڑھتے ہیں تو ان چار سنتوں میں الگ الگ سورۃ پڑھنی چاہئے، اس لئے کہ کم سے کم چھوٹی چار سورتیں تو یاد ہوں، ہمارے مسلمان بھائی بڑی کوتاہی کرتے ہیں، صرف ”قل هو اللہ“ یاد رہتی ہے، وہ بھی صحیح یاد نہیں ہوتی، اس کی بھی تصحیح نہیں کرتے، اوّل تو مسلمان کو آخری پاؤ یاد ہونا چاہئے، جس میں چھوٹی سورتیں ہیں، اتنا تو ہر مسلمان کو یاد ہونا چاہئے اور اتنا نہ ہو تو چلو دس سورتیں یاد ہوں، الم تر کیف سے والناس تک۔

آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

”إِنَّ اللَّذِي لَيْسَ فِيْ جَوْفِهِ شَيْءٌ مِنَ الْقُرْآنِ كَالنَّبْتِ الْخَرْبِ“۔

(مشکوٰۃ ص: ۱۸۶، بحوالہ ترمذی و دارمی)

ترجمہ: ”وہ شخص جس کے دل میں قرآن کریم کا کچھ حصہ نہ ہو، وہ ایسا ہے جیسے ویران گھر۔“

گو یا جس طرح مکان بغیر کھن کے بے آباد ہے، اسی طرح آدمی کا دل بغیر قرآن کے ویران

ہے۔ مشہور ہے کہ جس گھر میں کوئی نہ رہتا ہو، بند پڑا ہوا ہو، وہاں جن بھوت رہنے لگتے ہیں، جس مؤمن کے دل میں قرآن کریم نہ ہو تو اس میں جن بھوت رہیں گے، وہاں پھر شیاطین کا ڈیرہ ہوگا۔ میں نے کہا کہ کچھ نہ کچھ حصہ تو ہر مسلمان کو یاد ہوتا ہے اور ہونا چاہئے۔

قرآن کریم کی تلاوت کے معاملے میں بھی لوگوں کے درجات مختلف ہیں، اللہ تعالیٰ کے بہت سے بندے ایسے ہوئے ہیں (بے شمار) جن کا معمول دس پارے روزانہ قرآن کریم کی تلاوت تھا، تین دن میں ان کا قرآن کریم ختم ہوتا تھا، اور اس سے زیادہ تعداد ان حضرات کی ہے جو فقیہی بشوق پڑھتے تھے، قرآن کریم کی سات منزلیں ہوتی ہیں، آپ نے دیکھی ہوں گی، پہلی منزل سورۃ الفاتحہ سے، دوسری منزل سورۃ المائدہ سے، تیسری منزل سورۃ یونس سے، چوتھی منزل بنی اسرائیل سے، پانچویں منزل شعراء سے، چھٹی منزل والصفات سے، اور ساتویں منزل سورۃ ق سے۔ ان ساتوں کا مجموعہ ہو گیا فقیہی بشوق، بہت سے اللہ کے بندے ایسے ہوتے تھے جو فی بشوق کے ساتھ تلاوت کرتے تھے، یعنی روز کی ایک منزل، سات یوم میں ایک قرآن ختم، جمعہ کو شروع کیا تو جمعرات کو ختم، ہفتے کو شروع کیا تو جمعہ کو ختم، اور اس سے نیچے یہ کہ دس دن میں قرآن کریم ختم ہو کہ تین پارے روزانہ پڑھیں، یہ حافظوں کی منزل ہے، عام کمزور حافظوں کی، ساتویں دن قرآن ختم نہ ہو تو دس دن میں تو ہو کہ ایک مہینے کے تین ختم ہو جائیں۔ اور اس سے کم درجہ یہ ہے کہ ایک پارہ روزانہ پڑھیں، یہ عام مسلمانوں کے لئے ہے کہ روزانہ کا ایک پارہ قرآن کریم کا معمول ہو، جس طرح کھانا کھانا روزانہ کا معمول ہے، اسی طرح روزانہ ایک پارہ قرآن کریم کی تلاوت کا بھی معمول ہونا چاہئے، ایک مہینے کے بعد قرآن کریم ختم۔ اس طرح اکابر فرماتے تھے کہ چاند کی جو تاریخ ہو وہی تمہارے پارے کی تلاوت ہو، کہ تم سے کوئی پوچھے کہ: ”آج تم نے کون سا پارہ پڑھا ہے؟“ تو تم کہو کہ میں نے ۲۲ واں پارہ پڑھا ہے، آج ۲۲ تاریخ ہے، اگر ۲۹ کا چاند ہو گیا تو مہینے کے ختم پر آخری دن ایک پارہ اور پڑھ لو، پہلی تاریخ کو پہلا پارہ شروع کرو، اس سے کم درجہ نہیں ہونا چاہئے، لیکن کچھ لوگ وہ بھی ہیں جن کا اس سے بھی کم درجہ ہے کہ کبھی پڑھ لیا اور کبھی نہیں پڑھا، کبھی آدھا پاؤ، کبھی ایک پاؤ، کبھی ایک رکوع، البتہ رمضان المبارک میں کچھ لوگ زیادہ پڑھ لیتے ہیں، لیکن بعض ایسے نیک بخت ہیں کہ رمضان المبارک میں بھی قرآن کریم ختم نہیں کرتے، تھوڑا بہت پڑھ لیتے ہیں۔ میں نے کہا کہ قرآن کریم کے ساتھ سب مسلمانوں کو محبت تو ہے، کوئی مسلمان ایسا نہیں کہ جس کے دل میں قرآن کریم کی عظمت نہ ہو، کوئی مسلمان ایسا نہیں جس کے دل میں قرآن کریم کی محبت نہ ہو، قرآن کریم سے تعلق نہ ہو، کوئی مسلمان ایسا نہیں جس کو کچھ تھوڑا بہت بھی یاد نہیں، لیکن پھر محبت کی مختلف منزلیں ہیں۔ بعض ضعیف حوالوں سے یہ بات پہنچی ہے کہ ہمارے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ رمضان المبارک میں اسٹھ قرآن پڑھتے تھے، ایک قرآن دن کا، ایک رات کا، اور ایک تراویح کا، اور یہی معمول

امام شافعی رحمہ اللہ سے نقل کیا گیا ہے، اور یہی معمول امام بخاری رحمہ اللہ سے منقول ہے، سالہا سال تک یہی معمول ہمارے شیخ تور اللہ مرقدہ کا تھا، لیکن اسٹھ کانٹیس بلکہ تیس قرآن کا، ایک قرآن روزانہ۔ اور یہ معمول تو بہت سے اکابر کا رہا ہے کہ رمضان میں روزانہ کا ایک قرآن۔ میرے بھائی اقامت کے دن تمہارے درجے اسی سے متعین ہوں گے، جن کے اندر جو محبت چھپی ہوئی ہے، سو چھپی ہوئی ہے، اس کا تو کسی کو پتا چلتا نہیں، لیکن کتنی طاقتور محبت ہے، کتنے درجے کی محبت ہے، بھائی اس کا اندازہ تو ان کے اعمال سے ہوگا، یوں کسی کو تعلق نہ ہو اور کہے کہ مجھے بہت محبت ہے، اب محبت کا کوئی پتا نشان نہیں ہوتا، وہ تو دل میں چھپی ہوتی ہے، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ اس محبت کا مظاہرہ کیسے ہوتا ہے؟

اور اسی محبت کا ایک پہلو یہ ہے کہ کیا تم اپنے بچوں کو قرآن کریم پڑھاتے ہو؟ ماں باپ جاہل سے جاہل بھی ہوں، اُن پڑھ ہوں، ان کی کم سے کم یہ خواہش ضرور ہوتی ہے کہ ہمارا بیٹا پڑھ لکھ جائے کہ ڈپٹی کمشنر بن جائے، تعلیم دلانے میں ہر ماں باپ کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کے بچے پڑھ لکھ جائیں، اس لئے پڑھنے والوں کی تعداد کافی بڑھ رہی ہے، لیکن قرآن پڑھنے والوں کی تعداد اسکولوں اور کالجوں میں پڑھنے والوں کے مقابلے میں کتنی ہے؟ یا دوسرے لفظوں میں یہ کہہ لو کہ ماں باپ اپنے بچوں کو دوسری تعلیم کے بجائے قرآن کریم کتنا پڑھاتے ہیں؟ اس میں لوگوں کے کئی درجات ہیں، بعض لوگ ایسے ہیں کہ جو بچوں کو باقاعدہ قاری صاحب سے صحیح قرآن کریم پڑھواتے ہیں، بعض وہ ہیں جن کے بچوں کو گھر میں عورتیں تھوڑا بہت پڑھا دیتی ہیں اور بس۔ اور یہ جو بڑے اونچے خاندان کے لوگ ہیں، ان میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ قرآن کریم پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے، اپنے آپ ہی آجاتا ہے۔ یہ تمہارے یہاں اس وقت جتنے بڑے بڑے نج ہیں، بڑے بڑے وکلاء ہیں، یا اس قسم کے لوگ ہیں جو اپنے آپ کو روشن خیال کہتے ہیں، اللہ مجھے بدگمانی سے بچائے، ان میں سے شاید ایک بھی صحیح قرآن نہیں پڑھ سکتا ہوگا، نہ پڑھتا ہوگا۔ مشکل ہے کہ حج صاحب کاروزانہ کا معمول قرآن کریم کی تلاوت ہو، حج صاحب نے صحیح قرآن پڑھا ہو، مشکل ہے۔ ہاں! کوئی غریب خاندان کا لڑکا ہو، اس کے والدین نے اس کو پڑھا دیا تو وہ دوسری بات ہے، وہ بھی بڑا آدمی بن سکتا ہے، لیکن یہ جو لوگ اونچے اونچے گھرانوں والے یا یہ بڑی بڑی کوٹھیوں والے... الا ماشاء اللہ... اس طرف سے غافل ہیں، البتہ اب کچھ رواج دیکھا کراچی میں کہ ادھر ادھر سے کسی مؤذن وغیرہ کو ٹیوشن پر رکھ لیتے ہیں کہ وہ بچوں کو ایک گھنٹہ آدھ گھنٹہ روزانہ پڑھایا کرے، ان کے بچے جا کر مسجد کی پڑائی چٹائیوں پر بیٹھیں، یہ ان کے لئے عار کی بات ہے، عزت کی بات نہیں، اس لئے بچوں کو مسجد بھیجنا گوارا نہیں کرتے۔ امراء کی نسبت جو نیچے طبقے کے لوگ ہیں ان کو قرآن کریم سے زیادہ تعلق ہے، لیکن اتنا تعلق پھر بھی نہیں جتنا ہونا چاہئے، یہ بچوں کو بس اتنا کر دیتے ہیں کہ مسجد میں بٹھا دیا، تھوڑا بہت انہوں نے پڑھ لیا، باقی اسکول کی تعلیم، اور اگر کہا جائے کہ قرآن کریم کے حفظ کے لئے اپنے بچوں کو

فارغ کر دو تو ان کا خیال یہ ہوتا ہے کہ اتنے سال بچے کے ضائع ہو جائیں گے۔ حالانکہ ضائع ہوتے نہیں، اگر قاری صاحب ٹھیک پڑھانے والے ہوں تو ذہین بچہ ایک سال میں قرآن یاد کر لیتا ہے، اور جو کوئی کمزور ہو تو وہ پانچ چھ سال لے لیتا ہے۔ اور ادھر تم جو پرائمری تک پڑھاتے ہو اس میں بھی اتنا ہی وقت لگتا ہے، قرآن کریم جس بچے نے حفظ کر لیا اس کو لے جا کر چھٹی جماعت میں داخل کر دو، بڑی آسانی کے ساتھ چلے گا۔ وقت تو ضائع نہ ہوا، کیوں بھی! چھٹی جماعت تک پہنچنے کے لئے پانچ جماعتوں میں پانچ سال تو اس کو لگیں گے نا، اب پانچ سال کے لئے تم نے بچے کو قاری صاحب کے حوالے کر دیا اور بچے نے قرآن کریم حفظ کر لیا تو چھٹی میں اس کو داخل کر دو، اس کا کیا ضائع ہوا؟ اور اگر اس سے آدھے سال کا فرق پڑ بھی جائے تو قرآن کریم جس بچے نے حفظ کیا ہو گا وہ ایسا چلے گا کہ دوسرے بچے اس کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے، پھر بھی خسارہ نہ ہوا، لیکن بہت سے نیک بخت ایسے ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ بچے نے اگر قرآن کریم پڑھ لیا تو اس کے اتنے سال ضائع ہو گئے۔

اور بہت سے لوگوں نے دل میں یہ بٹھالیا ہے کہ قرآن کریم سمجھنا نہ جائے تو طوطے کی طرح رننے سے کیا فائدہ؟ قرآن کو سمجھ کر پڑھنا چاہئے۔ میرا بھائی! قرآن کریم کے الفاظ کو زبان سے ادا کرنا مستقل عبادت ہے، قرآن کریم کا صحیح مطلب سمجھنا یہ ایک مستقل عبادت ہے۔ اور سمجھ کر اس پر عمل کرنا یہ ایک مستقل عبادت ہے۔ یہ تین عبادتیں الگ الگ ہیں۔ ان لوگوں کے دل میں چونکہ قرآن کریم کی پوری عظمت نہیں بیٹھی، اس لئے انہوں نے اس کو بھی انگریزی کی کتاب کی طرح سمجھ لیا کہ جس طرح اس کو سمجھ کر نہ پڑھے رشتا رہے تو کیا فائدہ؟ بالکل صحیح کہتے ہیں، انگریزی قانون کی کتاب تو اس نے رٹ لی، مگر جب تک معنی نہ سمجھے گا قانون کو نہیں جان سکتا، جب قانون ہی نہ جان سکا تو نہ وکیل بن سکتا ہے اور نہ کسی عدالت کا جج۔ کتاب کا رشتا محض بیکار اور ضائع گیا، کیونکہ انگریزی کی کتاب کے الفاظ سے کوئی عبادت متعلق نہیں، یہاں الفاظ مقصود ہی نہیں بلکہ مقصود معنی ہیں۔

ادھر قرآن کریم کے معنی بھی مقصود ہیں، الفاظ بھی مقصود۔ معنی کو سمجھنا بھی عبادت اور الفاظ کو زبان پر جاری کرنا بھی عبادت، اس کو یاد کرنا بھی مستقل عبادت، تو ان غریبوں نے قرآن کریم کو بھی انگریزی کی کتاب پر قیاس کر لیا، یہ کہتے ہیں کہ طوطے کی طرح رٹنے سے کیا فائدہ؟

میں تمہیں ایک مثال سمجھاتا ہوں، ایک بچہ تم نے قاری صاحب کے پاس بٹھایا قرآن کریم حفظ کرنے کے لئے، اب وہ ایک آیت کو سو مرتبہ تو ضرور پڑھے گا، اور یہ بات یاد رکھو کہ جتنی بار پڑھے گا اتنا ہی ایک ایک حرف پر دس نیکیاں اس کو ملیں گی۔ ”اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ“ کوئی شخص اگر اس آیت کو پڑھتا ہے، بار بار رشتا ہے، تو ”اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ“ میں جتنے حرف ہیں اس کی مقدار اس کو دس دس نیکیاں بھی ملیں گی، اور جتنی مرتبہ دہرائے گا اتنی ہی نیکیاں ملیں گی۔

اور ایک مسئلہ اور یاد رکھو! وہ یہ کہ جب تک بچہ نابالغ ہوتا ہے اس کے عمل کا کھاتہ الگ نہیں کھلتا، اس کا نامہ عمل شروع نہیں ہوتا، ہر ایک کا نامہ عمل ہوتا ہے نا! جب تک بچہ نابالغ ہے تو اس کا نامہ عمل اپنا شروع نہیں ہوتا، کیونکہ گناہ اس کے ذمے لکھے نہیں جاتے اور جونیک کام کرتا ہے، ساری کی ساری نیکیاں اس کے والدین کے کھاتے میں لکھی جاتی ہیں، تمہارے بچے نے پندرہ سال کی عمر تک (یعنی بالغ ہونے تک) جتنے الفاظ قرآن کریم کے پڑھے، جتنی مرتبہ پڑھا، وہ ساری کی ساری نیکیاں تمہارے نامہ اعمال میں لکھ دی جائیں گی، تم ہمیں بتاتے ہو کہ طوطے کی طرح زرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔

حافظ سیوطی رحمہ اللہ نے ”شرح الصدور“ میں ایک قصہ نقل کیا ہے، اور میں نے بہت سے دوستوں کو سنایا، قصہ یوں ہے: ایک بزرگ چلے جا رہے تھے، قبرستان کے پاس سے گزرے تو ان کو کشف ہوا۔ ”کشف“ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جیسے ہمارے سامنے یہ دیوار ہے، اگر دیوار ہٹا دی جائے تو ادھر اُس طرف کی چیز ہمیں نظر آنے لگتی ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اس عالم اور دوسرے عالم کے درمیان میں ایک آڑ بنا رکھی ہے، کبھی کبھی پردہ ہٹا کر دکھا دیتے ہیں، قبر میں میت کا حال نظر آ جاتا ہے، تو اس کو ”کشف“ کہتے ہیں، اور یہ برحق ہے۔ تو وہ بزرگ چلے جا رہے تھے، ان کو کشف ہوا یعنی قبرستان والوں کی حالت ان پر کھلی، تو ایسا محسوس ہوا کہ قبرستان میں بہت ساری کھیلیں (مکی جب بھونٹے ہیں تو کھیلیں بن جاتی ہیں) بکھری ہوئی ہیں، اور مردے ان کو چن رہے ہیں، یعنی قبرستان والے ان کو چن رہے ہیں، اور ان میں ایک آدمی کرسی کے اوپر بڑے ٹھاٹھ سے بیٹھا ہے، یہ بزرگ اس کرسی نشین سے پوچھتے ہیں: بھائی! یہ کیا ماجرا ہے؟ یہ لوگ کیا چن رہے ہیں؟ تو اس شخص نے جواب دیا کہ: مسلمان اپنے بزرگوں کے لئے جو ایصالِ ثواب کرتے ہیں، دُعا و استغفار کرتے ہیں، وہ ساری کی ساری تقسیم ہو جاتی ہے، اور یہ کھیلوں کی شکل میں اس سے اپنا اپنا حصہ لے لیتے ہیں، قعدہ اخیرہ میں پڑھتے ہوتا:

﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ﴾

ترجمہ: ”اے پروردگار! میری بخشش کر دے اور میرے والدین کی بخشش فرما دے، اور

تمام ایمان والوں کی بخشش فرما دے، جس دن قیامت قائم ہو اور جس دن حساب قائم ہو۔“

تو ہر ایک مسلمان کو اس کا حصہ ملتا ہے، یہ ایک مثال میں نے دی ہے، تو یہ وہ دُعا اور استغفار ہے جو مسلمان اپنے مرحومین کے لئے، مسلمان بھائیوں کے لئے کرتے رہتے ہیں، ہر ایک کو حصہ تقسیم کر دیا جاتا ہے، اور وہ اپنا اپنا حصہ لے لیتے ہیں، گویا کہ یہ مٹھائی کی ڈلیاں ہیں جو یہ لوگ چن رہے ہیں۔ اس بزرگ نے پوچھا: بھائی! تم کیوں نہیں چن رہے ہو؟ تو وہ شخص کہنے لگا: بات یہ ہے کہ میں دولت مند ہوں اور یہ بے چارے فقیر ہیں، مجھے ضرورت نہیں ہے، میں سیٹھ ہوں۔ بزرگ نے پوچھا: بھائی! کیسے سیٹھ ہو؟ کہا کہ: میرا بیٹا

حافظ قرآن ہے، روزانہ قرآن پڑھ کر مجھے ایصالِ ثواب کرتا ہے، لہذا مجھے ان صدقات و خیرات کی کیا ضرورت ہے، میرا تو وظیفہ لگا ہوا ہے۔ بزرگ نے پوچھا: تمہارا بیٹا کون ہے؟ کیا نام ہے؟ کہا: فلاں شہر میں اس کی دکان ہے، اس کا نام یہ ہے، تم دیکھو گے کہ وہ لوگوں کو سودا تول تول کر دے رہا ہے، مگر زبان اس کی چلتی رہتی ہے، ہر وقت قرآن مجید پڑھتا رہتا ہے، کسی سے بات نہیں کرتا۔ یہ بزرگ فرماتے ہیں کہ: میں وہاں گیا، اس دکان پر پہنچا، واقعی دیکھا کہ ایک صاحب ہیں، زبان ان کی مسلسل چل رہی ہے، قرآن شریف پڑھ رہے ہیں، جب کوئی شخص کچھ سودا مانگا ہے تو وہ تول کر اسے دے دیتے ہیں جو پیسے لینے یاد دیتے ہوتے ہیں یا لیتے دیتے ہیں، شاید درمیان میں بات بھی کر لیتے ہوں گے، میں نے قریب جاکر پوچھا کہ: کیا آپ کا یہ نام ہے؟ کہنے لگے: ہاں! میں نے پوچھا کہ: آپ اپنے والد کو روزانہ قرآن پڑھ کر بخشے ہیں؟ کہنے لگے: ہاں! پھر پوچھنے لگے: آپ کو کیسے پتا چلا؟ میں نے کہا کہ تمہارے والد نے بتایا ہے اور وہ کشف کا واقعہ ذکر کیا۔ اس نے کہا: صحیح ہے، یہی میرا نام ہے اور میں حافظ قرآن ہوں، اور روزانہ ایک قرآن ختم کرتا ہوں۔ اتنا پکا تھا حافظ قرآن کا، کچھ عرصے کے بعد یعنی سال دو سال کے بعد وہ بزرگ پھر وہیں سے جا رہے تھے، پھر وہی منظر سامنے آ گیا، اب دیکھا کہ وہ کرسی والا شخص بھی دوسروں کے ساتھ چمنے میں مصروف ہے، بزرگ نے پوچھا: اب آپ بھی ان کے ساتھ چن رہے ہیں؟ تو وہ کہنے لگا کہ: میرا وظیفہ ختم ہو گیا ہے، میری پنشن بند ہو گئی، اس لئے کہ میرے بیٹے کا انتقال ہو گیا۔

تو ایک تمہارے بچے جو حفظ کریں گے جب تک وہ نابالغ ہیں ان کا اپنا نام عمل نہیں، ان کا اپنا کھانا نہیں، وہ تمہارے کھاتے میں لکھا جائے گا، اور پھر تمہارے مرنے کے بعد وہ پڑھیں گے، وہ تمہاری پنشن بن جائے گی۔ لیکن مسلمانوں کے دل میں اس کی قیمت نہیں ہے، لہذا اس میں بھی لوگ مختلف ہیں، کسی نے ناظرہ قرآن پڑھوایا وہ بہت ہے، کسی نے تھوڑا بہت پڑھوایا، اور کچھ اللہ کے بندے ایسے ہیں جو حفظ میں ڈال دیتے ہیں، یوں کہہ لو کہ کچھ لڑکوں کو تم نے دنیا کے لئے پڑھایا اور ایک کو اپنی آخرت اور اپنی قبر کے لئے پڑھا دو۔

اور کچھ اللہ کے بندے ایسے ہیں کہ ان کا ہر ایک بیٹا حافظ قرآن ہے، یہ ہمارے ہاں صدیقی صاحب انگلینڈ سے آتے ہیں، احسن صاحب کے ماموں ہیں، مجھ سے محبت کرتے ہیں، وہ بتلاتے ہیں کہ ہم سات بھائی ہیں، ساتوں کو ہمارے والد صاحب نے حافظ بننے کے لئے بٹھایا، پھر ساتوں کو دارالعلوم دیوبند میں عالم بننے کے لئے بٹھایا۔ ہمارے شیخ نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ ہمارے کاغذ حلقے میں (حضرت شیخ کا قصبہ کا ندھلہ تھا) ہمارے شیخ حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ جن کی تبلیغی کتابیں ہر مسجد میں پڑھتے ہیں، فرماتے ہیں کہ کاغذ حلقے کی ہماری آبائی مسجد میں پوری صف حافظوں کی ہوتی تھی، ایک بے چارہ

مؤذن تھا جس کو قرآن مجید یاد نہیں تھا، اس کو ہم کہا کرتے تھے کہ تو نے گنوا دیا حافظ نہیں کیا، نہیں تو ساری کی ساری حافظوں کی صف تھی۔

میرے والد ماجد رحمہ اللہ تعالیٰ ان کو غریقِ رحمت فرمائے (آمین) ان کو رمضان المبارک میں قرآن مجید سننے کا اہتمام تھا، ادھر گھر میں تو کیا ارد گرد بھی کوئی حافظ نہیں تھا، رمضان المبارک آتا تو ہم لوگ حافظوں کو ڈھونڈنے کے لئے نکلتے، کسی کی دائرہ نہیں ہے، کوئی پیسے لیتا ہے، کوئی غلط پڑھتا ہے، یعنی مجھول پڑھتا ہے، بڑی پریشانی ہوتی تھی۔ میرے والد ماجد رحمہ اللہ ہمیشہ فرماتے: ”مولوی صاحب! تم نے ہی یاد کر لیا ہوتا!“ اللہ نے ان کی دعا کی برکت سے مجھے بھی یاد کر دیا اور ان کی توجہ کی برکت سے خاندان میں الحمد للہ! ان کی اولاد میں پچاس سے زیادہ حافظ ہیں۔ تھوڑا تھوڑا بھی بخشش تو ان کا کام بن جائے گا، الحمد للہ، الحمد للہ!

حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ تقریر میں فرمایا کرتے تھے کہ: میرے اتنے دوست ہیں، اگر کسی کی ماں کے چار بیٹے ہوں، ہر ایک تھوڑا تھوڑا کھڑا چھوڑ دے تو ماں کا پیٹ بھر جاتا ہے، تم میرے اتنے دوست ہو، تھوڑا تھوڑا بھی بخش دو گے تو ان شاء اللہ کام چل جائے گا۔ یہ امام الاولیاء فرماتے تھے، ہاں امام الاولیاء! یہ ہم سمجھتے ہیں کہ ہمیں آخرت کی ضرورت نہیں ہے، وہاں جا کر پتا چلے گا کہ اس کی کتنی ضرورت ہے؟ دنیا سے زیادہ ضرورت تھی یہاں کی، تو بھی اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرمائے، اپنی کتاب کا تعلق نصیب فرمائے، اپنی کتاب کی محبت نصیب فرمائے، اپنی کتاب کی عظمت نصیب فرمائے، اس کی تلاوت ہمیں نصیب فرمائے اور اس کا فہم ہمیں نصیب فرمائے۔

قرآن کریم کے حقوق

[حدیث: ۸۰۷] ”إِنَّ الَّذِي لَيْسَ فِيْ جَوْفِهِ شَيْءٌ مِنَ الْقُرْآنِ كَالنَّيْتِ

الْعُجْرَبِ۔“ (مشکوٰۃ ص: ۱۸۶)

ترجمہ: ”جس انسان کے دل کے اندر قرآن مجید کا کچھ حصہ نہ ہو، اس دل کی مثال ویران گھر کی سی ہے۔“

تشریح: حدیث شریف میں آتا ہے کہ: حق تعالیٰ شانہ کا قرب کسی چیز سے اتنا حاصل نہیں ہوتا، جتنا کہ قرآن مجید سے حاصل ہو سکتا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا ذاتی کلام ہے، یہ جل اللہ ہے، اللہ تعالیٰ کی مضبوطی ہے، خوب مل کر اللہ تعالیٰ کی ربی مضبوطی سے تھام لو، اس رسی کے تھامنے میں کسی کا اختلاف نہیں، جتنا قرآن کریم سے تعلق مضبوط ہوگا، اتنا انسان کھینچتا، چلا جائے گا۔

قرآن مجید کے تین حقوق ہیں، حقوق کی ادائیگی کے سلسلے میں ہمیں کوتاہی نہیں کرنی چاہئے، حضرت

مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک کتاب ”اصلاح انقلاب اُمت“ ہے، جس میں اس سلسلہ کی ہماری کوتاہیوں کی تفصیلات بیان کی گئیں ہیں۔

بہر حال قرآن مجید کا پہلا حق اس کی عظمت ہے، ہمارے دل میں اس کی ظاہری اور باطنی دونوں طور پر عظمت ہونی چاہئے۔ باطنی عظمت کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید کا جتنا مرتبہ اور اس کی بڑائی ہے، وہ خوب دل میں بیٹھ جائے، چنانچہ جس کو حق تعالیٰ شانہ نے قرآن مجید کا علم عطا فرمایا ہو، مثلاً حافظ ہو، عالم ہو، تو وہ دنیا کی نعمت کو دیکھ کر کبھی دل میں یہ حسرت نہ لائے کہ: افسوس مجھے یہ چیز (مثلاً کار، کوٹھی وغیرہ) نہیں ملی، واللہ العظیم دنیا کی کوئی نعمت قرآن مجید سے بڑھ کر نہیں، یہ اتنی بڑی دولت ہے کہ: دنیا کی دوسری تمام نعمتیں اگرچہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں، اس نعمت قرآن کے سامنے گروا رہ ہیں، اور تخت سلیمانی اس کے سامنے بیچ ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام تخت سلیمانی پر کہیں تشریف لے جا رہے تھے، آپ کے جلو میں جنات، انسان اور پرندے پر اباندے ہوئے تھے، عجیب سماں تھا، اتنے میں کسی نے زمین سے حضرت سلیمان علیہ السلام کی اس کروفر کو دیکھا تو کہا: سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ نے کیسی سلطنت حضرت سلیمان علیہ السلام کو عطا فرمائی ہے، حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب یہ کہتے ہوئے کسی سے سنا، تو حکم فرمایا کہ تخت زمین پر اتارا جائے، زمین پر اتر کر اس شخص کو بلایا اور اس سے پوچھا کہ تم نے یہ کیا کہا؟ اس نے سمجھا کہ شاید گستاخی ہو گئی ہے، کہنے لگا: حضرت! یہ بے اختیار نکل گیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کیسی حکومت عطا فرمائی ہے، حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ: بندۂ خدا تیرے منہ سے جو ”سبحان اللہ“ نکلا ہے، وہ ہزار تخت سلیمانی سے بہتر ہے۔

قرآن مجید کی دولت کے مقابلے میں، کائنات کی تمام چیزیں بچوں کے کھلونوں کی طرح ہیں، اصل دولت تو یہ قرآن مجید ہے، اس کی جتنی عظمت دل میں آئے گی، قرآن مجید اتنا ہی اپنا رنگ دکھائے گا۔

دوسرا حق قرآن مجید کی تلاوت کا ہے، قرآن مجید میں ہے: ”يَتْلُو اَعْلٰیہِمْ اٰیٰتِہٖ“ (وہ رسول ان پر اللہ کی آیات کی تلاوت کرتا ہے)۔

﴿رَسُولٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُو اٰیٰتِہٖ مُّطَهَّرًا ۝۸﴾ (رسول، اللہ کی طرف سے تلاوت کرتا ہے پاکیزہ

محیفے)۔

ایک بزرگ فرماتے تھے کہ: یہ تو اللہ تعالیٰ کا انعام ہے کہ ہمارے اور اللہ کے درمیان میں دو واسطے ہیں۔ ایک حضرت جبرائیل علیہ السلام کا اور دوسرا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے قرآن مجید جاری ہونا، اگر یہ واسطے درمیان میں نہ ہوتے، تو ہم قرآن مجید کی تلاوت پر قادر نہ ہوتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک دند آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست قرآن مجید سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے قرآن مجید سن کر دلوں پر کیا

اثرات پڑے ہوں گے؟ کون اندازہ کر سکتا ہے؟ وہ حضرات تلاوت سن کر رونے لگے۔

آج ہم لوگوں کو تلاوت کی توفیق کم ہوتی ہے، آج مسلمانوں کے گھروں میں کتنے پڑھے لکھے لوگ ہیں، مگر انہیں قرآن مجید کی تلاوت کی توفیق کم ہی ہوتی ہے۔ دوسری کتابیں کتنی پڑھی جاتی ہیں، جب سے اخبارات، ٹی وی آگیا ہے اور ناول، افسانے آگئے ہیں، مسلمانوں کے ہاتھوں سے قرآن مجید چھین لیا گیا ہے، بہت سے گھر ہیں، جن میں مہینوں تک قرآن مجید کی تلاوت نہیں ہوتی۔

حدیث شریف میں ہے:

”إِنَّ الَّذِي لَيْسَ فِيْهِ خَوْفُهُ شَيْئًا مِنَ الْقُرْآنِ كَالْبَيْتِ الْخَرُوبِ“

(مشکوٰۃ ص: ۱۸۶)

ترجمہ: ”جس انسان کے دل کے اندر قرآن مجید کا کچھ حصہ نہ ہو، اس دل کی مثال ویران گھر کی سی ہے۔“

مثال مشہور ہے ”خانہ خالی را دیوے گیر“ (خالی گھر میں شیطان بسیرا جمالیتا ہے)۔

افسوس آج ہمارے گھر قرآن مجید کی تلاوت سے خالی ہو گئے ہیں، نتیجہ یہ ہوا کہ شیاطین نے بسیرا کر لیا، یہی وجہ ہے کہ آج ہر گھر میں پریشانیاں بڑھ گئی ہیں، گھر میں ہر نعمت موجود ہے، مگر قلب کا سکون نہیں ہے، آپ کسی کو تھوڑا سا نشتر لگا دیں، اور ٹٹولیں تو وہ اپنی پریشانیوں کی داستان سنا شروع کر دے گا، پریشانیاں ہیں، مگر وجہ معلوم نہیں ہے، گھر میں بچے کا فوٹو لگا ہوا ہے، ۹۰ فیصد گھروں میں فوٹو لگے ہوئے ہیں، آپ حضرات نے حضور ﷺ کا یہ ارشاد تو سنا ہوگا کہ: ”لَا تَدْخُلُ الْمَلِكَةُ بَيْتًا فِيْهِ كَلْبٌ وَلَا تَصَاوِيرُ“ (مشکوٰۃ ص: ۳۸۵) (کہ جس گھر میں تصویر یا کتا ہوگا اس گھر میں رحمت کے فرشتے نہیں آئیں گے)۔

گھر میں قرآن کی تلاوت نہیں ہوتی، ذکر نہیں ہوتا، درود شریف نہیں پڑھا جاتا اور دوسری دین کی بات نہیں ہوتی، اس لئے رحمت و رخصت ہو گئی، دل کا مسکراتا کہاں سے حاصل ہوگا؟

حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا جَلَسَ قَوْمٌ مَّا جَلَسْنَا لَمْ يَذْكُرُوا اللَّهَ فِيْهِ وَلَمْ يَصَلُّوا عَلَى نَبِيِّهِمْ إِلَّا كَانَ عَلَيْهِمْ تَوْرَةٌ فَإِنْ شَاءَ عَذَّبَهُمْ وَإِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهُمْ“ (ترمذی ج: ۲ ص: ۱۷۴)

ترجمہ: ”ان لوگوں کی مثال جو ایک جگہ جمع ہوئے (اور انہوں نے کھانا وغیرہ کھایا) مگر اللہ کا ذکر کئے اور درود شریف پڑھے بغیر اٹھ گئے، انہوں نے بہت بڑا نقصان کیا، اگر اللہ پاک چاہیں تو ان کو عذاب دیں یا چاہیں تو ان کو معاف فرمادیں۔“

اسی طرح ابوداؤد شریف میں ہے:

”فَمِنْ قَوْمٍ يَقُومُونَ مِنْ مَجْلِسٍ لَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ فِيهِ إِلَّا قَامُوا عَنِّ وَشَلَّ حَيْفَةُ جَمَاعٍ وَكَانَ عَلَيْهِمْ حَسْرَةٌ“
(ابوداؤد ج: ۲، ص: ۳۱۰)

ترجمہ: ”جو لوگ کسی مجلس سے اس حال میں اٹھے کہ انہوں نے اس میں اللہ کا ذکر نہیں کیا تو وہ ایسے ہیں جیسے (چند کتے) ٹردار گدھے پر جمع ہوئے اور کھا کر چلے گئے، ایسی مجلس ان لوگوں پر قیامت کے دن حسرت و افسوس کا سبب ہوگی۔“

ہم شام سے لے کر صبح تک اور صبح سے لے کر شام تک اپنی زندگی کا جائزہ لیں، کہ گھر میں قرآن پڑھا جاتا ہے یا نہیں؟ پہلے ہر گھر میں اس کا اہتمام ہوتا تھا، روزانہ گھروں میں تلاوت ہوتی تھی، سب سے بہترین وقت تلاوت کا نماز فجر کے بعد کا وقت ہے، فجر کی نماز سے پہلے تسبیحات افضل ہیں اور نماز کے بعد تلاوت، باقی دونوں سونے کی کانیں ہیں، بڑے گھروں میں لوگ اٹھتے ہی نوبتیں دیر سے سوتے ہیں، عشاء کے بعد ٹی وی دیکھا جا رہا ہے، تبصرے ہو رہے ہیں، باتیں کی جا رہی ہیں، حالانکہ آنحضرت ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے، چنانچہ حدیث میں ہے:

”كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكُونُ الْتَوَمَ قَبْلَ صَلَاةِ الْعِشَاءِ وَالْحَدِيثَ بَعْدَهَا“
(موطا امام مالک ص: ۱۰۱)

ترجمہ: ”آنحضرت ﷺ عشاء سے پہلے نیند کرنے کو اور نماز عشاء کے بعد باتیں کرنے کو ناپسند فرماتے تھے۔“

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کی خانقاہ میں حضرت رحمہ اللہ کے زمانے میں عشاء کے بعد قانوناً بات کرنے کی ممانعت تھی، حکم تھا کہ عشاء کے بعد سو جاؤ، جلدی سونے سے تہجد کے لئے اٹھنا آسان ہوگا، بے خوابی کی شکایت نہیں ہوگی، گولیوں کی ضرورت نہیں رہے گی، سنت کے خلاف کرو گے تو ایسا ہی ہوگا، بہر حال مسلمانوں کا کوئی گھر تلاوت سے خالی نہیں ہونا چاہئے۔

تلاوت کے معمول اکابر کے مختلف رہے ہیں، روزانہ ایک قرآن مجید، ۱۵ س پارے روزانہ، ۱۰ س پارے روزانہ اور کم سے کم معمول ایک پارہ روزانہ اور مہینہ میں ۳۰ س پارے، یہ اپنے اوپر لازم کر لیتا چاہئے، جتنا اوب و احترام کے ساتھ پڑھو گے، اتنا ہی اللہ تعالیٰ نوازیں گے، ایک صاحب قرآن پڑھنا نہیں جانتے تھے، انگلی پھیر کر ”هَذَا كَلَامُ رَبِّي! هَذَا كَلَامُ رَبِّي!“ پڑھتے رہتے تھے، حق تعالیٰ شانہ نے بخش دیا۔

اب تو دیندار گھروں میں بھی تلاوت کا معمول نہیں رہا، باپ نیک ہے، تو بیٹا آزاد ہے، سارا شیرازہ بکھر گیا ہے، اب لوگ بودے (انگریزی بال) رکھتے ہیں، پہلے اس کا رواج نہیں تھا۔ ایک صاحب نے مجھے

جدہ ایر پورٹ پر بتلایا کہ ایک نوجوان فوج میں گئے، جب واپس آئے تو بودے بنوائے اور ننگے سر پھرنا شروع کر دیا، پرانے زمانے کی بات ہے، کچھ عورتیں چرخہ کات رہی تھیں، انہوں نے اس کو دیکھا تو محبت کے ساتھ بلایا، ایک بڑھیا گھر میں گئی، چولہے کی راگھ لے کر آئی اور اس کے سر پر ڈال دی، اس کو کہا کہ تو لڑکیوں کو بال دکھاتا پھرتا ہے؟

اس وقت نیکی غالب تھی، اس کو نصیحت آگئی اور اس نے بال کٹوا لئے، اللہ کی شان اب نیکی مغلوب اور بدی غالب آرہی ہے، باپ اپنے بچوں کی اصلاح و تربیت سے گھر میں عاجز ہو رہا ہے، شوہر اپنی بیوی اور بیوی اپنے شوہر کی اصلاح سے عاجز ہے، باپ بیٹے کی اور بیٹا باپ کی اصلاح سے عاجز ہے، ہم نے حضرت محمد ﷺ کو دیکھنے کی بجائے یہود و نصاریٰ کے معاشرے کو دیکھنا شروع کر دیا، نتیجہ یہ نکلا ہے کہ بدی غالب آرہی ہے اور نیکی مغلوب ہو رہی ہے، اب نیکی کا پینا مشکل ہو گیا ہے، یہ سب کچھ مسلمانوں کے معاشرے میں ہو رہا ہے، اگر کوئی شادی بیاہ سنت کے مطابق کرنا چاہتا ہے، تو اس کو معاشرہ نہیں کرنے دیتا، ”خود کردہ را علاقہ نیست۔“

پہلے تلاوت قرآن مسلمانوں کے روزہ مرہ کے معمولات میں تھی، تلاوت سے دل، بدن اور آنکھوں میں نور آتا ہے، دل مجمع الانوار، نور الانوار بنتا ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے ہر حرف کے نیچے تجلیات رکھی ہیں، تلاوت کا ثواب قیامت کو تو ملے گا ہی، مگر دنیا میں بھی بہت کچھ ملے گا، مشکلات آسان ہوں گی، دل میں سکون آئے گا، گھروں میں برکتیں اور رحمتیں آئیں گی، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِمَا فِي الصُّدُورِ ۚ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ﴾ (یونس: ۵۷)

ترجمہ: ”اے لوگو تمہارے پاس آتی ہے نصیحت تمہارے رب سے اور شفا دلوں کے روگ کی اور ہدایت اور رحمت مسلمانوں کے لئے۔“

تم اس کو کہاں بھول گئے؟ یہ بھولنے کی چیز نہیں ہے، واللہ العظیم قرآن مجید تمہاری سب ظاہری، باطنی اور اندرونی، بیرونی بیماریوں کے لئے شفا ہے۔

قرآن مجید کا تیسرا حق: قرآن مجید کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھالیں، اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ایک شاگرد حضرت مسروق رضی اللہ عنہ تھے وہ آپ کی خدمت میں تھے، انہوں نے عرض کیا: ”يَا أَمَّاؤُ! تَبَيَّنَ عَن خُلُقِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ“ (اماں جان! مجھے حضور ﷺ کے اخلاق بتلائے۔) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ”يَا بَنِي! أَوْ مَا تَقْرَأُ الْقُرْآنَ؟ كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ“ (صاحب زادے! کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟ آپ کا خلق تو قرآن ہی تھا)۔ آپ ﷺ کا اخلاق سراپا قرآن ہی تھا،

جہاں قرآن نے کھڑا کر دیا، کھڑے ہو گئے، جہاں بٹھا دیا، بیٹھ گئے، جہاں روک دیا، رک گئے، جہاں چلا دیا چل دئے، جہاں کھانے کو کہا، کھالیا، آپ ﷺ کی پوری زندگی قرآن مجید کی عملی تفسیر تھی، قرآن مجید ہمارے لئے نازل ہوا ہے، ہمیں چاہئے کہ ہم قرآن مجید کے مطابق بن جائیں۔

ایک حدیث شریف میں ہے: ”مَثَلُ الْقُرْآنِ مَثَلُ الْإِبِلِ الْمُعْلَقَةِ إِنْ نَعَاهَدَهَا صَاحِبُهَا أَمْسَكَهَا وَإِنْ تَوَلَّاهَا ذَهَبَتْ“ (مسند احمد ج: ۲ ص: ۲۲)۔

یعنی قرآن کی مثال اس اونٹ کی سی ہے جس کی ناک میں ٹکیل ہو، (اور ناک زخمی ہو، اگر بچہ بھی اس اونٹ کو لے چلے گا، تو چلا جائے گا، جہاں اس کو بٹھائے وہ بیٹھ جاتا ہے، اگر اٹھا دیا جائے تو اٹھ جاتا ہے) اور اگر چھوڑ دیا تو بھاگ جاتا ہے۔ یعنی قرآن کریم کا حافظ اگر مستقل پڑھتا رہے تو یاد رہے گا ورنہ جیسے ہی اس نے چھوڑ دیا تو بھول جائے گا۔

ہمیں چاہئے کہ جہاں قرآن مجید بٹھا دے، ہم بیٹھ جائیں، جہاں چلا دے، چل پڑیں، ہم نے آج قرآن پر عمل کرنے کے بجائے اسے طاق میں رکھ دیا ہے، حضرت تھانوی رحمہ اللہ سے پوچھا گیا: کیا قرآن مجید کو چومنا جائز ہے؟ آپ نے فرمایا: ”چومنا تو جائز ہے ہی، اس کو دل میں اتارا جائے۔“ اب تو یہ ہونے لگا ہے کہ اگر قرآن مجید کی کوئی بات سامنے آتی ہے تو اس میں تاویل کی جاتی ہے قرآن مجید میں ہے:

﴿وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ الَّتِي لَا يَرْجُونَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ أَنْ يَضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجَاتٍ بِزِينَةٍ ۖ وَأَنْ يَسْتَغْفِفْنَ ذُنُوبَهُنَّ﴾ (النور: ۶۰)

ترجمہ: ”وہ بوڑھی عورتیں جو نکاح کی حد سے گزر گئی ہیں، ان پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ اپنے کپڑے (پردہ) اتار رکھیں، کہ نہ دکھائیں پھر اپنا سنگھار، اگر وہ اس سے بچیں (یعنی پردہ میں رہیں) تو ان کے لئے بہتر ہے۔“

اب قصہ برعکس ہو گیا، بوڑھی کجاوہ جو اب بھی پردہ نہیں کرتیں، برقعہ تو گیا، دوپٹہ بھی اتر گیا ہے، اگر ہماری بہنیں چاہتی ہیں کہ گھروں میں آرام اور چین و سکون ہو، دلوں کو راحت نصیب ہو، تو قرآن مجید پر عمل کریں، آج چہرے کے پردے کا انکار کیا جاتا ہے، اگر چہرے کا پردہ نہیں، تو کس کا پردہ ہے؟ قرآن مجید میں ”قَوْن“ کا لفظ ہے کہ تک کر اور جم کر گھروں میں بیٹھیں، بناؤ سنگار نہ کرتی پھریں، مگر آج معاملہ اس کے برعکس ہو گیا ہے، عورتیں گھروں میں بیٹھنے کی بجائے دفاتر اور اسمبلیوں میں ہیں، اور ان کی بھرتی ہو رہی ہے، یہاں تک کہ وزارت عظمیٰ کے حصول کے لئے بے تاب ہیں، بلکہ اب تو یہ منصب بھی ان کے زیرِ پا ہے، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی حفاظت فرمائے۔

قرآن کریم سیکھ کر پڑھنے کے فضائل

[حدیث: ۸۰۸] ”تَعَلَّمُوا كِتَابَ اللَّهِ فَإِنَّهُ أَفْضَلُ الْحَدِيثِ، وَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ فَإِنَّهُ رِيعُ الْقُلُوبِ، وَاسْتَشْفُوا بِنُورِهِ فَإِنَّهُ شِفَاءٌ لِمَا فِي الصُّدُورِ، وَأَحْسِنُوا تِلَاوَتَهُ فَإِنَّهُ أَحْسَنُ الْقَصَصِ وَإِذَا قُرِئَ عَلَيْكُمْ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ، وَإِذَا هَدَيْتُمْ لِعَلِمِهِ فَاعْمَلُوا بِمَا عَلِمْتُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ، فَإِنَّ الْعَالِمَ الْعَامِلَ بِغَيْرِ عِلْمِهِ كَالْجَاهِلِ الْجَانِبِ الَّذِي لَا يَسْتَقِيمُ عَنْ جَهْلِهِ بَلْ قَدْ رَأَيْتَ أَنَّ الْحُجَّةَ أَعْظَمَ وَالْخُسْرَاءَ أَذْوَمَ عَلَى هَذَا الْعَالِمِ الْمُنْسَلِخِ مِنْ عِلْمِهِ عَلَى هَذَا الْجَاهِلِ الْمُتَخَيِّرِ فِي جَهْلِهِ، وَكِلَاهُمَا مُضَلَّلٌ مَضِلٌّ لَا تَرْتَابُوا فَتَشْكُوا، وَلَا تَشْكُوا فَتَكْفُرُوا، وَلَا تُرْخَضُوا لِأَنْفُسِكُمْ فَتَذْهَبُوا، وَلَا تَذْهَبُوا فِي الْحَقِّ فَتُخْشَرُوا۔“ (البديع والنهاية ج: ۷ ص: ۳۰۷)

ترجمہ: ”اللہ کی کتاب کو سیکھو، اس لئے کہ یہ افضل کلام ہے، اور دین میں تفقہ حاصل کرو، اس لئے کہ یہ دلوں کی بہار ہے، اور اس کے نور سے شفا حاصل کرو کیونکہ وہ شفا ہے سینوں کی بیماریوں کے لئے، اور اس کی خوب تلاوت کیا کرو، اس لئے کہ یہ سب سے بہترین بیان ہے، اور جب تمہارے سامنے قرآن پڑھا جائے تو اس کو غور سے سنا کرو اور خاموش رہا کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے، اور جب تم کو ہدایت حاصل ہو جائے اس علم کی جو تم نے قرآن کریم سے سیکھا ہے، تو اس پر عمل کرو تا کہ تم کو ہدایت کا راستہ نصیب ہو، پس بے شک جو عالم اپنے علم پر عمل نہ کرتا ہو وہ اس جاہل کی مانند ہے جو راستے سے بھٹکا ہوا ہو اور اپنی جہالت سے سیدھی راہ پر نہ آتا ہو، بلکہ میں نے دیکھا ہے کہ جو عالم اپنے علم سے نکلا ہوا ہو اس پر حجت بڑی اور حسرت دائمی ہے بہ نسبت اس جاہل کے جو اپنے جہل میں متحیر ہے، اور دونوں گمراہ اور ہلاک ہونے والے ہیں، تردد میں نہ پڑا کرو ورنہ تم شک میں پڑ جاؤ گے، اور دینی حقائق میں شک میں نہ پڑو ورنہ تم کافر ہو جاؤ گے، اور اپنے لئے رخصتیں نہ تلاش کیا کرو ورنہ تم بھول میں پڑ جاؤ گے اور حق کے معاملے میں بھول اختیار نہ کرو ورنہ تم خسارے میں پڑ جاؤ گے۔“

تشریح: اس خطبہ میں یہ بات فرمائی کہ اللہ کی کتاب کو سیکھو اس لئے کہ یہ سب سے بہتر کلام ہے،

اس سے احسن، اس سے افضل، اس سے نفع اور اس سے بہتر کوئی کلام نہیں ہے۔

میں نے ایک موقع پر کہا تھا کہ دنیا کی کوئی کتاب ایسی نہیں کہ محض اس کی تلاوت کرنا، اس کا پڑھنا موجب اجر و ثواب ہو، جبکہ قرآن کریم وہ واحد کتاب ہے کہ اس کے الفاظ کی تلاوت بھی موجب اجر و ثواب ہے، صرف اس کے الفاظ کو زبان پر جاری کرنا بھی مستقل عبادت ہے، چنانچہ ایک حدیث کا مضمون ہے:

”قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَبَا ذَرٍّ! لَأَنْ تَغْدُو فَتَعْلَمَ آيَةَ مِنْ كِتَابِ اللَّهِ خَيْرٌ لَكَ مِنْ أَنْ تُصَلِّيَ مِائَةَ رُكْعَةٍ وَلَا أَنْ تَغْدُو فَتَعْلَمَ بَابًا مِنَ الْعِلْمِ غَمِلَ بِهِ أَوْ لَمْ يَغْمِلْ خَيْرٌ مِنْ أَنْ تُصَلِّيَ أَلْفَ رُكْعَةٍ۔“ (ابن ماجہ ص: ۲۰)

ترجمہ: ”آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے ابو ذر! تو اس طور پر صبح کرے کہ قرآن کریم کی ایک آیت سیکھ لے، یہ تیرے لئے ایک سو رکعت نفل پڑھنے سے بہتر ہے، اور یہ کہ تو اس طور پر صبح کرے کہ دین کا ایک باب سیکھ لے چاہے تو اس پر عمل ہو یا نہ ہو، تیرے لئے ایک ہزار رکعت نفل پڑھنے سے بہتر ہے۔“

پہلی بات کہ ایک آیت سیکھ لے یہ سو رکعت نفل پڑھنے سے بہتر ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! سمجھ کر یا بے سمجھے؟ فرمایا: خواہ سمجھ کر یا بے سمجھے۔ تو قرآن کریم کی ایک آیت سیکھ لیں چاہے اس کا مضمون سمجھ میں آئے یا نہ آئے دونوں صورتوں میں یہ اجر برابر ہے۔

دوسری بات کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: یا رسول اللہ! خواہ عمل کرے یا نہ کرے؟ فرمایا: خواہ عمل کرے یا نہ کرے۔ یعنی علم سیکھنے کی فضیلت الگ ہے اور اس پر عمل کرنے کی فضیلت الگ ہے، یہ مضمون آگے آ رہا ہے۔ تو کتاب اللہ کو سیکھو اور سیکھنے کا شوق پیدا کرو۔

ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ گھر سے مسجد میں تشریف لائے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قرآن کریم کے سیکھنے اور سکھانے میں مشغول تھے، ان میں سے کچھ چھوٹی عمر کے تھے، کچھ بڑی عمر کے تھے، عام طور پر بڑی عمر کے لوگوں کی زبان سیدھی نہیں ہوتی، تلفظ میں بڑی مشکل ہوتی ہے، ان صحابہ رضی اللہ عنہم میں کچھ عرب تھے، کچھ عجم تھے، عجمیوں کے لئے عربی زبان کا تلفظ مشکل ہوتا ہے، ارشاد فرمایا کہ: ”أَقْرَأُوا فَتَحْتَلَّ حَسَنٌ“ (مشکوٰۃ ص: ۱۹۱) یعنی سب ٹھیک ہے، سیکھتے رہو۔

ہمارے اس زمانے میں یہ رسم چل نکلی ہے کہ ہر چیز کو سیکھنے کی ضرورت ہے پر قرآن سیکھنے کی ضرورت نہیں ہے، یہ آپ ہی آپ آجاتا ہے، کسی میاں جی کے پاس، کسی قاری صاحب کے پاس الفاظ سیکھنے کی ضرورت ہی نہیں، جیسے اردو الفاظ خود ہی آجاتے ہیں، ویسے ہی یہ قرآن بھی آجاتا ہے اور قرآن کریم کے پڑھنے پڑھانے کی ضرورت نہیں، یعنی معنی سیکھنے کی ضرورت نہیں بس ترجمہ دیکھ لینا کافی ہے، حالانکہ عربی زبان و ادب سے ناواقف ہوتے ہیں جو قرآن فہمی کے لئے اولین شرط ہے، بہت سے لوگ مجھے حوالے دیا

کرتے ہیں کہ فلاں سورت کی فلاں آیت میں یہ مضمون لکھا ہے میں نے اس پر عمل کیا ہے، اپنے پاس سے مسئلہ گھڑ لیتے ہیں اور ساتھ ہی کہتے ہیں کہ تم یہ مسئلہ بتاتے ہو۔

ایک داعظ صاحب وعظ کہہ رہے تھے، امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ پاس سے گزرے، اس سے فرمایا: تم قرآن کریم کے ناخ و منسوخ کو جانتے ہو؟ مجمل اور مفصل کو، محکم اور قشایہ کو جانتے ہو؟ اس داعظ نے کہا کہ: نہیں! فرمایا: تم سے کس نے کہا تھا داعظ کہنے کو؟ غلط سلسلہ جو منہ میں آئے گا بانگو گے، قرآن کریم کے الفاظ کو بھی سیکھو اگر اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے، اس کا معنی اور مفہوم بھی سمجھو۔

میں ہمیشہ ایک بات کہا کرتا ہوں، ایک فقرہ کہا کرتا ہوں کہ میں نے دنیا میں قرآن کریم سے زیادہ آسان کتاب نہیں دیکھی اور قرآن کریم سے زیادہ مشکل کتاب نہیں دیکھی، پڑھتے پڑھاتے عمریں بیت گئیں، بال سفید ہو گئے لیکن سمجھ میں نہیں آیا کہ لوگ قرآن کریم کا ترجمہ دیکھ کر مجتہد بن جاتے ہیں، لوگوں کا یہ ذہن بن گیا ہے کہ سب کچھ سیکھنے کی ضرورت ہے، لیکن قرآن کریم سیکھنے کی ضرورت نہیں، یہ اپنے آپ ہی آجاتا ہے اور یہ جو ہمارے لوگ ہیں جو علماء سے تھوڑا بہت تعلق رکھتے ہیں یہ تو بے چارے تھوڑا بہت اردو ترجمہ دیکھ لیتے ہوں گے، یہ جو اونچے طبقے کے لوگ ہیں ان کے لئے اردو ترجمہ دیکھنا بھی گناہ ہے، یہ انگریزوں کا ترجمہ دیکھتے ہیں یا زیادہ سے زیادہ پکھال کا ترجمہ دیکھ لیا، یوسف علی کا دیکھ لیا بس۔ حالانکہ ان ترجموں پر ماہرین قرآن کے اعتراضات ہیں۔

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ اپنی معلومات کی تصحیح کرواؤ کہ تم نے جو سیکھا ہے وہ صحیح بھی ہے؟ اور تم نے جو سمجھا ہے وہ صحیح بھی سمجھا ہے یا نہیں؟ عالمگیر بی بی کا لیلیٰ مشہور ہے کہ ایک دفعہ انہوں نے دیکھا کہ ان کے امراء، وزراء میں مسجد کی طرف رغبت کچھ کم ہو رہی ہے، حکم دے دیا کہ جو میاں جی سے، منجید کے امام سے اتنی آیتیں سیکھ کے آئے گا اس کو اتنا انعام ملے گا، اور اتنی ترقیات ہوں گی، سب لوگ دوڑے میاں جی اور قاری صاحب کے پاس، یہ تو عالمگیر بی بی کا انعام تھا۔

عالمگیر بی بی کے خدا کا انعام یہ ہے کہ قرآن کے قاری سے کہا جائے گا:

”إِقْرَأْ وَازِقْ وَرَقُلْ كَمَا كُنْتَ تَقْرَأُ فِي الدُّنْيَا فَإِنَّ مَنْزِلَكَ عِنْدَ آخِرِ آيَةِ تَقْرَأُهَا۔“

ترجمہ: ”پڑھتا جا اور پڑھتا جا (جتنی آیتیں پڑھو گے اتنے درجے بلند کر دیں گے) جس طرح تم تزیل کے ساتھ، آہستگی کے ساتھ دنیا میں پڑھتے تھے، ویسے پڑھو، جہاں تمہارے قرآن کی آخری آیت ختم ہوگی وہی تمہارا مرتبہ ہوگا (چڑھ جاؤ جتنا تم

سے اونچا چڑھا جاتا ہے، یہ ترقیات ہیں۔“

تو قرآن کریم کو سیکھو بھائی! اس کے الفاظ کو بھی سیکھو، اس میں عار نہ کرو، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بہت سے ایسے تھے جن کی عمریں پختہ ہو گئی تھیں، ساٹھ سال کے تھے، ستر سال کے تھے، اس کے باوجود انہوں نے قرآن کریم سیکھا، تو مجھے یہ پڑھ کر حیرت ہوئی کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ جن کا شمار عشرہ مبشرہ میں ہے، وہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے قرآن کریم پڑھتے تھے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ جن کی عمر رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت کوئی دس سال کی تھی، صحیح بخاری میں یہ قصہ ہے۔ تو اتنے بڑے اونچے جلیل القدر صحابی جن کا شمار ان دس صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہے جن کو آنحضرت ﷺ نے جنت کی بشارت دی تھی اور جو ”افضل هذه الامة“ ہیں، (اس امت میں سب سے افضل ہیں)، لیکن ان کو عار نہیں ہے کہ میں ایک چھوٹے بچے سے قرآن پڑھتا ہوں، حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس قرآن کریم کی مشق کرتے تھے، جب کہ یہی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ان سے رسول اللہ ﷺ کی احادیث سیکھتے تھے، تو قرآن کریم کو سیکھو ”فانه افضل الحديث“ سب سے افضل حدیث اور سب سے افضل کلام ہے، ”وتفقهوا فی الدین“ اور دین کا فہم حاصل کرو۔

یاد رکھو! ایک ہے دینداری، اور ایک ہے دین کا فہم، اور ایک ہے مزاج کا دین کے مطابق ڈھل جانا، یہ تین چیزیں الگ الگ ہیں۔

میں بہت سے لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ ماشاء اللہ دیندار ہیں، متشرع ہیں، داڑھی بھی رکھی ہوئی ہے، ماتھے پر محراب ہے، حاجی بھی ہیں، نمازی بھی ہیں لیکن مزاج دینی نہیں ہے، دین میں ڈھلا ہوا نہیں ہے، اور بہت سے ایسے ہیں کہ ماشاء اللہ دیندار ہیں، مسئلے مسائل پر عمل بھی کرتے ہیں لیکن دین کا فہم نہیں ہے، عربی زبان بھی کما حقہ نہیں آتی، بس ایسا ہی ہے جیسے ڈاکٹر اسرار احمد ہے، خود ہی مجتہد بن گئے، اکبر مرحوم نے کہا تھا:

انہوں نے دین کب سیکھا ہے رہ کر شیخ کے گھر میں؟

پلے کالج کے چکر میں، مرے صاحب کے دفتر میں!

وہی بات جو پہلے کہہ چکا ہوں کہ ساری عمر تو انگریزی پڑھتے رہے، گھومتے رہے اور اپنے بیانات میں بھی حوالے نامعلوم کن کن انگریزوں کے دیتے ہیں، الفاظ تو بولتے ہی تھے، تحریر میں بھی دیکھو تو آدھے الفاظ انگریزی رسم الخط میں لکھتے ہیں، اب میرے جیسا اس کو کیا سمجھے گا؟ لیکن دین کسی سے سیکھا نہیں ہے، ان کا دین بس اپنے فہم کی پیداوار ہے، جتنا خود مطالعے سے سمجھ لیا، سمجھ لیا کسی سے سیکھنے، سمجھنے کی ضرورت نہیں۔ بھائی! اپنے آپ مطالعہ کر کے آپ کبھی عدالت میں وکیل کی حیثیت سے کھڑے نہیں ہو سکتے کہ میں نے قانون کا مطالعہ کیا ہے، قانون کو جج سے زیادہ جانتا ہوں، اور ڈاکٹری کے فن کا اپنے آپ مطالعہ کر کے بھی آپ

کسی ہسپتال میں مریض کا آپریشن نہیں کر سکتے بلکہ دوا بھی نہیں دے سکتے، آپ یہ کہیں کہ میں نے بہت مطالعہ کیا ہوا ہے، پوچھنے والے پوچھیں گے: ڈگری ہے؟ استادوں نے تمہارے علم کی تصدیق کی ہے یا نہیں؟ کیا قرآن اور حدیث کے علم کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ کسی استاذ نے بھی اس کی تصدیق کی ہے؟ خالد اسحق بھی محقق، ڈاکٹر اسرار بھی محقق اور فلاں بھی محقق، بڑے اونچے اونچے القاب کے ساتھ نام چھپتا ہے، ممتاز دینی اسکالر، نہ شکل دین کے مطابق، نہ عقل دین کے مطابق! تنقہ فی الدین کی ضرورت ہی نہیں، جو سمجھ میں آ گیا بس وہ ٹھیک ہے:

فَسَوْفَ تَعْرِى إِذَا انْكَشَفَ الْغُبَارُ

أَفَرَأَيْتَ تَحْتَ رَجُلِك أَمْ حِمَارٌ

ترجمہ: ”یہ غبار چھٹنے دو تو جب پتہ چلے گا کہ تمہارے نیچے گھوڑا تھا یا گدھا تھا؟“

وہاں میدان محشر میں یہ کرتب نہیں چلیں گے کہ اتنے مقالے لکھے تھے اور اس طرح اس طرح لوگ داد و تحسین دیا کرتے تھے، وہاں ایک ایک حرف کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ کس سے سیکھ کر لکھا تھا؟ کیسے لکھا تھا اور کس نیت سے لکھا تھا؟ اسی لئے فرمایا: ”يَوْمَ تُبْلَى السَّرَائِرُ“ (اس دن دلوں کے بھید اگل دیئے جائیں گے)، بھائی! دین کا فہم حاصل کرو، دین کے مسائل سیکھو اور ان مسائل کا صحیح فہم بھی حاصل کرو، اس لئے کہ: ”فَإِنَّهُ رَبِّيعَ الْقُلُوبِ“ (یہ دلوں کی بہار ہے) دین کا فہم حاصل کرنے سے دل باغ و بہار ہو جائیں گے۔

ہمارے مفتی ولی حسن مرحوم مجھ سے فرماتے تھے کہ میں جب فقہ کی کتابیں پڑھتا ہوں تو مجھے ایسا لطف آتا ہے جیسے لوگوں کو ناول افسانے پڑھنے میں لطف آتا ہے۔

فقہ قانون کو کہتے ہیں اور قانون سب سے زیادہ خشک موضوع ہے، شعروں کی کتاب پڑھنا آسان، وعظ کی کتاب پڑھنا آسان کیونکہ اس میں وعظ اور چٹکے ہوتے ہیں اور تاریخ و سوانح پڑھنا آسان، کیونکہ اس میں قصے کہانیاں ہوتی ہیں، خالص قانونی الفاظ کا نام فقہ ہے اور پھر اس کی بال کی کھال اتارنا یہ شق کیوں رکھی گئی ہے؟ اس مسئلے میں یہ قید کیوں لگائی گئی ہے؟ لہذا فقہ بڑا خشک موضوع ہے، لیکن اگر کسی کو فقہ فی الدین نصیب ہو جائے تو پھر ربیع القلوب، دلوں کی بہار بن جاتی ہے۔

تیسری بات فرمائی: ”وَاسْتَشْفُوا بِنُورِهِ فَإِنَّهُ شِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ“ قرآن کے نور سے شفا حاصل کیا کرو، اس لئے کہ سینے کی بیماریوں کے لئے، یعنی روحانی بیماریوں کے لئے قرآن شفا ہے، قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿وَنُزِّلَ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ﴾ (بنی اسرائیل: ۸۲)

ترجمہ: ”اور ہم اُتارتے ہیں قرآن سے وہ جو شفا ہے اور رحمت ہے اہل ایمان کے لئے۔“

یہاں ایک لطیفہ ذکر کردوں کہ قرآن کریم کی چھ آیتوں میں شفا کا لفظ آیا ہے، قرآن کریم کے لئے بھی ”شفاء“ کا لفظ آیا ہے اور ایک جگہ شہد کے لئے بھی یہی ”شفاء“ کا لفظ آیا ہے، بعض اکابر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ان چھ آیتوں کو جن کو ”آیات شفاء“ کہا جاتا ہے آدمی پڑھ کر پانی پر دم کر کے پی لے تو اللہ تعالیٰ شفا عطا فرماتے ہیں۔

بہر حال قرآن کریم روحانی امراض کے لئے بھی شفا ہے اور جسمانی امراض کے لئے بھی شفا ہے، اور سورہ فاتحہ کا ایک نام سورہ الشفاء بھی ہے، ہر بیماری کا علاج سورہ فاتحہ ہے۔ سورہ فاتحہ اکتالیس (۲۱) مرتبہ پڑھ لو، اکتالیس مرتبہ نہیں پڑھ سکتے تو گیارہ مرتبہ پڑھ لو اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ اس کلام پاک کی برکت سے شفا عطا فرمادیں، اللہ تعالیٰ ظاہری اور باطنی امراض سے شفا عطا فرمادیں گے۔

قرآن کریم ایسی شفا ہے کہ اس سے دلوں کے کفر دھل جاتے ہیں، دلوں کے نفاق دھل جاتے ہیں، دلوں کی گندگیاں دھل جاتی ہیں، دل خوب پاک صاف ہو جاتے ہیں، لیکن قرآن کریم کے نور سے شفا حاصل کرو، نور آئے گا تو سیاہی اور سفیدی کے درمیان امتیاز ہوگا، آج کل تو ایک سرے مشینیں لگی ہوئی ہیں، اس سے پتا چلے گا کہ اندر کیا چیز ہے؟ جب اس کی ایک سرے کی لائٹ پڑے گی تو بتائے گی کہ اندر کیا چیز ہے؟ قرآن کریم کی روشنی اور قرآن کریم کا نور اندر آئے گا، تو اپنے امراض کا پتا چلے گا اور اگر درمیان میں دیوار حائل کر دی تو پھر کیا نور پہنچے گا؟

چوتھی بات یہ فرمائی: ”وَ احْسِنُوْا اِسْلَامَکُمْ فَاِنَّهٗ اَحْسَنُ الْقَصَصِ“ اور خوب بنا سنوار کر قرآن کریم کی تلاوت کیا کرو، اس لئے کہ یہ بہترین واقعات اور بہترین بیان ہے، اللہ تعالیٰ سے بہتر کون بیان کر سکتا ہے؟ کیونکہ یہ کلام الہی ہے۔

ہمارے امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہ ارشاد فرماتے تھے کہ قرآن کریم میں جہاں ایک لفظ آیا ہے اس کی جگہ دوسرا لفظ رکھنا ممکن ہی نہیں، حالانکہ دوسری جگہ قرآن کریم میں وہ لفظ موجود ہے، اگر اس کی جگہ دوسرا لفظ رکھ دیا جائے جو قرآن کریم ہی میں آیا ہے تو قرآن کریم کا نظم ختل ہو جائے گا، بگڑ جائے گا۔ تو قرآن کریم میں ہر چیز کا بہترین بیان ہے، اللہ تعالیٰ نے اگر قرآن کریم کا فہم دیا ہو تو تم قرآن کریم کھول کر دیکھو اور قرآن کریم کا آئینہ سامنے رکھ لو اور پھر اپنا سر سے لے کر پاؤں تک، ظاہر سے لے کر باطن تک اپنے تمام اعمال کو قرآن کریم پر پیش کرو، ایک ایک چیز کو دیکھو تمہیں پتا چلے گا کہ قرآن کیا کہتا ہے، اور میں کیا ہوں؟ قرآن کریم کی تلاوت بہترین طریقے سے کرو، بہترین طریقے سے کیے کرو گے؟

قرآن کریم کی تلاوت کی ایک منزل مقرر کر لو، بدن کی غذا کے لئے تم دو وقت کی روٹی کھانا ضروری سمجھتے ہو کہ نہیں؟ اب تو دو وقت کا نہیں بلکہ چار وقت کا ضروری سمجھتے ہیں، ایک ناشتہ، ایک دوپہر کا کھانا اور ایک عصرانہ اور ایک عشاء کے بعد کا کھانا، چار وقت کھاتے ہیں، کم سے کم قرآن کریم کو غذا سمجھ کر اس کی تلاوت کرو، اور یہ سوچ لو کہ مجھے روزانہ اتنی خوراک لیننی ہے اور نفس سے کہہ دو کہ برخوردار! یہ تو تم سے کام کروانا ہی کر دانا ہے، ہاں سفر ہو یا بیماری ہو تو یہ تو عذر ہے، اپنی گپ تراشیوں میں، اپنے فضول اوقات میں کچھ تخفیف کر لو، بے ہودہ مشاغل، لالچینی کام اور بے مصرف ضرورتوں کو ختم کر دو، قرآن کریم کی تلاوت کو اپنا یومیہ معمول بناؤ۔

دوسرے یہ کہ قرآن کریم کا صحیح تلفظ کرو، اس کے الفاظ صحیح ادا کرو، سیکھو اور سیکھ کر ادا کرو، عجی زبانوں میں قرآن نہ پڑھو۔

اور تیسری بات یہ کہ اگر تم غور کرو گے، سوچ کر پڑھو گے تو قرآن کریم کے آدھے الفاظ تو تمہیں خود سمجھ میں آنے لگیں گے۔

مدینہ طیبہ میں اقدام عالیہ میں ایک صاحب قرآن کریم کی تلاوت کرتا تھا، وہ تھا تو داڑھی منڈا مگر وہ قرآن کریم پڑھتا ہی رہتا تھا، پڑھتا ہی رہتا تھا، اس سے جب بات چیت ہوئی تو کہنے لگا میں حیدر آباد دکن کا ہوں، میں نے کہا تم نے داڑھی کیوں نہیں رکھی؟ کہنے لگا کہ یہ میری کمزوری ہے، اس نے کہا: تلاوت کرتے کرتے قرآن کریم مجھے سمجھ میں آنے لگا ہے، اس کا مطلب سمجھ میں آنے لگا ہے، قرآن کریم کا یہ اعجاز ہے کہ تلاوت کی برکت سے اس سے شناسائی ہو جاتی ہے، سمجھ میں آنے لگتا ہے، اسی طرح بھائی! اگر تم بھی سیکھ سیکھ کر تلاوت کرو گے تو تمہیں بھی قرآن کریم سے مناسبت ہو جائے گی اور قرآن کریم خود تم سے پیار کرنے لگے گا۔

اور پھر تلاوت کرتے وقت یہ دو چیزیں سوچنے کی ہیں، ایک تو یہ سوچو کہ میں اللہ تعالیٰ کو سن رہا ہوں، یہ ابتدائی درجہ ہے، اور اگر اللہ تعالیٰ اُنچا مقام عطا فرمادیں تو یہ سوچو کہ میں اللہ تعالیٰ سے سن رہا ہوں، جیسے کہ جبل طور سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا کلام سن رہے تھے، میں اللہ کا کلام سن رہا ہوں، شکلم وہ ہیں، یہ میری زبان اسپیکر ہے، اس طرح جم کر تلاوت کرو، تو ان شاء اللہ اسی طرح قرآن کریم کی تلاوت کے انوار اور برکات تمہیں نصیب ہوں گی، اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرمائے۔

آگے فرماتے ہیں جب قرآن کریم تمہارے سامنے پڑھا جائے تو اس کو کان لگا کر سنو، خوب متوجہ ہو جاؤ، اپنے کانوں کی ساری کھڑکیاں کھول دو اور خاموش رہو، جس محفل میں قرآن کریم پڑھا جائے اس کے لئے دو چیزوں کی شرط ہے، ایک یہ کہ جتنے حاضرین ہیں وہ سب کے سب پوری طرح قرآن کریم کی طرف

کان لگائیں جیسے کسی دور کی آواز کو متوجہ ہو کر سنتے ہیں، اور اسی طرح کبھی کبھی دور کی آواز سننے کے لئے کانوں پر ہاتھ بھی رکھ لیتے ہیں، اس کو عربی میں استماع کہتے ہیں، کان دھرنا، سننا نہیں بلکہ پوری طرح متوجہ ہو جانا اور اس کے لئے خاموش رہنا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

یہ قرآن کریم کی آیت کا اقتباس ہے، قرآن کریم کی آیت کا ٹکڑا ہے، اور اسی آیت سے ہمارے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ مقتدی کے لئے امام کے پیچھے قراءت کرنا جائز نہیں ہے، مکروہ تحریمی ہے، اس لئے کہ امام قراءت کر رہا ہے، تمہارے سامنے پڑھ رہا ہے، اس کو سنو، اس کی طرف کان لگاؤ، صرف اسی پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ یہ فرمایا: ”وانصتوا“ خاموش بھی رہو، سنتا ہے یا نہیں سنتا، آواز تم تک پہنچتی ہے یا نہیں پہنچتی، تمہارا فرض ہے کہ اس کی طرف کان لگا کے رہو، اور دوسرا فرض یہ ہے کہ خاموش رہو اور خاموش رہنا خود پڑھنے کے معافی ہے، جب خاموش رہنے کا حکم دیا تو پڑھنے کی ممانعت ہو گئی۔

حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فتاویٰ میں اور حافظ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ نے ”المغنی“ میں اور یہ دونوں حنبلی بزرگ ہیں، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد ہیں، دونوں نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ لوگوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ یہ قرآن کریم کی آیت نماز اور خطبے دونوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے، عام طور پر آدمی پڑھتا ہو تو پڑھنے والے کے ذمہ واجب نہیں ہے کہ وہ دوسروں کا سننے بلکہ وہاں یہ فرمایا گیا ہے کہ ایک دوسرے پر آواز بلند نہ کیا کرو، قرآن کریم دوسروں کے سامنے اونچی آواز سے پڑھنے کا حکم نہیں ہے، اور یہ آیت شریفہ نازل ہوئی ہے نماز اور خطبے کے بارے میں، جب نماز میں قرآن کریم کی تلاوت کی جائے تو مکمل سننا ہونا چاہئے اور پوری طرح لوگ قرآن کریم کی طرف متوجہ ہوں تاکہ تم پر رحم کیا جائے، اسی طرح خطبے کے اندر قرآن کریم کی تلاوت کی جاتی ہے تو پورے خطبے کا بھی یہی حکم ہے، حتیٰ کہ جب خطیب یہ کہے:

هَٰذَا لِلّٰہِ وَمَلَٰئِکَتِہٖ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ۖ یَاٰیہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ

(الاحزاب)

وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ﴿۱۵﴾

ہمارے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس وقت درود شریف پڑھنا بھی جائز نہیں ہے، جب خطبہ ہو رہا ہو اور درود شریف پڑھنا ہو تو دل میں پڑھو، نماز میں اور خطبے میں مکمل طور پر خاموشی کا اور قرآن کریم کی استماع کا یعنی کان دھرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اسی لئے ہمارے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنا جائز نہیں ہے، مکروہ تحریمی ہے، صحیح مسلم میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، لمبا قصہ ہے، اس قصے میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور ہمیں نماز کا طریقہ بتایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اِذَا کَبَّرَ الْاِمَامُ فَکَبِّرُوْا، وَاِذَا قَالَ: ”غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ“

فَقُولُوا: "أَمِينَ" يُحِبُّكُمْ اللَّهُ، فَإِذَا كَثُرَ وَرَكْعٌ فَكَبِّرُوا، وَإِذَا كَفَّوْا، فَإِنَّ الْإِمَامَ يَرَكْعُ قَبْلَكُمْ وَيَرْفَعُ قَبْلَكُمْ..... وَإِذَا قَالَ: "سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ" فَقُولُوا: "رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ"..... وَإِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوا۔" (مسلم ج: ۱ ص: ۱۷۴)

ترجمہ: "جب امام اللہ اکبر کہے تو تم بھی اللہ اکبر کہو، جب امام: "غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ" کہے تو تم: آمین کہو۔ اللہ تعالیٰ تم سے محبت فرمائیں گے، جب امام تکبیر کہے اور رکوع کرے تو تم بھی تکبیر کہو اور رکوع کرو (پہلے نہیں کرو) اس لئے کہ امام تم سے پہلے رکوع کرتا ہے اور تم سے پہلے سرائٹھاتا ہے، اور جب امام "سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ" کہے تو تم: "رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ" کہو اور جب امام سجدہ کرے تو تم سجدہ کرو۔"

یہ تو کہیں نہیں فرمایا کہ جب سورہ فاتحہ پڑھے تو تم بھی پڑھو، نماز کا پورا طریقہ اول سے آخر تک رسول اللہ ﷺ نے بتایا۔ بلکہ امام مسلم رحمہ اللہ نے اسی حدیث میں سلیمان کی روایت قتادہ رحمہ اللہ سے جو نقل کی ہے، اس میں یہ الفاظ ہیں کہ: "وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْمِعْهُ" (مسلم ج: ۱ ص: ۱۷۴) اور جب امام قراءت کرے تو تم خاموش ہو جاؤ۔ جب تکبیر کہے تو تکبیر کہو، جب قراءت کرے خاموش ہو جاؤ اور جب وہ ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ﴾ کہے تو آمین کہو، سورہ فاتحہ پڑھنے کی گنجائش تنقیدی کے لئے کہاں رہی؟

قرآن کریم پر اجرت لینے کا حکم

[حدیث: ۸۰۹] "عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، إِنَّ أَخَقَّ مَا أَخَذْنَاهُ عَلَيْهِ أَجْرَ كِتَابِ اللَّهِ۔"

(رواہ البخاری: کتاب الطب، باب الشَّرْطُ فِي الرِّقْعَةِ، حدیث: ۵۲۹۶)

ترجمہ: "حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: جن چیزوں پر تم مزدوری لیتے ہو، ان میں قرآن پاک پر مزدوری لینا سب سے زیادہ لائق تر ہے۔"

تشریح: اس حدیث میں فرمایا جن چیزوں پر تم اجرت لو، سب سے زیادہ اجرت لینے کی مستحق اللہ کی کتاب ہے۔

قصہ اس کا یہ ہوا تھا کہ صحابہ کا ایک وفد سفر میں تھا، اللہ کے راستے میں، ان کے پاس تو شہ ختم ہو گیا تھا تو وہاں بستی والوں سے کہا کہ: ہماری ضیافت کرو، عربوں کے یہاں چونکہ سخاوت بہت تھی اس لئے کھانا کھانا ان کی طبیعت ثانیہ تھی اور یہ کہنا کہ کھانا کھلاؤ یہ بھی ان کے یہاں کوئی عار کی بات نہ تھی، بلکہ مکرم

اخلاق میں شمار ہوتا تھا۔ میں نے ایک بزرگ سے سنا تھا اور میں نے خود اپنی ذات پر اس کا تجربہ کیا کہ بخیل وہ نہیں جو اپنے یہاں کسی کو نہ کھلائے، بخیل وہ ہے جو کسی کے یہاں کھانہ سکے، بخل کا ایک درجہ یہ بھی ہے کہ بخیل آدمی کسی دوسرے کے یہاں کھاتا نہیں، کیونکہ وہ سوچتا ہے کہ اگر کھائے گا تو کھانا بھی پڑے گا اور تو یہ مسکین اپنے مال میں تو بخل کرتا تھا، دوسرے کے مال میں بھی بخل کرتا ہے، دوسرے کا کھا کر بھی راضی نہیں ہے۔

عربوں کے یہاں بے تکلفی تھی، بخل نہیں تھا، اس لئے اگر ضرورت ہوتی تو کہہ بھی دیا کرتے کہ بھائی! کھانا کھاؤ، ہم مسافر ہیں۔ جیسا کہ قرآن کریم میں حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہ السلام کے قصے میں ذکر کیا گیا ہے:

﴿حَقَّقِي إِذَا أَتَيْتِ أَهْلَ قَرْيَةٍ اسْتَظْعِمِي أَهْلَهَا فَأَبْوَا أَنْ تُضَيِّقُوهُمَا﴾ (الکہف: ۷)

ترجمہ: ”جب دونوں حضرات چلتے چلتے ایک بستی پر پہنچے تو ان سے کھانا طلب کیا، پس انہوں نے کھانے سے انکار کر دیا۔“

ایسے بھی بخیل ہوتے ہیں، پوری بھری بستی اور آبادی میں نبی اور اس کے ساتھی کو کوئی کھانا کھلانے والا نہیں۔ تو یہی ان صحابہ کے ساتھ ہوا، بستی میں گئے ان سے کہا: کچھ کھلاؤ پلاؤ، انہوں نے کہا: کچھ نہیں ہے، کھلانے کے لئے۔ خیر! انہوں نے بستی کے قریب ہی ڈیرہ لگا لیا، شام ہو گئی تھی، ابھی زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ ایک لونڈی آئی اور کہنے لگی: تم میں کوئی شخص دم و درود، جھاڑ پھونک جانتا ہے؟ ایک صحابی کہنے لگے کہ: مجھے آتا ہے! کہنے لگی! ہمارے سردار کو سانپ نے کاٹ لیا ہے، اس کا دم آتا ہے؟ انہوں نے کہا: مجھے آتا ہے، وہ چلے گئے، وہ کہنے لگے: ہم نے تم سے مہمانی مانگی لیکن تم لوگوں نے ہماری مہمانی نہیں کی، مفت میں دم نہیں کروں گا، دم تو مجھے آتا ہے، مگر میں کروں گا نہیں، اس کی اجرت تیس بکریاں ہیں، چونکہ وہ مر رہا تھا اس لئے انہوں نے کہا کرو، وہ صحابہ پڑھ پڑھ کر لعاب لگاتے رہے یہاں تک کہ وہ ٹھیک ہو گیا، تیس بکریاں ہٹائیں اور لے کر آ گئے، ان کے ساتھیوں نے پوچھا: تم نے کیا پڑھا؟ فرمانے لگے: میں نے تو کچھ نہیں پڑھا، وہ تو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا کہ سورۃ فاتحہ میں ہر بیماری سے شفا ہے، میں سورۃ فاتحہ پڑھتا رہا اور دم کرتا رہا، اللہ نے اپنی رحمت سے شفا دی، ورنہ دم پڑھنا مجھے کہاں آتا ہے؟ ساتھی کہنے لگے: تم نے قرآن کی اجرت لی ہے، بعض کہنے لگے: تم نے ٹھیک کیا، ہم اللہ اور رسول کے مہمان ہیں، اللہ کے راستے میں ہیں، دوسروں نے کہا: یہ ٹھیک نہیں ہے، یہ تو اللہ کی کتاب کو بیچنا ہوا۔ فیصلہ ہوا کہ اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر قصہ عرض کیا جائے، جیسے حضور ارشاد فرمائیں اس کے مطابق عمل کیا جائے۔ حاضر خدمت ہوئے قصہ عرض کیا تو ان صحابی سے آپ نے دریافت کیا: تمہیں کس نے بتا دیا تھا کہ سورۃ فاتحہ میں شفا ہے؟ انہوں نے کہا: آپ نے، اس کے بعد فرمایا: تم نے ٹھیک کیا، اس میں ہمارا بھی حصہ لگاؤ، اور اس موقع پر فرمایا کہ:

بے شک جس چیز پر تم اُجرت لو ان میں سب سے زیادہ اللہ کی کتاب اس کی مستحق ہے۔

مسئلے کی تفصیل یہ ہے کہ اگر قرآن پاک کا پڑھنا، اس کی تلاوت محض رضائے الہی کے لئے ہے اور کوئی مقصود نہیں ہے تو اس کی اُجرت لینا جائز نہیں، کیونکہ یہ عبادت ہے اور عبادت کی اُجرت لینا جائز نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ایصالِ ثواب کے لئے جو تلاوت کروائی جاتی ہے، میت کے ایصالِ ثواب کے لئے جو قرآن پڑھوایا جاتا ہے جس کو ”قرآن خوانی“ کہا جاتا ہے، یہ قرآن خوانی چونکہ ثواب کی غرض سے ہوتی ہے اور میت کو ثواب پہنچانا مقصود ہوتا ہے تو اس کی اُجرت لینا بھی جائز نہیں، قرآن خوانی کر کے آپ چاہیں کہ اُجرت لیں تو قرآن خوانی کا ثواب باطل، نہ پڑھنے والوں کو ملا، نہ میت کو ملا۔ میاں جی کا کام بن گیا کہ اس کی روٹی چل گئی، اب یہ میاں جی کی روٹی حلال ہے یا حرام؟ یہ الگ بحث ہے، لیکن بہر حال اتنا اطمینان رکھو کہ اُجرت لے کر جو قرآن پڑھا جائے گا اس کا ثواب نہیں۔ نہ مردے کو ملا، نہ کسی اور کو۔ ایک صاحب کہنے لگے: یہ فاتحہ کے ثواب کے قائل نہیں ہیں، یہ وہابی ہیں، مر گیا مردود نہ فاتحہ نہ دُرود! اس کے مقابلے میں کسی ظریف نے کہا:

”مر گیا مردود، از فاتحہ چہ سود؟“

مردود تو مر گیا، اب فاتحہ سے کیا فائدہ پہنچے گا؟ پہلے ایمان تو ہو، فاتحہ تو جب فائدہ کرے گی اور فاتحہ بھی ڈھنگ سے پڑھو، مولوی جی نے تو فاتحہ پڑھی، روٹی کھائی، پیٹ پر ہاتھ پھیرا اور چلا گیا، تمہیں کیا ملا؟ وہ جو اُجرت لے کر جا رہا ہے اسی سے پوچھ لو کہ جس فاتحہ کی اُجرت لے لی جائے اس کا ثواب ملتا ہے؟ تو میں نے کہا کہ جو قرآن کریم کا پڑھنا اللہ کی رضا کے لئے ہو اس کی اُجرت نہیں لی جاسکتی، اگر اُجرت لے لی تو ثواب نہ ہوگا۔

دوسری بات یہ ہے کہ کسی جگہ برکت کے لئے پڑھنا، جیسے نئی دکان کھلی ہے، اس میں لوگ برکت کے واسطے قرآن کریم پڑھواتے ہیں، تو جو قرآن دکان یا کارخانے کے افتتاح کے وقت پڑھوایا جاتا ہے تو اس کی اُجرت لینا جائز ہے کیونکہ یہ ثواب کے لئے نہیں برکت کے لئے ہے۔

اور اسی طرح جو قرآن کریم بطور علاج کے پڑھا جائے اس کی اُجرت لینا بھی جائز ہے، اور یہیں سے حکم معلوم ہو گیا ہے تعویذ گنڈوں کا، اگر کسی کو تعویذ گنڈا یا بشرطیکہ اس میں کوئی ناجائز کلمات نہیں تھے تو اس کی اُجرت لینا جائز ہے، لیکن میرے اکابر کا یہ ذوق رہا ہے کہ ان تعویذ گنڈوں سے آدمی کا دین بالکل برباد ہو جاتا ہے، اس لئے میں بھی اس فن سے واقف نہیں ہوں اور اگر کوئی اصرار کرتا ہے تو لکھ بھی دیتا ہوں، کوئی بات مناسب سمجھ میں آئی تو لکھ دیتا ہوں، چلو اس کا بیڑا پار، لیکن مجھے آتا نہیں ہے لکھنا، صاف جواب دے دیتا ہوں کہ لکھنا نہیں آتا۔

تو تعویذ گنڈوں کی اُجرت لینا جائز ہے، اس لئے یہ کوئی کارِ ثواب نہیں، یہ تو علاج ہے، اور یہی

مطلب ہے اس حدیث شریف کا کہ جہاں تم اور چیزوں پر اجرت بھی لے سکتے ہو۔ اور یہاں بھی جہاں پھونک کے طور پر پڑھا تو اس کی اجرت بھی لے سکتے ہو۔ اور یہاں میں ایک اور بات بھی کہہ دوں، لوگ کہتے ہیں کہ جسمانی علاج بھی کروایا، روحانی علاج بھی کروایا، تعویذ گنڈوں کو ”روحانی علاج“ کہتے ہیں، لا حول ولا قوۃ! مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جو شخص عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے عدل سے ناواقف ہے اس کے نزدیک حجاج جیسا خونِ آدمی عادل ہوگا، جس کو عدل فاروقی کا علم نہیں وہ حجاج کو عادل کہے گا۔

ان بے چاروں کو معلوم نہیں کہ ”روحانی علاج“ کیا ہوتا ہے؟ وہ بے چارے تعویذ گنڈوں کو روحانی علاج کہتے ہیں، اس کا کوئی تعلق روحانی علاج سے نہیں، چاہے کالاً علم ہو یا پیلہ ہو، یہ عملیات کا چکر ہے اس کو روحانی علاج نہیں کہتے، اس کا روحانی علاج سے کوئی تعلق نہیں، یہ عوام کی غلط اصطلاح ہے۔ روحانی علاج کہا جاتا ہے روح کے امراض کا علاج۔ تکبر، بخل، کینہ، حسد اور یہ جو دل کے امراض ہیں ان کا علاج ”روحانی علاج“ کہلاتا ہے، بدن کا علاج یا ان کی مادیات کا یہ روحانی علاج نہیں اور یہاں سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ تعویذ گنڈ اور جھاڑ پھونک جائز ہے، سر پھروں کا ایک گروہ یہاں پیدا ہوا ہے (اشارہ جماعت المسلمین کی طرف ہے) وہ پکا سافوئی دیتے ہیں کہ تعویذ گنڈ اشْرک ہے، پمفلٹ چھاپے ہوئے ہیں، اور یہ حدیث صحیح بخاری کی ہے، جس کا واقعہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرما رہے ہیں۔

سورۃ اخلاص کی فضیلت

[حدیث: ۸۱۰] ”عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى جَزَأَ الْقُرْآنَ

ثَلَاثَةَ أَجْزَاءٍ وَجَعَلَ قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ جِزْأً مِنْ أَجْزَاءِ الْقُرْآنِ۔“ (رواہ مسلم: کتاب

صلاة المسافرين، باب فضلی قِوَاةِ قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ، حدیث: ۱۳۴۴)

ترجمہ: ”حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے تین حصے کئے، سَوَقْلُ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کو قرآن کریم کے

تین حصوں میں سے ایک حصہ ٹھہرایا۔“

تشریح: اس حدیث شریف میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے تین حصے کئے ہیں، ایک

حصہ ”قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ“ ہے، یعنی اللہ کی وحدانیت، اللہ کی صفات اور تیسری قسم ہے قصص یا احکام، تو قُلْ هُوَ اللّٰهُ

احد قرآن کریم کا ایک حصہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا کمال ترین بیان ہے۔ حدیث شریف میں ہے

کہ کافروں نے کہا: ”انساب لنا ربک“ اور ایک روایت میں ہے کہ: ”صف لنا ربک“ (ترمذی)

مشرکین نے کہا کہ ہمارے لئے اپنے رب کا نسب بیان کرو، یا اس کی صفت بیان کرو، اس پر یہ سورۃ نازل

ہوئی۔ وہ جس کی تم بات کر رہے ہو، وہ دیکھتا ہے، واحد کا معنی ہے ایک، احد کا معنی ہے یکتا، کہ نہ اس کے ساتھ کوئی اور ہے اور نہ وہ کسی اور کے ساتھ ہے، ایک دو، نہ تین چار پانچ، گنتی ایک سے شروع ہوتی ہے، اس سے پہلے صفر ہوتا ہے، عدد شروع ہوتا ہے ایک سے، کسی صاحب نے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا؟ ساری مخلوق کو تو پیدا کیا اللہ نے، اللہ کو کس نے پیدا کیا؟ پوچھا کہ گنتی کہاں سے شروع کرتے ہو؟ کہا: ایک، دو، تین، چار۔ پوچھا: دس کس کو کہتے ہو؟ کہا: جس میں دوا کا یاں ہوتی ہیں، اور تین وہ جس میں تین اکا یاں ہوتی ہیں، تمام کے تمام عدد پیدا ہوئے ایک سے اور ایک سے پہلے کیا تھا تو کہا: کچھ نہیں! تو فرمایا: جب تمہارے ایک سے پہلے کچھ نہیں تو کائنات کے ایک سے پہلے کون ہوگا؟ ایک سے پہلے کچھ نہیں صفر ہے بس! تم کسی کا حوالہ نہیں دے سکتے کہ ایک فلاں سے پیدا ہوا ہے تمام اعداد مثنوی ہو جاتے ہیں ایک پر اور تمام کائنات کا سلسلہ مثنوی ہوتا ہے احد پر، وہ دیکھتا ہے، اکیلا ہے، ”قل هو اللہ احد، اللہ الصمد“ وہ بے نیاز ہے، ہم ترجمہ کرتے ہیں اللہ بے نیاز ہے۔ مثنی نہیں بات۔

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میرے ساتھ جیل میں ایک پنڈت تھا، وہ مجھ سے قرآن پڑھا کرتا تھا، اور میرے پاس ترجمہ تھا شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا، میں نے اس کو پڑھایا، تو میں نے اس سے پوچھا کہ: حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ترجمہ کیا تھا: ”اللہ نر ادھار ہے“ میں نے کہا کہ: ”یہ نر ادھار“ کیا ہوتا ہے؟ یہ ہندی زبان کا لفظ ہے، کہنے لگا، ہندی میں ”نر ادھار“ اس کو کہتے ہیں کہ جس کے سب محتاج ہوں وہ کسی کا محتاج نہ ہو۔ اب یہ مکمل ترجمہ ہے، بے نیاز مکمل ترجمہ نہیں، بے نیاز کا مطلب ہے اس کو کوئی ضرورت نہیں، لیکن ساتھ یہ بات بھی ضروری ہے کہ سب کو اس کی ضرورت ہے، بے نیاز میں ”صمد“ کا آدھا ترجمہ ہے آدھا نہیں، ہماری زبان میں اس کے لئے کوئی مناسب لفظ ہی نہیں، اُردو کا دامن تنگ ہے اس مفہوم کو ادا کرنے سے، ہم اس کا مفہوم ایک فقرے میں تو ادا کر سکتے ہیں لیکن ایک لفظ میں ادا نہیں کر سکتے، عربی میں ”صمد“ اس کو کہتے ہیں: ”الذی یصمد الحوائج کلھا الیہ“ صمد وہ ہے کہ پیش کی جاتی ہیں تمام حاجتیں اس کی بارگاہ میں، آسمان والے ہوں یا زمین والے، نیک ہوں یا بد ہوں، پہلے ہوں یا پچھلے ہوں، مرد ہوں یا عورتیں، سب کے سب اپنی تمام حاجات میں اس کے محتاج ہیں اور وہ کسی کا محتاج نہیں، کسی کا بھی محتاج نہیں، جمہاری نیکیوں کا بھی محتاج نہیں، تمہاری طاعت و عبادات کا بھی محتاج نہیں، نبیوں اور رسولوں کا بھی محتاج نہیں، لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعارف کرتے ہیں ”محبوب رب العالمین“ بے شک کوئی شک نہیں، لیکن لوگ تذکرہ اس انداز سے کرتے ہیں کہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ ایک عاشق نامراد ہیں، والہانہ محبت رکھتے ہیں اور آپ پر عاشق ہیں، لاحول ولا قوۃ! اللہ صمد ہے، نر ادھار ہے، کسی کا محتاج نہیں، سب اس کے محتاج ہیں، ”لم یلد ولم یولد“ ہے،

اس نے کوئی نہیں جتا اور نہ کسی سے پیدا ہوا، ”وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ“ اس کی ٹکر کا کوئی نہیں، ”کفو“ کہتے ہیں برابر کا، بلا کے اور بلا کی کا رشتہ کرتے ہیں، توفیق میں مسئلہ ہے کفو کا کہ بلا کا اور بلا کی میں برابری ہونی چاہئے۔

قوموں کا عروج و زوال قرآن سے

[حدیث: ۸۱۱] ”عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، إِنَّ اللَّهَ يُزِيلُ بِهَذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيُصْعِقُ بِهِ الْآخَرِينَ۔“

(رواہ مسلم: کتاب صلاة المسافرين، باب فضل من يقوم بالقراءة، حدیث: ۱۳۵۳)
ترجمہ: ”حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ بلند کر دیں گے اس کتاب کے ذریعے سے بہت سی قوموں کو، اور نیچا کر دیں گے بہت سی قوموں کو۔“

تشریح: اس حدیث میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے بہت سے لوگوں کو اُٹھائے گا اور بہت سے لوگوں کو گرا دیں گے، چنانچہ ہم نے دیکھا کہ اسلام کی پوری تاریخ اسی سے عبارت ہے، آپ حضرات نے مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ کا نام سنا ہوگا، امام الاولیاء بھی کہتے ہیں، شیخ التفسیر بھی کہتے ہیں، ایک سکھ خاندان کی اولاد تھے، کتنا اُٹھایا کر دیا اللہ تعالیٰ نے! جس دن ان کا جنازہ اُٹھایا گیا خدام الدین سے اور میانی کے قبرستان میں دفن ہوئے، وہاں سے لے کر دونوں راستوں پر عورتیں اور بچے کھڑے پھول بکھیر رہے تھے، جہاں جہاں سے جنازہ گزر رہا تھا، ”عاشق کا جنازہ“ ہے، ذرا دھوم سے نکلے؟ اس کلام پاک نے کتنا اُٹھایا کر دیا؟ اور بہت سے لوگوں کو نیچے کر دیں گے، قریش کے بڑے بڑے لوگ، اُٹھنے خاندانی، لیکن اس قرآن سے ان کا رشتہ کٹ گیا، گم نامی کا کفن ان کو پہنا دیا گیا، اور زمانے کی کروٹوں میں آکر چکے گئے۔ اور جن کے نام تاریخ میں گینوں کی طرح چمک رہے ہیں یہ ان کی خاندانی وجاہت کی وجہ سے نہیں بلکہ قرآن پاک سے تعلق کی وجہ سے ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ ایک عجیبی ہیں، لیکن تم نے دیکھا کہ دو تہائی امت کو اللہ تعالیٰ نے ان کی اقتداء میں جمع کیا:

یہ زتبہ بلند ملا، جس کو مل حمیا

ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں!

یہ اس کتاب سے تعلق کی برکت تھی اور بہت سے بڑے بڑے اکابر ہوئے ہیں لیکن ان کی اولاد نے اس کتاب سے اپنا تعلق ختم کر لیا، اللہ تعالیٰ نے ان کو گوشہ گم نامی میں ڈال دیا، گرا دیا، اللہ تعالیٰ کی عجیب شان ہے! میں نے کہا کہ اسلام کی پوری تاریخ اس حدیث کا نمونہ ہے، اور یہ آنحضرت ﷺ کا معجزہ نبوت ہے۔

قرآن کریم کا ادب کرو

[حدیث: ۸۱۲] ”عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا لَا تُسَافِرُوا بِالْقُرْآنِ فَإِنِّي لَا أَفْضُ أَنْ يَقَالَهُ الْعَدُوُّ۔“

(رواہ مسلم: کتاب الامارۃ باب النهی أن یسافر، حدیث: ۳۲۷۶)۔

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: قرآن کریم کو لے کر سفر میں نہ جایا کرو، کیونکہ میں اس سے بے خوف نہیں ہوں کہ دشمن اس کو پائے۔“

تشریح: اس حدیث میں ارشاد فرمایا کہ لڑائی کے موقع پر جب دشمن سے جہاد کے لئے جانا ہو تو قرآن کریم ساتھ نہ لے کر جایا کرو، دشمن کے ملک میں قرآن کریم نہ لے کر جاؤ، ایسا نہ ہو کہ خدا خواستہ وہ غالب آجائیں اور قرآن کریم کی بے حرمتی کریں، اور اگر اس کا اطمینان ہو کہ مسلمان ان شاء اللہ مغلوب نہیں ہوں گے تو جہاد میں قرآن کریم کا نسخہ ساتھ لے جانے کی اجازت ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اس اندیشے کی بناء پر کہ کفار ناجوار قرآن کریم کی بے ادبی نہ کریں یہ بات ارشاد فرمائی تھی، اور یہاں سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ شعائر اللہ کی تعظیم اور ادب کرنا ایمان کی علامت ہے، اور قرآن میں یہ بات ہے:

﴿وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ﴾ (الحج)

ترجمہ: ”جو شعائر اللہ کی تعظیم کرتا ہے تو یہ اس کے دل کے تقویٰ کی وجہ سے ہے۔“

”شعائر“ ان چیزوں کو کہا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے خاص نسبت رکھتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کی علامت ہیں، بقول حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے: نبی، قرآن اور کعبہ یہ تین چیزیں اُمہات الشعائر ہیں، یعنی شعائر اللہ میں سب سے اونچی اور باقی سب اس کی فروغ اور شاخیں، تو قرآن کریم کی تعظیم کرنی چاہئے، اس کی بے ادبی نہ کی جائے، اسی طرح قبلہ شریف کی تعظیم کی جائے اس کی بے ادبی نہ کی جائے، اور یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ کسی غلط کام کا ذریعہ بننا بھی صحیح نہیں۔

ایک حدیث شریف میں ہے: ملعون ہے وہ شخص جو اپنے ماں باپ کو گالی دے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ: ماں باپ کو کون گالی دے گا؟ فرمایا: اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی کسی کے ماں باپ کو گالی دیتا ہے تو وہ اس کے ماں باپ کو گالی دیتا ہے۔ (مسند احمد بن حنبل، کنز العمال) تو یہ گالی دلانے کا سبب بنا، یہ اس کے ماں باپ کو برا بھلا نہ کہتا تو وہ اس کے ماں باپ کو نہ کہتا۔ دوسرے کی ماں بہن کو کچھ کہو گے وہ تمہاری ماں بہن کو کچھ کہے گا، تو یہ ذریعہ بنا، یہ بھی بدترین گناہ کی بات ہے، معلوم ہوا کہ کسی برائی کا ذریعہ بننا بھی صحیح نہیں۔

قرآن کریم کے مشابہات کا حکم

[حدیث: ۸۱۳] ”عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، إِذَا زَأَيْتَ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْكَ فَأُولَئِكَ الَّذِينَ سَمَى اللَّهُ فَاحْذَرُوهُمْ۔“

(رواہ مسلم: کتاب العلم، باب التَّهْنِیْ عَنْ اتِّبَاعِ مُتَشَابِهِ الْقُرْآنِ، حدیث: ۴۸۱۷)

ترجمہ: ”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تو ان لوگوں کو دیکھے جو پیچھے پڑتے ہیں قرآن کی مشابہ آیتوں کے تو یہی لوگ ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے نام لیا ہے، ان سے بچو۔“

تبشریح: اس حدیث میں ہے کہ: قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿هُوَ الَّذِي أَنزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ﴾ (آل عمران: ۷)

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ وہ ذات ہیں جنہوں نے آپ پر کتاب قرآن پاک نازل کی، اس کی کچھ آیتیں محکم ہیں، وہی کتاب کی اصل ہیں اور کچھ آیتیں ہیں ملتی جلتی۔“

تو اس آیت شریفہ میں یہ فرمایا کہ قرآن پاک کی آیتیں دو قسم کی ہیں، محکمات اور متشابہات، محکمات کا مطلب ہے کہ ان کا مضمون اور معنی بالکل کھلا ہوا اور واضح ہے، اس میں کسی قسم کی تاویل کی ضرورت نہیں اور ان کے سمجھنے میں کوئی پیچیدگی اور الجھن نہیں ہوتی، جیسے:

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ﴾

(الاحزاب: ۴۰)

ترجمہ: ”آنحضرت ﷺ تمہارے بالغ مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن اللہ کے رسول اور نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں۔“

اب اس مضمون کے سمجھنے میں کوئی الجھن نہیں ہے، چنانچہ پوری کی پوری امت اس پر اجماع اور اتفاق رکھتی ہے بلا کسی جھگڑے اور بغیر کسی نزاع اور اختلاف کے کہ خاتم النبیین کا معنی ہے آخری نبی اور آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں، اور یہ مضمون رسول اللہ ﷺ نے صاف صاف ارشاد بھی فرمایا:

”سَيَكُونُ مِنْ قُلَائِيْنَ ذَّجَالُونَ كَذَّابُونَ كُلُّهُمْ يَزْعُمُ أَنَّهُ رَسُولُ اللَّهِ وَأَنَا خَاتَمُ

النَّبِيِّينَ لَا نَبِيَّ بَعْدِي“ (کذا فی مسند احمد بن حنبل و کشف الاسرار للعجلونی)

ترجمہ: ”میری امت میں تیس جھوٹے دجال فریسی پیدا ہوں گے یا تیس کے قریب،

ان میں سے ہر ایک یہ دعویٰ کرے گا کہ وہ اللہ کا رسول ہے، حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔“

آنحضرت ﷺ کا آخری نبی ہونا قرآن کریم کی ایک سو کے قریب آیتوں سے ثابت ہے، رسول اللہ ﷺ کی تقریباً دو سو احادیث سے ثابت ہے، اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے لے کر آج تک اُمت کا ایک ایک فرد اس پر عقیدہ اور ایمان رکھتا ہے، تو یہ مضمون بالکل واضح ہے۔

اور دوسری قسم کی آیتیں بھی ہیں جن کے مضمون کے سمجھنے میں کچھ پیچیدگی آسکتی ہے، اس میں کئی احتمال ہیں، یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے، یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے، یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں دو قسم کی آیتیں نازل فرمائی ہیں محکم اور متشابہات۔

﴿فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ﴾
(آل عمران: ۷۵)

ترجمہ: ”لیکن وہ لوگ جن کے دلوں میں ٹیڑھا پن ہے کجی ہے، وہ ان آیتوں کے پیچھے پڑتے ہیں جن کی مراد مشتبه ہے، لوگوں میں فتنہ پیدا کرنے کے لئے اور اس کی قطعی مراد معلوم کرنے کے لئے۔“

یہ آیت شریفہ نجران کے مسیائیوں کے رد میں نازل ہوئی تھی، ان کا وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا تھا کبھی کہتے کہ مسیح، اللہ کا بیٹا ہے، کبھی کہتے کہ تین میں سے ایک ہے، اور کبھی کہتے تھے کہ عین خدا ہے۔ بیٹا ہونے پر دلیل یہ دیتے تھے کہ کوئی اولاد بغیر باپ کے نہیں ہوتی، مسیح کا کوئی باپ نہیں تھا لہذا اس کا باپ اللہ ہے، اس کا جواب قرآن کریم ہی میں دے دیا ہے:

﴿إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ ۖ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ﴾
(آل عمران)

ترجمہ: ”بے شک عیسیٰ کی مثال اللہ تعالیٰ کے نزدیک آدم کی طرح ہے، ان کو مٹی سے پیدا کیا، فرمایا کہ: بن جا! پس وہ بن گئے۔ جیتے جاگتے انسان بن گئے۔“

ان کا یعنی آدم علیہ السلام کا نہ باپ ہے نہ ماں، اور ان سے اللہ تعالیٰ نے حضرت حوا کو پیدا کیا، ان کی ماں نہیں تھی، تو اگر کسی شخص کے باپ نہ ہونے سے یہ دلیل پکڑی جاسکتی ہے کہ اس کا باپ خدا ہے تو پھر تو آدم میں بھی یہ جاری ہوتی، عیسائی ان کو بابت اللہ یہ بھی تسلیم کریں کہ حضرت آدم کا باپ بھی خدا ہے۔

رہی یہ بات کہ وہ کہتے ہیں کہ عیسیٰ تین خداؤں میں سے ایک ہیں، اس لئے کہ قرآن کریم میں جگہ جگہ کہا گیا ہے: ”اردنا“، ”فعلنا“، ”ہم ارادہ کرتے ہیں، اور“ ”ہم“ کا لفظ ایک جماعت پر بولا جاتا ہے اکیلے

آدمی پر نہیں بولا جاتا، اگر خدا تین نہ ہوتے تو ”ہم“ کا لفظ کیوں بولتے ہیں؟ حالانکہ یہ مومن سے بات ہے کہ ایک متکلم فرد واحد ہے، سامنے بیٹھا ہوا ہے لیکن ”ہم“ کا لفظ استعمال کرتے ہیں، بادشاہ کہتا ہے: ”ہم حکم دیتے ہیں“ انگریزوں کی طرح ”میں حکم دیتا ہوں“ نہیں کہتے، حاکم یا بادشاہ ”میں حکم دیتا ہوں“ نہیں کہتے، بلکہ ”ہم حکم دیتے ہیں“ اور ”ہم“ کا لفظ بولنا جمع کے لئے نہیں بلکہ تعظیم کا صیغہ ہے، تو یہ بالکل ہی معمولی ساشیہ تھا۔

یہ بات کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام عین خدا ہیں، اس کے لئے دلیل یہ دیتے ہیں کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے ”روح اللہ“ کہا ہے، اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کے پاس فرشتے بھیجے اور ان فرشتوں نے کہا: اے مریم! ہم آپ کو بشارت دیتے ہیں ﴿وَبَشِّرِ بِكَلِمَةِ رَبِّكَ إِذْ نَادَىٰ إِلَٰهًا﴾ ایک اللہ کے کلمے اور اس کی جانب سے آنے والی روح کی۔ تو ان کا لقب ہے ”روح اللہ“ (اللہ کی روح) معلوم ہوا کہ عیسیٰ میں اللہ کی روح تھی تو وہ اللہ ہوئے۔

حالانکہ قرآن کریم میں: ”نَاقَةُ اللَّهِ“ کا لفظ بھی آیا ہے، اللہ کی اونٹنی، کوئی یہ ترجمہ نہیں کرتا کہ نعوز باللہ! اللہ اس پر سوار ہوتا ہے، یہ اللہ کی سواری کا کام دیتی ہے، بلکہ مراد تعظیم ہے کہ خاص اللہ کی قدرت سے پیدا ہونے والی اونٹنی، کعبہ شریف کو ”بیت اللہ“ کہا جاتا ہے، مسجد کو بھی اللہ کا گھر کہتے ہیں، کیا مسجدوں میں اللہ رہتا ہے؟ نہیں! بلکہ تعظیم کے طور پر ان کو اللہ کا گھر کہا جاتا ہے، کیونکہ اللہ کی تجلیات وہاں ہیں۔

اسی طرح حضرت عیسیٰ کو جو ”روح اللہ“ کہا گیا اس سے مراد ہے اللہ کی جانب سے آنے والی روح، اللہ کی روح نہیں، اگر نعوز باللہ، نعوز باللہ! یہ معنی مراد لئے جائیں تو اس کا مطلب ہے ایک اس کا دھڑ ہے اور ایک اس کی روح ہے، ”روح اللہ“ کا معنی ہے اللہ کی جانب سے آنے والی روح یعنی وہ جو بغیر ظاہری اسباب کے پیدا کی گئی، ماں کے پیٹ میں جس عادت کے طریقے سے بچہ آتا ہے اس طریقے سے نہیں آئے بلکہ اللہ تعالیٰ کے کلمہ کن کے ساتھ اور اللہ کی قدرت سے پیدا ہوئے، یہ مطلب ہے ”روح اللہ“ کا۔

تو ان عیسائیوں نے ایسے لہجہ شبہات کئے، اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قرآن کریم کی آیتوں سے استدلال کرنا اس طرح درست نہیں، سیدھی محکم بات ہے کہ وہ اللہ کے بندے ہیں، قرآن کریم میں ہے: ”إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ“ میں اللہ کا بندہ ہوں، یہ بات محکم ہے، اس کو تو چھوڑ دینا اور اس قسم کے وہابی شبہات لے کر استدلال کرنا یہ دل کے کج اور ٹیڑھا ہونے کی دلیل ہے۔

تو رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں ارشاد فرمایا کہ جب تم دیکھو کہ لوگ ایک محکم اور پکی بات قطعی اور دو ٹوک بات کو چھوڑ کر دوسری چیزوں کے پیچھے پڑتے ہیں تو سمجھ لو کہ انہی لوگوں کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے کیا ہے کہ ان کے دلوں میں کجی ہے، ٹیڑھا پن ہے، ”فَإِخْذُواْ وَهُمْ“ ان سے بچو، نہ ان کے پاس بیٹھو نہ ان کی بات سنو۔

اسلامی عقائد بالکل ٹھوس، ذرا درود چار کی طرح قطعی اور یقین ہیں، لوگ ان کو چھوڑتے ہیں اور نئے

نے شبہات پیدا کرتے ہیں، خاص طور پر قادیانی، مرزائی یہ کام کرتے ہیں، اور منکرین حدیث اور اس قسم کے اور بھی جتنے گمراہ لوگ ہیں وہ عوام کو، بھولے بھالے لوگ جن کو دین کے اصول و فروع کو پتا نہیں، جنہوں نے کبھی آکر دین کی بات کو سمجھا ہی نہیں اور کبھی ان کو دین داروں کے پاس بیٹھنا نصیب نہ ہوا، کبھی انہوں نے قرآن کریم کا ترجمہ نہیں سنا، آنحضرت ﷺ کے پاک ارشادات انہوں نے نہیں سنے، اور حدیہ کہ کلمہ تک نہیں آتا، نماز نہ آتی ہے نہ پڑھتے ہیں، یہ مرزائی اور دوسرے تیسرے لوگ اس قسم کے لوگوں کو پکڑتے ہیں کہتے ہیں کہ: دیکھو! مولویوں نے فساد مچا رکھا ہے، کبھی کبھی کچھ کہتے ہیں کہ: دیکھو! دنیا ترقی کرتے کرتے آسمان تک پہنچ گئی، چاند پر پہنچ گئی، سائنس نے اتنی ترقی کر لی، اور یہ ابھی دقیقہ خیال میں لگے ہوئے ہیں کہ حضرت عیسیٰ آسمان پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ عیسیٰ اگر آسمان پر بیٹھے ہیں تو یہ بات ناجائز اور اگر عیسیٰ کے گمراہ امتی چاند پر چلے جائیں تو اس پر ایمان، کیسی بے وقوفی کی بات ہے۔

حضور اقدس ﷺ معراج پر تشریف لے جائیں تو عقل میں نہیں آئے گی، اور سائنس دانوں کے کیمرے اگر سورج کی تصویریں لے لیں تو یہ بات عقل میں آجاتی ہے، تو کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ایسے لوگ لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں کہ دیکھو جی! اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا: ﴿يُعِيشِي اِيَّيْ مُتَوَفِّيكَ﴾ (آل عمران: ۵۵) اے عیسیٰ! میں تجھے وفات دینے والا ہوں، کس کا نام لکھا ہوا ہے؟ اور آگے لکھا ہوا ہے ”متوفی“ اس کا مطلب ہے مر گیا۔

ایک مرزائی تقریر کر رہا تھا، کہنے لگا کہ: مولوی صاحب تو ”متوفی“ کا معنی نہیں بتاتے چلو پٹواری صاحب سے پوچھ لیں۔ سبحان اللہ! مولوی صاحب کو نہیں معلوم کہ ”متوفی“ کیا ہوتا ہے پٹواری بتائے گا۔ حالانکہ یہ لفظ ”متوفی“ ہوتا ہی نہیں، پٹواری بھی غلط پڑھتا ہے اور وہ مرزائی بھی غلط پڑھا ہے، وہ لفظ ”متوفی“ نہیں بلکہ ”متوفی“ ہوتا ہے، وہ جو لکھا ہوتا ہے ”متوفی“ اور آگے سن لکھا ہوتا ہے وہ اصل میں ”متوفی“ ہے ہی نہیں، وہ لفظ ”متوفی“ ہے، لیکن وہ کیا جانے کیا صیغہ ہے کیا لفظ ہے...!

برطانیہ میں میرے ایک دوست ایک قادیانی کو پکڑ کر لائے، وہ ان کا بڑا مبلغ تھا، تو قادیانیوں سے اگر صرف مرزا کی بات کریں تو ایک منٹ میں چت ہو جاتے ہیں، اس لئے وہ اس پر بات ہی نہیں کرتے بلکہ نزول عیسیٰ ﷺ پر بات کرتے ہیں اور اس میں تاویلات شروع کر دیتے ہیں کہ یہ مطلب ہے، یہ مطلب ہے، اس نے بھی آیت پڑھی کہ: ﴿يُعِيشِي اِيَّيْ مُتَوَفِّيكَ﴾ میں نے کہا کہ: جب اللہ تعالیٰ نے یہ بات فرمائی تھی کہ ”یُعِيشِي“ اے عیسیٰ! ”اِيَّيْ مُتَوَفِّيكَ“ میں تجھے کو وفات دینے والا ہوں، میں متوفی کا ترجمہ وفات ہی کرتا ہوں اور سب چھوڑتا ہوں کیونکہ تم اس کو سمجھ ہی نہیں سکتے کہ متوفی کا اصل معنی کیا ہے عربی زبان میں، مگر میں تمہیں پھنسا تا نہیں، مجھے یہ بتاؤ کہ عیسیٰ کو جب یہ بات فرمائی تھی تو وہ زندہ تھے یا مر گئے تھے؟

مرے ہوئے کو کہا تھا یا زندہ کو کہا تھا؟ میں تجھے وفات دینے والا ہوں، کہا: زندہ تھے! میں نے کہا کہ: اس آیت سے تو حضرت عیسیٰ کی وفات ثابت نہیں ہوتی بلکہ زندگی ثابت ہوئی، جب کسی کو یہ کہا جائے کہ میں تجھے وفات دینے والا ہوں تو یہ زندہ کو کہا جائے گا مردے کو نہیں، تو اس آیت سے ان کا زندہ ہونا ثابت ہوا کہ اس وقت حضرت عیسیٰ زندہ تھے جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا، اب پورے قرآن میں ایک آیت بتا دو، جس میں یہ فرمایا ہو کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ کو ماریا، سورہ مائدہ میں ہے: ﴿فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي﴾ جب تو نے مجھے وفات دے دی، اور یہ قصہ قیامت کا ہے، ﴿هَذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصَّادِقِينَ صِدْقُهُمْ﴾ (المائدہ: ۱۱۹) یہ بات قیامت کے دن کی ہے اور اس دن حضرت عیسیٰ مر کے اٹھیں گے، اس پر میرا بھی ایمان، تمہارا بھی ایمان ہے، لہذا یہ آیت خارج، اس آیت کے علاوہ تم یہ بتاؤ کہ اس دنیا میں حضرت عیسیٰ کی وفات ہو چکی ہے اس پر کون سی آیت ہے؟ پٹواری سے متونی کا معنی پوچھتے ہو، مجھ سے بات کرو! یہ متونی کا معنی پٹواری سے پوچھنے والے یہ گمراہ کرتے ہیں، کہنے لگا: میرا ایمان ہے کہ عیسیٰ مر گئے! کس آیت سے تم نے یہ ثابت کیا کہ وہ مر گئے یہ تو بتاؤ! ﴿وَرَأَيْتُكَ إِلَى﴾ اور میں تجھ کو اپنی طرف اٹھانے والا ہوں۔ پوری کی پوری امت اس پر متفق ہے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے لے کر آج تک کہ ﴿وَرَأَيْتُكَ إِلَى﴾ کا معنی ہے میں تجھے آسمان پر اٹھانے والا ہوں، ﴿وَرَأَيْتُكَ إِلَى﴾ میں تجھے اپنے پاس اٹھانے والا ہوں، اور سورہ نساء میں فرمایا: ﴿وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا﴾ بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ (النساء: ۱۵۸) انہوں نے قطعاً ان کو قتل نہیں کیا جھوٹ بولتے ہیں، جب انہوں نے قتل ہی نہیں کیا تو مطلب کیا ہوا؟ ان کو دعویٰ کرنے کا موقع کیسے مل گیا؟ فرمایا: اللہ نے ان کو اپنی طرف اٹھالیا، عیسیٰ غائب ہو گئے، انہوں نے ایک آدمی کو پکڑ کر سولی دے دی، گپ اڑادی کہ ہم نے عیسیٰ کو قتل کر دیا، سولی دے دی، قرآن نے پورا واقعہ بیان کر دیا، یہ کہنے لگے تو یہ تو یہ عیسیٰ کو آسمان پر اٹھالیا کیسے اٹھالیا؟ کیوں اٹھالیا؟ ﴿وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا﴾ اور اللہ تعالیٰ بہت زبردست ہے، اس آسمان اور زمین کو توڑ کر دوبارہ پیدا کر سکتا ہے ایک آن میں، تم عیسیٰ کے اٹھانے کو مشکل سمجھتے ہو، ایک عیسیٰ کے اٹھانے کو، ایک آن میں اللہ تعالیٰ زمین کو توڑ کر نئے آسمان زمین پیدا کر سکتا ہے، ایسا عزیز ہے ﴿وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا﴾ وہ حکیم ہے اس کی حکمتوں کا تم احاطہ کہاں کر سکتے ہو؟ تمہیں اگر بتادی جائیں تو تمہاری عقل میں اس کی حکمتیں کہاں سے آسکتی ہیں، اور عیسیٰ کو اس عزیز حکیم نے اٹھالیا لیکن انجام کیا ہوگا؟ ﴿وَرَأَى قَوْمٌ أَهْلُ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنُنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ﴾ اور کوئی نہیں رہے گا اہل کتاب میں سے مگر اس پر ایمان لائے گا حضرت عیسیٰ کی موت سے پہلے، پورے قرآن میں صرف اس جگہ موت کا لفظ استعمال کیا ہے اور یہ موت اس وقت ہوگی ﴿وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا﴾ اور قیامت کے دن عیسیٰ ان لوگوں پر گواہ ہوں گے، شہادت دیں گے کہ میں نے اپنی زندگی میں ان کو بگڑنے نہیں دیا، یہ بعد میں بگڑے ہیں، بتائیے کیا

اشکال ہے؟ لیکن ان مرزائیوں نے لوگوں کا دماغ خراب کر دیا اور اسی طرح اور گمراہوں نے بھی۔
 تو اس حدیث میں نصیحت فرمائی جو لوگ محکمات یعنی پکی باتوں کو چھوڑ کر، دو اور دو چار کی طرح پکی باتیں اور محکم اور قطعی عقائد کو چھوڑ کر ادھر ادھر کی باتیں کھینچے پھرتے ہیں، یہ وہی لوگ ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے تذکرہ فرمایا ہے یعنی ان کے دل میں کجی ہے، ان کج رو لوگوں سے بچ کر رہو ان کے پاس نہ جایا کرو۔
 مشکوٰۃ شریف کی روایت میں آتا ہے کہ کچھ لوگ آئیں گے ”یا تو نکم بالاحادیث عالم تسمعون انتم ولا ابائکم“ وہ تمہارے پاس ایسی باتیں لائیں گے جو تم نے اور تمہارے آباء و اجداد نے کبھی سنی بھی نہ ہوں گی، ان سے بچو، ان سے پرہیز کرو، ہر چمکتی چیز کو سونا نہیں سمجھ لیا کرو، یہ ٹھگ ہیں، دجال اور فریبی، کس طرح لوگوں کو لوٹے پھرتے ہیں اور لوگ اس چمک دمک سے دھوکا کھا لیتے ہیں۔
 تو اس حدیث کا مضمون یہ ہے کہ فتنوں سے بچاؤ کا طریقہ یہ ہے کہ جو اٹنی بلی باتیں کرے اس کی سنو ہی نہیں، لیکن یہ تو ان کو سمجھایا جائے جنہوں نے کبھی اللہ اور اس کے رسول کی بات کو سنا ہو۔۔۔!

فضیلت سورۃ فاتحہ

[حدیث: ۸۱۳] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، مَنْ صَلَّى صَلَاةً لَمْ يَقْرَأْ فِيهَا بِأَمِّ الْقُرْآنِ فَهُوَ خَدَّاجٌ هِيَ خَدَّاجٌ هِيَ خَدَّاجٌ۔“

(رواہ مسلم: کتاب الصلاۃ، باب وجوب قراءۃ الفاتحۃ، حدیث: ۵۹۸)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص نماز پڑھے اور اس میں الحمد شریف نہ پڑھے تو وہ نماز ناقص ہے، ناقص ہے، ناقص ہے۔“

تشریح: اس حدیث میں سورۃ فاتحہ کی فضیلت بیان فرمائی ہے، آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: جس شخص نے نماز پڑھی اور سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی، تو یہ نماز ناقص ہے، ناقص ہے، ناقص ہے۔ حدیث میں ”خداج“ کا لفظ آیا ہے، ”خداج“ کہتے ہیں اس نومولود بچے کو (خواہ کسی جانور کا ہو یا انسان کا)، جس کے بعض اعضاء بنے ہوئے نہ ہوں، ایسی حالت میں پیدا ہو کہ اس کا کوئی عضو بنا ہوا نہیں، یہ ناقص کہلاتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ سورۃ فاتحہ کا پڑھنا بڑا ضروری ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جو اس حدیث کے راوی ہیں، ان سے کسی نے پوچھا کہ: حضرت! میں اگر امام کے پیچھے ہوں؟ تو فرمایا کہ: پھر اپنے دل میں پڑھا کرو، میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

”فَسَمِّتِ الصَّلَاةَ بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِي“ (السنن الکبریٰ للبیہقی، سنن الترمذی)

میں نے سورۃ فاتحہ کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان آدھا آدھا تقسیم کر دیا ہے، جب بندہ کہتا ہے ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ تو حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں: ”حَمْدُنِي عَبْدِي“ میرے بندے نے میری تعریف کی، اور جب بندہ کہتا ہے: ﴿الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ﴾ تو حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں: ”اُنْنِي عَلَيَّ عَبْدِي“ میرے بندے نے میری ثنا کہی ہے، جب کہتا ہے: ﴿مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ﴾ تو حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ”مَعْدُنِي عَبْدِي“ میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی، اور جب کہتا ہے: ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”هَذَا بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِي“ یہ آیت آگهی میری، آگهی میرے بندے کی، ”نَعْبُدُ“ اللہ کی اور ”نَسْتَعِينُ“ ہماری، اور جب بندہ کہتا ہے:

﴿اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ﴾ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۚ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ﴾

تو حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں: ”هَذَا لِعَبْدِي وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ“ یہ تین آیتیں میرے بندے کے لئے ہیں اور میرے بندے کے لئے وہ سب کچھ ہے جس کا اس نے سوال کیا، یعنی اس کی درخواست منظور۔ یہاں اس حدیث سے متعلق دو مسئلے ہیں، ایک یہ کہ سورۃ فاتحہ نماز میں پڑھنا فرض ہے یا واجب؟ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فرض ہے، ہم یعنی احناف فرماتے ہیں کہ واجب۔

مطلق قراءت یعنی کچھ حصہ قرآن پاک کا پڑھنا خواہ فاتحہ ہو یا غیر فاتحہ یہ درجہ تو فرض کا ہے اور سورۃ فاتحہ پڑھنا اور اس کے ساتھ تین آیتیں پڑھنا، یا بڑی ایک آیت یا ایک سورۃ ملانا یہ واجب ہے، دونوں الگ الگ واجب ہیں، آنحضرت ﷺ نے یہاں ”خدا ج“ فرمایا ہے جو فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز ”خدا ج“ ہوگی، ناقص ہوگی، ناقص نامکمل کو کہتے ہیں، یعنی ہوئی تو سہی کچھ نہ کچھ لیکن نامکمل ہوئی، جیسے بچہ پیدا ہوا اس کا ایک ہاتھ بنا ہوا نہیں تھا، بچہ تو ہوا لیکن نامکمل ہوا، تو جس نے سورۃ فاتحہ کے بغیر نماز پڑھی اس کی نماز گویا کہ نامتمام بچہ جیسی ہوئی۔ معلوم ہوا کہ سورۃ فاتحہ واجب ہے، یوں نہیں فرمایا کہ نماز باطل ہوگی قطعاً، اس سے ہمارے امام رحمہ اللہ نے سمجھا کہ فاتحہ واجب ہے جیسے کہ ساتھ میں سورۃ ملانا واجب ہے۔

اور دوسرا مسئلہ امام کے پیچھے قراءت کرنے کا ہے کہ فاتحہ امام کے پیچھے بھی پڑھی جائے، امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جیسے امام پر فرض ہے اور جیسے منفرد پر فرض ہے ویسے ہی مقتدی پر بھی فرض ہے، ہر ایک پر فرض ہے۔ لیکن ہمارے امام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: قراءت امام کا وظیفہ ہے، مقتدی کا نہیں، مقتدی کا وظیفہ سننا ہے۔ اس پر لمبی طویل بحث ہے دونوں طرف سے بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں، جھگڑا تو آپ جانتے ہیں کہ ایک دفع شروع ہو جائے تو پھر ختم ہی نہیں ہوتا۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے کہ ایک دفعہ انہوں نے نماز پڑھائی، پیچھے سے کسی نے کچھ پڑھ دیا، نماز پڑھنے کے بعد سلام پھیر کر فرمایا کہ:

کس نے پڑھا؟ اب سب خاموش، تین بار پوچھا کہ کس نے پڑھا تھا؟ کوئی ڈر کے مارے بولتا نہیں، جو اس کے راوی ہیں ان سے پوچھا کہ تم نے پڑھا تھا؟ انہوں نے کہا کہ تو بہ کرو، جی! مجھے نہیں پتا تھا کہ آپ میری جان نکال دیں گے۔ میں نے نہیں پڑھا، پھر فرمایا کہ: ابھی وقت نہیں آیا کہ تم بات کو سمجھو، آنحضرت ﷺ نے ہمیں نمازیں پڑھائیں اور نماز کے سنن، آداب اور احکام بیان کئے اور آپ نے فرمایا کہ: جب امام تکبیر کہے تو تم بھی کہو، اور جب رکوع کرے تو رکوع کرو، اور جب امام رکوع سے سر اٹھائے اور ”سبح اللہ لمن حمدہ“ کہے تو ”ربنا لک الحمد“ کہو اور سر اٹھاؤ اسی طرح سجدے کا ذکر فرمایا، اور بیچ میں فرمایا: ”وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا“ (الاعراف: ۲۰۴) جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو کان لگا کر سنو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ متوجہ ہو کر سنو، اگر تم دور ہو اور تمہیں آواز نہیں آرہی تب بھی تم غور سے سنو، سننے کی کوشش کرو اور خاموش رہو۔ اب حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی اس پوری روایت میں جو صحیح مسلم میں ہے کہیں یہ نہیں کہ جب سورۃ فاتحہ پڑھے تو تم بھی سورۃ فاتحہ پڑھو، بلکہ یوں فرمایا: جب قراءت کرے تو خاموش رہو، اور جب کہے ﴿وَلَا الضَّالِّينَ﴾ تو کہو: ”آمین“۔ اور یہ سند صحیح امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے روایت کی ہے: ”مَنْ سَكَنَ لَهَا إِمَامٌ فَهِيَ أَثَنَةٌ قِرَاءَةٌ لَهُ“ جس کے لئے امام ہو تو امام کی قراءت اس کی قراءت ہے۔ اور بھی بہت سے دلائل ہیں، جن کی بناء پر ہمارے امام فرماتے ہیں کہ امام تمہاری جگہ پڑھا رہا ہے، تم کہتے ہو ”آمین“ آمین کا معنی اپنی مہر لگانے کے ہیں، ایک کی طرف سے درخواست پیش کی گئی جس کو تم نے نمائندہ بنایا اور باقی سب نے کہا: سب متفق، سب کی طرف سے ہو گیا۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے سورۃ اعراف کی آیت میں:

﴿وَقَالَ مُوسَىٰ رَبَّنَا إِنَّكَ آتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَأَتْ رِيزَتَهُ وَأَمْوَالًا فِي الْحَيَاةِ

الدُّنْيَا رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيلِكَ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلَىٰ أَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلَىٰ

قُلُوبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوا حَتَّىٰ يَذُوقُوا الْعَذَابَ الْكَلِيلَ﴾ (یونس)

موسیٰ علیہ السلام کی دُعا نقل کی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ: اے اللہ! آپ نے فرعون اور اس کے درباریوں کو اتنا مال دیا ہے وہ لوگوں کو آپ کے راستے سے گمراہ کر رہے ہیں، اے اللہ! ان کو ایمان کی بھی توفیق نہ دے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں موسیٰ علیہ السلام کی دُعا نقل کی اسکے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: ﴿قَالَ قَدْ أُجِيبَتْ دَعْوُكَ﴾ فرمایا کہ: تم دونوں کی دُعا قبول کی گئی، اور اس دُعا کو اللہ تعالیٰ نے دونوں کی دُعا فرمایا، کہتے ہیں کہ اس آیت میں دلیل ہے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے اس مسلک کی کہ امام سورۃ فاتحہ پڑھے اور مقتدی آمین کہے تو دونوں کی ہوگی۔

سورۃ بقرہ سے کفایت کا وعدہ

[حدیث: ۸۱۵] ”عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ غَفِيَّةَ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، مَنْ قَرَأَ

بِالْأَيْتَيْنِ مِنْ آخِرِ سُورَةِ الْبَقَرَةِ فِي لَيْلَةِ كَفَّاهُ۔“

(رواہ البخاری: کتاب فضائل القرآن، باب فی کف بقرۃ القرآن، حدیث: ۴۶۶۳)

ترجمہ: ”حضرت ابو مسعود عقب بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد

فرمایا: جو رات کو سورۃ بقرہ کی آخری دو آیتیں پڑھے، تو وہ اس کو کفایت کر جائیں گی۔“

تشریح: اس حدیث کا مطلب ہے کہ جو شخص سورۃ بقرہ کی آخری دو آیتیں ﴿أَمَّا الْبُكَوْرُ﴾ سے

﴿الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ﴾ تک۔ رات میں ان دو آیتوں کو پڑھا کرے، بس یہ اس کے لئے کافی ہو جائیں گی، پورا رکوع آخر کا پڑھنا یہ بہتر ہے۔

دُعا اور اس کے آداب

مقام بندگی اور دُعا کی حقیقت

﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۚ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۚ

فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِلَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ﴾ (البقرہ)

ترجمہ: ”جب میرے بندے، میرے بارے میں آپ سے پوچھیں، تو ان کو بتادو کہ

میں قریب ہوں، میں پکارنے والے کی پکار کو سنتا ہوں جب وہ مجھے پکارے، سو ان کو

چاہئے کہ میری بات ہی مانیں، مجھ پر ایمان اور یقین رکھیں، ہو سکتا ہے کہ ان کا بھلا

ہو جائے ان کو رشد و ہدایت مل جائے۔“

تشریح: اللہ تعالیٰ کے بندوں نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں آنحضرت ﷺ سے پوچھا تھا، اور اس

آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے سوال کا جواب دیا ہے، انہوں نے یہ پوچھا تھا کہ: ”يَا رَسُولَ اللَّهِ! اقْرِبْ

رَبَّنَا فَتَنَّا جَنِّهَ أَمْ بَعِيدٌ فَتَنَّا دِيهَ؟“ یعنی یا رسول اللہ! کیا ہمارا رب قریب ہے کہ ہم اس سے آہستہ آہستہ سرگوشی

کے انداز میں بات کریں؟ یا دور ہے تاکہ ہم اس کو پکار کر کہیں؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس کا ترجمہ میں سنا

چکا ہوں۔

بندہ مؤمن کی شان یہ ہونی چاہئے کہ جب وہ ایک بار ہاتھ اٹھالے تو پھر اللہ تعالیٰ اس کی مان لیں،

یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک مؤمن کی اتنی وجاہت تو کم از کم ہونی چاہئے، ورنہ انسان کی وجاہت کیا ہو سکتی ہے؟

قطرہ ناپاک سے پیدا ہونے والے کی عزت کیا ہے؟ اس کی کوئی عزت نہیں ہے، لیکن جیسے جیسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت، فرمانبرداری، عبدیت اور بندگی بڑھتی جائے گی، اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی اتنی ہی وجاہت بھی بڑھتی جائے گی۔

ارے تم کیا بڑا بن کر دکھاؤ گے کہ میں نے اتنے عمل کئے ہیں، میں نے اتنی عبادتیں کی ہیں، اتنی ٹکریں ماری ہیں، کیا دکھاؤ گے؟ یہ چیزیں کچھ نہیں ہیں، اپنی عبدیت کا اظہار کرو، اپنے کو مٹاؤ، اپنی نفی کرو، اپنے آپ کو کچھ نہ سمجھو اور جتنا اس میدان میں آگے بڑھو گے، اتنا اتنا عجز و انکسار کا استحضار ہوتا جائے گا اور اپنی بے کسی کا اظہار ہوگا۔

میں نے ”اختلافِ امت اور صراطِ مستقیم“ میں لکھا ہے کہ ہمارے جو دوست جن اولیاء اللہ کو مالک و مختار مانتے ہیں اور جن سے اپنی حاجتیں اور مرادیں مانگتے ہیں، ان سے ذرا جا کر پوچھو کہ کیا حال ہے ان کا؟ ہم تو اپنی طرف سے جو چاہیں گھڑتے رہیں، مگر ان بزرگوں سے تو پوچھو کہ ان کا کیا حال ہے؟ ہم لوگ تو اپنے اوپر اختیار کی تہمت دھر بھی لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں نے ایسا کیا، میں نے ویسا کیا، میں یہ کرتا ہوں، اور میں وہ کرتا ہوں، مگر ان حضرات کے نزدیک تو یہ بھی نہیں ہے، تم ان کو خدائی کے اختیارات دے رہے ہو، لیکن وہ تو اس کے کہنے سے بھی گریزاں ہیں کہ میں یہ کرتا ہوں، میں وہ کرتا ہوں۔

میں نے اسی کتاب میں حضرت پیران پیر حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ”مخلوق ساری کی ساری اللہ رب العزت کی بارگاہِ عالی کے سامنے بے بس اور عاجز محض ہے، لاچار ہے۔“ یعنی کوئی چارہ نہیں ہے ان کے پاس، بندے اور خدا کا بھی بھلا کوئی مقابلہ ہے؟ تمام کی تمام مخلوق آسمان کی ہو یا زمین کی، ولی ہوں یا نبی، انسان ہوں یا جن، سب کے سب محض ناکارہ اور لاچار ہیں، اور شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے تو اس کے بعد اوپر کا لفظ کہا، چنانچہ فرماتے ہیں کہ عدم محض ہیں، عدم محض، جن کا وجود اور عدم برابر ہوتا ہے۔

یعنی بالکل ہیں ہی نہیں، خیر یہ بات توجہ میں آگئی، میں یہ عرض کر رہا تھا کہ آپ کی کچھ تو وجاہت ہونی ہی چاہئے اللہ تعالیٰ کے ہاں، لیکن وجاہت بڑا بننے سے نہیں ہوتی کہ مونچھوں کو تاؤ دے لو اور کالر رکھو، تو تم اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑے بن جاؤ گے؟ بڑے خان صاحب کہلانے سے اللہ کے ہاں بڑے نہیں بنو گے، بلکہ اپنے آپ کو جتنا ذلیل سمجھو گے، اور اپنے آپ کو جتنا مٹاؤ گے، اتنے ہی اللہ کے ہاں بڑے بنو گے، تمہاری عاجزی اور بے کسی کی کیفیت جتنی بڑھتی جائے گی، اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہاری وجاہت اتنی بڑھتی جائے گی، اور جس قدر اپنے اوپر ہستی کی تہمت رکھو گے، اسی قدر اللہ تعالیٰ کی نظر سے گرتے جاؤ گے، عاجزی و بے کسی تو بے اور گناہ بس یہ چارہ تھیا رہیں، بندہ مؤمن کے پاس، جتنا ان میں کمال پیدا ہوتا جائے گا، اتنی ہی اللہ تعالیٰ کے ہاں وجاہت بڑھتی جائے گی، اور پھر وہ حال آئے گا جیسا کہ حدیث میں آتا ہے:

”عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُنْ
مِنْ أَشْعَثِ أَغْبَرِ ذِي طَمَرَيْنِ لَا يُؤْبَهُ لَهُمْ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللَّهِ لَا يُؤْبَهُ وَمِنْهُمْ الْبَرَاءُ بْنُ
مَالِكٍ۔“ (مشکوٰۃ ص: ۵۷۹)

یعنی بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کے سر کے بال بکھرے ہوئے ہیں، بدن میلا کچھلا ہے اور دو پھٹی
پرانی چادریں پہنی ہوئی ہیں، ایک اوپر اوڑھنے کی چادر ہے، کرتہ وغیرہ نہیں ہے، جیسے احرام والوں نے باندھی
ہوئی ہوتی ہیں، اور ایک نیچے کی لنگی اور وہ بھی پھٹی پرانی، اب اس نقشہ کا آدمی، اس کی عزت و وقعت لوگوں کی
نظر میں کیا ہوگی؟ سر کے بال بکھرے ہوئے ہیں، بدن میلا کچھلا ہے، گویا بدبو آ رہی ہے اور ڈھنگ کا کوئی
کپڑا بدن پر نہیں، صرف دو چادریں ہیں اور وہ بھی پھٹی پرانی میلی کچلی، تمہارے نزدیک اس آدمی کی قیمت کیا
ہوگی یہ تم جانو! لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی قدر و قیمت یہ ہے کہ اگر وہ قسم کھا کر یہ کہہ دے کہ آج اللہ ایسا
کرے گا، تو اللہ تعالیٰ ویسا ہی کریں گے۔

اللہ تعالیٰ اس کی قسم کو پورا کر دیں گے، اور انہی لوگوں میں سے براء بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں، جو حضور
ﷺ کے صحابی تھے، آنحضرت ﷺ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب کبھی جنگ بہت سخت ہو جاتی تھی، مقابلہ سخت
ہوتا تھا، بظاہر مسلمانوں کی فتح کا کوئی امکان نہیں ہوتا تھا، تو حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ کو بلا کر لے جاتے اور
فرماتے تھے کہ قسم کھاؤ کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو فتح دے گا، کیونکہ حضور ﷺ نے ان کے بارے میں فرمادیا
تھا: ”لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللَّهِ لَا يُؤْبَهُ“ آنحضرت ﷺ کی بات پر، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یقین تھا، اس لئے حضرت
براء بن مالک کو لے جاتے تھے، جب دیکھتے کہ صرف ظاہری اور مادی اسباب سے جیتنے نظر نہیں آتے، تو
براء بن مالک کو کہتے کہ قسم کھاؤ اللہ پر، وہ زبان سے اتنا کہہ دیتے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو فتح دے گا، بس پھر
اللہ تعالیٰ فتح دے دیتے تھے، میں اس کو عزت و وجاہت کہہ رہا ہوں کہ دعا مانگنے کے لئے تمہاری، اللہ تعالیٰ کی
نظر میں ایسی عزت ہونی چاہئے۔

یوں نکلنا تو کتنے کو بھی آدمی ڈال ہی دیتا ہے، دعائیں تو سب کی منظور ہوتی ہیں، بلکہ شاہ تاج الدین
ابن عطاء اللہ اسکندری رحمہ اللہ کی کتاب میں لکھا ہے وہ فرماتے ہیں: کہ کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ
اٹھاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے مانگتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ ان کا کام جلدی کر دو، ان کا
ہاتھ اٹھانا مجھے اچھا نہیں لگتا، اس کا کام جلدی نمنا دو، کام ہو جائے گا تو ہاتھ اٹھانا بند کر دے گا، مگر بعض بندے
ایسے ہوتے ہیں کہ جب وہ اللہ سے ہاتھ اٹھا کر کوئی دعا مانگتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ اس
کا کام ذرا تاخیر سے کرنا، اس کا ہاتھ اٹھانا مجھے بہت اچھا لگتا ہے، جی چاہتا ہے کہ ہاتھ اٹھائے رکھے، اٹھائے
رکھے۔ تمہیں تمہارے مالک کے ہاں سے ملے، نہ ملے، اور کیوں نہ ملے؟ ضرور ملے گا! لیکن تمہارا ہاتھ

اُٹھانا اللہ کو بہت اچھا لگتا ہے، کاش! ہم ایسے بن جائیں کہ ہمارا ہاتھ اُٹھانا اللہ کو محبوب بن جائے، اور کیا تمہارے مانگنے پر دیں گے نہیں؟ بھولتے ہو، وہ تو تمہارے بنانے اور پیدا کرنے سے پہلے دینے کا وعدہ کر چکے ہیں۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے دُعا مانگنے کے بارے میں کہا، تو فرمانے لگے کہ ہاں اگر وہ بھول گیا ہے تو اس کو یاد دلا دو۔ اللہ کو یاد دلاتے ہو؟ اللہ میاں! شاید آپ کو یاد نہیں رہا، ہم آپ کو یاد دلاتے ہیں کہ میری ضرورت یہ ہے، نعوذ باللہ! ہمارے جدِ امجد حضرت آدم علیہ السلام عرفات کے میدان میں حج کے لئے تشریف لے گئے تھے، آپ نے پیدل سوچ کئے تھے، آپ عرفات کے میدان میں کھڑے ہیں، اور صرف اتنا مانگتے ہیں: ”اللّٰهُمَّ اَنْتَکَ نَعْلَمُ حَاجَتِنِیْ فَاتِنِیْ سَوْفَی“ کہ یا اللہ آپ کو میری حاجتیں معلوم ہیں، میری حاجتیں پوری فرما دے، یہ ہمارے آج کی دُعا ہے۔

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کو یاد نہ دلاؤ، اس کو یاد ہے، اس کے علم میں نہ لاؤ، وہ جاہل نہیں ہے، تمہاری ضرورتوں اور تمہاری حاجتوں کو جانتا ہے، سوال یہ ہے کہ پھر یہ ہاتھ کیوں اُٹھاتے ہیں؟ مانگتے کیوں ہیں؟ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کو ہمارا مانگنا اچھا لگتا ہے، ہمارا ہاتھ اُٹھانا اس کو پسند آتا ہے، فقیر کا کام ہے مانگنا، اگر ہم مانگیں نہیں، اگر ہم ہاتھ نہ اُٹھائیں، تو کیسے پتہ چلے گا کہ ہم فقیر ہیں؟ جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ﴾ (فاطر) لوگو! تم سب کے سب اللہ کے فقیر ہو، اور اللہ تعالیٰ ہی غنی و حمید ہے، فقہاء کہتے ہیں کہ فقیر اس کو کہتے ہیں جس کے پاس کوئی شے نہ ہو، اس کو فقیر کہتے ہیں، اور جس کے پاس تھوڑا ہو مگر نصاب کے برابر نہ ہو، تو اس کو مسکین کہتے ہیں، فقیر فقر سے ہے اور فقر کے معنی خالی ہونے کے ہیں۔ ﴿وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ﴾ کا جو بھی جتنا زیادہ ورد کرے گا اتنا زیادہ مال دار اور غنی بننا چلا جائے گا۔

یہاں ایک اور نکتہ عرض کرتا ہوں وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقَتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ﴾ (التوبہ: ۶۰) (صدقات، فقراء اور مسکین کے لئے ہیں) بھائی فقیر بنو گے، تو صدقہ ملے گا، اپنے آپ کو خالی کر دو گے اور واقعاً فقیر الی اللہ بنو گے، تو پھر صدقات ملیں گے اور اگر نہیں بنے، تو جاؤ دفع ہو جاؤ، بھی مالدار تو مالدار کو نہیں دیا کرتا، نہ مالدار، مالدار سے مانگتا ہے، ہم اس سے مانگنے کیوں جائیں؟ تو مالدار، مالدار سے مانگتا بھی نہیں اور مالدار، مالدار کو دیا بھی نہیں کرتا، غنی سے مانگتا بھی نہیں اور غنی، غنی کو دیتا بھی نہیں، ہاں البتہ غنی، فقیر کو دیتا ہے، اور فقیر، غنی سے مانگتا ہے، اللہ تعالیٰ کے فقیر بنو گے، اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا محتاج بننا کہ اللہ تعالیٰ سے مانگو گے، تو اللہ تعالیٰ دیں گے، اور اگر تم یوں کہو کہ ہمارے پاس بھی کچھ ہے، تو پھر جاؤ، پھر مانگنے کیوں آئے ہو؟

خیر یہ تو چونکہ درمیان میں بات آگئی اور میں نے کہہ دی۔ تو رمضان المبارک کا تذکرہ چل رہا تھا اس کے آگے بھی اور پیچھے بھی، درمیان میں اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر فرمادیا، شاید اس لئے کہ معلوم ہو جائے کہ رمضان المبارک کے اعمال سے خصوصیت کے ساتھ ایک عمل یہ بھی ہے یعنی دُعا و التجا، اللہ تعالیٰ سے مانگنا اور گز گزانا۔ پھر مانگنے کی مختلف شکلیں ہیں۔ ایک مانگنا دل سے ہوتا ہے، ایک مانگنا زبان سے ہوتا ہے، اور ایک مانگنا پورے وجود سے ہوتا ہے، ہمارا پورا وجود دوسرا سوال بن جائے اور اللہ تعالیٰ سے اس طرح مانگو، اس کا اہتمام کرو، اور حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کی نصیحت یاد رکھو:

حافظ وظیفہ تو دُعا گفتن است و بس

در بندے آں باش شنید آں یا نہ شنید

(حافظ تمہارا کام صرف دعا مانگنا ہے، اس فکر میں نہ پڑا کرو کہ سنی بھی کہ نہیں سنی۔) یہ ان کا کام ہے ان پر رہنے دو، تم اپنا کام کرو۔ کہاوت ہے کہ! ”الْحَائِكُ يَنْصَلِي الرَّكْعَتَيْنِ ثُمَّ يَنْتَظِرُ الْوُحْيَ“ جولابادو رکعت پڑھ لیتا ہے اور وحی کے انتظار میں ہوتا ہے کہ اب جبریل علیہ السلام راستے میں ہوں گے۔ ایک دفعہ کہیں اُلٹی سیدھی دُعا مانگ لی، یعنی دلی کہیں دماغ کہیں؟ اور لگے انتظار میں کہ اب دُعا قبول ہوتی ہے اور جبریل علیہ السلام ابھی قبولیت کا پیغام لے کر آتے ہوں گے کہ تمہاری دُعا قبول ہوگئی۔ اس فکر میں نہ پڑو کہ قبول ہوتی کہ نہیں ہوتی؟ سنی ہے یا نہیں سنی؟ سنا تمہارا کام نہیں، مانگنا تمہارا کام ہے، بلکہ صرف اور صرف مانگنا تمہارا کام ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ دعا ہر آدمی کی قبول ہوتی ہے:

”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:

”يَسْتَجَابُ لِأَحَدِكُمْ مَا لَمْ يَغْضَلْ - يَقُولُ دَعْوَتٌ فَلَمْ يَسْتَجِبْ لَهَا“

(ترمذی ص: ۱۷۴)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے ”بندے کی دُعا قبول ہوتی ہے جب تک کہ جلد بازی نہ کرے، (عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! جلد بازی سے کیا مراد ہے؟) فرمایا کہ یوں کہنے لگے کہ میں نے بہت مانگا مگر ملتا ہی نہیں، اور تھک ہار کر مانگنا چھوڑ دیا۔ اچھا چھوڑ دیا؟ تو پھر اب کسی اور خدا کی تلاش ہے؟ کسی اور خدا کو تلاش کرو گے؟ اور اس سے مانگو گے؟ بھائی بنیادی غلطی یہاں سے لگی کہ تم اس فکر میں لگ گئے کہ منظور ہوئی یا نہیں؟ جب تم نے ہاتھ اٹھا لئے، منظور ہوگئی، بس ختم! اب یہ ان پر چھوڑ دو کہ تمہاری دُعا کی قبولیت کو کس شکل میں ظاہر فرماتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ ایک تو دُعاؤں کا التزام کرو، اللہ تعالیٰ سے مانگو، اپنے لئے بھی مانگو اور اپنے والدین کے لئے بھی مانگو، اپنے عزیز و اقارب کے لئے بھی مانگو، اور پوری اُمت کے لئے مانگو۔

ایک روایت میں یوں آتا ہے کہ جو شخص اُمت کی مغفرت کے لئے روزانہ ۲۵ مرتبہ دُعا مانگے، اللہ تعالیٰ اس کو ”ابدال“ میں لکھ دیتے ہیں، اُمت کے لئے مانگنا بڑی چیز ہے، آج اپنے لئے رونے والے موجود ہیں، بیوی بچوں کے لئے رونے والے موجود ہیں، عزیز واقارب کے لئے رونے والے موجود ہیں، لیکن اُمت کے لئے رونے والے نہیں ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی اُمت دوزخ میں جانے سے بچ جائے۔ ہم گنہگاروں کو نظر حقارت سے تو دیکھتے ہیں، لیکن کبھی جذبہِ ترحم ہمارے دل میں پیدا نہیں ہوتا اور ہمارے ہاتھ نہیں اٹھتے کہ: یا اللہ یہ صورت بھی دوزخ میں جاگئی؟ یا اللہ اس کو جنت میں داخل کر دیجئے؟ اُمت کے لئے مانگنے والا آنحضرت ﷺ کو محبوب ہے اور جو رسول اللہ ﷺ کو محبوب ہے، وہ اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے، اس لئے کہ اُمت کی نسبت آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہے، اُمت کے لئے مانگنے والا دراصل آنحضرت ﷺ کے لئے مانگ رہا ہے، یا اللہ اُمت میں جتنے نیک اور صلحاء گزرے ہیں، ان کے درجات بلند فرما اور یا اللہ اُمت کے جتنے گناہ گار بندے ہیں، ان کو اپنے مقبول اور نیک بندوں کے طفیل معاف فرما، بس سارے آگئے، تمہاری کوئی دُعا اس قرآنی دُعا سے خالی نہیں ہونی چاہئے:

﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ﴾ (الحشر)

اللہ تعالیٰ نے بعد میں آنے والوں کو یہ دُعا سکھائی ہے کہ بعد میں جو لوگ آئیں وہ یہ کہیں۔ پہلے مہاجرین کا ذکر فرمایا پھر انصار کا ذکر فرمایا اور اس کے بعد تیسرے فریق کا ذکر فرمایا:

﴿وَالَّذِينَ جَاءُوا مِن بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ﴾ (الحشر)

ترجمہ: ”جو لوگ کہ آئے مہاجرین اور انصار کے بعد، وہ یہ کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار! ہماری بخشش فرما اور ہمارے ان بھائیوں کی جو ہم سے پہلے سبقت لے گئے ایمان کے ساتھ اور نہ رکھے ہمارے دلوں میں کینہ ایمان والوں کی جانب سے (خدا کرے ہمارے سینے میں کسی مومن کی جانب سے کینہ نہ رہے بغض دشمنی اور عداوت اللہ کے دشمنوں سے ہو، اللہ کے دوستوں سے نہیں، کسی اللہ کے دوست سے ہمارے دل میں بغض اور کینہ نہ ہو) اے ہمارے پروردگار! تو بہت ہی بخشنے والا، شفقت کرنے والا، بہت ہی رحم کرنے والا ہے۔“

دُعا کے قبول ہونے کا عمل

[حدیث: ۸۱۶] ”عَنْ عَبْدِ بْنِ الصَّامِتِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَعَاَزَى مِنَ اللَّيْلِ فَقَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسُبْحَانَ اللَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ ثُمَّ قَالَ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي أَوْ دَعَا اسْتَجِيبَ لَهُ فَإِنْ تَوَضَّأَ وَصَلَّى قَبِلَتْ صَلَاتُهُ“

(رواہ البخاری: کتاب الجمعة، باب فضل من تعازى من الليل، حدیث: ۱۰۸۶)

ترجمہ: ”حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص رات کو سونے سے جاگا، اور اس نے ”لا اِلهَ اِلاَّ اللہ“ سے اخیر تک پڑھا، پھر ”اللہم اغفر لی“ پڑھا اور کوئی دُعا کی تو قبول ہوگی، اور اگر وضو کر کے تہجد بھی پڑھی تو نماز بھی اس وقت کی نہایت قبول ہوگی۔“

تشریح: جو شخص رات کو اٹھے، اچانک آنکھ کھل گئی، چوتھا کلمہ پڑھے: ”لا اِلهَ اِلاَّ اللہ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ“ تیسرا کلمہ پڑھے: ”سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ“ اور پھر اس کے بعد یہ کہے: ”اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي“ اے اللہ! آپ میری بخشش فرمادیں، تو اللہ تعالیٰ اس کی بخشش فرمادیں گے، اللہ تعالیٰ کو پیارا آتا ہے کہ میرا بندہ لیٹا ہوا بھی مجھ سے بخشش مانگتا ہے یا اس کے علاوہ کوئی بھی دعا مانگے تو اللہ اس کی دعا قبول فرمائیں گے، اور اگر اٹھ کر نماز پڑھ لے تو سبحان اللہ کیا بات ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے۔

پختگی کے ساتھ دُعا کرنی چاہئے

[حدیث: ۸۱۷] ”عَنْ أَنَسٍ..... إِذَا دَعَا أَخَذَ كُمْ فَلْيَغْزِمِ الْمَسْأَلَةَ، وَلَا يَقُولَنَّ اللَّهُمَّ إِنْ شِئْتَ فَأَعْطِنِي فَإِنَّهُ لَا مُسْتَكْرَهَ لَهُ“ (صحیح بخاری ج: ۱۹، ص: ۴۱۳، حدیث نمبر: ۵۸۶۳، باب لیغزِمِ الْمَسْأَلَةَ فَإِنَّهُ لَا مُسْتَكْرَهَ لَهُ)

ترجمہ: ”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جب تم میں سے کوئی شخص دُعا کرے تو چاہئے کہ پختگی کے ساتھ دُعا کرے اور یہ نہ کہے کہ اے اللہ! اگر آپ چاہتے ہیں تو مجھے یہ دے دیجئے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو کوئی مجبور کرنے والا نہیں۔“

تشریح: اس حدیث کا مضمون بہت مختصر ہے، کبھی کبھی آدمی دعا کرتا ہے تو یہ خیال ہوتا ہے کہ میں اللہ کو مجبور کرتا ہوں کہ یا اللہ دے یہ چیز، اس لئے کبھی کبھی یہ خیال آتا ہے کہ یوں کہنا چاہئے: یا اللہ! آپ چاہیں تو مجھے دے دیں۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ یہ دعا کا ادب نہیں، یہ خلاف ادب ہے، جو چیز مانگنی ہو اللہ سے وہ خوب پہنچنی سے مانگو، جم کر مانگو، جیسے بچہ ضد کرتا ہے یہ چیز مجھے عطا کر دیجئے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو کوئی مجبور کرنے والا نہیں، دینی ہوگی تو دے دیں گے اور تمہارا اکمال یہ ہونا چاہئے کہ جب مانگو تو خوب ڈٹ کر مانگو اور مانگنے کے بعد مطمئن ہو جاؤ، دیں گے یا نہیں دیں گے ان کی مرضی ہے، دے دے سبحان اللہ اور نہ دے تو الحمد للہ، آگے ان کی حکمت کے حوالے کر دو۔

تسبیحات فاطمہ کی فضیلت

[حدیث: ۸۱۸] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، مَنْ مَتَّبَعَ اللَّهُ فِي ذِكْرِ كُلِّ صَلَوةٍ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ وَحَمَدَ اللَّهَ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ وَكَبَّرَ اللَّهَ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ، فَلَيْكَ بِسَعَةِ وَسَعُونَ وَقَالَ ثَمَامُ الْمِثَالِي: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، غَفِرْتَ لَهُ خَطَايَاهُ وَإِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ۔“

(رواہ مسلم: کتاب صلاة المسافرين، باب استیجاب الذکر، حدیث: ۹۳۹)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص ہر نماز کے بعد تینتیس بار ”سبحان اللہ“، تینتیس بار ”الحمد للہ“ اور تینتیس بار ”اللہ اکبر“ کہے تو یہ ننانوے ہوئے اور سو پورا کرنے کے لئے ”لا الہ الا اللہ“ سے آخر تک“ کہے تو اس کے گناہ بخشے جائیں گے اگرچہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔“

تشریح: یہ تسبیحات ہر نماز کے بعد بھی پڑھنی چاہئیں اور رات کو سوتے وقت بھی، ان کو تسبیحات فاطمی کہتے ہیں، اپنی لاڈلی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ ﷺ نے ان کی تاکید فرمائی تھی۔

تینتیس بار ”سبحان اللہ“، تینتیس بار ”الحمد للہ“ اور چونتیس بار ”اللہ اکبر“ پڑھا جائے، یہ سو ہو جائیں گے، اور اس کے بعد جو تھا کلمہ پڑھا جائے۔ اور اس کے بعد ساتھ یہ بھی کہا جائے:

”اللَّهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُغْطِي لِمَا مَنَعْتَ، مَنِّعَانِكَ لَا يَنْفَعُ ذَا الْجَنَّةِ

مِنْكَ الْجَنَّةُ۔“ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

ترجمہ: ”اے اللہ! انہیں کوئی روکنے والا اس چیز کا جو آپ عطا فرمائیں، اور انہیں کوئی

دینے والا اس چیز کو جس کو آپ روک دیں، آپ پاک ہیں، کسی مال دار کو آپ کے مقابلے میں مال داری کام نہیں دے سکتی۔“

جو شخص یہ تین کلمات تینتیس بار پڑھے، پھر آخر میں کلمہ مذکورہ پڑھے تو اس کے سارے گناہ معاف ہو جائیں گے اگرچہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔
اس حدیث کے ذیل میں چند باتیں ہیں۔

ایک یہ کہ ان تسبیحات کے پڑھنے کے بہت سے طریقے حدیث میں مروی ہیں، ایک حدیث میں یوں ہے کہ ان میں سے ہر ایک کو دس دس بار پڑھا جائے، یعنی دس بار تسبیح، دس بار تحمید وغیرہ۔ ایک حدیث میں یوں ہے کہ ہر کلمہ ان میں سے پچیس بار پڑھا جائے، اور پھر پچیس بار چوتھا کلمہ پڑھا جائے۔ ایک حدیث میں ہے کہ تینوں چیزیں تینتیس بار، یہ ننانوے ہوں گے اور سو پورا کرنے کے لئے ایک بار چوتھا کلمہ۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ تینتیس بار ”سبحان اللہ“، تینتیس بار ”الحمد للہ“ اور چونتیس بار ”اللہ اکبر“ پڑھا جائے، یہ سو ہو جائیں گے، اور اس کے بعد چوتھا کلمہ پڑھا جائے۔ اور ایک حدیث میں پوری یہی ترتیب ہے اور یہ بھی ہے کہ اس کے بعد ساتھ یہ بھی کہا جائے:

”اللَّهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطَى لِمَا مَنَعْتَ، سُبْحَانَكَ لَا يَنْفَعُ ذَا الْجَنَّةِ مِنْكَ الْجَنَّةُ“
(صحیح بخاری، صحیح مسلم)

دوسری بات یہ ہے کہ ایک پڑھنا ہے ہماری طرح کا، گویا ٹیپ ریکارڈ کا مٹن دبا دیا اور اس سے آواز آنے لگی، اس بیچارے ٹیپ کو کچھ نہیں معلوم کہ میرے اندر کیا ہے کیا نہیں؟ ہم نے بھی سلام پھیرا اور ”سبحان اللہ، سبحان اللہ“ انگلیوں پر تعداد کو پورا کر لیا، بس! قصہ ختم۔

اور ایک یہ ہے کہ معنی اور مفہوم کا تصور کرتے ہوئے پوری عظمت کے ساتھ نہایت فہم اور آہستگی کے ساتھ اور پورے اطمینان کے ساتھ آپ پڑھیں، ”سبحان اللہ“ اللہ پاک ہیں۔ اطمینان سے ایک ایک کلمہ پڑھیں، اس طرح ”الحمد للہ“ تمام خوبیاں اور تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں۔ ”اللہ اکبر“ اللہ تعالیٰ ہماری اور تمام مخلوق کی بڑائی سے بالاتر ہیں، اس کی کبریائی، بڑائی اور عظمت کا تصور کرتے ہوئے ”اللہ اکبر“ کہا جائے، آسمان وزمین اس کی ادنیٰ مخلوق ہیں، فرشتے اور پیغمبر اس کی مخلوق، اس کے بنائے ہوئے ہیں، جس قدر اس کی کبریائی اور عظمت کا تصور کر کے پڑھیں گے اس قدر نفع زیادہ ہوگا، تو یہ بات ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح، تحمید، تکبیر یہ اطمینان اور معنی و مفہوم کے سمجھنے کے ساتھ ہو، اور گویا ہر لفظ کے ساتھ آپ قصد کرتے ہیں۔

یہاں پر ایک نکتہ اور ذہن میں رکھنا چاہئے، وہ یہ کہ مثال کے طور پر ”الحمد للہ“ یہ بسم اللہ شریف کے بعد قرآن شریف کا سب سے پہلا لفظ ہے، اور وہاں آپ ترجمہ پڑھتے ہیں کہ: ”تمام تعریفیں اور خوبیاں اللہ

کے لئے ہیں“ یہ تو ہم خبر دے رہے ہیں، کیا مطلب اس کا کہ اللہ کے لئے خوبیاں ہیں؟

علماء فرماتے ہیں کہ اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی خبر دے رہے ہیں تاکہ تم اس پر ایمان لاؤ اور ایمان لا کر اس کی عظمت دل میں پیدا کرو، اور تمہارا سینہ اور دل اس کے شکر سے لبریز ہو جائے۔ ایک تو یہ مطلب ہے۔ اور ایک یہ کہ یہ ہم اپنی طرف سے کہہ رہے ہیں کہ ”الحمد للہ رب العالمین“ اس کا مطلب یہ کہ میں تمام خوبیوں کو ثابت کرتا ہوں اللہ کے لئے، یہ گویا کہ ہماری طرف سے ہے، جیسے نکاح کرتے وقت کہتے ہیں: ”تجھ سے نکاح کیا“ یہ تو خبر ہوئی، یہ خبر نہیں نکاح کرنا مقصود ہے۔ جس طرح ”نکحت“ اور ”قبلت“ میں ایک ہی ”ت“ ہے: میں نے نکاح کیا، دوسرا کہتا ہے: ”میں نے قبول کیا“ خبر دینا مقصود نہیں، انشاء مقصود ہے، مجلس عقد میں ”نکحت“ میں نے نکاح کیا، ”قبلت“ میں نے قبول کیا سے خبر نہیں بلکہ انشاء مقصود ہوتی ہے، یعنی نکاح کو جو دو میں لانا، اسی طرح ”الحمد للہ“ یہ لفظ خبر کے ہیں، بلاشبہ تمام خوبیاں ان کے لئے ہیں، لیکن ہم اس کی خبر نہیں دے رہے بلکہ اپنی طرف سے اس کا اثبات کر رہے ہیں، یہ ذہن میں رکھ کر کہ تمام خوبیوں کو میں اللہ کے لئے ثابت کر رہا ہوں ”الحمد للہ“ کہو کہ وہ تمام خوبیوں کا مالک ہے، یہی مسئلہ ”سبحان اللہ“ میں بھی ہے کہ وہ تمام نقائص سے پاک ہے، میں اس کی تسبیح کرتا ہوں، یعنی تمام نقائص سے اسکی پاکیزگی کا اظہار کرتا ہوں، یہاں بھی انشاء مقصود ہے، ہم یہاں خبر نہیں دے رہے، اور یہی تصور تکبیر کا ہے، ”اللہ اکبر“ اللہ سب سے بڑا ہے، یہ ایک خبر ہے، یقیناً وہ سب سے بڑا ہے اور دوسرا یہ ہے کہ میں اس کے لئے بڑائی کا انشاء کر رہا ہوں۔ لہذا ان تصورات سے ان کلمات کو پڑھا جائے، اور یہ جب ہی ہوگا جبکہ قصد اور توجہ کے ساتھ کہیں، مشین کی طرح آٹومیٹک چلیں گے تو کام تو نہیں بنے گا۔

ہمارے اکابر یوں فرماتے ہیں کہ پوری کی پوری سورۃ فاتحہ بطور انشاء کے پڑھو، یہ عجیب نقطہ نظر ہے، جب نماز میں قرآن کی دعائیں آتی ہیں، اس میں انشاء کا قصد نہ کرو، یعنی دُعا مانگنے کا قصد نہ کرو بلکہ یہ تصور ہو کہ ہم تو کلام الہی میں جو کچھ آیا ہے اس کو نقل کر رہے ہیں، ہمارا مدعا نقل کرنا ہے، قرآن کریم کی دعائیں تلاوت کرتے وقت اس دُعا کو کرنے کا قصد نہ کرو کہ میں یہ دُعا کر رہا ہوں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے جو دُعا نقل فرمائی ہے میں اس کو نقل کر رہا ہوں، لیکن سورۃ فاتحہ میں بزرگ فرماتے ہیں کہ انشاء کا قصد کرو، یعنی میں یہ بات اپنی طرف سے کہہ رہا ہوں، ہے تو یہ کلام الہی، لیکن جیسا کہ شاہ عبدالقادر محدث دہلوی قدس سرہ نے لکھا ہے کہ یہ سورۃ اللہ نے بندوں کی زبان پر نازل فرمائی کہ یوں کہا کرو، تو ہے تو کلام الہی، لیکن ہمیں مضمون بتا گیا کہ تم یوں کہا کرو، اس لئے سورۃ فاتحہ کو پڑھتے ہوئے اپنی طرف سے پڑھو کہ میں کہہ رہا ہوں، صرف کلام الہی کو نقل مت کرو۔

اور یوں بھی فرمایا ہے کہ مستحب یہ ہے کہ سورۃ فاتحہ کی ہر آیت پر وقف کیا جائے، ویسے تو جائز ہے

کہ آپ سارا ایک ہی سانس میں پڑھ ڈالیں، کسی جگہ بھی نہ ٹھہریں، جیسا کہ تراویح میں پڑھا کرتے ہیں، "وَلَا الضَّالِّينَ" پر جا کر سانس لیتے ہیں، لیکن مستحب یہ ہے کہ ہر آیت پر رک جائیں، اس کی سات آیات ہیں، بالاتفاق، امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک "بسم اللہ" پہلی آیت ہے، (اور اس صورت میں وہ "حِزْبِ اَظْهَرُ" سے آخر تک ایک آیت بتاتے ہیں)، اور ہمارے امام کے نزدیک "الحمد للہ" سے سورت شروع ہے، یہ "بسم اللہ" تبرکات سورت کے شروع میں لکھی گئی ہے، یہ کسی سورت کا جز نہیں، یہ مستقل ایک آیت ہے جو تمام سورتوں کے شروع میں تبرک کے طور پر لکھی گئی ہے۔

بہر حال میں یہ عرض کرنا تھا کہ ان تسبیحات کے پڑھتے وقت بھی انشاء کا قصد کیا جائے۔

اور تیسری بات یہ ہے کہ یہ جو فرمایا کہ اس کے گناہ معاف ہو جائیں گے چاہے سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔ عام طور سے حضرات علماء اس کی یہ تاویل فرماتے ہیں کہ مراد اس سے صغیرہ گناہ ہیں، کبیرہ نہیں، صغیرہ گناہ عبادات اور نیک کاموں سے معاف ہو جاتے ہیں، لیکن کبیرہ گناہوں سے معافی کے لئے تو توبہ شرط ہے، ویسے اللہ تعالیٰ کسی کو معاف فرمادیں تو دوسری بات ہے، اس کی رحمت پر کوئی پابندی نہیں، قانون تو ہمارے لئے ہیں، اللہ کے لئے تھوڑی ہے! وہ تو غنی مطلق ہے، جو چاہے کرے، سب ہی کو معاف کر دے، اس کا کیا بگڑتا ہے؟

تو عام ضابطہ یہی ہے کہ بڑے گناہوں کے لئے توبہ ضروری ہے، البتہ صغیرہ گناہ عبادات سے معاف ہو جاتے ہیں، تو جتنی احادیث میں یہ بات آتی ہے کہ فلاں عمل سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، مراد اس سے صغیرہ گناہ ہیں، لیکن کبیرہ گناہ بھی معاف ہو سکتے ہیں کیونکہ جو شخص ان کلمات کو پڑھے گا تو کبھی تو جھوٹے منہ سے نکلے گا کہ: "یا اللہ! معاف کر دے" اور کچھ نہیں تو "استغفر اللہ" ہی کہے گا، استغفار کر لیا تو اللہ چاہیں تو کبیرہ گناہ بھی معاف کر دے۔

یہاں پر ایک اشکال پیش کیا جاتا ہے، وہ یہ کہ بہت سی عبادات کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ کر دو سارے گناہ معاف ہو جائیں گے، جب ایک ہی عمل سے سارے گناہ معاف ہو گئے تو باقی جو اعمال ہوں گے ان کا کیا کریں گے؟ جیسے یہ تسبیحات ہیں، ان کے پڑھنے کے بعد سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اگرچہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں، تو جب سارے گناہ معاف ہو گئے تو دوبارہ پڑھنے پر کیا اجر ملے گا؟ جواب یہ ہے کہ ایک عمل کر لیا اس سے اب تک کے گناہ معاف ہو گئے، لیکن یہ آگے اور بھی تو گناہ کرے گا؟ اللہ تعالیٰ نے مختلف اعمال عطا فرمائے ہیں تاکہ ہمارے گندے کپڑوں پر صابن لگتا رہے اور یہ صاف ہوتے رہیں۔ جمعہ کو کپڑے پہنتے تھے، دیکھو یہ میلے ہو گئے تو کہا ان کو صابن لگاتے رہو پانچ وقت، تو

ایمان کے پکڑے کو روزانہ صاف کرتے ہیں تاکہ یہ میلان نہ ہو، اور اگر ایسا ہی ہے کہ ایک عمل سے سارے گناہ معاف ہو گئے اور اس نے پھر کوئی ایسے گناہ نہیں کئے، دوسرا عمل کر لیا اس سے بھی سارے گناہ معاف ہوتے ہیں، پھر تیسرا عمل کر لیا، اعمال تو رسول اللہ ﷺ نے اتنے بتائے ہیں کہ شمار نہیں کر سکتے، اور یہ بھی حق تعالیٰ شانہ کی عنایت و رحمت ہے اس اُمت پر، گناہ ہم لوگ بے شمار کرتے ہیں ماس لئے ان گناہوں کو دھونے کے لئے صابن بے شمار بتا دیئے، تو پھر ایسا ہوتا ہے جیسے ایک کپڑا دھویا، پھر دوبارہ دھویا تو اور چمکے گا، پھر دھویا اور چمکے گا، تو جب گناہ معاف ہو گئے اور ایمان کا دامن صاف ہو گیا اور پھر اعمال کرو گے تو ترقی ہوگی، درجات میں ترقی ہوگی، خلاصہ یہ نکلا کہ اگر گناہ ہوں تو وہ معاف ہوں گے اور اگر گناہ نہ ہوئے تو درجات بلند ہوں گے۔

اور چوتھی بات یہ کہ یہ تسبیحات ہر نماز کے بعد بھی پڑھنی چاہئیں اور رات کو سوتے وقت بھی، اس لئے ان کو تسبیحات فاطمی کہتے ہیں کہ اپنی لاڈلی بیٹی حضرت فاطمہؑ کو رسول اللہ ﷺ نے ان کی تاکید فرمائی۔

فرض نماز کے بعد مجرب وظیفہ

فرض نماز کے بعد چار چیزیں پڑھا کرو:

① سورۃ فاتحہ۔

② آیۃ الکرسی۔

③ سورۃ آل عمران کی آیت نمبر: ۱۸ ﴿شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۖ وَالْمَلٰئِكَةُ وَأُولُو الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ ۚ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾

④ اور اسی سورۃ کی آیت: ۲۷، ۲۶ ﴿قُلِ اللَّهُمَّ مَلِكُ الْمَلِكِ تُؤْتِي الْمَلِكَ مِنْ تَشَاءُ وَتُخْرِجُ الْمَلِكَ مِنْ تَشَاءُ ۖ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ ۖ بِيَدِكَ الْخَيْبُ ۖ إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ تُوَجِّعُ النَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوَجِّعُ النَّهَارَ فِي النَّيْلِ ۖ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ۖ وَتَهْزِقُ مَنْ تَشَاءُ بِعَيْنٍ جِسَابٍ﴾

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص یہ چار چیزیں ہر نماز کے بعد پڑھے، تو اللہ اس کا ٹھکانہ جنت میں بنا دے گا اور اس کو حظیرۃ القدس میں جگہ دے گا اور ہر روز اس کی طرف ستر مرتبہ نظر رحمت کرے گا اور اس کی ستر حاجتیں پوری کرے گا اور ہر حاسد اور دشمن سے پناہ دے گا اور ان پر اس کو غالب رکھے گا (معارف القرآن جلد ۲ صفحہ ۲۷)۔

سورہ بقرہ سے جادو، آسیب، جنات اور شیاطین سے حفاظت کا وعدہ

[حدیث: ۸۱۹] "مَنْ قَرَأَ الْبَقْرَةَ مِنْ آخِرِ سُورَةِ الْبَقْرَةِ فِي لَيْلَةٍ كَفَتَاهُ۔"

(رواہ مسلم)

ترجمہ: "حضرت ابو مسعود عقبہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد

فرمایا: جو رات کو سورہ بقرہ کی آخری دو آیتیں پڑھے، تو وہ اس کو کفایت کر جائیں گی۔"

تشریح: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص سورہ بقرہ کی آخری دو آیتیں "أَمْسِ الْرُّسُولُ"

سے "عَلَى الْفُجُورِ الْكَفِيرِينَ" تک، رات میں ان دو آیتوں کو پڑھا کرے، بس یہ اس کے لئے کافی ہو جائیں گی، پورا رکوع آخر کا پڑھنا بہتر ہے۔

جس گھر میں سورہ بقرہ پڑھی جائے اس سے شیطان بھاگ جاتا ہے۔ جس گھر میں آسیب کا اندیشہ ہو یا جنات کا یا شیطان کے عمل دخل کا، وہاں سورہ بقرہ پڑھا کرو، مولویوں سے تعویذ دم زرد کرانے کے بجائے یہ دم کرو۔

صبح و شام کا افضل عمل

[حدیث: ۸۲۰] "عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، مَنْ قَالَ حِينَ يُصْبِحُ وَحِينَ

يُمْسِي: سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ مِائَةً مَرَّةً لَمْ يَأْتِ بِأَحَدٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِأَفْضَلِ مِمَّا جَاءَ

بِهِ إِلَّا أَخَذَ قَالَ وَمِثْلَهَا أَوْ زَادَ عَلَيْهِ۔"

(رواہ مسلم: کتاب الذکر، باب فضل التهلیل، حدیث: ۳۸۵۸)

ترجمہ: "حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو

شخص صبح اور شام کو "سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ" سو بار پڑھا کرے، قیامت کے دن کوئی

شخص اس سے افضل عمل لے کر نہیں آئے گا، مگر وہ شخص جس نے اسی قسم کا وظیفہ پڑھا

ہو یا اس پر زیادہ کیا ہو۔"

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ جو شخص سو مرتبہ صبح اور سو مرتبہ شام "سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ"

پڑھے قیامت کے دن کوئی شخص اس سے افضل عمل لے کر نہیں آئے گا، لہذا یہ کہ کسی شخص نے بھی یہی پڑھ لیا ہو یا

اس سے زیادہ پڑھ لیا ہو، ظاہر بات ہے کہ وہ تو پھر اس سے بھی آگے نکل گیا، یہ سو بار پڑھ کے آیا تھا، کسی نے

پانچ سو مرتبہ روزانہ کا معمول بنالیا، تو یہ تو پھر آگے نکل گیا، ورنہ جتنے بھی نیکی کے کام ہیں یہ سب سے اوپر چلا

جائے گا۔

ترجمہ: ”میں پناہ لیتا ہوں اللہ پاک کے کامل کلمات کی ان تمام چیزوں کی برائی سے

جس کو اس نے پیدا کیا“

جب تک وہ کوچ نہیں کرتا، ان کلمات کی وجہ سے اس کو یہاں کوئی چیز ضرر نہ دے گی۔

دو ہلکے پھلکے کلے میزان کو بھرنے والے ہیں

[حدیث: ۸۲۳] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ كَلِمَتَانِ خَفِيفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيلَتَانِ فِي الْمِيزَانِ حَبِيبَتَانِ إِلَى الرَّحْمَنِ سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ“ (متفق علیہ)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: دو کلے ہیں جو زبان پر بہت ہلکے پھلکے ہیں مگر میزان میں بہت بھاری ہوں گے اور رحمان کو بہت زیادہ محبوب ہیں۔ اور وہ یہ ہیں: سبحان اللہ وبحمده سبحان اللہ العظیم۔“

قبولیت دعا کا وقت

[حدیث: ۸۲۴] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَنْزِلُ رَبُّنَا تَارِكًا وَتَعَالَى كُلُّ لَيْلَةٍ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا حِينَ يَنْقُضُ النَّاسُ اللَّيْلَ الْأَخِيرَ يَقُولُ مَنْ يَدْعُونِي فَأَسْتَجِيبَ لَهُ مَنْ يَسْأَلُنِي فَأُعْطِيَهُ مَنْ يَسْتَغْفِرُنِي فَأَغْفِرَ لَهُ“ (رواه البخاری: کتاب الجمعة، باب الدعاء فی الصلوة حدیث: ۱۰۷۷)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: نازل ہوتے ہیں ہمارے رب ہر رات کو قریب کے آسمان پر جبکہ باقی رہ جاتا ہے رات کا آخری تہائی، فرماتے ہیں کون ہے جو مجھ سے مانگے کہ میں اس کی دعا قبول کروں؟ کون ہے جو مجھ سے سوال کرے میں اس کو عطا کروں؟ کون ہے جو مجھ سے بخشش مانگے میں اس کی بخشش کروں؟“

تشریح: اس حدیث میں ارشاد فرمایا ہے کہ: اللہ تعالیٰ ہر رات کا آخری تہائی حصہ جب رہتا ہے تو قریب کے آسمان پر نزول فرماتے ہیں، یہ نزول فرمانا اللہ کی شان کے مطابق ہوگا، اس کی حقیقت معلوم نہیں، بہر حال قریب کے آسمان پر نزول فرماتے ہیں اور یوں فرماتے ہیں: کوئی مجھ سے مانگئے والا ہے کہ میں اس کو دوں؟ اور کوئی مجھ سے سوال کرنے والا ہے کہ اس کے سوال کو پورا کروں؟ کوئی مجھ سے بخشش مانگئے والا ہے کہ میں اس کی بخشش کروں؟

یہاں تو روایت آتی ہے، دوسری جگہ اس میں یہ اضافہ ہے ”هل من کذا اهل من کذا“ کیا ایسا آدمی ہے؟ کیا ایسا آدمی ہے؟ کیا ایسا آدمی ہے؟ یعنی ایک ایک ضرورت کو پورا نقل کر کے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کیا اس حاجت کے رکھنے والا موجود ہیں کہ میں ان کی حاجت کو پورا کر دوں؟ یہ سلسلہ صبح صادق تک ہوتا رہتا ہے، خواجہ فرید الدین گنج شکر پنجابی میں فرماتے ہیں کہ:

ترجمہ: ”فرید تم سو رہے ہو، اٹھ کر مسجد میں جھاڑو دو! یہ مسجد ہے اللہ تعالیٰ کی، تو سو رہا ہے، رب جاگ رہا ہے، اور تیری دوستی زبردست ہستی کے ساتھ ہے۔“

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی توفیق عطا فرمائے، یہ جو رات کا آخری وقت ہے اس وقت اگر آدمی کو توفیق ہو جائے اللہ کو یاد کرنے کی، کچھ نماز پڑھ لے تو بہت ہی عجیب و غریب چیز ہے، اس وقت کا سونا بھی بہت عمدہ ہے اور اس وقت کا جاگنا بھی بہت عمدہ ہے، ہم لوگ تو سوتے رہتے ہیں لیکن اللہ کے بندے جاگتے ہیں۔

مسلمان بھائی کے لئے دُعا کی فضیلت

[حدیث: ۸۲۵] ”عَنْ أَبِي ذَرٍّ ذَا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ مَا مِنْ عَبْدٍ مُسْلِمٍ يَدْعُو لِأَخِيهِ بِطَهْرِ الْغَيْبِ إِلَّا قَالَ الْمَلِكُ وَلَكَ بِمِثْلٍ“

(رواہ مسلم: کتاب الذکر، باب فضل الدعاء، حدیث: ۴۹۱۲)

ترجمہ: ”حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

نہیں ہے کوئی مسلمان بندہ جو دُعا کرے اپنے بھائی کے لیے پیٹھ پیچھے مگر فرشتہ کہتا ہے

اور تیرے لیے ایسے ہی۔“

تشریح: اس حدیث شریف میں کسی مسلمان کے لیے پیٹھ پیچھے دُعا کرنے کی فضیلت ہے یعنی کوئی مسلمان کسی مسلمان کے لیے غائبانہ طور پر دُعا کر لے، جس کے لیے دُعا کر رہا ہے اس کو پتا بھی نہیں کہ یہ میرے لئے دُعا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس شخص کی دعا پر ایک فرشتہ مقرر کر دیتے ہیں جو کہتا ہے کہ آمین! اللہ تعالیٰ تیری دُعا قبول کرے اور ساتھ کہتا ہے ”ولک بمثل“ یعنی یہی دُعا اللہ تعالیٰ تیرے حق میں بھی قبول کرے۔ پیٹھ پیچھے، یعنی اس شخص کو اطلاع دیے بغیر دُعا کرنا، یہ دلیل ہے کہ کمال اخلاص کی کہ اس شخص کو اس کے ساتھ صرف ایمانی تعلق ہے، کوئی سمجھ، بری یا کوئی دنیوی غرض درمیان میں حائل نہیں اور اللہ تعالیٰ مخلصین کی دُعاؤں کو قبول فرماتے ہیں اور ہر ایسے آدمی کے لئے ایک فرشتے کا مقرر کر دیا جانا یہ حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے مزید رحمت و غایت ہے۔

بزرگ یوں کہتے ہیں کہ تم کسی بڑے سے بڑے ولی سے دُعا کراؤ تو آخر انسان کی دُعا ہے، انسان

کی زبان ہے اور اگر تم کسی بندہ مومن کے لیے دعا کرو تو اللہ تعالیٰ تمہیں فرشتوں کی زبان سے دعا نصیب فرمائیں گے اور یہ تمہارے حق میں بہتر ہوگی، یہ حق تعالیٰ شانہ کی اس اُمت پر کمال عنایت اور کمال رحمت ہے کہ اُمت کے لیے ایسے سامان پیدا فرمادیے۔

ایک دن میں ایک ہزار نیکیاں

[حدیث: ۸۲۶] ”عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَاصٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَيْغُزُ أَخَذَ مِنْكُمْ أَنْ يَكْتَسِبَ فِي كُلِّ يَوْمٍ أَلْفَ حَسَنَةٍ فَسَأَلَهُ سَائِلٌ مِنْ جُلَسَائِهِ كَيْفَ يَكْتَسِبُ أَخَذْنَا أَلْفَ حَسَنَةٍ قَالَ يَسْتَبِحُ مِائَةً تَسْبِيحٍ فَيَكْتُبُ لَهُ أَلْفَ حَسَنَةٍ وَيَحْطُ عَنْهُ أَلْفَ غُطِيئَةٍ“ (رواہ مسلم: کتاب الذکر، باب فضل التهلیل، حدیث: ۳۸۶۶)

ترجمہ: ”حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا تم میں سے کوئی آدمی اس بات سے عاجز ہے کہ وہ روزانہ ایک ہزار نیکیاں کمالیا کرے؟ آپ کے ہم نشینوں میں سے ایک سائل نے سوال کیا کہ: حضرت! ہم میں سے ایک آدمی ایک ہزار نیکیاں کیسے کما سکتا ہے؟ فرمایا: سو دفعہ تسبیح کہہ لیا کرے، اس کے لئے ایک ہزار نیکیاں لکھی جائیں گی یا ایک ہزار گناہ اس سے مٹا دیئے جائیں گے اور ایک روایت میں ہے اور ایک ہزار گناہ اس سے مٹا دیئے جائیں گے۔“

تشریح: اس حدیث میں ارشاد فرمایا: کیا تم میں سے کوئی آدمی عاجز ہے اس بات سے کہ ایک دن میں ایک ہزار نیکیاں کمالیا کرے؟ آپ کے جلساء میں سے ایک نے کہا: یا رسول اللہ! ایک ہزار نیکیاں کیسے کما سکتا ہے؟ فرمایا: ایک سو تسبیح پڑھ لے، ”سبحان اللہ“ پڑھ لے، سبحان اللہ، سبحان اللہ، سبحان اللہ، ایک سو مرتبہ پڑھ لیا کرو اور ایک کے دس ملتے ہیں ہزار ہو گیا۔

حضرت قیسہ ابن مخارق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو ارشاد فرمایا: کیسے آنا ہوا؟ میں نے عرض کیا کہ: میری عمر زیادہ ہو گئی ہے اور ہڈیاں کمزور ہو گئی ہیں، بڑھاپے میں ہڈیاں بھی کمزور ہو جاتی ہیں، میں حضرت کی خدمت میں اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ آپ مجھے وہ چیز سکھائیں جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ مجھے نفع عطا فرمائیں دنیا میں بھی نفع ہو، آخرت میں بھی نفع ہو، مرنے کے بعد جب انھیں اس وقت بھی نفع ہو یہاں تک کہ وہ جنت میں پہنچا دے، مجھے کوئی ایسی چیز سکھائیں؟ زیادہ لمبی بات مجھے یاد نہیں رہتی، بس کوئی مختصر سی بات سنا دیں تاکہ اس کو مضبوطی سے پکڑ لوں، آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیسہ! جب تم اپنے گھر سے چلے ہو، راستے میں جتنے پتھر آئیں، جتنے درخت آئیں یا جتنے کچی مٹی کے

ڈھیلے آئے ان سب نے تیرے لئے استغفار کی ہے، قبیصہ! تمہیں ایک نصیحت کرتا ہوں کہ:

”إِذَا صَلَّيْتَ الصُّبْحَ فَقُلْ ثَلَاثًا سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ“

صبح کی نماز پڑھے تو تین مرتبہ یہ پڑھا کر، اس کا ترجمہ یہ ہے کہ: میں اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی بیان کرتا ہوں جو بہت عظمت والا ہے اور ساتھ ساتھ اس کی حمد بھی بیان کرتا ہوں۔

اگر اس کو اپنا معمول بنالیں کہ فجر کی نماز کے بعد تین مرتبہ ”سبحان اللہ وبحمده سبحان اللہ العظیم“ پڑھا کریں تو اللہ تعالیٰ تجھ کو اندھے پن سے، جذام سے، اور فالج سے محفوظ رکھیں گے بشرطیکہ اس کو معمول بنالو، اللہ تعالیٰ اندھے پن سے بھی حفاظت فرمائیں گے، فالج سے بھی حفاظت فرمائیں گے اور اپنی رحمت کے ساتھ جذام سے بھی حفاظت فرمائیں گے، قبیصہ ایک دُعا یہ پڑھ لیا کرو:

”اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ مِمَّا عِنْدَكَ وَأَفِضْ عَلَيَّ مِنْ فَضْلِكَ وَأَنْشُرْ عَلَيَّ مِنْ رَحْمَتِكَ وَلَنْزِلِ عَلَيَّ مِنْ بَرَكَاتِكَ“

چار فقرے ہیں، یا اللہ میں آپ سے سوال کرتا ہوں ان نعمتوں میں سے جو آپ کے پاس ہیں اور اللہ کے پاس کون سی چیز نہیں ہے؟ اللہ تعالیٰ کے پاس کیا نہیں ہے؟ یا اللہ! میں آپ سے سوال کرتا ہوں ان نعمتوں کے بارے میں جو آپ کے پاس ہیں، مخلوق کے پاس نہیں ہیں۔

”وَأَفِضْ عَلَيَّ مِنْ فَضْلِكَ“ اور مجھ پر اپنے فضل کی بارش برسا، ہر طرف تیرا فضل ہی فضل ہو، تیرا فضل ہی فضل نظر آئے اور تیری طرف سے جو معاملہ بھی کیا جائے میں سمجھوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔

اور تیرا فقرہ ”وَأَنْشُرْ عَلَيَّ مِنْ رَحْمَتِكَ“ اور اپنی رحمت کی گھٹائیں مجھ پر پھیلا دے، ”وَالْأَنْزِلْ عَلَيَّ مِنْ بَرَكَاتِكَ“ اور اپنی برکتیں مجھ پر نازل فرمائیے۔

ہر قسم کی آفت و پریشانی سے حفاظت کے لئے، دُعا ئے انس (رضی اللہ عنہ)

آنحضرت ﷺ نے اپنے خادم خاص حضرت انس رضی اللہ عنہ کو ایک دعا سکھائی تھی۔ اس کی برکت سے وہ ہر قسم کے مظالم اور قتلوں سے محفوظ رہے۔ اس دُعا کو علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے ”جمع الجوامع“ میں نقل فرمایا ہے اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے اس کی شرح فارسی زبان میں تحریر فرمائی ہے، اور اس کا نام ”استیناس انوار القبس فی شرح دعاء انس“ تجویز فرمایا ہے، آغشاب، حضرات علماء و طلباء و مبلغین اسلام اور تمام اہل اسلام صبح و شام اس دُعا کو پڑھا کریں، ان شاء اللہ انہیں کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی، وہ دُعا یہ ہے:

”بِسْمِ اللَّهِ عَلَى نَفْسِي وَدِينِي، بِسْمِ اللَّهِ عَلَى أَهْلِي وَمَالِي وَوَلَدِي، بِسْمِ اللَّهِ عَلَى“

مَا أَعْطَانِي اللَّهُ اللَّهُ رَبِّي لَا أُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا. اللَّهُ أَكْبَرُ، اللَّهُ أَكْبَرُ، اللَّهُ أَكْبَرُ. اللَّهُ أَكْبَرُ وَأَعَزُّ
وَأَجَلُّ وَأَعْظَمُ مِمَّا أَخَافُ وَأَخْذَرُ عَزَّ جَارَكَ وَجَلَّ قَنَاطُكَ وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ۔
اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِي وَمِنْ شَرِّ كُلِّ شَيْطَانٍ مَرِيدٍ، وَمِنْ شَرِّ كُلِّ
جَبَّارٍ عَنِيدٍ، فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ
الْعَرْشِ الْعَظِيمِ، إِنْ وَلِيَ اللَّهُ الَّذِي نَزَلَ الْكِتَابُ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ۔“

استخارے کی دُعا

[حدیث: ۸۲۹] ”اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْتَخِيرُكَ بِعِلْمِكَ وَأَسْتَعِيزُكَ بِقُدْرَتِكَ وَأَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيمِ فَإِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا أَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا
أَعْلَمُ۔ اللَّهُمَّ إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هَذَا الْأَمْرَ خَيْرٌ لِي فِي دِينِي وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ
أَمْرِي فَقَدِّرْهُ لِي وَيَسِّرْهُ لِي ثُمَّ بَارِكْ لِي فِيهِ وَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هَذَا الْأَمْرَ شَرٌّ
لِي فِي دِينِي وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي فَاصْرِفْهُ عَنِّي وَاصْرِفْنِي عَنْهُ ثُمَّ اقْدِرْ لِي
الْخَيْرَ حَيْثُ شِئْتَ ثُمَّ أَرْضِنِي بِهِ۔“

(صحیح بخاری، مسند احمد بن حنبل، ابن ماجہ)

ترجمہ: ”یا اللہ! میں آپ کے علم کے مطابق خیر کا طالب ہوں اور آپ کی قدرت کے
ساتھ قدرت کا طالب ہوں اور میں آپ کا فضل عظیم مانگتا ہوں، اس لئے کہ آپ کو
قدرت ہے مجھے قدرت نہیں، آپ کو علم ہے مجھے علم نہیں، یا اللہ! اگر آپ کے علم میں یہ
بات ہے کہ یہ چیز میرے حق میں بہتر ہے، میری آخرت کے اعتبار سے اور میری دنیا
کے اعتبار سے، میرے دین اور انجام کے اعتبار سے، تو اس کو میرے لئے مقدر فرما،
میرے لئے آسان فرما، پھر اس میں میرے لئے برکت عطا فرما۔ اور اگر آپ کے علم
میں یہ بات ہے کہ یہ چیز میرے لئے اچھی نہیں میرے دین کے اعتبار سے، میری دنیا
کے اعتبار سے، میری آخرت کے اور انجام کے اعتبار سے، تو اس کو مجھ سے ہٹا دیجئے اور
مجھ کو اس سے ہٹا دیجئے، پھر جہاں خیر آپ کے علم میں ہے وہاں مقدر فرمادیں، پھر اس پر
مجھ کو راضی بھی کریں۔“

صبح و شام کی نعمتوں کا حق

[حدیث: ۸۳۰] ”اللَّهُمَّ مَا أَصْبَحَ بَنِي مِنْ نِعْمَةٍ أَوْ بِأَحَدٍ مِنْ خَلْقِكَ

فَمِنْكَ وَخَدَّكَ لَا يَشْرِيكَ لَكَ فَلَكَ الْحَمْدُ وَلَكَ الشُّكْرُ۔“

(مشکوٰۃ ص: ۲۱۱)

ترجمہ: ”یا اللہ! مجھ پر یا تیری مخلوق میں سے کسی پر جتنی نعمتیں ہیں، یہ سب تیری جانب سے ہیں، آپ کا کوئی شریک نہیں، پس آپ ہی کے لئے حمد ہے، آپ ہی کے لئے شکر ہے۔“

تشریح: فرمایا رسول اللہ ﷺ نے: جو شخص تین مرتبہ یہ دعا صبح کو پڑھے، اس نے شام تک کی تمام نعمتوں کا حق ادا کر دیا، شکر ادا کر دیا، اور جو شخص رات کو پڑھے مغرب کے بعد، اس نے رات کی تمام نعمتوں کا شکر ادا کر دیا، لیجئے شکر نعمت کی کیسی مختصری تدبیر ارشاد فرمادی۔ اللہ تعالیٰ کے انعامات کو سوچو، تفصیلاً سوچو! اس سے اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہوگی، کیونکہ جس شخص کا احسان ہمارے ذمے ہو فطرنا اس کی محبت دل میں پیدا ہو جاتی ہے، اور اس کے احسان سے آدمی ذب جاتا ہے، جب تم اللہ تعالیٰ کے انعامات کو سوچو گے تو تمہیں اللہ تعالیٰ سے محبت پیدا ہوگی، اور جب تم اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرو گے تو اللہ کو تم سے محبت ہو جائے گی۔

درود پاک کی فضیلت

[حدیث: ۸۳۱] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنْ صَلَی عَلَیْ وَاحِدَةً

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ عَشْرًا۔“ (رواہ مسلم)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص مجھ پر ایک بار درود پڑھے، اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا۔“

تشریح: اس حدیث شریف میں درود شریف کی فضیلت بیان فرمائی ہے: جو شخص مجھ پر ایک بار درود پڑھے، اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا۔

ایک رحمت اس کے دنیا کے سارے کام بنانے کے لئے کافی ہو جائے گی، نور رحمتیں اس کے لئے نفع رہیں گی، اور ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ شانہ کی رحمت کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا، تو حدیث شریف کی مضمون یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ پر درود شریف پڑھنا بے حد اجر و ثواب رکھتا ہے۔ جو لوگ رسول اللہ ﷺ پر کثرت سے درود پڑھتے ہیں، ان کو قیامت کے دن رسول اللہ ﷺ کا سب سے زیادہ قرب حاصل ہوگا، ارشاد ہے:

”أَقْرَبُهُمْ مِنِّي لَعَنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَكْثَرُهُمْ عَلَيَّ صَلَافًا۔“ (سنن الترمذی)

”جو شخص جس قدر درود شریف پڑھتا ہوگا وہ قیامت کے دن اسی کے بقدر رسول اللہ ﷺ سے قریب ہوگا۔“

تو درود شریف پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہئے، حضرت اقدس حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے درود پر ایک کتاب لکھی ہے ”زاد السعید“ اس میں لکھا ہے کہ: حضرت مولانا فیض الحسن صاحب سہارنپوری بہت بڑے عربی ادیب گزرے ہیں، فرماتے ہیں کہ: شب جمعہ کو سونے کا معمول نہیں تھا، بلکہ رات بھر درود شریف پڑھنے کا معمول تھا، ان کی وفات کے بعد اس کمرے سے خوشبو آتی تھی۔ بہر کیف! آنحضرت ﷺ پر درود شریف پڑھنا بہت بڑی عبادت ہے اور ہمارے حضرت شیخ مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ نے فضائل درود شریف پر مستقل رسالہ لکھا ہے۔ ایک بزرگ کو رسول اللہ ﷺ کی زیارت ہوئی، ارشاد فرمایا کہ: یہ صاحب سب سے فوقیت لے گئے۔ یعنی اس موضوع پر جتنے رسالے لکھے گئے ہیں ان میں یہ رسالہ ”فضائل درود شریف“ سب سے بڑھ گیا۔

حق تعالیٰ شانہ کا مجھ پر بہت بڑا انعام ہے کہ جب سے میں فارغ ہوا ہوں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم اور حدیث شریف کی خدمت میں لگائے رکھا ہے، لیکن مجھے اس کا افسوس تھا کہ میرے قلم سے درود شریف پر کوئی رسالہ نہیں لکھا گیا، اگرچہ ضرورت نہیں تھی اکابر کے لکھے ہوئے رسالے موجود ہیں، اصل چیز و مقصود تو عمل ہے، لیکن پھر بھی جی چاہا کہ درود شریف پر کوئی رسالہ لکھوں تو حضرت شیخ ہاشم سندھی رحمہ اللہ کا ایک رسالہ ہے درود شریف پر ”ذریعۃ الوصول الی جناب الرسول ﷺ“ سندھ میں ایک جگہ ہے ”ہالہ“ وہاں ایک ڈاکٹر شوکت صاحب ہوتے ہیں، انہوں نے مجھے یہ رسالہ بھجوایا اور فرمایا کہ میں اس کا ترجمہ کر دوں۔ مجھے فرصت نہیں مل رہی تھی، ابھی اعکاف سے فارغ ہوا تو میں نے کہا چلو گھر میں اعکاف کرتے ہیں، اس کا ترجمہ کر دوں۔ چنانچہ میں نے اس کتاب کا ترجمہ کیا۔

(اور اب یہ سات دن کی منزل کی ترتیب پر بھی موجود ہے: ”مناجات مقبول مع ذریعۃ الوصول“۔)

اسمائے حسنیٰ کی فضیلت

[حدیث: ۸۳۲] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ لِلَّهِ تِسْعَةً وَتِسْعِينَ اسْمًا

مِائَةً إِلَّا وَاحِدَةً مَنْ أَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ“ (مشکوٰۃ حدیث، ۲۱۷۹)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

بے شک اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں، ایک کم سو، جس نے ان کو محفوظ کر لیا وہ جنت

میں داخل ہوا۔“

تشریح: اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ کے ننانوے پاک نام ہیں، جن کو ”اسمائے حسنیٰ“ کہتے ہیں، جو ان کو شمار کر لے اور جس نے ان کو یاد کر لیا وہ جنت میں داخل ہو گیا۔ علماء فرماتے ہیں:

احصاء یعنی شمار کر لے اس کے تین درجے ہیں، ایک یہ کہ زبانی یاد کر لے، عام طور پر اسمائے حسنی کے چارٹ لگے ہوتے ہیں، ان کو یاد کر لے اور پڑھا کرے۔ اور پڑھنے کی بھی تین شکلیں ہیں، ایک شکل تو یہ ہے: ”هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيَّمِنُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ.....“ اسی طرح آگے تک ملا کر پڑھتا رہے۔

ایک صورت یہ ہے کہ سب کو الگ الگ پڑھے، الرَّحْمَنُ، الرَّحِيمُ، الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ، السَّلَامُ، وغیرہ۔

اور تیسری صورت یہ ہے کہ سب کے شروع میں ”یا“ لگا کر پڑھے: ”یا اللہ“ ”یا رحمن“ ”یا رحیم“ ”یا ملک“ تو ایک درجہ تو زبان سے پڑھنے کا ہے۔

یہاں ایک بات کہتا ہوں کہ صرف ایک ہی نام ہے جس کا وظیفہ پڑھا جاتا ہے اور وہ ہے ”اللہ“ آنحضرت ﷺ کی ذات عالی پوری کائنات میں برگزیدہ ہے۔

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

لیکن ”محمد، محمد، محمد“ کہتا رہے آدمی تو ثواب نہیں۔ ہاں! اُردو دشریف پڑھے اس کا حکم بھی ہے، اس کا اجر بھی ملے گا، جو ایک دفعہ اُردو پڑھے اللہ اس پر دس مرتبہ رحمت نازل فرمائیں گے، لیکن نام کا ورد کرنا کسی کا حق ہے کہ آنحضرت ﷺ کا بھی، یہ عبادت نہیں۔ صرف ایک پاک نام ہے اللہ کا جس کا ورد کرنا ثواب ہے۔ ”اللہ، اللہ، اللہ، اللہ“ کہنا عبادت ہے، اور اعلیٰ ترین عبادت ہے، جگہ جگہ فرمایا: ”وَإِذْ نَادَىٰ رَبُّكَ تَوَّابًا“ ”یا اللہ“ ”یا رحمن“ ”یا رحیم“، یہ اللہ کو پکارتا ہے، قرآن کریم میں ہے: ﴿وَيَذَرُكَ الْغَافِلِينَ﴾ ”فَاقْبَلُوكُم بِمِلَّةِ اللَّهِ“ اللہ ہی کے ہیں نام اچھے اچھے، سو تم پکارو اس کو ان ناموں کے ساتھ۔

تو پکارنے کا ایک درجہ تو زبان سے ادا کرنے کا ہے، یا تو یاد کر لیں یا لکھے ہوئے کو پڑھ لیں، ثواب مل جائے گا، ”احصاء“ کا دوسرا درجہ اعتقاد کرنے کا ہے، دل میں بٹھالو، ”اللہ“ اس پاک ذات کا نام ہے جو تمام کمالات کی جامع اور جو تمام نقائص سے منزہ اور پاک ہے، ”الرحمن“ سب سے زیادہ بہت زیادہ مہربان، ”الرحیم“ بہت ہی رحم کرنے والا۔

ایک حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے سوجھے کئے ہیں، ایک حصہ زمین پر اتارا ہے، تانائے اپنے پاس رکھے، اور جتنا تمہیں رحمت کا اثر نظر آ رہا ہے یہ اس کے سودیں جے کا اثر ہے، وہ رحمن ہے جس کی رحمت کامل ہے، غرض جتنے اللہ تعالیٰ کے نام ہیں ان کا معنی اور مفہوم سمجھ لو اور سمجھنے کے بعد دل میں بٹھا لو کہ بس اس پر میرا عقیدہ ہے، ”القدوس“ وہ پاک ہے، ”المتکبر“ بڑائی والا، شان والا، بڑائی اس کی ذات و شان کے زیادہ ہے، اس کے علاوہ کسی کی شان کبریائی کی نہیں۔

تو دل سے اعتقاد کرنا یہ دوسرا درجہ ہے، ان اسمائے مبارکہ کا، علماء فرماتے ہیں کہ: اللہ ان کا ذاتی نام ہے، اور باقی سارے کے سارے صفاتی نام ہیں۔

اور تیسرا درجہ ہے ان اسمائے الہیہ کا حق ادا کرنا، اللہ اس ذات واجب الوجود کا نام ہے جو تمام کمالات کا جامع اور تمام نقائص سے پاک ہے، اس کے مقابلے میں ہم تمام نقائص کے جامع اور ہر خوبی سے خالی، جب ہماری یہ حالت ہو جائے گی تو گویا ہم نے اللہ کے نام کا حق ادا کر دیا، ”القدوس“ کہا اور خیال کیا کہ وہ تمام عیب سے پاک اور اپنے آپ کو کہا ہمارے اندر تمام عیوب، اگر اس کو بھی پاک کہا اور اپنے آپ کو بھی منزہ سمجھا تو پاک پاک میں مقابلہ ہو گیا، علیٰ ہذا۔ یہ تیسرا درجہ ہے اور یہی سب سے اکمل درجہ ہے، اللہ تعالیٰ کے ان پاک ناموں کے آئینے میں اپنے آپ کو پیش کرو۔

ترمذی کی روایت میں اسی حدیث میں آنحضرت ﷺ نے آگے وہ اسماء ذکر فرمائے اور ان کو ذکر کرتے ہوئے یہ آیت: ﴿هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ﴾ ساتھ ملا دی۔

اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام جو ترمذی شریف کی حدیث میں آئے ہیں، بخاری میں ننانوے کا ذکر ہے اور ترمذی میں ان کی تفصیل آئی ہے، ننانوے نام آنحضرت ﷺ نے گن کر بتائے ہیں، اتنی بات اور سمجھ لیجئے کہ ان اسماء میں سے بعض نام تو ایسے ہیں کہ ان صفات کا اطلاق یعنی بولنا مخلوق کے لئے بھی جائز ہے، جیسے رحیم: رحم کرنے والا، فلاں آدمی بڑا رحیم ہے، قرآن کریم میں رسول اللہ ﷺ کو فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنذِرْ﴾۔

لیکن خوب یاد رکھنا چاہئے کہ ہماری صفات کے درمیان اور اللہ تعالیٰ کی صفات کے درمیان سوائے لفظی مشارکت کے اور کچھ نہیں، بندے کو اللہ تعالیٰ کی صفات کا کوئی حصہ نہیں مل سکتا، تمہاری جو رحیمیت ہے وہ مخلوق کے دائرے کی ہے، اور حق تعالیٰ شانہ کی رحیمیت اس پاک ذات کی الوہیت کے دائرے کی ہے، ہمارے رحیم ہونے کو اللہ تعالیٰ کے رحیم ہونے کے ساتھ کوئی نسبت نہیں، پوری کی پوری کائنات کی اچھی صفات ان کو اللہ تعالیٰ کی صفات کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں، بس لفظ ایک ہے ورنہ حقیقت بالکل جدا جدا ہے۔

اور بعض اسمائے مبارکہ ایسے ہیں کہ ان کا استعمال کرنا اللہ کے علاوہ کسی اور کے لئے جائز نہیں، جیسے ذَرَّافِي: رزق دینے والا، بَارِي: پیدا کرنے والا، خَالِق: بنانے والا، وغیرہ تو جو اسماء ایسے ہیں کہ وہ صفات مخلوق کے لئے استعمال ہو سکتی ہیں، ان کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ صفات ہم اپنے اندر بھی پیدا کریں، حدیث شریف میں کہا گیا: ”تَخَلَّفُوا بِأَخْلَاقِي اللَّهُ“ اللہ تعالیٰ کے اخلاق اپناؤ۔

اللہ تعالیٰ کی صفت ہے رحم کرنا، تم بھی رحم کرو۔ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے معاف کرنا تم بھی معاف کرو، اس کو اپنی صفت بناؤ۔ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے بخشنا، تم بھی اس صفت کو اپناؤ، علیٰ ہذا۔

اور جو صفات کہ مخلوق میں نہیں آسکتیں ان کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالنے کا مطلب یہ ہے کہ ایک طرف اللہ تعالیٰ کی ذات میں ربوبیت اور اُلُوہیت پائی جاتی ہے، دوسری طرف تمہاری ذات میں عبدیت، بندگی پائی جانی چاہئے، اگر وہ واحد و یکتا بے مثال ہے تم اپنے دل میں یہ خیال پیدا کرو کہ کبریائی میں اس کی کوئی مثال نہیں، برائی میں میری کوئی مثال نہیں، اللہ تعالیٰ کی صفت رزاقیت ہے تم اپنے دل میں یہ مضمون پیدا کرو کہ میرے قبضے میں ایک ذرہ بھی نہیں رزق کا، اس کے خزانے کی چابی اسی کے پاس ہے میرے پاس نہیں، وہ تمہارے رزاق ہے، اور میں میرے ماں باپ ساری کائنات مرزوق ہے، رزق ان کے قبضے میں نہیں، صرف اس کے قبضے میں ہے، یہ مضمون پیدا کرو، علیٰ ہذا۔

اب ترمذی شریف کی روایت میں جو نام آتے ہیں ان کا مختصر ترجمہ کر دیتا ہوں۔

(نوٹ: اسماء حسنی کے خواص قارئین کی افادیت کے لئے حضرت مولانا محمد یونس پالن پوری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ”بکھرے موتی“ سے نقل کئے گئے ہیں)۔

لفظ ”اللہ“ کے معنی اور اس کے خواص

① اَللّٰهُ

هُوَ اَللّٰهُ الَّذِي لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ، (الحشر: ۲۲)

(وہ اللہ ہے، ایسا اللہ کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں)

تشریح: سورہ ہشر کی آیت شریفہ میں جو آیا ہے یہ پہلا پاک نام ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پورے جملے کو ایک ساتھ پڑھا ہے، ”وہ اللہ ہے ایسا اللہ کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں“۔

خواص:

۱:..... جمعہ کے دن نماز جمعہ سے پہلے پاک و صاف ہو کر خلوت میں پڑھنے سے مقصود آسمان ہو جاتا ہے خواہ کیسا ہی مشکل ہو۔

۲:..... چھیاسٹھ (۶۶) بار لکھ کر دھو کر مریض کو پلانے سے اللہ تعالیٰ شفا عطا فرماتا ہے، خواہ آسیب کا اثر ہی کیوں نہ ہو۔

۳:..... جو ہر نماز کے بعد سات (۷) مرتبہ ”هُوَ اَللّٰهُ الرَّحِيْمُ“ پڑھتا رہے گا اس کا ایمان سلب نہیں ہوگا اور وہ شیطان کے شر سے محفوظ رہے گا۔

۴:..... جو شخص ایک ہزار (۱۰۰۰) بار ”يَا اَللّٰهُ يَا هُوَ“ پڑھے گا اس کے دل میں ایمان اور معرفت کو مضبوط کر دیا جائے گا۔

۵:..... جو شخص جمعہ کے دن عصر کی نماز پڑھ کر قبلہ رخ بیٹھ کر مغرب تک ”یا اللہ یَا زَحْمَنُ“ پڑھتا رہے گا پھر اللہ تعالیٰ سے جو چیز مانگے گا اللہ تعالیٰ اس کو عطا فرمائیں گے۔

② الرَّحْمَنُ: نہایت مہربان

③ الرَّحِيمُ: بے حد رحم کرنے والا

تشریح: ”رحمن“ اور ”رحیم“ دونوں رحمت سے مبالغہ کے صیغے ہیں، اور علماء نے ان دونوں کے درمیان فرق کی بہت سی وجوہات و صورتیں بیان فرمائی ہیں، ان میں سے ایک یہ کہ رحمن وہ ہے کہ جس کی رحمت دنیا اور آخرت کو محیط ہے، اور رحیم وہ ہے جس کی رحمت دنیا میں مومن اور کافر دونوں کو عام ہے، مطیع اور نافرمان کو عام ہے، بڑے بڑے امور کا تعلق رحمانیت سے ہے اور چھوٹے امور کا تعلق رحیمیت سے ہے، اور بھی بہت سے فرق بیان کئے ہیں۔

”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ میں تینوں آتے ہیں، اللہ، الرحمن اور الرحیم، اس کے علاوہ ایک لفظ ”اسم“ رہ جاتا ہے، ایک ”با“ رہ جاتی ہے، باقی تین اللہ تعالیٰ کے اسماء ہی ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ کو بسم اللہ شریف بہت محبوب ہے، تو یہ تین نام ہو گئے۔

خواص:

۱:..... ان اسماء کو لکھ کر دھو کر پلانے سے گرم بخار سے شفا نصیب ہوتی ہے۔

۲:..... جو کوئی اکتالیس (۴۱) دن تک روزانہ اکتالیس (۴۱) بار ”یا زَحْمَنُ الدُّنْیَا وَالْآخِرَةِ وَ یَا زَحِيمُهُمَا“ پڑھے گا اس کی ضروری حاجت پوری ہو جائے گی۔

۳:..... جو کسی جابر حاکم کے پاس جاتے وقت ”یا زَحْمَنُ یَا زَحِيمُ“ پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ظالم کے شر سے بچا لیتے ہیں۔

۴:..... جو شخص روزانہ پانچ سو (۵۰۰) مرتبہ ”یا زَحِيمُ“ پڑھے گا دولت پائے گا۔

۵:..... جو ”یا زَحْمَنُ الدُّنْیَا وَ زَحِيمُهُمَا“ اکتالیس (۴۱) روز پڑھے گا اس کی حاجت

پوری ہوگی۔

④ الْمَلِکُ: بادشاہ

تشریح: بادشاہ کے کچھ اختیارات ہوتے ہیں، جس ملک کا بادشاہ ہے اس ملک میں اس کے احکام چلتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ بادشاہ ہے کہ پوری کی پوری کائنات میں اسی کا حکم چلتا ہے اور کسی کا نہیں، باقی سب کے

سب اسی کے تابع ہیں، چاہے مانیں یا نہ مانیں۔

سورہ فاتحہ میں آتا ہے: ”مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ“ مالک ہے قیامت کے دن کا، اور ایک قراءۃ میں: ”مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ“ بادشاہ قیامت کے دن کا، یہ اس لئے فرمایا کہ یہاں تو بادشاہی کی ڈبگئی دوسرے لوگ بھی مارتے ہیں، لیکن قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ: ”لَيْسَ الْمَلِكُ الْيَوْمَ“ کس کی ہے سلطنت آج کی؟ کوئی جواب نہیں دے گا، خود ہی فرمائیں گے: ”لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ“ ایک واحد قہار کی حکومت ہے۔ وہ مالک ہے، وہ بادشاہ ہے، حقیقی بادشاہ کہ جس کا حکم سب پر چلتا ہے پر اس پر کسی کا حکم نہیں چلتا، اور اس کی حکومت کسی وقت کے ساتھ مخصوص نہیں کہ ایک وقت میں ہو ایک وقت میں نہ ہو، آج ایک شخص حاکم ہے کل کو حکومت سے اتر گیا وہ ایسا نہیں۔

خواص:

۱:..... جو شخص اس اسم کو پڑھتا ہے اس کا نفس اس کی اطاعت کرتا ہے اور اسے عزت و حرمت حاصل ہوتی ہے۔

۲:..... جو ہر روز نکلنے کے وقت تین ہزار (۳۰۰۰) بار یہ اسم مبارک پڑھے گا وہ جو مراد مانگے گا حاصل ہو جائے گی۔

۳:..... جو کوئی روزانہ صبح نماز کے بعد ”یا مالک“ کثرت سے پڑھا کرے اللہ تعالیٰ اسے غنی فرمادیں گے۔

⑤ الْقُدُّوسُ: نہایت پاک

تشریح: قدوس قدس سے ہے جس کا معنی پاک کے ہیں، اور اس کا مطلب ہے ہر عیب و نقص سے پاک۔

خواص:

۱:..... جو کوئی ہزار بار اس اسم کو پڑھے گا سب سے بے پروا ہوگا (یہاں تک کہ ناجائز شہوات سے بھی)۔

۲:..... جو شخص دشمن سے بچنے کے لئے بھاگتے وقت اس کو کثرت سے پڑھے گا وہ محفوظ رہے گا۔

۳:..... جو سفر میں اس کی مدد و امت کرے گا کبھی نہیں تھکے گا۔

۴:..... جو اس کو تین سوائیس (۳۱۹) بار شیرینی پر پڑھ کر دشمن کو کھلا دے تو دشمن مہربان ہو جائے گا۔

۵:..... جو جمعہ کی نماز کے بعد ”سُبُوْحٌ قُدُّوْسٌ“ روٹی کے ٹکڑے پر لکھ کر کھاتا رہے فرشتہ صفت

ہو جائے گا۔

⑥ السَّلَامُ: سلامتی والا

تشریح: سب کو سلامتی اسی کی بارگاہ سے ملتی ہے، وہ خود بھی سلامتی والا ہے یعنی اس میں عیب نہیں ہے، اس میں کوئی نقص نہیں وہ خود بھی سلام ہے اور باقی بھی جس کو سلامتی ملتی ہے اس کی جانب سے ملتی ہے، جیسے کہ ہم نماز کے بعد یہ پڑھتے ہیں ”اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ“ اے اللہ! آپ سلامتی والے ہیں اور آپ کی جانب سے سلامتی ملتی ہے۔
خواص:

- ۱:..... جو ہمیشہ صبح کی نماز کے بعد ہزار مرتبہ اس اسم کو پڑھے گا اس کا علم زیادہ ہوگا۔
- ۲:..... اگر کوئی اس اسم کو (۱۳۱) بار یا (۱۶۱) بار پڑھ کر بیمار پر دم کرے گا تو بیمار صحت پائے۔
- ۳:..... جو اس اسم کو کثرت سے پڑھے یا لکھ کر پاس رکھے وہ دشمن سے بے خوف رہے گا۔
- ۴:..... جو کوئی کثرت سے اس اسم کو پڑھتا رہے گا ان شاء اللہ تمام آفتوں سے محفوظ رہے گا۔
- ۵:..... جو کوئی (۱۱۵) مرتبہ یہ اسم پڑھ کر بیمار پر دم کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو صحت و شفا عطا فرمائیں گے۔

⑥ الْمُؤْمِنُ: امن دینے والا

تشریح: ”مؤمن“ کا لفظ امن سے ہے، ”المؤمن“ کا معنی امن دینے والا، جس کو بھی امن دیتا ہے وہی امن دیتا ہے، اور اگر وہ امن نہ دے تو پھر کسی کو کہیں سے امن نہیں ملتا، جیسا کہ سورۃ قریش میں فرمایا: ﴿الَّذِي اَعْطٰهُمْ مِنْ جُوعٍ نَّوَامَتُهُمْ مِنْ خَوْفٍ﴾ ⑤۔

بعض حضرات نے ”مؤمن“ کا ترجمہ کیا ہے ایمان والا، یعنی اپنے بھیجے ہوئے دین پر یقین رکھنے والا، جس ذات نے انبیائے کرام ﷺ کو بھیجا اور جو احکام انبیائے کرام کی معرفت صادر فرمائے وہ قطعاً برحق ہیں، سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کو اس کا یقین ہے، جیسا کہ ایک آیت شریفہ میں فرمایا:

﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُو الْاَلْبٰبِ﴾ (آل عمران: ۱۸)

ترجمہ: ”گو اہی دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس بات کی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتے

بھی گواہی دیتے ہیں اور اہل علم بھی گواہی دیتے ہیں۔“

تو گواہی یقین پر ہی ہے، اللہ تعالیٰ کو یقین ہے اپنے معبود برحق ہونے کا، جس چیز پر اللہ تعالیٰ کا یقین ہے اور جو چیز اللہ تعالیٰ کے نزدیک برحق ہے ہم اس سب پر ایمان رکھتے ہیں اور جو چیز اللہ تعالیٰ کے

نزدیک غلط اگر ہم نے غلطی سے اس کو صحیح سمجھا تو ہماری اس سے توبہ۔
خواص:

۱:..... جو کثرت سے اس کا ورد کرے گا اس کا ایمان قائم رہے اور مخلوق اس کی مطیع و معتقد ہو جائے۔

۲:..... جو کوئی روزانہ تین مرتبہ یہ اسم مبارک پڑھا کرے اسے کوئی خوف نہیں رہے گا۔

۳:..... جو کوئی ایک سو چھتیس بار یہ اسم مبارک پڑھا کرے ظالموں کے ظلم اور جملہ آفات سے محفوظ رہے گا۔

۴:..... خوف زدہ آدمی اگر فرضوں کے بعد (۳۶) بار اس اسم کا ورد رکھے تو اس کی جان و مال محفوظ رہے گی۔

۵:..... جو اس اسم کو (۱۱۵) بار پڑھ کر دم کرے گا ان شاء اللہ ہر طرح کے خوف اور نقصان سے محفوظ رہے گا۔

⑤ الْمُتَّقِينَ: سب کا نگہبان

تشریح: ”مہین“ کا معنی نگہبان ہیں، وہ سب کا نگہبان اور سب کا محافظ ہے، پوری کائنات کی نگہبانی اللہ کے سپرد ہے، وہی حفاظت کرنے والا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا تھا: اے اللہ! آپ کو نیند بھی آتی ہے؟ کہا: موسیٰ! پانی کے دو پیالے لے لو اور کھڑے ہو جاؤ، وہ دونوں آپس میں ٹکرائیں نہیں، وہ بھرے ہوئے ہوں وہ چھلکیں نہیں، موسیٰ علیہ السلام تو آخر گوشت پوست کے بنے ہوئے انسان تھے، اُدگھ آئی تو ہاتھ ڈھیلے پڑ گئے، پیالے چھلک گئے، آپس میں ٹکرا کے گر کے ٹوٹ گئے، فرمایا: موسیٰ! تمہیں اُدگھ آگئی، دو پیالے نہیں سنبھل سکے، اگر مجھے اُدگھ آگئی تو زمین و آسمان کا نظام کون سنبھالے گا؟ اسی لئے فرمایا:

”لَا تَأْخُذْكَ سِتَّةٌ وَلَا تَوْمٌ“ اے نیند اور اُدگھ نہیں آتی۔

خواص:

۱:..... جو کوئی غسل کرے پھر خلوت میں توجہ کے ساتھ نماز پڑھے اور سب (۱۰۰) بار یہ اسم پڑھے

اس کے دل میں نور پیدا ہوگا اور اس کی مراد پوری ہو جائے گی اور عالی ہمت ہو جائے گا۔

۲:..... جو کوئی اسے (۲۹) بار پڑھے گا اس کو کوئی غم نہ رہے گا۔

۳:..... جو یہ اسم ہمیشہ پڑھتا رہے گا تمام بلاؤں سے محفوظ رہے گا۔

① الْعَزِيزُ: عزت والا، ہر غالب سے غالب

تشریح: قرآن پاک میں فرمایا:

﴿وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ﴾

(المنافقون)

ترجمہ: ”اور اللہ کے لئے ہے عزت اور اس کے رسول کے لئے اور مومنین کے لئے، لیکن منافق لوگ نہیں جانتے۔“

اور ہم امریکہ والوں سے عزت لیتے ہیں، یورپ والوں سے عزت مانگتے ہیں۔

عزیز کے ایک معنی ”غَالِبٌ عَلَى كُلِّ غَالِبٍ“ ہر غالب سے غالب، باقی تمام کی تمام مخلوق اس کے سامنے مغلوب اور وہ سب پر غالب ہے۔

خواص:

۱:..... جو شخص چالیس دن تک چالیس مرتبہ اس اسم کو پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کو معزز و مستغنی فرمائیں گے۔

۲:..... جو شخص نماز فجر کے بعد اکتالیس مرتبہ پڑھتا رہے وہ ان شاء اللہ کسی کا محتاج نہ ہو اور ذلت کے بعد عزت پائے۔

۳:..... اگر رات کے آخری حصے میں جمع ہو کر دوا ہزار بار یہ اسم مبارک پڑھیں تو رحمت کی بارش ہوگی۔

۴:..... جو اس اسم کو (۹۳) بار پڑھ لیا کرے وہ معزز و کامران رہے۔

۵:..... جو اس کو (۴۱۱) دن تک (۲۰۰) مرتبہ اول آخر درود شریف کے ساتھ پڑھے گا اس کے سب کام درست ہو جائیں گے۔

۶:..... جو متواتر سات (۷) دن تک ایک ہزار بار یہ اسم مبارک پڑھے گا اس کا دشمن ہلاک ہو جائے۔

۷:..... جو کسی (دشمن کے) لشکر کی طرف ہاتھ کا اشارہ کرے (۷۰) بار یہ اسم مبارک پڑھے وہ لشکر اللہ تعالیٰ کے حکم سے شکست کھا جائے۔

② الْجَبَّارُ: بگڑے ہوئے کاموں اور حالات کو درست کرنے والا

تشریح: اس کے بھی دو معنی ہیں، ایک ہے جبر کرنے والا، جیسے کہ کہا جاتا ہے: ”یہ کام مجھ سے جبراً کروایا گیا“ ”میں مجبور تھا“ تو جبار کا معنی ہے ”سب پر جبر کرنے والا“ اور باقی ساری کائنات اس کے سامنے

مجبور ہے، لیکن جبر کرنے کے معنی وہ نہیں جو ہمارے یہاں سمجھے جاتے ہیں، بلکہ جو معنی ”عزیز“ کے ہیں کہ ”وہ سب پر غالب ہے“ قریب قریب وہی معنی ”جبار“ کے ہیں کہ ”وہ سب پر حاوی ہے“، سب پر غالب ہے، سب اس کے پنجہ قدرت میں ہیں اور کوئی اس پر غالب نہیں آسکتا۔ اس کا ارادہ سب کے ارادوں پر غالب، اس کی طاقت سب طاقتوں پر غالب، اور اس کی مشیت سب کی مشیت پر غالب، اس کے مقابلے میں ساری کائنات مجبور ہے کہ دم نہیں مار سکتی۔

”جبر“ کے دوسرے معنی عربی زبان میں ہڈی جوڑنے کے آتے ہیں، ”جبار“ کا معنی ”ٹوٹی ہوئی ہڈیوں کو جوڑنے والا“۔ بعض دفعہ ہڈی ٹوٹ جاتی ہے اس میں لوگ جوڑ لگا دیتے ہیں، اس پر پلاسٹر کر دیتے ہیں کچھ عرصے بعد ہڈی جڑ جاتی ہے، ہڈی کا ایک دوسرے سے جڑنا کوئی مطلب نہیں رکھتا، کوئی مصالحہ لگاتے ہیں اس کو۔ کالج اگر ٹوٹ جائے تو اس کو دوبارہ نہیں جوڑ سکتے سوائے اس کے کہ کوئی مصالحہ لگاؤ، اور مصالحہ لگانے کے بعد نظر بھی آتا رہتا ہے، شیشے میں لگایا ہوا مصالحہ مٹ نہیں سکتا، لیکن حق تعالیٰ شانہ کی قدرت کاملہ ہے کہ ٹوٹی ہڈی کو بھی جوڑ لگا دیتے ہیں، باوجود اس کے کہ ہڈی ایسی چیز ہے کہ وہ کسی کے ساتھ جڑ نہیں سکتی، ایک ہڈی دوسرے کے ساتھ کیسے جڑ جائے گی؟ جو اس کے ٹکڑے ہو گئے یہ آپس میں کیسے جڑیں گے؟ لیکن حق تعالیٰ شانہ اپنی قدرت سے ہڈی میں جوڑ لگا دیتے ہیں، اور جس طرح اللہ تعالیٰ ٹوٹی ہوئی ہڈی کو جوڑ دیتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ ٹوٹے ہوئے دلوں میں بھی جوڑ پیدا فرما دیتے ہیں، پیوند لگا دیتے ہیں۔

خواص:

۱..... جو شخص روزانہ صبح و شام (۲۲۶) مرتبہ اس اسم کو پڑھے گا ان شاء اللہ عالموں کے ظلم و قہر سے

محفوظ رہے گا۔

۲..... جو کوئی اس اسم کو ہمیشہ پڑھتا رہے وہ مخلوق کی غیبت اور بدگوئی سے محفوظ رہتا ہے اور اللہ

تعالیٰ اس کی ہر عالم و جابر سے حفاظت فرماتا ہے۔

۳..... اس اسم کے ساتھ (ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ) ملا کر پڑھنا بھی حفاظت کے لئے بہت

مفید ہے۔

⑪ الْمُسْتَكْبِرُ: عالی شان، بڑائی والا

تشریح: ہم میں سے کسی شخص کا مستکبر ہونا یہ اس کے لئے عیب ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے لئے عیب نہیں بلکہ یہ اس کی شان ہے، اس لئے کہ کبریائی اس کی صفت ہے، تو مستکبر کا معنی کبریائی والا، شان والا، اس لئے کوئی بجا طور پر اُدنچا قد کرنے کی کوشش کرے تو برا لگے گا، اچھا نہیں لگے گا، اور جو نیچا ہو اور بڑا بننے کی

کوشش کرے تو اہل عقل اس کو پسند نہیں کرتے، کہتے ہیں کہ: بھئی! اپنے جامے میں رہو، اپنی چادر میں رہو، جتنی تمہاری حیثیت ہے وہیں رہو۔ تو بندے کی صفت کبریائی ہے ہی نہیں، بڑائی اس کی شان کے لائق نہیں، اس لئے جب یہ بڑائی کا مظاہرہ کرتا ہے تو متکبر کہلاتا ہے، اور یہ متکبر ہونا اس کے لئے عیب اور نقص ہے، لیکن اللہ کے لئے عیب نہیں، متکبر ہونا اللہ کی شان ہے، اس کے مقابلے میں بندے کا کام متواضع ہونا ہے، ہاں! حدیث میں یوں آتا ہے:

”مَنْ تَوَاضَعَ لِلَّهِ رَفَعَهُ اللَّهُ“ (مشکوٰۃ، کنز العمال: ۵۷۳۰)

ترجمہ: ”جو اللہ کے لئے اپنے آپ کو نیچا کر دے اللہ اس کو بلند کر دیتا ہے۔“

خواص:

- ۱:..... کسی کو بے حیائی سے روکنے کے لئے اس کا دس (۱۰) بار پڑھنا بہت مفید ہے۔
- ۲:..... جو کوئی ہم بستری سے پہلے دس بار (۱۰) یہ اسم مبارک پڑھے اللہ جل شانہ اسے پرہیزگار اور نیک فرزند عطا فرمائیں گے۔
- ۳:..... جو اسے ہر کام کے آغاز میں کثرت سے پڑھے گا اس کے کام میں کوئی رکاوٹ پیش نہیں آئے گی۔

۴:..... جو اس کو (۲۱) بار پڑھ کر سوئے گا ان شاء اللہ خواب میں نہیں ڈرے گا۔

۵:..... جو اس کو (۶۶۲) دن تک (۶۶۲) مرتبہ روزانہ پڑھے گا صاحب صولت و سیاست ہوگا۔

⑤ الخَالِقُ: عدم سے پیدا کرنے والا، بنانے والا

تشریح: آج کل لوگ یہ لفظ غلط معنی میں استعمال کرتے ہیں، ”یہ اس نظریے کا خالق ہے“، اور ”یہ اس کی تخلیق ہے“، لا حول ولا قوۃ! عدم سے وجود میں لانے کو ”تخلیق“ کہتے ہیں اور خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے، وہی عدم سے وجود میں لاتا ہے۔ تم جو چیز بناتے ہو، یہ عدم سے وجود میں نہیں لاتے، دو چار چیزوں کو جوڑ کر ایک چیز بنا لیتے ہو۔

خواص:

- ۱:..... جو شخص آدھی رات کے بعد ایک گھنٹہ یا اس سے زیادہ اس اسم مبارک کا ورد کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے دل اور چہرے کو منور فرما دے گا۔
- ۲:..... جس کا مال یا بیٹا گم ہو گیا ہو اگر وہ پانچ ہزار (۵۰۰۰) بار اس کا ورد کرے تو گمشدہ واپس آجائے گا۔

۳:..... جو سات روز تک متواتر اس کو (۱۰۰) بار پڑھے تمام آفات سے محفوظ رہے۔

۴:..... جو اسے (۱۰۰۰) ہزار بار پڑھا کرے اسے اولاد دینے نصیب ہو۔

۵:..... اگر کوئی شخص ہمیشہ ”الْحَمْدُ لِلَّهِ“ پڑھتا رہے تو اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ پیدا کر دیتے ہیں جو اس کی

طرف سے عبادت کرتا ہے اور اس کا چہرہ منور رہتا ہے۔

۱۳ البَارِئُ: بغیر مثال اور بغیر نمونے کے پیدا کرنے والا

تشریح: یہ اسم فاعل کا صیغہ ہے البراء سے، اس کا معنی بھی پیدا کرنے کے ہیں، لیکن اس میں جو بات ملحوظ ہے وہ یہ کہ بغیر مثال اور بغیر نمونے کے پیدا کرنا، یا یوں کہو کہ بغیر مادے کے پیدا کرنا، ایک مستری لکڑی کا سامان بنانا ہے، مادہ پہلے سے موجود ہے، اور ایک لوہار لوہے کی چیزیں بناتا ہے، لوہا پہلے سے موجود ہے، سنار سونے چاندی کی چیزیں بناتا ہے، سونا پہلے ہی سے موجود ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ کارخانہ بنایا اور مادہ پہلے سے موجود نہیں تھا، کسی مادے سے نہیں بنایا ہے بلکہ مادے کو بھی پیدا فرمایا ہے، یہ معنی ہیں باری کے۔

خواص:

۱:..... اگر طیب اس اسم کو پابندی سے ہمیشہ پڑھے تو اس کے ہاتھ میں شفا ہوگی۔

۲:..... جو کوئی اس اسم کو (۲۴۴) بار پڑھے اس کی جو بھی مراد ہوگی وہ پوری ہوگی۔

۳:..... اگر بانجھ عورت سات روز روزے رکھے اور پانی سے افطار کرنے کے بعد اکیس مرتبہ

(الْبَارِئُ الْمَصْذُورُ) پڑھے تو ان شاء اللہ اولاد دینے نصیب ہو۔

۴:..... اس کا بکثرت ذکر کرنے سے صنائع عجیبہ کا ایجاد آسان ہو جاتا ہے۔

۵:..... جو شخص سات دن تک روزانہ اس کو (۱۰۰) بار پڑھے گا اللہ تعالیٰ اسے امراض سے شفا اور

آفات سے سلامتی عطا فرمائے گا۔

۱۴ الْمَصْذُورُ: صورت گری کرنے والا

تشریح: تصویر بنانے والا، صورت گری کرنے والا، یہ مصور بھی اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، تم جانتے ہو کہ ماں کے پیٹ میں جو پانی کا قطرہ جاتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ نقش نگاری کرتے ہیں، یہ اس کی قدرت ہے۔ کون ہے کہ جس نے پانی پر تصویر بنا کر دکھادی؟ اور مزے کی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں کہ کتنے انسان پیدا ہوئے اور ہوں گے؟ کبھی بھی دو آدمیوں کی شکل اللہ تعالیٰ نے ملنے نہیں دی، اب اندازہ کرو اس کے پاس کتنی تصویریں ہیں؟ بعض دفعہ دو جڑواں بچے ہوتے ہیں بالکل ایک جیسے ہوتے ہیں لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ نے فرق رکھا ہے، اور یہ تو انسانوں کی صورت ہے، یہ درختوں کے پتے ان کی بھی ایک

صورت ہے، حکماء کہتے ہیں کہ ایک پتا اللہ تعالیٰ نے دوسرے سے ملنے نہیں دیا، ایک انڈا دوسرے انڈے سے ملنے نہیں دیا، ایک انسان کے دانت بتیس دوسرے سے ملنے نہیں دیئے، یہ انگوٹھے کے نشانات ایک کے دوسرے کے ساتھ ملنے نہیں دیئے، یہ مصور ہے، تصویر بنانے والا، اور یہ جو فوٹو گرافی کرتے ہیں یا کیمرے یا قلم سے بناتے ہیں ان کے بارے میں فرمایا ہے کہ: **أَشَدُّ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ** "قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے، جو اللہ کی تخلیق کی مشابہت کرتے ہیں اور قیامت کے دن ان سے کہا جائے گا: تم نے بندر کی صورت تو بنادی تھی اب اس میں جان بھی ڈال کر دکھاؤ، وہ کہاں سے ڈالیں گے؟

خواص:

۱:..... اگر کوئی شخص سات دن تک روزہ رکھے اور غروب آفتاب کے بعد افطار سے پہلے اکیس مرتبہ یہ اسم مبارک پڑھ کر دم کرے اور پانی یا نہج عورت کو پلائے تو ان شاء اللہ اس کا بانجھ پن دور ہو جائے گا۔
۲:..... جو کوئی وضو کرنے کے بعد شہادت کی انگلی سے اس کو اپنی پیشانی پر رکھے تو جس سے ملاقات کرے وہ اس کا دوست ہو جائے۔

۳:..... جو اسے پانی پر پڑھ کر دم کرے اور پی لے تو اعلیٰ مرتبہ پائے۔

⑤ الْغَفَّارُ: بہت بخشنے والا

تشریح: غفار کے اصل معنی ڈھانکنے والے کے ہیں، اور اس کے لازمی معنی کئے جاتے ہیں گناہوں کو بخشنے والا، الغفار مبالغہ کا صیغہ ہے یعنی بہت مغفرت کرنے والا اور اپنے بندوں کے گناہوں کو ڈھانکنے والا، اور اس ڈھانکنے میں اشارہ اس طرف ہے کہ حق تعالیٰ شانہ جب کسی بندے کی بخشش فرمادیتے ہیں تو مخلوق کو اس پر مطلع نہیں فرماتے بلکہ مخلوق کی نظروں سے اس کو اوجھل فرمادیتے ہیں، صرف علم الہی میں وہ چیز باقی رہ جاتی ہے، باقی اس کے تمام ثبوت یا تمہاری زبان میں اس کے تمام ریکارڈ ختم کر دیئے جاتے ہیں حتیٰ کہ فرشتوں کے دفتر سے بھی مٹا دیا جاتا ہے، فرشتوں کے حافظے سے بھی مٹا دیا جاتا ہے اور زمین کے وہ حصے جن پر بندے نے گناہ کیا تھا ان حصوں سے بھی گناہ کو مٹا دیا جاتا ہے، حق تعالیٰ ہم سب کی بخشش فرمائے، کامل مغفرت فرمائے۔ (آمین)

خواص:

۱:..... جو کوئی "یا غَفَّارُ" کی مداومت کرے گا اس کے تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے اور اس کے نفس کی بری خواہشات دور ہوں گی۔

۲:..... جو اس اسم کو جمعہ کے بعد سو بار پڑھے گا تو مغفرت کے آثار پیدا ہوں گے، جنگی دفع ہوگی اور

بے گمان رزق ملے گا۔

۳:..... غصہ کرنے والوں پر یہ اسم پڑھا جائے تو ان کا غصہ زائل ہو جاتا ہے۔

⑤ الْقَهَّارُ: سب پر غالب

تشریح: قہار کا لفظ قہر سے ہے، قہر کا معنی ہے غلبہ، یعنی سب پر غالب۔

خواص:

۱:..... جس شخص کی کوئی حاجت ہو وہ اپنے گھر یا مسجد میں سرنگا کر کے ہاتھ اٹھا کر سو (۱۰۰) بار ”یا قہَّار“ کہے ان شاء اللہ اس کی حاجت پوری ہو جائے گی۔

۲:..... جو اشراق کی نماز کے بعد سجدہ کر کے سات بار ”یا قہَّار“ پڑھے گا اللہ تعالیٰ اسے غنی فرما دے گا۔

۳:..... بکثرت اس کا ذکر کرنے سے دنیا کی محبت اور ماسوی اللہ کی عظمت دل سے جاتی رہے اور دشمنوں پر غلبہ ہو۔

۴:..... جو کسی مشکل کے واسطے اس کو سو بار پڑھے مشکل حل ہو۔

۵:..... اگر چینی کے برتن پر لکھ کر ایسے شخص کو پلایا جائے جو بوجہ سحر کے عورت پر قادر نہ ہو، سحر دفع ہو۔

⑥ الْوَهَّابُ: بہت عطا کرنے والا

تشریح: وہاب کا لفظ ”ہبہ“ سے ہے، آپ حضرات جانتے ہیں کہ اگر کسی شخص کو کوئی چیز بغیر

معاوضے کے دے دی جائے تو ہبہ کہلاتا ہے، ہبہ کا معنی ہے کہ کسی کو کسی چیز کا بغیر معاوضے کے مالک بنادینا،

اور اگر معاوضہ لے کر دیا جائے تو تجارت کہلاتی ہے، سوداگری کہلاتی ہے، بیع کہلاتی ہے، تو الوہاب کا معنی ہے

بغیر معاوضے کے عطا کرنے والا اور بہت دینے والا، حق تعالیٰ شانہ کی جتنی نعمتیں ہیں وہ سب کی سب عطیات

ہیں اور ان نعمتوں کا کوئی شمار نہیں، ظاہری بھی ہیں باطنی بھی ہیں، جسمانی بھی ہیں روحانی بھی ہیں، دنیاوی بھی

ہیں آخری بھی ہیں، اور یہ ساری کی ساری بغیر معاوضے کے ہیں، اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کا معاوضہ نہیں لیا اور

معاوضہ لینا تو دُر کی بات، تم سے درخواست بھی نہیں لکھوائی کہ درخواست لکھ کر بھیجو پھر ہم تمہیں دیں گے۔

آپ جانتے ہیں کہ یہ بندے ہیں فلاں فلاں چیزوں کے محتاج ہیں، ہماری زبان حال نے ہی

تقاضا کیا ورنہ ہم نے کوئی درخواست بھی نہیں دی تھی، اللہ میاں کو درخواست بھیجی تھی کہ میری آنکھیں رکھنا؟ صحیح

سالم، آنکھ، ناک، کان، دوسرے اعضاء صحیح سالم رکھنا؟ کسی نے درخواست دی؟ میں نے تو نہیں دی، تو وہاب

ہے بغیر معاوضے کے ہبہ کرنے والا، عطا کرنے والا، میں نے کہا کہ یہاں تک کہ تم سے درخواست بھی نہیں

لکھوائی بلکہ بغیر درخواست کے اللہ تعالیٰ نے سب کچھ عطا فرمایا، اور یہ بھی مبالغے کا صیغہ ہے، بہت عطا کرنے والا، اس لئے کہ کوئی آدمی کسی کو کوئی تحفہ دے دیتا ہے، یہاں اللہ تعالیٰ انسانوں، جنوں اور فرشتوں اور ساری کائنات کو عطا کر رہا ہے، یوں کہتے ہیں کہ اٹھارہ ہزار عالم ہیں، اٹھارہ ہزار قسم کی مخلوق ہیں، جن میں ایک یہ ننھی ننھی چوئیاں بھی ہیں ان کو بھی عطا فرماتا ہے، اٹھارہ ہزار قسم کے عالم کو عطا کرنے والا وہ ایک تنہا ہے، اس لئے بجا طور پر اس کا نام ہے ”الوہاب“ بہت عطا کرنے والا، بے شمار عطا کرنے والا۔
خواص: بارہ ہیں:

۱:..... جو سات بار اس کو روز پڑھے گا، مستجاب الدعوات ہوگا۔

۲:..... جو اس اسم کو عشاء کی نماز کے بعد چودہ سو چودہ بار پڑھے گا اسے رزق کی فراخی نصیب ہوگی۔

۳:..... جو کوئی فقر و فاقہ سے پریشان ہو وہ اس اسم کی مداومت کرے اللہ تعالیٰ اسے ایسی راحت عطا فرمائے گا کہ حیران رہ جائے گا۔

۴:..... جو چاشت کی نماز کے بعد سجدہ کی آیت پڑھ کر سجدے میں سات بار ”الوہاب“ پڑھے گا مخلوق سے بے پروا ہو جائے گا۔

۵:..... جو کوئی رزق کی فراخی چاہتا ہو، چاشت کے وقت چار رکعت نماز پڑھے، پھر سلام کے بعد سجدے میں جا کر ”الوہاب“ ایک سو چار بار اور اگر فرصت نہ ہو تو پچاس بار پڑھے مال دار ہو جائے گا۔

۶:..... کوئی بھی حاجت پیش آئے تو آدھی رات کے وقت گھر یا مسجد کے صحن میں تین بار سجدہ کر کے ہاتھ اٹھا کر سو بار اس کو پڑھے یہ عمل تین یا سات رات کرے، ان شاء اللہ العزیز حاجت پوری ہو جائے گی۔

۷:..... جو اسے عشاء کے بعد ساڑھے گیارہ سو بار پڑھے مقروض نہ رہے گا۔

۸:..... جو شخص فقر و فاقہ میں گرفتار ہو وہ کثرت سے اس اسم کو پڑھا کرے یا لکھ کر اپنے پاس رکھے یا چاشت کی نماز کے آخری سجدہ میں چالیس بار پڑھا کرے تو اللہ تعالیٰ اسے فقر و فاقہ سے ان شاء اللہ حیرت انگیز طریق پر نجات دے دیں گے۔

۹:..... حفاظت ایمان کے لئے ہر نماز کے بعد سات بار یہ آیت پڑھنا محرب ہے: ﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا لَبْعَنَ إِدْهَمَ يَتَّبِعُنَا وَمَنْ يَلْتَمِسْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ﴾ (آل عمران: ۸)۔

۱۰:..... برکت کے لئے اس اسم کو ”الکَرِيمُ ذُو الطَّوْلِ“ کے ساتھ ملا کر پڑھنا مفید ہے۔

۱۱:..... ہر چیز میں برکت کے لئے اس اسم کو ”الْكَافِي“ کے ساتھ ملا کر پڑھنا مفید ہے۔

۱۲:..... جب کوئی مشکل پیش آئے کسی میدان میں جا کر دعا کی طرح ہاتھ اٹھا کر سو

بار ”یا وَهَّاب“ پڑھے ان شاء اللہ مشکل آسان ہو جائے گی۔

۱۸) الرِّزْقُ: رزق پہنچانے والا

تشریح: رزق پہنچانے والا، روزی دینے والا باقی ساری کائنات مرزوق یعنی اس کو رزق دیا جاتا ہے اور وہ اکیلا رزاق ہے۔

خواص: نوہیں:

۱:..... جو اس اسم کو نہار منہ میں مرتبہ پڑھنے کا معمول بناوے اللہ تعالیٰ ایسا ذہن عطا فرماتا ہے جو باریکیوں اور مشکلات کو سمجھ لیتا ہے۔

۲:..... جو شخص اپنے مکان کے چاروں کونوں میں نماز صبح سے پہلے دس مرتبہ یہ اسم پڑھ کر دم کرے گا، اللہ تعالیٰ اس پر رزق کے دروازے ان شاء اللہ کھول دیں گے، بیماری اور مفلسی اس کے گھر میں ہرگز نہ آئے گی، پڑھنے کا آغاز داپنے کونہ سے کرے اور منہ قبلہ کی طرف رکھے۔

۳:..... جو فجر کے فرض و سنت کے درمیان اکتالیس دن تک ساڑھے پانچ سو مرتبہ یہ اسم روز پڑھے گا، دولت مند ہوگا، اس میں فجر کی نماز جماعت سے پڑھنا اور اس اسم مبارک کے اول و آخر گیارہ بار درود شریف پڑھنا شرط ہے۔

۴:..... جو عشاء کی نماز کے بعد سرنگا کر کے ”یا زَرَّاقُ تَزِرْ زُرْقًا مِنْ شِئَاءِ یا زَرَّاقُ“ گیارہ بار اول آخر درود شریف کے ساتھ اکتالیس روز پڑھا کرے گا اس کے لئے رزق کے دروازے کھلیں گے۔

۵:..... جو کوئی اس کو پانچ سو پینتالیس بار روز پڑھے گا، رزق اس کا کشادہ ہوگا اور کوئی دشواری اور درمندی نہ آئے گی۔

۶:..... جو اس اسم کو روزانہ تنہائی میں ایک ہزار بار پڑھے گا، ان شاء اللہ خاص روحانی مقام پائے گا۔

۷:..... جو ہر نماز کے بعد اس کے پڑھنے کا معمول بنائے گا غیب سے روزی پائے گا۔

۸:..... جو شخص اس اسم کو سترہ بار اس شخص کے سامنے پڑھے جس سے کوئی حاجت ہو ان شاء اللہ وہ حاجت پوری ہو جائے گی۔

۹:..... جو اس اسم کو سوار قیدی کی رہائی کے لئے پڑھے گا اسے خلاص ملے گی اور اگر بیمار کی صحت یابی کے لئے پڑھے گا اسے شفا ملے گی، ان شاء اللہ (مغرب ہے)۔

۱۹) الْفَتْحُ: بہت کھولنے والا

تشریح: بہت کھولنے والا، فتح دروازہ کھولنے کو کہتے ہیں، بندوں کی روزی اور اپنی رحمت کے

دروازے کھولنے والا، اس کی رحمت کے دروازے سب پر کھلے ہیں، اور اس کی روزی کے دروازے بھی سب پر کھلے ہیں، جب بھی کوئی مشکل پیش آتی ہے اور دروازے بند نظر آتے ہیں تو وہی ان بند دروازوں کو کھولتا ہے، مشکلات کے وقت دروازوں کو وہی کھولنے والا ہے۔

خواص: چار ہیں:

۱:..... جو کوئی اپنا ہاتھ سینے پر رکھ کر نماز کے بعد اکہتر بار یہ اسم پڑھے گا، اس کا دل پاک اور منور ہو جائے گا اور حق کے راستے کا حجاب اس سے ہٹا لیا جائے گا اور اسے ان شاء اللہ تمام امور میں آسانی اور رزق میں برکت عطا کی جائے گی۔

۲:..... اگر کندھ بن چینی کی رکابی پر اس کو لکھ کر زبان سے چائے، ذہین ہو جائے۔

۳:..... جو اسے سات بار پڑھے گا دل کی تاریکی جاتی رہے گی۔

۴:..... جو اس کا بکثرت ورد رکھے، اس کے دل کی کدورت دور ہو جائے گی اور فتوحات کے دروازے اس پر کھل جائیں گے۔

۲۰ العَلِیْمُ: بہت جاننے والا

تشریح: بہت جاننے والا، علیم اور عالم میں فرق ہے، ایک ہوتا ہے عالم، یعنی جاننے والا اور ایک ہوتا ہے معلوم یعنی جس چیز کو جانا گیا، جو چیز علم میں آئی وہ اس کا عالم ہے اور جب تک علم اس کو حاصل ہے وہ عالم کہلاتا ہے، اور جب علم ہٹ جاتا ہے تو وہ عالم نہیں رہتا، بخلاف علیم کے، علیم کا معنی ہے ایسا جاننے والا کہ جانتا اس کی صفت بن گیا ہے، جو کسی وقت بھی اس سے جدا نہیں ہوتی، جب مخلوق نہیں تھی اس وقت بھی وہ مخلوق کے سارے حالات جانتا تھا، اور جب اس کا رخانے کو مٹا دیا جائے گا وہ ہم برہم کر دیا جائے گا ساری مخلوق فنا کے گھاٹ اتر جائے گی اور وہ ایک تنہا باقی رہ جائے گا اس وقت بھی ساری مخلوق کے حالات کو جانتا ہے۔ ان کے اول کو بھی جانتا ہے ان کے آخر کو بھی جانتا ہے، ہر ایک کے مبدأ کو جانتا ہے ہر ایک کے منتہا کو جانتا ہے، ہر مخلوق کی ہر چیز کو جاننے والا اور ہمہ وقت جاننے والا ہے یہ ہے علیم، اور یہ صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اللہ کے سوا کسی کی صفت نہیں۔

خواص: سات ہیں:

۱:..... جو کثرت سے ”یا علیم“ کا ورد کرے گا اللہ تعالیٰ اس پر ان شاء اللہ علم و معرفت کے دروازے کھول دے گا اور جو اللہ تعالیٰ سے مانگے گا جلد ملے گا اور حافظہ قوی ہوگا۔

۲:..... جو کوئی اس اسم کو دل میں پڑھے، صاحب معرفت ہو جائے اور اگر فرض نماز کے بعد ڈیڑھ

سو بار پڑھا کرے، صاحب یقین ہو جائے۔

۳:..... جو کوئی نماز کے بعد سو بار ”یا عالم الغیب“ پڑھے، اللہ تعالیٰ اس کو صاحب کشف بنادے گا۔

۴:..... جو استحارہ کرنا چاہے شب جمعہ کو نماز کے بعد سو بار مسجد میں یہ اسم مبارک پڑھ کر سو رہے، مطلوبہ حال سے آگاہی پالے گا۔

۵:..... جو کوئی نامعلوم امر دریافت کرنا چاہے اول دو رکعت نماز پڑھے پھر درود شریف، پھر: ”سُبْحَانَكَ لَا إِلَهَ إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ“ ستر بار پڑھ کر ”یا عَلِيمُ عَلَمِي يَا خَبِيرُ أَخْبِرْنِي يَا مُبِينُ بَيْنِي“ سو سو بار پڑھ کر اپنا مطلب تصور کر کے لیٹ جائے، اگر نیند نہ آئے تو اٹھ کر کسی جمع میں چلا جائے وہاں لوگوں کی باتوں سے بطریق اشارہ مطلب معلوم کرے۔

۶:..... جو ہر نماز کے بعد سو بار ”یا عالم الغیب وَالشَّهَادَةِ“ کو معمول بنائے گا ان شاء اللہ صاحب کشف ہو جائے گا۔

۷:..... اگر کوئی شخص ”یا عَلَامُ الْغُيُوبِ“ کو اس قدر پڑھے کہ اس پر حال طاری ہو جائے تو اس کی روح کو عالم بالا کی سیر نصیب ہوگی۔

② القَابِضُ: بند کرنے والا

تشریح: بند کرنے والا، قبضے میں لینے والا، پوری کی پوری کائنات اسی کے قبضے میں ہے، کہتے ہیں کہ اس پر فلا نے کا قبضہ ہے، فلا نا قابض ہے، اس جائیداد پر فلا نا آدمی قابض ہے تو قابض کا معنی قبضے والے کے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس اعتبار سے قابض ہے کہ ساری کائنات اس کے قبضہ قدرت میں ہے، عرش سے فرش تک، ثری سے ثریا تک، کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کے اختیار اور قبضہ قدرت سے باہر ہو، پھر وہ قابض ارواح بھی ہے، کہتے ہیں اس کی روح قبض ہوگئی، اس کا کیا معنی ہے؟ اس کی روح نکل گئی اور اللہ کے قبضے میں چلی گئی، تمام کی تمام ارواح اس کے قبضے میں ہیں، ارواح پر قبضہ کرنے والا ہے، اور قبض کا معنی بند کرنا بھی ہیں، تو ”القابض“ کا معنی روزی بند کرنے والا جس کی چاہے روزی بند کر دے، اس کو کوئی روکنے والا نہیں: ”وَاللَّهُ يَقْبِضُ وَيَبْسُطُ“ اللہ تعالیٰ ہی روزی بند کرتا ہے، اور وہی فراخ کرتا ہے۔

خواص: تین ہیں:

۱:..... جو اس اسم کو ہر روز تیس بار پڑھے ان شاء اللہ دشمن پر فتح پائے گا۔

۲:..... جو کوئی اسے چالیس دن تک ہر روز چار یا چالیس نواہوں پر لکھ کر کھالیا کرے گا، وہ بھوک

اور قبر کے عذاب سے محفوظ رہے گا، اسی طرح زخم اور درد وغیرہ کی تکلیف سے بھی محفوظ رہے گا، ان شاء اللہ! ۳..... جو کوئی اس اسم کو آدھی رات کے وقت پڑھا کرے، دشمن اس کا مقہور ہوگا۔

تنبیہ: بعض علماء کہتے ہیں کہ: ”الْقَابِضُ“ کو ”الْبَاسِطُ“ کے ساتھ ”الْمُؤَدِّلُ“ کو ”الْمُعِزُّ“ کے ساتھ، ”الْمُؤَيِّثُ“ کو ”الْمُنْخِي“ کے ساتھ، ”الْمُؤَخِّرُ“ کو ”الْمُقَدِّمُ“ کے ساتھ ”الْمَنَافِعُ“ کو ”الْمُغْطِی“ کے ساتھ اور ”الْمُضَارُّ“ کو ”الْمَنَافِعُ“ کے ساتھ ملا کر ذکر کرنا زیادہ مناسب ہے اور ان میں ہر پہلے اسم مثلاً: ”الْمُؤَدِّلُ“ کو دوسرے اسم مثلاً: ”الْمُعِزُّ“ کے ساتھ ملائے بغیر پڑھنا مناسب نہیں ہے۔

۴۲ البَاسِطُ: کشادہ کرنے والا

تشریح: کھولنے والا، کشادہ کرنے والا، روزی کو کشادہ کرنے والا، اور اسی طرح جب اس کا حکم ہوگا اس کی مشیت ہوگی تو اُوراح کو چھوڑ دے گا وہ ابدان میں چلی جائیں گی اپنے اپنے بدنوں میں چلی جائیں گی۔ تو قابض اور باسط کا تعلق مخلوق سے ہے، اس اعتبار سے کہ تمام مخلوق اس کے قبضے میں ہے جب چاہے کسی چیز کو بند کر دے جب چاہے کسی چیز کو کھول دے، روزی بھی اسی کے قبضے میں ہے جب چاہے اس کو کھول دے جب چاہے اس کو بند کر دے۔

خواص: دس ہیں:

۱:..... جو اس اسم کو چاشت کی نماز کے بعد دس بار پڑھے گا، اسے ہر معاملے میں کشادگی نصیب ہوگی اور ان شاء اللہ کبھی کسی کا محتاج نہیں ہوگا۔

۲:..... جو دس بار آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر یہ اسم پڑھے اور پھر ہاتھ اپنے چہرے پر پھیرے تو اس کے لئے غنا کا ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔

۳:..... جو اسے چالیس بار پڑھے ان شاء اللہ مخلوق سے بے پروا ہوگا۔

۴:..... مشکلات سے نجات کے لئے ہر نماز کے بعد ایک سو چالیس بار ہر روز اس کا پڑھنا مفید ہے۔

۵:..... کشائش کے لئے (۷۲) دن تک روزانہ بارہ ہزار بار یہ اسم پڑھے۔

۶:..... جو کوئی تین رات میں سوالا کہ بار ”یا بَاسِطُ“ ختم کرے اور اول و آخر سو بار درود شریف

پڑھے، اسے ان شاء اللہ غیب سے روزی ملے گی، تین راتوں کے بعد روزانہ سو بار پڑھ لیا کرے۔

۷:..... جو کوئی سحر کے وقت آنکھیں بند کر کے گیارہ مرتبہ یہ اسم پڑھے اور ہاتھ پر دم کر کے منہ پر

پھیرے پھر آنکھیں کھول کر ہاتھوں کو دیکھے پھر بہتر بار پڑھ کر یہ دعا مانگے: ”اللّٰهُمَّ ذَلِّمْ ذُو لَاتَقْضِ وَاِنْ

تَعَذَّرَ اِنْعَمَ اللّٰهُ لَا تَخْضُوْهُ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ“ ان شاء اللہ اس دن بھوکا نہ رہے گا۔

۸:..... جو (۷۲) بار روزانہ اس اسم کو پڑھا کرے، اسے حق تعالیٰ تمام آفتوں اور بلاؤں سے محفوظ رکھے گا۔

۹:..... جو کوئی اس اسم کو رات کے آخری حصہ میں ہاتھ اٹھا کر دس بار کہے، ہمیشہ خوش دل رہے، کوئی غم و الم نہ ہو اور ایسی جگہ سے نفع ہو، جس کی امید نہ ہو۔

۱۰:..... جو اس اسم کو ہر روز پڑھا کرے اور لکھ کر اپنے پاس رکھے اس کو ان شاء اللہ غم نہیں پہنچے گا اور وہ غیب سے روزی پائے گا، کسی کا محتاج نہ ہوگا۔

۲۱) اِنْخَافِضْ: نیچا کرنے والا

۲۲) الرَّافِعُ: اونچا کرنے والا

تشریح: یہ دونوں متضاد صفات ہیں، وہ جس کو چاہے اونچا کر دے، جس کو چاہے نیچا کر دے، ایک دفعہ شاہ روم نصرانی بادشاہ نے خلیفہ اسلام کو خط لکھا کہ میں تین سوال بھیجنا چاہتا ہوں، اور تمہارے علماء میں سے کوئی اس کا جواب دیدے تو ٹھیک ہے ورنہ ان سب پر جزیہ لگانا چاہئے، ایک آدمی بھیجا، تین سوالات اللہ تعالیٰ کے بارے میں تھے، ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ سے پہلے کون تھا؟ دوسرے اللہ تعالیٰ کا منہ کس طرف ہے؟ تیسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ اس وقت کیا کر رہے ہیں؟

دوسرے علماء ان سوالات کو سن کر حیران ہوئے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ موجود تھے، فرمانے لگے: اگر اجازت ہو تو میں ان سوالوں کا جواب دوں؟ اجازت دی گئی، وہ تخت پر بیٹھا سوال کر رہا تھا، حضرت امام نیچے کھڑے جواب دے رہے تھے، اس نے پہلا سوال کیا: اللہ تعالیٰ سے پہلے کون تھا؟ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: گنتی جانتے ہو؟ اس نے کہا: ہاں افرمایا: شروع کرو! اس نے کہا: ایک، دو، تین، چار، فرمایا کہ: ایک سے پہلے؟ اس نے کہا: کچھ نہیں، ایک سے تو گنتی شروع ہوتی ہے۔ فرمایا: یہ تمہاری گنتی کا واحد ہے اور وہ واحد حقیقی ہے، جب تمہاری گنتی کے واحد سے پہلے کچھ نہیں تو اس واحد حقیقی سے پہلے کون ہوگا؟ کہنے لگا: ٹھیک جواب ہے۔ دوسرا سوال تھا کہ: اللہ تعالیٰ کا رخ کس طرف ہے؟ ارشاد فرمایا کہ: شمع چراغ کسی کمرے میں روشن کی جائے تو اس کا رخ کس طرف ہوتا ہے؟ کہا کہ: ہر طرف ہوتا ہے، یہیں کہا جاسکتا کہ کس طرف ہے؟ فرمایا کہ: یہ تمہاری معمولی سی روشنی اور ﴿اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا، جب تمہارے اس معمولی نور کا رخ کسی ایک طرف نہیں تو اللہ تعالیٰ کے لئے کیسے جہت ثابت کرتے ہو؟ کہنے لگا: یہ بھی ٹھیک۔ اور تیسرا سوال یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اس وقت کیا کر رہا ہے؟ فرمانے لگے کہ: میں ادب کی وجہ سے اب تک سوالوں کا جواب دیتا رہا ہوں، ورنہ تقاضائے انصاف یہ ہے کہ مفتی اونچی جگہ بیٹھے اور سائل نیچے

کھڑا ہو، تم تخت سے اتر کر میری جگہ آؤ میں تمہاری جگہ بیٹھ کر جواب دوں گا۔ کہنے لگا: بالکل صحیح ہے، عقل کی بات ہے، چنانچہ وہ نیچے آ گیا اور حضرت اس کی جگہ بیٹھ کر فرمانے لگے کہ: اللہ تعالیٰ اس وقت تیرے جیسوں کو نیچے کر رہا ہے اور میرے جیسوں کو اوپر کر رہا ہے۔ یہی ہے الخافض الرافع نچا کرنے والا او نچا کرنے والا، جس کو چاہے نچا کر دے، جس کو چاہے او نچا کر دے، جس کو وہ نچا کر دے اس کو کوئی او نچا نہیں کر سکتا اور جس کو وہ او نچا کر دے تم ہزار کوشش کرو اس کو نچا نہیں کر سکتے۔

بعض حضرات نے رافع کا معنی درجے او نچے کرنا کیا ہے، درجے او نچے کرنے والا، یہ دو متضاد صفتیں ہیں کسی کو او نچا کرتا ہے کسی کو نچا کرتا ہے۔

ایک حدیث شریف میں فرمایا ہے: بھاؤ کو او نچا اور نچا کرنا یہ بھی اللہ تعالیٰ کا کام ہے، کبھی کسی چیز کا بھاؤ او نچا کر دیتا ہے، کبھی کسی چیز کا بھاؤ نچا کر دیتا ہے، لیکن اب اس کا ٹھیکہ شاید امریکہ نے لے رکھا ہے۔

الخافض:

خواص: چھ ہیں:

۱:..... جو اس اسم کو پانچ سو بار پڑھے گا، ان شاء اللہ اس کی حاجت پوری ہوگی اور اس کی پریشانی دور ہو جائے گی، دشمن کے صدمہ سے بچ جائے گا اور حفاظت الہی اس کے شامل حال رہے گی۔

۲:..... جو اسے ایک ہزار بار پڑھے گا، ان شاء اللہ تمام دشمنوں سے محفوظ ہو جائے گا۔

۳:..... اگر کوئی تین روزے رکھے پھر چوتھے دن ایک مجلس میں چند آدمی ستر ہزار بار اس کو پڑھیں تو دشمن پر فتح نصیب ہوگی، ان شاء اللہ اسی مقصد کے لئے تین روزے رکھ کر ستر بار پڑھنا بھی مفید ہے۔

۴:..... جو کوئی اس اسم کو بہت پڑھے حاکم وقت اس سے رضا مند ہے۔

۵:..... اگر کوئی مشکل پیش آئے تو ہر نماز کے بعد ایک ہزار چار سو اکیاسی بار اس کا پڑھنا بہت

مفید ہے۔

۶:..... جو کوئی ظالم سے ڈرتا ہو اس اسم کو ستر بار پڑھا کرے اس کے ظلم سے بچا رہے گا۔

الرافع:

خواص: چھ ہیں:

۱:..... جو کوئی پیر کے دن یا جمعہ کی رات مغرب یا عشاء کے بعد چار سو چالیس مرتبہ اس اسم کا ورد

کرے گا، اسے مخلوق کے درمیان ایک رعب نصیب ہوگا۔

۲:..... جو کوئی اسے آدھی رات یا دوپہر کو سو بار پڑھے گا تو حق تعالیٰ شانہ اس کو برگزیدہ کرے گا اور

وہ تو انگر اور بے نیاز ہوگا۔

۳:..... جو کوئی اس اسم کو ہر روز بیس بار پڑھے گا، ان شاء اللہ مراد پائے گا۔

۴:..... جو کوئی ہر جمعہ کی چودھویں رات کو آدمی رات میں سو مرتبہ ”الرفع“ پڑھے گا، اللہ تعالیٰ اسے ان شاء اللہ مخلوق سے بے نیاز اور تو انگریز بنادے گا۔

۵:..... جو کوئی اسے تین سو اکیاون بار پڑھے گا مخلوق کے درمیان عزیز ہوگا۔

جواسے ستر بار پڑھے گا غالموں سے امن میں رہے گا اور ان شاء اللہ سرکشوں سے محفوظ رہے گا۔

۱۵ المِعْزُ: عزت دینے والا

۱۶ الْمُنِیْلُ: ذلت دینے والا

تشریح: یہ بھی دونوں متضاد صفات ہیں، عزت اور ذلت اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے، وہ عزت کا مالک ہے ﴿وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ﴾ (المنافقون: ۸) عزت اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، اور اللہ کے رسول کے لئے اور ایمان والوں کے لئے ہے۔ عزت اس کی صفت ہے، جس کو چاہتا ہے باعزت کر دیتا ہے، اپنی عزت کی ذرا سی تجلی فرما دیتا ہے، ذرا سی تجلی پر ایک بات یاد آگئی، ہم نے ابھی ایک کتاب میں پڑھا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہیں تشریف لے جا رہے تھے، کسی پہاڑ میں ایک راہب ملا، بے چارہ بڑا نحیف بڑا کمزور سا تھا، حضرت نے سلام کیا، اس نے جواب دیا، فرمایا کہ: میری شفاعت کر دیں، سفارش کر دیں تو درخواست پوری ہو جائے، پوچھا کہ: کیا درخواست ہے تیری؟ کہنے لگا: وہ ایک ذرہ معرفت کا نصیب فرمادے، حضرت نے دُعا فرمائی اور چلے گئے، تیسرے دن واپس آئے تو دیکھا وہاں ایک بہت گہرا غار بنا ہوا ہے اور وہ راہب وہاں ہے، اس کو آواز دے کر کہا: کیا ہوا؟ وہ بے چارہ مدہوشی کی حالت میں تھا کچھ ہوش و حواس نہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ الہی میں عرض کیا: یا اللہ ایہ کیا قصہ ہوا؟ فرمایا کہ: تم نے سفارش کی تھی کہ اس کو ایک ذرہ معرفت کا دے دیا جائے، ہم نے اس کو ایک ذرہ کا ستر ہزارواں حصہ دیا، یہ اس کو برداشت نہیں کر سکا، یہ تو ایک ذرہ مانگتا تھا، اپنی معرفت کی ذرا سی تجلی ڈالی برداشت نہیں کر سکا، زمین میں بھی گڑھا ہو گیا۔

تو میں نے کہا کہ ”المِعْزُ“ کا معنی ہے عزت دینے والا، عزت تو اس پاک ذات کی صفت ہے جس پر چاہتا ہے ذرا سی تجلی کر دیتا ہے، ذرا سی بھی نہیں، ستر ہزارواں حصہ، وہ بھی اس کو برداشت نہیں کر سکا، وہ جس کو ذرا نظر عزت سے دیکھ لیتا ہے وہ عزت والا ہو جاتا ہے، وہ ایسا پاک ہے، عزت اور ذلت اس کے قبضے میں ہے۔ لوگ کہتے ہیں شاید پیسے سے عزت مل جاتی ہے، لوگ سمجھتے ہیں کہ شاید عہدے سے عزت مل جاتی

ہے، ہرگز نہیں اغلط خیال ہے، اگر کسی کو سب کچھ مل جائے لیکن جب تک اللہ عزت نہ دے عزت نہیں ملتی اور کسی کے پاس کچھ نہ ہو، نہ عہدہ، نہ مال، نہ منصب، نہ پیسہ اور اللہ تعالیٰ چاہیں تو عزت عطا فرما دیتے ہیں۔
المُعْز:

خواص: تین ہیں:

۱:..... جو شخص پیر یا جمعہ کی رات میں مغرب کے بعد چالیس بار یہ اسم مبارک پڑھے گا ان شاء اللہ خدا تعالیٰ اس کی بیست مخلوق کے دل میں ڈال دے گا۔

۲:..... جو شخص نماز عشاء کے بعد پیر یا جمعہ کی رات میں ایک سو چالیس بار پڑھے گا، اللہ تعالیٰ اس کی بیست و حرمت مخلوق کے دل میں ڈال دے گا اور وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں ڈرے گا اور اسی کی پناہ میں رہے گا۔

۳:..... جو ایک سو چالیس دن تک اکترالیس بار ہر روز بلا ناغہ اس کو پڑھے گا دنیا و آخرت میں عزت پائے گا، پڑھنے کا آغاز پیر یا جمعہ کی شب سے کرے۔

الْمُذِل:

خواص: چار ہیں:

۱:..... جو اس اسم کو پچھتر بار پڑھ کر سجدے میں دعا کرے اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے۔

۲:..... جو کوئی کسی ظالم یا حاسد سے ڈرتا ہو تو پچھتر بار یا اکیس بار ”یا مُذِلُّ“ یا ”الْمُذِلُّ“ پڑھ کر سجدے کرے اور کہے: ”یا اَلہٰی اقلنا ظالم کے شر سے مجھے محفوظ رکھ“ حق تعالیٰ اس کو امان دے گا اور اپنی حفاظت میں رکھے گا۔

۳:..... جو سات سو ستر بار روزانہ کوئی وقت مقرر کر کے ”یا مُذِلُّ کُلِّ جَبَّارٍ عَنِیدٍ یَقْهَرُ غَزِیْرٍ مُلْطَانِکَ“ پڑھ لیا کرے تو اس کا دشمن دفع ہوگا۔

۴:..... جس کا کوئی حق کسی کے ذمہ ہو اور وہ ادا کرنے سے ٹال مٹول کر رہا ہو تو اس اسم کو بکثرت پڑھنے سے وہ اس کا حق ان شاء اللہ ادا کر دے گا۔

⑤ السَّمِیعُ: بہت سننے والا

⑥ البَصِیْرُ: بہت دیکھنے والا

تشریح: سمیع سننے والا، بصیر دیکھنے والا، میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ سننا اور دیکھنا ہماری بھی صفت ہے، لیکن ہماری صفت ایسی ہے کہ ایک بات سنیں گے تو دوسری نہیں سن سکیں گے، ایک چیز کو دیکھیں گے تو

دوسری نہیں دیکھ سکیں گے، اور سنتا اور دیکھنا اللہ تعالیٰ کی بھی صفت ہے، تمام کائنات کی تمام آوازیں بیک وقت الگ الگ سنتا ہے، اور اس کو کبھی اشتباہ نہیں ہوتا کہ اس کی آواز ہے یا اس کی آواز ہے، یہ ہے سبج۔ اور اسی طرح تمام مخلوق کو بیک وقت دیکھتا ہے، اولین کو آخرین کو سب کو دیکھتا ہے، سب اس کی نظروں میں ہیں، ایک ایک فرد بلکہ ایک ایک ذرے کی حرکت و سکون اس کی نظروں کے سامنے ہے، یہ ہے بصیر۔ بصیر صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے کسی دوسرے کی نہیں۔

السَّمِيعُ:

خواص: چار ہیں:

۱:..... جو کوئی اس اسم کو جمعرات کے دن چاشت کی نماز کے بعد پانچ سو بار پڑھے گا، ان شاء اللہ مستجاب الدعوات بن جائے گا۔

۲:..... جو اسے کثرت سے پڑھے کم سننے کے مرض سے ان شاء اللہ شفا پائے گا۔

۳:..... اگر کوئی جمعرات کے دن چاشت کی نماز کے بعد پانچ سو بار ”السَّمِيعُ“ پڑھے گا اور ایک قول کے مطابق ہر روز سو بار پڑھے گا اور پڑھتے وقت بات چیت نہیں کرے گا اور پڑھ کر دعا مانگے گا تو جو مانگے گا ان شاء اللہ پائے گا۔

۴:..... جو شخص جمعرات کے دن فجر کی سنتوں اور فرضوں کے درمیان اس کو سو مرتبہ پڑھے گا، اللہ تعالیٰ اس کو نظر خاص سے نوازے گا۔

الْبَصِيرُ:

خواص: پانچ ہیں:

۱:..... جو کوئی نماز جمعہ سے پہلے یا بعد میں سو مرتبہ ”الْبَصِيرُ“ پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کی نگاہ میں ان شاء اللہ روشنی اور دل میں نور پیدا فرمادے گا اور اسے صالح اقوال و اعمال کی توفیق عطا فرمائے گا۔

۲:..... جو کوئی جمعہ کے دن فجر کی سنتوں اور فرضوں کے درمیان سو بار یہ اسم مبارک پڑھے گا اسے اللہ تعالیٰ خصوصی نظر عنایت فرمائے گا۔

۳:..... جو اس کا بکثرت ورد کرے گا، آنکھوں کے امراض سے ان شاء اللہ محفوظ رہے گا، اس کے لئے یہ دعا بھی مفید ہے: ”اللَّهُمَّ يَا سَمِيعُ يَا بَصِيرُ مَتَّعْنِي بِسَمْعِي وَبَصَرِي وَاجْعَلْهُمَا الْوَارِثَ مِنِّي“۔

۴:..... کوئی اس اسم کو ہر روز عصر کے وقت سات بار پڑھ لیا کرے گا ناگہانی موت سے امن میں رہے گا۔

۵:..... جو اس اسم کو جمعہ کے خطبہ سے پہلے سو بار پڑھ لیا کرے گا ان شاء اللہ منظور نظر الہی ہوگا۔

۲۹) الْحَكْمُ: فیصلہ کرنے والا

۳۰) الْعَدْلُ: انصاف کرنے والا

تشریح: ”حکم“ فیصلہ کرنے والے کو کہتے ہیں، حاکم فیصلہ کرنے والا۔ عدل عادل کو کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فیصلہ کرنے والے ہیں تمام مخلوق کا، انسانوں کا اور دوسرے حیوانوں کا فیصلہ فرمائیں گے، اور اس کا فیصلہ منصفانہ فیصلہ ہے، عادلانہ فیصلہ تو ہے ہی بلکہ رحیمانہ فیصلہ ہے، اکابر فرماتے ہیں کہ: یا اللہ! اگر آپ عدل فرمائیں گے تو ہم پکڑے جائیں گے، اگر آپ فضل اور لطف کریں گے تو ہماری بخشش ہو جائے گی، جو رُو ظلم تو اللہ تعالیٰ کے یہاں ہے ہی نہیں، ایک بہت لمبی حدیث قدسی ہے یعنی رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں، اس میں پہلا فقرہ یہاں سے شروع ہوتا ہے: ”يَا عِبَادِي! اِنِّي حَرَمْتُ الظُّلْمَ عَلَى نَفْسِي“ (مشکوٰۃ) اے میرے بندو! میں نے ظلم کو اپنے اوپر حرام کر رکھا ہے، تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کیا کرو۔ اللہ تعالیٰ نے ظلم کو اپنے اوپر حرام کر رکھا ہے، حرام ہے کہ وہ ظلم کرے، یعنی ممکن ہی نہیں: ”وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ“ اور نہیں ہے آپ کا رب ذرا بھی ظلم کرنے والا بندوں پر، وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا، تو وہ فیصلہ کرنے والا ہے اور نہایت ہی منصف، عدل کا فیصلہ کرنے والا کہ ایک بال برابر بھی کسی کے ساتھ بے انصافی نہیں کرتا۔

الْحَكْمُ:

خواص: چار ہیں:

۱:..... جو کوئی آخر شب میں ننانوے مرتبہ با وضو یہ اسم پڑھے گا، اللہ تعالیٰ اس کا دل ان شاء اللہ محل اسرار و انوار بنادے گا۔

۲:..... جو کوئی جمعہ کی رات یہ اسم اس قدر پڑھے گا کہ بے حال و بے خود ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے قلب کو ان شاء اللہ کشف والہام سے نوازے گا۔

۳:..... جو کوئی شب جمعہ میں آدھی رات کو یہ اسم پڑھے گا حق تعالیٰ اس کا باطن پاک صاف کر دے گا۔

۴:..... جو پانچویں وقت ہر نماز کے بعد (۸۰) بار ”الْحَكْمُ“ پڑھ لیا کرے گا، کسی کا محتاج نہ ہوگا۔

الْعَدْلُ:

خواص: تین ہیں:

۱:..... جو اس اسم کو پڑھے اور روٹی کے بیس لقموں پر شب جمعہ کو لکھ کر کھالے تو اس کے لئے دلوں کو

مسخر کر دیا جاتا ہے۔

۲:..... جو کوئی اس اسم کو ہر نماز کے بعد پڑھے غیب سے روزی پائے اور اسے نیک عمل کی توفیق

نصیب ہو۔

۳:..... جو کوئی مغرب کی نماز کے بعد ایک ہزار بار یہ اسم مبارک پڑھے گا آسمانی بلاؤں سے نجات

پائے گا۔

۳۱) اللطیف: مہربان

تشریح: ”اللطیف“ کے دو معنی ہیں، ایک ہے لطیف لطف سے، لطف کے معنی مہربانی اور کرم کے آتے ہیں، تو لطیف کا معنی ہے لطف و احسان کرنے والا۔ اور دوسرا معنی لطیف کے بار یک بین یعنی ایسی بار یک چیزوں کو دیکھنے اور جاننے والا جہاں تک مخلوق کی نظر نہیں پہنچ سکتی۔ حدیث شفاعت میں ہے کہ آخر میں حق تعالیٰ شانہ فرمائیں گے: جن کے دل میں ایک ذرہ ایمان ہے ان کو بھی جہنم سے نکال لو، اور ذرے کا ادنیٰ سے ادنیٰ ہے اس کو بھی نکال لو، چنانچہ آخر میں تمام شفاعت کرنے والے یہ کہہ دیں گے کہ یا اللہ! اب دوزخ کے اندر ایسا کوئی شخص باقی نہیں رہا جس کے اندر ذرہ برابر کسی قسم کی کوئی خیر ہو، یعنی ایمان کا کوئی حصہ ہو۔ انبیائے کرام علیہم السلام بھی، اللہ کے مقرب فرشتے بھی، صدیقین، شہداء، اولیاء اللہ، صالحین سب کے سب عرض کریں گے کہ اب جہنم میں ایسا کوئی شخص نہیں رہا جس میں ایمان کی کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ رتق بھی ہو، اس وقت حق تعالیٰ شانہ تین لمبیں دوزخ سے نکالیں گے، اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس میں کتنی مخلوق آئے گی، علماء فرماتے ہیں کہ یہ وہ لوگ ہوں گے کہ جن کے ایمان اتنے در۔ بے کا کمزور تھا کہ اس کی اطلاع اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو بھی نہ تھی، یہ ہے بار یک دان اور بار یک بین، ہر شخص کی نیت اور ارادے میں کتنے کھوٹ چھپے ہوئے ہیں اس کی نظر میں ہیں، لوگوں کی نظر وہاں تک نہیں پہنچتی، لیکن اللہ تعالیٰ اسے جانتے ہیں۔

خواص: آٹھ ہیں:

۱:..... جو شخص ایک سو تینتیس مرتبہ ”یا لطیف“ پڑھا کرے ان شاء اللہ اس کے رزق میں برکت

ہوگی اور اس کے سب کام بخوبی پورے ہوں گے۔

۲:..... جو شخص فقر و فاقہ، دکھ بیماری، تنہائی، کسپیری یا کسی اور مصیبت میں گرفتار ہو وہ اچھی طرح

وضو کر کے دو گانہ پڑھے اور اپنے مقصد اور مطلب کو دل میں رکھ کر سو مرتبہ یہ اسم پڑھے ان شاء اللہ مقصد

پورا ہوگا۔

۳:..... جو اس اسم کو روزانہ (۱۷۳) بار پڑھے، اس کو اسباب معیشت نصیب ہوں گے اور حاجات

پوری ہوں گی۔

۴..... بیٹیوں کے رشتے اور نصیب کھلنے اور امراض سے صحت کے لئے ہر روز تحیۃ الوضو (وضو کی نماز) کے بعد سو بار اس کا پڑھنا مفید ہے۔

۵..... ہر دینی اور دنیوی مہم کے لئے خالی جگہ پر دعا کی شرائط کے ساتھ سولہ ہزار چھ سو اکتالیس بار اس کا پڑھنا مفید ہے۔

۶..... جو ایک سو ساٹھ بار ”اللطیف“ پڑھے اور اس کے ساتھ یہ آیت پڑھے: ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ﴾ وہ خوف سے ان شاء اللہ اس پائے گا۔
 ۷..... بیمار یوں سے شفا کے لئے اس اسم کے ساتھ کوئی آیت شفا پڑھ لی جائے تو فائدہ ہوگا۔
 ۸..... پریشانیوں اور مصیبتوں سے نجات کے لئے اس اسم کا درود بہت مفید ہے۔

۳۳ الخَبِيرُ: خبردار

تشریح: ”الخبر“ خبردار، خبر رکھنے والا، جس کو اگلی پچھلی ساری چیزوں کی خبر ہے اور ہر وقت خبر رہتی ہے، یہ نہیں کہ کسی نے رپورٹ کر دی تو خبر ہے، نہ کی تو نہیں، ایسا نہیں۔
 خواص: چار ہیں:

۱..... جو سات دن متواتر اس کا ورد کرے اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے روحانیت نصیب ہوتی ہے جو مطلوبہ امور میں اس کی راہنمائی کرتی ہے۔

۲..... جو قفس امارہ کے ہاتھ گرفتار ہو وہ کثرت سے اس کا ورد کرے ان شاء اللہ نجات پائے گا۔
 ۳..... استخارہ کے واسطے اکتالیس دن تک روزانہ تین سو بار ”یا خبیر یا خبیر“ پڑھے، پھر جب ضرورت پڑے تین سو بار پڑھ کر سو جائے نیک و بد حال کی ان شاء اللہ اطلاع ہو جائے گی۔
 ۴..... جو کسی موذی کے پنجہ میں گرفتار ہو اس اسم کو بکثرت پڑھے، ان شاء اللہ خلاصی نصیب ہوگی۔

۳۴ الْحَلِيمُ: بردبار، حلم والا

تشریح: بردبار، حلم والا، اہل کفر اور اہل فسق پر جلدی سے پکڑ نہیں فرماتا، سب سے زیادہ حوصلے والی ہستیاں حضرات انبیاء علیہم السلام ہیں، اور خاص طور سے ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ، آپ کے حلم اور حوصلے کی کوئی مثال ہی نہیں، لیکن انبیائے کرام علیہم السلام کا حوصلہ بھی ایک حد پر جا کر جواب دے دیتا ہے، اور وہ پریشان ہو جاتے ہیں، آنحضرت ﷺ کو جنگ احد میں صدمہ پہنچا، دندان مبارک شہید کئے گئے اور زہرہ کی ایک کڑی کال مبارک میں دھنسن گئی تھی جس کو بڑی مشکل سے نکالا، لہذا قصہ ہے جنگ احد کا، اس وقت رسول اللہ ﷺ نے ذرا سی شکایت کر دی تھی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا: ﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبُهُمْ﴾ (آل

عمران: (۱۲۸) آپ کے اختیار میں کوئی چیز نہیں ہے، یا ان کو توبہ کی توفیق دے یا ان کو عذاب دے، کیونکہ عالم تو ہیں ہی، آپ کو بدو عا کرنے کی اجازت نہیں۔ کفار، سید اکائنات آنحضرت ﷺ کو یہ صدمہ پہنچاتے ہیں اور آپ اس کی شکایت فرماتے ہیں، لیکن اللہ کے حکم کا یہ عالم ہے کہ آپ کو لب کشائی کی اجازت نہیں۔ ہم لوگ نعوذ باللہ! معاملات الہیہ کو بھی اپنے اوپر قیاس کرنے لگتے ہیں، ذرا سی کوئی پریشانی آ جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ: ”اللہ تعالیٰ بھی نہیں سنتے!“، ”اللہ تعالیٰ بھی ان لوگوں کو نہیں پکڑتے!“

میں نے کہا کہ: بڑے سے بڑے حوصلے والے، ان کے حوصلے کی ایک حد ہوتی ہے، اس پر جا کر ان کا حوصلہ جواب دے دیتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کا حکم غیر محدود ہے، اس لئے کار خدائی کو اسی کے حوالہ کر دو، وہ اپنے معاملات کو بہتر جانتا ہے، اس کو خدائی کرنا آتی ہے، اس کو مشورہ نہ دو کہ فلاں کو نہیں پکڑتا، فلاں کو نہیں پکڑتا، وہ جانتا ہے کہ کس کو پکڑنا ہے کس کو نہیں پکڑنا، کس وقت پکڑنا ہے کس طرح پکڑنا ہے؟ تم اپنا کام کرتے رہو، تمہیں فریاد کرنے کی، اپنی شکایت پیش کرنے کی اجازت ہے، لیکن اللہ میاں کو مشورے مت دو، وہ حلیم ہے اور اس کے حکم کی کوئی انتہا نہیں، کیونکہ صفات الہیہ لامحدود ہیں، ان کی کوئی حد نہیں۔

خواص: نو ہیں:

۱:..... جو اس کا ہر وقت ورد رکھے گا ان شاء اللہ فتح مندر ہے گا اور ہر آفت سے بچا رہے گا۔
۲:..... جو کوئی اس اسم کو ہر روز ظہر کی نماز کے بعد نو مرتبہ پڑھا کرے گا ان شاء اللہ تمام خلقت میں سرخورد رہے گا۔

۳:..... جو دشمن یا مدی یا حاکم کے سامنے ہوتے ہی پانی سے ہاتھ بھگو کر گیارہ مرتبہ ”یا خلیع“ پڑھ کر منہ پر مل لیا کرے ان شاء اللہ دشمن سختی نہ کر سکے گا اور حاکم نرمی و مہربانی سے پیش آئے گا۔

۴:..... جو کوئی اس کو کاغذ پر لکھ کر پھر اس کو دھوئے اور پانی اپنی بھیتی پر چھڑک دے تو ان شاء اللہ زراعت کی ہر آفت سے حفاظت رہے گی اور کمال کو پہنچے گی اور اس میں برکت ہوگی۔

۵:..... جو کوئی اس اسم کو بادشاہ کے روبرو پڑھے گا ان شاء اللہ اس کے غصے سے محفوظ رہے گا۔

۶:..... جو کوئی اس اسم کو پڑھے، حلیم الطبع ہو جائے اور صبر و سکون اس کے دل میں آجائے۔

۷:..... جو کوئی درخت بونے وقت اٹھا کیس باریہ اسم مبارک پڑھے تو درخت سرسبز ہو اور خزاں سے محفوظ رہے۔

۸:..... اگر رئیس آدمی اس کو بکثرت سے پڑھے اس کی سرداری خوب جے اور راحت سے رہے۔

۹:..... اگر اس اسم مبارک کو کاغذ پر لکھ کر پانی سے دھو کر اپنے پیشے کے آلات و اوزار پر ملے تو اس

پیشے میں برکت ہوگی۔

۴۶) الْعَظِيمُ: بڑی عظمت والا

تشریح: بڑی عظمت والا، اتنی عظمت کہ وہم و خیال کی ساری بلندیاں اس کی عظمت کے سامنے پست ہیں، آسمان کی رفعتیں، عرش و کرسی کی بلندی، اس کی عظمت کے سامنے ایک ریت کے ذرے کے برابر بھی نہیں، وہ بڑی عظمت والا ہے، اس کی عظمت کا کوئی ٹھکانہ نہیں۔

خواص: تین ہیں:

۱:..... جو کوئی حکمران سے خوفزدہ ہو وہ بارہ بار اس اسم کو پڑھ کر اپنے اوپر دم کرے، ان شاء اللہ محفوظ رہے گا اور نرمی پائے گا۔

۲:..... اس کا بکثرت ذکر کرنے سے عزت نصیب ہوگی اور ہر مرض سے شفا ملتی ہے۔

۳:..... جو اس اسم مبارک کو سات مرتبہ پانی پر پڑھ کر دم کرے پانی پی لے تو ان شاء اللہ اس کے پیٹ میں درد نہ ہوگا۔

۴۷) الْغُفُورُ: بہت بخشنے والا

تشریح: بہت بخشنے والا، بے حد بخشش کرنے والا، اتنا بخشنے والا کہ اگر ساری عمر کوئی شخص نعوذ باللہ! ثم نعوذ باللہ! اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخیاں کرتا رہے اور کسی وقت اللہ تعالیٰ اس کو عقل عطا کر دے اور وہ کہہ دے: اے اللہ! میں نے غلطی کی ہے، مجھے معاف فرما دے۔ وہ فرماتے ہیں: چلو معاف کر دیا! معاف کر دیا! ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ ارشاد فرماتے ہیں کہ: میرے بندے جب تک تو گناہ کر کے مجھ سے معافی مانگتا رہے گا میں بخشتا رہوں گا اور مجھے کوئی پروا نہیں، جتنی دفعہ بخشش مانگے گا اتنی دفعہ معاف کروں گا اور اگر تو اتنے گناہ لے کر آئے جن سے آسمان و زمین کے درمیان کا خلا بھر جائے یعنی تیرے گناہ آسمان کی بلندی کو پہنچ جائیں اور آسمان و زمین کے درمیان کا کوئی حصہ تیرے گناہوں سے خالی نہ رہے اور پھر تو میری بارگاہ میں آ کر یہ کہہ دے: یا اللہ! گناہگار ہوں، مجھے معاف کر دے، میں اتنی ہی مغفرت لے کر آؤں گا۔ وہ بہت بخشنے والا ہے، اس کی بخشش کی کوئی حد نہیں۔

خواص: تین ہیں:

۱:..... جو اس کو بکثرت پڑھے گا اس کے دل سے ان شاء اللہ سیاهی گھٹے گی۔

۲:..... تپ یا درد سر کا مریض یا غمگین آدمی اگر اس اسم کو کاغذ پر لکھ کر روٹی پر اس کا نقش جذب کر کے کھائے تو حق تعالیٰ شانہ اس کو شفا اور خلاصی بخشنے گا۔

۳:..... جو اس کو بکثرت پڑھے گا، برے اخلاق، روحانی امراض اور ظاہری بیماریوں سے ان شاء

اللہ محفوظ رہے گا اور اس کے مال و اولاد میں برکت ہوگی۔

۳۱ الشُّكُورُ: قدردان

تشریح: شکور کا معنی شکر کرنے والا، اور آپ جانتے ہیں کہ آپ اگر کسی کا شکر یہ ادا کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس نے جو اچھا کام کیا ہے آپ کے دل میں اس کی قدر ہے، اس لئے یہاں الشکور کا معنی ہے قدردان، حق تعالیٰ شانہ اپنے تقدس اور اپنے علو شان کے باوجود بندوں کی نیکیوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، بے قدری نہیں کرتے۔

ہمارے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: لبا قصہ ہے، مختصر یہ کہ ایک بادشاہ شکار کے لئے آیا ہوا تھا، کسی دیہاتی کے یہاں رات کو رہا، تو دیہاتی سے کہا کہ: میاں! تم کہنی ہمارے پاس آنا۔ ایک دن اس کو خیال آیا کہ بادشاہ کے یہاں چلنا چاہئے، لیکن کیا لے جائیں؟ تو اس نے کہا کہ: ہمارے تالاب کا پانی بہت ٹھنڈا ہے، ایک گھڑا اسی کا لے چلیں۔ اب اس نے گھڑا بھرا اور سر پر اٹھایا اور چلا، کافی وقت لگ گیا، پانی ٹھنڈا بھی نہ رہا اور سڑ بھی گیا، دیہاتی بے چارہ اپنے پھو ہڑپن کی وجہ سے بادشاہ کی خدمت میں ہدیہ پیش کرنے لگا: حضور! ہمارے یہاں جو تالاب ہے اس کا ٹھنڈا پانی آپ کے لئے لے کر آیا ہوں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اب اس کا یہ ہدیہ اس لائق ہے کہ اس کو سزا دی جائے، بادشاہوں کے لئے ایسا تحفہ لایا کرتے ہیں؟ لیکن بادشاہ نے قبول کر لیا اور کہا: شاہاش! اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے، بہت اچھے آدمی ہیں آپ۔ پانی گرا دیا ہوگا لیکن اس کے سامنے یہ بھی ظاہر نہیں کیا کہ یہ پانی پینے کے قابل نہیں ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ کچھ یہی حالت ہماری عبادات کی بھی ہے، ہماری عبادات اس قابل نہیں ہیں کہ بارگاہ الہی میں پیش کی جائیں، لیکن حق تعالیٰ شانہ شکور ہیں، قدردان ہیں، جانتے ہیں کہ ان نادانوں نے اپنی نادانی کے مطابق عبادت کی ہے، چلو کی تو ہے ناں! اللہ تعالیٰ اس کو بھی قبول فرماتے ہیں، ادنیٰ سے ادنیٰ نیکی کو قبول فرماتے ہیں اور اس کو پھر قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، یا دوسرے الفاظ میں یوں کہو کہ حق تعالیٰ شانہ ہمارے اعمال کو اپنی شان کے مطابق نہیں تولتے بلکہ تمہاری حیثیت کے مطابق تولتے ہیں۔

خواص: چھ ہیں:

۱: جو کوئی یہ اسم اکتالیس بار پانی پر پڑھے اور وہ پانی آنکھوں پر چھڑکے اس کی نظر تیز ہو جائے گی۔

۲: جس کو ضیق النفس (دمہ) یا کان یا گرانی اعضاء ہو اس کو لکھ کر بدن پر پھیرے دے اور پانی پر دم کر کے پانی پی لے تو نفع ہو اور اگر کمزور نظر والا اپنی آنکھ پر پھیرے، نگاہ میں ان شاء اللہ ترقی ہو۔

- ۳:..... جو شخص معاشی تنگی یا کسی اور دکھ درد یا رنج و غم میں مبتلا ہو وہ اس اسم کو اکتالیس مرتبہ روزانہ پڑھے، ان شاء اللہ رنج و غم سے رہائی نصیب ہوگی۔
- ۴:..... جس شخص کی آنکھوں کی روشنی جاتی رہی ہو وہ اس اسم کو اکتالیس بار ہر روز پڑھا کرے اور لعاب دہن اپنی آنکھوں پر لگا دے اور پانی پر دم کر کے پیئے ان شاء اللہ روشنی برقرار ہو جائے گی۔
- ۵:..... جو کوئی مفلس ہو اس اسم کو اکتالیس بار پڑھے ان شاء اللہ غنی ہو جائے گا اور جو کوئی بہت پڑھے خلق میں باعزت رہے۔
- ۶:..... جو کوئی اس اسم مبارک کو پانچ ہزار بار روز پڑھے گا ان شاء اللہ قیامت کے دن بلند مرتبہ پائے گا۔

۱۴۰ العلیٰ: بلند

تشریح: اتنا بلند، اتنا بلند، اتنا عالی شان کہ تمام بلندیاں اس کے سامنے پست ہیں:
”اے برتر از قیاس و خیال گمان و وہم“

اے وہ ذات جو بندوں کے قیاس سے، خیال سے، وہم سے، گمان سے بھی بالاتر ہے، اور تصور سے بھی بالاتر ہے۔

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ جب بھی لکھتے ہیں یہ لکھتے ہیں: ”وَرَأَى الْوَرَاءَ ثُمَّ وَرَأَى الْوَرَاءَ“ وہ ہمارے خیال سے بھی بالاتر ہے، پھر اس سے بھی بالاتر ہے، پھر اس سے بھی بالاتر ہے کہ اندازہ بھی نہیں کیا جاسکتا۔ جنت اس کی ادنیٰ مخلوق ہے اور اس کے بارے میں فرمایا: ”أَعْذُذُ لِعِبَادِي الصَّالِحِينَ مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلَى قَلْبِ بَشَرٍ“ (مسند احمد بن حنبل، درمنثور) میں نے تیار کر رکھی ہے اپنے نیک بندوں کے لئے ایسی نعمت جو کسی آنکھ نے نہیں دیکھی، اور کسی کان نے بھی نہیں سنی، اور کبھی کسی دل پر اس کا خیال بھی نہیں گذرا۔ جب اس کی ادنیٰ مخلوق کا یہ عالم ہے کہ بندوں کے قیاس و خیال اور وہم سے بھی بالاتر ہے، کبھی خیال آ ہی نہیں سکتا تو اللہ تعالیٰ کی شان کا کیا اندازہ کیا جاسکتا ہے؟

خواص: پانچ ہیں:

۱:..... جو شخص اس اسم کو ہمیشہ پڑھتا رہے اور لکھ کر اپنے پاس رکھے ان شاء اللہ اسے رتبہ کی بلندی خوشحالی اور مقصد میں کامرانی نصیب ہوگی۔

۲:..... جو اس اسم کو درم یعنی سو جن پر تین بار پڑھ کر پھونکے گا، ان شاء اللہ صحت یاب ہو جائے گا۔

۳:..... اگر فقیر اسے ایک سو دس بار پڑھے تو غنی ہو جائے اور دنیا میں عزت پائے۔

۴..... اگر یہ اسم مبارک لکھ کر بچے کو باندھ دیا جائے تو جلدی جوان ہوا اگر مسافر اپنے پاس رکھے تو جلدی اپنے عزیزوں سے آٹے اگر محتاج ہو تو فنی ہو جائے۔

۵..... یہ اسم مشائخ، بزرگوں، طلباء اور سالکین کے لئے ایک روحانی خزانہ ہے، اگر اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا نام ”العلیم“ بھی ملا لیا جائے تو یہ بڑے اذکار میں شمار ہوتا ہے۔

۳۸) الْکَبِيرُ: بڑائی والا

تشریح: الکبیر بڑائی والا، بڑی اس کی شان ہے، اس کے سوا بڑائی کسی مخلوق کو زیبا نہیں، بڑے بڑے لوگ گذرے ہیں کوئی شبہ نہیں لیکن اللہ کی بڑائی کے سامنے ان کو بڑا کہنا بھی غلط ہے۔
خواص: سات ہیں:

- ۱..... اس کا بکثرت ذکر کرنے سے علم و معرفت کا دروازہ کھلتا ہے۔
- ۲..... اگر یہ اسم مبارک کھانے کی چیز پر پڑھ کر میاں بیوی کو کھلایا جائے تو باہمی الفت پیدا ہو۔
- ۳..... جو شخص اپنے عہدہ سے معزول ہو گیا ہو وہ سات روزے رکھے اور روزانہ ایک ہزار مرتبہ ”یا کبیر“ پڑھے، ان شاء اللہ اپنے عہدہ پر بحال ہو جائے گا اور اسے بزرگی و برتری نصیب ہوگی۔
- ۴..... جو کوئی اس اسم کو پڑھے مخلوق کی نظروں میں ممتاز ہو اور بلند مرتبہ پائے۔
- ۵..... یہ بادشاہوں اور حکام کا وظیفہ ہے وہ اگر اس کا اہتمام کریں تو ان کا رعب رہے اور مہمات بخوبی سرانجام پائیں۔

- ۶..... جو اسے نومرتبہ کسی بیمار پر پڑھ کر دم کرے ان شاء اللہ بیمار تندرست ہو۔
- ۷..... جو اسے سو بار پڑھے گا مخلوق میں عزیز رہے گا۔

۳۹) الْحَفِیْظُ: حفاظت کرنے والا

تشریح: حفاظت کرنے والا، محافظ، اپنی مخلوق کا نگہبان اور محافظ، کہ ہر دم اس کی مخلوق اس کی نگرانی اور نگہبانی اور حفاظت میں ہے اور وہ سب کا محافظ ہے۔
خواص: چھ ہیں:

- ۱..... جو شخص بکثرت ”یا حفیظ“ کا ورد رکھے گا اور لکھ کر اپنے پاس رکھے گا وہ ان شاء اللہ ہر طرح کے خوف خطر اور نقصان و ضرر سے محفوظ رہے گا۔
- ۲..... یہ اسم مبارک خوفناک سفر میں حفاظت کے لئے بے حد مفید اور سریع الاثر ہے حتیٰ کہ اگر اسے پڑھ کر درندوں کے درمیان سو جائے تو ان شاء اللہ نقصان نہیں پہنچا سکیں گے، اس اسم کے ذکر کے بعد

تین بار یہ دعا پڑھے: ”یا خفیظ! اَحْفَظْنِی“۔

۳:..... جو اس اسم کو ہر روز سولہ بار پڑھے گا، ان شاء اللہ ہر طرح سے نذر رہے گا۔

۴:..... جو مغرب کے بعد اکائیس بار قبلہ کی طرف چہرہ کر کے: ”یا خافیظ! یا خفیظ! یا قیظ! یا فعیظ! یا اللہ! یا اللہ!“ پڑھے ان شاء اللہ غیب سے روزی پائے گا۔

۵:..... جو یہ اسم مبارک کسی بیمار پر چالیس ہفتہ تک ستر بار روز پڑھ کر دم کرے گا، ان شاء اللہ تندرست ہو جائے گا۔

۶:..... اس کو پڑھنے اور اپنے پاس لکھ کر رکھنے والا ڈوبنے، جلنے، دیو، پری اور نظر بد سے ان شاء اللہ محفوظ رہے گا۔

۳۰ البُقیۃ: قدرت والا

تشریح: اس کا معنی بعض لوگوں نے کیا ہے قدرت والا، بعض نے کیا ہے محافظ، اور بعضوں نے کہا ہے: قوت دینے والا، ایسا قادر و مقتدر ہے کہ تمام کی تمام کائنات اسی سے قوت پاتی ہے، وہ نگہبان بھی ہے، محافظ بھی ہے، قدرت والا بھی ہے، قوت دینے والا بھی ہے، اور جس کو بھی جتنی بھی قدرت ملتی ہے وہ اس کی ذات عالی سے ملتی ہے۔

خواص: چھ ہیں:

۱:..... اگر کوئی خالی آنخوڑے میں سات مرتبہ یہ اسم پڑھ کر دم کرے اور اس میں خود پانی پیئے یا کسی دوسرے کو پلائے تو ان شاء اللہ مقصد حاصل ہوگا، یہ عمل سفر میں امن کے لئے بھی مفید ہے خاص طور پر جب اس کے ساتھ سورہ قریش کو ملا کر صبح و شام پڑھی جائے۔

۲:..... جس کی آنکھ سرخ ہو اور درد کرتی ہو وہ اس اسم کو دس بار پڑھ کر دم کرے۔

۳:..... جو کسی کو غریب دیکھے یا خود اس کو غریبی پیش آئے یا کوئی لڑکا بد خوئی کرے یا بہت روئے سات بار خالی آنخوڑے پر یہ اسم مبارک پڑھ کر دم کرے اور اس میں پانی ڈال کر خود پیئے یا دوسرے کو پلائے ان شاء اللہ فائدہ ہوگا۔

۴:..... اگر روزہ دار کو ہلاکت کا خوف ہو تو سو بار پھول پر پڑھ کر اسے سو گئے ان شاء اللہ قوت پائے گا اور ہر روز روزہ رکھ سکے گا۔

۵:..... جو اس اسم کو ”القائم“ کے ساتھ ملا کر ہر نماز کے بعد سات بار پڑھے گا، سودا گئی امراض سے ان شاء اللہ شفا پائے گا۔

۶:..... جو اس اسم کو ہر روز سات بار پانی پر دم کر کے پیئے گا ان شاء اللہ غیب سے روزی پائے گا اور کبھی بھوکا نہ رہے گا۔

③ الحَسْبُ کَافِی

تشریح: اس کا معنی ہے کافی، یعنی اس کی کفایت کے بعد پھر کسی کی کفایت کی ضرورت نہیں، جس کے لئے اللہ تعالیٰ کافی ہو جائے اسے اور کسی کی ضرورت باقی نہیں رہتی، ”مناجات مقبول“ میں دعا ہے اور یہ دعا مجھے بہت اچھی لگتی ہے، ہمیشہ اس کو صبح شام پڑھتا ہوں: ”اللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ السَّنِیْعِ وَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ“ اے اللہ جو مالک ہے سات آسمانوں کا اور مالک ہے عرش عظیم، ”اُخْفِنِیْ کُلَّ مُهِمٍّ مِنْ حَیْثُ شِئْتَ وَ مِنْ اَیْنِ شِئْتَ“ آپ کفایت فرمائیے میری ہر مہم کی، میری ہر ضرورت کی، میری مشکل کی، جیسے آپ چاہیں، جس طرح آپ چاہیں اور جس جگہ سے آپ چاہیں۔ ”حَسْبِیَ اللّٰهُ لِدِیْنِیْ، حَسْبِیَ اللّٰهُ لِدُنْیَایْ، حَسْبِیَ اللّٰهُ لِمَنْ حَسَدَنِیْ، حَسْبِیَ اللّٰهُ لِمَنْ کَذَبَنِیْ بِسُوْیِّیْ، حَسْبِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمَوْتِ، حَسْبِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمَسْئَلَةِ فِی الْقَبْرِ، حَسْبِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمِیْزَانِ، حَسْبِیَ اللّٰهُ عَنِ الصُّوْاطِ، حَسْبِیَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ وَ هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ“ مجھ کو اللہ کافی ہے اس شخص کے مقابلے میں جو مجھ پر حسد کرے، میرا اللہ مجھ کو کافی ہے اس شخص کے مقابلے میں جو مجھ کو برائی پہنچانا چاہے، میرا اللہ مجھ کو کافی ہے موت کے وقت، مجھ کو میرا اللہ کافی ہے، قبر میں سوال و جواب کے وقت، میرا اللہ کافی ہے میزان کے وقت، قیامت کے دن اعمال نامہ تلنے کے وقت، میرا اللہ مجھ کو کافی ہے پل صراط سے گزرنے کے وقت، میرا اللہ مجھ کو کافی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں، میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور وہ عرش عظیم کا مالک ہے، تمام مہم و افکار اور حاسدین کے لئے، دشمنوں کے لئے بس اللہ کافی ہے، تمام احوال کے لئے اللہ کافی ہے، تمام جہانوں کے لئے اللہ کافی ہے، اس لئے اس کا نام ہے ”حسب“ کفایت کرنے والا۔

خواص: چھ ہیں:

۱:..... جو کوئی چور یا حاسد یا ہمسایہ یا دشمن یا چشم زخم یا نظر بد سے ڈرتا ہو ایک ہفتہ تک صبح (طلوع آفتاب سے پہلے) اور شام (غروب آفتاب سے پہلے) ستر بار ”حَسْبِیَ اللّٰهُ الْحَسْبُ“ پڑھے گا، اللہ تعالیٰ اسے ہفتہ گزرنے سے پہلے امن عطا فرمائے گا اور ان شاء اللہ تمام کام درست ہو جائیں گے پڑھائی کا آغاز جمعرات کے دن سے کرے۔

۲:..... جو روزانہ ”حَسْبِیَ اللّٰهُ الْحَسْبُ“ پڑھے گا، ان شاء اللہ ہر آفت سے محفوظ رہے گا۔

۳:..... جو کوئی اس اسم کو ستر بار پڑھے گا، ان شاء اللہ دشمنوں کے شر سے محفوظ رہے گا۔

۴..... اگر کوئی مشکل پیش آئے تو ایک ہفتہ تک روزانہ صبح و شام ایک سو پینتالیس بار یہ اسم مبارک پڑھے ان شاء اللہ مشکل آسان ہو جائے گی۔

۵..... اگر کسی حساب میں تشدد کا اندیشہ ہو یا کسی بھائی برادری سے کسی معاملہ میں خوف ہو تو سات روز تک طلوع آفتاب اور غروب آفتاب سے پہلے بیس بار یہ اسم مبارک پڑھ لیا کرے۔
۶..... ”الْحَسْبُ“ میں اسم اعظم کی طرف اشارہ ہے۔ (واللہ اعلم)

۳۲) الْجَلِيلُ: جلال والا

تشریح: جلال والا، بزرگی والا، عظمت والا، بڑائی والا۔
خواص: تین ہیں:

- ۱..... جو کوئی اس اسم کو (۷۳) بار پڑھا کرے، ان شاء اللہ صاحب وقار ہو۔
- ۲..... جو کوئی اس کو دس بار اپنے اسباب پر پڑھے چوری سے محفوظ و سلامت رہے۔
- ۳..... جو بکثرت اس کا ورد رکھے گا اور مشک و زعفران سے لکھ کر پیئے گا اور اپنے پاس رکھے گا، اللہ تعالیٰ کو ان شاء اللہ عزت و عظمت اور قدر و منزلت عطا فرمائے گا۔

۳۳) الْكَرِيمُ: کرم والا

تشریح: کرم والا، کرم کے معنی احسان کے ہیں، احسان کرنے والا۔
خواص: دو ہیں:

- ۱..... جو شخص روزانہ سوتے وقت ”یا کریم“ پڑھتے پڑھتے سو جایا کرے، اللہ تعالیٰ اس کو علماء و صلحا میں عزت فرمائیں گے اور غیب سے روزی عطا فرمائیں گے۔
- ۲..... جو شخص ”الْكَرِيمُ ذُو الطَّوْلِ الْوَهَّابِ“ کو بکثرت سے پڑھے، اس کے اسباب و احوال میں برکت ظاہر ہوگی۔

۳۴) الرَّقِيبُ: نگہبان

خواص: سات ہیں:

- ۱..... اس اسم کا ذکر کرنے سے مال و عیال محفوظ رہتے ہیں۔
- ۲..... اگر کسی کی کوئی چیز گم ہوگئی تو بکثرت اس کا ورد کرنے سے ان شاء اللہ واپس مل جاتی ہے۔
- ۳..... اگر اسقاط حمل کا خطرہ ہو تو حاملہ عورت پر سات مرتبہ یہ اسم مبارک پڑھنا مفید ہے۔

۴:..... سفر میں جاتے وقت اپنے اہل واولاد میں سے جس پر کوئی خطرہ فکر ہو اس کی گردن پر ہاتھ رکھ کر سات بار یہ اسم مبارک پڑھے، ان شاء اللہ وہ مامون رہے گا۔

۵:..... جو کوئی اس اسم کو سات بار یا ستر بار اپنی بیوی، فرزند یا مال پر پڑھ کر دم کرے، جنابت اور تمام دشمنوں اور آفتوں سے ان شاء اللہ محفوظ رہے اور اس کا رب بھی بڑھ جائے گا۔

۶:..... جو کوئی پھوڑے پھنسی پر تین بار یہ اسم مبارک پڑھ کر پھونک دے، ان شاء اللہ شفا حاصل ہوگی۔

۷:..... جو کوئی اپنا مال اسباب (گاڑی وغیرہ) کہیں چھوڑتے وقت اس اسم کو پڑھ لے ان شاء اللہ حفاظت رہے گی، مجرب ہے۔

۴۵ المُجِيبُ: قبول کرنے والا

تشریح: قبول کرنے والا، دُعاؤں کو قبول کرنے والا، ضرورتوں کو اور حاجتوں کو پورا کرنے والا۔ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے:

﴿اَمِّنْ مُّجِيبَ الْمُضْطَرِّ اِذَا دَعَا وَیَكْشِفُ السُّوءَ﴾ (النمل: ۶۲)

تم ہی بتاؤ ایک وہ ہے جو بے قرار کی سنا ہے جب وہ اس کو پکارے، اور تکلیف اور برائی کو ہٹاتا ہے اور دور کرتا ہے اور تم کو زمین میں ایک دوسرے کا نائب اور جانشین بناتا ہے کہ آپا چلا گیا اور بیٹا اس کی جگہ آ گیا، دادے کی جگہ پوتا بیٹھ گیا۔

﴿وَاللّٰهُ مَعَ اللّٰهِ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ﴾ (النمل: ۶۲)

اس ذات عالی کے مقابلے میں کوئی خدا ہے؟ تم لوگ بہت کم سوچتے ہو۔ بس دنیا کمانے میں ہی ساری سوچ صرف کر دیتے ہو، اللہ کے معاملات میں کبھی سوچا ہی نہیں۔

تو ”المجیب“ کا معنی ہے بے قراروں کی سننے والا اور ان کی حاجتوں اور ضرورتوں کو پورا کرنے والا، اگر تم کہو کہ ہماری سنا نہیں تو قصور تم میں ہے، اس میں نہیں۔ تم کو سنانا نہیں آیا، جس طرح سنانا چاہئے ایسے تمہیں سنانا نہیں آیا، وہ بے قرار کی سنا ہے، سنا ہے لیکن بے قرار کی سنا ہے۔ اور حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ غافل دل کی بات کو نہیں سنا، توجہ ہی نہیں فرماتا، یہ بھی بے چارے کو معلوم نہیں کہ کیا مانگ رہا ہوں، خیالات کسی اور طرف ہیں اور زبان پر ہے ”رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُّقِيْمَ الصَّلٰوةِ...“ اور ختم بھی کر دیا، الفاظ بھی صحیح ادا نہیں ہو پاتے، جلد بازی لگی ہوئی ہے، اس کے بارے میں تم توقع رکھتے ہو کہ اس کو سنا جائے اور نہیں سنی جاتی تو شکایت کرتے ہو، غلطی اپنی ہے تم نے مانگا کب تھا کہ دیا نہیں تم کو۔ تم نے ستایا کب تھا کہ اس نے سنی نہیں۔ بہر

حال الحجب قبول کرنے والا، اعمال اور عبادات کو قبول کرنے والا، دُعائیں کو بھی قبول کرنے والا اور لوگوں کی آہوں اور فریادوں کو بھی سننے والا۔

خواص: چار ہیں:

۱:..... جو کوئی کثرت سے ”یا مہینب“ پڑھا کرے، ان شاء اللہ اس کی دعائیں بارگاہ الہی میں قبول ہونے لگیں گی۔

۲:..... جو یہ اسم مبارک اپنے پاس لکھ کر رکھے گا، اللہ تعالیٰ کی امان میں رہے گا۔

۳:..... جو کوئی دوسرے کے لئے یہ اسم مبارک تین بار پڑھ کر دم کرے گا ان شاء اللہ دوسرے دور ہوگا۔

۴:..... جو اس اسم کو طلوع آفتاب کے وقت پچپن بار پڑھنے کا معمول بنائے گا، ان شاء اللہ مستجاب الدعوات ہوگا۔

۳۱ الواسع: وسعت کرنے والا

تشریح: وسعت کرنے والا، وسعت کے معنی فراخی اور کشادگی کے ہوتے ہیں، واسع کے معنی ہوئے کشادہ رحمت والا اور کشادگی عطا کرنے والا، اس کی رحمت وسیع ہے۔ اس کی رحمت آسمان و زمین کی ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے، وسیع الرحمت بھی ہے، اور اسی طرح وسیع العطاء بھی ہے۔
خواص: پانچ ہیں:

۱:..... جو اس کا کثرت سے ذکر کرے گا، ظاہری اور باطنی غنا نصیب ہوگا، نیز اسے عزت، حوصلہ، بروباری، وسعت قلبی اور دل کی صفائی نصیب ہوگی اور اللہ تعالیٰ اس کے لئے معاملات میں کشادگی عطا فرمائے گا۔

۲:..... جو کوئی اس اسم کو پڑھتا ہے اس پر ملائکہ نازل ہوتے ہیں۔

۳:..... جو اس اسم کو پڑھنے کا معمول بنالے اسے ان شاء اللہ روزی ملے گی اور مفلس نہیں ہوگا۔

۴:..... جس کو بچھو کاٹ لے وہ یہ اسم مبارک ستر بار پڑھ کر دم کرے، ان شاء اللہ ہر اثر نہ کرے گا۔

۵:..... جو کشائش (کشادگی) کے واسطے اس کا جتنا درد بڑھائے گا، اتنا مال دار ہو جائے گا۔

۳۲ الحکیم: حکمت والا یا حکم والا

تشریح: ”الحکیم“ اگر یہ لفظ حکم سے ہے تو اس کا معنی حکم والا، اور اگر حکمت سے ہے تو حکمت والا،

اور حکمت کا معنی ہے ہر کام کو دانائی کے مطابق کرنا، جیسے یہ کام ہونا چاہئے تھا ویسا کیا، اور یہ حق تعالیٰ شانہ ہی کی حکمت ہے جو چیزوں کا احاطہ کر سکتی ہے اور ہر ایک چیز کو اس کی شان کے مطابق وجود میں لاتی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ حکمت والے ہیں اور حکیم کے ایک معنی اور بھی آتے ہیں:

﴿اللَّهُ ۙ تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْحَكِيمِ﴾ (لقمان: ۲)

اللہ یہ آیتیں ہیں کتاب محکم کی۔ یعنی ایسی مضبوط کتاب کہ اب اس کو کوئی قیامت تک نہیں مٹا سکتا۔ تو حکیم کے معنی محکم کے بھی کئے گئے ہیں، محکم کہ اس کو اپنی جگہ سے کوئی نہیں ہلا سکتا، یعنی اس کے فیصلوں کو بدل نہیں سکتا، ورنہ اللہ تعالیٰ تو جگہ سے پاک ہے، یہ لفظ میں نے سمجھانے کے لئے کہا ہے، وہاں جگہ کا کیا سوال ہے؟ جگہ تو ساری اس کی مخلوق ہے۔

خواص: پانچ ہیں:

۱:..... جو کوئی کثرت سے ”یا حکیم“ پڑھا کرے، اللہ تعالیٰ اس پر ان شاء اللہ علم و حکمت کے دروازے کھول دیں گے۔

۲:..... جس کسی کا کوئی کام پورا نہ ہوتا ہو وہ پابندی سے اس اسم کو پڑھا کرے، ان شاء اللہ کام پورا ہو جائے گا۔

۳:..... جو ظہر کے بعد نوے بار اس اسم کو پڑھ لیا کرے تمام مخلوق میں سرخرو رہے گا۔
۴:..... جو اس کو (۷۲) بار پڑھا کرے، ان شاء اللہ اسے کوئی مشکل پیش نہ آئے اور سب حاجتیں برآئیں۔

۵:..... جو کوئی اس کا کثرت و رد رکھے گا علم و حکمت کے چشمے اس کی زبان سے پھوٹیں گے اور وہ لطیف اشارات اور معانی کے اسرار کو بھی سمجھ لے گا۔

۷۸) الْوَدُودُ: بے حد محبت کرنے والا

تشریح: ”الودود“ بہت محبت کرنے والا، وود یہ لفظ ”ود“ سے ہے، ود کا معنی محبت ہے، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے بھی محبت فرماتے ہیں، حالانکہ ان کو جانتے ہیں، یہ حضرت کہاں کے ہیں؟ ان کی اوقات کیا ہے؟ ان کا حدود و اربعہ کیا ہے؟ ان کے پیٹ میں کتنی غلاظت ہے، سب کچھ ان کو معلوم ہے پھر بھی کوئی اچھا کام کرے تو ان سے محبت کرتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ سے محبت کرے اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرتے ہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ: کل میں جہنم اس شخص کے ہاتھ میں دوں گا ”يُحِبُّ اللَّهُ وَرَسُولَهُ، وَيُحِبُّهُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ“ (متدرک حاکم) جو اللہ اور اس کے رسول سے

محبت رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اس سے محبت رکھتے ہیں، اللہ اور اس کے رسول کا محب اور عاشق بھی ہے، اور اللہ اور اللہ کے رسول کا محبوب اور پیارا بھی ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا آمِنُوا قَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَىٰ النَّاسِ بِإِيتَانِهِ لَكُمْ لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَىٰ النَّاسِ إِذْ أَنْزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتَابَ فَلَا يَمَسُّهُ إِلَّا الَّذِينَ صَفَوْا لَهُمْ أَنْ يَكُونَ لَكُمْ حُجَّةٌ عَلَىٰ الْكَافِرِينَ﴾ (المائدة: ۵۴)

ترجمہ: ”اے ایمان والو! اگر کوئی پھر جائے تم میں سے اپنے دین سے (تو اللہ کو اس کی کوئی پروا نہیں، جائے جہنم میں) عنقریب اللہ ایسی قوم کو لائیں گے کہ اللہ ان سے محبت کریں گے اور وہ اللہ سے محبت کریں گے۔“

عجیب بات ارشاد فرمائی، پہلے یوں فرمایا کہ اللہ ان سے محبت رکھتے ہیں اور وہ اللہ کے محبوب ہیں، اور وہ اللہ کے عاشق بھی ہیں:

عشق اول در دل معشوق پیدا می شود

عشق پہلے معشوق کے دل میں پیدا ہوتا ہے، عاشق کے دل میں بعد میں پیدا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے پہلے ان کو محبوب فرمایا اس کے بعد فرمایا کہ یہ محب بھی ہیں۔

مرزا نیت کے مقابلے میں مجلس احرار اسلام کا جلسہ تھا، حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ بھی جلسے میں تشریف لائے، یہ آیت شریفہ پڑھی اور ارشاد فرمایا کہ: میں بھرے مجمع میں گواہی دیتا ہوں کہ آج اس دور میں اس آیت کا مصداق عطاء اللہ شاہ بخاری اور ان کی جماعت ہے، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کا جھنڈا اٹھانے والے ہیں، یہ مرتدین کا مقابلہ کرنے والے ہیں۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا قَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَىٰ النَّاسِ بِإِيتَانِهِ لَكُمْ لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَىٰ النَّاسِ إِذْ أَنْزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتَابَ فَلَا يَمَسُّهُ إِلَّا الَّذِينَ صَفَوْا لَهُمْ أَنْ يَكُونَ لَكُمْ حُجَّةٌ عَلَىٰ الْكَافِرِينَ﴾

”اے ایمان والو! اگر تم میں سے کوئی اپنے دین سے مرتد ہو جائے گا، تو ہوتا پھرے“

﴿فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ﴾

”اللہ تعالیٰ ان کے مقابلے میں ایک قوم کو لائے گا، جن سے اللہ تعالیٰ محبت رکھیں گے اور وہ اللہ تعالیٰ سے محبت رکھیں گے۔“

﴿أَذِلَّةٌ عَلَى الْمُنَافِقِينَ أَعِزَّةٌ عَلَى الْكَافِرِينَ﴾

باوجود اونچا ہونے کے منافقین سے جھک کر ملیں گے کافروں کے سامنے گردن اکڑ کر چلیں گے، سر بلند رہیں گے، کافر کے سامنے نہیں جھکیں گے، ﴿يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَتَّخِذُونَ لِنَفْسِهِمْ دُجْرًا﴾ اللہ کے راستے میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا نہیں کریں گے، کوئی کچھ بھی کہتا رہے، دنیا ان کو گالی دیتی رہے اور کیا کیا گالی نہیں دی گئی انہیں، ”ہندوؤں کے زر خرید غلام“ اور نہ معلوم کیا

کیا کہا گیا، تمہارے بڑوں نے ہی ان کی شان میں کہا تھا، پہچانا ہی نہیں ان بے چاروں نے، کیونکہ ان کی نظر صرف ظاہر کو دیکھ رہی تھی، تمہاری نظر ان تک نہیں پہنچ سکتی، تم جان ہی نہیں سکتے کہ یہ لوگ کون ہیں؟ ان پر اللہ نے پردہ ڈالا ہوا ہے تمہیں ان کی باطنی خوبیوں کا پتا ہی نہیں، جن کی بناء پر اللہ نے کہا کہ اللہ ان سے محبت رکھتا ہے، اب جب تمہاری نظر ان کے حسن پر ہے ہی نہیں تو گالیاں ہی دو گے، آج تک اللہ کے نیک بندوں کو گالیاں دیتے ہو، جبکہ ان کی قبریں ”رُوضَةُ مَن رِیَاضِ الْجَنَّةِ“ بنی ہوئی ہیں، جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ، اور جس کو تم ”رول ماڈلز“ کہتے ہو اس کی قبر کا پتا نہیں کیا حال ہے؟ اللہ تعالیٰ نہ میری سمجھ کے مطابق فیصلے کرتا ہے اور نہ تمہاری سمجھ کے مطابق۔

خیر! ”الودود“ بہت محبت کرنے والا، کیا ٹھکانہ ہے ایک تو اللہ کی محبت کہ وہ تو خود ہی بہت ہوگی، اور یہ وود مبالغے کا صیغہ ہے، اللہ کی جو صفت ہے وہ خود بے انتہا ہے، اور جب اس کو مبالغے کے ساتھ ذکر کریں تو بے انتہا کی بے انتہا ہوگی۔

خواص: چار ہیں:

۱:..... جو کوئی ایک ہزار مرتبہ ”یا وَ ذُوْذُ“ پڑھ کر کھانے پر دم کرے گا اور بیوی کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھائے گا تو ان شاء اللہ میاں بیوی کا جھگڑا ختم ہو جائے گا اور باہمی محبت پیدا ہو جائے گی۔

۲:..... جس کا بیٹا بڑائیوں میں مبتلا ہو وہ جمعہ کے بعد ایک ہزار بار یہ اسم مبارک معطر و لطیف شیرینی پر پڑھ کر دم کرے اور دو رکعت نماز ادا کرے اور وہ شیرینی اس کو کھلائے ان شاء اللہ صالح ہو جائے گا۔

۳:..... اس کا دردِ تسخیر کے لئے بھی مفید ہے۔

۴:..... جو شخص کسی پریشانی میں پڑ جائے وہ دو رکعت نماز پڑھ کر یہ دعا کرے ان شاء اللہ پریشانی دور ہو جائے گی۔

دعا یہ ہے:

اَللّٰهُمَّ یا وَ ذُوْذُ (تین بار) یا ذِ الْعَزْزِ الْمَجِیْدِ یا مُبْدِیْ یا مُعِیْدُ یا فَعَّالُ لِمَا یُرِیْدُ
اَسْئَلُکَ بِتَوَرِّدِ وَجْهِکَ الَّذِیْ مَلَأَتْ بِهٖ اَرْكَانَ عَرْشِکَ وَ بِقُدْرَتِکَ الَّتِیْ
قَدَرْتَ بِهَا عَلٰی جَمِیْعِ خَلْقِکَ وَ بِرَحْمَتِکَ الَّتِیْ وَ سِعَتْ کُلِّ شَیْءٍ لَا اِلٰهَ اِلَّا
اَنْتَ یا غِیَاثَ الْمُسْتَغِیْثِیْنَ اَغِثْنِیْ (آخری جملہ تین بار)

③ الْمَجِیْدُ: مجید اور بزرگی والا

تشریح: ”المجید“ بزرگی والا، مجید کا لفظ مجد سے ہے اور مجد کے معنی عربی زبان میں بزرگی، شرافت،

کرامت اور عزت کے ہیں۔ لوگ ایسی باتیں کرتے رہتے ہیں کہ ہمارے باپ دادا ایسے تھے، ویسے تھے، اپنے خاندان پر قریب قریب ہر آدمی فخر کرتا ہے، ہمارا نام ہے، ہماری ایک شہرت ہے، ہماری ایک عزت ہے، حالانکہ اللہ نے پروے رکھے ہوئے ہیں، حقیقت میں مجد اور بزرگی صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کی ہے، بزرگی تو اسی کی ذات کو زیبا ہے اور کسی میں کیا بزرگی پائی جائے گی؟ کیا عظمت پائی جاتی ہے؟

خواص: پانچ ہیں:

۱:..... جو کوئی کسی موذی مرض مثلاً برص، آشک، جذام وغیرہ میں گرفتار ہو وہ چاند کی (۱۳، ۱۴) اور ۱۵ تاریخ کو روزے رکھے (اور افطار کے بعد بکثرت اس اسم کو پڑھا کرے اور پانی پر دم کر کے پیئے ان شاء اللہ وہ مرض دور ہو جائے گا۔

۲:..... بیس دن تک روزہ رکھ کر افطار کے وقت ستاون بار اس اسم کو پڑھنا موذی امراض کے لئے مفید ہے۔

۳:..... جس کو اپنے ساتھیوں میں عزت و حرمت نہ ہو، وہ ہر صبح کو ننانوے بار یہ اسم پڑھ کر اپنے اوپر پھونکے ان شاء اللہ عزت و حرمت حاصل ہوگی۔

۴:..... جو گرمیوں میں اسم کو پڑھے گا تشنگی سے مامون رہے گا۔

۵:..... جو اس اسم پر مداومت کرے گا بزرگ ہوگا۔

⑤ الْبَاعِثُ: اُٹھانے والا

تشریح: الباعث قیامت کے دن سب کو اُٹھانے والا، تمام مردوں کو زندہ کرنے والا۔

خواص: چار ہیں:

۱:..... جو کوئی روزانہ سوتے وقت سینے پر ہاتھ رکھ کر ایک سو مرتبہ ”یاباعث“ پڑھا کرے، ان شاء اللہ اس کا دل علم و حکمت سے زندہ ہو جائے گا۔

۲:..... جو اس اسم کو سو بار روزانہ پڑھنے کا معمول بنائے گا، اس سے ان شاء اللہ نیکیاں سرزد ہوں گی اور بُرائیوں سے بچا رہے گا۔

۳:..... جو کوئی اس اسم مبارک کو سات بار پڑھ کر اپنے اوپر پھونکے اور حاکم کے روبرو جائے تو حاکم مہربان ہوگا۔

۴:..... جو اس کا بکثرت ورد رکھے گا خوفِ الہی اس پر غالب رہے گا۔

⑤ الشَّهِيدُ: گواہ

تشریح: شہید، ہر ایک چیز پر گواہی دینے والا، ہر ایک چیز پر حاضر و ناظر، ہر چیز اس کے سامنے اور وہ ہر چیز کے سامنے۔ قرآن کریم میں فرمایا:

﴿وَتَمُنَّ اقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلَكِنْ لَا تُبْصِرُونَ﴾ (الواقعة: ۸۵)

”مرنے والے کے جتنے تم قریب ہوتے ہو اس سے زیادہ ہم قریب ہوتے ہیں لیکن تم دیکھتے نہیں۔“

اور دوسری جگہ فرمایا:

﴿وَتَمُنَّ اقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ﴾ (ق: ۱۶)

”ہم اس کی شدہ رگ سے بھی زیادہ نزدیک ہیں۔“

چونکہ قرآن کریم میں حضور ﷺ کو بھی شہید فرمایا ہے تو ہمارے بریلوی حضرات نے عقیدہ قائم کر لیا کہ حضور ﷺ حاضر ناظر ہیں، وہ کیسے بھائی؟ کہنے لگے کہ: بھائی ایوں کہ شہید کے معنی کبھی تو حاضر کے آتے ہیں اور کبھی گواہ کے آتے ہیں، اور گواہی انسان اسی وقت دے گا جبکہ وہاں موجود ہو، اور واقعہ کو دیکھ رہا ہو، تو معلوم ہوا کہ حضور ﷺ حاضر ہیں، ناظر ہیں اور اپنی اُمت کے اعمال پر گواہ ہیں۔ ہم نے کہا کہ: ذرا آیت کا پہلا حصہ بھی پڑھئے: ﴿وَلَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ﴾ تاکہ تم شہید ہو لوگوں پر، ﴿وَيَكُونُ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا﴾ (البقرة: ۱۴۳) اور رسول ہو جائے تم پر گواہ، تو اگر یہاں شہید کا معنی حاضر ناظر کے ہیں تو اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو کہہ رہے ہیں کہ تم سب پر گواہ ہو، حاضر ناظر ہو، تو کیا آنجناب بھی حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں حاضر ناظر تھے؟ مولوی صاحب سے پوچھو! ایک ہی آیت میں ایک لفظ دو دفعہ آ رہا ہے، تم آدھی آیت کو دیکھ کر استدلال کرتے ہو، لیکن اس آیت میں وہی لفظ تمہارے دعوے کی تردید کر رہا ہے، اس کو تم نے کبھی سوچا ہی نہیں، سوچنے کی ضرورت بھی کیا ہے؟ سامنے آدمی بھی تو ان جیسے ہی بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں ناں! یاد رکھو کہ اُمت کے لوگوں کو پہلے اللہ تعالیٰ نے شہید فرمایا اور حضور ﷺ کو بعد میں تاکہ تم گواہی دو گزشتہ انبیاء کی اُمتوں کے مقابلے میں اور رسول گواہی دیں تم پر، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کی تفسیر پوچھی تو ارشاد فرمایا کہ: نوح علیہ السلام کو قیامت کے دن لایا جائے گا اور ان سے پوچھا جائے گا کہ کیا آپ نے اپنی اُمت کو تبلیغ کر دی تھی، ہمارے احکام پہنچا دیئے تھے؟ وہ کہیں گے کہ جی میں نے پہنچا دیئے تھے، اُمت سے پوچھیں گے کہ تمہیں انہوں نے احکام پہنچا دیئے تھے؟ نعوذ باللہ! وہ کہیں گے کہ: ہمیں کسی نے کچھ نہیں پہنچایا۔ بےوقوف یہ سمجھتے ہیں کہ شاید خدا کے سامنے جھوٹ بول کر بچ جائیں گے، اللہ تعالیٰ حضرت نوح علیہ السلام سے فرمائیں گے: یہ تو آپ

کے دعوے کے منکر ہیں، دعویٰ گواہوں سے ثابت ہوتا ہے، آپ گواہ پیش کریں۔ نوح علیہ السلام فرمائیں گے میرے گواہ محمد ﷺ کی اُمت ہیں۔ اُمت محمد یہ کو طلب کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ: یہ شیخ الانبیاء اپنی اُمت کے خلاف تمہاری گواہی کو طلب کر رہے ہیں، ان کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے اللہ کے احکامات کی تبلیغ کر دی تھی، اور ان کی اُمت کے لوگ اس کے منکر ہیں، تم کیا کہتے ہو؟ یہ اُمت کہے گی: یہ صحیح کہتے ہیں، ان کی اُمت غلط کہتی ہے، ہم اس کی گواہی دیتے ہیں کہ انہوں نے احکام پہنچا دیے تھے۔ یہ مطلب ہے آیت: ”لَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ“ کا، تاکہ تم ہو جاؤ گواہ لوگوں پر۔ تمام امتوں کے مقابلے میں تمہاری گواہی چلے گی اور محمد ﷺ کی عزت اور ان کا شرف ظاہر ہوگا قیامت میں کہ یہ تو بھی بڑی اونچی اُمت ہے جس کی سرکاری طور پر گواہی طلب کی جا رہی ہے، جس کے بارے میں گواہی دے رہے ہیں وہی پھنس جاتا ہے یا چھوٹ جاتا ہے، اس پر اُم سابقہ حضرت نوح علیہ السلام کی اُمت جرح کرے گی کہ یہ تو ہمارے وقت میں موجود نہیں تھے، یہ کیسے گواہی دے سکتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ ان سے فرمائیں گے کہ: جواب دو! تو اُمت کہے گی کہ: یا اللہ! ہمیں یہ بات ہمارے نبی محمد ﷺ نے بتائی تھی اور ان کی بتائی ہوئی بات اتنی پکی تھی جیسے آنکھوں سے دیکھی ہوئی چیز، اس لئے ہمیں اس بات کی گواہی دینے کا حق پہنچتا ہے، یہ ہمارے ایمان کی چیز ہے۔ اس پر رسول ﷺ سے کہا جائے گا کہ: یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں؟ فرمائیں گے کہ: ہاں! میری اُمت کے لوگ ٹھیک کہتے ہیں۔ اللہ کی شان دیکھو! کہ پچھلی امتیں اپنے نبی کو جھٹلاتی ہیں اور اس اُمت کا نبی اپنی اُمت کی تصدیق کرتا ہے، کتنی عظمت ہے اور یہ حضور ﷺ کی نسبت کی وجہ سے ہے۔ تو غرضیکہ آنحضرت ﷺ کے گواہ ہونے کا یہ مطلب ہے اور امتیوں کے گواہ ہونے کا یہ مطلب، یہاں حاضر و ناظر ہونے کا مسئلہ تھا، ہی نہیں۔

خواص: تین ہیں:

۱:..... جس شخص کی بیوی یا اولاد نا فرمان ہو وہ صبح کے وقت اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر اکیس مرتبہ ”یا شہید“ پڑھ کر دم کرے، ان شاء اللہ فرمانبردار ہو جائے گی۔ بعض علماء کے نزدیک اکیس کے بجائے اکتیس بار پڑھنا مفید ہے۔

۲:..... جو اس اسم کو پابندی سے پڑھے گا اسے ان شاء اللہ گناہوں سے پرہیزگاری نصیب ہوگی۔

۳:..... اہل مراقبہ اور شہادت کے متمنی حضرات کے لئے یہ اسم بہت مناسب اور مفید ہے۔

۵۲) الْحَقُّ: (حق کے معنی سچ)

تشریح: حق کے معنی سچ، وہ برحق ہے باقی سب جھوٹ، اس کا وجود، وجود ہے، باقیوں کا وجود وجود کہلانے کا مستحق نہیں۔ اس لئے صوفیہ تلقین کرتے ہیں:

”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، لَا مَقْضُودَ إِلَّا اللَّهُ، لَا مَطْلُوبَ إِلَّا اللَّهُ، لَا مَوْجُودَ إِلَّا اللَّهُ“

وہی ایک حق ہے اس کی ذات برحق ہے، اس کی صفات برحق، مخلوق کی اپنی ذات بھی کیا ہے وہ پیدا کی ہوئی ہے کسی کی اور اس کی صفات بھی کیا ہیں کچھ بھی نہیں۔

خواص:

۱:..... جو شخص روزانہ ایک ہزار بار اس اسم کا ورد کرے اس کے اخلاق اچھے ہو جائیں گے اور اس کی طبیعت کی اصلاح ہو جائے گی۔

۲:..... جو کوئی روزانہ (۱۰۰) بار ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ الْمُبِينُ“ پڑھے گا اللہ تعالیٰ اسے فقر سے غنا عطا فرمائیں گے اور ان شاء اللہ اس کے معاملات آسان ہو جائیں گے۔

۳:..... جو کوئی اس اسم کو کثرت سے پڑھے گا مخلوق میں عزیز ہو جائے گا۔

۴:..... اگر کوئی چیز گم ہو جائے تو ایک پاک چوکر کا غزلے کر چاروں کونوں پر اس اسم کو لکھے اور آدھی رات کو تھیلی پر کاغذ رکھ کر آسمان کے نیچے کھڑا ہو جائے اور یہ اسم (۱۹۹) بار پڑھے ان شاء اللہ گمشدہ چیز مل جائے گی۔

۵:..... اگر قیدی آدھی رات کو سرنگا کر کے ایک سو آٹھ بار یہ اسم پڑھے تو ان شاء اللہ قید سے خلاصی نصیب ہوگی۔

۴۵) الْوَكِيلُ: (کارساز، کام بنانے والا)

تشریح: وکیل کا معنی کارساز، کام بنانے والا، وہ ساری کائنات کا کام بناتا ہے، ساری کائنات کے کام اسی کے سپرد ہیں، ”عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ“ اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور وہ بڑے عرش کا مالک ہے۔

خواص:

۱:..... جو کوئی بھی آسمانی آفت کے خوف کے وقت (یا وکیل) کا ورد کرے گا اور اس اسم کو اپنا وکیل بنالے گا وہ ان شاء اللہ ہر آفت سے محفوظ رہے گا۔

۲:..... جو اس اسم کو بہت پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کے کاموں کا ذمہ دار ہوگا اور اس کو اس کی خواہشوں کے حوالے نہیں فرمائے گا۔

۳:..... جو کوئی اس اسم کو (۱۹۹) بار ہر روز پڑھے وہ ظالم کے ظلم سے ان شاء اللہ بچا رہے گا اور کسی سے نہیں ڈرے گا۔

۴:..... یہ اسم، اسم اعظم، کے مطابق ہے۔

۵:..... ہر حاجت کے لیے اس اسم کی کثرت ذکر مفید ہے۔

۵۴ القَوِیُّ: (طاقت ور، قوت والا)

خواص:

۱:..... اگر اس اسم کو کم ہمت پڑھے باہمت ہو جائے اگر کمزور پڑھے زور آور ہو جائے، اگر مظلوم ظالم کو مغلوب کرنے کے لئے پڑھے تو ان شاء اللہ مغلوب ہو جائے۔

۲:..... ظالم کی ہلاکت یا اس کے شر سے حفاظت کے لئے اس اسم کو ایک ہزار بار پڑھنا بہت مفید ہے۔

۳:..... اگر جمعہ کی دوسری ساعت میں (چاشت کے وقت سے پہلے) یہ اسم بہت کثرت سے پڑھے گا تو نسیان (بھول جانا) جاتا رہے گا۔

۴:..... جو اس اسم کو بکثرت پڑھے گا ان شاء اللہ صاحب قوت ہوگا اور جلد بڑے منصب تک پہنچے گا۔

۵:..... جس کا رزق تنگ ہو وہ ایک ہزار بار یہ اسم مبارک (یا قوی) پڑھے اور اس کے ساتھ اس آیت کا ورد کرے ﴿اللَّهُ لَطِيفٌ بِعِبَادِهِ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ﴾ ﴿۱۵﴾ ان شاء اللہ اس کے ساتھ لطف و کرم کا معاملہ ہوگا اور خیر کا دروازہ اس کے لئے کھول دیا جائے گا۔

۵۵ المَتِّينُ: (مضبوط)

تشریح: اس کا معنی ”القوی“ کے قریب قریب ہے، ایسا طاقت ور کہ کوئی اس کو ہرا نہیں سکتا، اور ایسا مضبوط کہ کوئی اس کو کچا نہیں کر سکتا۔

خواص:

۱:..... جس عورت کا دودھ کم ہو یا نہ ہو تو اس کو یہ اسم مبارک (المتین) کا غلظہ لکھ کر دھو کر پلا لیں ان شاء اللہ خوب دودھ ہوگا۔

۲:..... جس بچے کا دودھ چھڑا یا گیا ہو اور وہ صبر نہ کرتا ہو اسے بھی یہ اسم مبارک دس بار لکھ کر پلایا جائے ان شاء اللہ صبر کرے گا۔

۳:..... جو کوئی کسی منصب کو چاہتا ہو وہ اتور کے دن اول ساعت میں اسی منصب کی نیت سے تین سو ساٹھ (۳۶۰) بار یہ اسم مبارک پڑھے ان شاء اللہ منصب پائے گا۔

۴:..... جو کوئی اس اسم کا بکثرت ورد کرے گا، اس کی مشکل آسان ہو جائے گی اور ان شاء اللہ حاجات پوری ہوں گی۔

۵..... جو کوئی قاسم و فاجر لڑکے یا لڑکی پر دس بار (الْقَوِيُّ الْمَتِينُ) پڑھے گا تو اس کی اصلاح ہو جائے گی اور ان شاء اللہ وہ غلطی سے باز رہے گا۔

۵۱) الْوَلِيُّ: نگران

تشریح: ولی کہتے ہیں اس شخص کو جو چھوٹے بچوں کا متولی ہو، کوئی شخص فوت ہو جائے اس کے پیچھے چھوٹے چھوٹے بچے ہوں، تو جوان کا نگران مقرر کیا جاتا ہے اس کو ”ولی“ کہتے ہیں کیونکہ چھوٹے بچے تو اپنی ضروریات کو جانتے نہیں، اس سے واقف نہیں، تو مطلب یہ ہوا کہ تمام لوگوں کی ولایت کرنے والا، تمام کی کفایت کرنے والا، تمام کے کام بنانے والا۔ اور ولایت کا معنی حمایت کے بھی ہوتے ہیں، سب کی حمایت اور مدد کرنے والا۔ ولی کے معنی دوست کے بھی ہیں، جیسے کہ عرف عام میں کہا جاتا ہے: ”ولی اللہ“ اللہ کا دوست، اور ولی کے معنی حاکم اور ولایت والے کے بھی ہیں، اسکو ”والی“ بھی کہتے ہیں۔ ولی کے معنی مددگار کے بھی آتے ہیں، اور یہ سارے کے سارے معنی یہاں درست ہیں۔

ولی کا معنی اللہ تعالیٰ دوست ہیں، اپنے نیک بندوں سے دوستی کرنے والے، اور خود بھی محبوب حقیقی ہیں، اللہ تعالیٰ اس اعتبار سے بھی ولی ہیں کہ وہ سب کے والی ہیں، والی کا اسم شریف بھی آگے آ رہا ہے، اور الولی بمعنی متولی کے بھی ہیں کہ سب کے کاموں کے وہی متولی ہیں اور انہیں کے قبضہ قدرت میں ہیں، اور الولی کا معنی ہے حمایتی، اور مددگار کے بھی آتے ہیں۔ ﴿وَمَا لَكُمْ مِنْ خُلُوفِ النَّارِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيٍّ﴾ (الشوریٰ) پھر نہ ہوگا تمہارا کوئی حمایتی اللہ کے سوا اور نہ کوئی مددگار۔ تو اللہ تعالیٰ ہی بندوں کے مددگار ہیں اور وہی ان کی حمایت کرنے والے ہیں۔

خواص:

۱..... جو اس اسم کو بکثرت پڑھے گا محبوب ہو جائے گا اور اسے ولایت عظمیٰ کا مقام نصیب ہوگا، اور اس پر اشیاء کے حقائق کھول دیے جائیں گے۔

۲..... جس کو کوئی مشکل پیش آئے وہ شب جمعہ میں ایک ہزار بار یہ اسم مبارک پڑھے ان شاء اللہ مشکل دور ہو جائے گی اور وہ اولیاء اللہ میں شامل کیا جائے گا۔

۳..... بیوی کے پاس جاتے وقت اس اسم کو پڑھے گا تو دونوں میاں بیوی ایک دوسرے کے لیے کارآمد بن جائیں گے۔

۴..... جو شخص اپنی بیوی کی عادتوں اور خصلتوں سے خوش نہ ہو وہ جب اس کے سامنے جائے اس اسم کو پڑھا کرے ان شاء اللہ نیک خصلت ہو جائے گی۔

۵۰ التحمید: حمد کیا ہوا

تشریح: حمید، حمد سے ہے، حمد کا معنی ہے تعریف، اور الحمید کا معنی حمد کیا ہوا، سارے جہانوں کا حمد کیا ہوا کہ سارا جہان اس کی حمد کرتا ہے، اور حمد اس لئے کرتا ہے کہ وہ لائق حمد ہے، اسی لئے ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ فرمایا ہے۔

خواص:

- ۱:..... جو کوئی اس اسم مبارک کو بہت پڑھے گا پسندیدہ افعال ہوگا۔
- ۲:..... جو بخش اور بری باتیں کرنے کا عادی ہو اور اس سے نہ بچ سکے، وہ ایک پیالہ پر (الحمید) لکھے، پھر (۹۹) بار (یا حمید) پڑھ کر دم کرے اور ہمیشہ اس پیالہ میں پانی پیا کرے ان شاء اللہ بخش گوئی سے امان پائے گا۔
- ۳:..... اگر کوئی گونگا اس اسم مبارک کو گھول کر پیے، زبان سے صاف باتیں کرنے لگے۔
- ۴:..... جو اس اسم کو فرض نماز کے بعد (۱۰۰) بار پڑھنے کا معمول بنالے ان شاء اللہ صالحین میں سے ہوگا۔

۵:..... جو اس اسم کو فجر اور مغرب کے بعد چھیا سٹھ (۶۶) بار پڑھنے کا معمول بنالے ان شاء اللہ اس کو اقوال و افعال حمیدہ حاصل ہوں گے۔

۶:..... سورۃ فاتحہ کے بعد یہ اسم لکھ کر کسی مریض کو پلانے سے ان شاء اللہ شفا ہوگی۔

۵۱ المُحصی: شمار کرنے والا

تشریح: شمار کرنے والا، احصاء کا معنی ہے شمار کرنا، اس نے ریت کے ایک ایک ذرے کو گن رکھا ہے، آسمان کے ستاروں تک سے واقف ہے، کوئی چیز اس کے علم سے غائب نہیں، ہر شے کا اس نے احاطہ کر رکھا ہے، ہر ایک شے کا اس نے علم حاصل کر رکھا ہے۔

تو ”المُحصی“ کا معنی ہے ساری کائنات کا احاطہ کرنے والا، ساری کائنات کا گھیرا ڈالنے والا، ساری کائنات کو شمار کرنے والا، کیونکہ اس کائنات کی عرش سے فرش تک کوئی مخلوق اور مخلوق کا کوئی فرد اور کوئی ذرہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور احاطہ علم سے باہر نہیں، ﴿لَقَدْ أَخْصَهُهُ﴾ اللہ تعالیٰ نے ان کو شمار کر رکھا ہے، تو یہ معنی ہے المُحصی شمار کرنے والا۔

سورہ رُحٰن میں ہے: ﴿يَتَذَكَّرُ الْحَبِيُّ وَالْإِنْسَانُ إِنَّ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ تَنْفُذُوا مِنْ أَقْطَارِ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ فَانْفُذُوا لَا تَنْفُذُونَ إِلَّا بِسُلْطَانٍ﴾ (الرحمن) اے جنو اور انسانو! اگر تم زمین

اور آسمانوں کے کناروں سے نکل بھاگ سکتے ہو تو نکل کے دکھاؤ، تم نہیں نکل کے بھاگ سکتے بغیر اللہ کی طرف سے راہ داری کے۔ جس طرح کہ کسی مملکت پر چاروں طرف پہرہ لگا ہوا ہے کہ کوئی آدمی نکل ہی نہیں سکتا تو تم بھی نہیں نکل سکتے۔

خواص:

۱:..... جو کوئی شب جمعہ میں ایک ہزار بار یہ اسم مبارک (یا مخلصی) پڑھے اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن حساب و کتاب سے نجات عطا فرمادے گا۔

۲:..... جو شخص روٹی کے دس ٹکڑے لے کر ہر ٹکڑے پر بیس بار یہ اسم مبارک پڑھ کر کھائے اللہ تعالیٰ اس کے لیے قلوب کو مسخر فرمادیں گے۔

۳:..... جو اس اسم کا بکثرت ذکر کرے گا اسے مراقبہ نصیب ہوگا اور اگر کوئی اسے اللہ تعالیٰ کے نام (المحیط) کے ساتھ ملا کر (المخلصی الممحیط) پڑھ لیا کرے تو اسے بے شمار علوم عطا کئے جائیں گے۔

۴:..... جو کوئی اس اسم مبارک کو بہت پڑھا کرے ان شاء اللہ گناہ سے بچا رہے۔

۵:..... جو کوئی دس بار یہ اسم مبارک پڑھ لیا کرے اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور پناہ میں رہے۔

۵۹ المبدی: شروع کرنے والا

تشریح: اس کو کبھی ہمزہ کے ساتھ پڑھتے ہیں، کبھی بغیر ہمزہ کے بھی، اور یہ لفظ لیا گیا ہے ”الابداء“ سے، اور الابداء سے بدء، بدء کا معنی ہے آغاز اور شروع، اسی سے ابتداء کا لفظ آتا ہے، ابداء کا معنی ہے کسی چیز کو شروع کرنا، اور مبدی کا معنی ہے تمام کائنات کو بغیر کسی ماڈے کے اور بغیر کسی مثال کے پہلی مرتبہ پیدا کرنا، المبدی کا معنی کائنات کو پہلی مرتبہ پیدا کرنے والا، آغاز کرنے والا، ورنہ اس سے پہلے کائنات نہیں تھی، اور اس کے مقابلے میں المعید ہے، دوبارہ لوٹانے والا۔

خواص:

۱:..... اگر کوئی اس اسم کا ورد رکھے تو اس کی زبان سے صحیح اور درست بات جاری ہوگی۔

۲:..... جس کی بیوی کو حمل ہو اور اسقاط حمل سے ڈرتا ہو وہ سحری کے وقت (۹۰) بار یہ اسم مبارک (یا مبدی) پڑھ کر شہادت کی انگلی بیوی کے پیٹ کے گرد یا شکم پر پھیر دے حمل ان شاء اللہ ساقط نہ ہوگا۔

۳:..... جو کوئی اس اسم کو بہت پڑھے افعال نیک سرزد ہوں، گناہوں سے بچا رہے۔

۴:..... جس شخص کا مال چوری ہو گیا ہو وہ اس اسم (یا مبدی) بکثرت پڑھے ان شاء اللہ مال مل جائے گا۔

۵:..... جو کوئی اس اسم کو لکھ کر اپنے پاس رکھے گا، حق تعالیٰ شانہ اسے تمام بلیات سے نجات دے گا۔

۹۰ المُعِیدُ: لوٹانا

تشریح: یہ اعادہ سے ہے، اور اعادہ کا معنی ہے لوٹانا، عربی زبان میں عود کا معنی ہے لوٹنا اور اعادہ کا معنی ہے لوٹانا، جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا: ”کَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نَعْبُدُهُ“ جیسے ہم نے پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا دوبارہ پیدا کریں گے، اسی سے معید ہے، یعنی دوبارہ تخلیق کو لوٹانے والا، دوبارہ بنانے والا، دوبارہ پیدا کرنے والا، قیامت کے دن مردوں کو نئی زندگی دینے والا اور قیامت کے دن اس عالم کو نیا بنانے والا۔
خواص:

۱:..... گمشدہ شخص کو واپس بلانے کے لیے جب گھر کے تمام افراد سو جائیں تو گھر کے چاروں کونوں میں ستر ستر مرتبہ (یا معیند) پڑھے ان شاء اللہ گمشدہ شخص سات روز میں واپس آجائے گا یا پتہ چل جائے گا۔
۲:..... جو کوئی کسی معاملہ میں متحیر ہو وہ ایک ہزار بار یہ اسم مبارک پڑھے خلیجان دور ہو جائے گا اور ان شاء اللہ درست سمت کی طرف رہنمائی ہوگی۔

۳:..... اگر کوئی بات یا چیز بھول گیا ہو تو (یا معیند یا معیند) کا ورد کرنے سے ان شاء اللہ یاد آجائے گی۔ نیز اس کے پڑھنے سے مخفی امور کی طرف بھی رہنمائی ہوتی ہے۔

۹۱ المُنْجِی: زندگی دینے والا

تشریح: یہ الاحیاء سے ہے اور الاحیاء حیات سے ہے، حیات کا معنی ہے زندگی، الاحیاء کا معنی زندگی دینا، اور اس کے مقابل میں ہے المیت۔
خواص:

۱:..... جو اس اسم کو ایک ہزار بار پڑھنے کا معمول بنائے گا ان شاء اللہ اس کا دل زندہ ہو جائے گا اور بدن میں تقویت پیدا ہوگی۔

۲:..... جو شخص (۸۹) بار (یا منجی) پڑھ کر اپنے اوپر دم کرے گا وہ ہر طرح کی قید و بند سے ان شاء اللہ محفوظ رہے گا۔

۳:..... جو شخص کسی درد میں مبتلا ہو یا کسی عضو کے ضائع ہونے سے خائف ہو وہ (یا منجی) سات بار پڑھے اور دم کرے ان شاء اللہ محفوظ رہے گا۔

۴:..... جو اس اسم کو بکثرت پڑھے گا ان شاء اللہ اس کا دل منور رہے گا۔

۵:..... جو کسی کے قبر سے ڈرتا ہو روٹی کے ٹکڑے پر (۵۸) بار یہ اسم پڑھ کر کھالے ان شاء اللہ

محفوظ رہے گا۔

۳۶ المِیْتُ: موت دینا

تشریح: یہ الاماتہ سے ہے، اماتہ کا معنی موت دینا، زندگی دینا اور موت دینا اللہ کے قبضے میں ہے، زندگی دینا تو لوگوں کی سمجھ میں آتا ہے لیکن موت دینا بہت سے لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتا، جیسا کہ تیسرے پارے کے دوسرے رکوع میں ہے: ﴿اَلَمْ تَرَ اِیَّ الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِیْ رَبِّہٖ اَنْ اَتٰہُ اللّٰہُ الْمَلٰٓئِکَۃُ﴾ (البقرہ: ۲۵۸) کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا (اس شخص کا قصہ سنا) جس نے جھگڑا کیا تھا ابراہیم علیہ السلام سے ان کے رب کے بارے میں اس غرور کی وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ملک دے رکھا تھا، اس غریب کو ہضم نہیں ہوا، ﴿اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّیَّ الَّذِیْ یُنٰحِیْ وَیُجِیْتُ﴾ جب کہا ابراہیم نے کہ میرا رب وہ ہے جو چلاتا ہے اور مارتا ہے، یعنی زندگی دیتا ہے اور موت دیتا ہے، زندگی اور موت اس کے قبضے میں ہے اور اس کی تخلیق سے ہوتی ہے، ﴿قَالَ اَنَا اُنْحٰی وَاُمِیْتُ﴾ کہنے لگا: میں بھی چلاتا ہوں اور مارتا ہوں، یہ وصف تو مجھے بھی حاصل ہے، ایک بے گناہ کو پکڑا اور اس کو قتل کر دیا، اور ایک مجرم جو سزائے موت کا مستحق تھا اس کو معاف کر دیا، کہنے لگا: دیکھو میں بھی زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں۔ ابراہیم علیہ السلام سمجھ گئے کہ نبی آدمی ہے، حکومت نے اس کا دماغ خراب کر رکھا ہے۔ یہ حکمران لوگ اپنے آپ کو عقل کل سمجھا کرتے ہیں کہ عقل صرف اللہ نے ہمیں دی ہے، باقی کسی کو نہیں دی، حالانکہ شاید ان سے بڑا کوئی احمق نہیں ہوتا۔ اپنے آپ کو عقل مند سمجھنا ہی ان کی نادانی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جان لیا کہ احمق ہے جلانے اور مارنے کا مطلب بھی نہیں سمجھتا، اس لئے دلیل بدل دی، استدلال بدل دیا اور فرمایا: ﴿فَیَا اِلٰہَ اللّٰہِ یَاۤاٰتِیْ بِالشَّمْسِیْنَ مِنَ الْمَشْرِیْقِ فَاٰتِ بِہَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِیْ کَفَرَ﴾ (البقرہ: ۲۵۸) ابراہیم علیہ السلام نے کہا: میرا اللہ سورج کو نکالتا ہے مشرق سے تو نکال کے دکھا مغرب سے، پھر لا جواب ہو گیا اور کافر کا منہ بند ہو گیا۔ یہاں یہ نہیں کہہ سکا کہ مشرق سے تو میں نکالتا ہوں تیرا رب مغرب سے نکال کر دکھائے، جانتا تھا کہ وہ نکال دے گا، اس کا جواب نہیں دے سکا، آج کل کے سائنس دانوں سے تو پھر بھی عقل مند نکلا۔ ورنہ یہ کہتے ہیں کہ اس کو کون نکالتا ہے؟ یہ تو اپنے آپ ہی گھومتا رہتا ہے، اور اس کے مغرب سے نکلنے کا کیا سوال؟ یہ فلاسفہ جن کو ”حکماء“ کہتے تھے اور ہمارے حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ ان کو ”حمقاء“ فرماتے تھے، حکماء نہیں حمقاء ہیں، اسی طرح یہ سائنس دان بھی کہتے ہیں کہ سورج بھی چکر میں لگا ہوا ہے، ہم بھی چکر میں ہیں، تو معلوم ہوا کہ یہ اس احمق سے بھی زیادہ احمق ہیں، اس اتنے بڑے کافر کو بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اتنا یقین تھا کہ ابراہیم کا رب مغرب سے بھی نکال سکتا ہے۔

تو غرضیکہ محیی کا معنی ہے حیات دینے والا، زندگی بخشنے والا۔ اور ممیت کا معنی ہے موت دینے والا، موت کی تخلیق کرنے والا۔ ظاہری اسباب میں یہ تمام چیزیں جو موت کا سبب بنتی ہیں اللہ نے موت کے ذرائع بنادیئے، اور ان ذرائع کی طرف موت کی نسبت بھی کی جاتی ہے، قتل کرنے والے کو قاتل کہا جاتا ہے، لیکن قاتل بھی جانتا ہے اور دوسرے لوگ بھی جانتے ہیں کہ اس نے قتل کیا ہے لیکن موت اس کی تخلیق نہیں، اس کا سبب ضرور بنا ہے اور اس سبب بننے پر اس کی گرفت بھی کی جاتی ہے لیکن موت اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہے: ”خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ“ (الملک: ۲) جس نے موت اور حیات کو پیدا کیا ہے، تو موت اور حیات اللہ کی مخلوق ہیں اور وہی موت اور حیات کو پیدا کرنے والا ہے، اس اعتبار سے اسکو کہا جاتا ہے الٰہی المیت وہ ہے زندہ کرنے والا، وہ ہے مارنے والا۔

خواص:

- ۱:..... جو کوئی یہ اسم اس قدر پڑھے کہ اس پر حال طاری ہو جائے پھر وہ ظالموں فاسقوں میں سے کسی کی ہلاکت کی دعاء کرے تو اسی وقت ہلاک ہو جائے۔ ناجائز پر عمل نہ کرے۔
- ۲:..... جو کوئی اس اسم کو بکثرت پڑھے گا اس کا نفس اِن شاء اللہ مغلوب ہو جائے گا۔
- ۳:..... جو اس اسم کو سات بار پڑھ کر اپنے اوپر دم کرے گا، اِن شاء اللہ اس پر جادو اثر نہ کرے گا۔

۳۱ الحی: ہمیشہ سے زندہ

تشریح: ”حی“ جو ہمیشہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا، ازل الازل سے ابد الابد تک زندگی اس کی خانہ زاد ہے، کسی کی جانب سے ملی ہوئی نہیں، بخلاف مخلوق کے کہ زندگی کے ان کے پاس بھی ہے لیکن ملی ہوئی ہے، پرانی چیز ہے مانگی ہوئی، وہ جب چاہے چھین لے، اس کی حیات کسی کی مخلوق نہیں، مخلوق کی حیات اس کی مخلوق ہے، اس لئے وہ تنہا الٰہی زندہ کہلانے کا مستحق ہے، قرآن کریم میں آتا ہے: هُوَ الَّذِي مَخْلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ (الزمر) بے شک آپ بھی مرنے والے ہیں اور یہ لوگ بھی مرنے والے ہیں۔

بعض اکابر نے اس کا یہ ترجمہ کیا ہے: آپ کا بھی دنیا سے رخصت ہونے کا وقت آنے والا ہے اور ان کا بھی، پھر تم اپنے رب کے سامنے اٹھائے جاؤ گے یا اپنے رب کے پاس جھگڑو گے۔

لیکن بعض اکابر نے اس کا یہ ترجمہ کیا ہے کہ: آپ بھی اور یہ لوگ بھی عین اس حالت میں جبکہ زندہ کہلاتے ہو مردہ ہیں، اس لئے کہ زندگی اپنی نہیں کسی کی دی ہوئی ہے، اپنی اصل اور ذات کے اعتبار سے تم مردہ ہو۔ اس کی مثال ایسی سمجھ لیجئے کہ کسی درویش کنگال کو کسی نے ایک لاکھ روپیہ بطور امانت کے دے دیا کہ اس کو اپنے پاس رکھو، ظاہر میں تو اس کے پاس ایک لاکھ روپیہ ہے، وہ مال دار دکھلائی دیتا ہے لیکن حقیقت کے اعتبار سے وہ اب بھی فقیر اور کنگال ہے، اس لئے کہ یہ مال اس کا نہیں کسی اور کا ہے۔ تو ہم بھی عین اس

حالت میں جبکہ ہم زندہ ہیں مردہ کہلانے کے مستحق ہیں، اس لئے کہ زندگی اپنی نہیں نہ اپنے بس میں ہے، نہ اپنے قبضے میں ہے، دینے والا جب چاہے واپس لے لے، اور نہ یہ اپنی صفت ہے اپنی صفت تو عدم ہے، تو اللہ تعالیٰ الٰہی ہیں، زندگی اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور وہ صفت ہمیشہ ہمیشہ سے ازل سے ابد تک ہے، وہ صفت کسی کی بنائی ہوئی نہیں۔

خواص:

- ۱:..... جو کوئی روزانہ تین بار (یا سحری) کا ورد رکھے گا وہ ان شاء اللہ کبھی بیمار نہ ہوگا۔
- ۲:..... اگر کوئی بیمار اس اسم کو چینی کے برتن مشک اور گلاب سے لکھ کر شیریں (میٹھے) پانی سے دھو کر پئے یا کسی دوسرے بیمار کو پلائے تو ان شاء اللہ شفائے کامل نصیب ہوں۔
- ۳:..... جو کوئی ایک ہزار بار یہ اسم مبارک (یا سحری) کسی بیمار پر پڑھے گا اس کی عمر ان شاء اللہ دراز ہوگی اور قوت روحانیہ اس میں زیادہ ہوگی۔
- ۴:..... کسی سخت حاجت کے وقت اگر کوئی اپنے نام کے اعداد کے موافق مع اول و آخر درو شریف، ایک وقت مقرر کر کے (یا سحری یا قیوم یا اللہ یا زحیم یا زحیم) پڑھا کرے تو اس کی حاجت پوری ہو جائے گی۔
- ۵:..... اگر کوئی اس اسم کو ایک سو بیس دفعہ کاغذ پر لکھ کر دروازہ پر لٹکا دے تو اس گھر میں جتنے لوگ رہتے ہوں گے وہ ان شاء اللہ برے امراض سے محفوظ رہیں گے۔

۶۴ القیوم: تھامنے والا

تشریح: یہ قیام سے ہے، قیام کا معنی کھڑے ہونا، قائم ہونا، القیوم کا معنی: قائم رکھنے والا، تھامنے والا، سنبھالنے والا کہ پوری کائنات اسی کے ارادے اور مشیت سے قائم ہے، وہی سب کو تھامنے والا اور قائم رکھنے والا ہے، جب چاہے چھوڑ دے، ساری مخلوق اس کی مشیت کے سہارے کھڑی ہے، خود بے چاری کھڑی نہیں ہو سکتی، جیسے کوئی بے چارہ اتنا کمزور ہو کہ سہارا لے کر کھڑا ہو سکتا ہے پر اپنے پاؤں پر کھڑا نہیں ہو سکتا، تو ساری کی ساری مخلوق اتنی کمزور ہے کہ اس کی مشیت و قدرت اور ارادے کے سہارے کھڑی ہے، وہ ذرا اس سہارے کو کھینچ لے تو یہ دھڑام سے گر جائے، یہ معنی ہے ”القیوم“ کا۔

خواص:

- ۱:..... جو طالب علم اس اسم کو ہر روز تنہائی میں (۷۰) بار پڑھے گا ان شاء اللہ کند ذہنی سے نجات پائے گا اور اس کا حافظ قوی اور دل منور ہو جائے گا۔
- ۲:..... جس آدمی کو نیند نہ آتی ہو وہ یہ دو آیتیں پڑھے ان شاء اللہ نیند آ جائے گی۔ ﴿وَقَسَّطُھُمْ﴾

أَيْقَظًا وَهُمْ رُقُودٌ ﴿١٨﴾ ﴿الکہف: ۱۸﴾ ﴿قَضَرْنَا عَلَىٰ أَدَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِينَ عَدَّةً ۖ﴾ ﴿الکہف: ۱۹﴾ یہ عمل دوسرے پر بھی کیا جاسکتا ہے۔

۳:..... جو زیادہ سونے کا عادی ہو اس کے سر پر ﴿اللَّهُ أَكْبَرُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ﴾ پڑھ کر دسم کیا جائے ان شاء اللہ اس کی نیند بھاگ جائے گی۔

۴:..... جو شخص بکثرت (یا قَیُّوْم) کا ورد رکھے گا ان شاء اللہ لوگوں میں اس کی عزت زیادہ ہوگی۔

۵:..... جو شخص تنہائی میں بیٹھ کر اس اسم کا ورد کرے گا ان شاء اللہ خوش حال ہو جائے گا۔

۶:..... جو شخص صبح کی نماز کے بعد سورج نکلنے تک (یا حَیُّ یا قَیُّوْم) کا ورد کرے گا ان شاء اللہ اس کی سستی و کاہلی دور ہو جائے گی۔

۷:..... سحری کے وقت جو کوئی بلند آواز سے اس اسم کو پڑھے گا اس کا تصرف دلوں میں ظاہر ہوگا یعنی لوگ اسے دوست رکھیں گے۔

﴿الْوَاجِدُ﴾ پانا اور غنی ہونا

تشریح: غنی جس کو کوئی احتیاج نہیں، واجد کا لفظ وجدان سے ہے، جس کا معنی پانا اور غنی ہونا ہے یعنی ہر چیز اس کے قبضہ قدرت میں ہے، وہ ہر چیز کو پانے والا ہے، ہر چیز اس کی دسترس میں ہے اور کوئی چیز اس کی دسترس سے باہر نہیں۔

خواص:

۱:..... جو شخص کھانا کھاتے وقت (یا وَاجِدُ) کا ورد رکھے، غذا اس کے قلب کی طاقت و قوت اور نورانیت کا باعث ہوگی ان شاء اللہ۔

۲:..... جو تنہائی میں بکثرت اس اسم کو پڑھے گا مالدار ہوگا۔

۳:..... جو اس اسم کو بہت پڑھے گا اس کا دل ان شاء اللہ غنی ہوگا۔

۴:..... جو اس اسم کو پڑھے گا ان شاء اللہ عالم کے ظلم سے بچا رہے گا۔

﴿الْمَاجِدُ﴾ بزرگی والا

تشریح: مجید کا معنی بزرگ کے ہیں، الماجد بزرگی والا۔

خواص:

۱:..... جو تنہائی میں یہ اسم اس قدر پڑھے کہ بے خود ہو جائے تو ان شاء اللہ اس کے قلب پر انوار الہیہ ظاہر ہونے لگیں گے۔

۲:..... اگر کوئی اس اسم کو پانی پر دم کر کے مریض کو پلائے تو ان شاء اللہ مریض شفاء پائے۔

۳:..... جو اس اسم کو سب بار شربت پر پڑھ کر پی لیا کرے گا وہ ان شاء اللہ بیمار نہ ہوگا۔

۴:..... جو اس اسم کو بیشتر پڑھے گا مخلوق کی نگاہ میں عزیز و بزرگ ہوگا۔

⑤ الْوَاحِدُ: ایک

تشریح: اس کا معنی ہے ایک اور احد کا معنی ہے یکتا کہ اس جیسا اور کوئی دوسرا نہیں۔

خواص:

۱:..... جو کوئی روزانہ (۱۰۰۰) مرتبہ (الْوَاحِدُ الْوَاحِدُ) پڑھا کرے، اس کے دل سے ان

شاء اللہ مخلوق کی محبت اور خوف جاتا رہے گا۔

۲:..... جس شخص کی اولاد نہ ہوتی ہو وہ (الْوَاحِدُ الْوَاحِدُ) کو لکھ کر اپنے پاس رکھے ان شاء اللہ اس کو

اولاد صالح نصیب ہوگی۔

۳:..... جو کوئی شہائی سے ہر اس سال ہو وہ با وضو ہو کر (۱۰۰۰) بار (یا وَاحِدُ) کو پڑھے ان شاء اللہ

اس کے دل سے خوف جاتا رہے گا اور اس کے عجائبات ظاہر ہوں گے۔

⑥ الْاَحَدُ: یکتا

تشریح: ایک، یکتا، اکیلا، اس کا کوئی دوسرا ہی نہیں۔

خواص: سات ہیں:

۱:..... جو کوئی روزانہ ایک ہزار مرتبہ "الْوَاحِدُ الْوَاحِدُ" پڑھا کرے اس کے دل سے ان

شاء اللہ مخلوق کی محبت اور خوف جاتا رہے گا۔

۲:..... جس شخص کی اولاد نہ ہوتی ہو وہ "الْوَاحِدُ الْوَاحِدُ" کو لکھ کر اپنے پاس رکھے ان شاء اللہ اس

کو اولاد نصیب ہوگی۔

۳:..... حضور اکرم ﷺ نے ایک شخص کو یہ دعا مانگتے ہوئے سنا: "اللَّهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَغْلِکَ بِاَنِّیْ

اَشْهَدُ اَنَّکَ اَنْتَ اللهُ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْاَحَدُ الْقَدَمُ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُولَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَہُ کُفْرًا

اَحَدٌ" تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس شخص نے اللہ تعالیٰ سے اس اسم اعظم کے ذریعے دعا کی ہے، جس

کے ذریعے جب مانگا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے (ابوداؤد، ترمذی)۔

۴:..... جو کوئی اس اسم کو پڑھے گا ان شاء اللہ ظالم کے ظلم سے بچا رہے گا۔

۵:..... جو کوئی اس اسم کو نو مرتبہ پڑھ کر حاکم کے آگے جائے گا، ان شاء اللہ عزت و سرفرازی

پائے گا۔

۶:..... جو کوئی سانپ کے کانٹے پر ایک سو ایک بار ”الْوَاْحِدُ الْاَحَدُ“ پڑھ کر دم کرے ان

شاء اللہ سانپ کا کانٹا ہوا مریض تندرست ہو جائے گا۔

۷:..... جو تنہائی میں اسے ایک ہزار بار پڑھے گا ان شاء اللہ فرشتہ خصلت ہو جائے گا۔

۹۹) الصَّمَدُ: بے نیاز

تشریح: اس کے کئی معنی کئے گئے ہیں، سورۃ اخلاص میں آتا ہے: ﴿اللَّهُ الصَّمَدُ﴾ اللہ بے نیاز ہے، صمد کا بعض حضرات نے معنی کیا ہے: سردار، اور بعض نے کہا: سردی، دائمی، ہمیشہ رہنے والا، اور بعض نے کہا: الَّذِي يَصْمَدُ إِلَيْهِ الْخَوَاصُّ كُلُّهَا ”وہ ذات کہ تمام حاجتیں اس کی بارگاہ میں پیش کی جاتی ہیں، پوری کی پوری کائنات اس کی محتاج ہے اور وہ کسی بھی چیز کا محتاج نہیں، نہ کسی انسان کا، نہ فرشتے کا، نہ آسمان و زمین کی کسی اور چیز کا، نہ کھانے پینے کا، نہ بیوی بچوں کا، کسی چیز کا محتاج نہیں، تو صمد کا معنی ہے جو کسی کا محتاج نہیں اور سب اس کے محتاج ہیں۔ بعض بزرگوں نے کہا کہ الصمد اللہ تعالیٰ کا پاک نام ہے۔

اگر ایک لاکھ مرتبہ اس کا وظیفہ کیا جائے ”يَا صَمَدُ، يَا صَمَدُ“ مل کر پڑھو یا اکیلے ایک مجلس میں پڑھ لو یا الگ الگ، اور ایک لاکھ مرتبہ پڑھنے کے بعد اس پاک نام کی برکت سے دعا کرو، جو بیمار کہ جس کے علاج سے مایوسی ہو گئی ہو اللہ تعالیٰ اس کو بھی شفاء عطا فرمادیتے ہیں۔

خواص: پانچ ہیں:

۱:..... جو کوئی سحر کے وقت سجدہ میں سر رکھ کر ایک سو پندرہ یا ایک سو پچیس مرتبہ اس اسم کو پڑھے گا، اس کو ان شاء اللہ ظاہری سچائی نصیب ہوگی اور کسی ظالم کے ہاتھ میں گرفتار نہ ہوگا۔

۲:..... جو شخص با وضو اس اسم کا ورد جاری رکھے وہ ان شاء اللہ مخلوق سے بے نیاز ہو جائے گا۔

۳:..... جو کوئی یہ اسم ایک سو چونتیس بار پڑھے آثارِ صمدانی ظاہر ہوں اور ان شاء اللہ کبھی بھوکا نہ رہے۔

۴:..... جو کوئی اسم کو بکثرت پڑھے اس کی مشکلیں آسان ہوں۔

۵:..... جو اسے ایک ہزار بار پڑھا کرے گا، دشمن پر ان شاء اللہ فتح پائے گا۔

۱۰۰) الْقَادِرُ: بڑی قدرت والا

تشریح: قادر، قدرت سے ہے، بڑی قدرت والا کہ تمام چیزیں اس کے قبضے میں ہیں قدرت میں ہیں، پر اس پر کسی کو قدرت نہیں ہے۔ وہ کامل قدرت والا ہے۔

خواص: چار ہیں:

- ۱:..... اگر کوئی وضو میں ہر عضو کو دھوتے وقت ”الْقَادِر“ پڑھے گا تو کسی ظالم کے ہاتھ ان شاء اللہ گرفتار نہ ہوگا اور کوئی دشمن اس پر فتح نہ پائے گا۔
- ۲:..... اگر کوئی مشکل پیش آئے تو استالیس بار یہ اسم مبارک پڑھے ان شاء اللہ وہ کام آسان ہو جائے گا۔

- ۳:..... جو اس کو لکھ کر اپنے پاس رکھے ان شاء اللہ جميع آفات سے بچا رہے۔
- ۴:..... جو شخص دو رکعت نماز پڑھ کر سو مرتبہ ”الْقَادِر“ پڑھے گا، اللہ تعالیٰ اس کے دشمن کو ذلیل و رسوا فرمادے گا، اگر وہ حق پر ہوگا اور ظاہری طاقت کے علاوہ اسے عبادت کی باطنی طاقت بھی عطا فرمائے گا۔

④ الْمُقْتَدِرُ: اقتدار والا

تشریح: اقتدار والا، اقتدار بھی قدرت سے ہے، لیکن اقتدار کا مفہوم لیا جاتا ہے دوسروں کے اوپر قدرت والا، جس کو ہم ”حکومت“ کہتے ہیں، تو مقتدر کا معنی صاحب اقتدار، اس لئے کہ حقیقت میں سب پر اسی کا اقتدار ہے، سب اسی کے ماتحت ہیں، وہ کسی کے ماتحت نہیں۔

خواص: پانچ ہیں:

- ۱:..... جو کوئی سو کر اٹھنے کے بعد بکثرت ”الْمُقْتَدِر“ کا ورد کرے یا کم از کم بیس مرتبہ پڑھا کرے، ان شاء اللہ اس کے تمام کام آسان اور درست ہو جائیں گے۔
- ۲:..... جو کوئی اس اسم کو پڑھا کرے ان شاء اللہ اس کا دشمن مغلوب ہوگا۔
- ۳:..... جو اس کا روزانہ بیس مرتبہ ورد رکھے گا ان شاء اللہ رحمت الہی میسر رہے گا۔
- ۴:..... جو اس نام کو توجہ کے ساتھ پڑھتا رہے ان شاء اللہ اس کی غفلت دور ہو جائے گی۔
- ۵:..... جو شخص حقیقتاً مظلوم ہو وہ مہینے کی آخری رات میں اندھیرے کمرے میں تنگی زمین پر دو رکعت نماز پڑھے اور دوسری رکعت کے آخری سجدے میں: ”الْمُقْتَدِرُ الشَّدِيدُ الْقُوَى الْقَاهِرُ“ پڑھ کر ظالم کے خلاف دعا کرے ان شاء اللہ قبول ہوگی۔

⑤ الْمُقَدِّمُ: آگے کرنے والا

⑥ الْمُوَخَّرُ: پیچھے کرنے والا

تشریح: پیچھے کرنے والا، جس کو چاہے جس وقت چاہے آگے کر دے، اور جس کو چاہے جس وقت

چاہے پیچھے کر دے۔ آگے کر دینا پیچھے کر دینا اس کا کام ہے، اسی کی صفت ہے۔

الْمُقَدِّمُ:

خواص: چار ہیں:

۱:..... جو شخص جنگ کے وقت ”الْمُقَدِّمُ“ کثرت سے پڑھتا رہے گا، اللہ تعالیٰ اسے پیش قدمی کی قوت عطا فرمائے گا اور دشمنوں سے محفوظ رکھے گا، زخم ورنج نہیں پہنچے گا۔

۲:..... جو شخص ہر وقت ”یَا مُقَدِّمُ“ کا ورد رکھے گا ان شاء اللہ وہ اللہ تعالیٰ کا مطیع و فرمانبردار بن جائے گا۔

۳:..... جو کوئی اس اسم کو کثرت سے پڑھے وہ دشمن پر ان شاء اللہ غالب رہے گا اور اطاعت الہی میں اس کا نفس فرمانبردار ہوگا۔

۴:..... جو اس کو نو مرتبہ شریعت پر پڑھ کر کسی کو کھلائے گا ان شاء اللہ وہ اس سے محبت کرے گا غلط اور ناجائز مقصد کے لئے یہ عمل کرنا حرام ہے اور سخت نقصان دہ ہے۔

الْمَوْخِزُ:

خواص: سات ہیں:

۱:..... جو شخص کثرت سے ”الْمَوْخِزُ“ کا ورد رکھے گا اسے ان شاء اللہ سچی توبہ نصیب ہوگی۔

۲:..... جو شخص روزانہ سو مرتبہ اس اسم کو پابندی سے پڑھا کرے اس کو ان شاء اللہ حق تعالیٰ کا ایسا قرب نصیب ہوگا کہ اس کے بغیر چین نہ آئے گا۔

۳:..... علماء کرام فرماتے ہیں کہ ”الْمُقَدِّمُ“ اور ”الْمَوْخِزُ“ کو ایک ساتھ پڑھتا رہے جب کوئی مشکل پیش آئے اکیس بار اس اسم کو پڑھے ان شاء اللہ مشکل آسان ہو جائے گی۔

۴:..... جو اڑتالیس دن تک روزانہ تین ہزار بار یہ اسم مبارک پڑھ لیا کرے، ان شاء اللہ وہ جو چاہے گا پائے گا۔

۵:..... جو اکتالیس بار یہ اسم مبارک پڑھے گا، اس کا نفس ان شاء اللہ مطیع ہوگا۔

۶:..... جو ہر روز سو بار یہ اسم مبارک پڑھتا رہے گا ان شاء اللہ اس کے سب کام انجام کو پہنچیں گے۔

۷:..... حضور اکرم ﷺ سے یہ دعا منقول ہے: ”اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي مَا قَدْفَت وَمَا أَخْزَتْ وَمَا أَسْرَزَتْ وَمَا أَغْلَنْتَ أَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَأَنْتَ الْمَوْخِزُ وَأَنْتَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ“ (بخاری شریف)۔

⑤ الأول: سب سے پہلا

⑥ الآخر: سب سے پچھلا

تشریح: حدیث شریف میں حضور ﷺ نے اس کی شرح ذکر فرمائی ہے کہ ایسا پہلا کہ: ”لیس قبلک شیء“ تجھ سے پہلے کچھ نہیں، اور آخر ایسا پچھلا کہ: ”لیس بعدک شیء“ تیرے بعد کوئی نہیں، ساری کائنات کو اللہ تعالیٰ فنا کر دیں گے صرف اس کی ذات باقی رہے گی، تو وہی اول ہے، وہی آخر ہے۔

الأول!

خواص: پانچ ہیں:

۱:..... جو مسافر ہو وہ جمعہ کے دن ایک ہزار مرتبہ اس اسم کو پڑھے گا ان شاء اللہ جلد بخیریت وطن واپس پہنچے گا۔

۲:..... جس شخص کے لڑکانہ ہو وہ چالیس مرتبہ روزانہ ”الأولی“ پڑھا کرے ان شاء اللہ اس کی مراد پوری ہوگی اور سب مشکلیں آسان ہوں گی۔

۳:..... جو چالیس شب جمعہ ہر شب کو عشاء کی نماز کے بعد ایک ہزار بار یہ اسم مبارک پڑھے اس کی ان شاء اللہ تمام حاجتیں پوری ہوں گی۔

۴:..... جو ہر روز گیارہ بار یہ اسم مبارک پڑھے گا تمام خلقت ان شاء اللہ اس پر مہربانی کرے گی۔

۵:..... جو سو بار یہ اسم مبارک پڑھے گا ان شاء اللہ اس کی بیوی اس سے محبت کرے گی۔

الآخر:

خواص: پانچ ہیں:

۱:..... جو شخص روزانہ ایک ہزار مرتبہ ”الآخر“ پڑھا کرے اس کے دل سے غیر اللہ کی محبت دور ہو جائے گی اور ان شاء اللہ ساری عمر کی کوتاہیوں کا کفارہ ہو جائے گا اور خاتمہ بالخیر ہوگا اور نیک اعمال سرزد ہوں گے۔

۲:..... جس کی عمر آخر کو پہنچ گئی ہو اور نیک اعمال نہ رکھتا ہو وہ اس اسم کا ورد کرے حق تعالیٰ اس کی عاقبت ان شاء اللہ بہتر کرے گا۔

۳:..... جو کوئی کسی جگہ جائے اور اس اسم کو پڑھ لے وہاں عزت اور توقیر پائے گا۔

۴:..... جو اس اسم کو دفع دشمن کے لئے پڑھے گا ان شاء اللہ کامیاب ہوگا۔

۵:..... جو عشاء کے بعد ایک سو مرتبہ یہ اسم پڑھنے کا معمول بنائے اس کی آخری عمر ان شاء اللہ پہلی عمر سے بہتر ہوگی۔

۴۱ الظَّاهِرُ: ظاہر

۴۲ البَّاطِنُ: پوشیدہ

تشریح: قدرت کے لحاظ سے کھلا ہوا جس میں کوئی شک نہیں، اور ایسا باطن چھپا ہوا کہ جس کی حقیقت اور گہرائی تک کوئی شخص نہیں پہنچ سکتا، آنحضرت ﷺ نے اس کی تفسیر میں فرمایا: ”أَنَّ الظَّاهِرَ لَيْسَ ذُو نَفْسٍ شَفِئِي“ ظاہر کے معنی روشن کے بھی آتے ہیں اور غالب کے بھی آتے ہیں، حق تعالیٰ شانہ کا وجود اتنا روشن ہے کہ آپ سے اوپر کوئی چیز نہیں، اور آپ ہی اے اللہ باطن ہیں ”لَيْسَ ذُو نَفْسٍ شَفِئِي“ کہ آپ کی گہرائی تک کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ شیخ سعدی شیرازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

شبانہ نشستم دریں سحر گم
کہ حیرت گرفتہ آستینم کہ قم

کئی راتیں میں اس گم سحر میں بیٹھا غور کرنے کے لئے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کیا چیز ہے، آخر حیرت نے میری آستین پکڑ کر کہا کہ اٹھو:

نہ بر جانے مرکب تو اں داغمن

کہ جاہا سپر پائے داغمن

ہر جگہ گھوڑے نہیں دوڑایا کرتے، بہت سی جگہ سپر ڈال دیا کرتے ہیں، بہت سی جگہ سپر ڈالنا پڑتے ہیں۔

تو اں در بلاغت سبحان نصیب

نہ در ذات بے چوں سبحان نصیب

بلاغت میں سبحان و اہل (عربی کے عظیم اور فصیح بلیغ ادیب و خطیب) تک پہنچ سکتے ہیں، لیکن سبحان پاک ذات کی گہرائی تک نہیں پہنچ سکتے۔

تو وہ باطن بے چھپا ہوا، اتنا چھپا ہوا کہ وہاں تک کسی کی عقل تو کیا کسی کے وہم اور خیال کی بھی پرواز نہیں ہے۔

الظَّاهِرُ:

خواص: چھ ہیں:

۱:..... جو شخص نماز اشراق کے بعد پانچ سو مرتبہ ”الظَّاهِرُ“ کا ورد کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کی آنکھوں میں روشنی اور دل میں نور عطا فرمائے گا، اِنْ شَاءَ اللہ۔

- ۲:..... اگر بارش وغیرہ کا خوف ہو تو یہ اسم مبارک بکثرت پڑھے، ان شاء اللہ امان پائے گا۔
 ۳:..... اگر کوئی گھر کی دیوار پر یہ اسم مبارک لکھے ان شاء اللہ دیوار سلامت رہے۔
 ۴:..... جو کوئی سرمہ پر گیارہ بار یہ اسم مبارک پڑھ کر آنکھوں میں لگائے لوگ اس سے مہربانی کریں۔
 ۵:..... جو جمعہ کے دن پانچ سو بار یہ اسم مبارک پڑھے گا، اس کا باطن پر نور ہوگا اور ان شاء اللہ دشمن مغلوب ہوگا۔

۶:..... یہ ارباب مکاشفات کا ذکر ہے۔

الباطن:

خواص: آٹھ ہیں:

- ۱:..... جو شخص روزانہ تینتیس بار ”یا باطن“ پڑھا کرے ان شاء اللہ اس پر باطنی اسرار ظاہر ہونے لگیں گے اور اس کے قلب میں انس و محبت الہی پیدا ہوگی۔
 ۲:..... جو شخص دو رکعت نماز ادا کرے اس کے بعد ”ہُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ“ ایک سو پینتالیس بار پڑھے ان شاء اللہ اس کی تمام حاجتیں پوری ہوں گی۔
 ۳:..... جو کوئی اس اسم کو اکتالیس بار پڑھے ان شاء اللہ اس کا قلب نورانی ہو جائے گا۔
 ۴:..... جو اس اسم کو ہر نماز کے بعد تینتیس بار پڑھنے کا معمول بنائے تو اس کو جو دیکھے گا محبت کرے گا۔

- ۵:..... جو کوئی ہر روز اپنے دل میں یا زبان سے تین سو ساٹھ بار اس کا ورد عشاء یا فجر یا کسی بھی نماز کے بعد کرے گا، صاحب باطن اور واقف اسرار الہی ہوگا۔
 ۶:..... جو کسی کو امانت سونپے، یا زمین میں دفن کرے وہ کاغذ پر ”یا باطن“ لکھ کر اس کے ساتھ رکھ دے ان شاء اللہ کوئی اس میں خیانت نہ کر سکے گا۔
 ۷:..... جو ہر روز اسی بار کسی نماز کے بعد اس کو پڑھے گا واقف اسرار الہی ہوگا ان شاء اللہ۔
 ۸:..... جو ہر روز تین بار ایک گھنٹہ تک اس کو پڑھے اس کو انیسیت الہی نصیب ہوگی۔

۵۸ الوالی: ولایت والا

تشریح: مالک، صاحب، ولایت والا، حکومت والا۔

خواص: سات ہیں:

- ۱:..... جو کوئی اپنا یا کسی اور کا گھر ہر بلا اور بربادی سے بچانا چاہتا ہے تین سو بار ”الو الی“ پڑھے

ان شاء اللہ وہ گھر محفوظ رہے گا۔

۲:..... اگر کسی کو تسخیر کرنے کی نیت سے گیارہ بار پڑھے گا وہ آدمی اس کا مطیع و منقاد ہوگا

ان شاء اللہ۔

۳:..... بالکل نئے اور کورے آنچورے پر ”الْوَالِی“ لکھ کر اور پڑھ کر اس میں پانی بھرے،

پھر پانی کو گھر کے در و دیوار پر چھڑکے تو وہ گھر ان شاء اللہ محفوظ رہے گا۔

۴:..... جو کوئی اس اسم کو بہت پڑھے مخلوق میں ان شاء اللہ ذی مرتبہ ہوگا۔

۵:..... جو شخص کثرت سے ”الْوَالِی“ کا ورد رکھے گا وہ ان شاء اللہ ناگہانی آفتوں سے محفوظ

رہے گا۔

۶:..... اسے کثرت سے پڑھنا بجلی کی کڑک سے حفاظت کے لئے مفید ہے۔

۷:..... اس اسم کا ذکر ان لوگوں کے لئے بہت مفید ہے جن کو لوگوں پر بالادستی حاصل ہے مثلاً:

حاکم، افسر، شیخ وغیرہ۔

④ الْمُتَعَالِی: عالی شان

تشریح: بلند شان، عالی شان، اتنا عالی شان کہ: ”لَا اُخْصِی ثَنَاءً عَلَیْکَ اَنْتَ کَمَا اُثْنِیْتُ

عَلٰی نَفْسِکَ“ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: یا اللہ! میں آپ کی ثناء بیان نہیں کر سکتا، آپ ایسے ہی ہیں جیسا

کہ آپ نے خود اپنی ثناء بیان کی، ”مناجات مقبول“ میں آنحضرت ﷺ کی دعا ہے: ”اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ

بِکُلِّ اِسْمٍ هُوَ لَکَ اَنْزَلْتَهُ فِیْ کِتَابِکَ“ اے اللہ! میں سوال کرتا ہوں آپ کے ہر اسم اور ہر پاک نام کا

واسطہ دے کر جو آپ نے اپنی کتاب میں اتارا ہو، ”اَوْ عَلِمْتَهُ“ اَحَدًا مِنْ خَلْقِکَ اَوْ اِسْتَأْثَرْتَ بِہِ فِی عِلْمِ

الْغِیْبِ عِنْدَکَ“ یا آپ نے کسی کو سکھایا ہو، یا آپ نے کسی کو بھی نہیں بتایا اپنے علم غیب میں اس پاک نام کو

رکھا۔ اللہ تعالیٰ کے ناموں تک بھی پہنچنا ممکن نہیں، ذات کا کیا کہنا! المتعالی وہ بڑی شان والا ہے کہ وہاں تک

مخلوق کی حمد و ثناء نہیں پہنچ سکتی۔

خواص: سات ہیں:

۱:..... جو شخص کثرت سے ”الْمُتَعَالِی“ کا ورد رکھے ان شاء اللہ اس کی تمام مشکلات رفع ہوں گی۔

۲:..... جو عورت حالت حیض میں کثرت سے اس اسم کا ورد رکھے ان شاء اللہ اس کی تکلیف رفع ہوگی۔

۳:..... جو بدکردار عورت ایام کی حالت میں اس اسم کو بہت پڑھے گی وہ اپنی بد فعلی سے نجات

پائے گا۔

۴:..... جو شخص اتوار کی رات کو غسل کر کے آسمان کی طرف منہ کر کے اس کو تین بار پڑھ کر جو دعا مانگے گا ان شاء اللہ قبول ہوگی۔

۵:..... اس کا بکثرت ذکر کرنے سے رفعت (بلندی) حاصل ہوتی ہے۔

۶:..... جو حاکم کے پاس جاتے وقت یہ اسم پڑھ لے اسے جنت اور غلبہ نصیب ہوگا، ان شاء اللہ۔

۷:..... دشمن کی ہلاکت کے لئے سات دن تک روزانہ ایک ہزار بار پڑھنا مفید ہے۔

۵۰ البکۃ: نیکی

تشریح: ہر کے معنی نیکی اور بر کے معنی نیکی کرنے والا، اس سے مراد ہے اپنے بندوں پر احسان کرنے والا، اپنے بندوں کے ساتھ نیکی اور بھلائی کرنے والا۔ یہ بر سے ہے، بر مصدر ہوتا ہے، بر صفت کا صیغہ ہے۔

خواص: نو ہیں:

۱:..... جو کوئی شراب خوری یا زنا کاری جیسے گناہوں میں گرفتار ہو وہ روزانہ سات بار یہ اسم پڑھے ان شاء اللہ اس کا دل گناہوں سے ہٹ جائے گا۔

۲:..... جو اس کو آدمی وغیرہ کی آفتوں کے ڈر سے پڑھے ان شاء اللہ امن میں رہے گا۔

۳:..... جو شخص جب دنیا میں مبتلا ہو وہ اس اسم کو بکثرت پڑھے، ان شاء اللہ دنیا کی محبت اس کے دل سے جاتی رہے گی۔

۴:..... جو کوئی اس اسم مبارک کو ایک سانس میں سات بار اپنے لڑکے پر پڑھ کر اللہ تعالیٰ کے سپرد کرے گا وہ بچہ ان شاء اللہ بلوغ تک تمام آفات سے محفوظ رہے گا۔

۵:..... جو کوئی اس اسم کو پڑھے گا عزیز خلاق ہوگا۔ ان شاء اللہ۔

۶:..... یہ اسم خشکی اور سمندر کے مسافر کے لئے امان ہے۔

۷:..... جو اس اسم کو اپنے بچے کے سر پر پندرہ بار پڑھ کر یہ دعا مانگے: "اللّٰهُمَّ بِنِزْکَ هَذَا الْاِسْمِ رَبِّهِ لَا یَیْسِمَا وَلَا یَیْسِمَا" تو ان شاء اللہ یہ دعا قبول ہوگی اور بچہ نہ یتیم ہوگا اور نہ لیم۔

۸:..... گناہ کبیرہ کا مرتکب اگر سات سو بار یہ اسم مبارک پڑھے تو ان شاء اللہ گناہوں سے توبہ کی توفیق پائے۔

۹:..... اگر اس کے ساتھ "اَلْوَحِیْم" ملا کر "یَا بُوْیَا زَحِیْم" پڑھا جائے تو یہ قبولیت کے زیادہ

قریب ہے۔

۸۱) التَّوَابُ: توبہ قبول کرنے والا

تشریح: توبہ قبول کرنے والا، بندوں کے حال پر رُجوع کرنے والا۔
خواص: چھ ہیں:

۱:..... جو کوئی نماز چاشت کے بعد تین سو ساٹھ مرتبہ اس اسم کو پڑھا کرے گا، اِنْ شَاءَ اللہ اسے سچی توبہ نصیب ہوگی۔

۲:..... جو شخص کثرت سے اس اسم کو پڑھا کرے گا اِنْ شَاءَ اللہ اس کے تمام کام آسان ہوں گے اور نفس کو طاعت میں خوشی ہوگی۔

۳:..... اگر کسی ظالم پر دس مرتبہ یہ اسم پڑھ کر دم کیا جائے تو اِنْ شَاءَ اللہ اس سے خلاصی نصیب ہوگی۔

۴:..... جو کوئی چاشت کی نماز کے بعد ”اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ وَثَبْ عَلَيَّ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَابُ الرَّحِيْمُ“ پڑھے اس کے گناہ اِنْ شَاءَ اللہ بخشے جائیں گے۔

۵:..... جو اکتالیس دن تک آٹھ سو بار یہ اسم مبارک پڑھے گا اِنْ شَاءَ اللہ ظاہر و باطن کی نعمتوں سے نوازا جائے گا۔

۶:..... جو کوئی اس اسم کو لکھے اور بارش کے پانی سے دھو کر شراب کے عادی کو پلائے تو اس کی عادت چھوٹ جائے گی اور وہ اِنْ شَاءَ اللہ تائب ہو جائے گا۔

۸۲) الْمُنْعِمُ: نعمتیں دینے والا

تشریح: نعمتیں دینے والا، دُنیا و آخرت کی تمام نعمتیں اسی کے پاس ہیں، دُنیا میں جس کو چاہے دیدے، آخرت میں صرف اپنے نیک بندوں کو عطا کرے گا، صبح سے شام ہم جتنی نعمتیں بھی استعمال کرتے ہیں سب اس کی طرف سے ہیں۔

۸۳) الْمُنْتَقِمُ: انتقام لینے والا

تشریح: انتقام لینے والا، نعوذ باللہ! اللہ تعالیٰ اپنے انتقام سے بچائے، انتقام کا معنی بدلہ لینا، انتقام کس سے لیتا ہے؟ گناہگاروں سے نہیں، جانتا ہے کہ بندے گناہگار ہیں، انتقام لیتا ہے گستاخی کرنے والوں سے، ظالموں سے جو ظلم پر اتر آتے ہیں، اس کی مخلوق کے ساتھ زیادتی کرتے ہیں، ان سے انتقام لیتا ہے، یا جو اس کے بندوں کی شان میں، اس کے دین کی شان میں، اس کی کتاب کی شان میں یا اس کی ذات عالی کی

شان میں گستاخی کرتے ہیں، ان سے انتقام لیتا ہے، صحیح بخاری شریف میں ہے: ”مَنْ عَاذَ لِيْ وَلِيًّا فَقَدْ اٰذَنَهُ بِالْحَزْبِ“ جو شخص میرے کسی ولی سے دشمنی کرے، میں اس کے خلاف اعلان جنگ کرتا ہوں، اس سے اللہ انتقام لیتا ہے۔

خواص: چار ہیں:

۱:..... جو شخص حق پر ہو اور دشمن سے بدلہ لینے کی اس میں قدرت نہ ہو وہ تین جمعہ تک بکثرت ”یَا مُنْتَقِمُ“ پڑھے اللہ تعالیٰ دشمن سے خود ان شاء اللہ انتقام لے لیں گے۔

۲:..... جو کوئی آدھی رات کو یہ اسم مبارک جس نیت سے پڑھے گا وہ کام ان شاء اللہ سرانجام ہوگا۔

۳:..... جو کوئی عشاء یا فجر کی نماز کے بعد چالیس دن تک روزانہ ایک ہزار ایک بار ”يَا فَهَارُ يَا مُذِلُّ يَا مُنْتَقِمُ“ پڑھے گا تو ان شاء اللہ ظالم ہلاک ہوگا۔

۴:..... جو اس اسم کو بکثرت پڑھے گا ان شاء اللہ اس کی آنکھ ہرگز نہیں دکھے گی۔

۸۴) الْعَفْوُ: معاف کرنے والا

تشریح: معاف کرنے والا، بہت معاف کرنے والا، منتقم بھی ہے ظالموں سے انتقام لینے والا بھی ہے، باغیوں، ظالموں، گستاخوں سے انتقام بھی لیتا ہے، لیکن تصور کرنے کے بعد معافی مانگ لیں، معاف کرنے والا ہے۔

خواص: پانچ ہیں:

۱:..... جو شخص کثرت سے ”الْعَفْوُ“ پڑھے گا ان شاء اللہ اس کے گناہوں کو اللہ تعالیٰ معاف فرمادے گا اور اچھے اعمال کی توفیق بخشے گا۔

۲:..... جو تین ہفتہ تک اس اسم کا روز رکھے گا سب دشمن اس کے دوست بن جائیں گے اور لوگوں میں معزز ہوگا۔

۳:..... جو کوئی کسی شخص سے ڈرتا ہو اس اسم باریک کو بہت پڑھے ان شاء اللہ خوف دور ہوگا۔

۴:..... اگر اس اسم کے ساتھ ”الْعَفْوُ“ کو بھی ملا لیا جائے تو یہ قبولیت کے زیادہ قریب ہوگا۔

۵:..... جو اسے ایک سو چھپن بار پڑھے گا، اللہ تعالیٰ اسے خوف سے امن عطا فرمائے گا۔

۸۵) الرَّءُوفُ: بہت شفقت کرنے والا

تشریح: بہت شفقت کرنے والا، نہایت شفیق، اور اتنا شفیق اتنا شفیق کہ تمام ماؤں کی مستانج کر لی جائے تو اس کی شفقت کی ایک ادنیٰ تجلی ہے، اس کی شفقت کا حصہ بھی نہیں، ساری مائیں دنیا کی مل جائیں اور

ان کی محبت جمع کر لی جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کی شفقت کی ایک معمولی کرن ہے، اس کا حصہ بھی نہیں، اللہ تعالیٰ کی شفقت بے پایاں ہے۔

خواص: تین ہیں:

۱:..... جو کسی مظلوم کو ظالم کے ہاتھ سے چھڑانا چاہے "یا زؤوف" دس بار پڑھے وہ ظالم اس کی شفاعت قبول کرے گا۔

۲:..... جو کوئی اسے بکثرت پڑھے گا، ظالم کا دل اس پر مہربان ہوگا اور سب لوگ اس کو دوست رکھیں گے اور ان شاء اللہ اس پر مہربان ہوں گے۔

۳:..... جو شخص دس مرتبہ درود شریف اور دس مرتبہ اس اسم کو پڑھے گا، ان شاء اللہ اس کا غصہ رفع ہو جائے گا اور دوسرے غضب ناک شخص پر دم کرے تو اس کا غصہ بھی دور ہو جائے گا۔

۹۵ مَالِکُ الْمَلِکِ: سلطنت کا مالک

تشریح: ملک کا مالک، سلطنت کا مالک۔

خواص: چار ہیں:

۱:..... جو شخص "یا مَالِکُ الْمَلِکِ" کو ہمیشہ پڑھتا رہے گا، اللہ تعالیٰ اس کو غنی اور لوگوں سے بے نیاز فرما دے گا اور ان شاء اللہ وہ کسی کا محتاج نہیں رہے گا۔

۲:..... جو بادشاہ کسی ملک کو فتح کرنا چاہتا ہو وہ اس اسم کو بہت پڑھے ان شاء اللہ کامیاب ہوگا۔

۳:..... جو "یا مَالِکُ یا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ" بہت پڑھے گا وہ اگر فقیر ہوگا تو غنی ہو جائے گا، مگر یہ اسم کمال جلال رکھتا ہے۔

۴:..... جو بادشاہ اپنی حکومت کا استحکام چاہتا ہو وہ اس اسم کو بکثرت پڑھے۔

۹۶ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ: جلال اور عزت والا

تشریح: جلال اور عزت والا، جلال کا معنی بزرگی اور اس بزرگی میں عظمت پائی جاتی ہے جس کو قہر اور غلبہ کہتے ہیں، یعنی زُعب اور دبدبہ ہے جلال میں۔ اور اکرام کا معنی ہے عزت والا، بڑائی والا بزرگی والا، یہ بھی بزرگی ہوئی لیکن اس میں شفقت اور محبت کا پہلو پایا جاتا ہے تو حق تعالیٰ شانہ کی شان میں دونوں قسم کی عظمتیں اور بزرگیاں پائی جاتی ہیں، زُعب اور دبدبہ والی بزرگی بھی جس کو "جلال" کہتے ہیں اور شفقت و محبت والی بزرگی بھی جس کو "اکرام" کہتے ہیں۔

خواص: تین ہیں:

۱:..... جو شخص کثرت سے ”یا ذا الجلال والاکرام“ پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو عزت و عظمت اور مخلوق سے استغناء عطا فرمائیں گے۔

۲:..... بعض اس کو اسمِ اعظم کہتے ہیں، جو شخص ”یا ذا الجلال والاکرام“ پندگ الخیز و انت علی کل شیء قدید“ سو بار پڑھ کر پانی پر دم کرے اور وہ پانی بیمار کو پائے تو ان شاء اللہ بیمار شفا پائے گا، اگر بدل ممکن ہو گا تو اس عمل سے ان شاء اللہ سرور ہوگا۔

۳:..... جو کوئی روزانہ پابندی سے تین سو تینتیس بار ”یا مالک الملک یا ذا الجلال والاکرام“ پڑھے گا، دنیا اس کی فرمانبرداری ہے گی۔

۵۸) الرَّبُّ: پالنے والا

تشریح: پالنے والا، وہی سب کی تربیت کر کے حالت کمال تک پہنچاتا ہے۔

۵۹) الْمُقْسِطُ: عدل و انصاف کرنے والا

تشریح: عدل و انصاف کرنے والا، کسی کا بدلہ کسی کے پاس رہنے نہیں دے گا قیامت کے دن، حدیث شریف میں ہے: اگر کسی بکری نے کسی بے سینگ بکری کے سینگ مارا ہوگا قیامت دن دونوں کو زندہ کر کے بے سینگ کو سینگ دے کر کہا جائے گا کہ اس کو اتنی نگر مار، اس کا بدلہ دلوادیں گے اس کے بعد فرمائیں گے: ”کُونُوا اتقائا“ مٹی ہو جاؤ، یعنی جانور جو کہ مکلف بھی نہیں ہیں حق تعالیٰ شانہ ان میں بھی ایک کا بدلہ دوسرے کے پاس نہیں رہنے دیں گے، اس لئے فرمایا گیا کہ: اللہ تعالیٰ کے کتا ہوں کا مسئلہ پھر بھی کسی قدر آسان ہے، اللہ تعالیٰ کے جوہم نے تصور کئے ہیں اسی کو گناہ کہتے ہیں، ان کا مسئلہ پھر بھی آسان ہے کہ حق تعالیٰ شانہ معاف فرمادیں گے، لیکن بندوں کے حقوق کا معاملہ بڑا مشکل ہے، اس لئے کہ بندے معاف بھی نہیں کریں گے اور اللہ تعالیٰ چھوڑیں گے بھی نہیں جبکہ بدلہ دلوادیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: قیامت کے دن تین دفتر ہوں گے، ایک دفتر جس کو معاف نہیں کیا جائے گا، یہ کفر و شرک کا دفتر، یہ ناقابل معافی بغاوت ہے، دوسرا دفتر ہے جس کی اللہ تعالیٰ پروا نہیں کریں گے اور یہ وہ حقوق ہیں جو اس کے اور بندوں کے درمیان ہیں، چاہے اس کو معاف کر دیں یا اس پر سزا دے دیں، اور اگر سب کو معاف کر دے تو اس کو کوئی پروا نہیں، اور ایک دفتر وہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو چھوڑ دیں گے نہیں، یہ بندوں کے حقوق کا دفتر ہے، جس بندے کے ذمے جس کا جو حق ہو گا وہ اس کو ضرور دلائیں گے، یہی ہے ”المقط“ عدل و انصاف کرنے والا۔

خواص: پانچ ہیں:

- ۱:..... جو کوئی روزانہ اس اسم کو پڑھا کرے وہ ان شاء اللہ شیطانی وسوسوں سے محفوظ رہے گا۔
 ۲:..... اگر کوئی شخص کسی خاص اور جائز مقصد کے لئے سات سو مرتبہ اس اسم کو پڑھے گا تو ان شاء اللہ وہ مقصد پورا ہوگا۔

۳:..... جو کسی رنج میں مبتلا ہو وہ ہر روز ستر بار یہ اسم مبارک پڑھے ان شاء اللہ رنج سے نجات پائے گا۔

- ۴:..... جو کوئی اس اسم کو سو بار پڑھے گا، شیطان کے شر اور وسوسے سے بے خوف ہوگا۔
 ۵:..... اس اسم کی کثرت عبادت میں وسوسوں سے بچنے کا بہترین علاج ہے۔

⑨ الجامع: جمع کرنے والا

تشریح: جمع کرنے والا کہ قیامت کے دن تمام اولین کو، آخرین کو سب کو جمع کر دیں گے۔
 خواص: چار ہیں:

۱:..... جس شخص کے رشتہ دار اور احباب منتشر ہو گئے ہوں وہ چاشت کے وقت غسل کرے اور آسمان کی طرف منہ کر کے دس مرتبہ ”یا جامع“ پڑھے اور ایک انگلی بند کر لے اسی طرح ہر دس مرتبہ پر ایک ایک انگلی بند کرتا جائے، جب ساری انگلیاں بند ہو جائیں تو آخر میں دونوں ہاتھ منہ پر پھیرے ان شاء اللہ جلد سب جمع ہو جائیں گے۔

۲:..... اگر کوئی چیز گم ہو جائے تو ”اللّٰهُمَّ یا جامع الناس لیوم لا ینف ٰ فیہ اجمع صالّٰتی“ پڑھا کرے وہ چیز ان شاء اللہ مل جائے گی۔

۳:..... جائز محبت کے لئے بھی مذکورہ بالا دعا بے مثل ہے۔

۴:..... اپنے بچھڑے ہوئے اقارب سے ملنے کے لئے اس اسم کا ایک سو چودہ بار کھلے آسمان کے نیچے پڑھنا مفید ہے۔

⑩ الغنی: بے پروا

تشریح: بے پروا، اس کا معنی ظاہر ہے۔

خواص: آٹھ ہیں:

۱:..... جو شخص ستر بار روزانہ ”یا غنی“ پڑھا کرے، اللہ تعالیٰ اس کے مال میں برکت عطا فرمائے گا اور ان شاء اللہ کسی کا محتاج نہ رہے گا۔

۲:..... جو شخص کسی ظاہری یا باطنی مرض یا بلا میں گرفتار ہو وہ اپنے تمام اعضاء اور جسم پر ”یا غنی“

پڑھ کر دم کیا کرے ان شاء اللہ نجات پائے گا یہ مرض طبع (لاج) کا بھی علاج ہے۔

۳:..... جو کوئی اس اسم کو ایک ہزار بار پڑھا کرے وہ ان شاء اللہ مال دار ہو جائے گا اور محتاج

نہ ہوگا۔

۴:..... جو اس کو لکھ کر اپنے پاس رکھے مفلس نہ ہو۔

۵:..... جو کوئی اس کو لکھ کر اپنے مال میں رکھے ان شاء اللہ اس میں برکت ہوگی۔

۶:..... جو کوئی اس اسم کا در رکھے گا اس کے اعضاء کا درد جاتا رہے گا۔

۷:..... جو کوئی جمعرات کے دن ہزار بار یہ اسم مبارک پڑھے گا ان شاء اللہ دولت پائے گا۔

۸:..... جو شخص جمعہ کی نماز کے بعد ستر بار پابندی سے یہ دعا مانگا کرے گا اللہ تعالیٰ اسے غنی

فرمادے گا: ”اَللّٰهُمَّ يَا غَنِيَّ يَا حَمِيْدٌ يَا مُبْدِيَّ يَا مُعِيْدٌ يَا فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ يَا رَحِيْمٌ يَا وَدُوْدُ اَكْفِنِيْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَزَائِكَ وَبِطَاعَتِكَ عَنْ مَعْصِيَّتِكَ وَبِفَضْلِكَ عَنْ مَسَاوِيْكَ“

⑥ الْمَغْنَى: غنی کرنے والا،

تشریح: غنی کرنے والا، بے پردائی کرنے والا، وہ خود غنی ہے، سب سے بے نیاز ہے، اسے کسی کی بھی احتیاج نہیں، احتیاج ہی سے پاک ہے ایک غنی تو وہ ہوتا ہے کہ جس کو ہم غنی کہتے ہیں یعنی اس کی ساری ضرورتیں پوری ہو رہی ہیں، اس کے پاس اتنا سرمایہ ہے کہ اس کی ساری ضرورتیں پوری ہو رہی ہیں، اور ایک غنی وہ ہے کہ جو احتیاج ہی سے پاک ہے، یہ نہیں کہ ضرورت ہے اور ضرورت پوری ہو رہی ہے، وہاں ضرورت ہی نہیں، بندوں میں جو غنی کہلاتے ہیں وہ وہ کہلاتے ہیں کہ جن کی ضرورتیں پوری ہو رہی ہیں، اور حق تعالیٰ شانہ کی جو صفت ہے ”غنی“ اس کا مطلب ہے کہ وہ احتیاج ہی سے پاک ہے، اس لئے حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ: غنا سامان کی کثرت کے ساتھ نہیں ہے، بلکہ غنا دل کا غنا ہوتا ہے۔ (کنز العمال: ۵۳۹/۳۳)

یعنی دل ہی احتیاج سے پاک ہو جائے،

خواص: گیارہ ہیں:

۱:..... جو شخص اول اور آخر میں گیارہ مرتبہ درود شریف پڑھ کر گیارہ سو مرتبہ وظیفہ کی طرح یہ اسم پڑھے اللہ تعالیٰ اس کو ظاہری و باطنی خنا عطا فرمائے گا یہ عمل فجر یا عشاء کی نماز کے بعد کرے اور اس کے ساتھ سورہ مزمل بھی تلاوت کرے۔

۲:..... جو کوئی اس اسم کو ایک ہزار دو سو ستر بار ہر روز بلا تاخیر پڑھے گا، ان شاء اللہ غنی ہو جائے گا۔

۳:..... جو کوئی اس اسم مبارک کو لکھ کر اپنے پاس رکھے کبھی فقیر نہ ہو۔

۴:..... جو کوئی دس جمعوں تک ہر جمعہ کو ایک ہزار بار یا دس بار یہ اسم پڑھے گا ان شاء اللہ تبارک و تعالیٰ اسے بے نیاز ہوگا۔

۵:..... جو کوئی قرابت سے پہلے ستر بار یہ اسم پڑھ لے بہت اساک ہوگا۔

۶:..... جو بہت مفلس ہو وہ فجر کے وقت فرض و سنت کے درمیان دو سو بار اور ظہر، عصر اور مغرب کے بعد دو سو بار اور عشاء کے بعد تین سو بار یہ اسم مبارک پڑھے ان شاء اللہ غنی ہوگا۔

۷:..... جو کوئی اس اسم مبارک کو گیارہ سو بار روزانہ پڑھا کرے اسے صفائی قلب حاصل ہوگی۔

۸:..... جو گیارہ سو مرتبہ ”یا مغنی“ اور بسم اللہ کے ساتھ گیارہ سو بار ”لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ“ اور بغیر بسم اللہ کے سو بار درود شریف اور دو مرتبہ سورہ مزمل پڑھے گا اس کی روزی میں خوب وسعت ہوگی۔

۹:..... جس جگہ تکلیف ہو یہ اسم پڑھ کر ہاتھ پر دم کر کے اس جگہ ملنے سے ان شاء اللہ تندرست ہو جائے گا۔

۱۰:..... جو شخص روزانہ گیارہ سو اکیس بار یہ اسم پڑھتا رہے، ان شاء اللہ کبھی محتاج نہیں ہوگا۔

۱۱:..... اگر کوئی سورہ الفی پڑھ کر یہ اسم پڑھے گا پھر کہے گا: ”اَللّٰهُمَّ يَسِّرْ لِيْ لِلْيَسْرِ الَّذِيْ يَسِّرُكَ لِكَيْسَرَ مِنْ خَلْقِكَ وَ اَغْنِنِيْ بِفَضْلِكَ عَنْ مَسَاكٍ“ تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے غیب سے مددگار بھیجے گا۔

۹۲) الْمُعْطَى: سب کو عطا کرنے والا

تشریح: سب کو عطا کرنے والا، اپنے خزانوں سے سب کو دینے والا، جس کے پاس جو کچھ ہے اس کی عطا کی وجہ سے ہے۔

۹۳) الْمَانِعُ: روکنے والا

تشریح: روکنے والا، جس سے جس چیز کو چاہے روک دے، حدیث شریف میں آتا ہے:

”اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مُفْطِنَ لِمَا مَنَعْتَ“ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

ترجمہ: ”اے اللہ! کوئی روکنے والا نہیں اس کو جو آپ عطا فرمائیں، اور کوئی دینے والا

نہیں اس چیز کو جس کو آپ روک دیں۔“

خواص: پانچ ہیں:

۱:..... اگر بیوی سے جھگڑا یا ناچاقی ہو تو بستر پر لیٹتے وقت بیس مرتبہ یہ اسم پڑھا کرے ان شاء اللہ

جھگڑا ختم اور ناچاقی دور ہو جائے گی اور باہمی انس و محبت پیدا ہو جائے گی۔

- ۲:..... جو کوئی بکثرت اس اسم کا ورد رکھے گا ان شاء اللہ وہ ہر شر سے محفوظ رہے گا۔
 ۳:..... اگر کسی خاص اور جائز مقصد کے لئے یہ اسم مبارک پڑھے گا تو ان شاء اللہ مقصد میں کامیابی ہوگی۔

- ۴:..... جو کوئی اس اسم کو سو بار پڑھے گا ان شاء اللہ دو شخصوں کے درمیان لڑائی ختم ہو جائے گی۔
 ۵:..... جو اپنی مراد تک نہ پہنچ سکے وہ اس کو صبح و شام پڑھا کرے، ان شاء اللہ مراد حاصل ہوگی۔

۵۵ الضَّارُّ: ضرر پہنچانے والا

تشریح: ضرر پہنچانے والا، نقصان پہنچانے والا۔

خواص: پانچ ہیں:

- ۱:..... جو شخص شب جمعہ میں سو مرتبہ ”الضَّارُّ“ پڑھا کرے وہ ان شاء اللہ تمام ظاہری اور باطنی آفتوں سے محفوظ رہے گا اور قرب خداوندی اسے حاصل ہوگا۔

- ۲:..... جو کوئی اس اسم پاک کو پڑھے اور ظالم کا نام لے ان شاء اللہ اس کو ضرر پہنچے گا اور پڑھنے والا اس کے ظلم سے محفوظ رہے گا۔

- ۳:..... جس کو ایک حال و مقام میسر ہو سو بار شب جمعہ میں اس اسم کو پڑھنے کا معمول بنائے، اللہ تعالیٰ اس کو ہر مقام میں ثابت رکھے گا اور اہل قرب کے مرتبہ تک پہنچا دے گا، اس مرتبہ کے آگے ظاہری کمال کی کچھ اصل نہیں۔

- ۴:..... جس کی عزت کم ہو، ہر شب جمعہ اور ایام بیض میں سو بار نماز عشاء کے بعد یہ اسم مبارک پڑھا کرے ان شاء اللہ محترم رہے گا۔

- ۵:..... جو ہر شب جمعہ سو بار ”الضَّارُّ النَّافِعُ“ پڑھا کرے گا ان شاء اللہ اپنی قوم میں معزز اور جسمانی طور پر باعافیت رہے گا۔

۶۱ النَّافِعُ: نفع پہنچانے والا

- تشریح: نفع پہنچانے والا، یعنی نفع پہنچانے والا بھی وہی اور نقصان پہنچانے والا بھی وہی ہے، یہ نہیں کہ کسی کی ضد میں آخر نقصان پہنچاتا ہے بلکہ نفع اور نقصان دونوں اسی کی طرف سے آتے ہیں۔

خواص: سات ہیں:

- ۱:..... جو کوئی کشتی وغیرہ سواری میں سوار ہونے کے بعد ”النَّافِعُ“ کثرت سے پڑھتا رہے گا ان شاء اللہ تمام آفات سے محفوظ رہے گا۔

۲:..... جو شخص کسی کام کو شروع کرتے وقت اکتالیس مرتبہ ”یٰمٰنٰفِیْع“ پڑھا کرے ان شاء اللہ وہ کام حسبِ منشا ہوگا۔

۳:..... جو شخص بیوی سے جماع کرتے وقت یہ اسم پہلے پڑھ لیا کرے تو ان شاء اللہ اولاد صالح نصیب ہوگی۔

۴:..... جو کوئی اس اسم کو پڑھ کر مریض پر دم کرے ان شاء اللہ وہ شفا پائے گا۔

۵:..... جو ماہِ رجب میں اس کا ورد کرے گا ان شاء اللہ اس راہِ الٰہی سے آگاہ ہوگا۔

۶:..... جو چار روز جہاں تک ہو سکے پڑھے گا ان شاء اللہ کبھی کسی غم میں نہ پھنسے گا۔

۷:..... جو سفر حج میں اسے پڑھا کرے ان شاء اللہ بخیر گھر واپس آئے گا۔

⑤ النُّوْرُ: وہ نور ہے

تشریح: وہ نور ہے، ﴿اِنَّهُ نُوْرٌ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ (النور: ۳۵) قرآن مجید میں ہے، اور بہت سے علمائے کرام نے اس کی تفسیر میں فرمایا: نور کا معنی ہے منور، آسمان اور زمین کا روشن کرنے والا، نور کہتے ہیں اس چیز کو جو خود ظاہر ہو اور اس سے دوسری چیزیں ظاہر ہو جائیں، جیسے ہماری روشنی ہے یہ خود ظاہر ہے اور اسی سے دوسری چیزیں ظاہر ہوتی ہیں، اللہ تعالیٰ کے نور ہونے کا مطلب یہ ظاہری روشنی نہیں بلکہ بذات خود ظاہر ہے اور دوسروں کو ظاہر کرنے والا ہے، وہ نور الانوار ہے، تمام کے تمام نور اسی کی ذات سے پھوٹتے ہیں، اسی کی ذات سے اقتباس کرتے ہیں۔

خواص: چار ہیں:

۱:..... جو شخص شبِ جمعہ میں سات مرتبہ سورہ نور اور ایک ہزار بار اس اسم کو پڑھا کرے ان شاء اللہ اس کا دل نور الٰہی سے منور ہو جائے گا۔

۲:..... جو کوئی اس اسم کو ”الْناْفِیْع“ کے ساتھ ملا کر پڑھے اور مریض پر دم کرے تو ان شاء اللہ شفا ہوگی۔

۳:..... جو صبح کے وقت اس کے ذکر کو لازم پکڑے گا اس کا دل روشن ہوگا۔

۴:..... جو کوئی اندھیرے کمرے میں آنکھیں بند کر کے اس اسم کا اس قدر ذکر کرے کہ حال طاری ہو جائے وہ عجیب و غریب انوار کا مشاہدہ کرے گا اور اس کا دل نور سے بھر جائے گا، یہ اسم اہل بصیرت و رکاشات کے لئے بہت مناسب ہے۔

۹۸) الہادی: ہدایت کرنے والا

تشریح: ہدایت کرنے والا، راہِ راست کی ہدایت کرنے والا بھی وہی ہے اور جو لوگوں کے مقاصد اور مطالب ہیں ان تک رہنمائی کرنے والا بھی وہی ہے۔

خواص: آٹھ ہیں:

۱:..... جو شخص ہاتھ اٹھا کر آسمان کی طرف منہ کر کے بکثرت ”یا ہادی“ پڑھے اور آخر میں چہرہ پر ہاتھ پھیر لے اس کو ان شاء اللہ کامل ہدایت نصیب ہوگی اور اہل معرفت میں شامل ہو جائے گا۔

۲:..... جو کوئی گیارہ سو بار: ”یا ہادی اھدنا الصراط المستقیم“ عشاء کی نماز کے بعد پڑھ لیا کرے وہ ان شاء اللہ کسی کا محتاج نہ رہے گا اور سیدھے راستے کی ہدایت نصیب ہوگی۔

۳:..... جب کسی کو کوئی مشکل پیش آئے وہ دو رکعت نماز پڑھے، اور دونوں رکعتوں میں سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ اخلاص پڑھے اور سلام کے بعد یہ اسم ایک سانس میں جس قدر ہو سکے پڑھے، جب سانس ٹوٹ جائے تو دعائے گے گا ان شاء اللہ قبول ہوگی۔

۴:..... جو کوئی سفر پر ہو اور اسے راستہ نہ ملے تو وہ کہے: ”یا ہادی اھدنا الصراط المستقیم“ ان شاء اللہ راستہ مل جائے گا۔

۵:..... اس کے ذکر سے یا لکھ کر پاس رکھنے سے بصیرت اور فہم صحیح پیدا ہوتا ہے، اس کا ذکر اہل حکومت کے لئے بھی مناسب ہے۔

۶:..... جو فرائض کے بعد چار سو بار اس کا ورد کرے گا، اسے مدد عظیم حاصل ہوگی۔

۷:..... اگر بادشاہ اس کا اس قدر ذکر کریں کہ حال طاری ہو جائے تو رعایا ان کی فرمانبرداری ہوگی۔

۸:..... سالکین کی سیرِ علوی (عالم بالا کی سیر) کے لئے اس کا ذکر مفید ہے۔

۹۹) البدیع: بے نظیر

تشریح: بے نظیر اور بغیر نمونے کے پیدا کرنے والا۔

خواص: پانچ ہیں:

۱:..... جس شخص کو کوئی غم یا مصیبت یا کوئی بھی مشکل پیش آئے وہ ایک ہزار مرتبہ ”یا بدیع“

السموات والأرض“ پڑھے ان شاء اللہ کشائش (کشادگی) نصیب ہوگی۔

۲:..... جو شخص اس اسم کو با وضو پڑھتے ہوئے سو جائے تو جس کام کا ارادہ ہو ان شاء اللہ خواب میں

نظر آ جائے گا

۳:..... جو کوئی نماز عشاء کے بعد: ”یا بَدِیعُ الْعَجَائِبِ بِالْخَیْرِ یا بَدِیعُ“ بارہ سو مرتبہ بارہ دن پڑھے گا تو جس کام کا یا مقصد کے لئے پڑھے گا وہ ان شاء اللہ پورا عمل ختم ہونے سے پہلے حاصل ہو جائے گا۔
۴:..... کسی غم یا اہم حاجت کے لئے ستر ہزار مرتبہ ”یا بَدِیعُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ“ پڑھے ان شاء اللہ غم رفع ہوگا اور حاجت پوری ہوگی۔

۵:..... جو اس اسم کا بکثرت ورد کرے گا، اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم و حکمت عطا کی جائے گی اور اللہ تعالیٰ اس کی زبان سے ان علوم کو جاری فرمائے گا جن کو وہ پہلے نہ جانتا ہو۔

⑤ الباقی: ہمیشہ باقی رہنے والا

تشریح: ہمیشہ باقی رہنے والا، اسی کو اصل میں بھا ہے، باقی سب کو فنا ہے۔
خواص: پانچ ہیں:

۱:..... جو شخص اس اسم کو ایک ہزار مرتبہ جمعہ کی رات میں پڑھے گا، اللہ تعالیٰ اس کو ہر طرح کے ضرر و نقصان سے محفوظ رکھے گا اور ان شاء اللہ اس کے تمام نیک اعمال مقبول ہوں گے اور اسے غم سے خلاصی نصیب ہوگی۔

۲:..... جو سورج نکلنے سے پہلے سو بار روزیہ اسم مبارک پڑھے گا ان شاء اللہ مرتے دم تک کوئی دکھ نہ پائے گا اور عاقبت (آخرت) میں بخشا جائے گا۔

۳:..... جو اس اسم کو پابندی سے ہفتہ کے دن کسی دشمن کی مظلومی کی نیت سے با وضو بعد دو رکعت نفل سو بار پڑھے گا ان شاء اللہ دشمن اس کے مطیع و فرمانبردار ہوں گے۔

۴:..... جو اس اسم کو ہر فرض نماز کے بعد ایک سو تیرہ بار پڑھنے کا معمول بنائے گا، اسے اس کے منصب سے کوئی معزول نہیں کر سکے گا خواہ اس کے خلاف جن و انس جمع ہو جائیں۔

۵:..... جو ایک سو بار ”یا باقی“ پڑھتا رہے گا ان شاء اللہ اس کے اعمال مقبول ہوں گے۔

⑥ الْوَارِثُ: پیچھے رہنے والا

تشریح: پیچھے رہنے والا، آپ جانتے ہیں کہ کوئی آدمی مرجاتا ہے اسکے پیچھے رہنے والے اسکے وارث کہلاتے ہیں، اللہ تعالیٰ سب کا وارث ہے، ساری کائنات فنا ہو جائے گی وہ پیچھے مالک رہ جائے گا۔
خواص: تین ہیں:

۱:..... جو شخص طلوع آفتاب کے وقت سو مرتبہ ”یا وارث“ پڑھے گا ان شاء اللہ دنیا و آخرت میں ہر رنج و غم اور سختی و مصیبت سے محفوظ رہے گا اور خاتمہ بالخیر ہوگا، یہ خفیہ رازوں میں سے ہے۔

۲:..... جو کوئی مغرب عشاء کے درمیان ایک ہزار مرتبہ یہ اسم مبارک پڑھے ہر طرح کی حیرانی و پریشانی سے ان شاء اللہ محفوظ رہے گا۔

۳:..... جو کوئی اس اسم کو کثرت سے پڑھتا رہے گا، اس کے مال میں برکت ہوگی، اس کے سب کام برآئیں گے اور وہ امن میں رہے گا اور ان شاء اللہ اس کی عمر دراز ہوگی۔

④ الرَّشِيدُ: رہنمائی کرنے والا

تشریح: رشید کا لفظ رشید سے ہے، رشید کا معنی ہدایت ہے اور رہنمائی کے ہیں، الرشید کا معنی رہنمائی کرنے والا۔

خواص: پانچ ہیں:

۱:..... جس کو اپنے کسی کام یا مقصد کی تدبیر سمجھ میں نہ آئے وہ مغرب و عشاء کے درمیان ایک ہزار بار ”یارشید“ پڑھے ان شاء اللہ خواب میں تدبیر نظر آئے گی، یا دل میں اس کا القا ہو جائے گا۔
۲:..... اگر روزانہ اس اسم کا ورد رکھے تو ان شاء اللہ تمام مشکلات دور ہو جائیں گی اور کاروبار میں خوب ترقی ہوگی۔

۳:..... جو اس اسم مبارک کو مباشرت سے پہلے پڑھے ان شاء اللہ فرزند صالح و پرہیزگار پیدا ہوگا۔
۴:..... درست فیصلے کی طرف رہنمائی کے لئے اس اسم کو عشاء کے بعد ایک سو بار پڑھنا مفید ہے۔
۵:..... جو عشاء کے بعد سو بار یہ اسم مبارک پڑھے گا ان شاء اللہ اس کا عمل قبول ہوگا۔

⑤ الصَّبُورُ: بہت صبر والا

تشریح: بہت صبر والا، ہماری زبان میں صبر اس کو کہتے ہیں کہ کسی کو تکلیف آجائے، نفس کے خلاف کوئی چیز پیش آجائے اس کو آدمی رضائے الہی کے لئے برداشت کرے، اس کو صبر کہتے ہیں، لیکن اللہ کی ذات عالی میں اس کا معنی یہ ہے کہ اس کے حکم بخلاف بندوں کی جانب سے جو چیزیں پیش آتی ہیں ان پر جلدی سے گرفت نہیں فرماتے بلکہ حلم فرماتے ہیں، بردباری فرماتے ہیں، تو حلیم کے ہم معنی بن جاتا ہے، ”الصبور“ بڑے سہارے والا جو بدکاروں کو جلد نہیں پکڑتا۔

خواص: سات ہیں:

۱:..... جو شخص طلوع آفتاب سے پہلے سو مرتبہ اس اسم کو پڑھے وہ ان شاء اللہ ہر مصیبت سے محفوظ رہے گا اور دشمنوں، حاسدوں کی زبانیں بند رہیں گی۔
۲:..... جو کوئی کسی بھی مصیبت میں گرفتار ہو وہ ایک ہزار مرتبہ اس اسم کو پڑھے ان شاء اللہ اس

سے نجات پائے گا اور اطمینان قلب نصیب ہوگا۔

۳..... جو کوئی اس اسم کو کثرت سے پڑھے اس کا رنج دور ہو اور سرور حاصل ہو۔

۴..... تمام حاجات کے لئے اس کو دوسواٹھانوے بار ہر روز پڑھے۔

۵..... جس کو درد، رنج یا مصیبت پیش آئے تینتیس بار اس اسم کو پڑھے ان شاء اللہ اس کی پریشانی

دور ہوگی۔

۶..... جو آدھی رات میں یا دوپہر کو اس اسم کو پڑھنے کی مداومت کرے گا اس کو دشمنوں کی زبان

بندی، خوشنودی اور بادشاہ کی رضا مندی حاصل ہوگی یہ اسم دلوں کے غضب اور رنج و غم دور کرنے کی خاصیت

رکھتا ہے۔

۷..... یہ اسم مبارک اہل مجاہدہ کا ورد ہے کہ اس کے ذریعے انہیں ثابت قدمی نصیب ہوتی ہے۔

دُعا

یا اللہ! اپنے تمام پاک ناموں کی برکت سے ہماری دنیا و آخرت کی تمام مشکلات آسان فرما دے۔

یا اللہ! اپنے تمام پاک ناموں کی برکت سے ہماری تمام پریشانیاں دور فرما دے، یا اللہ! تمام

آفات اور بلیات سے ہماری حفاظت فرما، یا اللہ! تمام بیماروں کو شفا عطا فرما، یا اللہ! تمام ضرورت مندوں کی

ضرورت پوری فرما، یا اللہ! ہمارے تمام گناہوں کو معاف فرما، یا اللہ! ہم سب کی بخشش فرما، یا اللہ! اپنے پاک

گھر جنت میں ہمیں بھی داخلہ نصیب فرما، اپنے نیک بندوں کے ساتھ ہمیں بھی ملحق فرما، آمین۔

توبہ و استغفار کا بیان

[حدیث: ۸۳۳] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَدْنَبَ عَبْدُ ذُنْبٍ فَقَالَ اللَّهُمَّ

اغْفِرْ لِي ذُنْبِي وَقَالَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى أَدْنَبَ عَبْدِي ذُنْبًا عَلِمَ أَنَّ لَهُ رَبًّا يَغْفِرُ

الذُّنُوبَ وَيَأْخُذُ بِالذُّنْبِ ثُمَّ عَادَ فَأَدْنَبَ فَقَالَ أَيْ رَبِّ اغْفِرْ لِي ذُنْبِي فَقَالَ

تَبَارَكَ وَتَعَالَى عَبْدِي أَدْنَبَ ذُنْبًا عَلِمَ أَنَّ لَهُ رَبًّا يَغْفِرُ ذُنْبًا وَيَأْخُذُ بِالذُّنْبِ ثُمَّ عَادَ

فَأَدْنَبَ فَقَالَ أَيْ رَبِّ اغْفِرْ لِي ذُنْبِي فَقَالَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى أَدْنَبَ عَبْدِي ذُنْبًا عَلِمَ

أَنَّ لَهُ رَبًّا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ وَيَأْخُذُ بِالذُّنْبِ اْعْمَلْ مَا شِئْتَ فَقَدْ عَفَرْتُ لَكَ قَالَ

عَبْدُ الْأَعْلَى أَحَدُ رَوَاةِ الْحَدِيثِ هَذَا الْحَدِيثُ لَا أَذْرِي أَقَالَ فِي الْقَائِلَةِ أَوْ

الرَّابِعَةِ اْعْمَلْ مَا شِئْتَ۔“ (متفق علیہ)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ایک بندے نے کوئی گناہ کیا پھر کہا کہ یا اللہ! میرے لئے میرا گناہ بخش دے، پس اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے بندے نے ایک گناہ کیا، بندے کو معلوم ہے کہ اس کا ایک رب ہے جو گناہ بخش دیتا ہے اور گناہ پر پکڑ بھی کرتا ہے، اس نے دوبارہ گناہ کیا پس کہا اے میرے پروردگار! میری بخشش فرما دے، میرے لئے میرا گناہ بخش دے، پس اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میرے بندے نے گناہ کیا پس اس نے جانا کہ میرا ایک رب ہے جو گناہ کو معاف بھی کر دیتا ہے اور گناہ پر مواخذہ بھی کرتا ہے، پھر بندے نے تیسری مرتبہ گناہ کیا، پس کہا کہ اے رب! میرے لئے میرا گناہ معاف فرما دے، پس اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے بندے نے ایک اور گناہ کیا، اس کو معلوم ہے کہ اس کا ایک رب ہے جو گناہ بخش دیتا ہے اور گناہ پر پکڑ بھی کیا کرتا ہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ تو جو چاہے کر میں نے تیری بخشش فرمادی، محدث عبد الاعلیٰ فرماتے ہیں (جو حدیث کے ایک راوی ہیں) کہ مجھے یاد نہیں رہا کہ یہ بات اللہ تعالیٰ نے تیسری مرتبہ میں فرمائی یا چوتھی مرتبہ میں کہ جو چاہے کر۔

تشریح: آنحضرت اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک بندے سے گناہ سرزد ہوا، گناہ کرنے کے بعد کہتا ہے کہ اے اللہ! مجھ سے گناہ ہو گیا ہے اور آپ میرے گناہ کو بخش دیں، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میرے بندے سے گناہ ہوا اور بندے کو یہ علم ہے کہ میرا ایک رب ہے جو گناہ پر مواخذہ بھی کرتا ہے اور اس کو معاف بھی کر سکتا ہے، بندے نے دوبارہ گناہ کیا اور گناہ کر کے کہتا ہے: یا اللہ! میں نے گناہ کیا ہے تو اپنی رحمت سے اس کو معاف فرما دے، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میرے بندے سے گناہ ہوا ہے اور بندے کو اس بات کا علم ہے کہ میرا ایک رب ہے جو گناہ بخش دیا کرتا ہے اور چاہے تو پکڑ بھی سکتا ہے، تیسری مرتبہ میں پھر گناہ کیا اور گناہ کر کے بندہ کہتا ہے کہ اے میرے اللہ! مجھ سے گناہ سرزد ہو گیا ہے، مجھے معاف فرما دے، اللہ تبارک نے ارشاد فرمایا کہ میرے بندے نے گناہ کیا ہے اور بندے کو معلوم ہے کہ میرا ایک رب ہے جو گناہ پر پکڑ بھی لیتا ہے اور معاف بھی کر دیتا ہے، اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ اب تو جو چاہے کر میں نے تجھے معاف کر دیا یعنی تیرے تمام گناہ معاف کر دیے، حدیث کے راوی عبد الاعلیٰ فرماتے ہیں کہ مجھے ذہن میں نہیں رہا کہ یہ بات اللہ تعالیٰ نے تیسری مرتبہ میں فرمائی تھی یا چوتھی مرتبہ میں فرمائی تھی۔

اسی نوے سال گناہ کرنے کے بعد بھی بندہ کہہ دے یا اللہ! مجھ سے غلطی ہو گئی ہے، معاف فرما دے! اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: معاف کر دیا۔ ہمارے بزرگ تو فرماتے ہیں کہ بندہ نے گناہ کیا، گناہ کرنے کے بعد توبہ کر لی اور توبہ کا مطلب یہ ہے کہ اب گناہ نہیں کروں گا، اس وقت یہ نیت ہو کہ میں پھر نہیں کروں گا

چاہے دو منٹ بعد پھر کر لے، لیکن ایک دفعہ سچے دل کے ساتھ کہہ دے کہ اب گناہ نہیں کروں گا، اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو معاف فرمادیتے ہیں، اور اگر پھر گناہ ہو جائے پھر معافی مانگ لے، گناہ کرنے سے تو پرہیز نہیں کرتا لیکن توبہ کرنے سے پرہیز کرتا ہے یہ شیطان کا چکر ہے اگر پرہیز کرتا ہے تو گناہ سے پرہیز کرو اور اگر گناہ ہو گیا تو پھر فوراً گرجاؤ سجدے میں کہ یا اللہ غلطی ہو گئی ہے گناہ ہو گیا ہے، معاف کر دے۔

توبہ کے کیا معنی ہیں؟

اور ”توبہ“ کے معنی محض زبان سے توبہ کا لفظ بولنا نہیں ہے، صرف زبان سے کہہ دو: ”یا اللہ! میری توبہ، یا اللہ! میری توبہ، یا اللہ! میری توبہ“ یہ حقیقی توبہ نہیں ہے، بلکہ توبہ کے ظاہری الفاظ ہیں، ایک عارف کا شعر ہے:

بسجہ در کف، توبہ بر لب، دل پر از ذوق گناہ

محسیت را خندہ می آید بر استغفار ما!

یعنی ہاتھ میں تسبیح ہے، زبان پر توبہ ہے، لیکن دل گناہ کے ذوق سے بھرے ہوئے ہیں، گناہوں کو چھوڑنے کی نیت نہیں۔ ہم سب ایسا ہی استغفار کرتے ہیں، ”یا اللہ! توبہ“، ”یا اللہ! معاف کر دے“ تو گناہ کو ہماری ایسی توبہ پر ہنسی آتی ہے، دل کو تو گناہ کی گندگی سے دھونے اور صاف کرنے کا ارادہ نہیں کرتا، لیکن زبان سے توبہ کر رہا ہے۔ توبہ کے حقیقی معنی یہ ہیں کہ ظاہر اور باطن کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے معافی کے طالب بنیں، گناہ کو ترک کر دینے کا عزم اور ارادہ کر لیں، اور گناہ میں مبتلا ہونے کی وجہ سے دین و ایمان کو جو نقصان پہنچا ہے، اس کی طمانی کرنے کا بھی عزم کریں، مثلاً: بے نمازی ہے، نماز نہیں پڑھتا، یا گنڈے دار پڑھتا ہے، جب پوچھا جائے کہ: ”بھئی! نماز بھی پڑھتے ہو؟“ تو کہتا ہے کہ: ”کبھی کبھی پڑھ لیتے ہیں، جب فرصت ہوتی ہے!“ نہ بھائی! نماز تو ایسی چیز نہیں ہے جو کبھی کبھی پڑھی جائے، یہ تو ایمان کی غذا ہے، جس طرح بدن کی غذا ہوتی ہے، کوئی آپ سے پوچھے کہ: ”آپ کھانا کھایا کرتے ہیں؟“ تو کیا آپ یہ جواب دیں گے کہ: ”کبھی کبھی کھالیا کرتے ہیں؟“

توبہ کے قبول ہونے کی شرائط

۱:..... توبہ کے لئے سب سے پہلی بات تو یہ ضروری ہے کہ آدمی کے دل میں یہ مضمون پیدا ہو جائے کہ گناہ کر کے میں اللہ تعالیٰ سے دور ہو گیا ہوں، اور میں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ عالی میں جرم کا ارتکاب کیا ہے، میں مجرم ہوں، اس احساس کے ساتھ اس کے دل میں توبہ پیدا ہوگی اور اس کی علامت دل میں شرمسار اور شرمندہ ہو جانا اور آنکھیں اوپر نہ اٹھا سکتا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے جب خطا کا صدور ہوا تھا، اور ان کو حکم دیا گیا تھا کہ زمین پر اتر جاؤ تو یوں کہتے ہیں کہ سو سال تک انہوں نے نظر اوپر اٹھا کر نہیں

دیکھا، اپنے آپ کو قصور وار سمجھتے تھے، اور قرآن کریم میں ان کی توبہ کی دعا نقل کی ہے کہ حضرت آدم اور حضرت نوح علیہ السلام دونوں نے کہا:

﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ (الاعراف)

ترجمہ: ”اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا ہے، (اپنا نقصان کر لیا ہے) اور اگر آپ ہماری بخشش نہیں فرمائیں گے اور ہم پر رحم نہیں فرمائیں گے تو کوئی شبہ نہیں کہ ہم خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔“

تو پہلی چیز یہ کہ ہمیں واقعتاً احساس ہو جائے کہ ہم گناہ کر کے مجرم کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں، اور ہمارے دل میں ندامت پیدا ہو جائے کہ واقعی ہم سے قصور ہوا ہے، حدیث شریف میں فرمایا ہے: ”الْقَدَمُ تَوْبَةٌ“ (ترغیب و ترہیب ج: ۳ ص: ۴۸، بحوالہ حاکم)۔ توبہ ندامت کا نام ہے، کسی شخص کے دل میں ندامت ہی پیدا نہ ہو، اور زبان سے توبہ نہ کرے، یہ توبہ نہیں، توجہ یہ بات معلوم ہوگئی کہ توبہ کا پہلا قدم یہ ہے کہ آدمی کے دل میں ندامت پیدا ہو، اور وہ اپنے آپ کو قصور وار سمجھے۔

۲:..... دوسری شرط یہ ہے کہ گناہوں کا علم ہو، جو آدمی گناہ کو گناہ نہیں سمجھتا، اس کے دل میں ندامت پیدا نہیں ہوگی، وہ یہ کہے گا کہ: ”میں نے کونسا قصور کیا ہے کہ توبہ کروں؟“ بے شمار لوگ ایسے ہیں جو گناہ سے واقف ہی نہیں، یعنی یہ بھی معلوم نہیں کہ ہم گناہ کر رہے ہیں، اسی بنا پر رسول اللہ ﷺ نے صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کو بیان کرنے کا اہتمام فرمایا ہے تاکہ اُمت کو معلوم ہو جائے کہ یہ چیزیں گناہ ہیں۔

صغیرہ گناہوں کو توضعبط کرنا ہی مشکل ہے، لیکن کبیرہ گناہوں کی بعض اکابر نے فہرست مرتب کر دی ہے، اور اس کے لئے مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں، ان میں شیخ ابن حجر مکی رحمہ اللہ کی کتاب ”الترغیب والترہیب“ اچھی کتاب ہے، اس موضوع پر حافظ شمس الدین رحمہ اللہ کا بھی ایک مختصر سا رسالہ ہے، اس میں بھی کبیرہ گناہوں کی فہرست جمع ہے، حضرت حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے بھی کبیرہ گناہوں پر ”جزاء الاعمال“ کے نام سے ایک رسالہ لکھا ہے، اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کا بھی ایک رسالہ ہے ”گناہ بے لذت“، اس میں بھی کبیرہ گناہوں کو جمع کیا ہے، حضرت مولانا احمد سعید دہلوی رحمہ اللہ کا ایک رسالہ ہے ”دوزخ کا کھٹکا“ اس میں بھی اچھا مجموعہ کبیرہ گناہ کا جمع کر دیا گیا ہے۔

کبیرہ گناہ بہت سے ایسے ہیں جو انسان کے دل سے تعلق رکھتے ہیں، بہت سے ایسے ہیں جو زبان سے تعلق رکھتے ہیں، بہت سے ایسے ہیں جو کان سے تعلق رکھتے ہیں، بہت سے ہاتھ سے تعلق رکھتے ہیں، بہت سے پیٹ سے تعلق رکھتے ہیں، بہت سے شرم گاہ سے تعلق رکھتے ہیں، تو ان گناہوں کا ہمیں علم اور اللہ تعالیٰ نے

اور اس کے رسول ﷺ نے ان گناہوں پر جو وعیدیں سنائی ہیں کہ ایسا کرنے والے کو یہ سزا ملے گی، وہ بھی ہمارے سامنے ہوں، اور اس بات کا یقین ہو کہ یہ سزائیں جو ذکر فرمائی گئی ہیں، اگر اللہ تعالیٰ نے معافی عطا نہ فرمائی تو پھر ان سزاؤں کا ہم سے تحمل نہیں ہو سکے گا۔ تو یہ دوسری چیز ہوئی یعنی ہم کو گناہوں کا اور ان پر ملنے والی سزاؤں کا علم ہو، تاکہ اس پر ندامت کا مضمون پیدا ہو۔

۳۳:..... اور تیسری چیز کہ جب یہ معلوم ہو گیا کہ میں مجرم ہوں، اور مجھ سے قصور ہوا ہے، تو دل کے ساتھ اور زبان کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے معافی کا خواست گار ہو، صرف زبان سے نہیں بلکہ یوں سمجھے کہ مجرم کو حاکم کے سامنے پکڑ کر لایا گیا ہے، یا کسی بھگوڑے غلام کو آقا کے سامنے لایا گیا ہے، اس وقت وہ دل سے بھی شرمندہ ہوگا اور زبان سے بھی معافی کا خواست گار ہوگا، اگر کوئی غلام یا کوئی مجرم حاکم کے سامنے لایا جائے اور وہ زبان سے کچھ نہ کہے، لوگ اس کو کہا کرتے ہیں کہ ارے معافی مانگ لے، کہہ دے کہ مجھ سے غلطی ہو گئی، معاف کر دیجئے، لیکن اگر وہ نہیں بولتا اور اپنے قصور کا اقرار کر کے معافی کا طالب نہیں ہوتا تو حاکم کو غصہ آتا ہی چاہئے لیکن اس پر دیکھنے والوں کو بھی غصہ آتا ہے کہ بد بخت کے منہ سے اتنا بھی نہیں نکلتا ہے کہ مجھے معاف کر دو، بھول ہو گئی ہے، غلطی ہو گئی ہے، معاف کر دیں، تو تیسری چیز ہے زبان اور دل کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا۔

۳۴:..... چوتھی بات یہ کہ سچے دل سے توبہ کرتے ہوئے اس بات کا بھی یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ تو اب ہیں، توبہ قبول کرنے والے ہیں، ضرور قبول فرمائیں گے میری توبہ، اگر اللہ تعالیٰ چاہیں تو بڑے سے بڑے گناہگار کو معاف کر سکتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معاف کرنے والا نہیں ہے۔ یہاں پر آکر شیطان دھوکا دیتا ہے اور وہ بندے سے کہتا ہے کہ: ”تو نے اتنے گناہ کئے ہیں، اتنے گناہ کئے ہیں، اب تو معافی کے لائق نہیں رہا، تیرے گناہوں کو کیسے معاف کیا جاسکتا ہے؟ دیکھ تو سہی کہ تو نے کتنے جرائم کئے ہیں؟“ شیطان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ یہ رحمت سے مایوس ہو جائے، توبہ نہ کرے، اسی مقصد کے لئے شیطان اس کے گناہوں کو اتنا بڑا کر کے پیش کرتا ہے کہ اس کو یقین ہو جائے کہ میری کسی طرح بھی معافی نہیں ہو سکتی، میں ایسا گناہگار ہوں کہ لائق رحمت ہی نہیں رہا۔ اس کو کہتے ہیں کہ مایوسی کفر ہے، شیطان گناہ کو بڑا دکھا کر مایوس کرنا چاہتا ہے تاکہ بندہ اللہ تعالیٰ سے معافی نہ مانگے، نعوذ باللہ! تو چوتھی چیز یہ ہے کہ آدمی شیطان کے اس مکر کو سمجھے، وہ گناہ کرتے وقت تو کہتا ہے کہ گناہ کر لے، اللہ بڑا غفور و رحیم ہے، معافی مانگ لیتا۔ اور جب بندے نے حماقت سے گناہ کر لیا تو اس کو رحمت سے مایوس کرتا ہے کہ تیری بخشش نہیں ہو سکتی، بندے کو شیطان کے اس مکر میں نہیں آنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ چاہیں تو معاف کر دیں اور وہ سچے دل سے توبہ کرنے والوں کو ضرور معاف فرمادیتے ہیں۔

حدیث شریف میں آتا ہے:

”اِنَّ عَبْدًا اَذْنَبَ فَقَالَ: رَبِّ اَذْنَبْتُ فَاغْفِرْهُ! فَقَالَ رَبُّهُ: اَعْلِمَ عَبْدِي اَنْ لَهُ رَبًّا يَغْفِرُ الذَّنْبَ وَيَأْخُذُ بِهِ، غَفَرْتُ لِعَبْدِي! ثُمَّ مَكَثَ مَا شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ اَذْنَبَ ذَنْبًا قَال: رَبِّ اَذْنَبْتُ ذَنْبًا فَاغْفِرْهُ! فَقَالَ: اَعْلِمَ عَبْدِي اَنْ لَهُ رَبًّا يَغْفِرُ الذَّنْبَ وَيَأْخُذُ بِهِ، غَفَرْتُ لِعَبْدِي! ثُمَّ مَكَثَ مَا شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ اَذْنَبَ ذَنْبًا قَال: رَبِّ اَذْنَبْتُ ذَنْبًا اُخْرَ فَاغْفِرْهُ لِيْ! فَقَالَ: اَعْلِمَ عَبْدِي اَنْ لَهُ رَبًّا يَغْفِرُ الذَّنْبَ وَيَأْخُذُ بِهِ، غَفَرْتُ لِعَبْدِي فَلْيَفْعَلْ مَا شَاءَ۔“
(مشفق علیہ مشکوٰۃ ص: ۲۰۳، ۲۰۴)

یعنی بندے نے گناہ کیا، اس سے یہ حماقت ہوئی کہ اس سے گناہ صادر ہو گیا، بعد میں وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ: ”یا اللہ! مجھے معاف فرمادیں، مجھ سے قصور ہوا ہے، مجھے معاف فرمادیں“ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: ”میرے بندے نے گناہ کیا، اس کے بعد وہ توبہ کے لئے میرے پاس آیا، اور میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا ایک رب ہے جو گناہوں کو معاف فرما دیا کرتا ہے، سو میں نے اپنے بندے کا گناہ معاف فرما دیا۔“ آنحضرت ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ: اس نے دوبارہ گناہ کا ارتکاب کیا اور گناہ کر کے پھر اللہ تعالیٰ سے کہتا ہے کہ: ”یا اللہ! مجھ سے غلطی ہوئی، جرم ہوا ہے، اپنی رحمت سے اس کو معاف فرما دیجئے!“ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”میرے بندے نے قصور کیا ہے اور وہ تائب ہو کر میرے پاس آیا ہے، اور میرا بندہ جانتا ہے کہ میرے سوا کوئی گناہ کو معاف نہیں کرتا، میں نے اپنے بندے کو معاف کر دیا۔“ تیسری بار پھر بندہ گناہ کرتا ہے، پھر اسی طرح تائب ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ سے معافی کا طالب ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”میرے بندے سے غلطی ہوئی، اور اب یہ تائب ہو کر میرے پاس آیا ہے، اور یہ جانتا ہے کہ اس کا ایک رب ہے جو گناہوں کو معاف کر دیا کرتا ہے، اور اس کے سوا کوئی نہیں جو گناہوں کو معاف کر سکے، لہذا میں نے اپنے بندے کو معاف کر دیا اور آئندہ یہ جو کچھ بھی کرتا رہے، میں نے معاف کر دیا۔“

اللہ اکبر! کیا شان کریمی ہے! یہ نہیں فرماتے کہ: ”میں دوبار اس کو معاف کر چکا ہوں، لیکن یہ پھر گناہ کرتا ہے، تیسری بار پھر معافی مانگنے آیا ہے، اب اس کو معاف نہیں کروں گا“ نہیں! بلکہ اس کے بجائے یہ فرماتے ہیں کہ: ”میرا بندہ جتنی بار بھی گناہ کرے میں معاف کرتا جاؤں گا!“ قربان جائیے اس رحمت اور اس شان کریمی پر یہ مطلب نہیں کہ آئندہ گناہ تو کرتا رہے لیکن توبہ نہ کرے تو تب بھی معافی کا وعدہ ہے، نہیں! بلکہ یہ مطلب ہے کہ سومر توبہ بھی گناہ کر کے آئے اور معافی کا طالب ہو، تب بھی میں معاف کرتا رہوں گا، گو یا اس حدیث میں گناہ کرتے رہنے کی چھوٹ نہیں دی گئی، بلکہ بار بار توبہ کی ترغیب دی گئی ہے، کہ خواہ کتنی ہی بار توبہ ٹوٹ گئی ہو تب بھی بندہ مایوس نہ ہو، بلکہ فوراً توبہ کی تجدید کر کے معافی کا مستحق ہو سکتا ہے۔

ایک اور حدیث شریف میں آتا ہے:

”لَوْ لَمْ تَذْنِبُوا لَذَهَبَ اللَّهُ بِكُمْ وَلَجَاءَ بِقَوْمٍ يُذْنِبُونَ فَيَسْتَغْفِرُونَ اللَّهَ فَيَغْفِرُ لَهُمْ۔“

(رداء مسلم، مشکوٰۃ ص: ۲۰۳)

ترجمہ: ”اگر تم لوگ گناہ کر کے معافی کے طالب نہ ہوا کرتے، تو اللہ تعالیٰ تمہیں لے جاتا، تمہاری جگہ کسی دوسری مخلوق کو لاتا جو گناہ کرتے، معافی مانگتے اور اللہ تعالیٰ ان کی بخشش فرماتے۔“

اللہ تعالیٰ مجرموں کو سزا بھی دیتے ہیں، لیکن ایسے سرکشوں اور مجرموں کو سزا دیتے ہیں جو باغی ہوں، اور جو لوگ اپنی جہالت و نادانی کی وجہ سے، اپنے ضعف و کمزوری کی وجہ سے یا اپنی نفسانی خواہشات کی وجہ سے گناہوں کا ارتکاب کر لیتے ہیں، لیکن ارتکاب کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تائب ہو جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو سزا دینے کے بجائے معاف کرنے کو پسند فرماتے ہیں۔ حق تعالیٰ شانہ کو معاف کر دینا اتنا محبوب ہے کہ سزا دینا اتنا محبوب نہیں ہے، اس غفور و رحیم کو بخشش فرمانا زیادہ محبوب ہے بہ نسبت عذاب دینے کے۔ اور میں نے ایک حدیث شریف کا یہاں حوالہ دیا تھا اور اس کا ایک ٹکڑا ذکر کیا تھا، اس کا ایک ٹکڑا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”... يَا اِبْنِ اٰدَمَ! لَوْ بَلَغْتَ ذُنُوبَكَ عَنَّا الشَّمَاءُ لَمْ اسْتَغْفِرْ تَنِي غَفْرَتُ لَكَ

(مشکوٰۃ ص: ۲۰۴)

وَلَا اُبَالِي!“

اے ابن آدم! اگر تم سارے کے سارے ایک میدان میں جمع ہو جاؤ اور تمہارے گناہ اتنے زیادہ ہو جائیں کہ آسمان سے لے کر زمین تک، زمین سے لے کر آسمان تک، پورا خلا ان گناہوں سے بھر جائے، اور تم آکر میری بارگاہ میں توبہ کرو اور معافی کے طالب ہو جاؤ تو میں اتنی ہی مغفرت لے کر تمہارے استقبال کو آؤں گا جتنے تمہارے گناہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت کا یہ عالم ہے کہ قیامت کے دن کچھ بندے ایسے ہوں گے، جو گناہوں کی نقدی کے ذریعے اللہ کی مغفرت کے خریدار بن جائیں گے، نیکیوں کی نقدی کے ذریعے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت خریدی ہی جاتی ہے، لیکن گناہوں کے ذریعے بھی جبکہ آدمی ان کے ساتھ توبہ کو لگا دے اللہ تعالیٰ کی مغفرت خریدی جاتی ہے۔

تو آدمی کتنا ہی گناہگار کیوں نہ ہو، اس کو یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ اس کی بخشش نہیں ہوگی، بلکہ یہ یقین رکھنا چاہئے کہ ہمارے گناہ خواہ کتنے ہی زیادہ ہوں، اللہ تعالیٰ کی مغفرت و قدرت کے احاطے سے باہر نہیں، جب چاہیں بخش دیں۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ہمارے گناہ کتنے ہی زیادہ کیوں نہ ہوں، لیکن وہ ہماری

صفت ہیں، ہمارے افعال ہیں، ہمارے اقوال ہیں، ہماری صفات ہیں، ہم بھی مخلوق، ہماری صفات بھی مخلوق، اور حق تعالیٰ شانہ کی مغفرت اور بخشش اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، بندوں کی صفت اللہ کی صفت سے کیسے بڑھ سکتی ہے؟ بندے کی صفت بھی اتنی ہی چھوٹی ہے جتنا یہ خود چھوٹا ہے، اتنا چھوٹا جتنا چیونٹی کا انڈا ہوتا ہے، اتنا تو ہے بے چارہ کل، ایک ذرہ بے مقدار کی تو اس کی حیثیت ہے، آخر اس کے گناہوں کا رحمت خداوندی سے کیا مقابلہ؟ ارے! تمہارے تمام گناہوں کو دھونے کے لئے اس کی رحمت کا ایک چھینٹا کافی ہے، بس ضرورت اس کی ہے کہ تم سچے دل سے تائب ہو کر آؤ۔ تو یہ چوتھا نمبر ہوا۔

۵:..... پانچویں شرط یہ ہے کہ مجرم جب جرم سے توبہ کرتا ہے، معافی مانگتا ہے، تو یہ کہا کرتا ہے کہ آئندہ نہیں کروں گا۔ ایک شخص مجرم کو ڈانٹ رہا ہے اور پوچھتا ہے کہ: ”پھر کرو گے؟“ وہ کہتا ہے: ”میری توبہ! پھر نہیں کروں گا“ اور اگر یہ کہے کہ آئندہ بھی کروں گا، تو وہ معافی نہیں مانگ رہا، مذاق اڑا رہا ہے، لہذا توبہ کے توبہ ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ توبہ کرتے وقت آدمی یہ عزم رکھے اور پختہ ارادہ رکھے کہ آج کے بعد کوئی گناہ نہیں کروں گا، بس آج تک جو ہونا تھا ہو گیا، یہ آخری گناہ ہے، ان شاء اللہ اس کے بعد گناہ نہیں ہوگا۔ ہمیں معلوم ہے کہ اگرچہ یہ پھر گناہ کریں گے، اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ بندے پھر گناہ کریں گے، اس لئے کہ یہ ہماری کمزوری ہے، لیکن بھی! جس وقت کہ ہم توبہ کریں، اس وقت یہی عزم ہو کہ آج کے بعد پھر نہیں کریں گے، بس ختم۔ جیسے کوئی نشہ چھوڑ دیتا ہے تو چھوڑنے کے معنی یہ نہیں کہ آج کے بعد نہیں ہوگا، بس ختم۔ کوئی بُری عادت چھوڑ دیتا ہے تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ آج کے بعد نہیں کریں گے، ہم بھی جب اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ کریں تو یہ عزم لے کر کریں کہ ان شاء اللہ آج کے بعد مجھے یہ کام نہیں کرنا ہے، بس اللہ تعالیٰ سے صلح ہوگئی، لیکن اگر خدا نخواستہ پھر گناہ ہو جائے تو یہ نہ سوچو کہ ”چونکہ میری توبہ ٹوٹ گئی، لہذا توبہ تو نہجی نہیں ہے، تو اب توبہ ہی کیا کرنی ہے؟“ اگر یہ سوچ کر آئندہ توبہ کرنا چھوڑ دو گے تو یہ غلط ہے، نہیں! بلکہ اگر بار بار توبہ ٹوٹ جائے تو بار بار اس کی تجدید کرو۔

اس کو ایک مثال سے سمجھاتا ہوں، فرض کیجئے ایک شخص پیٹ کی بیماری میں مبتلا تھا، بڑی مشکل سے مرض قابو میں آیا، علاج معالجہ اس کا ہوتا رہا، طبیب نے اس سے کہا: ”اس شرط پر علاج کرتا ہوں کہ آئندہ بد پرہیزی نہیں کرو گے“ اس نے کہا: ”جی بالکل نہیں کروں گا!“ طبیب نے توجہ سے علاج کیا، مرض قابو میں آ گیا، الحمد للہ! طبیعت بڑی حد تک بحال ہوگئی، لیکن اس نے پھر بد پرہیزی کر لی اور طبیعت پھر گڑبگڑ گئی، بیماری بے قابو ہوگئی تو اب کیا یہ عقل کی بات ہوگی کہ چونکہ میں بد پرہیزی نہیں کر سکتا تو اس لئے مرنے دو مجھے؟ کبھی دنیا میں کوئی ایسا شخص دیکھا ہے جو یہ کہے کہ مجھے مرنے دو، مجھ سے بد پرہیز تو ہوتا نہیں، علاج کا کیا فائدہ؟ نہیں! بلکہ اس کے بجائے یہ ہوتا ہے کہ طبیب نے اس سے کہا کہ: ”تم نے بد پرہیزی کی ہے؟“ کہا: ”جی بس

ہوگئی، حکیم صاحب! آپ ذرا مہربانی کر کے توجہ کے ساتھ علاج کریں، ان شاء اللہ پھر بد پرہیزی نہیں کروں گا، مطلب یہ کہ بد پرہیزی کو چھوڑنا چاہئے، علاج کو تو نہیں چھوڑا جاتا کہ چونکہ میں نے بد پرہیزی کی ہے لہذا میرا علاج نہ کراؤ، بس چھوڑ دو، مجھے اس طرح مرنے دو، خوب اچھی طرح سمجھ لو کہ جب ہم نے توبہ کر لی تو آئندہ بد پرہیزی سے تو ضرور بچنا چاہئے، اپنی توبہ پر قائم رہنا چاہئے۔ ارے عزم یہی ہونا چاہئے کہ آئندہ مجھے یہ گناہ نہیں کرنا ہے، لیکن اگر خدا نہ کرے گناہ پھر ہو جائے تو ہمت ہار کر اور مایوس ہو کر نہ بیٹھ جائے، اور یہ نہ سوچے کہ مجھے توبہ پر استقامت تو نصیب ہوئی نہیں، اب کیا توبہ کریں، بس توبہ کا خیال چھوڑ دینا چاہئے اور بے دھڑک گناہ کرتے رہو، نہیں! تم نے بد پرہیزی کر لی تو پھر توبہ کر لو، پھر بد پرہیزی کر لی، پھر توبہ کر لو، حتیٰ کہ بزرگ فرماتے ہیں کہ اگر ایک دن میں سو مرتبہ توبہ دی ہو تو سو مرتبہ اس کو جوڑ لو، اگر نفس اور شیطان اتنے حاوی ہیں کہ توبہ پر قائم نہیں رہتے دیتے تو اتنا تو کرو کہ جب بھی توبہ کرو تو یہ نیت کر لیا کرو کہ اب نہیں کروں گا۔ یہ ذہن میں رکھو کہ اگر توبہ توڑتے رہے، جوڑتے رہے، توڑتے رہے، جوڑتے رہے، تو کیا بعید ہے کہ توبہ توڑنے کے بعد جب تم نے جوڑ لی تھی تو اس حالت میں تمہارا انتقال ہو، تم توبہ جوڑتے رہے، اور توبہ ٹوٹی رہی، لیکن آخری جوئل ہوادہ تھا توبہ کا جوڑنا توبہ کر لی، اس کے بعد پھر گناہ کا ارتکاب نہیں کیا، بلکہ اس حالت میں موت آگئی اور اللہ کی بارگاہ میں پہنچ گیا تو دنیا سے تائب ہو کر گیا، اب یہ شخص اگر چہ روزانہ سو مرتبہ توبہ توڑتا تھا، جوڑتا تھا، توڑتا تھا، جوڑتا تھا، لیکن اس کا آخری عمل توبہ ہی رہا، اور آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

”إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنَّوَاتِئِمْ۔“ (مسند احمد ج: ۵ ص: ۳۳۵)

ترجمہ: ”اعمال کا مدار خاتمے پر ہے۔“

جب اعمال کا مدار خاتمے پر ہے تو اگر آخری عمل توبہ کر کے تمہارا اللہ کی بارگاہ میں پہنچنا ہے کہ توبہ کرنے کے بعد پھر گناہ کا ارتکاب نہیں کیا تو تمہاری توبہ مکمل ہوگئی، تم تائب ہو کر اللہ کی بارگاہ میں پہنچ گئے اور خاتمہ بالخیر ہوا۔ اس لئے توبہ کرتے وقت تم عزم یہ رکھو کہ آج کے بعد ان شاء اللہ گناہ نہیں کروں گا، لیکن اگر فرض کرو کہ پھر گناہ کا ارتکاب ہو جائے تو دل شکستہ ہو کر توبہ سے نہ ہٹو، بلکہ پھر توبہ کرو، بلکہ پہلے سے زیادہ پکی توبہ کرو اور کہو کہ: ”یا اللہ! مجھ سے پھر غلطی ہوگئی ہے، میں ایسا رذیل آدمی ہوں، اتنا کمینہ ہوں کہ آپ سے میں نے وعدہ کیا تھا کہ دوبارہ گناہ نہیں کروں گا، اس وعدے کو بھی پورا نہ کر سکا، یا اللہ! مجھے معاف فرما دیجئے، میں اب نہیں کروں گا۔“

بھئی! کپڑے کو گندا کرنے سے تو پرہیز کرنا چاہئے، اس سے بچنا چاہئے، لیکن اگر گندا ہو جائے تو اس کو صابن لگا کر دھونے سے پرہیز کرنا تو عقل کی بات نہیں ہے، ایک مرتبہ تم نے کپڑے کو دھولیا، صاف کر لیا، صابن لگا کر اچھی طرح تمام کے تمام داغ، دھبے خوب اُتار دیئے، اب کیا کرنا چاہئے؟ یہ کہ آئندہ

ملوث نہ ہوں، لیکن بچوں کی طرح اگر نادانی کا دور ہے، پھر کڑے خراب ہو جاتے ہیں تو پکڑوں کو گندا کرنے سے بچانا چاہئے تھا، لیکن جب گندے ہو جائیں تو صابن لگا کر دھونے سے تو نہیں بچنا چاہئے، خوب یاد رکھو! کہ گناہوں کے ارتکاب سے ہمارے ایمان کا جامہ گندا ہو جاتا ہے، بدبودار اور متعفن ہو جاتا ہے، میلا ہو جاتا ہے، قابل نفرت ہو جاتا ہے، اور خوب اچھی طرح جم کر توبہ کرنے سے وہ ایمان کا جامہ صاف ہو جاتا ہے اور پھر کھڑا آتا ہے۔ توبہ کر کے آئندہ گناہ کرنے سے ضرور بچو، لیکن پھر اگر کوئی داغ دھبہ لگ گیا تو فوراً توبہ کرو، فوراً صابن لے کر ملو، ان شاء اللہ جب تم بار بار توبہ کرو گے اور اللہ تعالیٰ سے استقامت کی دعا کرو گے: ”یا اللہ! اب مجھے بچا لیجئے، میں اپنی استعداد و قوت کے ساتھ، اپنی طاقت کے ساتھ گناہ سے نہیں بچ سکتا، جب تک آپ مجھ پر رحم نہ فرمائیں، اور میری مدد نہ فرمائیں، مجھے آئندہ گناہ سے بچنے کی توفیق عطا فرما دیجئے“، اگر ایسا کرتے رہو گے تو ان شاء اللہ رفتہ رفتہ یہ کیفیت ہو جائے گی کہ توبہ کرو گے، لیکن گناہ نہیں ہوگا، ان شاء اللہ!

توبہ پانچواں نمبر ہوا، یعنی توبہ کرتے وقت ارادہ رکھو کہ آئندہ گناہ نہیں ہوگا، اب مستقل طور پر ہمارا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ درست ہو گیا، اب ہم ٹھیک چلیں گے، اور پھر ہمت سے کام لو، گناہ کا کتنا ہی تقاضا ہو، گناہ نہ کرو، کوشش کرو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو عہد کیا ہے، اس کو پورا کریں اور آئندہ گناہ کے ساتھ اپنے دامن کو آلودہ نہ کریں، لیکن اگر ہو جائے تو فوراً توبہ کرو، بس اس کو ہمیشہ کا دستور العمل بنا لو کہ گناہ ہو جائے تو فوراً توبہ کی جائے۔

۶..... چھٹی بات یہ کہ جتنی کوتاہیاں ہو گئی ہیں، ان کی تلافی کرو، نمازیں قضا ہوتی رہیں، اب تم نے سچے دل سے توبہ کر لی، لیکن توبہ کرنے سے نمازیں معاف نہیں ہو گئیں، بلکہ نمازیں تمہارے ذمے اب بھی باقی ہیں، جیسے کہ آج ایک ظہر کی نماز ہمارے ذمے فرض تھی (اور وہ ہم نے ادا کی) پوری زندگی کی ظہر کی نمازیں ہمارے ذمے فرض ہیں، اور یہ فرض ہمارے ذمے باقی ہے، ان تمام نمازوں کا ادا کرنا اسی طرح ضروری ہے جس طرح کہ آج کی نماز کا ادا کرنا فرض تھا۔ رہا یہ سوال کہ پھر توبہ کرنے کا فائدہ کیا ہوا؟ توبہ کرنے کا فائدہ یہ ہوا کہ تاخیر کی وجہ سے تم نے جو کوتاہی کی کہ وقت پر ادا نہیں کی، اس کی معافی مل جاتی ہے۔ اس کی مثال ایسے سمجھو کہ کسی شخص نے پلاٹ خریدا تھا، اس کی قسطیں بہت آسان ہی رکھی ہوئی تھیں، اس نے بے پروائی کی، ادا نہیں کیں۔ متعلقہ محکمے نے اس کا پلاٹ ہی منسوخ کر دیا، اور جو پیسے دیئے تھے وہ بھی ضبط کر لئے، اب یہ بڑے افسر کے پاس جا کر کہتا ہے کہ جی مجھ سے بڑی کوتاہی ہوئی ہے، میں آئندہ سستی نہیں کروں گا، اور وہ افسر اس کی بات سن کر لکھ دیتا ہے کہ اس کا پلاٹ بحال کر دیا جائے۔ تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ جو پرانی قسطیں رہ گئی ہیں، وہ بھی معاف ہو گئیں؟ نہیں! پلاٹ کی منسوخی تو اس نے ازراہ ختم ختم کر دی، لہذا پلاٹ تو

بحال ہو گیا، لیکن جو قسطیں تمہارے ذمے تھیں وہ تو بدستور واجب الادا رہیں گی، بلکہ دنیا کا حاکم اذل تو ایسے منسوخ شدہ پلاٹ کو بحال ہی نہیں کرے گا، اور اگر کوئی رحم دل ایسا کر بھی دے تو وہ حاکم یہ کہے گا کہ تمام گزشتہ قسطیں یک مشت یہاں لا کر رکھ دو، تب میں بحالی کا حکم جاری کرتا ہوں۔ تو جتنی زندگی میں ہم نے نمازیں قضا کی ہیں، اگر عزم رکھتے ہو کہ میں ان کو ادا کروں گا، تب تو توبہ صحیح ہوئی، اور گزشتہ نمازیں قضا کرنے کا اگر عزم نہیں تو توبہ ہی نہیں، مذاق اڑاتے ہو توبہ کا۔۔۔!

اسی طرح کسی شخص کے ذمے روزے باقی ہیں، اس نے روزے چھوڑ دیئے تھے، یا توڑ دیئے تھے رمضان المبارک کے، بعض چھوڑ دیتے ہیں، بعض توڑ دیتے ہیں، اگر کسی نے روزہ چھوڑ دیا تو اس کے بدلے ایک روزہ اس کے ذمے ہے، اور اگر کوئی شخص روزہ توڑ دے تو اسے کسٹھ روزے اس کے ذمے ہیں، ایک روزہ تو توڑے ہوئے روزے کی جگہ، اور ساٹھ روزے کفارے کے، اور یہ ساٹھ روزے لگا تار ہوں کہ درمیان میں وقفہ نہ ہو، درمیان میں ناغہ نہ ہو، اگر ناغہ ہو جائے تو پھر نئے سرے سے شروع کرے، یہاں تک کہ لگا تار کفارے کے ساٹھ روزے پورے ہو جائیں، رمضان کا ایک روزہ توڑ دینے کا اتنا بڑا گناہ ہے۔

اسی طرح کسی شخص نے کسی کو قتل کیا ہو اور یہ قتل جان بوجھ کر نہیں، بلکہ غلطی سے ہوا ہو، خطا سے ہوا ہو، تو اس کا کفارہ قرآن کریم نے یہ ذکر کیا ہے کہ غلام آزاد کرے، اگر غلام نہیں ملتا تو دو مہینے بچے درپے روزے رکھے، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرنے کے لئے، بس اس کی توبہ قبول ہونے کی شرط یہ ہے کہ دو ماہ کے لگا تار روزے رکھے، اگر روزے رکھنے شروع کر دیئے تھے کہ درمیان میں بیمار ہو گیا اور روزے کا ناغہ ہو گیا تو جتنے روزے رکھے تھے، وہ ختم، اب نئے سرے سے شروع کر کے ساٹھ پورے کرے۔ البتہ عورت کو جو اس کے خاص آیام کی وجہ سے روزے قضا کرنے پڑتے ہیں، وہ اس تسلسل میں رکاوٹ نہیں ڈالتے، لیکن شرط یہ ہے کہ پاک ہونے کے بعد فوراً شروع کر دے۔ الغرض! جس نے روزے نہیں رکھے تھے، وہ قضا کرے، یا اگر توڑ دیئے تھے تو توڑے ہوئے روزوں کا کفارہ ادا کرے۔

اسی طرح اگر کسی نے اپنے مال کی زکوٰۃ نہیں دی تھی تو گزشتہ سالوں کا حساب کر کے زکوٰۃ ادا کرے، جتنے سال سے اس کے پاس مال تھا اس کا حساب کر کے زکوٰۃ ادا کرے۔

اسی طرح حقوق اس نے دبائے ہوئے ہیں تو جو حقوق ادا کرنے کے لائق ہیں، ان کو ادا کرے، اور اگر ان کا ادا کرنا ممکن نہیں، یعنی ان کا معاوضہ ادا نہیں کیا جاسکتا، تو صاحب حق سے معافی مانگے، مثلاً: ایک آدمی اپنی بیوی کے ساتھ ظلم اور زیادتی کا مرتکب ہو رہا ہے تو اس کی معافی کی شرط یہ ہے کہ اس سے معافی مانگے، اسی طرح اگر کسی عورت نے اپنے شوہر کے ساتھ زیادتی کی ہے تو توبہ کے لئے شرط یہ ہے کہ اس سے معافی مانگے، اگر کسی کا کسی کے ذمے قرض ہے، اس کو ادا کرے اور ادا کرنے میں جو تاخیر کی، اس کی معافی

مانگے، اگر کسی کی چوری کی ہے، کسی سے رشوت لی ہے، کسی کا مال ناجائز کھایا ہے اس کو واپس کر دے۔

خواتین کے حقوق میراث میں عام طور پر بہت کوتاہی ہوتی ہے کہ ان کو حقوق دینے کے بجائے ان سے معاف کر دیا جاتا ہے یا سرے سے میراث میں سے حصہ دیا ہی نہیں جاتا، یاد رکھیں جب تک ان کے حقوق ادا نہیں کرو گے اللہ کی پکڑ میں رہو گے، آج کل اس میں بہت کوتاہی ہوتی ہے، اس مسئلہ میں احتیاط سے کام لیا جائے ورنہ آخرت اور جہنم کے عذاب کے لئے تیار ہیں۔

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: میرے پاس ایک آدمی آیا کہ میں بیعت ہونا چاہتا ہوں، پوچھا: کیا کام کرتے ہو؟ کہا کہ: ڈاکے ڈالتا تھا، لیکن اب میں تائب ہو کر آیا ہوں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: تمہیں بیعت ضرور کریں گے، لیکن جب سے تم نے یہ کاروبار شروع کیا تھا، اس کی فہرست بنا کر لاؤ کہ کتنے ڈاکے ڈالے، کس کس کا گھر لوٹا تھا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آدمی سچا تھا، چند دن کی محنت کے بعد اس نے یاد کر کے جتنے ڈاکے ڈالے تھے، جتنی چوریاں کی تھیں، ان سب کی فہرست بنائی اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: اب دوسرا کام یہ کرو کہ ان میں سے ہر ایک کے پاس جاؤ کہ فلاں وقت میں نے تمہاری چوری کی تھی، ڈاکا ڈالا تھا اور اب میں تائب ہو گیا ہوں، تمہارا مال میرے ذمے قرض ہے، یہ قرض مجھے فوراً ادا کرنا چاہئے تھا مگر اتنی محنتیں میرے پاس نہیں کہ اس کو فوراً ادا کر دوں، اب اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں، ایک تو یہ کہ آپ معاف کر دیں، اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا بدلہ قیامت کے دن عطا فرمائیں گے، دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ یہ میرے ذمے ہے، میں وعدہ کرتا ہوں کہ ان شاء اللہ، اللہ تعالیٰ توفیق دیں گے تو میں فوراً ادا کر دوں گا، بہر حال آپ کو اس کی وجہ سے جو اذیت پہنچی، اس پر مجھ کو معاف کر دیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہر ایک کے پاس جاؤ اور ہر ایک سے لکھوا کر لاؤ کہ میں نے معاف کر دیا، یا میں مہلت دیتا ہوں ادا کرنے کی کہ جب تم چاہو، جب تمہیں سہولت ہو تم ادا کر دینا۔ اس شخص کے دل میں سچی طلب تھی، ہمارا نفس تو کہے گا کہ: ”میاں! اگر اس کے سامنے جا کر اقرار کرو گے تو تمہیں پکڑ وادیں گے، پکڑے جایں گے۔“ جب تم نے کسی سے رشوت لی ہے، جب تم نے کسی کی چوری کی ہے، جب تم نے ڈاکا ڈالا ہے تو بھی! پکڑ تو لازماً ہوگی، اگر یہاں نہیں پکڑے جاؤ گے تو وہاں پکڑے جاؤ گے، تم پکڑ سے بچ نہیں سکتے، اگر یہاں کی پولیس نہیں پکڑے گی تو وہاں کی پولیس پکڑے گی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: یہ شخص ہر ایک کے پاس گیا اور اللہ کی شان کہ اس نے سب سے ایسی بات کی، اللہ جانے کتنے اخلاص کے ساتھ بات کی کہ ہر ایک نے لکھ دیا کہ میں نے اللہ کے لئے معاف کیا، حتیٰ کہ ایک ہندو کی چوری کی تھی اس ہندو نے یہ لکھ دیا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے معاف کر دیا، یہاں تک کہ ایک ہندو نے لکھا: ”میں نے حسبہ اللہ معاف کر دیا“ تب حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو بیعت فرمایا، یہ ہوئی نا سچی توبہ...!

تو حقوق اللہ ہوں یا حقوق العباد ہوں، ان کو ادا کرنا اور جب تک ادا نہ ہوں، اپنے ذمے قرض سمجھنا لازم ہے، کسی کی دکان غصب کی ہوئی ہے، کسی کی زمین غصب کی ہوئی ہے، کسی کی املاک پر قبضہ کیا ہوا ہے، کرائے کے مکان میں رہتے تھے، مالک کو کہہ دیا کہ: ”جاؤ کرلو جو تم سے ہو سکتا ہے، مکان نہیں چھوڑیں گے!“ اگر کوئی شخص لوگوں کی املاک پر غاصبانہ قبضہ جمالے اور پھر خانہ کعبہ میں جا کر غلاف کعبہ پکڑ کر توبہ کرے گا، تب بھی اس کی توبہ قبول نہیں ہوگی، جب تک کہ اس غصب سے توبہ کر کے اس کے مالک کو واپس نہیں کر دیتا۔

تم مخلوق کو عاجز کر سکتے ہو، مگر اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے، مخلوق کو دھوکا دے سکتے ہو، تمہارے تسبیح پڑھنے سے، تمہارے بار بار حج و عمرہ کرنے سے مخلوق دھوکا کھا سکتی ہے، لیکن اللہ کو دھوکا نہیں دیا جاسکتا، تم غلاف کعبہ پکڑ کر اللہ سے توبہ کرو، لیکن تمہاری توبہ قبول نہیں ہوگی، جب تک کہ ارباب حقوق کے حقوق ادا نہیں کرتے یا ان سے معاف نہیں کرواتے۔

یہ چھ نمبر میں نے ذکر کر دیئے ہیں، ان چھ نمبروں کو مکمل کر لیا جائے تو توبہ ہے، اور اگر یہ نہ ہو تو پھر توبہ نہیں ہے، صرف توبہ کے الفاظ ہیں۔ سارا دن ”روٹی، روٹی“ کا وظیفہ پڑھتے رہو، تمہارا پیٹ نہیں بھرے گا، جب تک کہ روٹی عملاً کھا نہیں لیتے، اور نہ تمہیں روٹی کا ذائقہ آئے گا، پیٹ تب بھرے گا جبکہ روٹی کو حلق سے نیچے اتارو گے، تب قوت بھی حاصل ہوگی اور پیٹ بھی بھرے گا۔ استغفر اللہ العظیم، استغفر اللہ العظیم، پوری تسبیح پڑھ دو، لیکن ذل میں معافی مانگنے کا مضمون نہیں ہے، نہ گناہ کو گناہ سمجھا، نہ آئندہ گناہ سے بچنے کا عزم کیا، نہ گزشتہ گناہوں پر افسوس ہوا، نہ ان کا تدارک کیا، نہ حقوق اللہ ادا کئے، نہ حقوق العباد ادا کئے، نہ اللہ تعالیٰ سے معاملہ درست کیا، نہ بندوں سے معاملہ درست کیا، پھر چاہتے ہو کہ توبہ قبول ہو جائے، کیسے ہوگی...؟ اس کا نام تو توبہ نہیں ہے۔

سبحہ در کف، توبہ بر لب، دل پر از ذوق گناہ

معصیت را خندہ می آید بر استغفار ما

بزرگ فرماتے ہیں کہ ہاتھ میں تسبیح ہے، دانے پر دانہ پھینک رہا ہے، ٹھک ٹھک تسبیح چل رہی ہے، لیکن دل گناہوں کی لذت سے بھرا ہوا ہے، دل میں گناہ سے کراہیت پیدا نہیں ہوئی، بلکہ دل گناہوں کی لذت سے بھرا ہوا ہے، ایسا استغفر اللہ پڑھنے پر گناہ ہنستا ہے، ایسے استغفار پر معصیت کو ہنسی آتی ہے، اور سچی بات یہ ہے کہ اگر صحیح توبہ ہو جائے تو آدمی کی زندگی کی لائن بدل جاتی ہے، جو معاملات ہم شریعت کے خلاف کرتے ہیں، توبہ کے معنی یہ ہیں کہ ہم ان غلط کاموں کو چھوڑ دیں، ہمارا کاروبار، ہماری دکان، ہمارا کارخانہ اور ہمارا لین دین جو شرع کے خلاف ہے اس کی کھل درست ہو جائے، اس کی لائن درست ہو جائے،

یہ ہے توبہ، اگر وہی بے ذہنگی چال ہے جو پہلے سے تھی تو پھر صحیح توبہ نہیں کی، زبان پر توبہ کے الفاظ ہیں، حقیقت توبہ کی نصیب نہیں ہوئی، اللہ تعالیٰ ہمیں سچی توبہ کی توفیق عطا فرمائیں، میں توبہ کے فضائل بیان کر چکا ہوں، توبہ اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہے، ارشاد ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَمُحِبُّ الشَّوَابِ وَيُحِبُّ الْمُنْتَظِرِينَ﴾ (البقرة)

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ محبوب رکھتے ہیں توبہ کرنے والوں کو، اور اللہ تعالیٰ محبوب رکھتے ہیں خوب پاک صاف رہنے والوں کو۔“

خلاصہ اس سارے مضمون کا اتنا ہے کہ گناہ ایک گندگی ہے، جیسے پاخانہ، پیشاب ایک گندگی ہے، چونکہ ہماری ناک یہ بد بو نہیں سونگھتی، اس لئے ہمیں گناہوں سے بد بو نہیں آتی۔ مشکوٰۃ شریف میں حدیث ہے کہ جب یہ بندہ ایک لفظ جھوٹ کا زبان سے نکالتا ہے تو اس کی بد بو کی وجہ سے فرشتہ ایک میل دور ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جتنے بھی گناہ ہیں، یوں سمجھو کہ بدن کے اندر کوڑھ کی بیماری ہے، اور اس سے بد بو دار مادہ برس رہا ہے، اس بد بو دار مادے کے ساتھ تم عبادت کرو اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقرب ہو جاؤ، یہ کیسے ممکن ہے؟

تو میں نے کہا کہ خلاصہ ساری بات کا اتنا ہے کہ گناہ ایک نجاست ہے، اور ایسا تقفن کہ اگر ہم پر پردہ نہ ڈالا ہوتا تو اس کی بد بو اور تقفن کی وجہ سے ہمارے دماغ پھٹ جاتے، اس گندگی سے صفائی صرف اس صورت میں ممکن ہے جبکہ ہم اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لیں اور آئندہ گناہ سے بچنے کا اور گزشتہ گناہوں کا تدارک کرنے کا فیصلہ کر لیں اور اللہ رب العزت سے عہد کر لیں تو ان شاء اللہ فوراً معافی مل جائے گی، اللہ تعالیٰ ہمیں سچی توبہ کی توفیق عطا فرمائیں۔

حقوق العباد کے معاملے میں توبہ

اگر حقوق العباد کا معاملہ ہے تو ان حقوق کو ادا کریں، کسی کے پیسے دینے ہیں اور وہ مانگتا ہے، تم نہیں دیتے، کسی کے مکان پر قبضہ کیا ہوا ہے، وہ شریف آدمی کہتا ہے کہ چھوڑ دو، تم نہیں چھوڑتے۔ یہاں قانون تمہیں سہارا دیدے گا لیکن اللہ کی بارگاہ میں تمہارا کوئی سہارا نہیں ہوگا، بلکہ تباہ ہو گے، اور وہاں تمہیں یہ حقوق ادا کرنے پڑیں گے۔ لہذا بندوں کے جتنے حقوق تمہارے ذمے ہیں، ان سب کو ادا کرو، یا معاف کرالو، اس کے بغیر توبہ قبول نہیں ہوگی، تو پہلی بات تو یہ ہوئی کہ کبیرہ گناہوں کو ترک کرنا اور اس کا عزم کرنا مغفرت کے لئے شرط ہے، وگرنہ مغفرت نہیں ہوتی، اس بابرکت رات میں بھی نہیں ہوتی۔ حق تعالیٰ شانہ کی رحمت بہت وسیع ہے، کیا ہم، کیا ہمارے گناہ، اللہ کی رحمت کے مقابلے میں یہ کیا چیز ہیں؟ ساری دنیا کی ساری مخلوق کے گناہ بھی جمع کر لئے جائیں تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ایک چھینٹا ساری مخلوق کے سارے گناہوں کے دھونے

کے لئے کافی ہے، مگر سچے دل کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگیں تو سہی، اور سچے دل کے ساتھ اپنے گناہوں، اپنی نافرمانیوں اور اپنی خباثتوں کو چھوڑنے کا تہیہ کر کے تو آئیں۔

حدیث قدسی میں آتا ہے ("حدیث قدسی" اس حدیث کو کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی بات کی روایت کریں کہ اللہ تعالیٰ یوں فرماتے ہیں، جیسے صحابی کہتے ہیں: "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" تو وہ "حدیث رسول" کہلاتی ہے، اور جس حدیث میں آنحضرت ﷺ یوں فرمائیں: "اللہ تعالیٰ نے فرمایا" یا "اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں" تو وہ "حدیث قدسی" کہلاتی ہے) تو ایک حدیث قدسی میں ہے کہ:

"... یا ابن آدم! لو بلغت ذنوبک عنان السماء ثم استغفرتنی، غفرت لک

(مشکوٰۃ ص: ۲۰۴)

ولا أبالی..."

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: اے ابن آدم! اگر تیرے گناہ آسمان کے بادلوں اور اس کی بلندی تک پہنچ جائیں، یعنی ان سے آسمان اور زمین کا خلا بھر جائے اور تو سچے دل سے تائب ہو کر میرے پاس آئے اور مجھ سے بخشش کی درخواست کرے تو میں تیری مغفرت کر دوں گا، "ولا أبالی!" اور میں تیرے گناہوں کی کثرت کی کوئی پروا نہیں کروں گا، اور نہ ان سے میرا کچھ بگڑے گا۔

"مناجات مقبول" میں ہمارے حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ نے قرآن و حدیث کی دعائیں جمع فرمائی ہیں، اس میں ایک دعایہ نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ دعائیں یہ الفاظ کہا کرتے تھے:

"يَا مَنْ لَا تَصْرُفُ الذَّنُوبَ وَلَا تَنْقُضُ الْمَغْفِرَةَ، اغْفِرْ لِي مَا لَا يَصْزُغُ وَهَبْ لِي مَا لَا يَنْفُضُكَ۔"

ترجمہ: "اے وہ ذات جس کو نقصان نہیں دیتے گناہ، اور مغفرت کرنا اس کے خزانوں میں کمی نہیں کرتا، جس چیز سے آپ کی کمی نہیں ہوتی، وہ مجھے عطا فرما دیجئے اور جو چیز آپ کو نقصان نہیں دیتی، وہ مجھے معاف فرما دیجئے۔"

الغرض! ہمارے گناہوں سے اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگڑتا، ہمارے حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ ارشاد فرماتے تھے کہ: بعض لوگ اپنے گناہوں کی کثرت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہو جاتے ہیں، اور یوں سمجھنے لگتے ہیں کہ میرے گناہ بہت ہیں، بہت ہیں، بہت ہیں، واقعی بہت ہیں، اب یہ بے چارہ نادان بچہ سمجھتا ہے کہ اتنے گناہ کیسے معاف ہوں گے؟ فرمایا کہ اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک آدمی سر سے پاؤں تک گندگی میں ملوث تھا، گندگی اور نجاست میں اس کا پورا بدن لت پت تھا، اب وہ دریا کے کنارے کھڑا ہے اور دریا کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ: "میں کس منہ سے تجھ میں اُتروں، میں تو اتنا گندا ہوں، اتنا گندا ہوں، اگر میں تجھ میں اُتر گیا تو میری گندگی تجھ کو بھی گندا کر دے گی، اور میری نجاست کی وجہ سے تو بھی نجس ہو جائے

گا، ناپاک ہو جائے گا۔“ اس کے جواب میں دریا کہتا ہے کہ: ”ارے تیرے جیسی گندگیاں ہزاروں یہاں چلتی ہیں، تو آ کر تو دیکھ! تیری گندگی بھی صاف ہو جائے گی اور میرا بھی کچھ نہیں بگڑے گا۔“ ایک آدمی کے نہانے سے کیا سمندر گندا ہو جاتا ہے؟ دریا گندا ہو جاتا ہے؟ حضرت ﷺ فرماتے تھے کہ ہماری یہی مثال ہے، سمندر تو ایک مخلوق ہے، اس میں دنیا بھر کی گندگیاں ڈال دی جائیں تب بھی وہ ناپاک نہیں ہوتا، بلکہ ساری غلاظتوں کو ختم کر دیتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ہمارے گناہوں سے کیا بگڑتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ایک چھینٹا ساری دنیا کے گناہوں کی گندگی دھونے کے لئے کافی ہے، اس لئے یہ نادانی کی بات ہے کہ آدمی اپنے گناہوں کی کثرت کو دیکھ کر رحمت خداوندی سے مایوس ہو جائے۔ غرض یہ کہ ہم لوگ اللہ تعالیٰ کی مغفرت کے طالب ہیں اور اس سے بخشش مانگنے کے لئے آئے ہیں، لیکن بھائی! اس کے لئے ضروری ہے کہ ہم سچے دل سے تائب ہو کر آئیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائیں، (آمین) آپس کے جو حقوق ہیں وہ بھی ادا کر دیں، آپس میں ایک دوسرے سے معافی تلافی بھی کر لیں۔

میں نے ابھی کہا کہ اسی سال کا کافر و مشرک دے ایمان، سچے دل سے تائب ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہوں کو بخش دیتے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کے انتظار میں ہیں کہ بندہ آئے، آ کر توبہ کرے، اور میں اس کے گناہ معاف کروں۔

حق تعالیٰ شانہ کو بندے کی توبہ سے اتنی خوشی ہوتی ہے جس کا ہم تصور نہیں کر سکتے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی ایک مثال بیان فرمائی کہ:

”لله أشدُّ فرحاً بتوبة عبده حين يتوب إليه من أحدكم كان راحلته بأرضي فلاة فأنفلتت منه وعليها طعامه وشرابه فأيس منها فأتى شجرة فاضطجع في ظلها قد أيس من راحلته فبينما هو كذلك إذ هو بها قائمة عنده فأخذ بخطامها ثم قال من شدة الفرح: اللهم أنت عبدي وأنا ربك! أخطأ من شدة الفرح.“ (مشکوٰۃ ص: ۲۰۳، بحوالہ صحیح مسلم)

یعنی ایک مسافر سفر پر جا رہا تھا، صحرا کا سفر تھا، اس کی سواری کے اونٹ پر اس کا تو شلدا ہوا تھا، کھانا پانی، دو پہر کا وقت ہوا تو سواری کو باندھ کر ایک درخت کے سائے میں ذرا سبتانے کے لئے لیٹ گیا، آنکھ کھلی تو اونٹ غائب، ادھر ادھر دیکھا کہیں اس کا سراغ نہیں مل رہا، اب بیابان ہے، جنگل ہے، صحرا ہے، ریگستان ہے، اس میں سفر کرنا ممکن نہیں، اس نے سوچا کہ اگر باہر نکل کر ریگستان کے صحرا میں چلوں گا تو تڑپ تڑپ کر بھوک پیاس سے مردوں گا، بہتر ہے کہ درخت کے سائے میں ہی مر جاؤں۔ مرنے کی نیت سے اسی درخت کے نیچے آ کر پھر لیٹ گیا، اب تو موت سامنے آ گئی۔ ذرا سی اس کی آنکھ لگ گئی، آنکھ کھلی تو دیکھا کہ وہی

اُوث اس کے سامنے موجود ہے، اُدپر تو شہ اور سامان سارا موجود ہے، اس کو اتنی مسرت ہوئی، اتنی خوشی ہوئی کہ بے اختیار کہنے لگا: ”اَللّٰهُمَّ اَنْتَ عَبْدِيْ وَاَنَا رَبُّكَ!“ یعنی اے اللہ! تو میرا بندہ اور میں تیرا رب ہوں۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: ”اَخْطَا مِنْ شِدَّةِ الْفُرُوحِ“ کہ اس کو اتنی خوشی ہوئی کہ اس غریب کو یہ بھی خیال نہ رہا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں، اُلٹ معاملہ کر دیا، کہنا تو یہ تھا: ”یا اللہ! میں تیرا بندہ ہوں، تو میرا رب ہے، آپ نے مہربانی فرمائی کہ میرا اُوث واپس فرمادیا۔“

تو آنحضرت ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: اس آدمی کو اتنی خوشی ہوئی کہ خوشی سے پاگل ہو گیا، اللہ تعالیٰ کو اپنے بندے کی توبہ سے اس سے زیادہ خوشی ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں سے شفقت

[حدیث: ۸۳۳] ”عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَعْضِ غَزَوَاتِهِ فَمَرَّ بِقَوْمٍ فَقَالَ مَنْ الْقَوْمُ؟ قَالُوا: نَحْنُ الْمُسْلِمُونَ وَامْرَأَةٌ تَخْضِبُ بِقُدْرُهَا وَمَعَهَا ابْنٌ لَهَا، فَإِذَا ارْتَفَعَ وَهَجٌ تَنَحَّضَتْ بِهِ فَانْتَبَأَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ: أَنْتَ رَسُولُ اللَّهِ؟ قَالَ: نَعَمْ! قَالَتْ: يَا أَبَى أَنْتَ وَابْنِي! أَلَيْسَ اللَّهُ أَرْحَمَ الزَّاجِعِينَ قَالَ: بَلَى! قَالَتْ: أَلَيْسَ اللَّهُ أَرْحَمَ بَعَادِهِ مِنْ الْأُمِّ بَوْلِدِهَا؟ قَالَ: بَلَى! قَالَتْ: إِنْ الْأُمُّ لَا تُثْلِقِي وَلَدَهَا فِي النَّارِ! فَأَكْتُبَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَكَبَّرُ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ إِلَيْهَا فَقَالَ: إِنْ اللَّهُ لَا يَغْدِبُ مِنْ عِبَادِهِ إِلَّا الْمَارِدَ الْمُتَمَرِّدَ الَّذِي يَتَمَرَّدُ عَلَى اللَّهِ وَأَبَى أَنْ يَقُولَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“

(مشکوٰۃ ص: ۲۰۸، بحوالہ ابن ماجہ)

ترجمہ: ”ایک جہاد میں آنحضرت ﷺ کچھ لوگوں کے پاس سے گزرے، دریافت فرمایا: ”کون لوگ ہو؟“ عرض کیا: ”ہم مسلمان ہیں!“ ایک خاتون آگ جلا رہی تھی، اس کی گود میں بچہ بھی تھا، آگ بھڑکتی تو بچے کو ہٹا دیتی، وہی خاتون آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئی، عرض کیا: ”آپ اللہ کے رسول ہیں؟“ فرمایا: ”ہاں!“ عرض کیا: ”میرے ماں باپ آپ پر قربان! کیا اللہ تعالیٰ ارحم الراحمین نہیں؟“ فرمایا: ”بلاشبہ!“ عرض کیا: ”کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے بڑھ کر شفیق نہیں جتنی کہ ماں اپنے بچے پر شفیق ہوتی ہے؟“ فرمایا: ”بے شک!“ عرض کیا: ”ماں تو اپنے بچے کو اپنے ہاتھ سے آگ میں نہیں ڈال سکتی!“ اس خاتون کی بات سنی تو آنحضرت ﷺ سر جھکا کر

رونے لگے، پھر سر اٹھا کر اس سے فرمایا کہ: ”بے شک اللہ تعالیٰ نہیں عذاب دیتے مگر ایسے سرکش کو جو اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں سرکشی کرے، اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرنے (”لا الہ الا اللہ“ کہنے) سے انکار کر دے۔“

تشریح: تمام ماؤں کی مستاحج کر لی جائے تو اللہ تعالیٰ کی شفقت کو نہیں پہنچ سکتی، جتنی بندوں سے اللہ تعالیٰ کو شفقت ہے، اب اگر بندے اپنی حماقت سے خود دوزخ میں چھلانگیں لگائیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی بات ماننے سے انکار کر دیں تو اس کا کیا علاج ہے؟ وگرنہ اللہ اپنے بندوں کو دوزخ میں نہیں ڈالنا چاہتے، اللہ تعالیٰ تو تمہیں بخشنا چاہتے ہیں، تمہیں جنت میں داخل کرنا چاہتے ہیں، اسی لئے رمضان المبارک میں جنت کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں، اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے گئے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے منادی اعلان کر رہا ہے: ”هَلْ مِنْ مُّسْتَغْفِرٍ فَأَغْفِرَ لَهُ“ کوئی بخشش مانگنے والا ہے کہ میں اس کی بخشش کروں؟ آؤ اس سے بخشش مانگو تا کہ تم کو بخش دیا جائے، لیکن بخشش مانگنے کے لئے لازم ہے کہ توبہ صحیح کرو، سچی توبہ کرو۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتُوبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا﴾ (التحریم: ۸)

ترجمہ: ”اے ایمان والو! توبہ کرو اللہ کی بارگاہ میں خالص اور سچی توبہ۔“

اگر سچی توبہ کے بغیر مر گئے تو جہنم میں ڈال کر پاک کئے جاؤ گے، قبر میں پاک کئے جاؤ گے، قبر اور دوزخ کا عذاب جھیل کر پاک ہو گے، اس سے بہتر یہ ہے اور بہت آسان نسخہ ہے کہ سچی توبہ کر کے یہیں پاک ہو جاؤ، کیونکہ جنت میں تو جس کو بھی لے جائیں گے پاک کر کے لے جائیں گے، تو کیا ہی اچھا ہو کہ ہم سچی توبہ کر کے یہیں سے پاک ہو کر جائیں، پوری ندامت کے ساتھ، دل کی ندامت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کر لیں۔

ایک حدیث میں ہے، ایک دن اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا عشاء کی نماز پڑھ کر دُعا مانگ رہی تھیں، دُعا لمبی ہو گئی اور وہ مسلسل مانگ رہی تھیں، اتنے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آ گئے، ان کو آنحضرت ﷺ سے خلوت میں کوئی بات کرنی تھی، آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”عائشہ! تم ایک طرف ہو جاؤ، دُعا چھوڑ دو، ہم تمہیں ایک دُعا بتائیں گے، وہ مانگ لینا، وہ تم کو کافی ہو جائے گی۔“ انہوں نے اپنی دُعا ختم کی اور ایک طرف ہو گئیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے خلوت میں مشورہ کیا، جب وہ رخصت ہو کر چلے گئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آئیں اور کہا کہ: یا رسول اللہ! آپ نے مجھے دُعا سکھانے کا وعدہ فرمایا تھا۔ فرمایا: ہاں! تمہیں دُعا سکھا دیتے ہیں، تم یہ دُعا کرو:

”اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا سَأَلَكَ مِنْهُ نَبِيُّكَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا اسْتَعَاذَكَ مِنْهُ نَبِيُّكَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ“
(مسند احمد ج: ۶ ص: ۱۳۳، كنز العمال: ۳۶۱۰)

ترجمہ: ”یا اللہ! آپ کے نبی حضرت محمد ﷺ نے آپ سے جتنی خیر کی چیزیں مانگی ہیں، میں بھی مانگتی ہوں، اور آپ کے نبی حضرت محمد ﷺ نے آپ سے جن جن چیزوں سے پناہ مانگی ہے، میں بھی ان سے پناہ مانگتی ہوں۔“

بس دعا مکمل ہوگئی، گویا آنحضرت ﷺ نے اپنی پوری زندگی میں جتنی دعائیں کیں، وہ پرچہ بنا کر دے دیا اور ہمیں اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ تم اس دعاؤں کے پرچے کے نیچے دستخط کر دو، پرچہ پہلے سے چھپا ہوا ہے، نیچے تمہارے دستخط ہو گئے تو وہ ساری دعائیں تمہاری طرف سے ہو گئیں، اور اللہ تعالیٰ ان کو منظور فرمائیں گے۔ جامع ترین دعائیں اللہ تعالیٰ سے مانگا کرو، اور خیر کی چیزیں مانگا کرو، اور خیر بھی وہ جو حضرت محمد ﷺ نے مانگی ہے، اور تمام شرور و فتن سے پناہ مانگا کرو، خاص طور پر وہ فتن و شرور کی چیزیں جن سے رسول اللہ ﷺ نے پناہ مانگی ہے، بے شک اللہ تعالیٰ سے دنیا بھی مانگو، لیکن صرف دنیا ہی نہ مانگا کرو، اللہ تعالیٰ ہماری آخرت دُورست فرمادیں تو اس کے طفیل میں دنیا خود بخود دُورست ہو جائے گی، اللہ تعالیٰ نے اس کا وعدہ فرمایا ہے، لہذا اس سے آخرت مانگو، آخرت کی نعمتیں مانگو، آخرت کی دولتیں مانگو، اللہ تعالیٰ سے جنت مانگو، اللہ تعالیٰ سے اس کی رضا مانگو، اللہ تعالیٰ سے خود اللہ تعالیٰ کی ذات عالی کو مانگو، وہ جب تم سے راضی ہو جائے گا تو تمہیں دنیا میں بھی رُسوا نہیں فرمائے گا۔ قرآن کریم کی آیت میں یہ وعدہ موجود ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تَوْبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَصُوحًا عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَن يُكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۚ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللَّهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ ۖ﴾
(التحریم: ۸)

ترجمہ: ”اے ایمان والو! اس کی بارگاہ میں خالص توبہ کرو، تمہارے رب سے یہ توقع ہے کہ تمہاری سیئات دُور کر دے گا، اور تم کو داخل کرے گا ایسی جنتوں میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، جس دن کہ اللہ تعالیٰ نبی کریم (ﷺ) کو اور جو لوگ کہ آپ کے ساتھ ایمان لائے ہیں، ان کو رُسوا نہیں فرمائے گا۔“

یعنی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو رُسوا نہیں فرمائے گا، اصل مقصود اہل ایمان کے رُسوانہ ہونے کو ذکر کرنا ہے، مگر اس بلاغت کے قربان جائیے کہ پہلے آنحضرت ﷺ کا ذکر فرمایا، پھر آپ ﷺ کی معیت میں اہل ایمان کا، گویا تنبیہ فرمادی کہ جس طرح آنحضرت ﷺ کا قیامت کے دن رُسوانہ ہونا یقینی

ہے، اسی طرح آپ کے طفیل میں اہل ایمان بھی یقیناً رسوائے ہوں گے، اس لئے ضروری ہے کہ سچی توبہ کر لو، اور اللہ سے بخشش مانگ لو۔

حدیث شریف میں یوں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کا حساب لیس گے تو اس کے اوپر اپنا پردہ ڈال دیں گے، اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ کسی کو کچھ معلوم نہیں ہوگا، قیامت کے دن کی بھری محفل ہے، حشر کا میدان ہے، اولین و آخرین جمع ہیں، لیکن اس بندے کے ساتھ کیا معاملہ ہو رہا ہے؟ کسی کو معلوم نہیں، اور اللہ تعالیٰ اس بندے سے فرمائیں گے: ”اذْخِرْ يَوْمَ كَذَا وَكَذَا“ یعنی یاد کرو تو نے فلاں فلاں دن فلاں فلاں گناہ کئے، بندہ اقرار کرتا جائے گا، اقرار کئے بغیر چارہ بھی تو نہیں ہوگا، اور سمجھے گا کہ میں تو ہلاک ہو گیا، مارا گیا، آخر میں اللہ تعالیٰ فرمائیں گے:

”سَتَرْنَا عَلَيْكَ فِي الدُّنْيَا، اَنَا اَغْفِرُ هَٰلِكَ الْيَوْمَ۔“ (متن علیہ مشکوٰۃ ص: ۳۸۵)

ترجمہ: میں نے دنیا میں تیرے لئے ان گناہوں کا پردہ رکھا تھا کہ کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیئے تھے، اور آج تیرے ان گناہوں کی مغفرت کرتا ہوں۔“

جاؤ! کسی کو پتا ہی نہیں چلا۔ یہ ہے تفسیر اس کی کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن رسوائے فرمائیں گے۔ ہم نے تو معاملہ اللہ کے ساتھ بگاڑا ہوا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمارے ساتھ معاملہ نہیں بگاڑا، ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ سے صحیح تعلق قائم کر لیا جائے، گناہوں سے توبہ کر لی جائے، گناہ تو ہم سے پھر بھی ہوتے رہیں گے، اللہ تعالیٰ سے سرکشی نہ کرو، خدا خواستہ غلطی ہو جائے تو فوراً توبہ کر لو، گناہوں کے میل پر توبہ کا صابن لگاتے رہو، تاکہ بارگاہِ الہی میں ایمان کا دامن داغ دار نہ لے جاؤ۔

اللہ کی رحمت سے ناامیدی نہیں

[حدیث: ۸۳۵] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ..... إِذَا قَالَ الرَّجُلُ هَلَكَ النَّاسُ

فَهُوَ أَهْلُكُهُمْ۔“ (صحیح مسلم ج: ۱۳، ص: ۶۲، حدیث نمبر: ۷۵۵، باب

التَّهْنِ عَنْ قَوْلِ هَلَكَ النَّاسُ)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب تم دیکھو کسی آدمی کو کہ وہ یہ کہتا ہے کہ لوگ ہلاک ہو گئے تو وہ شخص ان سب سے بڑھ کر ہلاک ہونے والا ہے یا یہ کہ اس شخص نے لوگوں کو ہلاک کیا ہے۔“

تبشریح: اس حدیث شریف میں فرمایا کہ جو کہے لوگ ہلاک ہو گئے لوگوں کا ستیاناس ہو گیا یہ ہو گئے وہ ہو گئے تو وہ ان سب سے زیادہ برباد ہونے والا ہے۔ فَهُوَ أَهْلُكُهُمْ يَافَهُوَ أَهْلُكُهُمْ ووطرح

پڑھا گیا ہے، محدثین اس حدیث کو دو طرح پڑھتے ہیں فَهَوَ أَهْلُكُمْ کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ ان سب سے بڑھ کر ہلاک ہونے والا ہے اور مطلب یہ ہے کہ لوگوں پر تو تنقید کرتا ہے لیکن جن برائیوں میں لوگ مبتلا ہیں ان میں خود سب سے بڑھ کر مبتلا ہے، جن کی وجہ سے لوگوں کو کہتا ہے کہ یہ ہلاک ہو گئے ہیں پھر ساتھ ساتھ لوگوں کی برائی بھی کرتا ہے تو ان سے بڑھ کر ہلاک ہونے والا ہو۔

اور اگر فَهَوَ أَهْلُكُمْ پڑھا جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ اس شخص نے ان کو ہلاک کیا ہے کیونکہ وہ مسلمان خواہ کتنا ہی کمزور ہو کسی ہی غلطیوں میں مبتلا ہو بہر حال اس کے لئے اللہ کی طرف رجوع کرنے کی اور اللہ کے رحمت کے دروازے پر دستک دینے کی گنجائش رہتی ہے توبہ کر لے لیکن یہ شخص اس کو کہتا ہے کہ اب تیری بخشش نہیں ہوگی تو گویا کہ اس نے اس کو مایوس کر کے کافر کر دیا، وہ پہلے گناہ گار مسلمان تھا اب اس شخص نے اس کو اللہ کی رحمت سے مایوس کر دیا، اب وہ کہتا ہے کہ بخشش تو ہونی نہیں چاہئے چلو پھر چلتے جاؤ جو ہو گا وہ ہو گا اور اگر یہ ترغیب دیتا ہے کہ میاں جتنا گزار چکے ہو وہ تو گزر گیا لیکن اب بھی سنو سکتا ہے توبہ کر لو اللہ کی طرف رجوع کر لو، کیا بعید ہے کہ اللہ کی عنایت تمہاری طرف متوجہ ہو جائے اور تمہاری زندگی جو گناہوں میں گزرتی تھی اس کی لائن اللہ بدل دے، جو کچھ کوتاہیاں لغزشیں ہوئی ہیں ان کی معافی مانگ لو اللہ تعالیٰ معاف کر دے گا، یقین رکھو اگر سچے دل سے توبہ کر کے اللہ کی طرف آؤ گے تو یہ وعدہ ہے اللہ تعالیٰ کا کہ وعدہ قبول کرے گا وَ مَنْ تَابَ تَابَ اللَّهُ عَلَيْهِ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے جو شخص توبہ کرے اللہ اس کی توبہ ضرور قبول کرتے ہیں۔

بہر کیف! لوگوں پر تنقید کرنا اور خود اپنی خیر نہ لینا اس کی رسول اللہ ﷺ مذمت فرماتے ہیں تاہم یہ لکھا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: اگر لوگوں کے گناہ اور سستی دیکھ کر افسوس سے یوں کہے کہ ہائے لوگ کیا بگڑ گئے ہیں برباد ہو گئے ہیں تو کچھ مضائقہ نہیں، اگر یہ بات غرور سے کہے اپنے آپ کو تو بہتر سمجھے اور دوسروں کو ذلیل جانے تو ہرگز درست نہیں حدیث کے موافق، امام مالک فرماتے ہیں کہ لوگ برباد ہو گئے اگر کوئی شخص کہتا ہے تو اس کا منشاء صحیح بھی ہو سکتا ہے غلط بھی ہو سکتا ہے، صحیح ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کو دیکھ کر جس میں لوگ مبتلا ہیں کڑھتا ہے بچارہ کہتا ہے دیکھو لوگ کیسے برباد ہو رہے ہیں؟ افسوس کرتا ہے تو یہ ناشی ہے اس کے ایمان سے اس کا یہ افسوس کرنا کہ لوگوں کی حالت کیسی ہو گئی ہے اللہ کے احکام کی پرواہ نہیں کرتے گناہوں سے پرہیز نہیں کرتے اس کو صدمہ ہوتا ہے، اس سے توبہ بات بری نہیں بلکہ اچھی ہے کیونکہ فشاء اس کا ایمان ہے اور اگر بطور فخر کے اپنی پارسائی اور لوگوں کی گناہ گاری جتانے کے لئے اپنی بزرگی اور لوگوں کی تحقیر کے لئے کہتا ہے یہ بات تو پھر جیسا کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ یہ سب سے بڑھ کر برباد ہونے والا ہے۔

غلطی اور بھول چوک پر پکڑ نہیں

[حدیث: ۸۳۶] ”عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ..... إِنَّ اللَّهَ وَضَعَ عَنْ أَتَمِّي الْخَطَا وَالنِّسْيَانَ وَمَا اشْكُرْهُوَ عَلَيْهِ“

(سنن ابن ماجہ ج: ۲، ص: ۲۱۷، حدیث نمبر: ۲۰۳۵، باب طلاق المنکوحہ والناسیہ)
ترجمہ: ”ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے شک اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا ہے میری اُمت سے غلطی کو بھول کو اور اس چیز کو جس پر ان کو مجبور کیا جائے۔“

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میری اُمت سے بھول چوک اور جس چیز پر ان کو مجبور کیا جائے اس سے درگزر فرمایا ہے، مطلب یہ کہ گناہ نہیں ہوگا کوئی کام بھول کر کر لیا ہو اس کا گناہ نہیں، غلطی سے کر لیا ہو اس کا گناہ نہیں اور اگر واقعاً کسی کو مجبور کیا گیا ہو کسی کام پر اس کا گناہ نہیں، باقی رہا حقون العباد کا مسئلہ اگر غلطی سے یا بھول کر کسی کا نقصان کر دے تو تاوان تو دینا پڑے گا، معافی کا یہ معنی تو نہیں کہ اس کے ذمے تاوان بھی نہیں، گناہ نہیں ہوگا لیکن تاوان لازم آئے گا، اسی طرح بعض عبادتیں ایسی ہیں کہ ان میں خطا اور نسیان معاف ہے لیکن بعض ایسی ہیں کہ ان میں معاف نہیں ہیں، مثال کے طور پر روزے میں اگر آدمی بھولے سے کھاپی لے تو روزہ نہیں ٹوٹا لیکن اگر غلطی سے کھالے، غلطی کا معنی یہ ہے کہ روزہ یا د تھا لیکن کلی کرنے لگے پانی اندر چلا گیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور نماز میں اگر بھولے سے بھی آدمی بات کرے، بھول کر یا خطا کے طور پر یا جہل کی بناء پر کہ مسئلہ معلوم نہیں تھا ہر صورت میں کفارہ لازم آئے گا اور دم لازم آئے گا، صدقہ لازم آئے گا۔

باقی یہاں تک اکراہ کا تعلق ہے اس میں کچھ تفصیل ہے یعنی مجبور کئے جانے کا، اگر کوئی شخص کسی کو کسی گناہ کے کام پر مجبور کرے، مثال کے طور پر شراب پر مجبور کرے شراب پینے پر مجبور کرے اور یہ کہے کہ اگر تم شراب نہیں پیو گے تو میں تمہیں قتل کر دوں گا تو اس صورت میں اس کام کا کر لینا ضروری ہے اپنی جان بچانے کے لئے اور اگر کوئی شخص اس کام کو نہیں کرتا اور مارا جاتا ہے قتل ہو جاتا ہے تو گنہگار ہوگا، اس لئے کہ اس میں قانون الہی کی خلاف ورزی ہے اور اگر کسی شخص کو یہ کہا جائے کہ تم فلاں کے مال ضائع کر دو ورنہ تمہیں قتل کر دیں گے تو دوسرے کے مال کا ضائع کرنا اس کے لئے جائز نہیں لیکن اگر جان بچانے کے لئے وہ ایسا کر لے گا تو اس کے ذمے تاوان لازم آئے گا اور اگر کسی کو مجبور کیا گیا کہ فلاں آدمی کو قتل کر دو ورنہ تمہیں جان سے مار دیں گے تو اس کے لئے قتل کرنا جائز نہیں اور اگر قتل کرے گا تو فی النار ہوگا، قاتل کی سزا جو ہوگی قیامت

کے دن وہ اسی کی سزا ہوگی، اس لئے کہ کسی مسلمان کو قتل کرنا اس کے بجائے یہ بہتر تھا کہ یہ خود قتل ہو جاتا شہید ہو جاتا، اس کے علاوہ کچھ مزید تفصیلات ہیں جو فقہ کی کتابوں میں ذکر کی گئی ہیں۔

جامع صغیر کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری خاطر میری امت سے خطا اور نسیان کو معاف کر دیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ یہ آنحضرت ﷺ کی کرامت اور فضیلت تھی ورنہ پہلی امتوں سے خطا اور نسیان کو معاف نہیں کیا جاتا تھا۔



کتاب المعاشرة والمعاملات اسلامی معاشرت و معاملات

حقوق و فرائض اسلام کی نظر میں!

انسان کے اس دنیا میں قدم رکھتے ہی اس کے تعلقات یہاں کے رہنے والوں سے قائم ہو جاتے ہیں، وہ کسی کا بیٹا ہے، کسی کا بھائی ہے، کسی کا بھانجا ہے، کسی کا بھتیجا ہے، پھر یہی تعلقات اس کی زندگی کے ساتھ ساتھ بڑھتے رہتے ہیں اور حقوق و فرائض کا ذریعہ بنتے ہیں، یعنی کچھ چیزیں اس کی دوسروں کے ذمہ لازم ہیں ان کو حقوق کہا جاتا ہے، اور کچھ چیزیں دوسروں کی اس کے اوپر عائد ہوتی ہیں، انہیں ”فرائض“ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اگر ”حقوق و فرائض“ کو ٹھیک ٹھیک ادا کیا جائے تو زندگی پر لطف اور خوشگوار گزرتی ہے، ورنہ زندگی ایک بوجھ بن کر رہ جاتی ہے۔

دنیا کے ہر مہذب معاشرے میں حقوق و فرائض کا تصور پایا جاتا ہے مگر اسلام کے پیش کردہ حقوق و فرائض کا مقابلہ دنیا کی کوئی قوم اور کوئی معاشرہ نہیں کر سکتا، اس لئے کہ دنیا کی سب قوموں نے اپنے اپنے تجربات کی روشنی میں اپنی اپنی عقل و فہم کے مطابق حقوق و فرائض کے دائرے متعین کئے ہیں، انسانی تجربات چونکہ ناقص ہیں اور پھر عقل کے ساتھ انسان کی ذاتی پسند و ناپسند کی آلائشیں لگی ہوئی ہیں، اس لئے ان میں وقتاً فوقتاً اصلاح و ترمیم کی ضرورت پیش آتی ہے، آج جس چیز کو بڑے زور و شور سے ”بنیادی حق“ ثابت کیا جاتا ہے، کل اسی شد و مد سے اس کے خلاف تقریریں ہوتی ہیں، ماں باپ کے ذمہ اولاد کے اور اولاد کے ذمہ ماں باپ کے کیا حقوق ہیں؟ شوہر پر بیوی کے اور بیوی پر شوہر کے کیا فرائض عائد ہوتے ہیں؟ رشتہ داروں کے آپس میں کیا حقوق ہیں؟ فرد اور معاشرہ کے باہمی حقوق کیا ہیں؟ اسلام کے سوا دنیا کا کوئی مذہب کوئی قانون اور کوئی سماج ان سوالوں کا دونوک اور واضح جواب نہیں دیتا، نہ دے سکتا ہے۔ اسلام چوہ خدا نے احکم الحاکمین کا نازل کیا ہوا دین ہے، جس کے علم سے کائنات کا کوئی ذرہ پوشیدہ نہیں، جو انسانی فطر کی تمام نزاکتوں سے واقف ہے، اور جس کے قانون حکمت میں کسی خواہش، جانب داری اور وقتی جذبات

آمریش نہیں، اس لئے اسلام نے حقوق و فرائض کا جو چارٹ پیش کیا ہے، وہ اس قدر جامع ہے کہ زندگی کا کون شعبہ اور کوئی گوشہ اس سے خارج نہیں، اور پھر وہ اس قدر معتدل اور منصفانہ ہے کہ اس میں ایک رتی برابر بھی ادھر ادھر جھکاؤ نہیں، اور پھر وہ اس قدر مستحکم ہے کہ دنیا جہان کے سارے عقلاء مل کر بھی اس پر کوئی اضافہ نہیں کر سکتے، اب ہماری کوتاہ نظری اور کم فہمی کا کیا جائے کہ ہم حقوق و فرائض کا کاسہ گدائی لے کر کبھی مغرب کا رخ کرتے ہیں اور کبھی مشرق کا، کبھی لندن سے سندھ لاتے ہیں، کبھی ماسکو سے، ہم آئیڈیل کے طور پر ان لوگوں کے حوالے پیش کرتے ہیں جنہیں کبھی غسل جنابت کی بھی توفیق نہیں ہوئی، ہمارے سامنے ان لوگوں کا نمونہ آتا ہے جو اپنا پیشاب خود پیتے ہیں، جن کی محبوب ترین غذا خنزیر، مردار اور چوہے ہیں، عقل و دانش سے کورے، ایمان و یقین سے بے بہرہ ہیں اور صحیح انسانی اخلاق سے نا آشنا ہیں، مسلمان کے لئے یہ لوگ معیاری انسان ہو سکتے ہیں؟

خیر یہ ایک سخن گسترانہ بات تھی جو زبان قلم پر بے ساختہ آگئی، کہنا یہ ہے کہ اسلام نے حقوق و فرائض کا جو دستور مسلمانوں کے حوالے کیا ہے دنیا کا کوئی قانون اس کی جامعیت، اس کی ہمہ گیری، اس کی اعتدال پسندی اور اس کی اثر اندازی کا مقابلہ نہیں کر سکتا، اب اگر مسلمان اس سے خود جاہل ہوں، یا جان بوجھ کر عمل سے پہلو تہی کریں، تو اس میں قصور کس کا ہے؟

اسلام کے متعین کردہ حقوق و فرائض کے سلسلے میں ایک اور اہم ترین نکتہ بھی پیش نظر رہنا چاہئے، آج آپ کے گرد پیش حقوق طلبی کا غلغلہ بلند ہے، ہر شخص اپنا حق مانگتا ہے، خواتین مردوں سے حقوق کی جنگ لڑ رہی ہیں، کسان مالکوں سے حقوق کا مطالبہ کر رہا ہے، مزدور کارخانہ داروں کے خلاف حق تلفی کا ماتم کرتا ہے، غرض جس طرف دیکھو حق حق کی صدائیں بلند ہیں، لطف یہ کہ ہر شخص وہ حق تو مانگتا ہے جو اس کا لوگوں کے ذمہ ہے، لیکن دوسروں کا جو حق خود اس کے ذمہ ہے اس کے ادا کرنے سے بے پرواہ ہے۔

اب ذرا سوچئے کہ جس معاشرہ میں ہر فرد اپنا حق مانگنے کے لئے توخم ٹھونک کر میدان میں نکل آئے، مگر دوسروں کے جو حقوق و فرائض اس کے ذمہ واجب الادا ہیں ان کے ادا کرنے والا ایک بھی نہ ہو تو کیا ایسے معاشرے میں امن قائم ہو سکتا ہے؟ اور کیا کسی فرد کو بھی اس کا صحیح اور منصفانہ حق مل سکتا ہے؟ نہیں مل سکتا! بلکہ ہو گا یہ کہ کسی کا زور چلے گا تو اپنے جائز حق سے بھی زیادہ اڑالے جائے گا اور کوئی شخص کمزور ہو گا تو ایڑیاں رگڑتا ہوا جائے گا، اس کی نہ کوئی داد ہوگی نہ فریاد، یوں پورا معاشرہ دھاندلی اور لوٹ کھسوٹ کی لپیٹ میں آ جائے گا۔ آج کی بے خدا تہذیبوں نے دنیا کو یہی پٹی پڑھائی ہے کہ ہر شخص اور ہر طبقہ اپنے اپنے حق کا نعرہ لے اور زور زبردستی سے جو کچھ کسی کے ہاتھ آئے چھین کر لے جائے، نہ ملے تو کارخانے جلا دے، اکھاڑ ڈکرے، امن و امان تباہ کر ڈالے، آج دنیا میں حق طلبی کی یہ جنگ ہر جگہ برپا ہے اور پوری دنیا اس کی وجہ

سے معرکہ کارزار اور میدان جنگ بنی ہوئی ہے۔

اسلام اور انسانی حقوق

انسانی حقوق کی تعیین و تشریح کے سلسلے میں اسلام کو بہت سے ایسے امتیازات حاصل ہیں، جن میں دنیا کا کوئی دین و مذہب اور کوئی دستور و قانون اس سے چشم نمائی نہیں کر سکتا، اس کا پہلا امتیاز تو یہ ہے کہ اس نے انسانی حقوق کا دائرہ اس قدر وسیع رکھا ہے کہ پوری زندگی اس کے احاطہ میں آ جاتی ہے، والدین کے حقوق، بیوی بچوں کے حقوق، عزیز و اقرباء کے حقوق، پڑوسیوں ہمسایوں کے حقوق، دوست احباب کے حقوق، راعی، رعایا اور حاکم، محکوم کے حقوق، فرد اور ریاست کے حقوق، مزدوروں کے حقوق، نادار اور ضعفاء کے حقوق، عام مسلمانوں کے حقوق، عام انسانوں کے حقوق، وغیرہ وغیرہ۔

اسلام نے صرف انسانی حقوق ہی کا دائرہ وسیع نہیں کیا، بلکہ چوپایوں اور حیوانات تک کے حقوق سے بھی آگاہ کیا ہے مگر نظر غائر دیکھا جائے تو اسلام نام ہی حقوق اللہ اور حقوق العباد کے ادا کرنے کا ہے۔ اسلام کا دوسرا امتیاز یہ ہے کہ اس نے انسانی افراد کو حق طلبی کا خوگر نہیں بنایا بلکہ ادائے حقوق کی تلقین فرمائی ہے، آج کے نام نہاد مہذب معاشرے کا سب سے بڑا بگاڑ یہ ہے کہ ہر شخص اپنے حقوق کی فہرست لئے بھرتا ہے اور ہر فرد اوار و اطریقہ سے ان کا مطالبہ کرتا ہے، لیکن اس کے ذمہ لوگوں کے جو حقوق واجب ہیں ان کی ادائیگی سے بے فکر ہے، جب معاشرے کا ہر فرد حق مانگنے والا بن جائے اور حق ادا کرنے والا کوئی نہ رہے تو اس کا نتیجہ وی شر و فساد ہوگا جو آج کی دنیا میں رونما ہے۔ اسلام ہر فرد کو یہ احساس دلاتا ہے کہ تمہارے ذمہ جو حقوق ہیں ان کے ادا کرنے کا اہتمام کرو، اس لئے کہ قیامت کو تم سے ان کی باز پرس ہوگی، اسلام مردوں کو بتاتا ہے کہ ان کے ذمہ عورتوں کے کیا حقوق ہیں، عورتوں کو نہیں اس کا بتاتا کہ تم حقوق کا پلندہ لے کر سڑکوں پر نکل آؤ، عورتوں کو یہ بتایا ہے کہ ان کے شوہروں کے ان کے ذمہ کیا حقوق ہیں، مردوں سے یہ نہیں کہتا کہ تم اپنے حقوق کے مطالبہ کے لئے کھڑے ہو جاؤ، اور گھر میں کسی کا جینا دو بھر کر دو، اسلام آجروں کو تلقین کرتا ہے کہ اجیر کا حق اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو، مگر اجیروں کو یہ کہہ کر نہیں ابھارتا کہ تم کام چھوڑ کر بیزار اٹھاؤ، غلام یہ کہ اسلام ہر شخص کو یہ تلقین کرتا ہے کہ وہ یہ دیکھے کہ اس کے ذمہ کیا کیا حقوق ہیں؟ اور یہ کہ کیا وہ ان حقوق کو ٹھیک ٹھیک منشاء خداوندی کے مطابق ادا کر رہا ہے؟ اس طرح اسلام پوری قوم اور پورے معاشرے کو سو فیصد حقوق ادا کرنے والے دیکھنا چاہتا ہے، اور یہ بات اسلام کے مزاج اور اس کی تعلیمات کے یکسر خلاف ہے کہ حقوق کی مانگ تو ہر شخص کی طرف سے ہو لیکن حقوق کی سو فیصد ادائیگی کسی ایک فرد کی طرف سے بھی نہ ہو رہی ہو۔ آج مسلم معاشروں میں جو افراتفری اور بد امنی و فساد پایا جاتا ہے وہ اسلام

کے اس مزاج سے انحراف کا نتیجہ ہے۔

اسلام کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ حقوق و فرائض کے سلسلہ میں وہ صرف قانون کا استعمال نہیں کرتا، بلکہ انسان میں اداۓ حق کا ایک ایسا شعور اور ذمہ داری کی ایک ایسی حس بیدار کرتا ہے کہ آدمی محض قانون کی گرفت سے بچنے کے لئے نہیں بلکہ حق تعالیٰ شانہ کی رضا جوئی، اس کی ناراضی کے خوف اور محاسبہ آخرت کے اندیشہ سے وہ اپنے ذمہ کے حقوق کو ٹھیک ٹھیک ادا کرے، اسلام بتاتا ہے کہ اگر دنیا میں کسی نے کسی کی حق تلفی کی تو قیامت کے دن اس سے ایک ایک ذرہ کا معاوضہ دلایا جائے گا، یہاں تک کہ اگر کسی سینگ والی بکری نے بے سینگ بکری کو دنیا میں سینگ مارا تھا تو قیامت کے دن دونوں کو زندہ کر کے بے سینگ بکری کا بدلہ دلایا جائے گا، جب بے شعور حیوانوں تک کے درمیان یہاں تک انصاف ہوگا، تو جن انسانوں نے عقل و شعور کے باوجود لوگوں کے حقوق سلب کئے ان کا کیا حال ہوگا؟

الغرض اسلام اپنی پاکیزہ تعلیم کے ذریعہ انسانی حقوق کا اس قدر تحفظ کرتا ہے کہ بعض صورتوں میں انہیں حقوق اللہ سے بھی زیادہ سنگین قرار دیتا ہے، اور اہل اسلام میں ایسی حس پیدا کرنا چاہتا ہے کہ کسی کی حق تلفی کی انہیں کبھی جرأت نہ ہو، اور اگر خدا نخواستہ کسی سے کسی کی حق تلفی ہو ہی جائے تو جب تک اس کی مکافات نہ کر لے اسے کسی کروٹ چین نہ آئے، آنحضرت ﷺ کے تربیت یافتہ حضرات، جنہیں ہم صحابہ کرام و پیغمبر کے مبارک نام سے یاد کرتے ہیں سو فیصد انسانی حقوق کے نگہبان اور ان کے ادا کرنے والے تھے اس لئے ان کے زمانہ سعادت میں امن و سکون کا جو نظارہ چشم فلک نے دیکھا انسانی تاریخ اسکی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے اور آج کی مہذب دنیا میں اگر مسلمان حقوق و فرائض میں تساہل سے کام لیتے ہیں تو یہ تہذیب فرنگ اور یہود و نصاریٰ کی نقالی کا اثر ہے، اس ملعون تہذیب کے نتیجے میں جب سے مذہب کی گرفت ڈھیلی ہوئی ہے مسلمان بھی اسی شقاق و نفاق اور بددیانتی و حق تلفی کو ہنر سمجھنے لگے ہیں جو بے خدا اور ملعون و مغضوب قوموں کا شعار ہے، اس لئے ضرورت ”اسلام اور انسانی حقوق“ پر مقالے پڑھنے کے ساتھ ساتھ اس بات کی ہے کہ مسلمان عملی طور پر اپنے مذہب کا نمونہ پیش کریں اور یہود و نصاریٰ کی تقلید سے آزاد ہو کر محمد رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کو رہبر بنائیں۔

اسلامی اخوت اور شیطانی تدابیر

قرآن کریم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کے بعد اُمتِ مسلمہ کے حق میں سب سے بڑی نعمت اتفاق و اتحاد ہے، اور سب سے بڑا عذاب ان کا باہمی انتشار و افتراق ہے، قرآن کریم، مسلمانوں کو گروہ بندیوں کا حکم نہیں دیتا، بلکہ انہیں حکم دیتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھیں اور انہیں حق تعالیٰ

کا یہ انعام یاد دلاتا ہے کہ دیکھو! تم اسلام سے پہلے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے، اللہ نے تم پر احسان فرمایا کہ تمہارے دلوں کو جوڑ دیا (آل عمران: ۱۰۳)۔ اور مسلمانوں کو یہ بھی فہمائش کرتا ہے کہ رسول کی اطاعت کو لازم پکڑو، اور اختلاف پیدا نہ کرو، ورنہ تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی، تمہارا رب و بدبہ جاتا رہے گا اور تم دشمنوں کی نظر میں ذلیل و خوار اور بے قیمت ہو جاؤ گے (الانفال: ۳۶)۔

قرآن کریم مسلمانوں کے اختلاف مٹانے کی تدبیر بھی بتاتا ہے اور اس کے لئے یہ کلیہ تجویز کرتا ہے کہ اگر تمہارے درمیان کسی مسئلے میں نظریاتی اختلاف پیدا ہو جائے تو اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر کے سب اس کے فیصلے پر راضی ہو جاؤ (الشوری: ۱۰)۔ اور اپنے تنازع کو مٹانے کے لئے اسے خدا و رسول کی عدالت میں پیش کرو (النساء: ۵۹)۔ پھر خدا تعالیٰ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق جو فیصلہ بھی سامنے آئے اس پر سر تسلیم خم کر دو (النساء: ۶۵)۔

دو مسلمانوں کے درمیان اگر ذاتی اور نجی امور میں باہمی رنجش پیدا ہو جائے تو قرآن کریم اسلامی برادری کو حکم دیتا ہے کہ عدل و تقویٰ کے تقاضوں کو ٹھیک ٹھیک ملحوظ رکھتے ہوئے دوڑوٹھے ہوئے بھائیوں کے درمیان صلح صفائی کرادو (الحجرات: ۱۰)۔ اور اگر خدا نخواستہ یہ رنجش گروہی جنگ کی شکل اختیار کر لے، اور اہل ایمان کی دو پارٹیاں آپس میں آمادہ پیکار ہو جائیں تو قرآن کریم اسلامی معاشرہ پر یہ فرض عائد کرتا ہے کہ وہ رنگ و نسل، قوم و وطن، قبیلہ و برادری کے تمام تعلقات سے بالاتر ہو کر یہ دیکھے کہ ان دونوں میں سے حق پر کون ہے؟ اور زیادتی کس کی طرف سے ہو رہی ہے، پس جو فریق زیادتی پر اتر آئے اس سے پورے معاشرے کو غمٹنا چاہئے، اور جب تک وہ اپنی زیادتی کو چھوڑ کر حکم الہی کے آگے جھکنے پر آمادہ نہ ہو اس سے مسلمانوں کی صلح نہیں ہونی چاہئے (الحجرات: ۹)۔

قرآن کریم نے ان اسباب و ذرائع کی بھی نشاندہی کی ہے جن کے ذریعہ شیطان مسلمانوں کو آپس میں لڑاتا ہے، اور جو ان کے انتشار و افتراق کے لئے زمین ہموار کرتے ہیں، ان میں سب سے پہلی چیز اسلامی اخوت کے رشتہ کا کمزور پڑ جانا اور مسلمانوں کا خدا و رسول کی اطاعت سے روگردانی کرنا ہے۔ جب اسلام کی عظمت و تقدس کا لحاظ نہ رہے تو ظاہر ہے کہ اسلامی اخوت و اسلامی اتحاد کا احترام بھی اٹھ جاتا ہے، اس صورت میں مسلمان آپس میں دست و گریبان ہونے میں کوئی قباحت محسوس نہیں کریں گے۔

دوسری چیز جو اسلامی اخوت کی روح کو کچل دیتی ہے وہ ایک مسلمان کی دوسرے مسلمان سے بدگمانی ہے، اسی لئے قرآن کریم نے بدگمانی سے احتراز کرنے کی ہدایت فرمائی ہے اور مسلمانوں کو بتایا ہے کہ جس بدگمانی کا صحیح منشا موجود نہ ہو وہ گناہ ہے، حدیث پاک میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ ”بدگمانی سے احتراز کیا کرو کیونکہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے۔“

تیسری بات جو بدگمانی سے جنم لیتی ہے وہ غیبت اور بہتان ہے۔ جب ایک شخص کو دوسرے شخص سے سوہن ہو جاتا ہے تو اظہارِ نفرت کے لئے اس کی برائیوں کی داستان بڑے مزے لے کر بیان کرتا ہے، ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان کی پس پشت برائی کرنا غیبت کہلاتا ہے۔ اور یہ قرآن کریم کی نظر میں مردہ بھائی کا گوشت کھانے کے مترادف ہے، غیبت ایسا خبیث گناہ ہے کہ بڑے بڑے پرہیزگار لوگ اس میں نہ صرف مبتلا ہو جاتے ہیں بلکہ اس کو اچھی چیز سمجھنے لگتے ہیں، کیونکہ دوسرے کی برائیاں بیان کرنے میں نفس کو لذت ملتی ہے، اور وہ ایسے زہر کوٹھنڈی گولی سمجھ کر شوق سے کھاتا ہے اسی بنا پر حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ ”غیبت زنا سے بھی زیادہ سنگین جرم ہے۔“ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! یہ زنا سے سنگین جرم کیوں ہے؟ فرمایا: بدکار بدکاری کرتا ہے تو اسے برا سمجھ کر کرتا ہے اور کرنے کے بعد اس پر پشیمان ہوتا ہے، اس سے توبہ کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتا ہے، مگر غیبت کرنے والے کو احساس ہی نہیں ہوتا کہ وہ کوئی گناہ کر رہا ہے۔ اس لئے اس کبیرہ گناہ سے توبہ کرنے کی بھی اسے توفیق نہیں ہوتی۔

چوتھی چیز غلط خبروں کی اشاعت ہے جب آدمی کو کسی سے نفرت ہو جائے تو بسا اوقات وہ صرف غیبت ہی پر اکتفا نہیں کرتا ہے بلکہ افسانہ طرازی بھی شروع کر دیتا ہے اور محض اپنے قیاس اور اندازے کو تخیلات میں ڈھال کر واقعہ بنا لیتا ہے۔ اور کبھی اصل بات کچھ اور ہوتی ہے مگر اس میں رنگ آمیزی اور حاشیہ آرائی کر کے اسے کچھ کا کچھ بنا لیا جاتا ہے۔ یہ حرکت بہت سے کبیرہ گناہوں کا مجموعہ ہے۔ جھوٹ، بہتان، غیبت، کسی مسلمان کی دل آزاری و رسوائی جیسے سب گناہ اس میں سمٹ آتے ہیں اس لئے قرآن کریم نے مسلمانوں کو ہدایت فرمائی ہے کہ جب انہیں کسی مسلمان کے بارے میں کوئی خبر ملے تو اس پر بغیر تحقیق کے نہ تو یقین کیا کریں، اور نہ اس پر اپنے کسی رد عمل کا اظہار کریں، قرآن کریم ایسی خبریں اڑانے والوں کو ”فاسق“ کہہ کر انہیں ناقابل اعتبار قرار دیتا ہے۔

پھر جب ایسی خبریں عام طور پر ایک دوسرے کے خلاف شائع ہونے لگتی ہیں تو طرفین میں عداوت کے شعلے بھڑک اٹھتے ہیں اور مسلمانوں کو اپنی جو قوت کفر کے مقابلے میں خرچ کرنی چاہئے تھی وہ آپس کی گناہی میں صرف ہونے لگتی ہے، ہر فریق دوسرے فریق کو نیچا کھانے کے لئے اپنی ساری صلاحیتیں خرچ کر دیتا ہے اس طرح مسلمانوں کی قوت، ان کا وقت، ان کا مال، انکی دماغی و جسمانی صلاحیتیں آپس کی سرپھنول کی نذر ہونے لگتی ہیں۔ اسلام اور مسلمانوں کے دشمن اطمینان کا سانس لیتے ہیں اور انہیں مسلمانوں سے مقابلہ و مقاومت کا کوئی خطرہ باقی نہیں رہ جاتا۔ یہ ہے وہ سب سے بڑا عذاب جس سے اسلامی معاشرہ دوچار ہے۔

شیطان نے مسلمانوں کو لڑانے کے لئے جو بے شمار ذرائع ایجاد کئے ہیں ان میں بہت سی چیزیں ایسی ہیں۔ جن کی قباحت کی طرف کسی کی نظر ہی نہیں جاتی، وہ اس کے لئے کبھی مذہبی میدان ہموار کرتا ہے اور

چند سر پھروں کو نئے نئے شوشے چھوڑنے پر اکساتا ہے، کبھی اس کے لئے سیاسی میدان تیار کرتا ہے۔ اور مسلمانوں کو مختلف ٹکڑیوں میں بانٹ کر سیاسی دنگل میں اتار دیتا ہے۔ کبھی قوم و وطن اور قبیلہ و برادری کا بیت تراث کر چند سامریوں کو اس کا سر پرست بنا دیتا ہے، اور وہ اسلامی اخوت کے تمام رشتے کاٹ پھینکتے ہیں، کبھی طبقاتی کشمکش برپا کر کے مسلمانوں کو ایک دوسرے کے خون سے عداوت و دشمنی کی پیاس بجھانے کی تدبیر بھجاتا ہے۔ اور یہ ساری چیزیں اسلامی معاشرے کو جہنم کا نمونہ بنا دیتی ہیں، بد قسمتی سے آج ہمارے گرد و پیش یہی شیطانی الاؤ روشن ہیں اور مسلمان اس کا ایندھن بننے جا رہے ہیں۔ حق تعالیٰ شانہ اہل اسلام کو اسلامی اخوت کے رشتے میں منسلک رہنے کی توفیق عطا فرمائے، اور تمام شیطانی تدابیر سے انہیں محفوظ رکھے۔

احساس ذمہ داری

زندگی احساس و شعور کا نام ہے اور احساس و شعور باقی نہ رہے تو اسے موت سے تعبیر کیا جاتا ہے، قوموں کی زندگی کا پیمانہ بھی ذمہ داریوں کا شعور ہے، ایک زندہ قوم وہی کہلاتی ہے جس کا ہر طبقہ بلکہ ہر فرد اپنے فرائض کا شعور رکھتا ہو اور پوری ذمہ داری کے ساتھ اپنے فرائض کو بجالاتا ہو، اس کے برخلاف جب قوم اپنے فرائض کے شعور سے محروم ہو جائے تو یہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ وہ ایک زندہ قوم کی طرح اپنے اندر تنگ و دو کی صلاحیت نہیں رکھتی۔

تو میں اپنے افراد و طبقات کے فرائض، رسم و رواج اور احوال و ظروف کے پیمانے سے متعین کرتی ہیں، لیکن مسلمانوں کی یہ خصوصیت ہے کہ ان میں سے ہر فرد اور ہر طبقہ کے فرائض صرف معاشرتی رسوم و قیود کے رہیں منت نہیں بلکہ وحی آسمانی نے وہ فرائض ان کے ذمہ عائد کئے ہیں، اس لئے مسلمانوں کی قومی زندگی کی نشوونما اس پر منحصر ہے کہ ان میں سے ہر فرد اور ہر طبقہ ان حقوق و فرائض کو کہاں تک بجالاتا ہے، جو احکم الحاکمین کی طرف سے اس پر عائد کئے گئے ہیں، اور پھر دوسری قوموں کے سامنے فرائض بجالانے یا نہ لانے پر مجبور آخرت کا کوئی تصور نہیں، لیکن ایک مسلمان کے لئے ہر قدم پر اس کا دھڑکا ہے کہ اس سے اس کی باز پرس ہوگی، آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

”عن عبد اللہ ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: الا کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیته فالامام الذی علی الناس راع و هو مسئول عن رعیته، والرجل راع علی اہل بیته و هو مسئول عن رعیته، والمرأة راعیة علی بیت زوجها و ولدها، وھی مسئولة عنهم، و عبد الرجل راع علی مال سیدہ و هو مسئول عنه، الا فکلکم راع و کلکم مسئول عن رعیته متفق

(مشکوٰۃ ص: ۳۲۰)

علیہ۔

ترجمہ: ”یاد رکھو! تم میں سے ہر شخص کو نگہبان مقرر کیا گیا ہے، اور تم میں سے ہر شخص سے اس کی ماتحت رعیت کے بارے میں باز پرس ہوگی، پس سربراہ مملکت جو سب لوگوں کا حاکم ہے وہ ان سب کا نگہبان ہے اور اس سے رعیت کے ایک ایک فرد کے بارے میں باز پرس ہوگی، ایک عام آدمی اپنے گھر والوں پر نگران ہے، اس سے اپنے زیر رعیت لوگوں کے بارے میں باز پرس ہوگی، عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کی اولاد پر نگران ہے، اس سے ان کے بارے میں باز پرس ہوگی، اور گھر کا نوکر اپنے آقا کے مال کا نگران ہے، اس سے اس کے بارے میں باز پرس ہوگی، یاد رکھو! کہ تم میں سے ہر شخص نگران ہے، اور ہر شخص سے اس کی ماتحت رعیت کے بارے میں باز پرس ہوگی۔“

ایک مسلمان اپنے فرائض ٹھیک ٹھیک اسی وقت ادا کر سکتا ہے جب کہ اسے یہ علم ہو کہ اس کے منصب و عہدہ کے مطابق اس کے ذمہ احکم الحاکمین کی طرف سے کیا فرائض عائد کئے گئے ہیں؟ اور اسی کے ساتھ اسے یہ شعور و احساس بھی ہو کہ اگر میں نے اپنے فرائض کی ادائیگی میں غفلت و لاپرواہی یا خیانت و بددیانتی روا رکھی تو کل مجھے سب سے بڑی عدالت میں اس کی جوابدہی کرنی ہوگی، اسی لئے شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بادشاہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ایسے لوگوں کو افسر نہ بنائیے جو آپ سے ڈرتے ہوں، بلکہ ایسے لوگوں کو بنائیے جو خدا سے ڈرتے ہوں، کیونکہ آپ کی نظر سے ان کی کاروائی اوجھل ہو سکتی ہے، مگر وہ خدا کی نظر سے چھپ کر کہیں نہیں جاسکتے۔

مسلمانوں کا کوئی فرد جو اپنے فرائض کا شعور و احساس بھی رکھتا ہو اور ”یوم الدین“ کے حساب پر اس کا یقین بھی ہو وہ جانتا ہے کہ وہ اپنے فرائض کی ادائیگی میں کسی غفلت یا بددیانتی کا مرتکب نہیں ہو سکتا اسے اگر رشوت پیش کی جائے تو اس کا دین و تقویٰ اس کے ہاتھ پکڑ لے گا، اور اسے یہ احساس دلانے کا کہ یہ زہر ہے، اور زہر کھانے کے بعد ممکن نہیں کہ وہ تمہارے پورے وجود میں سرایت نہ کر جائے، وہ سرکاری خزانے کو خدا کی امانت تصور کرے گا اور اسے یہ شعور ہوگا کہ اگر وہ اس امانت میں ایک پائی کی خیانت کا بھی مرتکب ہوا تو احکم الحاکمین کی عدالت میں اسے اگلا ہوگی، وہ دفتر میں کام کے اوقات کو گپ شپ چائے نوشی اور محفل آرائی میں ضائع نہیں کرے گا، کیونکہ اسے شعور ہوگا کہ اس کی تنخواہ اسی وقت حلال ہوگی جب کہ وہ اس وقت کو جو اس کے فرائض کی انجام دہی کے لئے مقرر کر دیا گیا ہے، خدا کی امانت سمجھ کر استعمال کرے، اگر اس نے ان مقررہ اوقات میں اپنا ”فرض وقت“ ادا نہ کیا تو وہ خدا کی عدالت میں خائن شمار ہوگا اور اس کی تنخواہ حرام میں تصور کی جائے گی، اور اس خیانت اور حرام خوری پر اس سے باز پرس ہوگی۔

۱:..... انسان جب اس عالم رنگ و بو میں قدم رکھتا ہے تو تعلقات کی ایک وسیع دنیا ساتھ لاتا ہے، یہی دو طرفہ تعلقات حقوق و فرائض کا تعین کرتے ہیں، وہ بیٹا ہے تو اس پر ماں باپ کے حقوق عائد ہوتے ہیں، باپ ہے تو اولاد کے حقوق اس پر لازم ہیں، شوہر ہے تو بیوی کے حقوق کا طومار اس کی پشت پر ہے، بیوی ہے تو شوہر کے حقوق کا بار اس کے گلے میں ہے، حاکم ہے تو زیر حکومت رعایا کے حقوق کے طوفان کا اس کو سامنا ہے اور محکوم ہے تو حاکم کے حقوق کا تادان اس کے سر ہے۔ الغرض بنی نوع انسان کا کوئی فرد ایسا نہیں کہ مختلف قسم کے حقوق و مطالبات کی زنجیروں میں بندھا ہوا نہ ہو۔

۲:..... جو حقوق لوگوں کے آپ کے ذمہ ہیں وہ آپ کے لئے ”فرائض“ کی حیثیت رکھتے ہیں، اور جو حقوق آپ کے لوگوں کے ذمہ ہیں وہ دوسروں کے ”فرائض“ میں شامل ہیں۔ گویا ایک ہی چیز ایک حیثیت سے ”حق“ کہلاتی ہے اور دوسری حیثیت سے فرض۔ مثلاً بیوی کا نان و نفقہ اس کا حق ہے، اور شوہر کے ذمہ اس کی ادائیگی فرض و لازم ہے۔ شوہر کی اطاعت و فرمانبرداری اس کا حق ہے اور یہ بیوی کے ذمہ فرض ہے، ماں باپ کی خدمت و تعظیم ان کا حق ہے اور اولاد کا فرض ہے۔ بچوں کی تعلیم و تربیت ان کا حق ہے اور ماں باپ کا فرض ہے۔ رعایا کی نگہداشت اور اسے ظلم و عدوان سے بچانا، رعایا کا حق ہے اور حاکم کا فرض ہے۔ اور جائز امور میں حاکم وقت کی اطاعت اس کا حق ہے اور رعایا پر فرض ہے۔

۳:..... اگر پورا معاشرہ یا کم از کم اس کی غالب اکثریت اپنے وہ حقوق و فرائض بجالاتی ہو جو دوسروں کے اس کے ذمہ ہیں تو دنیا میں کسی کو کسی سے شکایت نہیں رہے گی۔ کیونکہ جب والدین، اولاد کے تمام حقوق پورے احساس ذمہ داری کے ساتھ ادا کر رہے ہوں، اولاد ماں باپ کے حقوق ٹھیک ٹھیک بجا لارہی ہو، شوہر بیوی کے اور بیوی شوہر کے حقوق میں کسی غفلت و کوتاہی کی مرتکب نہ ہو۔ حکام اپنے ماتحتوں کے اور ماتحت اپنے حکام کے حقوق نہایت اخلاص اور تندہی سے پورے کر رہے ہوں تو کسی کو کسی سے شکایت نہیں رہے گی۔

۴:..... ظلم و عدوان اور بے انصافی کا دروازہ اس وقت کھلتا ہے جب آدمی اپنے حقوق کا مطالبہ تو خوب شد و مد کے ساتھ کرے، لیکن خود اس کے ذمہ جو حقوق عائد ہیں اور جن کا ادا کرنا اس کے فرائض میں شامل ہے، جن پر اس سے باز پرس ہوگی اور جب تک اہل حقوق اپنے حقوق وصول نہیں کر لیتے یا اسے معاف نہیں کر دیتے اس کی رہائی کی کوئی صورت نہیں۔ ان کے داکر نے کی کوئی فکر نہ کرے۔

۵:..... اسلام کے فلسفہ اجتماع اور دوزیر جدید کی تحریکوں کے درمیان بنیادی فرق یہی ہے۔ اسلام لوگوں کو حق طلبی پر نہیں اکساتا ہے بلکہ ہر شخص کی گردن دبا کر اس سے لوگوں کے حقوق ادا کرنے کا خود مطالبہ کرتا ہے۔ مثلاً وہ حاکم وقت کو آگاہ کرتا ہے کہ:

”ما من رجل یلی امر عشرة فما فوق ذلک الا اتاه الله عز وجل مغلولاً یوم
القیامة یدفء الی عقبه فکھ برة او اوبقه المـ“ (مشکوٰۃ ص: ۳۲۳)
ترجمہ: ”جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے دس آدمیوں پر بھی حاکم بنایا وہ قیامت کے دن
بارگاہ خداوندی میں اس طرح لایا جائے گا کہ اس کے دونوں ہاتھ اس کی گردن میں
حائل ہوں گے، پھر یا تو اس کا عدل و انصاف اس کو رہائی دلا دے گا، یا اس کا ظلم اس کو
ہلاک کر دے گا۔“

اسلام نے یہ اعلان کر کے رعایا کو مطالبات کا جھنڈا اٹھانے سے بے فکر کر دیا اور حق ادا کی ساری
ذمہ داری حاکم پر ڈال دی کہ اس کے دور حکومت میں جن جن لوگوں کی بھی حق تلفی ہوئی ہوگی، انہیں حاکمین کی
سب سے بڑی اور اثری عدالت میں اسے ایک ایک کا حساب چکانا ہوگا۔ اسی طرح اسلام بیویوں کے حقوق
متعین کرتا ہے اور شوہروں سے ان کے ادا کرنے کا مطالبہ کرتا ہے، وہ مزدوروں اور محنت کشوں کے حقوق
متعین کرتا ہے، اور آجروں سے ان کی ادائیگی کا مطالبہ کرتا ہے۔ وہ ہمسایوں کے حقوق متعین کرتا ہے اور ان کی
ادائیگی کا مطالبہ کرتا ہے۔ الغرض اسلام کا فلسفہ اجتماع یہ ہے کہ وہ حق طلبی کی ذہنیت پیدا نہیں کرتا، بلکہ ذمہ
داریوں کا احساس دلا کر ہر شخص کو اس کے ذمہ عائد شدہ فرائض ادا کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ اسلام کے نظام
حقوق و فرائض کی فہرست اس قدر طویل اور اتنی دلکش ہے کہ اس پر ایک نظر ڈال لینے سے یہ یقین راسخ ہو جاتا
ہے کہ ان حقوق و فرائض کا ٹھیک ٹھیک تعین خدا تعالیٰ کے علم محیط کے سوا کوئی دوسرا نہیں کر سکتا۔

۶:..... اس کے بالکل برعکس دور جدید کا فلسفہ ہے جو ”حقوق، حقوق“ کا شور و محشر تو برپا کرتا ہے،
مگر کسی حق ادا کی پر برائیکشت نہیں کرتا۔ وہ محنت کشوں سے کہتا ہے کہ تم اپنے حقوق کے لئے جنگ کرو مگر کام
بالکل نہ کرو۔ اس کے نزدیک ہڑتال، تالہ بندی اور کام چھوڑ تحریک ہی کا نام مزدور کے حقوق کی حفاظت
ہے۔ وہ سرمایہ کاروں سے کہتا ہے کہ محنت کشوں کے خون کا اثری قطرہ بھی نہ چھوڑ لو۔ مگر ان کے حقوق ادا کرنے
کا کوئی احساس نہیں دلاتا اور جب تک ڈنڈے کے زور سے حقوق نہ مانگے جائیں تب تک ان کا کوئی مطالبہ
قابل پذیرائی نہیں، وہ عورتوں کو تلقین کرتا ہے کہ شوہروں کے مقابلے میں صاف آرا ہو جائیں۔ اور اپنے حقوق
کا مطالبہ لیکر سڑکوں پر نکلیں، مگر عورتوں کو یہ تلقین کبھی نہیں کرتا کہ خود ان کے ذمہ جو حقوق ہیں ان کی بجا آوری
کی بھی کچھ فکر کریں۔ خلاصہ یہ کہ دور جدید کا فلسفہ مطالبات اور حقوق طلبی کی آگ تب بھڑکتا ہے مگر معاشرے
کے کسی فرد کے ضمیر پر دستک دے کر اسے اس بات پر آمادہ نہیں کرتا کہ وہ اپنے ذمہ عائد شدہ حقوق ادا کرے۔

۷:..... اب اسلام کے فلسفہ اجتماع اور دور جدید کے فلسفے کا تقابلی مطالعہ کیجئے۔ جب تک مسلمان
اسلام کے پیدا کردہ احساس ذمہ داری سے آراستہ رہے دنیا امن و سکون کا گہوارہ تھی، اور معاشرے کا ہر فرد اپنی

جگہ مطمئن تھا۔ لیکن جب سے احساسِ ذمہ داری کا فقدان ہوا، اس کی جگہ خود غرضی اور حق طلبی کا طوفان برپا ہوا معاشرے کا ہر فرد اپنی جگہ پریشان اور ایک دوسرے سے دست و گریبان ہے۔

کتاب الآداب

عیادت کے آداب

[حدیث: ۸۳۷] ”عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا..... لَا بَأْسَ عَلَيْكَ

طَهْرُكَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ (قَالَ لَهُ لِأَعْرَابِيٍّ دَخَلَ عَلَيْهِ يَغْوُذُهُ۔ (صحيح بخاری ج: ۲۲،

ص: ۳۸۵، حدیث نمبر: ۶۹۱۶، باب فی التشیفة والإزادة)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک اعرابی کے پاس اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے تھے تو اس کو فرمایا: کوئی حرج نہیں، یہ بیماری پاک کرنے والی ہے ان شاء اللہ تعالیٰ۔“

تشریح: اس حدیث میں ایک قصہ ہے، ایک بوڑھا دیہاتی گنوار بیمار تھا اس کو بخار ہو رہا تھا، آنحضرت ﷺ اس کی عیادت کے لئے تشریف لے کر گئے، آنحضرت ﷺ کے مکارم اخلاق میں سے یہ بات تھی کہ کوئی امیر ہو یا غریب ہو، کوئی آزاد ہو کوئی غلام ہو کوئی مشہور ہو کوئی غیر مشہور۔ سب کی عیادت کو تشریف لے جاتے تھے، یہ آنحضرت ﷺ کے مکارم اخلاق تھے، آپ ﷺ اس کی عیادت کو تشریف لے گئے اور اس کی عیادت کرتے ہوئے فرمایا: ”لَا بَأْسَ عَلَيْكَ طَهْرُكَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ“ کوئی حرج نہیں، یہ بخار پاک کرنے والا ہے ان شاء اللہ۔ یہ آداب میں سے ہے کہ جب کسی کی عیادت کے لئے جاؤ تو اس کے بدن پر ہاتھ رکھو اور اس کے بدن پر ہاتھ رکھ کر کہو کہ: ”لَا بَأْسَ عَلَيْكَ طَهْرُكَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ“ کوئی فکر نہ کرو، ان شاء اللہ پاک ہو جاؤ گے، تمہارا کوئی نقصان نہ ہوگا، بیماری پاک کر دیتی ہے، اس لئے کہ بیماری بدن کی زکوٰۃ ہے، بیماری سے بدن کی زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔

غیر مسلموں کو سلام کا حکم

[حدیث: ۸۳۸] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ..... لَا تَبْدُءُوا الْيَهُودَ وَلَا النَّصَارَى

بِالسَّلَامِ فَإِذَا لَقِيتُمْ أَحَدَهُمْ فِي طَرِيقٍ فَأُصْطَرِّضُوهُ إِلَى أَصْنَبِهِ۔“

(صحيح مسلم ج: ۱۱، ص: ۱۳۵، حدیث نمبر: ۴۰۳۰، باب التَّهْنِی عَنْ ابْنِءِ أَهْلِ

الکتاب بالسَّلامِ وَتَحِیْفُ ...)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہود و نصاریٰ کو سلام کہنے میں ابتداء نہ کرو، جب تم ان میں سے کسی کو راستے میں پاؤ تو اس کو تنگ راستے پر چلنے میں مجبور کر دو۔“

تشریح: اس حدیث میں ارشاد فرمایا کہ: یہود و نصاریٰ کو ابتداء بالسلام نہ کرو، ان کو سلام کرنے میں پہل نہ کرو، اگر وہ سلام کریں تو ”علیکم“ کہو بس! اور جب راستے میں چلو تو ان کو تنگ راستے پر چلنے پر مجبور کرو۔ یہ ایک بہت طویل بحث ہے جو کہ ہماری فقہ کی کتابوں میں لکھی ہوئی ہے کہ ذمیوں کے کیا احکام ہیں؟ یہاں پاکستان کے قانون میں سید اور چوڑے کا خون برابر ہے، دونوں کا وٹ بھی برابر اور خون بھی برابر۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک قوم سے صلح کی تھی، ”کنز العمال“ میں شرائط مذکور ہیں، بہت سے محدثین نے اس کو نقل کیا ہے اور فقہ کی تمام کتابوں میں اس کو نقل کیا ہے کہ: تم مسلمانوں جیسی سواری اختیار نہیں کرو گے، مسلمانوں جیسا لباس نہیں پہنو گے اور مسلمانوں کے مکان سے اونچا مکان نہیں بناؤ گے، بارہ شرائط تھیں اس صلح نامے میں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے طے فرمائی تھیں۔

کیا زمانہ تھا کہ ذمیوں کو مسلمانوں کی شکل و شباهت اختیار کرنے کی اجازت نہیں تھی، اور کیا زمانہ آیا کہ مسلمان ان کافروں کی شکل و شباهت اختیار کرنے پر فخر کر رہے ہیں۔

گھر میں آگ جلانے کے آداب

[حدیث: ۸۳۹] ”عَنْ سَالِمٍ..... لَا تَقْرُكُوا النَّارَ فِي بُيُوتِكُمْ حِينَ تَنَامُونَ۔“ (صحیح بخاری ج: ۱۹، ص: ۳۴۳، حدیث نمبر: ۵۸۱۹، باب: لَا تَقْرُكُوا النَّارَ فِي الْبُيُوتِ عِنْدَ النَّوْمِ، صحیح مسلم ج: ۱۰، ص: ۲۸۹، حدیث نمبر: ۳۷۵۹، باب: الْأَمْرُ بِتَغْطِيَةِ الْأَنْوَاءِ وَإِكْبَادِ النَّفَقَاءِ وَإِعْلَاقِ.....)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ نے ارشاد فرمایا: بھڑکائے نہ رکھا کرو اپنے گھروں میں آگ کو جب تم سویا کرو۔“

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ مدینہ طیبہ میں ایک دفعہ رات کے وقت آندھی چلی اور جس کی وجہ سے چولہوں میں رکھی آگ اڑ گئی اور کئی گھروں کو آگ لگ گئی، اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: رات کو سوتے وقت آگ کو جلتا نہ چھوڑا کرو اور اگر آگ کو باقی رکھنے کی ضرورت ہو تو ایسا انتظام کرو کہ رات کو ہوا چلے تو وہ اڑے نہیں۔

یہ آداب میں سے ہے جیسا کہ فرمایا تھا کہ: رات کو چراغ جلتا ہوا نہ چھوڑا کرو اور اس کی وجہ یہ تھی کہ

ان کے چراغ دیسی تیل کے ہوا کرتے تھے جو بتی سے جلتے تھے، مٹی کے کھلے چراغ بتی سے ہی جلتے ہیں۔

مسلمان کے مال و جان کی حفاظت کا حکم

[حدیث: ۸۴۰] ”عَنْ ابْنِ عُمَرَ..... لَا يَخْلِبُنْ أَحَدٌ مَّا شِئَ أَحَدٌ إِلَّا بِإِذْنِهِ،

أَيُّ حَبِّ أَخَذَ كُمْ أَنْ تُوْثِقِي مَشْرُوبَتَهُ فَتُكْسِرَ خِزَانَتَهُ فَيَنْتَقِلَ طَعَامُهُ إِنَّهَا تَخْزَنُ لَهُمْ ضُرُوعَ قَوَائِصِهِمْ أَطْعَمَتْهُمْ فَلَا يَخْلِبُنْ أَحَدٌ مَّا شِئَ أَحَدٌ إِلَّا بِإِذْنِهِ۔“

(صحيح مسلم ج: ۹، ص: ۱۳۷، حديث نمبر: ۳۲۵۳، باب تخريم خلب الماشية

بغير إذن مالكها)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: نہ دوہے تم میں سے کوئی آدمی کسی کے مویشی کو مگر اس کی اجازت کے ساتھ، کیا تم میں سے کوئی شخص یہ پسند کرے گا کہ کوئی اس کی کوٹھڑی میں آئے، اس کا خزانہ توڑ لے اور اس کا غلہ وہاں سے منتقل کر لیا جائے، بات یہ ہے کہ ان کے مویشیوں کے تھن ان کے لئے ان کے کھانوں کو محفوظ رکھتے ہیں، پس تم میں سے کوئی شخص کسی کے مویشی کو اس کی اجازت کے بغیر نہ دوہے۔“

تشریح: اس حدیث میں فرمایا: کسی شخص کو کسی کے مویشی کا دودھ نہیں نکالنا چاہئے، جنگل میں مویشی چر رہے ہوں تو لوگ ان کا دودھ نکال لیتے ہیں، بکریاں چر رہی ہیں ان کا دودھ نکال لیا، شام کو جب بکریاں واپس آئیں گی تو ان کے تھن خالی ہوں گے، آنحضرت ﷺ نے اس کی ممانعت فرمائی کہ کسی شخص کو کسی کا مویشی چاہے گائے ہو، بھینس ہو، بکری ہو یا اونٹنی ہو، اس کی اجازت کے بغیر اس کا دودھ نہیں نکالنا چاہئے اور اس سلسلے میں فرمایا: کیا تم میں سے کوئی شخص اس بات کو پسند کرے گا کہ کوئی آدمی اس کی کوٹھڑی میں گھس آئے اور اس کا غلہ توڑ لے، اور غلے میں سے نقدی یا اس کا ذخیرہ وہاں سے منتقل کر لے اور اس مالک کو پتا ہی نہ ہو، کیا پسند کرو گے اس کو؟ ظاہر ہے کہ اس کو کوئی پسند نہیں کرے گا۔ فرمایا: یہ جو مویشی چر رہے ہوتے ہیں ان کے تھن ان کے مالکوں کے لئے ان کے دودھ اور ان کی غذا کا خزانہ ہیں، مویشیوں کے مالکوں کے لئے ان مویشیوں کے تھن، ان کی غذا اور دودھ کا خزانہ ہیں لہذا تم میں سے کوئی شخص کسی کے مویشی کو اس کی اجازت کے بغیر نہ دوہے۔

اس حدیث شریف میں ایک تو بہت صاف حکم آگیا کہ کسی کا مویشی نہ دوہنا چاہئے، یعنی اس کا دودھ نہیں نکالنا چاہئے اور یہاں اگر کسی کی مرغی چلی جائے تو وہ لوگوں کے لئے حلال ہو جاتی ہے۔ ہمارے

بھی نے ایک بکری رکھی تھی آج تک یاد کرتا ہے وہ کہیں چلی گئی تھی پکڑ لی کسی نے، یہ آج تک اس کو یاد کر رہا ہے، بہت عقل مند بکری تھی، بقول کسی کے یہ تو دودھ کی بات کرتے ہیں لوگ تو ہاتھی نکل جاتے ہیں۔

مسلمان کی امانت اور دیانت کا معیار یہ ہے کہ ایک قطرہ بھی کسی کے مویشی کے تھنوں سے نہ لے اور اگر اس کو ضرورت پیش آجائے تو اجازت لے لے، البتہ اس میں سے ایک اضطرار کی حالت مستثنیٰ ہے، یعنی کوئی شخص ایسی کیفیت میں مبتلا ہو جائے کہ اگر یہ دودھ نکال کر نہ پیئے گا تو مر جائے گا، اس کی موت واقع ہو جائے گی تو فقہاء لکھتے ہیں: دوسرے کی چیز بقدر ضرورت استعمال کر لے لیکن اس نیت کے ساتھ کہ میں اس کو واپس کر دوں گا، میں اس کا بدل اس کو دوں گا۔ اب وہاں مالک نہیں ہے اور اس سے اجازت بھی نہیں لے سکتا اس سے خرید بھی نہیں سکتا لیکن کیفیت اضطراری ہو گئی یا یوں کہو کہ کوئی بد بخت اس کو مجبور کرتا ہے کہ تجھے قتل کر دیں گے ورنہ یہ حرام کھا تو اس وقت اپنی جان بچانے کے لئے اس حرام کا ارتکاب اس کے لئے جائز ہے، لیکن نیت یہ کرے کہ میں مالک کو ادا کروں گا، اور یہ بالکل ایسا ہی ہوگا جیسے تین دن کا آدمی بھوکا ہو اور جان خطرے میں ہو تو مردار حلال ہو جاتا ہے، مردار تو حرام ہی رہتا ہے مردار کسی وقت میں حلال نہیں ہوتا لیکن اس کے لئے اس وقت میں اس کے استعمال کی اجازت دی گئی جان بچانے کے لئے جب تک کہ ایسی کیفیت نہ ہو اس وقت تک کسی مسلمان کے مال میں تصرف کرنا جائز نہیں۔

آنحضرت ﷺ کا مشہور خطبہ ہے حجة الوداع کا، پوچھا: یہ کون سا مہینہ ہے؟ حج کس مہینے میں ہوتا ہے ذی الحجہ میں ہوتا ہے، صحابہ نے فرمایا: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں! فرمایا: یہ ذی الحجہ نہیں ہے؟ عرض کیا: جی ہاں، یہ ذی الحجہ ہی ہے، فرمایا: یہ کون سا دن ہے؟ کہا: اللہ اور اس کے رسول کو معلوم ہوگا، فرمایا: کیا یہ عرفہ کا دن نہیں ہے؟ فرمایا: ہاں، فرمایا: یہ کونسی جگہ ہے؟ صحابہ نے فرمایا: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں حالانکہ عرفات کا میدان ہے ساری دنیا جانتی ہے، لیکن تب بھی فرمایا: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں، فرمایا: کیا یہ عرفات کا میدان نہیں ہے؟ کہا: بالکل! صحابہ فرماتے ہیں: یہ ہم نے اس لئے کہا تھا: ”اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ“ کہ اگر اللہ اور اس کا رسول ان کا کچھ اور نام رکھ دیں گے تو آئندہ ہم وہی پکارا کریں گے، وہ پہلے والا ختم۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ: سن رکھو!

”إِنَّ أَمْوَالَكُمْ وَدِمَاءَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ عَلَيْكُمْ حُرَامٌ تَحْضَرُ مَوْتُكُمْ هَذَا فِي

بَلَدِكُمْ هَذَا فِي شَهْرِ كُمْ هَذَا“ (مسند احمد بن حنبل ۴/۲۶۲، ۱۹۳۲، السنن

الكبرى للبيهقي ۲/۱۵۳، طبرانی ۳/۲۲۱، ۳۲۷۴)

ترجمہ: ”تمہارے مال، تمہاری آبروئیں اور تمہارے خون ایک دوسرے کے لئے

ایسے ہی حرام ہیں جیسا کہ آج کے دن کی حرمت اس شہر اور اس مہینے میں، جیسی بیت اللہ

کی حرمت ہے ایسی ہی کسی کی جان کی اور مال کی حرمت ہے۔“

یہ رسول اللہ ﷺ اعلان فرما رہے ہیں، حرم مکہ کی اور شہر مکہ کی جو حرمت ہے وہ تمہارے مالوں کی، تمہاری آبروؤں کی اور تمہارے خونوں کی حرمت ہے۔ یعنی دوسروں کے لئے اس کا حلال کرنا جائز نہیں، نہ کسی کا مال لینا، نہ کسی کی آبروریزی، نہ کسی کی خونریزی کرنا۔ یہاں سے میں صرف یہ بات واضح کرنا چاہتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ اپنی امت کے افراد کو کیا سمجھانا چاہ رہے ہیں، کاش! کہ ہمارے دل میں بھی بیٹھ جائے، نہیں یہ بات ہم میں کہ دوسرے شخص کی عزت و آبرو اور جان و مال کو اس حرمت، عزت و احترام کی نظر سے دیکھیں، معمولی چیز ہے کھالو، میں نے کہا کہ صرف ایک اضطرار کی صورت مستثنیٰ ہے اور دوسری صورت یہ مستثنیٰ ہے کہ اپنا کوئی خاص دوست ہو، تم اس کا مال لوٹ کر کھا جاؤ، اس کو معلوم ہو جائے تو اس کی طبیعت خوش ہو جائے، ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں، بہت کم کہ اس کو پتا چلنے پر وہ خوش ہو جائے تو اس کا مال اس کی اجازت کے بغیر لینا جائز ہے، کیونکہ حقیقت میں اس کی طرف سے اجازت ہے یہ بے اجازت لینا نہیں۔

مسلمان بھائی کی پردہ پوشی

[حدیث: ۸۴۱] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ..... لَا يَسْتَشْرِعُ عَبْدٌ عَبْدًا فِي الدُّنْيَا إِلَّا

مَشْرُوعَ اللَّهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔“ (صحیح مسلم ج: ۱۲، ص: ۳۷۹، حدیث

نمبر: ۳۶۹۳، باب بشارۃ من ستر الله تعالى عبدا في الدنيا بأن يستر.....)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: نہیں عیب چھپائے گا کوئی بندہ کسی بندے کا دنیا میں مگر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے عیب چھپائے گا۔“

تشریح: اس حدیث میں پردہ پوشی کی فضیلت ہے کہ کسی مسلمان کا عیب اگر کسی کو معلوم ہو جائے تو اس کی پردہ پوشی کرے اور اس کا پردہ رکھے، یعنی کسی کے سامنے اس کا اظہار نہ کرے، پس اسی کے سینے تک وہ امانت محفوظ رہے کسی اور تک منتقل نہ ہو، کسی اور سے اس کی بات نہ کرے، یہ جو آدمی کے عیب ہوتے ہیں یوں کہتے کہ یہ آدمی کا باطنی ستر ہوتا ہے، جیسے کسی کے کپڑے اُتارے ہوئے ہوں اور اس کا ستر ظاہر ہو جائے یا ویسے ہی کسی کا ستر ظاہر ہو جائے تو آدمی اس سے اپنی نظر ہٹا لیتا ہے، یا آنکھیں بند کر لیتا ہے اور کوئی شریف آدمی باہر بازار جا کر یہ نہیں کہے گا کہ آج میں نے فلا نے آدمی کا ستر دیکھا ہے، میرا خیال ہے کہ ہم میں سے کوئی آدمی ایسا نہیں ہوگا کوئی گیا گزرا آدمی بھی، ویسے تو اللہ تعالیٰ نے ستر کو چھپانے کے لئے لباس بنا دیا ہے لیکن کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ آدمی کا ستر کھل جاتا ہے اور پوشیدہ اعضاء پر نظر پڑ جاتی ہے تو کوئی آدمی کسی کے

ستر کو غور سے دیکھتا بھی نہیں اور اگر نظر پڑ جائے تو کسی کے پاس جا کر بتاتا بھی نہیں۔ بالکل یہی کیفیت سمجھو باطنی عیوب کی انسان کے اندر کے عیوب کی، یہ بھی آدمی کا ستر ہے اس کی کمزوریاں۔

یوں تو اللہ پاک نے اپنی ستاری کا پردہ اس پر ڈال دیا ہے، ان کو لباس پہنا دیا ہے، ہمارے عیوب لوگوں کے سامنے ظاہر نہیں فرمائے، میرے عیوب کا آپ کو پتا نہیں، آپ کے عیوب کا مجھے پتا نہیں، اللہ کو سب کا علم ہے، لیکن کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ پردہ ادھر ادھر ہو جاتا ہے دوسرے آدمی کی اس ستر پر نظر پڑ جاتی ہے تو جس طرح کہ ظاہری ستر کو دیکھنا اور دیکھ کر لوگوں کے سامنے بیان کرنا اس کے لئے عیب کی چیز ہے اس دیکھنے والے کے لئے، ایسے ہی اگر کسی کے عیب پر اطلاع ہو جائے تو اس کی اطلاع دوسروں کو دینا یہ بھی اس کے حق میں عیب ہے، عیب ہی نہیں بلکہ رذالت اور کمی ہے، بڑا کمینہ آدمی ہے یہ جو دوسروں کے عیب پر مطلع ہو کر لوگوں کے سامنے ان کا اظہار کرتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک صاحب حاضر ہوئے اور کہا: یا رسول اللہ! کوئی نصیحت فرمائیے، چند باتیں ارشاد فرمائیں، ان میں سے ایک بات یہ تھی کہ تیرے اپنے عیوب دوسرے لوگوں کے عیوب کو دیکھنے سے مانع ہو جائیں اور اپنے عیوب پر نظر ہو تو پھر دوسروں کے عیوب پر نظر نہیں جاتی۔ بہر کیف! اگر کسی کو اپنے بھائی کا عیب معلوم ہو جائے تو اس کا حکم یہ ہے کہ کسی کے سامنے اس کا اظہار نہ کرے بلکہ پردہ ڈھا تک دے۔ کیوں میاں! اگر کوئی آدمی لنگی پہن کر سویا ہوا ہو اور اس کا ستر کھل جائے تو تم کیا کرتے ہو؟ کیا کپڑا کھینچ دیتے ہو؟ یا کپڑا ڈھک دیتے ہو، یا اور پردہ اٹھا دیتے ہوتا کہ اور لوگ دیکھیں؟ تو اگر کسی کا عیب تمہارے علم میں آ جائے تو اس کی پردہ پوشی کرو، اس پر کپڑا ڈال دو، اس کو دفن کر دو، چھپا دو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے عیوب پر قیامت کے دن پردہ ڈال دیں گے، کسی کو نہیں بتائیں گے، یہ مطلب ہے اس کا۔

اور جب یہ بندہ اپنی شرافت کی وجہ سے کسی کا عیب لوگوں کے سامنے ظاہر نہیں کرنا چاہتا اور ان کی پردہ پوشی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ تو بہت ہی کریم ہیں وہ اپنے بندے کی پردہ دری کیوں فرمائیں گے؟ وہ بھی بندے کی پردہ پوشی فرمائیں گے۔

احترام انسانیت

[حدیث: ۸۳۲] ”سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ..... لَا يَشِيرُ أَحَدُكُمْ عَلَى أَخِيهِ

بِالسَّلَاحِ فَإِنَّهُ لَا يَذَرِي لَعْلَ الشَّيْطَانِ يَنْزِعَ فِي يَدِهِ فَيَقَعُ فِي خُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ۔“

(صحیح بخاری ج: ۲، ص: ۴۶۲، حدیث نمبر: ۶۵۳۵، باب قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ خَمَلٍ عَلَيْنَا.... صحيح مسلم ج: ۱۳، ص: ۴۳، حدیث نمبر: ۴۷۴۲،

باب التَّهْنِئَةِ عَنِ الْإِشَارَةِ بِالْيَسْلَاحِ إِلَى مُسْلِمٍ

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: نہ اشارہ کرے تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کی طرف ہتھیار کے ساتھ کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ شاید شیطان کھینچ لے اس کے ہاتھ سے پس وہ گر پڑے آگ کے گڑھے میں۔“

تشریح: اس حدیث شریف میں ارشاد فرمایا: کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کی طرف ہتھیار سے اشارہ نہ کرے ایسا نہ ہو کہ خدا نخواستہ شیطان اس کے ہاتھ سے چھین کر اس کے لگا دے، جس کی وجہ سے یہ دوزخ کے گڑھے میں جا گرے مطلب یہ ہے کہ ایک آدمی ایسے ہی ہنسی مذاق میں کسی کی طرف ہتھیار کا اشارہ کرتا ہے کہ ماروں تیرے، ایسے ہی ہنسی میں، اس کی ممانعت فرمائی، کہیں ایسا نہ ہو کہ خدا نخواستہ ایسا کرتے کرتے اس کے لگ ہی جائے، شیطان درمیان میں آجائے اور اس کو لگوادے وہ قتل ہو جائے گا اور یہ دوزخ میں چلا جائے گا، اس لئے ہتھیار کا اشارہ کرنا کھیل اور ہنسی مذاق کے طرز پر جائز نہیں، جیسے تلوار ہے، چاقو ہے، چھری ہے، تیز دھار والی چیزیں ہیں، یا جدید آلات ہیں ان کو ہنسی مذاق میں بھی کسی مسلمان کی طرف سیدھا نہیں کرنا چاہئے، یہ ناجائز اور حرام ہے، اس سے ایک تو دوسرے مسلمان کو ویسے ہی خوف ہوگا، اس کو پریشانی ہوگی کہ کہیں میرے لگ ہی نہ جائے، اب پستول اس کی طرف کرتا ہے کہ تیرے گولی ماروں، خدا نخواستہ اگر شیطان اُلٹی دبا دے پھر کیا ہوگا؟

دوسری حدیث شریف میں ارشاد فرمایا ہے: کوئی شخص مسجد میں کھلا ہتھیار لے کر نہ آئے، تلوار یا دھار والی کوئی اور چیز ہے اس کو مسجد میں نہ لے کر آئے، اور یہی حکم ہے عام مجموعوں کا، جہاں بھی عام مسلمانوں کا مجمع ہو وہاں کھلا ہتھیار نہ لائے، یہ بھی ناجائز ہے تاکہ مسلمانوں کے دل میں خوف و ہراس ہی پیدا نہ ہو، اور کسی کے لگ بھی نہ جائے۔

میاں بیوی آپس میں درگزر کا معاملہ رکھیں

[حدیث: ۸۲۳] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ..... لَا يَفْزُكَ مَثُومٌ مِنْ مَثُومَةٍ إِنْ كَرِهَ مِنْهَا

خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا آخَرُ۔“

(صحيح مسلم ج: ۷، ص: ۴۰۲، حدیث نمبر: ۲۶۷۲، باب النِّصِيَّةِ بِالْمَثُومِ)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: کوئی مسلمان آدمی اپنی مسلمان بیوی سے دشمنی نہ رکھے، نفرت نہ کرے، اگر ناپسند کرے گا اس کے ایک اخلاق کو تو پسند کرے گا دوسرے کو۔“

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ کوئی مومن کسی مومنہ سے بغض اور کینہ نہ رکھے، مراد ہیں میاں بیوی، مسلمان شوہر مسلمان بیوی سے نفرت نہ کرے، اگر اس کا ایک اخلاق پسند نہیں آتا تو دوسرا پسند آئے گا، مقصد یہ ہے کہ شوہر کو کبھی کبھی بیوی کی بد خلقی سے نفرت ہو جاتی ہے اور انسانی ذہن کچھ ایسا ہوتا ہے کہ جب ایک طرف آدمی دیکھتا ہے تو دوسری طرف سب غائب ہو جاتی ہیں، دوسری طرفیں نظر نہیں آتیں، اب دنیا میں جنت کی حور تو نازل ہونے سے رہی کہ جس کی کسی چیز میں کچی نہ ہو، عورتیں کمزور طبیعت ہوتی ہیں پھر ان کی اصلاح بھی بڑی مشکل سے ہوتی ہے، اگر ہر چیز پر آدمی نکتہ چینی کرے اور یوں سمجھے کہ جب تک نکلے کی طرح سیدھی نہیں ہوگی اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا، تو پھر ختم ہو گیا مسئلہ پھر یہ گھر نہیں چلے گا جیسا کہ دوسری حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ: یہ عورتیں میٹھی پہلی سے پیدا کی گئی ہیں اور سب سے زیادہ میٹھی اوپر کی پہلی ہوتی ہے، اگر پہلی کو سیدھا کرو گے تو ٹوٹ جائے گی، عرض کیا گیا: اس کا ٹوٹ جانا کیا ہے؟ فرمایا: طلاق ہونا، اگر ان سے نفع اٹھانا چاہتے ہو تو ان کی کچی کے ساتھ ہی نفع اٹھاؤ، ان کو سیدھا کرنے کی کوشش نہ کرو، (مشکوٰۃ) ایسی میٹھی ہی رہنے دو، تم اپنا کام چلاؤ اور اگر تم سیدھا کرنا چاہتے ہو تو پھر چھوڑنا ہی پڑے گا۔

اس حدیث شریف میں رسول اللہ ﷺ ہدایت فرما رہے ہیں کہ ہر آدمی کے اندر برائیاں ہی برائیاں نہیں ہوتیں اور ہر آدمی کے اندر خوبیاں ہی خوبیاں نہیں ہوتیں، ایک خوبی ہے تو ایک کمزوری بھی ساتھ لگی ہوئی ہے، مردوں کا بھی قریب قریب یہی حال ہے اور عورتوں کا بھی یہی حال ہے تو کسی مومن آدمی کو اپنی مومن بیوی سے نفرت نہیں کرنی چاہئے، بغض نہیں کرنا چاہئے اس لئے کہ اس کی ایک خصلت پسند نہیں آئے گی تو دوسری خصلت پسند آجائے گی، مثال کے طور پر منہ ماری بہت کرتی ہے، اچھی بات نہیں، تمہیں یہ بات پسند نہیں لیکن یہ بھی تو سوچ لو کہ تمہاری خدمت بھی تو کرتی ہے، تمہارے بچوں کو جتنی بھی ہے، پالتی بھی ہے، پھر گھر کا کام کاج بھی کرتی ہے، چلو اور خدمات کے ساتھ ساتھ ایک منہ ماری بھی سہی، جو چیزیں لائق قدر ہیں ان کی وجہ سے اس کی قدر بھی تو کرو۔

ہمارے حکیم الامت مولانا تھانوی صاحب رحمہ اللہ ارشاد فرماتے تھے کہ: اگر عورت گھر کا کوئی کام بھی نہ کرے وہ تم اپنے ملازموں سے کراؤ تب بھی گھر کی نگرانی کے لئے ایک ملازم تو چاہئے، دو ہزار روپے کا ایک ملازم گھر کی نگرانی کے لئے تو رکھو گے نا اور کچھ نہیں تو چلو نگران ہی سہی گھر کی نگرانی تو کرتی ہے، یہ تو آخری درجے کی بات ہے، ورنہ ان میں خوبیاں بھی بہت ہوتی ہیں اور ایک آدھ کمزوری بھی ہوتی ہے لیکن بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ان کی ایک کمزوری ان کی تمام خوبیوں پر پانی پھیر دیتی ہے۔

آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ”الدُّنْيَا كُلُّهَا مَتَاعٌ“ دنیا سب برتنے کی چیز ہے، ”وَحَبِيزُ

متاع الدنیا المَزَافَةُ الصَّالِحَةُ“ (صحیح مسلم ۷/۳۹۷، کنز العمال ۱۶/۲۷۸، ۲۷۸/۲۷۸، ۲۷۸/۲۷۸)۔ اور دُنیا کا بہترین سامان نیک عورت ہے کہ جب شوہر اس کو دیکھے تو دیکھ کر خوش ہو جائے اور جب شوہر غائب ہو تو اپنی عزت و آبرو، شوہر کے مال اور گھر بار اور اس کے بچوں کے بارے میں خیانت نہ کرے، بس جس عورت میں خیانت نہیں ہے وہ قابلِ برداشت ہے، اگر تھوڑی زبان کی سخت ہے تو چلو یہ بھی سہی۔ یہ ہدایت مردوں کو فرمائی، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ آدمی خود تو چاہے جیسا ہی ہو لیکن بیوی کے بارے میں یہ تصور کرتا ہے کہ اس کے اندر کسی قسم کا عیب نہیں ہونا چاہئے، یہ تو پاک معصوم فرشتہ ہونا چاہئے، نہیں بھائی! یہ نہیں ہو سکتا، تمہیں اپنی کمزوریاں بھی معلوم ہوں گی، کچھ ان کے اندر بھی ہوتی ہیں، اپنی کمزوریوں کا ان کی کمزوریوں کے ساتھ موازنہ کر لو، اس لئے اگر اس کی ایک خوبی تمہیں پسند آ جائے تو دوسری ایک کمزوری کی وجہ سے اس سے نفرت نہ کرو۔

دم حرام کا وبال

[حدیث: ۸۳۳] ”عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا.....، لَنْ يَزَالَ الْمُؤْمِنُ لِي

فَسُخْةٍ مِنْ دِينِهِ مَا لَمْ يَنْصَبْ ذِمًّا خَرَامًا۔“ (صحیح بخاری ج: ۲، ص: ۱۵۱،

حدیث نمبر: ۶۳۵۵، باب قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى {وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاءُ جَهَنَّمَ})

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد

فرمایا: آدمی ہمیشہ اپنے دین کے معاملے میں کشائش میں رہتا ہے جب تک کہ کسی حرام

خون کا ارتکاب نہ کرے۔“

تشریح: آدمی اپنے دین کے معاملے میں کشائش میں رہتا ہے، بندھا ہوا نہیں بلکہ اس کے ہاتھ پاؤں کھلے ہوئے ہیں، تگ و دو کر سکتا ہے، جب تک کہ کسی خون حرام کا ارتکاب نہ کرے، اگر خون حرام کا نفوذ باللہ ارتکاب کر لیا کسی کو ناحق قتل کر دیا تو اس کے ہاتھ پاؤں بندھ جاتے ہیں، اب یہ دین کے معاملے میں سعی و کوشش نہیں کر سکتا۔

اس حدیث سے ایک بات تو یہ معلوم ہو گئی کہ کسی کو ناحق قتل کرنا کتنا بڑا گناہ ہے، سچی بات تو یہ ہے کہ شرک و کفر کے بعد خون ناحق سب سے بڑا گناہ ہے۔ ایک نماز کا چھوڑنا، ایک کسی کو ناحق قتل کرنا اور یہی سبب ہے کہ قیامت کے دن ”أَوَّلُ مَا يُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ الصَّلَاةُ“ (سنن الترمذی ۱۲/۳۳۲، ۳۳۲/۳۳۲، طبرانی ۲/۱۲۳۱، ۱۲۳۱/۱۲۳۱)۔ سب سے پہلا حساب بندے کا جس چیز کا ہو گا وہ نماز ہوگی۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ: اگر نمازیں پوری نکلیں اور اس میں کامیاب ہو گیا تو ان شاء اللہ باقی چیزوں میں بھی کامیاب نکلے گا، اور اگر پہلے پرچے میں ٹل ہو گیا تو باقیوں کے بارے میں کیا توقع کی جائے؟ اور وہاں تو میزان عدل ہے نماز کو

وزن ہوگا، صرف گنتی نہیں دیکھی جائے گی، اگر نماز کا وزن پورا نہ ہو تو حق تعالیٰ شانہ فرمائیں گے: ”انظرُوا هَلْ لِعَبْدِي مِنْ تَطَوُّعٍ؟“ (نسائی ۲/۲۵۰، ۳۶۱) دیکھو! میرے بندے کے پاس کچھ نفل نمازیں تو نہیں ہیں؟ وہ بھی اس میں ڈال دو، تاکہ اس کی نماز کا وزن پورا ہو جائے اسی لئے اکابر فرماتے ہیں کہ یہ سنتیں اور نفل حقیقت میں فرائض کے مکملات ہیں، فرائض کی تکمیل کرنے والے ہیں، اس لئے جہاں تک ممکن ہو سکے نفل نمازوں کا بھی اہتمام کر لینا چاہئے، اللہ کرے کچھ مل ملا کر ہی کام چل جائے۔

سب سے پہلا حساب تو نماز کا ہوگا اور ایک اور حدیث میں فرمایا: ”أَوَّلُ مَا يَخْتَكُمُ بَيْنَ النَّاسِ فِي الدِّمَاءِ“ (صحیح مسلم ۳۰/۳۰۹، نسائی ۱۲/۳۴۳، ۳۹۲) لوگوں کے درمیان سب سے پہلا فیصلہ خون کا ہوگا یعنی لوگوں کے آپس کے جو معاملے ہیں یعنی حقوق العباد اس میں سب سے پہلے خون کے مقدمات کے فیصلے ہوں گے، اور اس کے بعد تمام حقوق درجہ بدرجہ آئیں گے تمام حقوق کا تصفیہ ہوگا۔

دوسری بات اس حدیث شریف سے یہ معلوم ہوئی کہ ایک گناہ کی نحوست سے آدمی طاعات سے محروم ہو جاتا ہے، خون حرام کا ارتکاب کیا تو ہاتھ پاؤں بندھ گئے، اب نیکی نہیں کر سکتا یا یہ کہ اتنا آزاد نہیں رہا، اس کو نیکی کرنے میں مشکل پیش آتی ہے اور راز اس کا یہ ہے کہ گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے آدمی کے قلب اور مزاج پر ایک خاص قسم کی تاریکی پھیل جاتی ہے، اور حق تعالیٰ شانہ کے تعلق میں کمی ہو جاتی ہے، اس کی وجہ سے اس کو نشاط نہیں رہتا، بعض لوگوں کو بہت زیادہ دوسو سے آیا کرتے ہیں۔

ہمارے شیخ نور اللہ مرقدہ اس قسم کے خطوط کے جواب میں لکھوا دیتے تھے کہ دوسو سے غیر اختیاری چیز ہے، ان کی پروا نہ کی جائے، لیکن یہ دیکھو کہ دوسو سے بعض دفعہ گناہوں کی نحوست کی وجہ سے آتے ہیں، کسی گناہ میں تو مبتلا تو نہیں ہو؟ اگر مبتلا ہو تو اس سے توبہ کرو۔

مسلمان کے خلاف ہتھیار اٹھانا

[حدیث: ۸۳۵] ”....أَبُو بَكْرَةَ..... إِذَا التَّمَّى الْمُسْلِمَانِ بِسَيْفَيْهِمَا

فَالْقَاتِلُ وَالْمَقْتُولُ فِي النَّارِ۔“ (صحیح بخاری ج: ۱، ص: ۵۴، حدیث نمبر:

۳۰، باب {وَأِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلَحُوا.....}، صحیح مسلم ج: ۱،

ص: ۶۲، حدیث نمبر: ۵۱۳۹، باب {إِذَا تَوَاجَعَا الْمُسْلِمَانِ بِسَيْفَيْهِمَا}

ترجمہ: ”حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب

دو مسلمان تلوار سنت کر مقابلے میں آجائیں تو قاتل اور مقتول دونوں دوزخ میں

جائیں گے۔“

دعوت کا قبول کرنا

[حدیث: ۸۳۶] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ..... إِذَا دُعِيَ أَخَذَ كُمْ إِلَى

طَعَامٍ وَهُوَ ضَائِمٌ فَلْيَقْبَلْ: إِنِّي ضَائِمٌ“ (صحیح مسلم ج: ۶، ص: ۱۱، حدیث

نمبر: ۱۹۳۰، باب الضائم يذعى لطعام فليقبل إني ضائم)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب کسی شخص کو کھانے کے لئے بلایا جائے اور وہ روزے دار ہو تو کہہ دے کہ میں

روزے دار ہوں۔“

[حدیث: ۸۳۷] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ..... إِذَا دُعِيَ أَخَذَ كُمْ فَلْيَجِبْ فَإِنْ

كَانَ ضَائِمًا فَلْيَصِلْ وَإِنْ كَانَ مُفْطِرًا فَلْيُطْعَمْ“ (صحیح مسلم ج: ۷،

ص: ۲۸۷، حدیث نمبر: ۲۵۸۳، باب الأضمر يا جارية الذاعى إلى دعوة)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب تم میں سے کسی کو کھانے کے لئے بلایا جائے تو دعوت قبول کرے، پھر اگر روزہ دار

ہو تو دُعا کر دے، اور اگر روزہ نہ ہو تو کھا کر آجائے۔“

تشریح: پہلی اور دوسری حدیث کا مضمون ایک ہی ہے، صحابی بھی ایک ہے، تخریج کرنے والے کا

نام بھی ایک ہے، بس ایک ذرا راویوں کی تعبیرات کا فرق ہے۔

پہلی حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ: تم میں

سے کسی کو کھانے کی دعوت دی جائے تو اس کو قبول کر لے اور اگر روزہ دار ہو تو کہہ دے کہ میرا روزہ ہے۔

دوسری حدیث شریف میں یہی مضمون دوسرے انداز سے بیان فرمایا کہ جس شخص کو کھانے کے

لئے بلایا جائے تو اس کو چاہئے کہ اس کی دعوت کو قبول کرے، پھر اگر روزہ دار ہو تو دُعا کر کے واپس آجائے نہ

کھائے اور اگر روزہ نہ ہو تو کھا کے واپس آجائے۔ میں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ مسلمان کے کھانے کی دعوت

قبول کرنا مستحب ہے۔ بلکہ عقیقہ کی دعوت کو تو ضرور ہی قبول کرنا چاہئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”يُسْئَلُ

الطَّعَامُ طَعَامَ الْزَّوْجَةِ“ سب سے بدتر اس ویسے کا کھانا ہے جس میں اغنیاء مال داروں کو تو بلایا جائے اور فقراء

کو دھتکارا جائے۔

اور اسی حدیث میں آگے فرمایا: ”وَمَنْ لَمْ يَجِبِ الدَّعْوَةَ فَقَدْ عَصَى أَبَا الْقَاسِمِ“ (مجمع الزوائد،

کنز العمال ۱۶/۸، ۳۰۸، ۳۲۳، ۳۲۴) جس نے کھانے کی دعوت کو قبول نہ کیا اس نے ابو القاسم رضی اللہ عنہ کی نافرمانی کی،

اس لئے اکابر علماء فرماتے ہیں کہ عقیقہ کی دعوت کا قبول کرنا واجب ہے، عام حالات میں جبکہ ولیمہ، ولیمہ ہوا اور اگر ولیمہ نمائش بن جائے تو اس کے قبول کرنے میں تردد ہو جاتا ہے، ”إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ طَعَامِ الْمُتَبَارِكِينَ أَنْ يُوْضَحَ“ (طبرانی ۱۰/۳۴، ۱۱/۷۷، ابوداؤد ۱۰/۱۹۷، ۳۲۶۲، مستدرک الحاکم ۱۶/۵۰۰، ۷۷۷)۔ جو لوگ مقابلہ کے لئے کھانا کھلاتے ہیں ان کا کھانا کھانے سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا، ریا کاری، شائع اور مقابلہ بن جاتا ہے، تو ایک یہ کہ کھانا ریا کاری کا نہ ہوا خلاص کا ہو، دوسری بات یہ کہ کھانا حلال کا ہو حرام کا نہ ہو۔ جو لوگ بینکوں میں کام کرتے ہیں، انشورنس مینی کام کرتے ہیں اور کسٹم میں کام کرتے ہیں، پولیس افسر ہیں، ان کی دعوت کا قبول کرنا حلال نہیں بلکہ حرام ہے کیونکہ یہ سب ذرائع حرام آمدنی کے ہیں، لیکن اب امت میں حلال اور حرام کا تصور ہی نہیں رہا، میں تو کبھی کبھی حیران ہوا کرتا ہوں، ہم لوگ مسئلے پوچھتے ہیں اور اس مسئلے کو اپنے نظام میں فٹ کرنا چاہتے ہیں اور یہ ایسا ہی ہے جیسے انسان کا گردہ بندر کو لگایا جائے، ساری اول سے آخر تک معیشت، معاشرت اور تمام چیزیں یکسر ٹپٹ ہو گئی ہیں، تم ہم سے مسئلہ پوچھتے ہو کہ کھڑے ہو کر کھانا جائز ہے؟ صحابہ کے بارے میں پوچھتے ہو کہ یا اس زمانے کے بارے میں؟ سارا نظام ہی غلط ہے، اب ہم کہیں کہ ویسے کی دعوت کا قبول کرنا واجب ہے تو آپ کا ذہن اسی طرف جائے گا کہ حبیب بینک کے مالک کی دعوت قبول کرنا واجب ہے، بینک مالکان کی، اس لئے کہ مولوی صاحب نے مسئلہ بتا دیا تھا۔

چوتھی بات یہ کہ وہاں کسی منکر کا اندیشہ نہ ہو، کھانا بھی حلال کا ہے، کھلاتا بھی اللہ کے لئے ہے، مخلص آدمی ہے لیکن وہاں اس جگہ کوئی منکر ہے اور اب داڑھی منڈے لوگوں کا آنا تو منکرات میں شمار ہی نہیں ہوتا، وہ تو معروف بن گیا اور سوٹ پہن کر انگریزی لباس میں آنا شاید یہ بھی منکرات میں نہیں، یہ بھی کوئی گناہ کا کام نہیں ہے، یہ انگریزوں کی مشابہت ہے، اور حدیث میں ہے: ”مَنْ تَشَبَهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ“ (ابوداؤد ۱۱/۴۸، ۴۵۱۲، مشکوٰۃ ۲/۴۸۷، ۴۳۴۷، مسند احمد بن حنبل ۱۰/۴۰۴، ۴۸۶۸)۔ جو شخص کسی قوم کی مشابہت اختیار کرتا ہے وہ قیامت کے دن انہی میں سے اٹھایا جائے گا، یہ تمہارے نزدیک کوئی منکر ہی نہیں ہے، اور مردوں اور عورتوں کا اختلاط۔ کل ایک نوجوان کہنے لگا کہ لیڈیز آپ سے بات کرنا چاہتی ہیں، میں نے کہا: میں لیڈروں سے بات کرتا ہوں، لیڈیوں سے بات نہیں کرتا، لیڈروں کے ساتھ لیڈیاں بھی ہوتی ہیں، ایک طرف ٹینٹ لگادیا جاتا ہے لیکن وہ بھر کیلے لباس پہن کر اسی دروازے سے گزرتی ہیں، یہ تمہارے نزدیک کوئی منکرات نہیں ہیں، ان دعوتوں میں فوٹو کھینچے جاتے ہیں اور یہ عین تہذیب ہے، مودیاں بنتی ہیں کیونکہ خوشیوں کے لمحات کو اسکرین میں محفوظ کر لیا جاتا ہے تو اتنی قیاحتوں کے ساتھ ویسے کی دعوت واجب رہ گئی؟

پہلی حدیث شریف میں ہے کہ جس شخص کو کھانے کے لئے بلایا جائے اور وہ روزہ دار ہو تو کہہ دے

کہ: ”میرا روزہ ہے“ یعنی عذر کر دے، لیکن دوسری حدیث شریف میں پابند کیا گیا ہے کہ اگر روزہ دار ہو تو چلا جائے گھر میں، دُعا کر کے چلا جائے، اور اگر روزہ نہ ہو تو کھا کر آجائے۔ سبحان اللہ! کیا مکارم اخلاق کی تعلیم فرمائی کہ کھانا کھانے سے تو عذر ہے لیکن ایک مسلمان کا حق ہے کہ جب وہ بلاتا ہے تو اس کے گھر پر حاضری دی جائے، اس لئے کہ اس سے محبت بڑھتی ہے، اسلامی اخوت بڑھتی ہے۔

کسی پر لعن طعن کا وبال

[حدیث: ۸۳۸] ”عَنْ أَبِي بَرْزَةَ الْأَسْلَمِيِّ..... لَا تَضَاجِبْنَا نَافَةَ عَلَيْنَا
لَعْنَةً“

(صحیح مسلم ج: ۱۲، ص: ۳۹۰، حدیث نمبر: ۴۷۰۰، باب التَّهْنِی عَنْ لَعْنِ الْمَذُوبَاتِ وَغَيْرِهَا)

ترجمہ: ”حضرت ابو بزرہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہمارے ساتھ وہ اونٹنی نہ رہے جس پر لعنت ہے۔“

تشریح: اس حدیث شریف میں ایک واقعہ ہے کہ ایک سفر میں کسی خاتون نے اپنی اونٹنی پر لعنت کی، ٹھیک سے چلتی نہیں تھی تو غور میں بے چاریاں لعنت کے معاملے میں بہت کمزور واقع ہوئی ہیں، اس نے اس کو کہہ دیا ”لَعْنَتْهَا اللہ“ اس پر اللہ کی لعنت ہو، حضور اقدس ﷺ نے یہ بات سن لی اور ارشاد فرمایا: جس اونٹنی پر لعنت ہے وہ اب ہمارے ساتھ نہیں رہ سکتی، ملعون اونٹنی ہمارے ساتھ نہیں رہ سکتی اس کو الگ کر دیا جائے، اس کو ہمارے قافلے سے الگ کر دیا جائے۔

اس حدیث میں ایک ادب بتایا گیا ہے کہ جانوروں پر بھی لعنت نہ کی جائے، دوسرا ادب یہ بتایا گیا ہے کہ اگر جانور پر یا کسی انسان پر لعنت کر دے تو اگر وہ مستحق لعنت ہو تو اس پر لعنت پڑ جائے گی اور اگر وہ مستحق لعنت کا نہ ہو تو تم پر آکر پڑے گی۔ دونوں میں سے ایک تو ملعون ہوگا جس پر تم لعنت کرتے ہو اگر وہ مستحق لعنت ہے تو وہ ملعون ہو گیا اور اگر وہ مستحق لعنت کا نہیں تو پھر یہ لعنت تم پر پڑے گی، پھر تم اس کے خمیازے سے چھوٹ نہیں سکتے۔ لعنت کا معنی ہے اللہ کی رحمت سے دُور ہو جانا، اس کو اللہ کی رحمت نصیب نہ ہوگی، اس سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ کسی پر لعنت کرنا اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی نظر میں کتنا سنگین ہے کہ تم دُعا کر رہے ہو کہ اس کو اللہ کی رحمت نصیب نہ ہو، اور اسی لئے کسی پر لعنت کرنا جائز بھی نہیں، سوائے اس کے کسی گروہ کا نام لیا جائے جیسے ﴿لَعْنَتُ اللہ عَلَى الْکَافِرِیْنَ﴾ (آل عمران) جھوٹوں پر اللہ کی لعنت، ﴿لَعْنَةُ اللہ عَلَى الظَّالِمِیْنَ﴾ (الاعراف) ظالموں پر اللہ کی لعنت۔ قرآن کریم میں اسی کو ذکر فرمایا ہے، جس شخص کا خاتمہ ایمان پر ہونا معلوم ہے اس پر لعنت جائز نہیں، اور جس کا خاتمہ قطعی طور پر معلوم ہے کہ کفر پر

ہوا ہے، اس پر لعنت کرنا جائز ہے، لیکن کوئی کارِ ثواب نہیں الا یہ کہ اس سے کسی کو نفرت دلانا مقصود ہو، مثلاً غلام احمد قادیانی کا نام لیتے ہوئے یہ کہو کہ مرزا لعین نے یہ کہا ہے، ملعون، خبیث۔ تو مقصود حقیر ہے لوگوں کے دلوں میں اس کی نفرت بٹھانا، اور وہ ملعون تو ہے ہی اس میں کیا شک ہے؟ تو جس شخص کا خاتمہ کفر پر معلوم ہے اس پر لعنت کرنا جائز ہے اور جس کا خاتمہ کفر پر معلوم نہیں اس پر لعنت نہ کی جائے۔ یہ ہمارا اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے، اسی لئے یزید پر لعنت کرنا صحیح نہیں، گناہگار تھا، اس سے غلطیاں ہوئی ہیں لیکن جب تک کہ کسی دلیل قطعی سے یہ معلوم نہ ہو جائے کہ اس کا خاتمہ کفر پر ہوا ہے، اس وقت تک اس کے لئے لعن کرنا ناجائز ہے، اور لعنت نہ کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہم اس کو دنیا کی مقدس ہستی قرار دے رہے ہیں، اب کچھ ہیں جو ”مادرج یزید“ ہیں، اس کی تعریف میں رطب اللسان ہیں اور یہ مقابلے میں شیعوں کے اور یہ شیعہ ان پر نہیں ان کے باپ (حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ) پر بھی لعنت کرتے ہیں اور حقیقت میں یہ سبھی ہی صحابہ کرام پر لعنت کرنے کی۔

تو میں عرض کر رہا ہوں کہ اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ یزید پر بھی لعنت نہ کی جائے، لعنت نہ کی جائے اس سے قطع نظر کہ وہ لعنت کا مستحق تھا یا نہیں؟ یہ دوسری بات ہے، اس پر چاہے بحث کرو یا نہ کرو، لیکن لعنت نہ کرے، مؤمن لغان اور مستاب نہیں ہوتا، گالیاں بکنے والا اور لعنت باز نہیں ہوتا، مؤمن ایسا نہیں ہوتا، اور یہ ”مؤمن“ ہی ہوتے ہیں، اللہ کی شان ہے کہ منافق کا نام ”مؤمن“ اور اہل بدعت کا نام ”اہل سنت“ حبشی کا نام کا فوراً ہی لئے تو کبیرہ روتا تھا، کبیرہ بے چارہ کیوں روتا تھا؟ اسی لئے تو روتا تھا کہ:

ترگی کو نارنگی کہیں اور بنے دودھ کو کھویا

چلتی کا نام گاڑی رکھایوں دیکھ کر کبیرہ رویا

اتنے خوش رنگ کو ”نارنگی“ کہہ دیا اور جس دودھ کا پانی نکل گیا اصلی رہ گیا اس کو کہہ دیا ”کھویا“ وہ کھویا کہاں وہ تو بن گیا، چلتی ہوئی چیز کو کہہ دیا کہ یہ گاڑی ہوئی چیز ہے، انہی الٹی سیدھی باتوں کو دیکھ کر تو کبیرے کو رونا آتا ہے۔

اہل بدعت نے اپنا نام ”اہل سنت“ رکھ رکھا ہے، انا اللہ! دنیا بھر کی خرافات کرو اور ”اہل سنت“ کہلاؤ۔ اور ان کے دین و مذہب کی بنیاد ہی نفاق ہے، انہوں نے اپنا نام ”مؤمن“ رکھا ہوا ہے، ہم تو کچھ نہیں کہتے بھائی! تم جو چاہو کہو، ”جو فروشی اور گندم نمائی“ بیچتے ہیں جو، اور دکھاتے ہیں گندم!

کسی کی تعریف میں مبالغے کی ممانعت

[حدیث: ۸۴۹] جَلَسَ عُمَرُ عَلَى الْمَنْبَرِ لَا تَطْزُرُونِي كَمَا

أَطْرَى عَيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَقُولُوا عِبَادَ اللَّهِ وَزَنُودُ

(صحیح بخاری ج: ۲۱، ص: ۱۰۶، حدیث نمبر: ۶۳۲۸، باب زَجَمُ الْخُبْلَى مِنَ الزَّوْنِ إِذَا اخْضَنْتَ)

ترجمہ: ”حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: میری تعریف میں مبالغہ نہ کرو، جیسے کہ عیسیٰ بن مریم کے حق میں مبالغہ کیا گیا، مجھ کو یوں کہا کرو کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔“

تشریح: اس حدیث شریف میں ہے کہ: میری تعریف میں ایسا مبالغہ نہ کرو جیسا کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ کے بارے میں مبالغہ کیا۔ صحیح بخاری کے الفاظ ہیں: ”فَقَالُوا إِنَّ اللَّهَ“ مجھے اتنا نہ بڑھاؤ جتنا کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ کو بڑھایا، پس انہوں نے کہا: اللہ کا بیٹا۔ میں تو اللہ کا بندہ ہوں، سو کہو اللہ کا بندہ اور اس کا رسول۔

یہاں پر یہ بات یاد رہنا چاہئے کہ کسی کی تعریف کرنا، کبھی تو اس کے پیمانہ قدر و منزلت کے مطابق ہوتا ہے یعنی جتنا اس کا مرتبہ ہے اتنی اس کی تعریف کر رہا ہے، یہ تعریف تو ٹھیک اور کبھی اس کے مرتبے سے نیچے تعریف کی جاتی ہے اس کو تفصیر فی المدح کہتے ہیں، جیسے کہ کمشنر کو کہا جائے کہ یہ پٹواری ہے، یہ تعریف نہیں تو ہیں، بادشاہ کا تعارف کسی سے کروایا جائے تو کہا جائے کہ یہ ہمارے علاقے میں ڈپٹی کمشنر ہیں، یہ تو بین کہلاتا ہے۔

غرضیکہ کسی کے مرتبے سے کم بیان کرنا، یہ تفصیر فی المدح کہلاتا ہے، اور کسی کے مرتبے سے اس کو بڑھا دینا، یہ ”اطراء“ کہلاتا ہے، اور یہ حقیقت میں مذاق تصور کیا جاتا ہے، جیسے اس پٹواری اور ڈپٹی کمشنر کی مثال، کوئی پٹواری یا تحصیل دار ہے تم اس کا تعارف کراتے ہو کہ جی یہ ہمارے علاقے کے ڈپٹی کمشنر ہیں، اور یہ تعارف بھی آپ کروا رہے ہیں ڈپٹی کمشنر کے سامنے تو یہ سن کر غریب پٹواری کا کیا حال ہوگا؟ کوئی فوج میں کیمپن ہے تو فوجیوں کے مجمع میں آپ کہتے ہیں یہ جرنیل ہے، یہ اس کے مرتبے سے اس کو زیادہ بڑھایا، اور وہ اس تعریف سے خوش نہیں ہوگا بلکہ شرمندہ ہوگا اور تمہاری تعریف کرنے پر اس کو غصہ آئے گا، اس کو ”اطراء“ کہتے ہیں، اس حدیث شریف میں آنحضرت ﷺ نے اس سے منع فرمایا کہ مجھے نہ بڑھاؤ، جیسے کہ نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم کو بڑھایا، یعنی میرے مرتبے سے مجھے اوپر نہ لے جاؤ، اب کائنات میں سب سے اونچا مرتبہ رسول اللہ ﷺ کا ہے اور آپ کو آپ کے مرتبے سے بڑھانے کا مطلب یہی ہوگا کہ خدائی حدود میں آپ کو دخیل بنائے جائے۔

جہاں تک مخلوق کا دائرہ ہے اس میں تو حضور ﷺ کے حق میں مبالغہ ہے ہی نہیں جو کچھ کہہ سکتے ہو کہہ دو، تعریف کرتے رہو، لیکن مخلوق کے دائرے میں رہتے ہوئے، علامہ بو صیری رحمہ اللہ قصیدہ بردہ میں فرماتے ہیں:

ذُغَمَا اذْغَبَ النَّصَارَىٰ فِي نَبِيِّهِمْ وَاحْتَكَمَ بِمَا سِوَاهُ وَاحْتَكَمَ

اطراء یعنی مبالغہ یا حد سے بڑھانا یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ آنحضرت ﷺ کو مخلوق کے دائرے سے نکال کر خالق کے دائرے میں لے جانے کی کوشش کی جائے گی اور وہ کیسے؟ وہ عقیدے کی رُو سے بھی ہو سکتا ہے اور عمل کی رُو سے بھی، عقیدے کی رُو سے تو یوں کہ تمام اختیارات اس کا رخا نہ عالم کے رسول اللہ ﷺ کے قبضے میں ہیں، مختارِ کل ہیں آپ ﷺ، جبکہ قرآن کریم میں آپ ﷺ سے اعلان کروایا گیا کہ: ﴿قُلْ لَا اَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا﴾ (الاعراف: ۱۸۸) اگر میں غیب جانتا تو میں اپنے لئے دنیا بھر کی بھلائیاں جمع کر لیتا اور مجھے کبھی کوئی تکلیف نہ پہنچتی۔

علم غیب کی بھی نفی، مختارِ کل کی بھی نفی، لیکن کہنے والوں نے بھی باقاعدہ مختارِ کل ہی لقب دے دیا، ”نور من نور اللہ“ کہہ دیا۔ ”من“ کا معنی: میں سے، اللہ کے نور میں سے نور۔

یہ بات تو اب معلوم ہوئی کہ اللہ کے بھی حصے ہوتے ہیں ان لوگوں سے یہ معلوم ہوا، ورنہ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ غیر متجزی ہے، وہ حصوں سے، ابعاد سے، اجسام سے پاک، تو یہ عقائد اگر رکھے جائیں تو یہ وہ اطراء ہے جس سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے، وہ ”ابن اللہ“ کہتے تھے، تم ”نور اللہ“ کہتے ہو، ”نور اللہ“ کیا بعضوں نے تو کہا کہ صرف میم کا پردہ ہے، احد اور احمد میں صرف میم کی مرڈی کا پردہ ہے، احد اور احمد، میم ہٹا دی احد بن گیا۔ میم کو لگا دیا تو احمد بن گیا، احد اور احمد میں میم کے سوا کوئی فرق نہیں۔

بعضوں نے اس کو شاعرانہ زبان میں یوں کہا کہ: ”میم کا برقع پہن کر آئے“ یعنی اللہ میاں تشریف لائے ہیں میم کا برقع پہن کر اور میم کا برقع پہننے کا مطلب یہ ہے کہ محمد کی شکل میں اللہ آئے ہیں... نعوذ باللہ...! سیدھا کفر کیوں نہیں کہتے؟ ہمارے دین کی دین اسلام کی یہ تعلیم ہے؟ تم کچھ تو انصاف کرو! جس دین کی بنیاد: ”يَا أَيُّهَا النَّاسُ اقُولُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ تَفْلَحُوا“ صرف ایک ”لا إله إلا الله“ پر ہے، مگر یہ ”لا إله إلا الله“ معتبر نہیں ہوگا، جب تک اس پر ”محمد رسول اللہ“ کی مہر نہ لگی ہوگی، ”لا إله إلا الله محمد رسول اللہ“۔

تو میرا بھائی! رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں، اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں، اللہ کے پیارے ہیں، اللہ کے رسول ہیں، پوری کائنات سے افضل ہیں، سید المرسل ہیں، سید الاررار ہیں، قائد غزو الممخجلین، حتیٰ تعزیزیں تم کر سکتے ہو کرو، خاتم الانبیاء، قائد الانبیاء اور نبی الانبیاء ہیں، جو کچھ چاہو کہو، تمہیں کون روکتا ہے؟ لیکن جب تم حضور اقدس ﷺ کے لئے خدائی منصب دینا چاہو گے تو ایسا ہی ہے جیسے کہ سفیر صاحب کو بادشاہ کے سامنے کہا جائے کہ یہ بادشاہ ہیں، وزیر کو بادشاہ کے سامنے یہ کہا جائے جبکہ دونوں ایک

مجلس میں موجود ہیں، آپ وزیر کی طرف اشارہ کر کے کہیں کہ یہ بادشاہ ہیں، یا بادشاہ کے آداب اس کے لئے استعمال کرتے ہیں تو اس وزیر کا کیا حال ہوگا؟ بادشاہ کو چھوڑ کر اس کے ساتھ معاملہ کیا جا رہا ہے بادشاہ کا۔
 سورہ مائدہ کے آخر میں: ﴿وَإِذْ قَالَ اللَّهُ لَنُعَذِّبَنَّكَ يَا نَبِيَّ اللَّهِ بِمَا كُنتَ تَعْبَثُ﴾ اور جب اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اے عیسیٰ بیٹے مریم کے! ﴿إِنَّمَا أَنتَ لِلنَّاسِ اقْتِحُذٌ ذُوْنٌ وَأَقْبَرُ﴾ (المائدہ: ۱۱۶) کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو خدا بنا لینا اللہ کو چھوڑ کر؟ کیا یہ تو نے کہا تھا؟ یہ سوال قیامت کے دن ہوگا، قرآن کریم ہی نے اس کا جواب دیا:

﴿قَالَ سُبْحَنَكَ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي بِهِ حَقٌّ ۚ إِن كُنتَ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ ۚ تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ ۚ إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ﴾ (المائدہ)

توبہ توبہ توبہ! سبحانک! مجھ سے یہ کیسے ممکن ہے کہ میں ایسی بات کہوں جس کا مجھ کو کوئی حق نہیں، اگر میں نے یہ بات کہی ہوگی تو آپ کو علم ہوگا (آپ کے علم میں یہ بات نہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے یہ بات کہی نہیں) آپ جانتے ہیں جو کچھ میرے جی میں ہے اور میں نہیں جانتا جو کچھ آپ کے پاس ہے، بے شک آپ ہی غیبوں کو جاننے والے ہیں۔

چھوٹی سی بات کہنی تھی کہ: ”میں نے نہیں کہا!“ اس کی بھی کتنی لمبی تمہید باندھ رہے ہیں، اور پھر بھی یہ نہیں کہا کہ: ”میں نے نہیں کہا“ بلکہ فرمایا: ”میں نے تو ان سے وہی بات کہی تھی جس کا آپ نے مجھے حکم دیا تھا۔“

خیر مجھے یہ کہنا ہے کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ یہ سوال کریں گے تو حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے روگئے کھڑے ہو جائیں گے اور یہ بات سن کر لرزے لگیں گے، کوئی معمولی بات ہے! حالانکہ ان کا کیا قصور؟ انہوں نے تو نہیں کہا تھا کہ مجھے خدا بنا لو، یہ عیسائیوں نے غلطی اور نہایت نا سمجھی کی ہے، لیکن بتانا یہ ہے کہ ان کی تعریف میں جو مبالغہ کیا گیا اس سے ان کو خوشی نہیں ہوتی، بلکہ اس سے ان کو اذیت پہنچتی ہے، آنحضرت ﷺ کی نعت شریف میں بھی جو لوگ کہ ایسی بات کہتے ہیں، اس سے رسول اللہ ﷺ کو خوشی اور مسرت نہیں ہوتی بلکہ آپ کو اذیت پہنچتی ہے۔

زائد پانی کو روکنا

[حدیث: ۸۵۰] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ..... لَا تَمْنَعُوا أَفْضَلَ الْمَاءِ“

لَتَمْنَعُوا بِهِ فَضْلَ الْكَافِرِ“ (صحیح بخاری ج: ۸، ص: ۱۶۸، حدیث نمبر: ۲۱۸۳، باب من قال ان صاحب الماء احق بالماء حتى يزوي...، صحیح مسلم ج: ۸، ص: ۲۱۰، حدیث نمبر: ۲۹۲۸، باب تحريم بيع فضل الماء الذي يكون بالفلاة و يحتاج..)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: نہ روکو زیادہ پانی کو تاکہ اس کے ذریعے روک لو زیادہ چارے کو۔“

تشریح: اس حدیث میں ایک مسئلہ ذکر کیا گیا ہے وہ مسئلہ یوں سمجھو کہ جو گھاس کہ تم نے کاشت کی ہو یا چارہ بیٹ: برسم، مٹی، باجرہ، جو تم نے خود کاشت کیا ہے تم اس کو روک سکتے ہو، تم کسی کو نہ دو تو تمہیں روکنے کا حق ہے، اس کو تم فروخت بھی کر سکتے ہو لیکن جو چارہ کہ خود رو ہو، برسات کے موسم میں کچے علاقوں میں خود رو چارہ بہت ہوتا ہے، ہمارے یہاں بہت ہوتا ہے قد آدم سے بھی اونچا ہوتا تھا تو اس کا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی کے کھیت میں ملکیتی کھیت میں وہ خود رو چارہ ہے تو کسی کو آنے اور کانٹے سے نہیں روک سکتا، اس پر کسی کا حق نہیں بلکہ جو کاٹ لے وہ اس کا ہے، کوئی بکریاں چرانا چاہے چرائے، شریعت کی طرف سے قانون ہے کہ مالک نہیں روک سکتا، کسی شخص کا کٹنا ہے اب جبکہ مویشیوں کو چرانے کے لئے لوگ آئیں گے تو کنوئیں کا پانی بھی پینا پڑے گا، تو بعض لوگ یہ ترکیب کرتے تھے کہ اچھا تم چارہ تو چرا سکتے ہو ہم نہیں روک سکتے شریعت کی طرف سے ممانعت ہے، لیکن کنواں ہماری ملکیت ہے ہم پانی نہیں پینے دیں گے، رسول اللہ ﷺ نے اس پر بھی پابندی لگا دی فرمایا: ”لَا تَمْنَعُوا فَضْلَ الْمَاءِ“ زائد پانی سے منع نہ کرو تاکہ نہ منع کرو زائد چارے سے یعنی زائد پانی جو تمہاری ضرورت سے زائد ہے اس سے بھی نہ روکو تاکہ تم روک دو اس کے ذریعے زائد گھاس سے یعنی زائد گھاس کانٹے سے روکنے کے لئے تم پانی سے روکو یہ بھی جائز نہیں۔

اور اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ کھیت میری ملکیت ہے میں نہیں آنے دیتا کسی کو، بالکل صحیح! کھیت تمہاری ملکیت ہے لیکن گھاس تمہاری ملکیت نہیں، اب یا تو تم ایسا کرو کہ تم لوگوں کو آنے دو تاکہ وہ کاٹ کر لے جائیں تو اس کے مالک نہیں، یا ایسا کرو کہ خود کاٹ کر اپنے کھیت کے باہر پھینک دو تاکہ لوگ وہاں سے اٹھائیں لہذا خود رو گھاس کا کوئی مالک نہیں سوائے اس شخص کے جس نے اس کو کاٹ لیا ہو، جس نے اس کو کاٹ کر باندھ لیا یہ اس کا مالک ہو گیا، اب اس کو حق پہنچتا ہے کہ وہ کسی اور کو نہ دے یا اس کی قیمت وصول کرے کیونکہ کاٹ لینے کے بعد وہ اس کا مالک ہو گیا۔

یہ ایسا ہی ہے جیسے جنگل میں ٹوٹی پھوٹی لکڑیاں ہوتی ہیں اور لکڑہارے لکڑیاں چننا کرتے ہیں تو

جب تک کہ ان لکڑیوں کو کسی نے جمع نہیں کیا ہے کوئی اس کا مالک نہیں۔ لیکن جب ان لکڑیوں کا گٹھا بنا لیا ایک جگہ جمع کر لیا تو وہ اس کا مالک ہے اب اس سے چھینا کسی کے لئے حلال نہیں۔

لعنت کرنا برا عمل ہے

[حدیث: ۸۵۱] ”عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ..... إِنَّ اللَّعَّانِينَ لَا يَكُونُونَ شُهَدَاءَ وَلَا شَفَعَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ“

(صحیح مسلم ج: ۱۲، ص: ۳۹۳، حدیث نمبر: ۴۷۰۳، باب التَّهْنِی عَنْ لَعْنِ الدَّوَابِّ وَغَیْرِهَا)

ترجمہ: ”حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: بے شک لعنت کرنے والے نہ گواہ ہوں گے، نہ شفاعت کرنے والے ہوں گے قیامت کے دن۔“

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ لعنت کرنے والے قیامت کے دن نہ گواہ ہوں گے، نہ شفع یعنی سفارشی ہوں گے، کیونکہ کسی مؤمن کو شفاعت میں داخل کرنا اس کو رحمت میں داخل کرنے کے مترادف ہے، اور کسی کی شفاعت کرنا بھی اس کو رحمت میں داخل کرنے کے لئے ہے، اور لعنت کا معنی ہے اللہ کی رحمت سے دور ہونا، تو یہ تو مانگتا تھا لعنت یعنی یہ تو مسلمانوں کے لئے اللہ کی رحمت سے دوری مانگتا تھا، تو اس کو قیامت کے دن شفع اور گواہ نہیں بنایا جائے گا۔

یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ کسی مؤمن یا کافر پر لعنت کرنا جائز نہیں، سوائے ان لوگوں کے کہ جن کے بارے میں ہمیں قطعی طور پر معلوم ہوا ہے کہ ان کا خاتمہ ایمان پر نہیں ہوا ہے، جیسے ابولہب، ابو جہل اور پکے کافر، وہاں ہم کہہ سکتے ہیں کہ ابولہب ملعون، لعنة اللہ علیہ۔ لیکن اہل سنت لعن طعن نہیں کرتے، بلکہ اہل سنت کا مذہب ہے کہ کسی کافر پر بھی لعنت کرنا جائز نہیں۔

یزید پر لعنت کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اس میں ہمارے یہاں اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ تھا ہی ملعون اس لئے لعنت کرنا جائز ہے، اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ نہیں! خدا جانے کس حال میں ہے، گناہگار تھا، لعنت کرنا اس پر جائز نہیں، اس لئے نہیں کہ وہ لعنت کا مستحق نہیں، ہو سکتا ہے کہ توبہ کر لی ہو اس نے، جس شخص کے بارے میں ہمیں قطعی طور پر معلوم ہے کہ کفر پر مبرا ہے صرف اس پر لعنت کر سکتے ہیں، لیکن یہ بھی عبادت نہیں، دُرود شریف پڑھو، تسبیح پڑھو ثواب ملے گا، لیکن اگر تم کہو ”ابو جہل لعنة اللہ علیہ، لعنة اللہ علیہ“ ثواب نہیں، لعنت کرنا کوئی ثواب کا کام نہیں، لیکن وہ بڑا عجیب مذہب ہے جس میں لعنت کرنا ہی سب سے بڑی عبادت ہے۔

بدگمانی سے بچنا چاہئے

[حدیث: ۸۵۲] ”قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ..... قَالَ يَا كُفْمَ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ

الْحَدِيثُ.....“ (صحیح بخاری ج: ۱۶، ص: ۱۱۰، حدیث نمبر: ۷۷۷۳، باب لَا يَغْتَابُ غُلِي

عَبْقَابُهُ أَخِيهِ خَشْيَ نِكَاحِ أَوْ يَدْعُ)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

بدگمانی سے بچو اس لئے کہ بدگمانی سب سے زیادہ جھوٹی بات ہے۔“

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ بدگمانی سے بچو! اس لئے کہ بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے،

بدگمانی یہ ہے کہ ایک آدمی اپنے پاس ہی سے اپنے ذہن سے تراش لیتا ہے کہ فلاں آدمی میرے بارے میں

بات کرتا ہوگا اور اس نے میرے بارے میں فلاں بات کی ہوگی فلاں شکایت کی ہوگی یا میرے خلاف سازش

کی ہوگی حالانکہ اس بچارے کے فرشتوں کو بھی پتہ نہیں، یہ ہے: أَكْذَبُ الْحَدِيثُ۔

مظلوم کی بددعا سے بچو

[حدیث: ۸۵۳] ”غَنَ أَنَسٌ..... يَا كُفْمَ وَدَعْوَةُ الْمَظْلُومِ وَإِنْ كَانَ كَافِرًا۔“

ترجمہ: ”صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: مظلوم کی بددعا سے بچو! اگرچہ مظلوم کافر ہی ہو۔“

تشریح: اس حدیث میں فرمایا کہ مظلوم کی بددعا سے بچو چاہے وہ کافر ہو، مطلب یہ ہے کہ نیک آدمی

یا مسلمان آدمی اس کی بددعا سے تو بچنا ہی چاہئے، کافر کی بددعا سے بھی بچنا چاہئے بلکہ بعض اکابر نے فرمایا کہ

کافر کی بددعا سے زیادہ بچنا چاہئے کہ آنحضرت ﷺ اپنی دعا میں فرمایا کرتے تھے: اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ لِفَاجِرٍ، یا

اللہ! قیامت کے دن کسی فاجر کا میرے ذمے ایسا حق نہ ہو جس کو مجھے ادا کرنا پڑے، اسی طرح کافر کا اگر کسی کے

ذمے حق ہے تو کتنی شرم کی بات ہے کہ قیامت کے دن ایک کافر مسلمان کو پکڑے پھر رہا ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کے

ہاں عدل ہوگا، کافر کا بدلہ مسلمان سے دلویا جائے گا، بہر حال کسی مظلوم کی بددعا سے آدمی کو بچنا چاہئے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے جب یمن بھیجا تھا تو آخری وصیت یہ فرمائی تھی

وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ مَظْلُومٌ كِي دَعْوَةُ الْغَالِي (بخاری ۵/ ۱۳۵۶، ۱۳۵۷)

اس لئے کہ اس کے درمیان اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہوتا، سیدھی اللہ تک پہنچتی ہے، مظلوم کی بددعا

سیدھی اللہ تک پہنچتی ہے۔ شیخ سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

بترس از آہ مظلوماں ہنگام دعا کردن

اجابت از دروے بہر استقبال می آید

ترجمہ: ”مظلوموں کی بددعا سے بچو اس لئے کہ جب وہ بددعا کرتے ہیں تو قبولیت اللہ تعالیٰ کے دربار سے استقبال کے لئے آتی ہے۔“

یتیم کی کفالت کرنے والے کے لئے عظیم خوشخبری

[حدیث: ۸۵۴] ”..... سَمِعْتُ سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ قَالَ أَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيمِ فِي الْجَنَّةِ هَكَذَا وَقَالَ يَأْصُبُهُ السَّنَابَةُ

وَالْوَسْطَى۔“ (صحیح بخاری ج: ۱۸، ص: ۴۱۷، حدیث نمبر: ۵۵۴۶، باب

فَضْلُ مَنْ يَغُولُ رِيصَتَا)

ترجمہ: ”حضرت سہل بن سعد سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا یہ دونوں جنت میں مثل ان دو انگلیوں کے ہوں گے

یعنی درمیانی انگلی اور سب سے بڑی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔“

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ میں اور یتیموں کی کفالت کرنے والا جنت میں ان دو انگلیوں کی

طرح ہوں گے، مطلب یہ کہ یتیموں کی کفالت کرنے والے کو آنحضرت ﷺ کا قرب نصیب ہوگا (اللہ

تعالیٰ ہم سب کو رسول اللہ ﷺ کی شفاعت بھی نصیب فرمائے اور رسول اللہ کی شفقت و رحمت میں بھی حصہ

عطا فرمائیں) اور آنحضرت ﷺ نے اپنی اُمت پر جتنے احسان فرمائے ہیں ہم لوگ کیا حق ادا کر سکتے ہیں

لیکن کچھ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی توفیق عطا فرمائیں۔

جانوروں کو تکلیف نہ دیں

[حدیث: ۸۵۵] ”..... أَنَّنَا بَشِيرُ الْأَنْصَارِيِّ..... فَأَرْسَلَ رَسُولُ اللَّهِ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَسُولًا أَنْ لَا يَبْقَيْنَ فِي رَقَبَةٍ يَبْعِرُ قِلَادَةً مِنْ وَثَرٍ أَوْ قِلَادَةً إِلَّا

قُطِعَتْ۔“ (صحیح بخاری ج: ۱۰، ص: ۱۹۰، حدیث نمبر: ۲۷۸۳، باب مَا قِيلَ فِي

الْجَرَسِ وَنَحْوِهِ فِي أَغْتَاكِ الْأَيْلِ)

ترجمہ: ”حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا باقی نہ

رہے کسی اونٹ کی گردن میں کوئی گنڈا تانت کا یا کوئی اور گنڈا اگر اس کو کاٹ ڈالا جائے۔“

تشریح: اس حدیث میں اس کی ممانعت فرمائی ہے کہ اونٹوں کی گردن میں کوئی گنڈا تانت کا یا کسی

اور چیز کا رکھا جائے، تانت یعنی چڑا کاٹ کر اس کو جانوروں کے گلے میں پہناتے تھے اور کبھی کبھی آگے کے گنڈے پہناتے تھے اور کسی اور قسم کا گنڈا پہنانا دو طرح سے ہوتا تھا کبھی تو اس لئے کہ اس میں بنجنے والے گھنگھرو ڈال دیتے تھے، جب اونٹ چلتا تھا اپنی گردن ہلاتا تھا، اس کی آواز آتی تھی، اس آواز کی وجہ سے وہ مست ہوتا تھا۔ اور کبھی وہ نظر اتارنے کے لئے، نظر دُور کرنے کے لئے ان کو قلاوے پہناتے تھے، گانیاں پہناتے تھے، یہ تین قسم کے قلاوے ہوتے تھے:

ایک تانت کا یعنی چڑے کا اس کو باریک کاٹ دیا جاتا تھا دھاگے کی طرح وہ پہناتے تھے، علماء فرماتے ہیں اس کی ممانعت کی وجہ تو یہ ہے کہ کبھی ایسا ہو سکتا ہے کہ جانور چرتے ہوئے کسی درخت کے ساتھ وہ انک جائے اور جانور جب کھینچے گا تو چونکہ وہ بہت تیز ہوتا ہے اس لئے جانور کے گردن کے کٹ جانے کا اندیشہ ہے، بڑی آسانی کے ساتھ کاٹ دیتا ہے، جہاں تک ایسے قلاوے کا جس میں کہ گھنٹیاں ہوں گھنگھرو ہوں اس کی ممانعت اس لئے فرمائی گئی کہ اس کو مِرْغَازُ الشَّيْطَانِ فرمایا ہے اور ارشاد فرمایا کہ ہمارے قافلے میں کوئی ایسا جانور نہ رہے جس میں گھنٹی ہو کیونکہ جس قافلے میں کسی جانور کے گلے میں گھنٹی ہوتی ہے بنجنے والا گھنگھرو ہوتا ہے اس کے ساتھ شیطان ہوتا ہے اور تیسری قسم کے گنڈے جو نظر بد کے لئے ڈالے جاتے ہیں ان کا عقیدہ یہ تھا کہ فلاں رنگ کا اگر پہنایا جائے تو نظر نہیں لگتی جیسے کہ اس زمانے میں بھی بہت سے بد عقیدہ لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں، تم نے پنھانوں کی بسوں کو دیکھا ہوگا پیچھے کالے پٹے لٹک رہے ہوتے ہیں یہ جہالت ہے، کپڑا نظر بد کو دور نہیں کرتا، نہ وہ اللہ کی تقدیر کو نالتا ہے۔ اور بعض جاہل یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ بلا کالے رنگ کی ہوتی ہے اگر کوئی بلا آئے گی تو رنگ پر عاشق ہو کر اس پر پڑے گی ہمارا ترک محفوظ رہے گا، تو یہ جاہلیت کے عقائد تھے جن کو رسول اللہ ﷺ نے پامال کیا اور ان کی ممانعت فرمائی۔ (لیکن شریعت سے ہٹ کر بطور ٹوکہ کے اس قسم کی حرکتیں جائز ہیں، کوئی مضائقہ نہیں ہے۔)

جاندار کو نشانہ نہ بنانا چاہئے

[حدیث: ۸۵۶] ”عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ..... لَا تَقْعُدُوا شَيْئًا فِيهِ الزُّوْخُ

عَرَضًا“ (صحیح مسلم ج: ۱۰، ص: ۱۲۵، حدیث نمبر: ۳۶۱۷، باب التَّهْنِی عَنْ ضَرِّ الْبَہَائِمِ)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا

کہ کسی روح والی چیز کو نشانہ نہ بناؤ۔“

تشریح: اس حدیث میں یہ ارشاد فرمایا کہ کسی روح والی چیز کو نشانہ نہ بناؤ، جاہل لوگوں میں بڑی

گندی گندی زمیں تھیں ان میں سے ایک یہ کہ زندہ جانور کی چکی جیسے دہنے کی چکی ہوتی ہے پیچھے اس کو کاٹ لیتے تھے اور کاٹ کے پکاتے تھے نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ۔ اب جانور کو کتنی تکلیف ہوتی تھی اور جانور کو اسی طرح چھوڑ دیتے تھے اس کو فرمایا کہ یہ مردار ہے اور ایک یہ کہ لہو و لعب کے لئے کھیل تماشے کے طور پر جانور کو باندھ دیتے تھے اور اس کو تیروں کا نشانہ بناتے تھے ایسے بے رحم لوگ تھے، آنحضرت ﷺ نے اس کی ممانعت فرمائی اور فرمایا کہ کسی روح والی چیز کو نشانہ نہ بناؤ نہ صرف یہ کہ جانور بلکہ کوئی بھی چیز جو روح والی ہو اس کو تختہ مشق نہیں بنانا چاہیے۔

اس سے یہ بات بھی معلوم ہو جاتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یا یوں کہئے کہ دین نے آنحضرت ﷺ کے لائے ہوئے دین نے تمام چیزوں کے حقوق محفوظ کئے ہیں حتیٰ کہ جانوروں کے بھی حقوق محفوظ کئے ہیں اور اس کے بارے میں بھی ہدایتیں عطا فرمائی ہیں، چنانچہ ایک حدیث شریف میں ارشاد فرمایا کہ جانور کی پشت کو مہر نہ بتایا کرو یعنی جانور پر بیٹھے ہوئے ہیں باتیں کر رہے ہیں، اب جانور بوجھ کے نیچے ہے تین من کی لاش کے نیچے ہے اور بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے ہیں اس کو احساس ہی نہیں ہے، اگر بات کرنی ہو اور بات لمبی ہو تو جانور کی پشت سے نیچے اتر آؤ، اگر دو تین منٹ کی بات ہو تو مضائقہ نہیں اور اگر چلتے بات کرنی تو بھی کوئی مضائقہ نہیں لیکن لمبی بات کرنے کی اجازت نہیں جانور کے اوپر تاکہ بلا وجہ جانور بوجھ کے نیچے نہ رہے۔

آنحضرت ﷺ نے منی میں اور عرفات میں خطبہ ناثہ پر دیا تھا اس پر اشکال کیا جائے گا کہ خود رسول اللہ ﷺ کا عمل تو اس کے خلاف ہوا پھر اس کا عذر یہ کیا جاتا ہے کہ اس موقع پر آنحضرت ﷺ کا ناکہ کی پشت پر خطبہ دینا کیونکہ مجمع بہت زیادہ تھا اب اتنا تمہارے ہاں جلسے ہوتے ہیں تو ہزاروں روپے اسٹیج پر خرچ کر دیتے ہیں لوگ، تو آنحضرت ﷺ نے ضرورت کی بنا پر ایسا کیا اور دوسری بات یہ کہ آنحضرت ﷺ کے بوجھ سے اونٹ کو بوجھ محسوس نہیں ہوتا تھا بلکہ خوشی ہوتی تھی اس ناکہ کے لئے صد جائے مسرت تھی کہ آنحضرت ﷺ اس کی پشت پر تشریف فرما ہوں اور وعظ و نصیحت کے لئے اس کی پشت کو منبر بنایا جائے، اس کے لئے تو یہ سعادت ہی سعادت تھی جیسا کہ منی میں جب آنحضرت ﷺ اونٹ ذبح فرما رہے تھے تو سات ناقائیں آگے بڑھ رہی تھیں بآی آن یئذا کہ کس کے ساتھ آنحضرت ﷺ ایشاء فرماتے ہیں تو آنحضرت ﷺ کی ذات عالی پر دوسروں کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

اسی طرح ارشاد فرمایا کہ سفر میں جانور کو لے جاؤ تو اسے تھکا کر نہ چھوڑو بلکہ اذکبوا صالحة و انزکبوا صالحة جب اس میں صلاحیت ہوتا رہ دم ہو اس وقت اس پر سواری کرو اور ابھی اس کی صلاحیت باقی ہے جانور آگے بھی چل سکتا ہے لیکن اس کو چھوڑ دو، یہ نہیں کہ اس کے خون کا آخری قطرہ نچوڑ کر اس کو چھوڑو۔ اور اس حدیث شریف میں فرمایا ائفوا اللہ فی ہذہ البہائم المفعمة ان بے زبان جانوروں کے

بارے میں اللہ سے ڈرا کرو یہ بے زبان ہیں کچھ کہہ نہیں سکتے۔ اور اونٹ کا قصہ تو بہت ہی مشہور ہے جو آنحضرت ﷺ کی بارگاہ عالی میں شاکی ہوا تھا۔

آپ ﷺ سفر میں تھے ایک اونٹ دوزتا ہوا آیا اور آپ کے پاؤں پر اپنا سر رکھ دیا سجدہ کیا، اس کی آنکھوں سے پانی بہہ رہا تھا، ارشاد فرمایا اس کا مالک کون ہے؟ ایک شخص آیا کہا کہ میرا اونٹ ہے! فرمایا کہ تم میرے پاس اس کو بیچ سکتے ہو؟ کہا کہ یا رسول اللہ! گھر میں ایک ہی اونٹ ہے اور باہر دُور دُور سے پانی لانا ہوتا ہے۔ فرمایا: بیچتے نہیں ہو تو مجھے ہدیہ ہی کر دو! کہا کہ یا رسول اللہ! ہدیہ تو کر دیتے لیکن یہی عذر ہے، فرمایا کہ تمہارے اونٹ کی تو ہمیں ضرورت نہیں ہے، لیکن یہ شکایت کر رہا ہے کہ چارہ کم دیتے ہو اور کام زیادہ لیتے ہو، ایسا نہ کیا کرو! اس نے کہا کہ آئندہ نہیں ہوگا۔ اور اس طرح یہ ہدایت فرمائی کہ جب کبھی ارزاں سالی میں جب بارشیں ہوں اور ماشاء اللہ ہر جگہ سبز و ہے، سفر کرو تو راستے میں جانور کو چرنے کے لئے چھوڑ دیا کرو، ان کو چراتے ہوئے جایا کرو۔ اور اگر خشک سالی ہو، راستے میں سبزہ نہیں تو ذرا جلدی تیزی سے سفر کر لیا کرو، تاکہ جانور کو کم وقت پر چارہ وغیرہ دے سکو۔ تو مقصد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انسانوں کی نہیں بلکہ جانوروں تک کی رعایت فرمائی ہے، ان کے حقوق بھی بیان فرمائے ہیں۔

اور آج کی بے وقوف عورتوں کو بتادیا گیا ہے کہ مرد لوگ تمہارے حقوق کی حفاظت نہیں کر سکتے، لہذا پارلیمنٹ میں عورتوں کی نشستیں ہونی چاہئیں۔ اب کتنی ہونی چاہئیں بھائی؟ بے نظیر ہو یا نواز شریف یا کوئی اور ایرافیرا ہو، میں پوچھنا چاہتا ہوں کتنی نشستیں دے دو گے عورتوں کو ۲۰ دے دیں گے جی، تھ، گھلا، تمہاری اسمبلی اگر ۲۵۰ کی یا ۳۰۰ کی ہے تو فیروزہ سوتشتیس عورتوں کو دو میں دیکھتا ہوں کسی اسمبلی چلتی ہے؟ یہ تمہارے مردوں نے جیسے چلائی ہوئی ہے، بھائی نصف انسانیت ہے آدمی دوٹ مردوں کے ہیں آدمی عورتوں کے تو لازم ہے کہ عورتوں پر عورتیں ہوں اور مردوں پر مرد ہوں، دنیا کی کسی اسمبلی میں یہ قانون ہے؟ پھر ہمیں سبز باغ کیوں دکھاتے ہو؟ ان بیچاری ناقصات العقل کو کیوں دھوکا دیتے ہو؟ اگر تم عورتوں کے حقوق کا علم اٹھا رہے ہو تو آؤ ذرا ہمیں انصاف کر کے دو امریکہ کی پارلیمنٹ میں، برطانیہ کی یا کسی اور ترقی یافتہ ملک کی پارلیمنٹ میں یہ مثال موجود ہے کہ آدھی سینیٹ مردوں کی ہوں اور آدھی عورتوں کی ہوں؟ کہتے ہیں: نہیں پوری دنیا میں نہیں! یہ حقوق نسواں کے علم بردار ہیں ان سے پوچھو کہ یہ بے انصافی کیوں کی؟ اور یہ ڈھائی سو مردوں کے مقابلے میں دس بیس عورتیں اسمبلی میں چلی بھی جائیں تو سوائے اس کے کہ وہ اپنا ہار سنگھار مردوں کو دکھائیں اور کیا فائدہ دیں گی؟ محض دھوکا ہے اٹلیس نے دیا ہے ان کو، اور یہ ناقصات العقل والدین رسول اللہ ﷺ نے تو ان کو فرمایا ہی تھا یہ دھوکے میں آگئیں بیچاری کہ مرد ہمارے حقوق کی حفاظت نہیں کر سکتے، لہذا عورتوں کو نشستیں دو، نمائندگی دو، میں پوچھتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین اور ائمہ دین ان کے

بارے میں کیا خیال ہے؟ انہوں نے تمہارے حقوق کی حفاظت نہیں کی؟ معلوم ہوا کہ یہ خیال ہی غلط ہے۔ اور پھر میں کہتا ہوں کہ تم جانتے ہو کہ عورت یا ماں ہوتی ہے، یا بیٹی ہوتی ہے، یا بہن ہوتی ہے، یا بیوی ہوتی ہے، یہ چار مقدس رشتے ہیں، کیا شوہر اپنی بیوی کے حقوق کی حفاظت نہیں کر سکتا؟ بیٹا اپنی ماں کے حقوق کی حفاظت نہیں کر سکتا؟ اور کیا بھائی سے یہ توقع نہیں رکھی جاسکتی کہ وہ بہن کے حقوق کا تحفظ کرے گا؟ اور کیا باپ سے یہ توقع نہیں رکھی جاسکتی کہ وہ اپنی بیٹی کے حقوق کا تحفظ کرے گا؟ وہ تو ان کی آبرو کے محافظ ہیں، تم حقوق کی بات کرتے ہو، کچھ تو شرم کرو! مرد تو تمہاری آبرو کا محافظ ہے، خواہ باپ کی شکل میں ہو، بیٹے کی شکل میں ہو، بھائی کی شکل میں ہو، یا شوہر کی شکل میں ہو، تمہیں کس نے کہہ دیا کہ مرد تمہارے حقوق کی حفاظت نہیں کر سکتا؟ صرف ابلیس نے پھونک ماری اور کچھ نہیں۔

اپنے عہد و وفاء کو پورا کرو

[حدیث: ۸۵۷] ”عَنْ أَبِي سَعِيدٍ..... لِكُلِّ غَدِيرٍ لَوَاءٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُرْفَعُ لَهُ بِغَدِيرٍ غَدِيرُهُ.....“

(صحیح مسلم ج: ۹، ص: ۱۶۳، حدیث نمبر: ۳۲۷۲، باب تغیریم الغدیر)

ترجمہ: ”حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہر غدار یعنی عہد شکنی کرنے والے اس کے لئے ایک جھنڈا ہوگا قیامت کے دن بقدر اس کے عہد شکنی کرنے کے۔“

تشریح: اس حدیث میں جو کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ دو صحابیوں کی روایت ہے کہ جو شخص عہد کر کے عہد توڑتا ہے معاہدہ کر کے معاہدہ توڑتا ہے اس کو عربی میں غدار کہا جاتا ہے اور قیامت کے دن جتنی کسی نے عہد شکنی کی ہوگی اس کے بقدر جھنڈا اس کے لئے نصب کیا جائے گا اور ایک روایت میں آتا ہے کہ اس کی پشت پر نصب کیا جائے گا تا کہ ہر شخص اس جھنڈے کو دیکھ کر یہ معلوم کر سکے کہ یہ شخص کتنا بڑا غدار ہے کتنا عہد شکن ہے۔

نیک غلام و خادم کے لئے دُہرا اجر

[حدیث: ۸۵۸] ”..... أَبُو هُرَيْرَةَ..... لِلْعَبْدِ الْمَمْلُوكِ الصَّالِحِ

أَجْزَانِ۔“ (صحیح بخاری ج: ۸، ص: ۳۸۲، حدیث نمبر: ۲۳۶۲، باب العبد إذا

أَحْسَنَ عِبَادَةَ رَبِّهِ وَنَصَحَ سَيِّدَهُ)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا غلام

جو نیکو کار ہو اس کے لئے دوہرا اجر ہے۔“

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ جو غلام نیک ہو اپنے آقاؤں کا بھی حق ادا کرتا ہو اور اللہ تعالیٰ کی بھی عبادت کرتا ہو اس کے لئے دوہرا اجر ہے یعنی اس نے باوجود غلام ہونے کے اور باوجود اس بات کے کہ اس کو اللہ کی عبادت کا موقع بہت کم ملتا ہے اور باوجود اس بات کے کہ حق تعالیٰ شانہ کی طرف متوجہ ہونے کا کوئی سامان اس کے پاس موجود نہیں ہے لیکن وہ اپنے آقاؤں کی خدمت بھی کرتا ہے اور ساتھ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا حق بھی ادا کرتا ہے فرمایا اس کو دہرا ثواب ملے گا۔

اپنے غلام و نوکروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا چاہئے

[حدیث: ۸۵۹] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ.....، لِّلْمَمْلُوكِ طَعَامُهُ وَكِسْوَتُهُ وَلَا يَكْتَلِفُ مِنَ الْعَمَلِ إِلَّا مَا يَطِيقُ۔“ (صحیح مسلم ج: ۸، ص: ۳۸۱، حدیث نمبر: ۳۱۲۱، باب إطعام المملوك مِمَّا يَأْكُلُ وَالْبَاسَةُ مِمَّا تَلْبَسُ.....)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مالک کے ذمے غلام کا کپڑا اور روٹی ہے اور یہ کہ اس کو اتنے کام کی تکلیف نہ دی جائے جس کی وہ طاقت نہیں رکھتا۔“

تشریح: اس حدیث میں فرمایا کہ آقا کے ذمے غلام کا حق ہے ایک تو یہ مگر اس کو وقت پر روٹی کپڑا دیا جائے، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ ”رمضہ“ ایک جگہ تھی وہاں رہا کرتے تھے، دو چادریں تھیں آپ کے پاس ایک پہنی ہوئی تھی دوسری چادر غلام کو پہنائی ہوئی تھی، دیکھنے والے نے کسی نے کہا کہ حضرت یہ تو بڑا بے ڈھنگا کام کیا آپ نے، یہ سوٹ بن جاتا بڑا اچھا، آپ نے ایک چادر خود پہن لیا ایک غلام کو پہنا دیا، فرمایا کہ میں ایک دفعہ کسی غلام کو غصے ہو رہا تھا رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اور میں نے کچھ لفظ بھی ایسے کہہ دیئے اس کو، آنحضرت ﷺ کو شکایت پہنچی یا آنحضرت ﷺ نے خود یہ الفاظ سن لئے تو مجھ سے فرمایا: يَا أَبَا ذَرٍّ! إِنَّكَ أَفْزُؤٌ فَبِئْسَ جَاهِلِيَّةٌ (مسلم ۸/۴۹، ۳۱۳۹)۔ اے ابوذر! تو ایسا آدمی ہے جس میں جاہلیت پائی جاتی ہے، هُمْ إِخْوَانُكُمْ جَعَلَهُمُ اللَّهُ تَحْتَ أَيْدِيكُمْ تمہارے بھائی ہیں یہ غلام، اللہ نے ان سب کو آپ کے ماتحت کر دیا ہے، اس لئے ان کو وہی کھلاؤ جو خود کھاتے ہو اور وہی پہناؤ جو خود پہنتے ہو، ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ دن اور آج کا دن کبھی ایسے نہیں ہوا کہ غلام کو وہ کھانا میں نے نہ کھلایا جو خود کھاتا ہوں اور وہ کپڑا نہ پہنایا ہو جو خود پہنتا ہوں، تو چونکہ ایک ہی سوٹ تھا اس کی دو چادریں تھیں ایک میں نے اس کو پہنا دی ایک خود پہن لی،

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ غلاموں کا آقاؤں کے ذمے ایک حق یہ ہے کہ ان کو کھلائیں اور پلائیں اور جو پہنتے ہیں ان کو بھی وہی پہنائیں جو خود پہنتے ہیں، ایک حق یہ ہے کہ ان کو ان کی طاعت سے زیادہ بوجھ نہیں دیں جتنا کام کر سکیں سہولت کے ساتھ اتنا کام ان کے ذمے لگائیں تاکہ وہ اس کے بوجھ کو محسوس نہ کریں۔

اسلام میں سلام کی اہمیت و فضیلت

[حدیث: ۸۶۰] ”وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَمَّا خَلَقَ اللَّهُ تَعَالَى آدَمَ قَالَ: اذْهَبْ فَسَلِّمْ عَلَى أَوْلَٰئِكَ التَّقْوَىٰ وَهُمْ تَقَرُّ مِنَ الْمَلَائِكَةِ جُلُوسٍ فَاسْتَمِعْ مَا يَحْيَوْنَكَ؟ فَإِنَّهَا تَحْيِيكَ وَتَحْيِي ذُرِّيَّتَكَ. فَذَهَبَ فَقَالَ: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ، فَقَالُوا: السَّلَامُ عَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللَّهِ قَالَ: فَرَادَوْهُ وَرَحْمَةُ اللَّهِ...“ (مشکوٰۃ ص: ۳۹۷)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور اس میں روح ڈالی تو فرمایا کہ: فرشتوں کی جماعت کے پاس جاؤ اور ان کو سلام کہو، اور دیکھو کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں؟ وہ جو جواب دیں وہی تمہارا اور تمہاری اولاد کا جواب ہوگا۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام فرشتوں کے پاس گئے اور ان سے کہا: ”السَّلَامُ عَلَيْكُمْ“ تو فرشتوں نے جواباً کہا: ”السَّلَامُ عَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللَّهِ“ پس انہوں نے ”وَرَحْمَةُ اللَّهِ“ کا اضافہ کیا، یعنی انہوں نے کہا: تم پر بھی سلامتی اور اللہ کی رحمت ہو۔“

تشریح: اس سے معلوم ہوا کہ سب سے پہلے سلام کی ابتداء حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی، گویا یہ حضرت آدم علیہ السلام کی سنت مبارکہ ہے۔

لیکن افسوس ہے کہ آج کل لوگ صحیح طور پر ”السَّلَامُ عَلَيْكُمْ“ بھی نہیں کہتے کچھ اور ہی کہہ دیتے ہیں، اور ہمارے پنجابی بھائی تو کہتے ہیں سلام عَلَيْكُمْ! اور بعض کہتے ہیں السَّام عَلَيْكُمْ، حالانکہ یہ بدو عاصیہ کلمہ ہے جو یہودی، آنحضرت ﷺ کے خلاف استعمال کرتے تھے، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

”عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: إِنَّ الْيَهُودَ أَتَوْا النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا: السَّامُ عَلَيْكَ. قَالَتْ: عَلَيْكُمْ. فَقَالَتْ: عَائِشَةُ: السَّامُ عَلَيْكُمْ وَلَعَنَكُمْ اللَّهُ وَغَضِبَ عَلَيْكُمْ. فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَهْلًا يَا عَائِشَةُ!

عَلَيْكَ بِالزَّفَقِ... قَالَتْ: أَوَلَمْ تَسْمَعْ مَا قَالُوا؟ قَالَ: أَوَلَمْ تَسْمَعِي مَا قُلْتُ؟
وَذَدْتُ عَلَيْهِمْ فَيَسْتَجَاب لِي فِيهِمْ وَلَا يَسْتَجَاب لَهُمْ فَنِي... الخ۔“

(مشکوٰۃ ص: ۳۹۸)

ترجمہ: ”ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں کوئی یہودی آئے تھے اور آکر کہنے لگے: ”السَّامُ عَلَيْكَ!“ آنحضرت ﷺ نے جواب میں فرمایا ”وَعَلَيْكُمْ“ (آنحضرت ﷺ کو برے لفظ سے بولا تھا تجھ پر موت ہو، نعوذ باللہ!) اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: میں نے سن لیا، میں نے کہا: ”السَّامُ عَلَيْكُمْ وَنَعْنَعُكَمُ اللَّهُ“ (بلکہ تم پر موت ہو اور اللہ کی لعنت ہو!)۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ عائشہ! نرمی اختیار کیجئے (ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مؤمن کو اچھا ہونا چاہئے، مؤمن بدگو نہیں ہوتا اور مؤمن بدگوئی نہیں کیا کرتا، کسی کو گالی نہیں نکالتا، فحش نہیں بکتا) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے کہا یا رسول اللہ! آپ نے سنا نہیں، انہوں نے کیا کہا؟ یعنی یہودیوں نے کیا کہا؟ فرمایا: اور تم نے نہیں سنا کہ میں نے ان کے جواب میں کیا کہا تھا؟ انہوں نے کہا تھا: السَّامُ عَلَيْكُمْ! تم پر موت ہو، میں نے کہا: عَلَيْكُمْ... تم پر بھی۔ پھر فرمایا کہ میری دعا ان کے حق میں قبول کی جائے گی، ان کی دعا میرے حق میں قبول نہیں کی جائے گی۔“

حضرت آدم علیہ السلام نے تو صرف السلام علیکم کہا تھا، مگر فرشتوں نے جواب میں السلام علیکم کے ساتھ
ورحمۃ اللہ کا لفظ بڑھادیا، اسی طرح قرآن کریم میں ہے:

﴿وَإِذَا حُيِّيتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا﴾ (النساء: ۸۶)

ترجمہ: ”جب تم کو سلام کہا جائے کسی لفظ سے تو تم اس سے بہتر جواب دو، یا کم سے کم وہی لو تادو۔“

کوئی کہے، السلام علیکم، تو جواب میں کہو ”وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ“ اور اگر کوئی کہے ”السلام علیکم ورحمۃ اللہ“ تو تم جواب میں کہو ”وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ“ جیسا کہ حدیث میں ہے:

”عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: جَاءَ زُجَلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ، فَرَدَّ عَلَيْهِ، ثُمَّ جَلَسَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: عَشْرٌ - ثُمَّ جَاءَ آخَرُ، فَقَالَ: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ، فَرَدَّ عَلَيْهِ

فَجَلَسَ، فَقَالَ: عَشْرُونَ۔ ثُمَّ جَاءَ آخَرُ، فَقَالَ: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ، فَرَدَّ عَلَيْهِ فَجَلَسَ، فَقَالَ: ثَلَاثُونَ۔“ (ابوداؤد ج: ۲ ص: ۳۵۰)

ترجمہ: ”حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ایک شخص آیا اور کہا: ”السلام علیکم“، آپ ﷺ نے فرمایا: (اس کے لئے) دس (نیکیاں ہیں)۔ پھر ایک دوسرا شخص آیا اس نے کہا: ”السلام علیکم ورحمۃ اللہ“ آپ ﷺ نے اس کا جواب دیا تو وہ بھی بیٹھ گیا، آپ ﷺ نے فرمایا: (اس کے لئے) بیس (نیکیاں ہیں)۔ اتنے میں ایک تیسرا آدمی آیا تو اس نے کہا: ”السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ“ آپ ﷺ نے اس کا جواب دیا تو وہ بھی بیٹھ گیا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: (اس کے لئے) تیس (نیکیاں ہیں)۔“

اور کوئی یہاں تک پہنچ جائے یعنی پورے الفاظ کہہ دو تو فرمایا کہ اس نے تو پھر سرے پر تیر چھبیک دیا، اس کے جواب میں صرف کہو ”علیکم!“ سارا مضمون جتنا اس نے بیان کیا وہ سارا وہ علیکم اس میں آجاتا ہے۔

سلام میں پہل کرنے کی فضیلت اور سلام کے آداب

[حدیث: ۸۶۱] ”عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِاللَّهِ مَنْ بَدَأَ بِالسَّلَامِ۔ رواه أحمد والترمذي وأبو داود۔“

(مشکوٰۃ ص: ۳۹۸، باب السلام، طبع قدیمی کتب خانہ)

ترجمہ: ”حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ کے نزدیک سب سے بہتر وہ شخص ہے جو سلام میں پہل کرے۔“

تشریح: سلام کہنا سنت ہے، اور اس کا جواب دینا واجب ہے۔ جو پہلے سلام کرے اس کو بیس نیکیاں ملتی ہیں اور جواب دینے والے کو دس۔

سلام کے وقت بیٹھنا یا ہاتھ رکھنا یا جھکنا صحیح نہیں، بلکہ اگر اس میں کوئی ثواب سمجھتا ہے تو پھر بدعت ہے۔ مصافحہ کی اجازت ہے، اور تعظیم یا شفقت کے طور پر چومنے کی بھی اجازت ہے۔ جو ان عورتوں کو سلام کہنا جائز نہیں، اگر وہ سلام کریں تو دل میں جواب دے دیا جائے۔

دونوں ہاتھوں سے مصافحہ مسنون ہے

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

[حدیث: ۸۶۲] ”علی بنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم التشہد وکفی بین کفید۔“
(صحیح بخاری، ج: ۲، ص: ۹۲۶)

ترجمہ: ”مجھے آنحضرت ﷺ نے التحیات سکھائی، اور اس طرح سکھائی کہ میرا ہاتھ آنحضرت ﷺ کے دونوں ہاتھوں کے درمیان تھا۔“

تشریح: اس حدیث سے مصافحہ کا سنت طریقہ معلوم ہوتا ہے کہ مصافحہ دونوں ہاتھوں سے کرنا چاہئے نہ کہ ایک ہاتھ سے، جیسا کہ بعض حضرات کرتے ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ حدیث ”باب المصافحة“ کے تحت ذکر فرمائی ہے، اور اس کے متصل ”بالیدین“ کا عنوان قائم کر کے اس حدیث کو کمزور ذکر فرمایا ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ دونوں ہاتھ سے مصافحہ کرنا سنت نبوی ہے، علاوہ ازیں مصافحہ کی رُوح، جیسا کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا ہے: ”پچھلے مسلمان بھائی سے بشارت سے پیش آتا، باہمی اُلفت و محبت کا اظہار ہے۔“

(حجۃ اللہ البالغہ، ج: ۲، ص: ۱۹۸، آداب الصحبة)

اور فطرت سلیمہ سے رُجوع کیا جائے تو صاف محسوس ہوگا کہ دونوں ہاتھ سے مصافحہ کرنے میں اپنے مسلمان بھائی کے سامنے تواضع، انکسار، اُلفت و محبت اور بشارت کی جو کیفیت پائی جاتی ہے، وہ ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنے میں نہیں پائی جاتی۔

غیر مسلم کو سلام کرنے کا حکم

سلام ایک دُعا بھی ہے اور اسلام کا شعار بھی، اس لئے کسی غیر مسلم کو ”السلام علیکم“ نہ کہا جائے، اور اگر وہ سلام کہے تو اس کے جواب میں صرف ”وعلیکم“ کہہ دیا جائے، یہ مضمون حدیث شریف میں آیا ہے:

[حدیث: ۸۶۳] ”عن أنس رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا سلم عليكم أهل الكتاب فقولوا: وعليكم۔ متفق عليه۔“

(مشکوٰۃ ص: ۳۹۸)

ترجمہ: ”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جب اہل کتاب تمہیں سلام کہیں تو تم جواب میں ”وعلیکم“ کہہ دیا کرو۔“

چھینک کا جواب کیسے دیا جائے

[حدیث: ۸۶۴] ”لَمَّا خَلَقَ اللَّهُ آدَمَ وَنَفَخَ فِيهِ الرُّوحَ عَطَسَ فَقَالَ الْحَمْدُ

(مشکوٰۃ ص: ۴۰۰)

”اللہ۔“

ترجمہ: ”جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور ان میں روح پھونک دی تو حضرت آدم علیہ السلام کو چھینک آئی تو انہوں نے کہا: الحمد للہ۔“

تشریح: حضرت آدم علیہ السلام کو چھینک آئی، اور انہوں نے کہا الحمد للہ! سب سے پہلا کلام جو ہمارے جد امجد کے منہ سے نکلا، وہ الحمد للہ ہے۔

اس سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ جب بھی آدمی کو چھینک آئے، تو کہے الحمد للہ!

آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ایک آدمی چھینک لے رہا تھا، آنحضرت ﷺ ”یرحمک اللہ“ کہہ رہے تھے، تین دفعہ کہا تو فرمایا: ”الْوَحْلُ مَرْكَوْمٌ“ (مشکوٰۃ ص: ۴۰۵) چھوڑ دو، اسے زکام ہو رہا ہے، چھینکیں دینے جا رہا ہے۔

ایک مسئلہ بتادوں، کوئی آدمی چھینک لینے کے بعد ”الحمد للہ“ کہے تو اس کے جواب میں ”یرحمک اللہ“ کہو، اور اگر وہ ”الحمد للہ“ نہیں کہتا تو ”یرحمک اللہ“ کہلو انے کا مستحق نہیں، اس لئے بعض اکابر کو میں نے دیکھا کہ وہ اونچی آواز سے ”الحمد للہ“ نہیں کہتے تھے، جو لوگوں کو سنائی دے، اس لئے کہ اگر چھینک لینے کے بعد چھینک لینے والا ”الحمد للہ“ اونچی آواز سے کہے تو لوگوں کے ذمے ”یرحمک اللہ“ کہنا واجب ہو جاتا ہے، تو اس لئے بعض اکابر ”الحمد للہ“ اونچی آواز سے نہیں کہتے تھے تاکہ لوگوں کو ”یرحمک اللہ“ نہ کہنا پڑے اور یہ قرض ان کے ذمے نہ ہو، وہ ”الحمد للہ“ آہستہ کہتے ہیں۔

(نیز اگر کسی کو بار بار چھینک آئے تو اگرچہ وہ الحمد للہ کہتا رہے، لیکن سامع پر یرحمک اللہ بار بار کہنا ضروری نہیں، اسی طرح جس کو زکام و زلہ ہو اور وہ بار بار چھینک لے تو اس کا جواب دینا بھی ضروری نہیں۔)

کسی کی تعریف کرنے کا طریقہ

[حدیث: ۸۱۵] ”عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ... مَنْ كَانَ مِنْكُمْ

مَادِحًا أَخَاهُ لَا مَحَالَةَ فَلْيَقُلْ أَحْسِبُ فَلَانًا وَاللَّهِ حَسْبُهُ وَلَا أَزْخُمِي عَلَى اللَّهِ

أَخَذًا أَحْسِبُهُ كَذَا وَكَذَا إِنْ كَانَ يَعْلَمُ ذَلِكَ مِنْهُ“ (صحیح بخاری ج: ۹، ص: ۴۶۰)

ص: ۴۶۰، حدیث نمبر: ۲۶۶۲، باب إِذَا زَخُمِي زَجَلًا وَجَلًا كَفَاءً وَقَالَ أَبُو جَمِيلَةَ...

ترجمہ: ”حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم

میں سے جس شخص کو اپنے بھائی کی مدح کرنی ہی ہو تو اس کو یہ کہنا چاہئے کہ میرا گمان

فلان کے بارے میں یہ ہے اور اللہ تعالیٰ ہی اس کا حساب لینے والے ہیں اور میں اللہ

تعالیٰ کے سامنے کسی کو بے عیب نہیں کہتا، اس شخص میں یہ یہ خوبی ہے، اگر وہ اس کو جانتا ہو بیان کر دے۔“

تشریح: اس حدیث میں کسی کی تعریف کرنے کا طریقہ بیان فرمایا ہے، ہوا یہ تھا کہ ایک صاحب نے آنحضرت ﷺ کی مجلس میں کسی دوسرے آدمی کی تعریف کی اور وہ سامنے بیٹھا ہوا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: **وَبَلَدِكَ قَطَعْتَ غَنَقَ أَخِيكَ** حیراناں ہوا تو نے اپنے بھائی کی گردن توڑ دی، سامنے تعریف کی، اب یہ پھول جائے گا اور اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوگا کہ ہاں! میں بھی اچھا آدمی ہوں، لوگ مجھے اچھا کہتے ہیں، اسی موقع پر فرمایا: **مَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَادِحًا أَخَاهُ لَا مَحَالَةَ فَلْيَقُلْ أَحْسِبُ فَلَانًا، وَاللَّهِ حَسِيبُهُ، وَلَا أَزْنِي عَلَى اللَّهِ اخْتِدًا،** اور ایک روایت میں ہے: **وَلَا يَزْنِي عَلَى اللَّهِ اخْتِدًا،** اگر کسی کو اپنے بھائی کی تعریف کرنی ہی ہو تو یوں کہے: جہاں تک میرا گمان ہے وہ ایسا ایسا آدمی ہے، یعنی اچھا آدمی ہے، باقی اللہ کے سامنے میں کسی کو بے عیب ظاہر نہیں کرتا، اس کا حساب اللہ لینے والے ہیں، اندر سے معلوم نہیں کیا ہے؟ مجھے اچھا لگتا ہے۔

کسی کی تعریف کرنی ہو تو یوں کہو: میرے خیال میں یہ اچھا آدمی ہے، باقی حقیقتاً میں وہ واقعاً کیا ہے؟ یہ اللہ کو معلوم ہوگا اور اللہ تعالیٰ ہی اس کا حساب لینے والے ہیں۔

یہاں پر ایک دو باتیں سمجھ لینی چاہئیں، ایک تو یہ کہ کسی کے سامنے اس کی تعریف نہیں کرنی چاہئے، کیونکہ اس میں بڑا خطرہ ہے اس شخص کے مغرور ہو جانے کا، دھوکے میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ ہے۔ دوسری بات یہ کہ جس طرح شاعر لوگ زمین آسمان کے قلابے ملایا کرتے ہیں کسی کی تعریف کرتے ہوئے، اس طرح مبالغہ نہیں کرنا چاہئے، اگر تعریف کرنی بھی ہو تو مبالغہ نہیں کرنا چاہئے۔

ایک شاعر تھا متنی، وہ کسی علاقے کے امیر کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے: سورج کو میرے ممدوح کی سخاوت دیکھ کر حیا آنے لگتی ہے کہ سخی تو یہ ہے، میری کیا سخاوت دنیا میں! حالانکہ سورج کا پوری دنیا میں کتنا بڑا فیض ہے لیکن میرے ممدوح کی سخاوت دیکھ کر سورج کو پسینہ آنے لگتا ہے۔ کیا بات ہے! اس کو زمین آسمان کے قلابے ملانا کہا جاتا ہے، اسی وجہ سے شعروں اور شاعروں کے بارے میں کہا جاتا ہے: **”أَحْسِنُهَا أَكْثَرُهَا“** سب سے اچھا شعر وہ ہے جس میں خوب جھوٹ بولا گیا ہو، جتنا بڑا جھوٹ بولو گے اتنا اچھا شعر ہوگا، غالب کے بقول:

کوئی دیرانی سے دیرانی ہے!

دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا

صحرا کی وحشت کو دیکھ کر یاد آیا کہ ہاں! کبھی ہمارے گھر میں بھی ایسی ہی وحشت اور دیرانی ہوتی

تھی، آج اس کا ایک نمونہ دیکھنے کو مل گیا، اب یہ بھی مبالغہ ہے، تو میرا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کی تعریف کرنی ہو تو اس میں مبالغہ نہ کیا جائے۔

تیسری بات یہ کہ قطعی طور پر تعریف نہ کرے، ہاں! یہ کہے کہ ہمارا خیال یہ ہے، اپنے علم کے مطابق بات کرتے ہیں، باقی اللہ جانے، واللہ اعلم بالصواب۔

اور چوتھی بات یہ کہ فاسق اور بدعتی کی تعریف نہ کرے، آج کل اخبار میں موجودہ حکومت کے سربراہ کو سب سے بڑے عاشق رسول ہونے کے تحفے مل رہے ہیں، کیا بات ہے! سب سے بڑے عاشق رسول ہیں یہ لوگ، دُوب مرنا چاہئے اس زمانے کے لوگوں کو جس زمانے میں یہ لوگ سب سے بڑے عاشق رسول ہیں، زندہ رہنے کا کیا حق ہے؟ ایک فاسق کی تعریف کرنا کیسا ہے؟ حدیث شریف میں آتا ہے: ”إِذَا فِدَخَ الْفَاسِقُ غَضِبَ الرَّبُّ وَاهْتَزَّتْ لِدَيْكَ الْعَرْشُ“ (شعب الایمان للبیہقی ۱۰/۳۹۶، ۳۹۷)۔ جب فاسق کی تعریف کی جاتی ہے تو عرش الہی کانپ جاتا ہے۔ عذاب اسی لئے نازل ہو رہے ہیں۔

اور پانچویں بات یہ کہ جو مضمون دل میں ہو اس کو بیان کر، دل میں کچھ اور، زبان سے کچھ اور کہتا ہے، یہ جھوٹ بھی ہے اور نفاق بھی، کسی کی تعریف کرنا ہے اسی کو حدیث میں کہا گیا ہے کہ: اِخْوَانُ الْعَلَانِيَةِ اَعْدَاءُ الشَّرِيفَةِ“ (مسند احمد ۴۵/۳۶، ۲۱۰۳۳) کہ ظاہر میں بھائی بنے پھرتے ہیں اندر سے دشمن۔ صاحب بہادر کی تعریف کرتا پھر رہا ہے اوپر سے اور اندر سے اس کو گالیاں دے رہا ہے، اسی لئے کہا کرتے ہیں غریب کا گاڑی بڑی ہے اور امیر کی پچھاڑی بڑی ہے، غریب آدمی کو سامنے سے ہر ایک آدمی طعن دے گا لیکن بعد میں کہیں گے آدمی اچھا ہے یہ، اور امیر کو جھک کر سلام کریں گے جب وہاں سے جائیں گے تو سو گالیاں نکالیں گے۔ تم جاننے ہو کہ صرف ظاہر الفاظ تم نے نکال دیئے ہیں، تمہیں معلوم نہیں کہ ایک اور ہستی ہے جو ظاہر اور باطن کی مطابقت کو چاہتی ہے، کسی کی تعریف کرنی ہو تو دل کی گہرائی سے کرو، زبان کی تعریف ہو اندر سے لعنت کرتے ہو، تو یہ منافقت ہے۔

مسلمانوں کے حقوق کی پاسداری

[حدیث: ۸۶۱] ”عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ..... مَنْ كَانَ مَعَهُ فَضْلٌ ظَهَرَ فَلْيُعْذِبْهُ عَلَى مَنْ لَا ظَهَرَ لَهُ وَمَنْ كَانَ لَهُ فَضْلٌ مِنْ زَادٍ فَلْيُعْذِبْهُ عَلَى مَنْ لَا زَادَ لَهُ“

(صحیح مسلم ج: ۵، ص: ۸۳، حدیث نمبر: ۴۶۱۴، باب استیخاب المؤمن اساقہ بفضلہ العالی)

ترجمہ: ”حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد

فرمایا: جس کے پاس زائد سواری ہو وہ اس کو دیدے جس کے پاس سواری نہیں، اور جس کے پاس زائد توشہ ہو وہ اس کو دیدے جس کے پاس توشہ نہ ہو۔“

تشریح: آنحضرت ﷺ جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو شاہی باورچی خانے کا تو کوئی انتظام تھا نہیں، آپ کے پاس مسافر حضرات بھی آتے تھے، اصحاب صفہ بھی رہتے تھے، مہمان بھی آتے تھے، نہ کوئی مہمان خانے کا انتظام تھا، نہ کھانے کا انتظام، نہ مہمانوں کے لئے کھانا تیار کرنے کا انتظام۔

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کے پاس اسی طرح مہمان جمع تھے تو آپ نے اعلان فرمادیا: بھائی! جس کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہے وہ ان میں سے ایک کو ساتھ لے جائے، جس کے پاس تین کا کھانا ہے وہ چوتھے کو لے جائے جس کے پاس چار آدمیوں کا کھانا ہے وہ پانچ یا چھ کو لے جائے، غرضیکہ یہ انتظام تھا، اور یہ صحابہ کرام کی تربیت تھی، ان کو بار بار کہنے کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی بلکہ کبھی کبھی، ورنہ وہ حضرات جبکہ دیکھتے تھے کہ آنحضرت ﷺ کے مہمان آئے ہوئے ہیں تو خود ہی لے جاتے تھے، ایک ایک لے گیا، دوسرا دوسرے کو لے گیا۔ یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ روایت کر رہے ہیں کہ ایک دن ایسا ہوا کہ مہمان زیادہ تھے، اصحاب صفہ بھی تھے، تو آپ ﷺ کچھ آدمیوں کو اپنے ساتھ اپنے گھر لے گئے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی دو چار آدمیوں کو لے گئے اور حکم فرمایا گھر میں کہ ان کو کھانا کھلاتا ہے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا معمول یہ ہوتا تھا کہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ عشاء پڑھنے کے بعد تنہائی میں کچھ باتیں کیا کرتے تھے، اس دن اتفاق سے دیر ہوئی، آپ نے کھانا بھی وہیں کھایا، پیچھے گھر والوں نے مہمانوں کے واسطے کھانا تیار کر کے سامنے لا کر رکھا تو مہمانوں نے کہا کہ: ہمارے میزبان کہاں ہیں؟ ان کو کہا گیا کہ وہ ذرا دیر سے آئیں گے آپ حضرات کھانا تناول فرمائیں، وہ کہنے لگے: یہ نہیں ہو سکتا، جب تک کہ صاحب خانہ نہیں آتے ہم کھانا نہیں کھائیں گے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کافی دیر سے آئے، تو جیسا کہ عورتوں کا مزاج ہوتا ہے کہا: مہمانوں کا پتا نہیں تھا کہ گھر میں مہمان بھی آئے ہوئے ہیں؟ حضرت نے فرمایا: کیا تم نے ان کو ابھی تک کھانا نہیں کھلایا؟ عبدالرحمن فرماتے ہیں کہ: میں تو وہاں سے بھاگ گیا کہ میری تو آج پٹائی ہو جائے گی، میری خیر نہیں میں تو چھپ گیا، گھر والوں نے کہا کہ: مہمانوں سے پوچھ لیجئے! ہم نے تو کہا تھا مگر انہوں نے کہا کہ جب تک وہ آتے نہیں ہم نہیں کھائیں گے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بہت رنجیدہ ہوئے اور قسم کھائی کہ میں کھانا نہیں کھاؤں گا، گھر والی نے قسم کھائی کہ میں بھی نہیں کھاؤں گی، مہمانوں نے قسم کھائی کہ ہم بھی نہیں کھائیں گے۔ اچھا خاصا بیٹھے بٹھائے کھانا حرام کر کے بیٹھ گئے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمن کو برا بھلا کہا اور فرمایا کہ: اگر میری آواز سنتا ہے تو باہر آ، وہ آگئے، ان پر غصہ کیا کہ ان مہمانوں کو کیوں نہیں کھلایا؟ فرمایا: ہم کیا کرتے!

خیر اس کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو خیال ہوا کہ یہ صحیح نہیں کیا، مہمان گھر میں بیٹھے، ہم لڑائی کر کے بیٹھ گئے، فرمایا: یہ شیطان کی جانب سے ہے، لاؤ کھانا لاؤ! کھانا لگایا گیا، مہمانوں نے بھی کھایا، ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بھی کھایا، کفارہ صرف حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پر آیا کیونکہ سب کی قسم مشروط تھی ان کے کھانے کے ساتھ کہ آپ نہیں کھائیں گے تو ہم بھی نہیں کھائیں گے۔ اب سب کھانا کھا رہے تھے لیکن کھانا ختم نہیں ہو رہا تھا بلکہ اور بڑھ رہا تھا جیسے آگ رہا ہو، تو تعجب سے اپنی بیوی سے فرمایا: یا اُخت بنی فراس! یہ تو ایسا لگتا ہے جیسے کھانا نیچے سے اور آ رہا ہے، وہ کہنے لگیں کہ: مجھے بھی ایسا ہی لگ رہا ہے، کھانا تو ختم ہی نہیں ہو رہا، جتنا کھاتے ہیں اور زیادہ بڑھ رہا ہے، آپ رضی اللہ عنہ سے اس کا تذکرہ کیا تو فرمایا: اس میں ہمارا بھی حصہ رکھ لو، برکت کی چیز ہے۔ یہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی کرامت ظاہر ہوئی۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنے بھائی کے کام میں لگا ہوا ہو، اللہ تعالیٰ اس کے کام میں لگے ہوتے ہیں، اس کے لئے کسی تشریح کی ضرورت نہیں، تم دوسروں کے کام کرو، اللہ تمہارے کریں گے اور اگر تم چاہو گے کہ دوسروں کا نہ ہو میرا ہو جائے تو تمہارا بھی نہ ہوگا، دوسروں کا چاہے ہو یا نہ ہو۔

اس حدیث میں ایک سفر کا قصہ ہے، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، تو کچھ لوگ ایسے تھے جن کے پاس سواری نہیں تھی، تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس کے پاس زائد سواری ہو وہ اپنے بھائی کو دیدے جس کے پاس سواری نہ ہو، جس کے پاس زائد توشہ ہو وہ اپنے بھائی کو دیدے جس کے پاس توشہ نہ ہو۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت رضی اللہ عنہ نے مختلف چیزوں کا تذکرہ اپنے انداز سے فرمایا کہ ہمیں یہ احساس ہونے لگا کہ زائد میں ہمارا کوئی حق نہیں، ہماری جو ضرورت کی چیز ہے اس کا استعمال ہمارے لئے جائز اور جو ہماری ضرورت سے زائد ہے اس میں ہمارا کوئی حق نہیں۔ یہ مکارم اخلاق کی قسم ہے۔

مولانا علی میاں کی ایک کتاب ہے ”ارکانِ اربعہ“ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، وہ انہوں نے عربی میں لکھی تھی پھر اس کا اردو ترجمہ ہو گیا، اس کتاب کا نام ہے: ”مساوات لا مساوات“ اس میں لکھا ہے کہ اسلام مساوات کا نہیں مساوات کا سبق دیتا ہے، اسی بات کی تلقین اس حدیث میں کی گئی ہے، اسلام یہ نہیں کہتا کہ قانون کے جبر اور ڈنڈے سے سب کو ایک جیسا کر دو، یہ نہیں، اسلام یہ نہیں کہتا کہ غریب مال داروں کا سب کچھ لوٹ کر لے جائیں، البتہ اسلام مال دار کو اس بات کی تلقین کرتا ہے اور ان میں ایسے مکارم اخلاق پیدا کرنا چاہتا ہے کہ غریب غریب کی امراء کی ایسی خبر گیریں کریں کہ کسی کو بھی معاشرے میں مال داروں سے شکایت نہ رہے، بلکہ یہ ان کے گردیدہ ہوں اور ان کو ڈھائیں دیں، جیسا کہ اگر کوئی شخص عیث ہو سخی ہو، سب اس کو ڈھائیں دیتے

ہیں، کوئی اس کے مال سے حسد نہیں کرتا بلکہ غریب غرباء جن کی حاجتیں وہاں سے پوری ہوتی ہیں وہاں سے دُعا دیتے ہوئے جاتے ہیں، تو اسلام اس غم خواری اور ہمدردی کی مال داروں کو تاکید کرتا ہے کہ فقیروں کو کہنے کی ضرورت پیش نہ آئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قصہ ہے کہ رات کو گشت کر رہے تھے، لمبا قصہ ہے، ایک خاتون کے گھر میں بچے رورہے تھے، وہ سنتے رہے، بعد میں پوچھا: کیا بات ہے بچے کیوں رورہے ہیں اور ہنڈیا کیوں چڑھائی ہوئی ہے؟ کہا: بچوں کو بہلانے کے لئے کہ تمہارا کھانا تیار ہو رہا ہے، اس میں کچھ بھی نہیں۔ حضرت عمر نے ان کی ہمدردی کے چند کلمات کہے تو کہنے لگی: قیامت کے دن عمر سے اس کا بدلہ لوں گی، عمر کا گریبان پکڑوں گی کہ اس نے ہمیں پوچھا نہیں، ہمارا خیال نہیں رکھا، یہ معلوم نہیں کہ یہی عمر ہے، انہوں نے کہا: بھلا عمر کو تمہارے حال کی کیا خبر؟ تم نے ان کو بتایا تو ہوتا! کہنے لگی: اس کا فرض ہے کہ ہمارا حال معلوم کرے۔ پھر لمبا قصہ ہے، یہ اہل محلہ کا فرض تھا کہ ضرورت مندوں کو تلاش کریں، ہمارے محلے میں کوئی ایسا آدمی تو نہیں جو ضرورت مند ہو جس کو احتیاج ہو۔ امراء سے یہ کہا گیا تھا کہ ان غرباء کا تفقہ کرو، یعنی ان کی تلاش کرو اور فقراء کو کہا گیا تھا کہ تمہاری زبان سے کبھی حرف شکایت نہیں نکلتا چاہئے، تم اپنا سارا معاملہ اللہ کے سامنے پیش کرو، خبردار! کسی آدمی کے سامنے ہاتھ پھیلاؤ، تمہارے دل میں بھی کبھی خیال نہیں آنا چاہئے، جس معاشرے میں یہ کیفیت ہو وہاں کسی کو کسی سے شکایت ہوگی؟

”لَيْسَ الْمُسْكِينُ بِالطَّوَّافِ وَلَا بِالَّذِي تَزُودُ الْفَقْرَةَ وَلَا التَّمْرَتَانِ وَلَا اللَّقْمَةَ وَلَا اللَّقْمَتَانِ وَلَكِنَّ الْمُسْكِينَ الْمُتَعَفِّفَ الَّذِي لَا يَسْأَلُ النَّاسَ شَيْئًا وَلَا يَفْطَنُ لَذَّةِ صَدَقٍ عَلَيْهِ.“

(مسند احمد بن حنبل ۷/۳۸۹، ۳۳۵۳، کنز العمال ۶/۴۶۲، ۱۶۵۵۲، درمنثور)

ترجمہ: ”مسکین وہ آدمی نہیں ہے جو ایک ایک بھجور لوگوں سے مانگتا پھرتا ہے، ایک ایک لقمہ دردر سے مانگتا پھرتا ہے، وہ فقیر مسکین نہیں ہے، فقیر مسکین وہ ہے جس کے گھر کھانے کو کچھ نہیں اور کسی سے کچھ مانگتا بھی نہیں، نہ وہ کسی سے مانگتا ہے کہ اس کی ضرورت پوری ہو جائے اور نہ کسی کے سامنے اظہار کرتا ہے کہ اس کی بات کو سمجھا جاسکے، اس کی کیفیت کو سمجھا جاسکے۔“

تو غرضیکہ اسلام صرف مساوات کا قائل نہیں، غلط کہتے ہیں وہ جو یہ کہتے ہیں کہ اسلام نے مساوات کا سبق دیا ہے، ہاں! اسلام مساوات کا، ہمدردی اور خیر خواہی کا قائل ہے، اسلام کی تلقین یہ ہے کہ: ”اَزْخُمُوا مَن فِي الْأَرْضِ يَزْخُمُكُم مِّن فِي السَّمَاءِ“ (سنن الترمذی ۷/۱۶۱، ۱۸۳۷، السنن الکبریٰ للبیہقی)

۹/۳۱، ۱۷۶۸۳)۔ زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کوئی مغرب کا گدا گر تھا، حلب کے بزازوں (کپڑا فروشوں) کے بازار میں آواز لگاتا پھر رہا تھا کہ اے مال دار لوگو! اگر تمہارے پاس انصاف ہوتا اور ہمارے پاس قناعت ہوتی تو دنیا میں کوئی سوال کرنے والا نہ ہوتا، سوال کی رسم ہی ٹوٹ جاتی۔

مال داروں میں انصاف نہیں رہا اور بے مالوں میں قناعت نہیں رہی، اب مانگنے والے پھر رہے ہیں، دینے والے کم ہیں، مؤطا امام الک میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ وہ ایک صاحب کو نصیحت کر رہے تھے کہ تو ایسے زمانے میں ہے کہ جس میں دینے والے زیادہ ہیں، مانگنے والے کم ہیں، صحابہ اور تابعین کے زمانے میں کوئی شاذ و نادر ایسا ہوگا جو دوسروں کے سامنے اپنی ضرورت کا اظہار کرے یا سوال کرے، اور ایک وقت آئے گا جبکہ مانگنے والے زیادہ ہوں گے اور دینے والے کم ہوں گے۔ اور پھر فرمایا کہ: تو ایسے زمانے میں ہے کہ قاری کم ہیں، فقیہ زیادہ ہیں اور ایک وقت ایسا آئے گا کہ قاری زیادہ ہوں گے، فقیہ کم ہوں گے، قرآن اور دین کو سمجھنے والے کم ہوں گے۔

مہمان کی عزت کرنا

[حدیث: ۸۶۷] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ..... مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ

فَلْيُقِلْ خَيْرًا أَوْ لِيُضْفَ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ جَارَهُ، وَمَنْ

كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ.“ (صحیح مسلم ج: ۱، ص: ۲۱۳،

حدیث نمبر: ۱۸۲، باب النخبة علی اکرام الجار والضيف ولزوم الضيف.....)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

جو شخص اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہئے کہ بھلی بات کہے یا چپ رہے اور

جو ایمان رکھتا ہے اللہ پر اور قیامت کے دن پر اس کو چاہئے کہ اپنے پڑوسی کا اکرام

کرے اور جو شخص ایمان رکھتا ہے اللہ پر اور قیامت کے دن پر اس کو چاہئے کہ اپنے

مہمان کا اکرام کرے۔“

تشریح: اس حدیث میں تین فقرے ہیں، ایک یہ کہ جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر

ایمان رکھتا ہے وہ اپنے مہمان کی عزت کرے۔ ”عزت“ کا معنی یہ کہ اس کے ساتھ اچھا رکھ رکھاؤ کرے، اس

کی توہین نہ کرے۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ ایک دن رات اس کا حق ہے، اس کی ضیافت ہے اور تین دن

اس کا جائزہ اور انعام ہے اور تین دن سے زائد رہتا ہے تو یہ صدقہ ہے۔

اور دوسرا فقرہ یہ ہے کہ جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہئے کہ اپنے ہمسائے کی عزت کرے، ان کے ساتھ حسن سلوک بہت مشکل ہے، کوئی نہ کوئی ناگواری پیش آ جاتی ہے اور کچھ نہ ہو تو بچے لڑ پڑتے ہیں، یا بچے گھر میں جا کر کسی کی شکایت لگا دیتے ہیں اور یہ اللہ کا بندہ بچوں کی بات سن کر یہ بھی نہیں پوچھتا کہ بچہ ٹھیک شکایت لگا رہا ہے یا غلط کہہ رہا ہے؟ یا مبالغے سے کام لے رہا ہے؟ بہت کم ہمسائے ایسے ہوں گے جو ایک دوسرے کا حق ہمسائیگی ادا کرتے ہوں۔

ایک خاتون کے بارے میں عرض کیا گیا کہ: وہ بہت زیادہ نماز روزہ تو نہیں کرتی لیکن اس کے ہمسائے خوش ہیں اس سے، فرمایا: وہ جنت میں ہے، پھر عرض کیا گیا کہ: ایک اور خاتون ہے، بہت نفل نماز پڑھتی ہے، بہت روزے رکھتی ہے لیکن ہمسائے ناخوش ہیں اس سے، فرمایا: وہ دوزخ میں ہے (رواہ احمد والبیہ از، کنذانی الترفیہ والترغیب)۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ ایک صحابی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے کیسے معلوم ہو کہ میں نے یہ کام اچھا کیا یا برا کیا؟ فرمایا: اپنے پڑوسیوں سے پوچھو، اگر وہ کہیں کہ تم نے اچھا کیا تو تم نے اچھا کیا، اگر وہ کہیں کہ تم نے برا کیا تو تم نے برا کیا (مشکوٰۃ، ابن ماجہ)۔

اور تیسری بات اس حدیث شریف میں یہ بیان کی کہ جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اگر وہ کوئی بات کہنا چاہے تو منہ سے بھلی بات نکالے ورنہ چپ رہے، کہو تو اچھی بات کہو، ورنہ چپ رہو۔ حضرت شیخ سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”برائے نادان بہتر از خاموشی چیزے نیست“

احق آدمی کے لئے خاموشی سے بہتر کوئی چیز نہیں، بے وقوف آدمی کے لئے خاموشی سب سے اچھی چیز ہے، احق کو چاہئے کہ نہ بولے، لیکن اگر احق اس نکتے کو جانتا تو احق نہ ہوتا، احق تو ہے ہی جبکہ بے عقلی کی باتیں کرتا ہے، تو حسی الوسع خاموش رہے، خاموشی سے بہتر کوئی چیز نہیں، حدیث میں آتا ہے: ”مَنْ صَمَتَ نَجَا“ (سنن الترمذی ۳۱۹۷، کنز العمال) جو خاموش رہا اس نے نجات پائی، اور یا کہو تو بھلی بات کہو۔

بہر کیف! کسی کی غیبت کرنا، چغلی کرنا، کسی کی تحقیر کرنا، بے ادبی کرنا، یا اس قسم کی کوئی اور بات کرنا، اس میں اپنا ہی نقصان ہے، دوسرے کا نہیں، اسی لئے ہمارے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اگر میں کسی کی غیبت کروں تو اپنی ماں کی کروں، تاکہ میری عیالیں میری ماں کو ملیں، کسی اور کو کیوں ملیں؟ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ: اگر میں قسم کھاؤں مسجد میں کھڑا ہو کر تو میری قسم نہیں ٹوٹے گی کہ میں نے مدۃ العمر کبھی کسی کی غیبت نہیں کی، مسجد میں قسم کھا سکتا ہوں کہ کبھی کسی کی غیبت نہیں کی۔ تو کہو تو خیر کی بات کہو، ورنہ چپ رہو۔

حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمہ اللہ نے اپنے سامنے یہ شعر لکھ کر لکھوایا ہوا تھا، ہم نے بھی لکھوایا

ہوا تھا لیکن ہم پر کیا اثر کرے گا:

دوسروں کے معاملات میں کف لسان
ووقت بچان نفس، ضبط نفس سے کام
بس یہ دو اصول، یہ دو اصول ہی کافی ہیں اصلاح کے لئے، لیکن یہ دو سبق ہی کچے نہیں ہوئے۔

رحم کا مستحق

[حدیث: ۸۶۸] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ..... إِنَّهُ مَنْ لَا يُزْخَمَ لَا يُزْخَمَ۔“

(صحیح مسلم ج: ۷، ص: ۷۷، حدیث نمبر: ۶۱۷۰، باب مَا بَيْنَ رَسُولِ اللَّهِ -صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- شَيْئًا قَطُّ.....)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:
جو کسی پر رحم نہ کرے، اس پر رحم نہیں کیا جائے گا۔“

تشریح: اس حدیث میں ہے: مَنْ لَا يُزْخَمَ لَا يُزْخَمَ بس اتنا ہی فقرہ ہے، جو رحم نہ کرے اس پر
بھی رحم نہیں کیا جاتا، یعنی اللہ تعالیٰ بھی اس پر رحم نہیں فرماتے۔

اور اس حدیث شریف کا قصہ یہ ہے کہ ایک دفعہ آپ ﷺ کے پاس حضرت حسن موجود تھے،
آپ ﷺ نے ان کو پیار کیا، چوماء، آپ کے پاس ایک دیہاتی بیٹھے ہوئے تھے، کہنے لگے: آپ ان کو چومتے
ہیں؟ میرے تو دس بچے ہیں میں نے تو کبھی چوما نہیں ان کو، اس موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ: اگر اللہ
تعالیٰ نے تیرے دل سے رحم نکال دیا ہے تو میں اس کا کیا علاج کر سکتا ہوں، پھر فرمایا: ”مَنْ لَا يُزْخَمَ لَا
يُزْخَمَ“ جو شخص کہ رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔ مطلب یہ کہ بچوں کے ساتھ شفقت کرنا، پیار کرنا، دل میں
رحم ہونے کی علامت ہے، اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جیسا معاملہ تم دوسروں کے ساتھ کرو گے ویسا ہی
معاملہ تمہارے ساتھ بھی کیا جائے گا۔

اس مضمون کو دوسری حدیث میں بیان کیا ہے: ”الزَّاجِمُونَ يُزْخَمُهُمُ الزَّوْحَمُ“ (سنن
ابوداؤد ۱۳ / ۲۵۴، سنن ترمذی، السنن الکبریٰ للبیہقی) رحم کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ رحم فرماتے ہیں،
”اَزْخَمُوا مَنْ فِي الْأَرْضِ يُزْخَمُكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ“ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۲ / ۳۸۹، ۱۸۳۶۲) تم زمین
والوں پر رحم کرو، آسمان والوں پر رحم کرے گا۔

صلہ رحمی، وسعتِ رزق کا سبب ہے

[حدیث: ۸۶۹] ”عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ..... مَنْ سَوَّاهُ أَنْ يَنْسَطَ لَهُ رِزْقُهُ أَوْ“

يُنْسَأُ لَهُ فِي أَثَرِهِ فَلْيَصِلْ رَحْمَةً“ (صحیح بخاری ج: ۷، ص: ۳۵۷، حدیث

نمبر: ۲۰۶۷، باب من أحب البنط في الزرق)

ترجمہ: ”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: جس کو یہ بات خوش کرے کہ اس کی روزی کشادہ اور اس کی زندگی بڑھائی جائے تو اپنے اہل قرابت کے ساتھ صلہ رحمی کرے۔“

تشریح: اس حدیث میں صلہ رحمی کی فضیلت کو ذکر کیا ہے، صلہ رحمی کا مطلب ہے اپنے اہل قرابت کے ساتھ حسن سلوک کرنا، ان کی خبر گیری کرنا، مثال کے طور پر اس کا بھائی محتاج ہے، اس کی خبر گیری کرے، محتاج نہیں ہے کھاتا پیتا ہے تو کبھی ہدیہ دے دیا کرے، محتاج ہونے کی شکل میں اس کی خبر گیری فرض ہے اور فرض ہے، اور اگر وہ محتاج نہ ہو، ہدیہ تحفہ فرض نہیں مستحب ہے۔

یہی حکم ہے اپنے تمام اہل قرابت کا، اور مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص نادار یا معذور ہے یا چھوٹا ہے کہ کما نہیں سکتا یا لڑکی ہے جو غیر شادی شدہ ہے تو اس کے بارے میں کیا ضابطہ ہوگا کہ کن کن کا حق ہمارے ذمے ہے اور کتنا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس شخص کے خرچ کے متعلق گفتگو ہے، مثال کے طور پر بھائی فرض کرو، اگر وہ مال دار ہو اور اس کا انتقال ہو جائے تو اس شخص کو وراثت کا کتنا حصہ آتا ہے؟ جتنا حصہ وراثت کا آتا ہے اتنا حصہ خرچ کا اس کے ذمے فرض ہے۔

فرض کر لیجئے کہ چار بھائی ہیں، ان میں سے ایک نادار، معذور بے حال ہے، تو ظاہر ہے کہ اگر یہ مر جائے اور یہ مال دار ہو تو اس کی اولاد نہ ہوتی، ان بھائیوں کو ایک ایک تہائی اس کے مال سے پہنچے گا، تین بھائی ہیں، تین حصے ہو گئے، بس اس کے خرچ کے بھی تین حصے ہوں گے، ہر ایک کے ذمے ایک ایک حصہ واجب ہے۔

یہ میں نے ایک اصول بتا دیا، اب جس طرح کہ تم مسئلے کو چھتے ہو کہ فلاں آدمی مر گیا ہے اور اس کے یہ یہ وارث ہیں، کتنا حصہ فلاں کو ملے گا؟ کتنا فلاں کو؟ ٹھیک اسی طرح یہ بھی پوچھو کہ فلاں نادار ہے، معذور و بے حال ہے یا غیر شادی شدہ بچی ہے اگر چہ بالغ ہو، یا نابالغ بچہ ہے، اس کا خرچہ کن کن لوگوں پر کتنا کتنا واجب ہے؟ یہ وہ صلہ رحمی ہے جو شرعاً فرض ہے اور لوگ اس سے غافل ہیں، جس کا جی چاہا کیا، جس کا جی نہ چاہا نہ کیا۔

اور دوسرا درجہ مستحب ہے کہ ایک آدمی کھاتا پیتا ہے، کسی کا ضرورت مند نہیں ہے اللہ کے فضل سے، لیکن پھر بھی تمہاری طرف سے اس کے ساتھ حسن سلوک ہو، مروت ہو، جوڑ ہو، تعلق ہو، یہ صلہ رحمی ہے، اگر توڑ اور قطع تعلق ہو تو اس کو ”قطع رحمی“ کہتے ہیں۔ غرضیکہ اپنے اہل قرابت محرم رشتہ داروں کی خبر گیری کرنا بہت بڑا کارِ ثواب ہے، قرآن کریم کی آیت: ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ﴾ (آل عمران: ۹۲) جب نازل ہوئی تو حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ، حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ فرماتے

ہیں کہ جب تک تم اپنا سب سے محبوب مال اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرو گے تو نیکی کو نہیں پاؤ گے، اور میرا سب سے محبوب مال وہ باغ ہے جو ”بیرحاء“ کے نام سے مشہور ہے اور میں نیکی حاصل کرنا چاہتا ہوں، یہ آپ کے سپرد کرتا ہوں جس کو چاہیں عطا فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ”بیخ ذلیک مال ذابح ذلیک مال ذابح“ (صحیح بخاری ۵/۳۰۴، ۱۳۶۸) واہ واہ! یہ تو بڑا نفع بخش مال ہے، اور میں مناسب سمجھوں گا کہ تم یہ اپنے اہل قربات کے درمیان تقسیم کر دو، چچا زاد بھائیوں کے درمیان، چنانچہ تقسیم کر دیا۔

اب لوگوں کی نفسیات معلوم کرو، کیا کوئی پسند کرے گا کہ میں غریب ہو جاؤں اور چچا زاد امیر ہو جائیں؟ اور میرے مال پر پل کر؟ یہ گویا کہ میری ذہری ریاضت تھی، ایک یہ کہ سب سے بہترین مال خرچ کرو، اس کے لئے آمادہ ہو گئے اور دوسری یہ ریاضت کہ وہ لوگ جن کو تم ہمیشہ نیچا دیکھنا چاہتے ہو، ان کو دے دو، ”اقارب“ ”اقرب“ کی جمع ہے، یعنی سب سے زیادہ قریبی، عربی مقولہ ہے: ”اقارب کالعقارب“ قریبی رشتہ دار ایسے ہوتے ہیں جیسے بچھو۔ چچا زاد بھائیوں کے درمیان اکثر ٹھنی رہتی ہے، اب تو سنگے بھائیوں کے درمیان بھی ٹھنی رہتی ہے، لیکن ایک پشت آگے چلے جائیں تو عموماً یہ ہوتا ہے کہ یہ ہم سے آگے کیوں ہیں؟ یہ دوسرا مجاہدہ تھا، تو یہ مطلب ہوا صلہ رحمی کا، اپنے اقارب کے ساتھ صلہ رحمی کرنی، جوڑ پیدا کرنا، ان کی ہر طرح کی خدمت کرنا اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا۔

ہمارا نظریہ یہ ہے کہ: ”سب ہمارے ساتھ کریں گے تو ہم بھی کریں گے، ورنہ ہم بھی نہیں کریں گے“ یہ تو سوداگری ہے، صلہ رحمی نہیں۔ اس شخص کو صلہ رحمی کا ثواب نہیں ملے گا، صلہ رحمی کا ثواب اس شخص کو ملے گا کہ وہ اس سے کھتے ہوں، یہ اُن سے جڑتا ہو، وہ بدسلوکی کرتے ہوں، یہ حسن سلوک کرتا ہو، اس کو صلہ رحمی کا ثواب ملے گا، حدیث میں فرمایا گیا: ”لوگوں کے پیچھے چلنے والا امت بنو!“ اندھے مقلد نہ بنو کہ یوں کہنے لگو: ”اگر لوگ بھلائی کریں گے تو ہم بھی بھلائی کریں گے، لوگ بُرائی کریں گے تو ہم بھی بُرائی کریں گے۔“

تو آنجناب تو لوگوں کے مقلد ہیں، لوگ احسان کرتے ہیں تو آپ بھی احسان فرماتے ہیں، اگر وہ بُرائی کرتے ہیں تو آپ بھی بُرائی کرتے ہیں، آپ کی اپنی کوئی رائے نہیں، حدیث میں اس سے منع کیا کہ یوں کہو کہ: ”اگر لوگ ہم سے بھلائی کریں، پھر تو ہم بھلائی کریں گے، لیکن اگر لوگ ہم سے بُرائی کریں گے تو بھی ہم ان سے بھلائی کریں گے۔“ مزے کی بات ہوئی نا! یہ ہے صلہ رحمی، اس کی دو جزا ہیں، اس حدیث میں دو جزا میں بیان کی ہیں: ”جو شخص چاہتا کہ اس کا رزق کشادہ ہو اور اس کی عمر طویل ہو، اس کو چاہئے کہ صلہ رحمی کرے۔“

رزق کھلتا ہے اور عمر لمبی ہوتی ہے، اس پر اشکال ہوتا ہے کہ وہ تو لکھا ہوا ہے، عمر کیسے لمبی ہو جاتی ہے؟ میری سمجھ میں آج تک نہیں آیا کہ لوگوں کو یہاں کیوں اشکال ہوتا ہے؟ تمہارے لقمے بھی لکھے ہوئے ہیں، پھر اس کے لئے کیوں کوشش کرتے ہو؟ اتنے لقمے تمہیں کھانے ہیں، اس کے لئے کیوں تنگ دو کرتے ہو؟ کیوں

دوسروں سے مانگتے ہو؟ وہ تو لکھے ہوئے ہیں، تمہیں ملیں گے، اور رزق کے لئے کیوں تنگ و دو کرتے ہو؟
 بھی! لکھی ہوئی تو ہر چیز ہے، کون سی چیز نہیں لکھی ہوئی ہے؟ صحت بیماری لکھی ہوئی ہے اور بیماری
 کے ساتھ بیماری کا علاج بھی لکھا ہوا ہے کہ یوں بیمار ہوگا اور یوں علاج کرے گا، تو اسی طرح عمر بھی لکھی ہوئی
 ہے اور یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ فلاں شخص صلہ رحمی کرے گا اور اس کی وجہ سے اس کی اتنی عمر بڑھادی جائے گی، اس
 کی برکت سے۔ لوگوں نے اس کے مختلف جوابات دینے کی کوشش کی ہے لیکن میرا خیال ہے کہ کسی جواب
 دینے کی ضرورت نہیں ہے، سیدھا سا جواب ہے کہ جیسے اور چیزوں کے اللہ نے اسباب رکھے ہیں، ویسے ہی
 طول عمر کا بھی سبب رکھا ہے، یعنی فلاں آدمی اتنی مقدار صلہ رحمی کرے گا اور اس کے بدلے میں اتنی عمر اس کی
 بڑھادی جائے گی۔ باقی کل عمر کتنی ہے؟ وہ اللہ کے علم میں ہے!

تو رزق کا فراغ ہونا اور دروازے کا کھل جانا اور عمر کا لمبا ہونا، یہ دو چیزیں صلہ رحمی کا بدلہ ہیں، اس
 سلسلے میں بہت سے اکابر کے قصے ہیں، لیکن حضور ﷺ کے ارشاد کے بعد کسی قصے کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی
 ہے؟ آپ ﷺ کا ارشاد تو وحی الہی ہے۔

غضب ارض کا وبال

[حدیث: ۸۷۰] ”عَنْ سَعِيدِ بْنِ زَيْدٍ.... مَنْ أَخَذَ شَيْئًا مِنَ الْأَرْضِ ظُلْمًا

طَوَّقَهُ إِلَى سَبْعِ أَرْضِينَ۔“ (صحیح مسلم ج: ۸، ص: ۳۲۶، حدیث نمبر: ۳۰۲۲)
 باب تخریم الظلم و غضب الأرض و غیرہا

ترجمہ: ”حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جس
 شخص نے کسی کی ایک بالشت برابر زمین بھی بطور ظلم کے لی، اس کو اس کا طوق بنایا جائے
 گا سات زمینوں تک۔“

[حدیث: ۸۷۱] ”عَنْ مَالِكٍ عَنْ أَبِيهِ.... مَنْ أَخَذَ مِنَ الْأَرْضِ شَيْئًا بِغَيْرِ

حَقِّهِ خَسَفَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَى سَبْعِ أَرْضِينَ۔“ (صحیح بخاری ج: ۸، ص: ۳۳۱،
 حدیث نمبر: ۲۲۷۳، باب إثم من ظلم شيئاً من الأرض)

ترجمہ: ”حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد
 فرمایا: جس نے ایک بالشت زمین بھی ناحق کسی کی لی، اس کو سات طیق تک دھنسا دیا
 جائے گا قیامت کے دن اس زمین میں۔“

تشریح: ان دونوں حدیث کا ایک ہی مضمون ہے کہ اگر کسی شخص نے اگر ایک بالشت کسی کی

زمین غصب کر لی یا کھیت ملا ہوا ہو، درمیان کی بازتھوڑی سی ادھر کر دی، یا مکان بنانے لگے دیوار تھوڑی سی ادھر کھسکا دی اپنا مکان ذرا کشادہ کرنے کے لئے، تو پہلی حدیث میں ہے کہ سات زمینوں تک نکال کر اس کے گلے کا طوق بنایا جائے گا۔ اور دوسری حدیث میں ہے کہ اس زمین کے ساتویں طبق تک دھنسا دیا جائے گا۔ ظاہر بات ہے کہ جب سات زمینوں تک زمین نکال کر طوق بنا کر گلے میں پہنائی جائے گی تو دھنسنے کا تو خود ہی، یہ سزا ہے اس شخص کی جو کسی کی زمین پر جبراً اور غصباً قبضہ کر لے۔

یہاں ایک اور نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے، انگریز کے زمانے کے ظالمانہ قوانین کا بقیہ ہمارے ملک میں بھی چلا آ رہا ہے، وہی قوانین جو انگریزوں نے بنادیئے تھے اس میں تھوڑی بہت ترامیم اس میں کر دیں، وہی تعزیرات پاکستان بن گئیں، تعزیرات ہند کے بجائے۔ ان بچارے ”مجتہدوں“ کو آج تک اتنی فرصت نہیں ملی، مولویوں کو تو کہتے ہیں کہ: ”اجتہاد نہیں کرتے“، لیکن ان غریبوں کو ”اجتہاد“ کی آج تک فرصت نہیں ملی کہ انگریزوں کے ملعون قوانین کو بدل ڈالیں۔ تو خیر یہ تو الگ موضوع ہے۔

میں یہاں کہنا چاہ رہا ہوں کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ قانون ایک ظالم کا ساتھ دیتا ہے، مظلوم کا ساتھ نہیں دیتا۔ ہمارے ظالمانہ قوانین جو ملعون انگریز کے دور سے چلے آ رہے ہیں، ان میں بہت سے قوانین ایسے ہیں جو ظالم کا ساتھ دیتے ہیں، مظلوم کا ساتھ نہیں دیتے۔ اگر کوئی کرائے دار مکان پر قابض ہو جائے تو مالک مکان اس کو نہیں نکال سکتا، اپنے مکان سے جتنا کرایہ اس نے بیس سال سے دیا تھا اس سے ڈگنا جزمانہ دے کر مالک مکان کرائے دار سے مکان خالی کراتا ہے، یعنی اتنا کرایہ جتنا کہ اس نے دیا تھا اتنا تو مالک واپس کر دے اور اتنی ہی مقدار اپنی طرف سے دے کر مکان خالی کرالے۔ قیامت کے دن جس کا حق کھائے گا اس کی قیمت ادا کرنی پڑے گی، وہ بھی بتاؤں کتنی قیمت دینا ہوگی؟ لکھا ہے کہ ایک درہم کسی کا دبانے کے بدلے ۷۰۰ مقبول نمازیں دلوای جائیں گی، اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے۔

یہاں ایک قصہ بھی ہے، یہ سعید بن زید رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے بھی ہیں، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بہنوئی بھی ہیں، فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہا کے شوہر ہیں۔ ایک بڑھیا نے مردان کی عدالت میں ان پر مقدمہ کر دیا تھا کہ سعید نے میری زمین غصب کر لی۔ اس نے ان کو بلایا اور کہا کہ یہ عورت آپ پر الزام لگاتی ہے۔ اس پر انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ حدیث اپنے کانوں سے سنی ہوئی ہے، اس کے بعد میں اس کی زمین غصب کروں گا؟ مردان کہنے لگا: اس بات کو سننے کے بعد اب آپ سے کوئی گواہ بھی نہیں مانگوں گا، بس!

فرمانے لگے کہ میں نے خود اپنے کانوں سے آنحضرت ﷺ کو فرماتے سنا کہ جس شخص نے بالشت برابر بھی کسی کی زمین پر ناجائز قبضہ کیا، قیامت کے دن سات زمین تک اس کو نکال کر اس شخص کو اس کا طوق پہنایا جائے گا۔ یہ بات سننے کے بعد بھی اس کی زمین غصب کر لیتا؟ اور پھر فرمایا: اللہم ان کانت کاذبہ فاعم بصرہا: یا اللہ! اگر یہ جھوٹ بولتی ہے، اس کو اندھی کر کے مارنا۔ واجعل موتہا فی بیتہا اوفی ارضہا اور اس کی زمین میں اس کی موت واقع ہو۔ چنانچہ یہ اندھی ہو گئی، اس کی زمین میں کوئی کنواں کھودا ہوا تھا اس میں جا گری۔

کسی کی زمین غصب کرنے یا کسی کا مال غصب کرنے کا وبال

[حدیث: ۸۷۲] ”عن وائل بن خنجر..... من اقتطع أرضًا ظالمًا لقي

الله وهو عليه غضبان۔“ (صحیح مسلم ج: ۱، ص: ۳۳۸، حدیث نمبر: ۲۰۰، باب

وعيد من اقتطع حق مسلم بين فاجر وبائتار)

ترجمہ: ”حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

جو شخص چھین لے کسی کی زمین ظالمانہ طور پر وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے اس حال

میں ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر غضب ناک ہوں گے۔“

[حدیث: ۸۷۳] ”عن أبي أمامة..... من اقتطع حق امرئ مسلم

بيمينه فقد أوجب الله له النار وحرم عليه الجنة فقال له رجل وإن كان شيئًا

يسير أياز رسول الله! قال وإن قضيتا من أراك۔“ (صحیح مسلم ج: ۱، ص: ۳۳۳،

حدیث نمبر: ۱۹۶، باب وعيد من اقتطع حق مسلم بين فاجر وبائتار)

ترجمہ: ”حضرت امامہ ایاس بن ثعلبہ حارثی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے

ارشاد فرمایا: جو شخص چھین لے گا حق کسی مسلمان کا اپنی قسم کے ذریعے بے شک واجب

کردی اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے دوزخ اور حرام کردی اس پر جنت۔ ایک شخص نے عرض

کیا: یا رسول اللہ! اگرچہ معمولی چیز ہو؟ فرمایا: چاہے پیلو کی ایک ٹہنی یا مسواک ہو۔“

تشریح: ان دونوں حدیثوں کا مضمون کسی قدر مشترک ہے، پہلی حدیث میں ہے کہ جس شخص

نے کسی کی زمین اڑالی، غصب کر لی، چھین لی وہ اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر

نہایت غضب ناک ہوں گے۔

اور دوسری حدیث میں دو فرق ہیں، ایک یہ کہ اس میں صرف زمین کا ذکر نہیں بلکہ مسلمان

کے حق کا ذکر ہے، جس نے کسی کا مسلمان حق چھین لیا وہ حق عام ہے کہ زمین سے متعلق ہو یا کسی اور چیز سے متعلق ہو، مطلب یہ کہ زمین کسی کا حق تھی لیکن لے لی اس نے، اس لئے کہ ایوب خلیفہ کا قانون اس کا ساتھ دیتا تھا، ایوب خان کے قانون کے مطابق زمین اس کو ملتی تھی اور شرعاً اس کا حق نہیں تھا، ایوب خان کا قانون یہ ہے کہ چند بھائی ایک باپ کی اولاد تھے، ان میں سے ایک مر گیا باپ کی زندگی میں، تو پیچھے اس لڑکے کی اولاد ہے، ان کے باپ کا انتقال بعد میں ہوا، تو یہ لڑکا جو مر گیا ہے باپ کی زندگی میں یہ زندہ تصور کیا جائے گا، اور اس کی اولاد کو اتنا ہی حصہ دلا یا جائے گا جتنا زندہ ہونے کی حالت میں اس کو ملتا۔ ایک لڑکی کا اپنے باپ کی زندگی میں انتقال ہو گیا، اس لڑکی کی آگے اولاد تھی، بعد میں بڑے میاں کا انتقال ہوا جس کی لڑکی پہلے مری تھی، اس کے تین لڑکے ہیں، جو اب مرا ہے ایک لڑکی تھی جو اس کی زندگی میں مر گئی تھی، اس لڑکی کے آگے وارث موجود ہیں، شوہر موجود ہے وغیرہ، اب شرعی نقطہ نظر سے صرف لڑکے وارث ہوں گے، خدا کے قانون مطابق، جو بیٹی مر گئی باپ کی زندگی میں اس کی اولاد کا کوئی حق نہیں، لیکن ایوب خان کا قانون کہتا ہے کہ اس کا حق ہے۔

میرے دوستوں میں سے ایک ہیں، انہوں نے مجھے بتایا کہ ان کے دادا کا اب انتقال ہوا، چچا کوئی اور نہیں تھا ان کا، ان کے والد اکیلے تھے، تو پھوپھیوں کو ان کا حق دیا جو بچا تھا پوتوں کو مل گیا اور ان کے ساتھ پوتوں کو بھی ملا، اب مسئلہ یہ ہے کہ اگر ان کا باپ زندہ ہوتا تو ایک بھائی اور دو بہنیں، جائیداد چار حصوں پر تقسیم ہوتی کیونکہ دو بہنوں کا حصہ ایک بھائی کے برابر ہوتا تو دو حصے ملتے ان لڑکوں کے باپ کو اور ایک چوتھائی ملتا ان لڑکوں کی پھوپھیوں کو، باپ تو ان کا پہلے مر گیا، تو شرعی طور پر پھوپھیوں کو وارث ہیں دو تہائی کی، ایک تہائی بچتا ہے ان پوتوں کے لئے، لیکن ہمارے روشن خیالوں کی شریعت کہتی ہے کہ نہیں! لڑکیوں کو نصف نصف دلاؤ، اور آدھی دو پوتوں کو، عجیب بات ہے، چکر صرف چھٹے حصے کا ہے، اگر اس جائیداد کے چھ حصے کر لئے جائیں تو موجودہ صورت میں دو دو حصے لڑکوں کو پہنچتے ہیں، لیکن اگر ان کا باپ زندہ ہوتا اور ایوب خان کی شریعت پر عمل کیا جائے تو ان لڑکوں کے تین حصے اور تین حصے پھوپھیوں کے۔

بات یہ تھی کہ شریعت کے مطابق ان کو ساڑھے تین مرلے ملتے بچیوں کو اور ایوب خان کی شریعت کے مطابق ان کو زمین کے پانچ مرلے ملتے تو جو حق نہیں بننا تھا وہ اس نے لیا، لے تو لیا لیکن ہضم بھی کر لے گا؟

اور دوسرا مضمون جو اس حدیث میں ہے جو پہلی حدیث میں نہیں، اپنی قسم کو کسی کا مال اڑانے کا ذریعہ بنایا، اور تمہیں معلوم ہے کہ لوگ قسم بھی قرآن کی اٹھوایا کرتے ہیں، مسجد میں لے جاؤ اس کو، پیسے قرآن پر رکھ دو۔ لوگ قسم اٹھا لیتے ہیں، یہ زیادتی کرتے ہیں قرآن کے ساتھ، میں یہ نہیں کہتا کہ

جھوٹے کو قسم نہ دلاؤ، بلکہ میں تو خود اس کا قائل ہوں کہ نہ دلاؤ، جب معلوم ہے کہ جھوٹ بول رہا ہے دو چار پیسوں کے لئے کیوں اس کو بے ایمان کرتے ہو؟ ہمارے امام ابو خلیفہ رحمہ اللہ پر خلیفہ زور دے رہا تھا کہ قاضی بن جائیں، حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: میں اس کا اہل نہیں ہوں۔ خلیفہ صاحب ناراض ہو گئے کہ تم جھوٹ بولتے ہو، امام صاحب رحمہ اللہ نے بڑی متانت سے فرمایا کہ: جناب نے تو خود ہی فرمادیا کہ میں قاضی بننے کا اہل نہیں ہوں۔ خلیفہ نے پوچھا: وہ کیسے؟ فرمایا: میں کہتا ہوں کہ اہل نہیں، آپ کہتے ہیں: جھوٹ بولتے ہو، اگر میں سچ بولتا ہوں تو میری بات مانی جائے اور اگر جھوٹ ہوں تو جھوٹے کو قاضی نہیں بناتے۔ لیکن بعد میں خلیفہ برہم ہو گیا، جیسے آج کل حکومت بعض علماء کو سٹیشن دے دیتی ہے، یہ سمجھتے ہیں حکومت ہم پر عاشق ہے، تم پر حکومت عاشق نہیں، یہ اپنے مفاد پر عاشق ہے، تمہاری ناک میں ایسی ٹکیل ڈال دے گی کہ بعد میں تم کچھ نہ بول سکو گے، ناک میں ٹکیل ڈال کر تمہاری پیٹھ پر سوار ہوگی، یہ مقصد ہے۔ مجھے تو یہ حیرت ہوتی ہے کہ معلوم نہیں یہ لوگ بال کس چیز میں سفید کرتے ہیں؟

خیر خلیفہ نے قسم کھائی کہ آپ کو کرنا ہوگا، حضرت رحمہ اللہ نے قسم کھائی کہ میں بالکل نہیں کروں گا۔ خلیفہ کا حاجب رنج کہنے لگا: امیر المؤمنین کے مقابلے میں قسم کھاتے ہو؟ فرمایا: امیر قسم کا کفارہ ادا کرنے پر میری نسبت زیادہ قادر ہیں، خلیفہ قسم توڑ دے، کفارہ دیدے۔ لیکن بعد میں دوستوں نے کہا کہ: یہ آپ کو قتل کرنا چاہتا ہے، اس لئے قسم توڑ دیں۔ اس لئے ایک چھوٹی سی ہستی کے قاضی بننے کو قبول کر لیا، سب سے پہلا مقدمہ جو آپ کی عدالت میں پیش ہوا وہ چار آنے کا تھا، دھوبی کی دھلائی پر گفتگو تھی، دھوبی کہتا تھا کہ: مجھے اس نے پیسے نہیں دیئے، وہ کہتا: پیسے دیئے، اس کے پاس پیسے دینے کا کوئی گواہ نہیں تھا۔ حضرت امام رحمہ اللہ نے دھوبی سے فرمایا کہ: تم قسم اٹھا لو گے کہ میں نے پیسے نہیں لئے؟ دھوبی نے کہا: ضرور قسم کھاؤں گا! جب وہ قسم کھانے کے لئے تیار ہوا تو حضرت امام رحمہ اللہ نے منہ پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: ٹھہرو! جیب سے چار آنے نکال کر دے دیئے، دھوبی لے کر یہ جا۔ فرمایا: مجھ سے یہ برداشت نہیں ہوتا کہ اللہ کا نام جھوٹا کیا جائے، اللہ کے نام کی جھوٹی قسم کھائی جائے:

﴿وَلَا تَجْعَلُوا اللَّهَ عُرْضَةً لِأَيْمَانِكُمْ﴾ (البقرة: ۲۲۴)

ترجمہ: ”اللہ کی پاک ذات کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بناؤ۔“

تو میں نے کہا کہ نہ تو قسم کھائی چاہئے اور کھانی بھی نہیں چاہئے، اور بالفرض اگر تمہیں معلوم ہے تو سچی قسم نہ کھاؤ، اللہ کا پاک نام بڑی عزت والا ہے، لیکن سچی قسم کھانے سے ہم منع نہیں کرتے، لیکن جھوٹی قسم مت کھاؤ اور اگر تم تمہارا فریق مخالف جھوٹی قسم کھانے پر آمادہ ہے تو اس کو بھی قسم نہ دو، نقصان

برداشت کر لو لیکن اللہ کے نام کی بے ادبی نہ کرو، اور اگر کسی نے جھوٹی قسم ولادی اور اس نے کھالی تو یہ بس یہ گیا، قرآن کی ایسی مار پڑتی ہے، بہت سے لوگوں نے مجھے خطوط لکھے، ہمیں کوئی حل بتاؤ، جیسے لوگ تین طلاقیں دے دیتے ہیں، پھر کہتے ہیں ہمیں کوئی حل بتاؤ، اب کیا حل بتائیں؟ کوئی گنجائش ہی نہیں چھوڑی، قتل کر کے کہتے ہیں کوئی حل بتاؤ، اب کیسے زندہ کروں؟ تم نے تو مار دیا، اسی طرح جس نے جھوٹی قسم کھالی اس نے اپنے آپ کو ہلاک کر لیا، برباد کر لیا، چند پیسوں کے لانچ کے لئے کسی مسلمان کا حق اڑا لیا، اب اس کا کیا حل ہے سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے، اللہ تعالیٰ اس کے جرم کو معاف کرے، ورنہ حدیث میں آتا ہے کہ یہ ڈوب دیتی ہے، انسان کو غرق کر دیتی ہے، یہ تو دنیا کی سزا ہم نے دیکھی اور آخرت کی سزا رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ نے اس پر دوزخ واجب اور جنت کو حرام کر دیتے ہیں، کتنی بڑی چیز کے بدلے میں جنت دے دی، صحابی نے پوچھا: اگر معمولی چیز ہو؟ فرمایا: اگرچہ پیلو کی ایک شاخ ہی کیوں نہ ہو ایک مسواک، اگر یہ بھی جھوٹی قسم کھا کر کسی کی اٹھالی تو یہی حکم، اس لئے کسی کا مال اڑانے سے احتیاط کرو، خصوصاً اس پر جھوٹی قسم نہ کھاؤ۔

آگ کا ٹکڑا

[حدیث: ۸۷۴] ”عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ..... إِنَّكُمْ تَخْتَصِمُونَ إِلَيَّ وَلَعَلَّ

بَغْضَکُمْ أَنْ يَكُونَ اللَّحْنُ بِعَجْزِهِ مِنْ بَعْضٍ فَأَقْضِي لَهُ عَلَى نَحْوِ مِمَّا أَسْمَعُ مِنْهُ

فَمَنْ قَطَعْتَ لَهُ مِنْ حَقِّ أَخِيهِ شَيْئًا فَلَا يَأْخُذْهُ فَإِنَّمَا أَقْطَعُ لَهُ بِهَ قِطْعَةً مِنَ النَّارِ۔“

(صحیح مسلم ج: ۹، ص: ۱۰۲، حدیث نمبر: ۳۲۳۱، باب الخکم بالظاہر واللحن بالخجۃ)

ترجمہ: ”حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم

لوگ میرے پاس جھگڑا لاتے ہو، اور ہو سکتا ہے کہ تم میں سے بعض اپنی حجت اور دلیل

کو بہ نسبت دوسرے کے زیادہ بیان کرنے والے ہوں، تو میں اس کے حق میں فیصلہ

دے دوں جیسا کہ میں اس سے سنوں، پس یہ یاد رہنا چاہئے کہ جس شخص کو میں اس کے

بھائی کے حق میں سے کوئی چیز دوں گا اس لئے نہیں کیونکہ میں اس کو دوزخ کا ٹکڑا کاٹ

کر دے رہا ہوں۔“

تشریح: اس حدیث میں ایک واقعہ ہے کہ دو آدمی ایک زمین کا جھگڑا رسول اللہ ﷺ کی

خدمت میں لائے، زمین کا مقدمہ تھا، دونوں نے اپنے بیانات دیئے، گواہ دونوں کے پاس ہیں، تو

آنحضرت ﷺ نے فیصلہ سنالے سے پہلے یہ بات ارشاد فرمائی جو اس حدیث شریف میں ذکر کی گئی کہ تم

لوگ اپنے مقدمے اور جھگڑے میرے پاس لاتے ہو، اب اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ تم میں سے کون حق پر ہے اور کون حق پر نہیں ہے؟ اور بہت ممکن ہے کہ جو شخص کہ حق پر نہ ہو وہ اپنی چرب زبانی سے ایسی تقریر کرے کہ جج کو متاثر کر دے کہ یہ سچا لگتا ہے اور جو دوسرا آدمی حق پر ہے وہ بیچارہ اپنا مقدمہ ٹھیک سے پیش نہیں کر سکتا، تو اس بات کا احتمال موجود ہے کہ تم میں سے بعض اپنی جھٹ کوزیادہ زور اور زبان آوری کے ساتھ بیان کر سکے، اور دوسرا آدمی مقابلے والا ایسی فصاحت و بلاغت کے ساتھ تقریر نہ کر سکے، اور میں جیسے مقدمے کی رؤسداد اور فریقین کے بیانات سنوں جس طرف دل مائل ہو اس کے مطابق فیصلہ کر دوں کہ یہ سچا لگتا ہے تو تمہیں یہ بات پہلے سے یاد رکھنی چاہئے کہ اگر کسی کی چرب زبانی سے متاثر ہو کر میں نے اس کے بھائی کے حق میں سے اس کے حق میں فیصلہ کر دیا، چیز تھی دوسرے کی تو خوب یاد رہے کہ میں اس کو دوزخ کا ٹکڑا دے رہا ہوں، اب چاہے لے لے، چاہے چھوڑ دے۔

مطلب یہ کہ میرے فیصلے پر نہ رہنا، میں تو جیسے ظاہری بیان سنوں گا اس کے مطابق فیصلہ دوں گا، ہو سکتا ہے کہ ایک جھوٹا ہے لیکن بات اس طرح کرتا ہے کہ جھوٹ کو سچ بنا دیتا ہے اور ایک آدمی بے چارہ سچا ہے لیکن اس کو بات کرنا نہیں آتی وہ اپنے سچ کو صحیح انداز سے پیش نہیں کر سکتا تو اگر میں کسی کے حق میں ناحق کی چیز کا فیصلہ کر دوں وہ اس کے بھائی کا حق تھا اس کا حق نہیں تھا، تو سمجھ لینا چاہئے کہ میں اس کو دوزخ کا ٹکڑا کاٹ کر دے رہا ہوں۔

دوسری روایت میں ہے کہ اب چاہے لے جائے یا چاہے چھوڑ جائے، یہ دو مقدمہ لانے والے جن سے آنحضرت ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ایک بنی کندہ کا تھا اور دوسرا حضرموت کا تھا، حضرمی کا جھگڑا تھا کندی پر، آنحضرت ﷺ کا یہ پاک ارشاد سن کر دونوں کہنے لگے: یہ اس کی ہے میری نہیں۔ اب حضرمی کہتا ہے: یہ کندی کی ہے میری نہیں! اور کندی کہنے لگا: یہ میری نہیں! اتنی سی بات ارشاد فرمائی تھی، کیا تاثیر تھی زبان مبارک میں، ابھی وہ جھگڑا لارہے تھے اور ایک جملہ سن کر دست بردار ہو گئے، مسلمان تھے نا! اور مسلمان کے دل پر اس کے نبی کی بات اس طرح نقش کر جاتی ہے جیسے سکے ڈھالتے ہوئے اس پر مہر لگا دیتے ہیں، آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم ایسا کہہ رہے ہو کہ اب ہر ایک کہہ رہا ہے کہ دوسرے کی ہے، میری نہیں، پانسہ پلٹ گیا تو فرمایا: ایسا کرو کہ اس کو نصف نصف تقسیم کر لو، اور ایک دوسرے سے معاف کرو، ہر ایک کہہ دے کہ تمہارا حق میری طرف آیا ہے تو معاف کر دو، وہ کہہ دے کہ معاف کر دیا، دوسرا اس کو یہی کہہ دے۔

آپ دیکھیں کہ آپ ﷺ کے پاس مقدمہ آنے میں اور آپ ﷺ کے یہ ارشاد فرمانے میں حالانکہ ابھی دونوں کا بیان نہیں سنا اور ان کے یہ کہنے میں کتنی دیر لگی؟ اتنی دیر میں مقدمے کا فیصلہ

ہو گیا۔ اور فیصلہ بھی ایسا کہ ہمیشہ کے لئے ان کی صلح، آئندہ کبھی جھگڑا نہ ہوگا۔ اور یہاں دیوانی مقدمے پر دس سال بلکہ بیس سال بعد جب مقدمہ ہوتا ہے تو اتنے عداوت کے کانٹے اور عداوت کے اتنے تناور درخت ہو جاتے ہیں کہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو جاتے ہیں اور اس زمین کی وجہ سے قتل ہونا شروع ہو جاتے ہیں، یہ انگریز کا جمہوری نظام ہے۔

اور اس حدیث شریف سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ تم لوگوں کی نظر میں تو سچے بن سکتے ہو کہ ہم نے قانون پر عمل کیا، لیکن اللہ تعالیٰ نہ تمہیں جانیں نہ تمہارے قانون کو جانیں، جتنے تمہارے جھگڑے ہیں چھوٹے چھوٹے جھگڑے ان سب کا قیامت کے دن فیصلہ ہوگا، یہ آخری عدالت میں مقدمہ پھر ہوگا، اِلا یہ کہ دونوں نے یہاں ہی معافی تلافی کر لی تھی، اور کہہ دیا کہ ہمیں منظور ہے، ہمیں کسی سے کوئی شکایت نہیں جیسے کہ ان لوگوں نے کیا، ورنہ ہر وہ آدمی جن کا آپس میں جھگڑا ہوا اور نتیجے پر کوئی بات پہنچی اور وہ فیصلہ منصفانہ تھا یا نہیں تھا، دوبارہ قیامت کے دن اس کو پیش کیا جائے گا۔ اب اتنے مقدمات نمٹا کر جنت میں جاؤ گے، یا پہلے جانا ہے تو معافی تلافی کر دو، ہمیں قصہ ختم کر دو، اس لئے میری طرف سے تو ہمیشہ اعلان میری طرف سے ظلم تعدی کسی کی حق تلفی ہوئی ہو تو سب سے معافی کا خواستگار ہوں، مجھ میں اتنی ہمت نہیں کہ وہاں کھڑے ہو کر مقدمات کا فیصلہ کرواؤں اور کسی کے پیسے ہوں تو وہ وصول کر لے، اور اگر کسی کے ذمے میرا حق بنتا ہو خواہ مالی ہو یا کوئی اور ہو، سب معاف! قیامت کے دن کوئی باز پرس نہیں کروں گا۔

کسی نے گالی نکالی ہو، تحقیر کی ہو، میری طرف سے اعلان عام ہے، قیامت کے دن مقدمہ نہیں کروں گا، اس لئے کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے کہہ رکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کسی اُمتی کو میری وجہ سے نہ پکڑیے، ایک محلے میں سارے مقدمے فیصل، اور یہ جو بیس بیس سال عدالتوں کے چکر کاٹتے ہیں اور مقدمات لڑتے ہیں یہ وہاں کتنا لڑیں گے؟ وہاں بھی تو پوری کاروائی سامنے آئے گی، وہاں پورا ریکارڈ طلب کر لیا جائے گا، آخری عدالت وہ ہے، وہ اصل میں سپریم کورٹ ہے، مگر چونکہ ہمارا ایمان آخرت پر کمزور ہے اللہ تعالیٰ کی عدالت کسی کے پیش نظر ہی نہیں اِلا ماشاء اللہ۔

کٹپالنے کی ممانعت

[حدیث: ۸۷۵] ”سَفِيَانُ بْنُ أَبِي زُهَيْرٍ..... مَنْ افْتَنِيَ كَلْبًا لَا يَغْنِي عَنْهُ

رَزْغًا وَلَا ضَرْغًا نَقَضَ مِنْ عَمَلِهِ كُلَّ يَوْمٍ قِيْرَاطٍ۔“ (صحیح بخاری ج: ۱۱، ص: ۱۰۴،

حدیث نمبر: ۷۸۰۷، باب اِذَا وَقَعَ الذَّبَابُ فِي شَرَابٍ اخَذَ كَفْمَ فَلْيَغْمِصْهُ فَاِنَّ

ترجمہ: ”حضرت سفیان بن ابوزہیرؒ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے کتاب پالا جو نہ کھیتی کی حفاظت کا کام کرتا ہے اور نہ مویشیوں کی حفاظت کا تو کم ہوتے رہیں گے اس کے اعمال میں سے ہر دن ایک قیراط۔“

[حدیث: ۸۷۶] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ... مَنْ أَمْسَكَ كَلْبًا فَإِنَّهُ يَنْقُصُ كُلَّ يَوْمٍ مِنْ عَمَلِهِ قِيرَاطًا إِلَّا كَلْبَ خَزْبِ أَوْ مَاشِيَةٍ.“

(صحیح بخاری ج: ۸، ص: ۱۲۲، حدیث نمبر: ۲۱۵۳، باب افتناء الكلب للخزب)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص کتاب باندھے اس کے نیک اعمال سے ایک قیراط ہر دن گھٹتا جائے گا، البتہ کھیت اور مویشیوں کی رکھوالی کے لئے کتاب رکھنا اس سے مستثنیٰ ہے۔“

تشریح: ان دونوں حدیثوں میں ہے کہ کتاب رکھنا بغیر ضرورت کے جائز نہیں اور ضرورتیں یہاں دو ذکر کی ہیں، تیسری ضرورت دوسری حدیث میں آتی ہے، شکار، کتاب شکار کے لئے یا گھر کی حفاظت کے لئے حدیث میں گھر کا نہیں بلکہ کھیتی کا ذکر ہے، مویشیوں کی حفاظت کے لئے یا کھیتی کی حفاظت کے لئے، تو یہ دو کتے تو مستثنیٰ ہیں، اور تیسرا شکار کا، اور چوتھا اگر کسی نے گھر کی حفاظت کے لئے رکھا ہو، مستثنیٰ کا مطلب ہے کہ اس کی اجازت ہے، ورنہ اجازت نہیں۔ اور آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ جو شخص بغیر ان ضرورتوں کے کتاب پالے گا اس کی نیکی میں سے ہر دن ایک قیراط کم ہوتا جائے گا، ”قیراط“ ایک تو وزن کا پیمانہ ہے جو پانچ جو کے برابر ہوتا ہے، سونے اور چاندی کے تولنے میں وہ پیمانہ استعمال ہوتا ہے، جیسے آٹھ جو کی ایک رتی ہوتی ہے، یہ قیراط پانچ جو کا ہوتا ہے، اور بعض اکابر نے بعض احادیث کی بنا پر فرمایا کہ ایک قیراط اُحد پہاڑ کے برابر ہوتا ہے، جو یہاں کا پیمانہ ہوگا، اور اُحد وہاں کے حساب سے پیمانہ ہوگا، دونوں میں کوئی تعارض نہیں۔

اس لئے بغیر ضرورت کے کتاب نہ پالا جائے، خاص طور سے اگر کتاب ایسا ہو کہ آنے جانے والوں کو ایذا پہنچاتا ہو تو اس کا رکھنا اور زیادہ برا ہوگا، اس کے بھونکنے سے لوگوں کی مافیت برباد ہوتی ہے، ویسے ہی کسی کو کاٹ کھاتا ہے۔ اور اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ بسا اوقات برتنوں میں منہ ڈال دیتا ہے، برتن ناپاک ہو جاتے ہیں، اور ایک بیماری کتے میں یہ ہے کہ جب پیار کرتا ہے اپنے مالک سے تو اس سے لپٹ جاتا ہے، تو اس کے منہ سے لعاب نکلتا ہے وہ نجس ہوتا ہے، تو کتاب پالنے والے کے کپڑے پاک نہیں رہ سکتے، پھر کتے کی صحبت بھی کتے کی صحبت ہے، ان کی صحبت میں بیٹھنے والوں کے اخلاق میں کتاب پن آئے گا، اس لئے کتاب پالنے سے منع کیا گیا۔

گرگٹ کو مارنے کا حکم

[حدیث: ۸۷۷] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ..... مَنْ قَتَلَ وَرْعَةً فِي أَوَّلِ ضَرْبَةٍ فَلَهُ كَذَا وَكَذَا حَسَنَةٌ وَمَنْ قَتَلَهَا فِي الضَّرْبَةِ الثَّانِيَةِ فَلَهُ كَذَا وَكَذَا حَسَنَةٌ لِدُونِ الْأَوَّلَى، وَإِنْ قَتَلَهَا فِي الضَّرْبَةِ الثَّالِثَةِ فَلَهُ كَذَا وَكَذَا حَسَنَةٌ لِدُونِ الثَّانِيَةِ“

(صحیح مسلم ج: ۱، ص: ۲۹۵، حدیث نمبر: ۴۱۵۶، باب استحباب قتل الوزغ)
ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص مارڈالے گرگٹ کو پہلی بار تو اس کو اتنا اتنا ثواب ہے، اور جو اس کو دوسری ضرب میں مارے تو اس کو اتنا اتنا ثواب ہے، پہلی سے کم، اور جو اس کو تیسری بار میں مارے تو اس کو اتنا اتنا ثواب ہے، لیکن دوسری سے کم۔“

تشریح: اس حدیث میں گرگٹ کے مارنے کی فضیلت بیان کی ہے، یہ جو کئی رنگ بدلتا ہے مونا سا، بڑی نکر وہ شکل ہے اس کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو اس کو پہلی ضرب میں مارے اس کو اتنی اتنی نیکیاں ملیں گی، جو دوسری میں مارے اس کو اتنی، اور جو تیسری میں مارے اس کو اتنی اتنی ملیں گی، لیکن پہلے والے سے کم۔ اس کو حرم میں اور احرام کی حالت میں مارنا بھی جائز ہے، اور یہ ایسا بد بخت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واسطے جو نافرمود تیار کی گئی تھی یہ اس کی پھونکیں لگاتا تھا بد بخت، تاکہ آگ بھڑک جائے، اور یہ مولا، یہ پانی کے قطرے لا کر نیکار ہاتھ کر آگ بجھ جائے، اب نہ اس کے پھونکنے سے آگ بھڑکی اور نہ اس کے پانی ڈالنے سے آگ بجھی، لیکن ہر ایک نے اپنی اپنی فطرت کا مظاہرہ کیا۔

بد کے ہوئے جانور کے شکار کا طریقہ

[حدیث: ۸۷۸] ”عَنْ عُبَايَةَ بْنِ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ....، إِنَّ لِهَذِهِ الْبَهَائِمِ أَوْبِدًا كَأَوْبِدِ الْوَحْشِ“

(صحیح بخاری ج: ۸، ص: ۳۹۱، حدیث نمبر: ۲۳۰۸، باب قسمة الغنم)
ترجمہ: ”حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان پالتو جانوروں میں بھی بھڑکنے والے، بدکنے والے ہوتے ہیں، جیسے کہ جنگلی جانور بدکنے والے ہوتے ہیں۔“

تشریح: اس حدیث میں ایک قصہ ذکر کیا گیا ہے کہ ایک صاحب کا اونٹ بدک گیا، بعض دفعہ یہ

جانور بدک جاتے ہیں یعنی قابو میں نہیں آتے، جیسے وحشی جانور قابو میں نہیں آتا، اسی طرح یہ بدکے ہوئے جانور قابو میں نہیں آتے، پکڑائی نہیں ہو رہی تھی اس کی، ایک صحابی نے اس کا تیر کا نشانہ لیا اور ”بسم اللہ اکبر“ کہہ کر اس پر تیر پھینک دیا، نشانہ اپنی جگہ درست بیٹھا اونٹ زخمی ہو گیا اور مر گیا، اس موقع پر یہ ارشاد فرمایا تھا: ”إِنَّ لِهَذِهِ النَّبَاهِ أَوَّابِدَ كَأَوَّابِدِ الْوَحْشِ“ یہ جو پالتو چوپائے ہیں یہ بھی کبھی کبھی بدک جاتے ہیں جیسے کہ وحشی جانور بدکے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہاں صرف اتنا ہی مکرر نقل کیا گیا ہے اور آگے حدیث کا جملہ یہ ہے: ”پس جب ایسی صورت پیش آجائے تو ان کے ساتھ یہی کیا کرو۔“

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ جنگلی جانور کا شکار کرنے کے لئے اگر کوئی شخص تیر سے اس کا نشانہ لے کر پھینکے اور تیر پھینکتے وقت ”بسم اللہ اکبر“ کہہ دے اور وہ تیر اپنے نشانے پر جا بیٹھے اور جانور اس سے زخمی ہو کر مر جائے تو جانور ذبح ہو جاتا ہے، یہ تیر بمنزلہ چھری کے ہے، جیسے جانور کے چھری پھینکتے وقت ”بسم اللہ اکبر“ پڑھتے ہیں اور وہ جانور ذبح ہو جاتا ہے، ایسے ہی ان جنگلی جانور پر ”بسم اللہ اکبر“ کہہ کر تیر پھینکا جائے اور وہ اس کو کسی جگہ سے بھی زخمی کر دے گلے پر لگنا شرط نہیں اور اس زخم کی وجہ سے جانور مر جائے تو یہ ذبیحہ بن جاتا ہے، یہی حکم کتے کا بھی ہے کہ اگر سدھایا ہوا شکاری کتا ”بسم اللہ اکبر“ کہہ کر چھوڑا جائے اور وہ جا کر جانور کو چیر پھاڑ دے تو وہ جانور حلال ہو جاتا ہے، گلا گھونٹ کر نہ مارے، اگر زخمی نہیں کیا اور گلا گھونٹ کر مار دیا تو وہ حلال نہیں، چیر پھاڑ کرے اور جانور کے زخم ہو جائے اور زخم کی تاب نہ لا کر جانور مر جائے تو کتے کا شکار کیا ہوا بھی اسی طرح حلال ہو جائے گا، اور یہ کتا بمنزلہ چھری کے ہوگا۔ ہم نے کتے پر ”بسم اللہ اکبر“ تکبیر پڑھی تو پھر کتا چھری کے قائم ہو گیا۔

یہ حکم تو ہے جنگلی جانور کا، اس حدیث شریف میں یہ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اگر پالتو جانوروں میں سے کوئی جانور وحشی ہو جائے، بدک جائے اور پکڑائی نہ دے، کسی طرح قابو میں نہ آ سکے تو اس کا حکم بھی جنگلی جانوروں کی طرح بن جاتا ہے کہ اس کو ”بسم اللہ اکبر“ کہہ کر تیر مار دیا دُور سے کوئی بھالا، تلوار یا زخمی کرنے والی چیز مار دے اور وہ اس کو جا لگے اور اس سے وہ مر جائے خواہ کسی جگہ لگے گلے میں لگنا شرط نہیں تو وہ جانور حلال ہو جائے گا۔ اور یہی حکم ہے اس جانور کا جو کنویں میں گر پڑے، کوئی جانور سیدھا کنویں میں گر گیا، گردن اس کی نیچے ہے اب اس کے ذبح کرنے کی بھی کوئی شکل نہیں اور اس کا نکالنا بھی ممکن نہیں، نکالیں گے تو قابو میں آنے سے پہلے پہلے مر جائے گا تو اس کا حکم یہی ہے کہ نیزہ یا کوئی ایسی چیز اس کے مارو ”بسم اللہ اکبر“ کہہ کر جہاں بھی لگے خون نکل جائے گا جانور حلال ہو جائے گا۔

تویوں فرمایا کہ ان چوپایوں میں بھی کچھ بد کے ہوئے جانور ہوتے ہیں، جیسے کہ وحشی جانور بد کے ہوئے ہیں، جب کوئی پالتو جانور ایسا ہو جائے تو ان کا حکم جنگلی شکار کا ہو جاتا ہے، اور اس طرح ”بسم اللہ اکبر“ کہہ کر تیر مار دیا جائے تو وہ حلال ہو جاتا ہے۔

تصویر اور کتے کا حکم

[حدیث: ۸۷۹] "...أَبَا طَلْحَةَ... لَا تَدْخُلُ الْمَلَايِكَةُ بَيْتًا فِيهِ كَلْبٌ وَلَا

صُورَةٌ تَمَائِيلُ۔" (صحیح بخاری ج: ۱۱، ص: ۲، حدیث نمبر: ۲۹۸۶، باب ذنوب

المَلَائِكَةِ وَقَالَ أَنَسُ قَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمٍ لِلنَّبِيِّ۔)

ترجمہ: ”حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

رحمت کے فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتیا یا جاندار کی تصویر ہو۔“

تشریح: اس حدیث شریف میں فرمایا: جس گھر میں کتیا یا تصویر ہو اس میں فرشتے داخل نہیں

ہوتے، فرشتوں سے مراد رحمت کے فرشتے ہیں، ورنہ یہ کرنا کاتین جو ہمارے ساتھ لگے ہوئے ہیں تم چاہو یا نہ چاہو، ان کو تو بہر حال جانا ہی پڑے گا، البتہ اس نے فرشتوں کو اذیت ہوتی ہے جاتے تو ہیں لیکن تمہارے لئے بدو عاقل کرتے ہوں گے کہ ہمیں کیسی گندی جگہ لے آیا۔

یہاں یہ حدیث حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے نقل کی ہے، اور اس مضمون کی احادیث اور بھی متعدد صحابہ کرام سے مروی ہیں، ایک دفعہ آنحضرت ﷺ باہر تشریف لے گئے تھے کسی سفر پر واپس آئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے اپنا حجرہ تھوڑا سنگھار لیا رسول اللہ ﷺ کے استقبال کے لئے، دو چھوٹے چھوٹے گدے میں نے بنوائے کہ آنحضرت ﷺ تکیہ لگایا کریں گے اور دروازے پر ایک پردہ لٹکا لیا، آنحضرت ﷺ نے واپسی پر جب اس کو دیکھا تو نہایت ناگواری ہوئی، میں نے ہاتھ جوڑ کر کہا: میں توبہ کرتی ہوں مجھ سے کیا گناہ ہوا ہے؟ تو یہ پہلے گناہ کا پوچھنا بعد میں فرمانے لگے: تم نے تصویروں والا کپڑا لگایا ہوا ہے، تمہیں معلوم ہے یہ ان تصویروں کے بنانے والوں کو کتنا عذاب ہو رہا ہے؟ فرماتی ہیں کہ: میں نے وہ پردہ چاک کر دیا اور ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اس کو چاک کر دیا (السنن الکبریٰ للبیہقی، کنز العمال)۔

اسی طرح متعدد صحابہ کرام سے اس مضمون کی احادیث مروی ہیں اور ایک حدیث میں ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام کا وعدہ تھا کہ آپ ﷺ سے ملاقات کا، لیکن وہ اپنے وقت پر نہیں آئے، آنحضرت ﷺ بہت ہی پریشان ہوئے اور فرمایا: وہ تو اللہ کے فرشتے ہیں وعدہ خلافی نہیں کرتے، کیا بات ہو گئی۔ گھر میں پریشان

پھر رہے تھے، چار پائی کے نیچے نظر پڑی کہ گھر میں ایک کتے کا بچہ پلا بیٹھا ہوا ہے، آپ نے اس کو اٹھوایا، اس جگہ کو صاف کیا، اپنے دست مبارک سے پانی چھڑکا، وہاں دھونی دی تاکہ کتے کی بدبو زائل ہو جائے، اس کے بعد جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے تو شکایت کی کہ آپ کے آنے کا وعدہ تھا، آپ تو وعدہ خلافی نہیں کرتے، کہنے لگے: یا رسول اللہ! میں حاضر ہوا تھا، لیکن آپ کے مکان میں کتا تھا، اور جس مکان میں کتا ہو ہم اس گھر میں داخل نہیں ہوا کرتے (مسند احمد بن حنبل، ابوداؤد، نسائی)۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدثؒ فرماتے ہیں کہ کتوں اور تصویروں کو فرشتوں کے ساتھ گویا کہ ضدیت کا تعلق ہے، فرشتوں میں نورانیت اور ملکیت ہے اور یہ سراسر خباثت، نجاست اور آلودگی ہے، تصویریں اس لئے کہ ان کی پوجا کی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی تخلیق کے ساتھ ان کی مشابہت ہے، اور کتا اس لئے کہ وہ نجس ہے۔

اس سے ہم لوگوں کو عبرت حاصل کرنی چاہئے، جس معاشرت کے ہم آج کل مقلد ہیں ان کے یہاں تو کتے کو تقدس کا درجہ حاصل ہے، مغربی عورت اپنے شوہر کو طلاق دے سکتی ہے لیکن کتے کو نہیں، اور وہ اتنے ”عقل مند“ ہیں کہ انہوں نے کتے کے نام وراثت تک جاری کی ہے، عدالتوں نے فیصلے کئے ہیں کہ جناب کتا صاحب کے نام یہ جائیداد منتقل کی جاتی ہے، اس بیہودگی کی کوئی حد ہے؟ کتوں کے نام وصیت کی جاتی ہے! ان کی شیطنت کو واقعتاً مناسبت ہے کتوں سے اور تصویروں سے، جبکہ ہمارے اسلام کے نقطہ نظر سے کتوں کے ساتھ فرشتوں کو نفرت ہے اور ضدیت کا تعلق ہے، دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں، جہاں کتا ہو گا وہاں فرشتے نہیں ہوگا۔

اس میں گفتگو ہوتی ہے کہ بعض صورتوں میں کتا رکھنے کی اجازت دی گئی ہے، جیسے مویشیوں کی حفاظت کے لئے، جنگل میں گھر ہو تو مکان کی حفاظت کے لئے، بھتیگی کی حفاظت کے لئے، تو کیا جس کتے کے رکھنے کی اجازت دی گئی ہے، اس کی موجودگی میں فرشتے نہیں آتے، یا یہ مستثنیٰ ہیں؟ امام نوویؒ نے شرح مسلم میں لکھتے ہیں کہ اجازت ہونا دوسری بات ہے اور کتے کی موجودگی میں فرشتے کا نہ آنا دوسری بات ہے، اس میں استثناء نہیں، جہاں بھی کتا موجود ہوگا وہاں فرشتے نہیں آئے گا، چاہے اس کی اجازت ہو یا نہ ہو، اور یہی قصہ تصاویر کا بھی ہے۔ اب جدید ”مجتہدین“ نے طرح طرح کی تاویلیں کر کے ان چیزوں کو حلال کر لیا ہے، کسی نے کہہ دیا ہے کہ یہ کیمرے کی تصویر، تصویر نہیں ہوتی، پھر اور کیا ہوتا ہے؟ مصوّر اپنے قلم کے برش سے تصویر بنائے تو وہ تصویر ہے، اور اگر مشین کے ذریعے بنائے تو وہ تصویر نہیں ہوتی، یہ حکمت ہماری عقل میں نہیں آتی، اور اس بنیاد پر کہ کیمرے کی تصویر تصویر نہیں ہوتی لوگوں نے ٹی وی کے جواز کا بھی فتویٰ دیا، اور اب سینما کے ذریعے دنیا بھر کی گندگیاں تمہارے گھر میں آرہی ہیں، وہ بھی جائز ہو جائیں گی! میں نے ایک

موقع پر اس پر لکھا تھا کہ جس شخص نے ہر چیز کو حلال کرنے کا فیصلہ کر لیا ہو، وہ تو اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہ ہوگا، ورنہ تھوڑی سی عقل استعمال کر کے دیکھو کہ جو حضور ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پردے کو برداشت نہیں کرتے تھے وہ تمہارے ٹی وی کے ناچ کو برداشت کرتے؟ اس اُمّ الخبائرت کو؟ اور آج یہ نئی نسل کا مسئلہ بن گیا ہے، مجھے تو یہ تشویش رہتی ہے کہ اس نئی نسل کا کیا بنے گا؟ سسٹائٹ اور ڈش انٹینا کے ذریعے سے اور کیمبل کے ذریعے سے مغرب کی عریاں زندگی بچوں کو دکھائی جا رہی ہے، ان نابالغوں کو جو ابھی بالغ نہیں ہوئے، غیر شادی لڑکوں کو بھی وہ جنسیات کے تمام مناظر دکھائے جا رہے ہیں اور تم اپنی اولاد کو دکھا رہے ہو، بیٹے کے کمرے میں الگ لگا ہوا ہے، بیٹی کے کمرے میں الگ لگا ہوا ہے، تمہیں معلوم ہے کہ وہ کیا کر رہے ہیں؟ میں نہیں سمجھتا کہ محمد ﷺ کی اُمت گراؤٹ کی اس حد تک پہنچ جائے گی کہ اپنی عقل، ایمان، اپنے عقیدے اور دین کو ہی خیر باد نہیں کہا، بلکہ اپنی غیرت کو بھی ختم کر دیا۔

قربانی کے جانور کی عمر

[حدیث: ۸۸۰] ”عَنْ جَابِرٍ... لَا تَذْبَحُوا إِلَّا فِئْسَةً إِلَّا أَنْ يَغْتَسِرَ عَلَيْكُمْ

فَتَذْبَحُوا جَذَةً مِنَ الضَّأْنِ۔“

(صحیح مسلم ج: ۱، ص: ۱۰، حدیث نمبر: ۳۶۳۱، باب ہن الأضحية)

ترجمہ: ”حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: قربانی

میں ذبح نہ کرو مگر ایک سال کی بکری، الا یہ کہ یہ تم پر دُشوار ہو جائے تو ذبح کر دو چھ مہینے

سے زیادہ کا ذنب۔“

تشریح: اس حدیث شریف میں قربانی کا مسئلہ ذکر کیا ہے کہ بکری اور بھیڑ ایک سال کے ہوں تب

اس کی قربانی صحیح ہے، اس سے کم کے ہوں تو اس کی قربانی صحیح نہیں، آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ ایک سال

کی بکری ہو تو ذبح کیا کرو ورنہ نہیں، الا یہ کہ تمہیں ایک سال کی بکری ملنی دُشوار ہو جائے تو ایسا کر دو کہ ذنب کا چھ

سات ماہ کا بچہ ذبح کر دو۔

یہاں ضأن کا لفظ ہے، بھیڑ کو کہتے ہیں، اس پر تو اتفاق ہے کہ بکری سال سے ایک دن کم کی بھی ہو تو

اس کی قربانی جائز نہیں، لیکن یہ جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جزع یہ چھ مہینے سے اوپر کے بچے کو کہتے ہیں، یہ

رعایت بھیڑ کی تمام اقسام کے لیے ہے یا صرف ذنب کے لیے ہے جس کی چکی ہوتی ہے، یہ بھی حقیقت میں

بھیڑ ہی کی ایک قسم ہے، تو بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ حکم عام ہے ہر بھیڑ کو، بعض نے کہا کہ یہ حکم صرف

ذنب کے ساتھ خاص ہے، ذنب یا ذنبی چھ ماہ سے زیادہ کے ہوں اور تازہ فرہ ایسے ہوں کہ ایک سال والوں

کے ساتھ ان کو چھوڑا جائے تو خاص فرق محسوس نہ ہو، تو ان کی قربانی جائز ہے۔

قربانی کے گوشت کا حکم

[حدیث: ۸۸۱] ”عَنْ ابْنِ عُمَرَ... لَا يَأْكُلُ أَحَدٌ مِنْ لَحْمِ أَضْحِيَّتِهِ فَوْقَ

ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ“ (صحیح مسلم ج: ۱۰، ص: ۱۵۵، حدیث نمبر: ۳۶۲۱، باب بیان ماکان من النہی عن
أكل لحوم الأضاحي بعداً۔)

ترجمہ: ”حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: نہ کھائے تم میں سے کوئی آدمی قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ۔“

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ کوئی شخص قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ نہ کھائے، لیکن یہ حدیث منسوخ ہے، ناخ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس میں فرمایا: میں تمہیں قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ کھانے سے منع کرتا تھا، اب اجازت دی جاتی ہے، کھاؤ اور ذخیرہ بھی کر سکتے ہو (ابن ماجہ، السنن الکبریٰ للبیہقی)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں نے تم کو تین دن سے زیادہ گوشت کھانے سے منع کیا تھا، اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت کچھ لوگ باہر سے اچانک آگئے تھے تو ضرورت کی خاطر میں نے منع کر دیا تھا کہ تین دن سے زیادہ نہ کھائیں جو تین دن سے زیادہ کا گوشت ہے وہ ان لوگوں کو تقسیم کرویں، فی ذلہ قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

سدھائے ہوئے جانور سے شکار

[حدیث: ۸۸۲] ”عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ... إِذَا أُرْسِلَتْ كَلْبُكَ الْمَعْلَمُ

وَذَكَرْتَ اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ فَكُلْ، قُلْتُ وَإِنْ قُتِلَ؟ قَالَ وَإِنْ قُتِلَ مَا لَمْ يَشْرُ كُفَّهَا كَلْبُ لَيْسَ مَعَهَا، قُلْتُ لَهُ فَإِنِّي أُرْمِي بِالْمَغْرَاضِ الصَّيْدَ فَأَصِيبُ، فَقَالَ إِذَا رَمَيْتَ بِالْمَغْرَاضِ فَخُزْ قُفْ فَكُلْهُ وَإِنْ أَصَابَهُ بَعْزُ ضَرْبِهِ فَلَا تَأْكُلْهُ“ (صحیح مسلم ج: ۱۰، ص: ۵۷، حدیث نمبر: ۳۵۶۰، باب الصَّيْدُ بِالْكَلْبِ الْمَعْلَمَةِ)

ترجمہ: ”حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تو اپنے سدھائے ہوئے کتے کو شکار پر چھوڑے اور اس کو چھوڑتے وقت اللہ کا نام لے تو اس کو کھا۔ عدی بن حاتم کہتے ہیں کہ: میں نے کہا: اگرچہ ان کتوں نے شکار کو مار ڈالا ہو؟ فرمایا: چاہے مار ڈالا ہو! بشرطیکہ کوئی اور کتا ان کے ساتھ شریک نہ ہو

جوان میں سے نہیں تھا۔ میں نے کہا کہ: میں کبھی کبھی تیر کے ساتھ شکار کرتا ہوں وہ لگ جاتا ہے، فرمایا: جب تو تیر کے ساتھ شکار کرے اور وہ چیر کر زخم کر دے تو اس کو کھالے، اور اگر وہ چوڑائی میں اس کو لگے اور اس کو مار ڈالے تو اس کو نہ کھا۔“

غلام آزاد کرنے کی فضیلت

[حدیث: ۸۸۳] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ... مَنْ أَعْتَقَ رَقَبَةً مُؤْمِنَةً أَعْتَقَ اللَّهُ بِكُلِّ إِبْرٍ مِنْهَا إِزْنًا مِنْهُ مِنَ النَّارِ۔“

(صحیح مسلم ج: ۸، ص: ۲۵، حدیث نمبر: ۲۷۷۵، باب فضل العتق)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص غلام یا لونڈی کی گردن آزاد کرے گا تو حق تعالیٰ شانہ اس کے ہر جوڑے کے بدلے میں آزاد کرنے والے کا ایک ایک جوڑہ جہنم سے آزاد کریں گے۔“

تشریح: یہ حدیث ہے غلام کو آزاد کرنے کے بارے میں، پہلے زمانے میں غلام باندیاں ہوتی تھیں اور قرآن کریم کی بہت سی آیتوں میں اور بہت سی احادیث مبارکہ میں غلاموں اور باندیوں کے متعلق احکامات بیان کئے گئے ہیں، اور ہماری فقہ کی کتابوں میں ایک مستقل کتاب کا عنوان ہی ”کتاب العتق“ یا ”کتاب العتاق“ جس طرح کہ ”کتاب الصلوٰۃ“ نماز کا بیان، ”کتاب الصوم“ روزے کا بیان، ”کتاب الحج“ حج کا بیان، ”کتاب النکاح“ نکاح کا بیان، اس کے مسائل اسی طرح ایک مستقل کتاب ہے فقہ کی کتابوں میں ”کتاب العتق“ غلام کے آزاد کرنے کے مسائل۔ اور اسی طرح ایک مستقل کتاب کا عنوان ہے ”کتاب التبر“ یعنی وہ مسائل جو کفار کے ساتھ جہاد کرنے سے متعلق ہیں، ان میں سے ایک ان کو غلام اور باندی بنانا بھی ہے۔ بہت سے عقل مند اس غلامی کے مسائل کا انکار کرتے ہیں، شاید ان آیتوں کو، ان احادیث کو منسوخ سمجھتے ہیں۔

میری بچی بتا رہی تھی کہ یہاں ہمارے ایک عزیز رہتے ہیں، یہ وہاں ملے گئی تھی، ایک عورت ہسائے کی ان کے گھر آئی ہوئی تھی، وہ بھی پنجابی تھی، وہ اپنے خاص پنجابی لہجے میں کہنے لگی: اب تو لوگوں کو خدا سے بھی زیادہ عقل آگئی، نعوذ باللہ، وہ تو بھولے پن میں یہ کہہ گئی، یعنی ایسی ایسی چیزیں ایجاد کر لیں، تو یہ غالباً (معاذ اللہ) خدا سے زیادہ عقل مند بن گئے، استغفر اللہ!

غلامی کے مسئلے کی حقیقت کو سمجھا نہیں اور اعتراض کر دیا، تو بہر کیف! یہاں تو یہ بتا رہے کہ آنحضرت ﷺ نے غلام اور لونڈی کے آزاد کرنے کی فضیلت بیان کی ہے، فرمایا: جو شخص کسی رقبہ مؤمنہ

یعنی کسی مسلمان غلام یا لونڈی کو آزاد کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کے ایک ایک عضو کے بدلے اس کا ایک ایک عضو دوزخ سے آزاد کریں گے۔ اور اس حدیث پاک کی بنا پر بعض لوگوں نے اس بات کو مستحب سمجھا ہے کہ غلام یا لونڈی جو آزاد کی جائے اس کے اعضاء صحیح سالم ہوں، ناقص العضو نہ ہوتا کہ اس کا وہ عضو بھی جہنم سے آزاد ہو جائے، اور بعض لوگوں نے اس کو مستحب سمجھا کہ مرد مرد کو آزاد کرے، عورت عورت کو آزاد کرے۔ یہ کتنا یہ ہے کہ اس کے پورے وجود کے بدلے میں اس کا پورا وجود جہنم سے آزاد ہو جائے گا، اعضاء کی تفصیل مراد نہیں، مقصد یہ ہے کہ اس کے پورے پورے کے بدلے میں، حق تعالیٰ شانہ اس کے پورے وجود کو جہنم سے آزاد فرمائیں گے۔

غلام اور باندی کے متعلق احکامات

[حدیث: ۸۸۴] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ... مَنْ أَعْتَقَ شَقِيضًا مِنْ مَمْلُوكِهِ لَعَلَّيْهِ خَلَاصَةٌ فِي مَالِهِ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ قَوِّمَ الْمَمْلُوكَ قِيَمَةَ عَدْلٍ ثُمَّ اسْتَسْعَى غَيْرَ مُشْتَرِيٍّ عَلَيْهِ“ (صحیح بخاری ج: ۸، ص: ۳۹۷، حدیث نمبر: ۲۳۱۲، باب تقویم الأشیاء بین الشُّرَكَاء بِقِيَمَةِ عَدْلٍ)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص اپنا حصہ مشترک غلام سے آزاد کرے تو اس پر ضروری ہے اپنے مال سے اس کو بالکل خلاصی کر دینا (یعنی اور شریکوں کے حصے اپنے مال سے ادا کرے) اور اگر آزاد کرنے والا مال دار نہ ہو تو پھر اس غلام کی قیمت فرض کی جائے، پھر دوسرے شریکوں کے حصے کے بقدر غلام سے مزدوری کروائے، مگر اس پر جبر نہ ڈالے۔“

[حدیث: ۸۸۵] ”عَنْ غَيْرِهِ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ أَبِيهِ... مَنْ أَعْتَقَ عَبْدًا بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَنْعَزَ قَوِّمَ عَلَيْهِ فِي مَالِهِ قِيَمَةَ عَدْلٍ لَا وَكُسَ وَلَا شَطَطَ ثُمَّ عَتَقَ عَلَيْهِ فِي مَالِهِ إِنْ كَانَ مُوسِرًا“ (صحیح مسلم ج: ۸، ص: ۴۹۲، حدیث نمبر: ۳۱۵۰، باب مَنْ أَعْتَقَ شَيْئًا كَالْفِي غَنَدِ)

ترجمہ: ”حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص مشترک غلام کو آزاد کرے تو اس کے مال سے دوسرے شریک کے حصے کے موافق کسی ثالث سے قیمت ٹھہرائی جائے، نہ گھٹا کر نہ بڑھا کر، (بشرطیکہ وہ مال دار ہو) پھر وہ غلام اس کی طرف سے آزاد ہوگا یعنی غلام آزاد کے مرنے کے بعد اس کے

مال کا آزاد کرنے والا مالک ہوگا۔“

تشریح: یہ دونوں حدیثیں بھی غلام اور لونڈیوں سے متعلق ہیں، اور ان دونوں حدیثوں کا مشترک مطلب یہ ہے کہ دو آدمیوں کا مشترک غلام تھا، یعنی اس کے آدھے آدھے کے دو مالک تھے، یا ایک کا حصہ کم، ایک کا زیادہ، جس طرح مکان کے بھی دو مالک ہو سکتے ہیں، کسی جانور کے دو مالک شریک حصے دار ہو سکتے ہیں، تو ایک غلام میں دو حصے دار تھے، ایک نے اپنا حصہ آزاد کر دیا، اب یہ دیکھیں گے کہ یہ آزاد کرنے والا مال دار ہے یا نہیں؟ اگر یہ مال دار ہے تو اس کے ذمے ہوگا کہ اپنے باقی حصہ داروں کے حصے ادا کرے، مثلاً چار ہزار کا غلام تھا، اور یہ چار آدمی اس کے حصے دار تھے، اس ایک نے اپنا حصہ آزاد کر دیا تو باقی تین ہزار روپے اپنے شریکوں کو دے، ایک ایک ہزار کر کے اور یہ پورے کا پورا غلام اس کی طرف سے آزاد سمجھا جائے گا۔ اور اگر یہ مالدار نہیں ہے بلکہ بے چارہ بے مال ہے تو اس صورت میں اس کو اس کے حصے دار نہیں پکڑ سکتے کہ ہمیں ہمارا حصہ دو، جس غلام کو آزاد کیا گیا ہے، اس غلام سے اپنے پیسے وصول کریں گے، وہ غلام آزاد سمجھا جائے گا۔ لیکن اس غلام کی قیمت لگا کر کے جتنا جتنا حصہ آزاد نہ کرنے والوں کا بیٹھتا ہے وہ اس پر مختصانہ لگا دیں گے کہ اتنا روپیہ روزانہ دے دیا کرو، جیسے ٹیکسی والے دیتے ہیں ناں! جیسے ٹیکسی ڈرائیور مالکوں کو پیسے دیتے ہیں مہینے کا، اتنا تم دیا کرو، اوسط کہ انصاف کے ساتھ اتنی ہو سکتی ہے، اوسط کمائی کو دیکھا جائے گا غلام اتنا کماسکتا ہے اور کھا پی کر اتنا ادا کر سکتا ہے، اتنے پیسے اور اتنی قسطیں اس کی مقرر کر دیں گے اور وہ اپنی قیمت ادا کر کے آزاد ہو جائے گا۔

یہ ہے خلاصہ مضمون ان دونوں حدیثوں کا۔ اس مسئلے میں ذرا سا اختلاف بھی ہوا ہے، وہ یہ کہ ہمارے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: آزاد کرنے والا مال دار ہو یا بے مال ہو، دونوں صورتوں میں جس شخص نے بھی اپنا آدھا حصہ آزاد نہیں کیا ہے، اس کو اپنا حصہ آزاد کرنے کا بھی حق ہے، اور اس کو یہ بھی حق ہے کہ غلام سے اس کی سعی کرا لے، تو ہمارے امام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر دو شریکوں میں سے ایک شریک نے اپنا حصہ آزاد کر لیا، اور تھا یہ مال دار تو اس کا جو دوسرا ساقی حصہ دار ہے اس کو تین اختیار حاصل ہیں:

- [۱] اگر وہ چاہے تو جس طرح اس کے ساتھی نے آزاد کیا یہ بھی اپنا حصہ آزاد کر دے، دونوں کی طرف سے آزاد ہو جائے گا، آدھا اس کی طرف سے، آدھا اس کی طرف سے۔
- [۲] اور اگر چاہے تو اپنے ساتھی کو ضامن بنائے کہ مجھے میرے پیسے دو، غلام اس کی طرف سے سارا کا سارا آزاد ہوگا، کیونکہ مال دار ہے دے سکتا ہے، اس لئے اس کو یہ بھی اختیار ہے کہ اپنے

ساتھی سے اپنے حصے کے پیسے لے لے انصاف سے، یعنی منصفانہ غلام کی قیمت لگا کر پیسے لے لے، جتنا حصہ اس کا تھا وہ غلام آزاد کرنے والے سے وصول کر لے۔ اس صورت میں یہ پورے کا پورا غلام پہلے شخص کی طرف سے آزاد ہوگا۔

۳۱ اور تیسرا حق اس کو یہ حاصل ہے کہ غلام سے کمائی کروالے اپنے حصے کی، مثال کے طور پر دو ہزار روپے غلام کی قیمت تھی، دو اس میں حصہ دار تھے، ایک نے اپنا حصہ آزاد کر دیا، اور ہے یہ مال دار تو اب دوسرے ساتھی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ بھی آزاد کر دے تو غلام فی الفور آزاد ہو جائے گا۔ یہ بھی حق پہنچتا ہے کہ اپنے اس ساتھی سے جس نے آزاد کیا ہے اپنا ہزار روپیہ وصول کر لے، غلام اب بھی پورا آزاد ہو گیا، اور یہ پہلے مالک کی طرف سے آزاد ہوا، کیونکہ اس نے آدھا تو آزاد کر دیا تھا اور آدھے کے پیسے ادا کر دیے۔ اور تیسرا اختیار اس کو یہ حاصل ہے کہ تھوڑے تھوڑے کر کے یہ غلام سے اپنے پیسے قسط وار لے لے، اپنے ساتھی کو ضامن نہ بنائے، غلام سے کہہ دے کہ تم آدھے آزاد ہو گئے ہو، تمہاری منصفانہ اتنی قیمت بنتی ہے، اور تم اتنے عرصے میں میرا حصہ کما کر مجھے ادا کر دو، اس صورت میں یہ غلام دونوں کی طرف سے آزاد سمجھا جائے گا، ایک نے بلا معاوضہ آزاد کر دیا، ایک نے معاوضہ لے کر آزاد کر دیا۔ یہ تو اس صورت میں جبکہ آزاد کرنے والا مال دار ہو، اور اگر آزاد کرنے والا مال دار نہ ہو، بے مال ہو تو پھر دوسرے شریک کو پہلی اور تیسری صورت اختیار ہے، یعنی یا تو آزاد کر دے، یا غلام سے سعی کروالے، یہ قول ہے امام اعظم رحمہ اللہ کا۔

اور حضرت کے دونوں شاگرد امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جیسا کہ اس حدیث میں فرمایا گیا کہ اگر وہ مال دار ہو تو صرف اس کو ضامن بنا سکتا ہے، نہ آزاد کر سکتا ہے اور نہ غلام سے سعی کروا سکتا ہے، اور اگر معسر (تنگ دست) ہو تو صرف غلام سے سعی کروا سکتا ہے، نہ آزاد کر سکتا ہے، نہ ضامن بنا سکتا ہے، اسی قول کو اختیار کیا ہے امام شافعی رحمہ اللہ نے بھی اور دیگر ائمہ نے بھی، اس ظاہر حدیث پر عمل کرتے ہوئے، لیکن امام صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: آزاد کرنے کا حق اس کو ہر وقت حاصل ہے، اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر ہی نہیں فرمایا، اور جبکہ ایک آزاد کرنے والا حصہ دار اس کا مال دار ہے تو عام طور پر دوسرا شریک اس کو ضامن بنانا ہی پسند کرے گا، اس لئے اس صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سعی کو ذکر ہی نہیں فرمایا، دو صورتیں یوں ساقط ہو گئیں، تیسری آپ نے ایک صورت کو بیان فرمایا، ورنہ اس کو اختیار تینوں کا ہے اور اسی طرح اس کے معسر (تنگ دست) ہونے کی صورت میں ہے۔

خیر یہ مسائل تو اب پیش ہی نہیں آتے، لوگ غلامی کا ویسے ہی انکار کر رہے ہیں، اگر پھر کبھی ضرورت پیش آگئی تو پھر کیا کرو گے؟ جہاد شرعی جاری ہوا اور اس میں غلاموں اور لونڈیوں کی صورت

پیش آگئی تو پھر کیا کرو گے؟ پھر کہیں گے کہ: ہم اقوام متحدہ کا دروازہ کھٹکھٹائیں اور اقوام متحدہ جو حکم دے گی اس کو بجالائیں، خدا اور اس کے رسول کا نہیں۔ دیکھ ہی رہے ہو اقوام متحدہ کس طرح ذلیل کر رہی ہے ہمیں، ہمارے سامنے ہی ہے، اس زمانے کے مسلمانوں کے لئے اقوام متحدہ کے احکام یا امریکہ کا ورلڈ آرڈر (World Order) یہ زیادہ اہمیت رکھتا ہے بہ نسبت خدا اور رسول کے، جوتے بھی پھر اسی لئے پڑ رہے ہیں سر پر۔

اپنے غلام پر تہمت لگانا

[حدیث: ۸۸۶] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ... مَنْ قَذَفَ مَمْلُوكَهُ وَهُوَ بَرِيءٌ مِمَّا قَالَتْ جَلْدُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ كَمَا قَالَ۔“

(صحیح بخاری ج: ۲۱، ص: ۱۳۵، حدیث نمبر: ۶۳۵۲، باب قذف العبد)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص اپنے غلام پر حرام کاری کی بدون کئے تہمت لگائے تو اس کو قیامت کے دن کوڑے لگیں گے، مگر یہ کہ اس نے ایسا کیا ہو تو نہیں لگیں گے۔“

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنے غلام پر تہمت لگائے بدکاری کی تو چونکہ دنیا میں اس پر حکم جاری نہیں ہو سکتا، غلام بے چارے کی حیثیت ہی کیا ہے، وہ اپنے آقا کے خلاف ناش ہی نہیں کر سکتا ہے، لیکن اس سے یہ نہیں سمجھ لینا چاہئے کہ اگر وہ یہاں نہیں بول سکتا تو اور کوئی عدالت نہیں ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن اس کے دُڑے لگائے جائیں گے، کوئی شخص کسی پاک دامن پر تہمت لگائے تو اس کے اُٹنی دُڑے لگتے ہیں، اور اگر غلام تہمت لگائے تو اس کو چالیس دُڑے لگتے ہیں، آدمی سزا ملتی ہے اس کو، تو غلام پر تہمت لگانے والے کو دنیا میں سزا نہیں مل سکتی تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس پر سزا جاری فرمائیں گے۔

یہاں سے یہ بات بھی معلوم ہو جانی چاہئے کہ اگر کوئی شخص معاشرے میں اتنا کم تر، دبا ہوا اور کمزور ہے کہ اس کی جانب سے کوئی آواز نہیں اُٹھائی جاتی تو اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ آواز یہیں دب گئی، بلکہ ایک عدالت اللہ تعالیٰ کی بھی ہے اور اس میں ہر ایک کو ضرور انصاف ملے گا، اس عدالت میں سب برابر ہیں، ایک سطح پر ہیں اور وہاں اتنی باریک بینی سے انصاف ہے کہ اگر کسی سینک والی بکری نے بے سینک والی کے سینک مارا ہوگا تو قیامت کے دن اس کا بدلہ بھی لیا جائے گا، کسی شخص نے کسی مویشی کو مارا ہے، تو اس کا بھی بدلہ ہوگا، کسی نے اپنے بچے کو مارا تو اس کا بھی بدلہ لیا جائے

گا، اپنی بیوی کے ساتھ زیادتی کی، اس کا بھی بدلہ لیا جائے گا، احکام الصغار یا الصبيان کتاب میں ذکر کیا ہے بچے کو تین ضربیں لگانا جائز ہے، حکم ہے کہ جب بچہ سات سال کا ہو جائے تو اس کو نماز کا حکم کرو، دس سال کا ہو جائے تو نماز نہ پڑھنے پر مارو، اس کے ضمن میں ذکر کیا ہے تین ضربیں مارو اور اگر زیادہ مارو گے تو حساب لیا جائے گا۔

یہ جو قاری صاحبان پڑھاتے ہیں ان کو بھی حکم ہے کہ تین ضربیں ماریں، زیادہ ماریں گے تو حساب کتاب لیا جائے گا، مجھے حافظ شیرازی رحمہ اللہ کا شعر اکثر یاد آتا ہے، جس کا اُردو ترجمہ ہے: ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کو انصاف کے دن پر ایمان ہی نہیں ہے، یہ لوگ اللہ کے معاملے میں ایسا کھوٹ ملاتے ہیں کہ لگتا ہے کہ ان کو انصاف کے دن پر یقین ہی نہیں ہے۔ یہ ہمیں آئینہ دکھایا ہے، ہمارے معاملات دنیا کی عزت و ذلت، دنیا کے نفع و نقصان کو دیکھ کر مرتب کئے جاتے ہیں، آخرت کی عزت و ذلت کسی کے پیش نظر ہی نہیں، الا ماشاء اللہ!

غلاموں اور خادموں کے ساتھ احسان

[حدیث: ۸۸۷] "...أَبَا ذَرٍّ بِالزَّبَدَةِ... إِنَّكَ اغْرَوْ فَيْكَ جَاهِلِيَّةَ إِخْوَانَكُمْ حَوْلَكُمْ، جَعَلَهُمُ اللَّهُ تَحْتَ أَيْدِيكُمْ فَمَنْ كَانَ أَخُوهُ تَحْتَ يَدِهِ فَلْيَطْعِمْهُ مِمَّا يَأْكُلُ وَلْيَلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ وَلَا تَكْلِفُوهُمْ مَا يَغْلِبُهُمْ فَإِنْ كَلَّفْتُمُوهُمْ فَأَعْيِنُوهُمْ۔ (قاله له حسين عير غلامه بأمله)" (صحیح بخاری ج: ۱، ص: ۵۲، حدیث نمبر: ۲۹، باب النماصي من أمر الجاهلية ولا يَكْفُرُ صاحبها باز تكا بها)

ترجمہ: "حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے ابو ذر! تو ایک ایسا آدمی ہے کہ تجھ میں جاہلیت ہے، یہ تمہارے بھائی ہیں اور تمہارے خادم ہیں، اللہ نے ان کو تمہارے ہاتھ کے نیچے کر دیا ہے، سو جس کا بھائی اس کے ہاتھ کے نیچے ہو سو اس کو کھلائے اس میں سے جو خود کھاتا ہے اور اس کو پہنائے جو اس میں سے جو خود پہنتا ہے، اور ان پر ایسا بوجھ نہ ڈالو جو ان کو دبا لے، اگر تم کوئی بوجھ کا کام ان کو کہو تو اس میں ان کی خود بھی مدد کرو۔"

تشریح: اس حدیث کا قصہ یہ ہے کہ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ ربذہ میں الگ تھلگ رہا کرتے تھے، کوئی صاحب بتاتے ہیں کہ میں ان کی زیارت کے لئے گیا تو میں نے دیکھا کہ ایک نیا حلقہ، نیا سوٹ اس کی ایک چادر غلام کو پہنائی ہوئی ہے اور ایک خود پہنی ہوئی ہے، میں نے کہا: حضرت! آپ نے تو

ذوق کا ستیاناس کر دیا، یہ چادر جو آپ نے غلام کو پہنائی ہوئی ہے ایک خود، تو دوسری بھی آپ ہی لے لیتے ایک نفیس سوٹ بن جاتا۔ فرمانے لگے: بات یہ ہوئی کہ ایک دفعہ میں ایک غلام سے جھگڑ رہا تھا، اسی جھگڑے میں میں نے اس کی ماں کو گالی دے دی، گالیاں ہماری طرح کی نہیں، بلکہ یوں کہا کہ تیری ماں باندی ہوگئی، یا یوں کہا کہ تو باندی کی اولاد ہے، حضور ﷺ نے سن لیا، مجھ سے کڑک کر فرمایا کہ: اے ابوذر! تو ایک ایسا آدمی ہے کہ تجھ میں جاہلیت ہے، یعنی جاہلیت زمانے کی خوب ہے، اپنے نسب پر فخر کرنا دوسروں کو حقیر سمجھنا یا گھٹیا نسب کے طعنے دینا جیسے کسی کو یہ کہہ دیا: ”تو تو جولاہا ہے، موچی ہے“ تو فرمایا کہ: تو ایک ایسا آدمی جس میں جاہلیت پائی جاتی ہے، تو نے اس کی ماں کو اس کی ماں کی عار دلائی۔

یہ واقعہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ خود بیان کر رہے ہیں، کوئی اس کو نقل نہیں کر رہا، ان کو ڈانٹ پڑی اس کو وہ خود ہی نقل کر رہے ہیں کسی اور نے نقل نہیں کیا کہ ابوذر کو آنحضرت ﷺ نے یوں کہا تھا کبھی تذکرہ بھی نہیں آیا۔ پھر فرمایا: یہ غلام تمہارے بھائی ہیں جس ماں باپ کی اولاد تم ہو اسی ماں باپ کی اولاد یہ بھی ہیں، یعنی یہ بھی انسان ہیں اور تمہارے خادم ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو تمہارے ہاتھوں کے نیچے کر دیا ہے، تم زبردست ہو یہ زبردست ہیں، تم حاکم یہ محکوم، تم آقا یہ غلام، پس جس شخص کے بھائی کو اللہ تعالیٰ نے اس کا زبردست بنا دیا ہو اس کو یہ چاہئے کہ جو خود کھاتا ہے اس کو وہ کھلائے، جو خود پہنتا ہے اس کو وہ پہنائے، یہ نہیں کہ اچھا کھانا خود کھائے اور گھٹیا کھانا نوکروں کو کھلائے اور یہ نہیں کہ خود اچھا کپڑا پہنے اور نوکروں کو گھٹیا کپڑے پہنائے، اور فرمایا: ان کو ان کی خدمت سے زیادہ کام کی زحمت نہ دیا کرو، جتنا بوجھ اٹھا سکتے ہیں اتنا بوجھ ان سے اٹھواؤ کہ یہ بیچارے اس میں دب جائیں، اور اگر کام کروانے کی ضرورت پیش آئی جائے تو اگر ایسا کام آن پڑا جو ان کی طاقت سے زیادہ ہو تو خود ان کی اعانت کیا کرو، تم بھی ساتھ لگ جایا کرو۔

یہ آنحضرت ﷺ کے وہ مکارم اخلاق ہیں جن کی آپ ﷺ صحابہ کرام کو تعلیم دیتے تھے، یہ تعلیم ہمارے لئے ہے، لوگ اس کو تو دیکھتے ہیں کہ اسلام غلامی کا قائل ہے، لیکن یہ نہیں دیکھتے کہ اسلام نے غلامی کا معیار کیا قائم کیا ہے، ان کو ہمارا بھائی اور ہمارے برابر کا بنا دیا ہے، اور فرمایا کہ جو خود کھاتے ہو وہی ان کو کھلاؤ، جو خود پہنتے ہو وہی ان کو پہناؤ۔

اور اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ کسی شخص کو ماں کی عار دلانا، تیری ماں ایسی تھی، یہ جاہلیت کا کام ہے، اسلام میں یہ جائز نہیں، اور حضرات صحابہ کرام کی شرافت، عزت اور آنحضرت ﷺ سے ان کی محبت بھی معلوم ہوئی کہ ٹھیک وہی لفظ جو آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے بیان فرمائے تھے ساری عمر مزے لے لے کر اس کو ذکر فرماتے تھے: ”اِنَّكَ اَمْرٌ وَفِيكَ جَاهِلِيَّةٌ“ ایسا

معلوم ہوتا جیسے کسی کو شاباش دی ہو، یا کوئی تمغہ دیا ہو، اور وہ اپنے تمنے کی نمائش کرتا ہے، صحابہ کرام کے لئے آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے جو لفظ نکلا ہے اتنا پیارا تھا کہ وہ ان کو شاباش سے زیادہ محبوب تھا، یہ ان کی عالی قدر عالی ہمتی اور ان کی بلند پروازی ہے، وہ اتنے اُونچے تھے۔ یہاں تو اگر ماں باپ بھی اگر کسی کو کچھ کہہ دیتے ہیں تو بولنا چھوڑ دیتے ہے، ہماری اُنا تو اتنی مجروح ہو جاتی ہے کہ ماں باپ سے منہ بگاڑ لیتے ہیں، اور کبھی کبھی تو یوں ہوتا ہے کہ خدا نہ کرے ماں باپ کے سامنے بولنے لگتے ہیں، یہ ہماری رذالت ہے، یہ انسانی پستی کا معیار ہے، اور یہ اکابر اپنی ڈانٹ کو بھی مزے لے کر بیان فرما رہے ہیں اور اپنی زبان سے، اور یہ بھی کہ کبھی کسی صحابی نے ابو ذر کو عار نہیں دلائی کہ تجھے رسول اللہ ﷺ نے ایسا کہا تھا، وہ بھی جانتے تھے۔

غلاموں کے متعلق

[حدیث: ۸۸۸] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ... لَا يَقُولَنَّ أَحَدُكُمْ عَبْدِي وَأَمَتِي، كُلَّكُمْ عِبْدُ اللَّهِ وَكُلُّ نِسَائِكُمْ إِمَاءُ اللَّهِ وَلَكِنْ لِيُقَلَّ غُلَامِي وَجَارِيَتِي وَفَتَايَ وَفَتَاتِي۔“ (صحیح مسلم ج: ۱۱، ص: ۳۲۳، حدیث نمبر: ۴۷۷۷، باب حکم إطلاق لفظة العبد والأمة والمولى والسيدة)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی یہ نہ کہا کرے کہ میرا بندہ، میری بندی، تم سب اللہ کے بندے ہو، اور تمہاری ساری عورتیں اللہ کی بندیاں ہیں، بلکہ یوں کہا کرے کہ میرا غلام، میری لونڈی، میرا جوان، میری جوان عورت۔“

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ پہلے لوگ اپنے غلام اور لونڈی کو عربی میں ”عبد“ اور ”امہ“ کہا کرتے تھے، عبد کا معنی ہے بندہ اور امہ کا معنی ہے بندی۔ تو عرب محاورے میں غلام کو عبد کہا جاتا تھا اور لونڈی کو امہ یعنی بندی یا باندی کہا جاتا تھا، آنحضرت ﷺ نے اس لفظ کو بھی تبدیل فرمایا اور فرمایا کہ کوئی اپنے غلام اور لونڈی کو عبد اور امہ نہ کہا کرے اس لئے کہ تم سب کے سب اللہ کے بندے ہو، اور تم سب کی عورتیں اللہ کی بندیاں ہیں، اس لئے کوئی کسی کا بندہ نہیں ہو سکتا اور کوئی کسی کی بندی نہیں ہو سکتی، سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ البتہ اس مضمون کو ادا کرنے کے لئے غلام، جاریہ، فقی، فقات استعمال کیا کرو، اس کا مطلب بھی یہی ہے، میرا غلام، میری لونڈی، کبھی کبھی وہ لوگ غلام کو چھو کر کہا کرتے تھے، اس کا معنی فقی ہے، اور لونڈی کو فقات کہتے یعنی چھو کر، تو یہ الفاظ کہا کرو، عبد اور امہ کا لفظ استعمال نہ کیا کرو۔

کتاب آداب الطعام والشراب کھانے کے آداب و احکام

آنحضرت ﷺ کس چیز پر رکھ کر کھانا تناول فرماتے تھے؟

[حدیث: ۸۸۹] ”عَنْ أَنَسٍ قَالَ: مَا أَكَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى خَوَانٍ وَلَا فِي مَكْزُوحَةٍ وَلَا خُبْزٍ لَهُ مُزَوَّقٌ۔ فَقُلْتُ لِقَتَادَةَ: فَعَلَى مَا كَانُوا يَأْكُلُونَ؟ قَالَ: عَلَى هَذِهِ الشَّفَرِ۔“

(ترمذی ج: ۲ ص: ۱ ”باب ما جاء على ما كان يأكل النبي صلى الله عليه وسلم“)
ترجمہ: ”حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نبی کریم ﷺ نے کبھی میز پر کھانا تناول نہیں فرمایا، نہ کبھی طشتریوں میں، اور نہ کبھی آپ ﷺ کے لئے میدے کی چپاتی پکائی گئی۔ یونس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے قتادہ رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ: پھر وہ حضرات (یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کس چیز پر رکھ کر کھانا کھایا کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا: ان دسترخوانوں پر۔“

تشریح: خوان، میز یا چوکی کو کہتے ہیں، ایسی چیز جو فرش سے اونچی ہو، اس پر رکھ کر کھانا کھانا منکبروں کا ایجاد کیا ہوا طریقہ ہے تاکہ انہیں کھانے کے لئے جھکنا نہ پڑے۔ ”کوکب دہلی“ میں حضرت گنگوہی تور اللہ مرقدہ کا ارشاد نقل کیا ہے: ”خوان پر کھانا فی نفسہ مباح ہے، مگر کرسی میز پر کھانا اس زمانے میں نصاریٰ کا طریقہ ہے، اور دوسرے لوگ محض ان کی تقلید میں میز پر کھاتے ہیں، اس لئے یہ نصاریٰ کی مشابہت کی وجہ سے مکروہ تحریمی ہے۔“

اس ناکارہ نے اپنے اکابر کا معمول دیکھا کہ اگر سفر میں کبھی میز پر کھانا کھانے کی نوبت آئی تو پاؤں

کرسی پر رکھ لیتے، تاکہ حتی الامکان نصاریٰ کی مشابہت سے بچا جائے۔

آنحضرت ﷺ نے چھوٹی چھوٹی طشتریوں میں کبھی کھانا تناول نہیں فرمایا، کیونکہ چھوٹی چھوٹی طشتریوں کا استعمال اہل ترفد کے یہاں ہوتا ہے، اور ان میں سے بعض طشتریوں میں ایسی چیزیں (اچار و چٹنیاں) رکھی جاتی ہیں جو ہضم میں معین ہوں۔ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے یہاں امیروں کے یہ چونچے نہیں تھے، نیز ان کے یہاں کھانے کی ایسی افراط بھی نہیں تھی کہ انہیں کھانا ہضم کرنے کے لئے بیرونی ذرائع سے کام لینے کی ضرورت پیش آئے، ان کے یہاں جو کھانا ہوتا وہ کھلے برتنوں میں کھایا جاتا، جن میں کئی کئی آدمی بیک وقت کھا سکیں۔

اور آنحضرت ﷺ کے زمانے میں چھلنیوں کا رواج نہیں تھا اور نہ میدے کی چپاتی تیار کی جاتی تھی، ان کے یہاں اکثر و بیشتر جو کی روٹی ہوتی تھی، اور وہ بھی بے چھنے آٹے کی، بے چھنے آٹے کی روٹی زود ہضم ہوتی ہے، اور میدے کی روٹی نہایت ثقیل۔ مگر محض لذت کام و دہن کی خاطر لوگ میدے کی چپاتیاں تیار کرتے ہیں، میدے کی چپاتی کھانا جائز ہے، اور چھلنی سے آٹا چھاننا بھی جائز ہے، بشرطیکہ ترفد اور تنعم کے اظہار کے لئے نہ ہو۔

خرگوش کھانے کا حکم

[حدیث: ۸۹۰] ”عَنْ هِشَامِ بْنِ زَيْدٍ نَبِيِّ أَنَسٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسًا يَقُولُ: أَلْفَجْنَا أَرْبَابَنَا بِمَرِّ الظُّهْرَانِ فَسَعَى أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَلْفَهَا فَأَذَرُ كُتُبَهَا فَأَخَذْتُهَا فَأَتَيْتُ بِهَا أَبَا طَلْحَةَ فَلَذَّبَهَا بِمَرْوَةٍ، فَبَعَثَ مَعِيَ بِفَخِذِهَا أَوْ يَوْمَ كَيْفَا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَكَلَهُ. فَقُلْتُ: أَكَلَهُ؟ قَالَ: قَلْبَهُ.“ (ترمذی ج: ۲ ص: ۱ ”باب ما جاء في أكل الأذناب“)

ترجمہ: ”حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مرا الظہر ان میں (یہ مکہ و مدینہ کے درمیان مکہ مکرمہ سے قریب ایک جگہ کا نام ہے) ہم نے ایک خرگوش کو ہشکایا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (اس کو پکڑنے کے لئے) اس کے پیچھے بھاگے، (میں بھی بھاگا) چنانچہ میں نے اس کو جا پکڑا، میں اسے حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس لایا، انہوں نے تیز پتھر کی دھار سے اسے ذبح کیا، پھر اس کی ران یا اس کا کوہا مجھے دے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا، پس آپ ﷺ نے اس کو تناول فرمایا، (راوی کہتے ہیں) میں نے (حضرت انس رضی اللہ عنہ سے) کہا کہ: آپ ﷺ نے کھایا تھا؟ فرمایا: قبول تو فرمایا تھا۔ مصنف رحمہ اللہ

فرماتے ہیں کہ: اس باب میں حضرت جابر، حضرت عمر اور حضرت محمد بن صفوان رضی اللہ عنہم، جن کو محمد بن یحییٰ بھی کہا جاتا ہے، سے احادیث مروی ہیں۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے، اور اکثر اہل علم کا عمل اس پر ہے، وہ خرگوش کے کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے، اور بعض اہل علم نے خرگوش کے کھانے کو مکروہ کہا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اس کو حیض آتا ہے۔“

تشریح: مطلب یہ کہ اگر اس کا کھانا جائز نہ ہوتا تو آنحضرت ﷺ اس کو قبول ہی نہ فرماتے۔ خرگوش کے بارے میں صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رضی اللہ عنہم کے زمانے میں خفیف سا اختلاف رائے رہا، جب کہ حضرت مصنف رحمہ اللہ نے فرمایا۔ اکثر اہل علم اس کو جائز سمجھتے تھے اور بعض اس سے کراہت کرتے تھے، لیکن ائمہ اربعہ رحمہم اللہ اس پر متفق ہیں کہ خرگوش حلال ہے۔

مجمع الزوائد (ج: ۴ ص: ۳۶) میں مسند ابویعلیٰ اور طبرانی کی معجم کبیر کے حوالے سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے خرگوش کے کھانے کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا کہ: حضرت عمار کو بلاؤ! حضرت عمار رضی اللہ عنہ آئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس دن ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ فلاں جگہ تھے، وہاں خرگوش کا کیا قصہ پیش آیا تھا؟ اس کو بیان کیجئے۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: ایک اعرابی نے آنحضرت ﷺ کو ایک خرگوش ہدیہ کیا، آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم یعنی زلفاء کو کھانے کا حکم فرمایا، وہ اعرابی کہنے لگا کہ: میں نے (اس کو) خون (آتے) دیکھا ہے، (یعنی اسے حیض آتا ہے) آنحضرت ﷺ نے فرمایا: یہ کچھ نہیں، قریب ہو جاؤ اور کھاؤ! اس نے کہا: میں روزے سے ہوں! فرمایا: روزہ کیا؟ اس نے عرض کیا کہ: ہر مہینے میں تین روزے رکھا کرتا ہوں، فرمایا: پھر تم نے آیام بیض سے کیوں نہ رکھے؟ اس حدیث سے بعض لوگوں کا یہ شبہ جاتا رہا کہ چونکہ اس کو حیض آتا ہے اس لئے شاید اس کا کھانا درست نہ ہو، آنحضرت ﷺ نے اس شبہ کے بارے میں فرمایا: ”کیس بشی“ یعنی شبہ کچھ نہیں اور اس کے حلال نہ ہونے کا شبہ کرنا صحیح نہیں۔

گوہ (سوسمار) کے کھانے کے بارے میں

[حدیث: ۸۹۲] ”عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ عَنْكَلٍ الصَّبِّ فَقَالَ: لَا أَكُلُهُ وَلَا أَحَرِّمُهُ. وَفِي الْبَابِ عَنْ عُمَرَ وَآبِي سَعِيدٍ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَثَابِتِ بْنِ وَدِيعَةَ وَجَاهِرٍ وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنِ حَسَنَةَ. هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَقَدْ اخْتَلَفَ أَهْلُ الْعِلْمِ فِي أَكْلِ الصَّبِّ فَزَخَّصَ فِيهِ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ“

مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ، وَكَرِهَهُ بَعْضُهُمْ، وَنِزْوَى
عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ قَالَ: أَكَلَ الصَّبُّ عَلَى مَائِدَةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَأَمَّا تَرَكَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَدْ ذُكِرَ

(ترمذی ج: ۲ ص: ۱ "باب ما جاء في أكل الصَّبِّ")

ترجمہ: ”حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ سے گوہ کھانے کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ: میں نہ اسے کھاتا ہوں اور نہ حرام کہتا ہوں۔ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اس باب میں مندرجہ ذیل حضرات سے بھی احادیث مروی ہیں: حضرت عمر، ابوسعید، ابن عباس، ثابت بن دویہ، جابر اور عبدالرحمن بن حسنہ رضی اللہ عنہم، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث حسن صحیح ہے۔ اور گوہ کے کھانے پر اہل علم کا اختلاف ہے، آنحضرت ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم اور دیگر حضرات میں سے بعض اہل علم نے اس کے کھانے کی اجازت دی ہے، اور بعض نے اسے مکروہ قرار دیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ: گوہ آنحضرت ﷺ کے دسترخوان پر کھائی گئی، مگر آنحضرت ﷺ نے صرف طبعی گھن کی وجہ سے اس کو تناول نہیں فرمایا۔“

تشریح: ”گوہ“ جسے فارسی میں ”سوسار“ کہا جاتا ہے، رینگنے والے جانوروں میں سے ایک مشہور جانور ہے۔ چھپکلی کے مشابہ ہوتا ہے اور تین سے پانچ فٹ لمبا ہوتا ہے، اس کی کھال سخت اور بہت کارآمد ہوتی ہے، جیسا کہ حضرت مصنف رحمہ اللہ نے فرمایا ہے اس مسئلے میں صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رضی اللہ عنہم کے زمانے سے اختلاف چلا آتا ہے کہ گوہ حلال ہے یا نہیں؟ چنانچہ ائمہ مجتہدین رضی اللہ عنہم کے درمیان بھی اختلاف ہے، حضرت امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رضی اللہ عنہم کے نزدیک حلال ہے، اور امام ابوحنیفہ، سفیان ثوری، ابو یوسف اور امام محمد رضی اللہ عنہم کے نزدیک حلال نہیں۔

سنن ابوداؤد میں حضرت عبدالرحمن بن شبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: آنحضرت ﷺ نے گوہ کے کھانے سے منع فرمایا (مشکوٰۃ ص: ۳۶۱)۔

موطا امام محمد (ص: ۲۸۵) میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ان کو گوہ ہدیہ کی گئی، آنحضرت ﷺ نے اس کے کھانے سے منع فرمایا، اتنے میں ایک مانگنے والی خاتون آئی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کو دینا چاہی، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جو چیز خود نہیں کھا سکتی وہ اس کو کھلاتی ہو؟

نیز حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے گوہ اور ہنڈار کے کھانے سے منع فرمایا۔ علاوہ ازیں گوہ کا شمار حشرات الارض میں ہوتا ہے، متعدد احادیث میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: ”بنی اسرائیل میں ایک جماعت مسخ ہوئی تھی، مجھے اندیشہ ہے کہ گوہ کی شکل میں مسخ نہ ہوئی ہو۔“ اور کسی جانور کی شکل میں کسی اُمت کا مسخ ہونا، اس کے خبیث ہونے کی علامت ہے۔ بہر حال اس باب میں دلائل متعارض ہیں، اس لئے حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے احتیاط کا پہلو اختیار کرتے ہوئے ان دلائل کو ترجیح دی ہے جن سے اس کا ناجائز ہونا معلوم ہوتا ہے، واللہ اعلم!

بجھو کے کھانے کے بارے میں

فائدہ:..... ”الضبع“ کے بارے میں صاحب قاموس لکھتے ہیں کہ: یہ ایک درندہ ہے، بھڑیے کے مشابہ ہے، جب چلتا ہے تو ایک طرح لٹکرا کر چلتا ہے۔

”ضبع“ کا ترجمہ عام طور سے ”بجھو“ کیا جاتا ہے، مصباح اللغات، المنجد اردو اور مظاہر حق جدید میں بھی اس کا ترجمہ ”بجھو“ کیا گیا ہے۔ (جدید کتب لغات میں اس کی تصویر دیکھی جاسکتی ہے)۔

[حدیث: ۸۹۳] ”عَنِ ابْنِ أَبِي عَمَّارٍ قَالَ: قُلْتُ لِيَعْيَبٍ: الضَّبْعُ أَصِيدُ هِيَ؟ قَالَ: نَعَمْ! قُلْتُ: أَكَلُهَا؟ قَالَ: نَعَمْ! قُلْتُ: أَقَالَهَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ: نَعَمْ! هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ، وَقَدْ ذَهَبَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ إِلَى هَذَا وَلَمْ يَرَوْا بَأْسًا بِأَكْلِ الضَّبْعِ، وَهُوَ قَوْلُ أَحْمَدَ وَإِسْحَاقَ، وَرَوَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيثٌ فِي كَرَاهِيَةِ أَكْلِ الضَّبْعِ، وَلَيْسَ بِإِسْنَادِهِ بِالْقَوِي، وَقَدْ كَرِهَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ أَكْلَ الضَّبْعِ وَهُوَ قَوْلُ ابْنِ الْمُبَارَكِ۔“

(ترمذی ج: ۲ ص: ۱ ”باب ما جاء في أكل الضبع“)

ترجمہ: ”ابن ابی عمار رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ: کیا ضبع شکار ہے؟ فرمایا: ہاں! میں نے کہا: اس کو کھا سکتا ہوں؟ فرمایا: ہاں! میں نے کہا کہ: یہ بات رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمائی ہے؟ فرمایا: ہاں! امام ترمذی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: یہ حدیث حسن صحیح ہے، بعض اہل علم اس کی طرف گئے ہیں، وہ ضبع کے کھانے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے۔ امام احمد و اسحاق رحمہما اللہ کا یہی قول ہے، اور آنحضرت ﷺ سے ایک حدیث ضبع کے کھانے کی کراہیت میں مروی ہے اور اس کی سند قوی نہیں، اور بعض اہل علم نے ضبع کے کھانے کو مکروہ قرار دیا ہے، حضرت عبداللہ بن مبارک کا یہی قول ہے۔“

[حدیث: ۸۹۴] ”عَنْ جَبَّانِ بْنِ جَزْءٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ خُرَيْمَةَ بْنِ جَزْءٍ قَالَ: سَأَلْتُ

وَسَوَّلَ اللَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَكْلِ الطَّنْبَعِ فَقَالَ: أَوْ يَأْكُلِ الطَّنْبَعِ أَخَذَ؟
وَسَأَلَتْهُ عَنْ أَكْلِ الذَّنْبِ فَقَالَ: أَوْ يَأْكُلِ الذَّنْبِ أَخَذَ فِيهِ عَذِيزٌ؟“

(ترمذی ج: ۲ ص: ۱)

ترجمہ: ”حضرت خزیمہ بن جزم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ضبع کے کھانے کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا: کیا کوئی شخص ضبع کو بھی کھا سکتا ہے؟ اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھیڑیے کے کھانے کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا: کیا کوئی ایسا شخص جس میں کوئی خیر ہو، بھیڑیے کو بھی کھائے گا؟“

تشریح: ضبع کے بارے میں اختلاف ہے، امام شافعی اور امام احمد رضی اللہ عنہما کے نزدیک حلال ہے، امام مالک رضی اللہ عنہ کے نزدیک مکروہ ہے، اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک حرام ہے۔

پہلی حدیث امام شافعی اور امام احمد رضی اللہ عنہما کی دلیل ہے، اور دوسری حدیث امام ابو حنیفہ اور امام مالک رضی اللہ عنہما کی دلیل ہے۔ یہ دوسری حدیث، جیسا کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، اگرچہ ضعیف ہے، لیکن حدیث متواتر، جس میں کچلیوں سے شکار کرنے والے درندوں (کل ذی ناب من السباع) کو حرام قرار دیا گیا، اس کی مؤید ہے، واللہ اعلم!

اس دوسری حدیث میں بھیڑیے کے بارے میں فرمایا ہے کہ: ”جس شخص میں ذرا بھی خیر ہو، کیا وہ بھیڑیے کو کھا سکتا ہے؟“ بھیڑیے کا درندوں میں ہونا سب کے نزدیک مسلم ہے اور اس کی حرمت پر بھی ائمہ کا اتفاق ہے۔

گھوڑے کے گوشت کا حکم

[حدیث: ۸۹۵] ”عَنْ جَابِرٍ قَالَ: أَطْعَمَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لُحُومَ الْغَنَظِلِ، وَنَهَانَا عَنْ لُحُومِ الْخُمْرِ۔“

(ترمذی ج: ۲ ص: ۱ ”باب ما جاء في أكل لحوم الغنظيل“)

ترجمہ: ”حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں گھوڑے کا گوشت کھانے کی اجازت دی، اور گدھوں سے ممانعت فرمائی۔“

تشریح: گدھے کے گوشت کا حرام ہونا تو متفق علیہ ہے، گھوڑے کا گوشت حلال ہے یا نہیں؟ اس بارے میں خیف سا اختلاف ہے۔ ائمہ ثلاثہ امام مالک و شافعی و احمد رضی اللہ عنہم کے نزدیک حلال ہے، اور ہمارے صاحبین امام ابو یوسف اور امام محمد رضی اللہ عنہما کا بھی یہی قول ہے، حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ سے دور وائتیں ہیں،

ایک یہ کہ مکروہ تحریمی ہے، دوسری یہ کہ مکروہ تنزیہی ہے۔

گدھے کا گوشت حرام ہے

[حدیث: ۸۹۷] ”عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ

مَنْعَةِ النَّسَاءِ مَنْ خَبِيرَ، وَعَنْ لُحُومِ الْخُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ۔“

(ترمذی ج: ۲ ص: ۲ ”باب ما جاء في لُحُومِ الْخُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ“)

ترجمہ: ”حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے غزوہ خیبر کے موقع پر

عورتوں سے منع کرنے اور پالتو گدھوں کے گوشت کو ممنوع قرار دیا۔“

تشریح: جاہلیت میں نکاح مؤقت کا رواج تھا، جنگ خیبر کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے اس کی

ممانعت فرمائی، اور غزوہ اوطاس میں، جو فتح مکہ کے متصل تھا، تین دن تک اس کی اجازت دی اور پھر ہمیشہ کے لئے اس کو ممنوع اور حرام کر دیا گیا، چنانچہ تمام اہل علم کا اجماع ہے کہ متحدہ قیامت تک کے لئے حرام ہے۔

غزوہ خیبر کے موقع پر ہی گدھے کے گوشت کی بھی ممانعت فرمائی، جبکہ جاہلیت میں اس کا گوشت

کھانے کا بھی کم و بیش رواج تھا، اور اب تک اس کے بارے میں ممانعت نازل نہیں ہوئی تھی، سب سے پہلے غزوہ خیبر میں اس کی حرمت نازل ہوئی، چنانچہ تمام ائمہ کا اس کی حرمت پر اتفاق ہے۔

[حدیث: ۸۹۸] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَرَّمَ

يَوْمَ خَيْبَرَ كُلَّ ذِي نَابٍ مِنَ الْبَيْعَةِ وَالْمُجْتَمِعَةِ وَالْبَيْعَةِ الْأُولَى۔“

(ترمذی ج: ۲ ص: ۲)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حرام قرار دیا

خیبر کے دن ان تمام چیر پھاڑ کرنے والے درندوں کو جو کچلیوں سے شکار کرتے ہیں اور

اس جانور کو جس کو باندھ کر نشانہ بنایا جائے اور پالتو گدھوں کو۔“

تشریح: جنگل کے وہ تمام درندے جو چیر پھاڑ کرتے ہیں اور دانتوں سے شکار کرتے ہیں، ان کی

حرمت متفق علیہ ہے۔ اگرچہ بعض جانوروں میں اختلاف ہے کہ یہ درندوں میں شامل ہیں یا نہیں؟ یہی حکم ہے ان پرندوں کا جو چنچے سے شکار کرتے ہیں، وہ بھی بالاتفاق حرام ہیں۔

”مجموعہ“ سے مراد وہ جانور ہے جس کو باندھ کر تیروں کا نشانہ بنایا جائے، اہل جاہلیت اس ظالمانہ

طریقے سے جانور کا جھکا کرتے تھے کہ اس کو باندھ کر تیروں کا نشانہ بناتے تھے، یہاں تک کہ وہ زخموں کی

تاب نہ لاکر مر جاتا تھا، ایسا جانور حرام ہے۔ ایک تو یہ فعل نہایت ظالمانہ ہے کہ جانور کو اس قسم کے ظلم و ستم کا

نشانہ بنایا جائے، یہاں تک کہ وہ تپ تپ کر جان دیدے، دوسرے اس جانور کا ذبیحہ نہیں ہوتا کیونکہ ذبح اختیاری میں ذبح کا محل گردن ہے۔

اور ”پالتو گدھے“ اس لئے فرمایا کہ نیل گائے جو جنگل کا جانور ہے، عرب اس کو ”حمار وحشی“ کہتے ہیں، یعنی جنگلی گدھا، اور فارسی میں اس کو ”گورخر“ کہا جاتا ہے، وہ درحقیقت گدھا نہیں، اس کا کھانا جائز ہے۔

کافروں کے برتنوں میں کھانا

[حدیث: ۸۹۹] ”عَنْ أَبِي ثَعْلَبَةَ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

عَنْ قُدُورِ الْمَجُوسِ فَقَالَ: أَنْفَوْهَا غَسْلًا وَاطْبَخُوا فِيهَا، وَنَهَى عَنْ كُلِّ مَنِيعٍ ذِي نَابٍ۔“ (ترمذی ج: ۲ ص: ۲ ”باب ما جاء في الأكل في أبنية الكفار“)

ترجمہ: ”حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے مجوسیوں کی ہتھیوں کے بارے میں دریافت کیا گیا (کہ آیا ان کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟) فرمایا: ان کو دھو کر خوب صاف کرلو، اور ان میں کھانا پکاؤ۔ اور آنحضرت ﷺ نے ہر درندے کے کھانے کی ممانعت فرمائی جو کچلیوں سے شکار کرے۔“

تشریح: غیر مسلموں کے برتنوں کو استعمال کرنے کی ضرورت پیش آجائے تو ان کو دھو کر خوب صاف کر لیا جائے، پاک صاف ہونے کے بعد ان کا استعمال جائز ہے، خواہ کپے برتن ہوں جیسے: تانبا، لوہا، کانسی وغیرہ، اور خواہ کچے ہوں جیسے: مٹی کے پکائے ہوئے برتن، دونوں طرح کے برتن دھونے سے پاک ہو جاتے ہیں۔ اور عوام میں جو مشہور ہے کہ پکا برتن دھونے سے پاک نہیں ہوتا بلکہ اس کا توڑنا ضروری ہے، یہ بالکل غلط ہے۔

مجوسیوں کے برتنوں کو استعمال سے پہلے دھو کر خوب صاف کرنے کا جو حکم فرمایا۔ واللہ اعلم۔ اس کی دو وجہیں ہیں، ایک یہ کہ اگرچہ انسانی فطرت کھانے پینے کے برتنوں کو نجاست و آلودگی سے بچانے کا تقاضا کرتی ہے، اس کے باوجود بعض قومیں بعض نجس چیزوں کو پاک سمجھتی ہیں، جیسے ہندو لوگ گائے کے گوبر کو پاک سمجھتے ہیں، اور جیسے عیسائی لوگ کہ خمر اور خنزیر سے ان کے برتن آلودہ رہتے ہیں، ایسی قوموں کے برتنوں کا نجس ہونا محتمل بلکہ اغلب ہے، اس لئے ان کو پاک کر لینا ضروری ہوا۔ دوسرے یہ کہ اگرچہ ان کے برتن بظاہر پاک ہوں گے مگر کافروں کی گندگی اور پاکی پلیدی کے معاملے میں بے احتیاطی کی وجہ سے ذہن میں خلش رہے گی، اس خلش کو دور کرنے کے لئے ان برتنوں کی صفائی کا حکم فرمایا۔ علاوہ ازیں ان سے مسلمان کو طبعی کراہت بھی محسوس ہوتی ہے، صاف کرنے سے اس کراہت کا بھی ازالہ ہو جائے گا، واللہ اعلم!

غیر مسلم کے برتن کو استعمال کرنے کا حکم

[حدیث: ۹۰۰] ”عَنْ أَبِي ثَعْلَبَةَ الْخَضَنِيِّ أَنَّهُ قَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنَّا بِأَرْضِ أَهْلِ الْكِتَابِ فَتَطْبِخُ فِي قُدُورِهِمْ وَتَشْرَبُ فِي أَنْبِئِهِمْ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنْ لَمْ تَجِدُوا غَيْرَهَا فَارْضَوْهَا بِالْمَاءِ. ثُمَّ قَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنَّا بِأَرْضِ صَنْدُكَيفَ نَضَعُ؟ قَالَ: إِذَا أَرَسَلْتَ كُلَّكَ الْمَكْلَبَ وَذَكَرْتَ اسْمَ اللَّهِ فَقُتِلَ فَكُلْ، وَإِنْ كَانَ غَيْرَ مَكْلَبٍ فَذَكِّي فَكُلْ، وَإِذَا رَمَيْتَ بِشَهْمِكَ وَذَكَرْتَ اسْمَ اللَّهِ فَقُتِلَ فَكُلْ۔ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ۔“

(ترمذی ج: ۲ ص: ۲)

ترجمہ: ”حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! ہم لوگ اہل کتاب کی سرزمین میں رہتے ہیں، پس کیا ان کی ہنڈیا میں اپنا سالن پکا لیا کریں؟ اور ان کے برتنوں میں پانی پی لیا کریں؟ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر تمہیں کوئی اور برتن نہ ملے تو پانی سے ان کو پاک کر لیا کرو۔ انہوں نے مزید عرض کیا کہ: ہم ایسی زمین میں ہیں جہاں شکار کے جانور بکثرت ہوتے ہیں، پس اس بارے میں ہم کیا طریقہ اختیار کریں؟ فرمایا: جب تو اپنے سدھائے ہوئے کتے کو بسم اللہ کہہ کر شکار پر چھوڑے، پھر وہ کتا شکار کے جانور کو مار ڈالے تو اس کو کھا سکتے ہو (کہ وہ حلال ہے)، اور اگر کتا سدھایا ہوا نہ ہو اور وہ شکار کو زندہ پکڑ لائے، پس اس کو ذبح کر لیا جائے، تو اس کو بھی کھا سکتے ہو، (اور اگر وہ شکار کے جانور کو مار ڈالے تو وہ مردار ہے، اس کا کھانا حلال نہیں)، اور جب تو بسم اللہ کہہ کر اپنا تیر پھینکے، اور اس سے وہ شکار کا جانور مر جائے تو اس کو کھا سکتے ہو۔“

تشریح: اس حدیث پاک میں ایک تو غیر مسلموں کے برتنوں کا حکم ارشاد فرمایا ہے کہ اگر ان کے برتنوں کے استعمال کی ضرورت نہ ہو تو ان سے احتراز بہتر ہے، اور اگر استعمال کی ضرورت ہو تو ان کو پانی کے ساتھ خوب صاف کر لیا جائے۔

دوسرا مسئلہ شکار کا بیان فرمایا، جنگل کے جانوروں کا شکار کبھی شکاری کتوں کے ذریعے کیا جاتا ہے، کبھی تیر کے ذریعے، اور کبھی ہندوق کے ذریعے، اور پرندوں کا شکار کبھی باز، شکرے وغیرہ کے ذریعے کیا جاتا ہے، کبھی غلیل کے ذریعے۔

پس جو شکار شکاری کتے کے ذریعے کیا جاتا ہے اس کے حلال ہونے کی چار شرائط ہیں: اول یہ کہ وہ کتا سدھایا ہوا ہو، اور سدھانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو یہ تعلیم دی جائے اور اس کی مشق کرائی جائے کہ وہ شکار کو خود نہ کھائے بلکہ پکڑ کر مالک کے پاس لے آئے، پس جب شکاری کتے کی یہ مشق پختہ ہو جائے تو وہ سدھایا ہوا سمجھا جانے لگے گا۔ رہا یہ کہ اس کی علامت کیا ہے کہ اس کی مشق مکمل ہو گئی ہے؟ حضرات صاحبین (امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما) فرماتے ہیں کہ: جب تین بار ایسا ہو کہ وہ شکار کو پکڑ کر مالک کے پاس لے آیا اور اس نے خود نہیں کھایا تو اس کی مشق مکمل ہو گئی، اب اس سے شکار کرنا صحیح ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ فرماتے ہیں کہ صرف تین بار نہ کھانا کافی نہیں، بلکہ کتے کے مالک کو یقین ہو جانا چاہئے کہ اس کے شکار کو نہ کھانے کی عادت پختہ ہو گئی ہے اور اب وہ ”تعلیم یافتہ“ ہے۔

الغرض پہلی شرط تو یہ ہے کہ کتا معلّم (تعلیم یافتہ، سدھایا ہوا) ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ مالک نے اس کو شکار پر چھوڑا ہو، وہ شکار کو دیکھ کر آپ سے آپ اس پر نہ پل پڑے۔ تیسری شرط یہ ہے کہ مالک نے اس کو شکار پر چھوڑتے وقت ”بسم اللہ اکبر“ پڑھی ہو، جیسا کہ جانور کو ذبح کرتے وقت تکبیر پڑھی جاتی ہے، اور چوتھی شرط یہ ہے کہ کتے نے جانور کو زخمی کر کے مارا ہو، اس کا گلا گھونٹ کر نہ مارا ہو۔

جب یہ چاروں شرطیں پائی جائیں تو اگر کتا شکار کو زندہ پکڑ لائے تو اس کو ذبح کرنا ضروری ہے، اگر قدرت کے باوجود اس کو ذبح نہ کیا اور وہ مر گیا تو اس کا کھانا حلال نہیں۔ اور اگر ایسے کتے نے شکار کو زخمی کر دیا اور وہ جانور زخمی وجہ سے مر گیا تو اس کا کھانا حلال ہے، کیونکہ جب مالک نے سدھائے ہوئے کتے کو ”بسم اللہ اکبر“ کہہ کر چھوڑا تو یہ کتا بمنزلہ ذبح کرنے والے کی چھری کے ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ کتے کا شکار چار صورتوں میں حلال نہیں، ایک یہ کہ کتا سدھایا ہوا نہ ہو، یا سدھائے ہوئے کتے کے ساتھ بن سدھایا ہوا کتا بھی شکار کرنے میں شریک ہو جائے۔ دوم یہ کہ مالک نے اس کو شکار پر نہیں چھوڑا تھا بلکہ شکار کو دیکھتے ہی کتا اس پر حملہ آور ہو گیا، یا ایک کتے کو تو مالک نے چھوڑا تھا لیکن اس کے ساتھ دوسرا کتا بھی شکار کرنے میں شریک ہو گیا، جس کو مالک نے نہیں چھوڑا تھا۔ تیسرے یہ کہ مالک نے اس کو شکار پر چھوڑتے وقت جان بوجھ کر تکبیر نہیں پڑھی، ہاں اگر مالک کتے کو چھوڑتے وقت تکبیر پڑھنا بھول گیا تو کوئی حرج نہیں، شکار حلال ہے، جیسا کہ ذبیحہ کا بھی یہی حکم ہے کہ جانور کو ذبح کرتے وقت جان بوجھ کر تکبیر نہیں پڑھی تو ذبیحہ مردار ہے، اور ذبح کے وقت بسم اللہ کہنا بھول گیا تو کوئی حرج نہیں، ذبیحہ حلال ہے۔ چوتھے یہ کہ شکاری کتے کو مالک نے بسم اللہ پڑھ کر شکار پر چھوڑا تھا لیکن کتے نے شکار کو زخمی نہیں کیا بلکہ اس کا گلا گھونٹ کر مار دیا، تو یہ شکار حلال نہیں بلکہ مردار ہے۔ گویا شکار کے حلال ہونے کے لئے ایک ضروری شرط یہ بھی ہے کہ شکاری کتے نے جانور کو زخمی کیا ہو۔

تیر کے ساتھ شکار کرنے کا حکم یہ ہے کہ اگر اس کو بسم اللہ کہہ کر پھینکا گیا ہو اور تیر کی دھار سے جانور زخمی ہو کر مر جائے تو حلال ہے، البتہ اگر مرنے سے پہلے اس کے زخ کے زخم کرنے پر قدرت ہو تو زخ کرنا لازم ہے، اگر قدرت کے باوجود زخ نہیں کیا کہ شکار کا جانور مر گیا تو حلال نہیں، بلکہ مردار ہو گیا۔ اور قدرت کا مطلب یہ ہے کہ جانور اتنی دیر زندہ رہا کہ اگر اس کو زخ کرنا چاہتا تو کر سکتا تھا۔

اگر تیر کی دھار جانور کے نہیں لگی بلکہ تیر کی لکڑی اس کے لگی، جس کی چوٹ سے جانور مر گیا تو وہ حلال نہیں، اور یہی حکم بندوق کے شکار کا ہے کہ اگر بندوق کی گولی لگنے سے جانور زخمی ہو گیا اور مرنے سے پہلے اس کو زخ کر لیا گیا تو یہ جانور حلال ہے، اور اگر زخ کی نوبت نہیں آئی تھی کہ جانور مر گیا تو یہ جانور مردار ہے، کیونکہ بندوق کی گولی تیر دھار کے ساتھ زخمی نہیں کرتی بلکہ شدید ضرب اور چوٹ کے ساتھ زخمی کرتی اور مارتی ہے، پس اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی جانور کو ڈنڈا مار کر ہلاک کر دیا، ظاہر ہے کہ وہ حلال نہیں بلکہ مردار ہے۔

پرندوں کا شکار باز اور شکرے وغیرہ کے ذریعے کیا جاتا ہے، اس کے لئے بھی وہی شرطیں ہیں جو اوپر کتے کے شکار کے بارے میں ذکر کی گئی ہیں کہ وہ جانور سدھایا ہوا ہو، مالک اس کو بسم اللہ پڑھ کر شکار پر چھوڑے، اور وہ شکار کو زخمی کر کے مار دے۔

البتہ کتے اور باز کے سدھایا ہوا ہونے کی نوعیت میں فرق ہے، کتا اگر شکار کے جانور کو مالک کے پاس لانے کے بجائے خود کھانے لگے تو یہ اس امر کی علامت ہوگی کہ یہ کتا سدھایا ہوا نہیں، اس لئے اس کا مارا ہوا جانور حلال نہیں، خواہ اس کو بسم اللہ پڑھ کر چھوڑا ہو۔ لیکن باز کا شکار کو کھانا اس کے سدھے ہوئے ہونے کے خلاف نہیں، بلکہ اس کے سدھے ہوئے ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ مالک کے بلانے پر واپس آجائے۔ اور غلیل کے شکار کا حکم وہی ہے جو بندوق کے شکار کا ہے کہ اگر جانور زندہ مل جائے تو اس کو زخ کر لے اور اگر غلیل سے مر گیا تو حلال نہیں بلکہ مردار ہے، کیونکہ وہ چوٹ اور ضرب سے مر رہا ہے، واللہ اعلم!

چوہا اگر گھی کے برتن میں مر جائے، اس کا حکم

[حدیث: ۹۰۱] ”عَنْ مِمْزُوتَةَ أَنَّ فَارَةً وَقَعَتْ فِي سَمْنٍ فَمَاتَتْ فَسُيِلَ عَنْهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: أَلْقُوا هَذَا مَا خَوْلَهَا فَكُلُوهُ“

(ترمذی ج: ۲ ص: ۲۰ ”باب ما جاء في الفارّة تموت في السمن“)

ترجمہ: ”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ چوہا گھی (کے برتن) میں گر کر مر گیا، اس کے بارے میں آنحضرت ﷺ سے دریافت

کیا گیا تو ارشاد فرمایا کہ: چوہے کو اور اس کے ارد گرد کے حصے کو نکال کر پھینک دو، باقی کو کھا لو۔“

تشریح: یہ حکم اس صورت میں ہے کہ گھی جما ہوا ہو، کیونکہ اس کے ارد گرد کو نکال کر پھینک دینا اسی صورت میں ممکن ہے، چونکہ جسے ہوئے گھی میں چوہے کی نجاست پورے برتن میں سرایت نہیں کرے گی اس لئے صرف اس کے ارد گرد کے حصے کو، جو اس نجاست سے متاثر ہوا ہے، نکال کر پھینک دینے اور باقی کو استعمال کرنے کا حکم فرمایا۔ اور اگر گھی پگھلا ہوا ہو تو پورا گھی ناپاک ہو جائے گا، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں حضرت مصنف رحمہ اللہ نے بھی ”وفی الباب“ میں حوالہ دیا ہے، اس کی تصریح موجود ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

”إِذَا وَقَعَتِ الْفَأْرَةُ فِي السَّمْنِ فَإِنْ كَانَ جَامِدًا فَأَلْقُوهَا وَمَا حَوْلَهَا، وَإِنْ كَانَ مَائِعًا فَلَا تَقْرُبُوهَا“ (مشکوٰۃ ص: ۳۶۱، ابوداؤد ج: ۲ ص: ۵۳۷، کتاب الانطعمہ) ترجمہ: ”جب چوہا گھی میں گر جائے، اگر وہ جما ہوا ہو تو اس کو اور اس کے ارد گرد کو نکال ڈالو، اور اگر پگھلا ہوا ہو تو اس کے قریب نہ جاؤ۔“

بائیں ہاتھ سے کھانے پینے کی ممانعت

[حدیث: ۹۰۲] ”عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا يَأْكُلُ أَحَدُكُمْ بِشِمَالِهِ وَلَا يَشْرَبُ بِشِمَالِهِ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَأْكُلُ بِشِمَالِهِ وَيَشْرَبُ بِشِمَالِهِ۔“

(ترمذی ج: ۲ ص: ۲۰) ”باب ما حياء في النهي عن الأكل والشرب بالشمال“

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: تم میں سے کوئی شخص بائیں ہاتھ سے نہ کھائے، اور نہ بائیں ہاتھ سے پیئے، کیونکہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا اور بائیں ہاتھ سے پیتا ہے۔“

تشریح: آنحضرت ﷺ نے کھانے کے چند آداب بیان فرمائے ہیں جو فطرت انسانی کے موافق ہیں، جن کے ذریعے کھانے کی برکتیں نصیب ہوتی ہیں، اور کھانا قرب خداوندی کا ذریعہ بن جاتا ہے، اور ان آداب کی رعایت سے اخلاق فاضلہ میسر آتے ہیں اور اعمال صالحہ کی توفیق نصیب ہوتی ہے۔

ان آداب میں سے ایک ادب یہ ہے کہ کھانا اور پینا دائیں ہاتھ سے ہونا چاہئے، بائیں ہاتھ سے نہیں، کیونکہ بائیں ہاتھ سے شیطان کھاتا پیتا ہے، لہذا آنحضرت ﷺ نے اپنی امت کو دائیں ہاتھ سے کھانے پینے کا

حکم فرمایا تا کہ ان کا کھانا پینا فطرتِ انسانی کے مطابق ہو، اور بائیں ہاتھ سے کھانے پینے کو منع فرمایا تا کہ ان کا یہ عمل شیطانی فطرت کے مطابق نہ ہو، گویا دائیں ہاتھ کے ساتھ کھانا اور پینا حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام کی پیروی ہے، جو کہ صحیح انسانی فطرت کے ترجمان تھے، اور بائیں ہاتھ سے کھانا اور پینا شیطان کی تقلید ہے، جو انسانی فطرت کی ضد ہے۔ دائیں ہاتھ کو حق تعالیٰ نے اچھے کاموں اور اچھی چیزوں کے لئے پیدا کیا ہے، اور بائیں ہاتھ کو گندی چیزوں کے صاف کرنے کے لئے بنایا ہے، مثلاً: ناک صاف کرنا، استنجا وغیرہ۔

اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا داہنا ہاتھ وضو اور کھانے کے لئے تھا، اور آپ ﷺ کا بایاں ہاتھ استنجا کرنے کے لئے اور ایسی چیزوں کے لئے تھا جن سے کراہت آتی ہے (مثلاً: ناک صاف کرنا، وغیرہ) (مشکوٰۃ ص: ۴۲)۔

لہذا کھانے پینے کے لئے دائیں ہاتھ کا استعمال صحیح انسانی فطرت ہے، اور اس کے لئے بائیں ہاتھ کا استعمال انسانی فطرت کے خلاف اور شیطانی فطرت کے موافق ہے، پس جو شخص دائیں ہاتھ کے بجائے بائیں ہاتھ سے کھانے پینے کا کام لے گا وہ اولیاء الرحمن میں سے نہیں، بلکہ اولیاء الشیطان میں شامل ہے۔ قرآن کریم میں ہے کہ: شیطان اپنے دوستوں کو نور سے ظلمت کی طرف نکالتا ہے۔ "ظاہر ہے کہ جس شخص کو دائیں بائیں کی بھی تمیز نہ رہے، اور کھانے اور استنجے کے درمیان بھی فرق نہ کر سکے، وہ سراسر تاریکی میں ڈوبا ہوا ہے۔ اور شیطان جس طرح کھانے پینے کے معاملے میں اس کو اپنی شیطانی فطرت پر چلا کر اندھیروں میں ڈالتا ہے، اسی طرح دوسرے کاموں میں اور دیگر آدابِ زندگی میں بھی اس کو اپنی اسی شیطانی فطرت پر چلائے گا۔ اسی بنا پر ہماری شریعت نے، جو انسانی فطرت کی اعلیٰ ترین ترجمان ہے، بائیں ہاتھ سے کھانے پینے کو مکروہ اور ناپسندیدہ فعل قرار دیا ہے، جیسا کہ دائیں ہاتھ سے ناک صاف کرنے اور استنجا کرنے کو مکروہ اور ناپسندیدہ فعل قرار دیا ہے، الا یہ کہ کسی شخص کو کوئی عذر لاحق ہو تو مجبوری ہے۔

اس حدیثِ پاک سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کو حق تعالیٰ شانہ نے وہ علوم عطا فرمائے جن تک عقلِ انسانی کی رسائی نہیں، مثلاً: فرشتوں کے اخلاق و عادات، شیطان کے اوصاف و اطوار، اور انسانی فطرت کے اخلاق و آداب کا علم عظیم عطا فرمایا تھا، اور یہ علم، علم نبوت ہے کہ ساری انسانیت اس علم کے حصول میں آنحضرت ﷺ کی محتاج ہے کہ یہ علم عظیم جو انسانیت کی فلاح و بہبود کا ضامن ہے، صرف آنحضرت ﷺ ہی کے ذریعے حاصل ہو سکتا ہے، اور آپ ﷺ کے سوا اس علم تک رسائی کا کوئی ذریعہ نہیں، کیونکہ محض عقل سے یہ چیزیں معلوم نہیں ہو سکتیں۔ پس مبارک ہیں وہ لوگ جو آنحضرت ﷺ کا دامن پکڑیں، ان علوم کی قدر پہچانیں، اور آنحضرت ﷺ کی پیروی کو سرمایہ صد افتخار سمجھیں، اور بہت ہی بد قسمت اور محروم ہیں وہ لوگ جو اس چشمہ فیض سے محروم رہیں، اَللّٰهُمَّ اِزِدْنَا اتِّبَاعَ حَبِيبِكَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم۔

کھانے کے بعد انگلیاں چاٹ لینے کا حکم

[حدیث: ۹۰۳] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

إِذَا أَكَلْتُمْ فَالْيَدُ لِقَى الْأَصَابِعِ، فَإِنَّهُ لَا يَذْرَى فِي أَيْتِهِنَّ الْبِرَّ كَثُرَ“

(ترمذی ج: ۲ ص: ۲۰ ”باب ما جاء في لقي الأصابع بعد الأكل“)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جب

تم میں سے کوئی شخص کھانا کھائے تو انگلیوں کو چاٹ لیا کرے، کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ ان

میں سے کس میں برکت ہے۔“

تشریح: یہ کھانے کا دوسرا آداب ہے کہ کھانے کے دوران جو کھانا انگلیوں کو لگا رہ جاتا ہے اس کو

اچھی طرح صاف کرے اور چاٹ لے، اس کو یوں ہی دھو کر ضائع نہ کرے، کھانے سے آلودہ انگلیوں کو زبان

سے چاٹ لینا حق تعالیٰ شانہ کی نعمت کی قدر شناسی ہے، اور اس کو ضائع کر دینا اس نعمت کی ناقدری ہے،

انگلیاں چاٹ لینا تواضع اور آداب مع اللہ کی علامت ہے، اور اس سے عار کرنا کبر و نخوت اور عنوت و حماقت کی

نشانی ہے، اس لئے کہ اس نے جن انگلیوں سے جو کھانا کھایا وہی کھانا انہی انگلیوں کو لگا ہوا ہے، اب اس

انگلیوں کے لگے ہوئے کھانے سے عار اور نفرت کرنا سوائے حماقت آمیز برعنوت کے اور کیا ہے...؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انگلیوں کو چاٹ لینے کی نہایت لطیف اور دقیق توجیہ یہ ارشاد فرمائی کہ کھانے

والے کو کچھ معلوم نہیں کہ ان انگلیوں پر لگے ہوئے کھانے کے کس حصے میں برکت ہے؟

شرح اس کی یہ ہے کہ برکت کے معنی یہ ہیں کہ جو چیز جس مقصد کے لئے حق تعالیٰ شانہ نے تخلیق

فرمائی ہے، اس سے وہ مقصد حاصل ہو، اور وہ چیز بے مقصد ضائع نہ ہو۔ مثلاً: کھانا اس مقصد کے لئے ہے کہ

وہ آدمی کا جزو بدن بنے، اس سے آدمی کے بدن کو قوت حاصل ہو، اور وہ آدمی کے تحلیل شدہ اجزاء کا بدل بن

جائے، تاکہ صحت و قوت کے بقا کا ذریعہ بن جائے۔ اب آدمی جو کھانا کھاتا ہے اس کو معلوم نہیں کہ کھانے کا یہ

مقصد کھانے کے کس حصے سے حاصل ہوگا؟ اس لئے جو کھانا کھاتا کہ انگلیوں پر لگا رہ جاتا ہے، ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ

نے اسی کو اس کی صحت و قوت کے بقا کا ذریعہ بنانا مقدر فرمایا ہو، اگر اس کھانے کو ضائع کرے گا تو کھانے کا

مقصد فوت ہو جائے گا اور اس کھانے کی برکت سے یہ شخص محروم رہے گا۔

اگر لقمہ گر جائے تو صاف کر کے کھا لیا جائے

[حدیث: ۹۰۴] ”عَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا أَكَلْتَ

أَخَذْتُكُمْ طَعَامًا فَسَقَطَ لِقْمَتُهُ فَلْيَمِطْ مَا رَأَيْتَ مِنْهَا ثُمَّ لِيَطْعَمْهَا وَلَا

يَدْعُهُا الشَّيْطَانُ۔“ (ترمذی ج: ۲ ص: ۲، ۳ ”باب ما جاء في اللقمة وتسقط“)

ترجمہ: ”حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: جب تم میں سے کوئی شخص کھانا کھائے، پس (کھانے کے دوران) لقمہ ہاتھ سے گر جائے تو اس پر جو چیز لگ جائے، اس سے لقمے کو صاف کر کے کھالے، اور اسے شیطان کے لئے نہ چھوڑے۔“

تشریح: یہ کھانے کا ایک مزید ادب ہے کہ اگر کھانے کے دوران لقمہ ہاتھ سے گر جائے تو اس کو پڑا ہوا نہ چھوڑے، نہ اس کو پھینک کر ضائع کرے بلکہ اس کو صاف کر کے کھالے، اور اس کو شیطان کے لئے نہ چھوڑے، کیونکہ جب آدمی کھانا کھاتا ہے تو اگر شروع میں بسم اللہ شریف نہ پڑھے تو شیطان اس کھانے میں شریک ہو جاتا ہے، ورنہ اس کے ہاتھ سے لقمہ چھیننے کی کوشش کرتا ہے، یہ لقمہ جو آدمی کے ہاتھ سے گر گیا تو یہ شیطان کی چھینا جھٹی ہے، اگر آدمی اس کو یوں ہی پڑا رہنے دے تو یوں سمجھو کہ شیطان اپنی چھینا جھٹی میں کامیاب رہا، اور وہ آدمی کے کھانے کی برکت لے اڑا، اسی لئے ارشاد فرمایا کہ اس کو صاف کر کے کھالے، شیطان کے لئے نہ چھوڑے۔

حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ نے اس سلسلے میں دو عجیب واقعے لکھے ہیں:

ایک یہ کہ ایک دن ہمارے احباب میں سے ایک صاحب ہماری ملاقات کے لئے تشریف لائے، ہم نے ان کے سامنے کھانا پیش کیا، کھانے کے دوران ایک لکڑا ان کے ہاتھ سے گر گیا، اور زمین پر لڑکھڑانے لگا، وہ صاحب اس کا پیچھا کرنے لگے، وہ جوں جوں اس کا پیچھا کرتے ہیں لقمہ دور ہوا جاتا۔ حاضرین کو اس سے کچھ تعجب ہوا، اور کچھ مشقت اٹھا کر یہ صاحب لقمہ پکڑنے میں کامیاب ہو گئے، اور اسے کھالیا۔ چند دن کے بعد ایک شخص کو جن لگا، اور یہ جن اس شخص کی زبان سے باتیں کرنے لگا، من جملہ دوسری باتوں کے اس نے ایک بات یہ کہی کہ میں فلاں فلاں آدمی کے پاس سے گزرا، وہ کھانا کھا رہا تھا، مجھے وہ کھانا بہت اچھا لگا، لیکن اس شخص نے اس میں سے کچھ بھی نہیں دیا، میں نے اس کے ہاتھ سے جھپٹ لیا، اس شخص نے مجھ سے کشاکش کی یہاں تک کہ اس نے مجھ سے وہ کھانا لے لیا۔

دوسرا واقعہ یہ کہ ہمارے گھر میں لوگ گاجریں کھا رہے تھے، اچانک ایک گاجر لڑکھڑانے لگی، ایک شخص نے شتابی سے اس کو پکڑ کر کھالیا، گاجر کھاتے ہی اس کے سینے اور معدے میں درد شروع ہو گیا، پھر اس پر جن آ گیا، اس کی زبان سے جن بولا کہ: وہ لڑکھڑاتی ہوئی گاجر میں نے (جن نے) لی تھی (اس شخص نے مجھ سے چھین لی)۔

شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ: اس نوعیت کے بہت سے واقعات ہم نے سنے ہیں، جن سے ہمیں

یقین ہو گیا ہے کہ یہ احادیث مجازی معنوں پر محمول نہیں، بلکہ ان سے حقیقی معنی ہی کا ارادہ کیا گیا ہے (جزء اللہ البالغہ ج: ۲ ص: ۱۸۶)۔

[حدیث: ۹۰۵] ”غَنَّا نَبِيَّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا أَكَلَ طَعَامًا لَعِقَ أَصَابِعَهُ الثَّلَاثَ وَقَالَ: إِذَا مَا وَقَعَتْ لَقْمَةُ أَحَدِكُمْ فَلْيَمِطْ عَنْهَا الْأَذَى وَلْيَأْكُلْهَا وَلَا يَدْعُهَا لِلشَّيْطَانِ۔“ (ترمذی ج: ۲ ص: ۳)

ترجمہ: ”حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا معمول مبارک تھا کہ جب کھانا تناول فرماتے تو اپنی تینوں انگلیوں کو چاٹ لیتے، اور آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: جب تم میں سے کسی سے لقمہ گر جائے، تو (اسے اٹھا کر اس سے مٹی، تھکے وغیرہ کو ہٹا دے اور) صاف کر کے اس کو کھالے، اور اسے شیطان کے لئے نہ چھوڑے۔ اور آنحضرت ﷺ نے ہمیں حکم فرمایا کہ کھانے کے برتن کو خوب صاف کیا کریں، اور ارشاد فرمایا کہ: تم نہیں جانتے کہ تمہارے کھانے کے کس حصے میں برکت ہے۔“

تشریح: گزشتہ احادیث میں جن تین آداب کا ذکر آیا تھا، اس حدیث پاک میں ان تینوں کا یکجا ذکر فرمایا گیا ہے، اور اس میں ایک چوتھا ادب مزید بیان فرمایا ہے، یعنی کھانے کے برتن کو خوب صاف کرنا، اور اس ارشاد کی حکمت وہی ہے جو اوپر بیان ہو چکی، یعنی ”تم نہیں جانتے کہ کھانے کے کس حصے میں برکت ہے“ اس لئے برتن کو یہ سمجھ کر صاف کیا جائے کہ ممکن ہے اس کھانے کی برکت اسی حصے میں ہو جو برتن میں لگا رہ گیا ہے، اس لئے اس کو نعمت خداوندی سمجھ کر قدر شناسی کے ساتھ صاف کیا جائے اور اس کو ضائع کر کے نعمت کی ناقدری نہ کی جائے۔

[حدیث: ۹۰۶] ”حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ ثَنَا الْمُعَلَّى بْنُ رَاشِدٍ أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: حَدَّثَنِي جَدِّي أُمُّ غَاصِمٍ وَكَانَتْ أُمُّ وَلَدٍ لِبِسْتَانَ بْنِ سَلَمَةَ قَالَتْ: دَخَلَ عَلَيْنَا نَبِيْهُنَا الْخَيْرُ وَنَحْنُ نَأْكُلُ فِي قَضْعَةٍ، فَحَدَّثَنَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ أَكَلَ فِي قَضْعَةٍ ثُمَّ لَحَسَهَا اسْتَفْغَرَتْ لَهُ الْقَضْعَةُ هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ الْمُعَلَّى بْنِ رَاشِدٍ، وَقَدْ رَوَى يَزِيدُ بْنُ هَازُونَ وَغَيْرُ وَاحِدٍ مِنَ الْأَيْمَةِ عَنِ الْمُعَلَّى بْنِ رَاشِدٍ هَذَا الْحَدِيثُ۔“

(ترمذی ج: ۲ ص: ۳)

ترجمہ: ”حضرت نبیشتہ الخیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: جو شخص کسی برتن میں کھائے، پھر اس کو خوب صاف کر دے تو اس کے لئے برتن مغفرت

کی دعا کرتا ہے۔“

تشریح: برتن کا اس شخص کے لئے دعا کرنا حقیقی معنی پر محمول ہے، یا اس کے مجازی معنی مراد ہیں؟ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ، حافظ فضل اللہ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ برتن کا استغفار کرنا اس سے عبارت ہے کہ کھانے والے کا یہ عمل اس کے متواضع ہونے اور کبر سے مبرا ہونے کی علامت ہے، اور یہ چیز اس کے لئے موجب مغفرت ہے، چونکہ برتن اس کے لئے بمنزلہ سبب کے بنا، اس لئے مغفرت کو اس کی طرف منسوب فرمایا گیا، گو یا برتن اس کے لئے دعائے مغفرت کرتا ہے (حاشیہ ترمذی)۔

لیکن اگر اس کو حقیقی معنی پر محمول کیا جائے تب بھی بعید نہیں، قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ: ”ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید کرتی ہے، مگر تم لوگ ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے“ اور صحیح بخاری میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد منقول ہے:

”وَلَقَدْ كُنَّا نَسْمَعُ نَسْبِيحَ الطَّعَامِ وَهُوَ يُوَكِّلُ۔“

(مشکوٰۃ ص: ۵۳۸، باب المعجزات)

ترجمہ: ”اور ہم لوگ کھانے کی تسبیح سنا کرتے تھے جبکہ وہ کھایا جاتا تھا۔“

پس اگر ہر چیز کے تسبیح و تحمید کرنے میں کوئی اشکال نہیں، اور اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اپنے کانوں سے کھانے کی تسبیح سنا محال اشکال نہیں، تو کھانے کے برتن کا کھانے والے کے لئے استغفار کرنا کیونکر محال اشکال ہو سکتا ہے؟ حضرت زومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

خاک و باد و آب و آتش بندہ اند

با من و تو مردہ، با حق زندہ اند

لہذا ظاہر یہی ہے کہ اس قسم کی احادیث اپنے حقیقی معنی پر محمول ہیں، چنانچہ حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ، حافظ عراقی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ نے کھانے کے برتن میں تمیز اور نطق پیدا فرما دیا ہے، جس کے ذریعے وہ دعائے مغفرت کرتا ہے۔ اور ایک روایت میں کھانے کے برتن کی یہ دعا نقل کی ہے:

”أَجَازَكَ اللَّهُ مِنَ النَّارِ، كَمَا أَجَزَ قَتِيلِي مِنَ الشَّيْطَانِ۔“

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ تجھے دوزخ سے بچائے، جیسا کہ تو نے مجھے شیطان سے بچایا۔“

مشکوٰۃ شریف (ص: ۳۶۸) میں رزین کے حوالے سے اس حدیث کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں:

”أَغْنَيْكَ اللَّهُ مِنَ النَّارِ، كَمَا أَغْنَيْتَنِي مِنَ الشَّيْطَانِ۔“

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ تجھے دوزخ سے آزاد کرے جیسا کہ تو نے مجھے شیطان سے آزاد

کر دیا۔“

کھانے کے درمیان سے کھانا مکروہ ہے

[حدیث: ۹۰۷] ”عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ

الْبَرَكَةَ تَنْزِلُ وَسْطَ الطَّعَامِ، فَكُلُوا مِنْ حَافَتَيْهِ وَلَا تَأْكُلُوا مِنْ وَسْطِهِ۔“

(ترمذی ج: ۲ ص: ۳ ”باب مَا جَاءَ فِي تَكْوَانِهَا مِنَ الْأَكْلِ مِنْ وَسْطِ الطَّعَامِ“)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، آنحضرت ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ:

برکت کھانے کے درمیان میں نازل ہوتی ہے، لہذا تم لوگ اس کے کناروں سے کھایا

کردو، اور اس کے درمیان سے نہ کھاؤ۔“

تشریح: کھانے کے آداب میں سے ایک ادب یہ ہے کہ برتن کے درمیان سے نہ کھایا جائے،

بلکہ کناروں سے کھایا جائے۔ آنحضرت ﷺ نے اس کی وجہ یہ ارشاد فرمائی کہ برکت کھانے کے درمیان

نازل ہوتی ہے۔ برکت کا کھانے کے درمیان نازل ہونا ایک ایسی حقیقت ہے جس کا ادراک وحی کے ذریعے

ہی ہو سکتا ہے، تاہم چند امور بالکل واضح ہیں:

اوّل:..... تجربہ شاید ہے کہ اگر کھانے کی چوٹی (درمیان کا حصہ) ختم کر دیا جائے تو کھانے کی

بے برکتی صاف محسوس ہوتی ہے، جیسے کسی دیوار کی بنیاد کھاڑ دی گئی ہو۔

دوم:..... کھانے کی چوٹی سے کھانا حرص کی علامت ہے، اور جو کھانا حرص کے ساتھ کھایا جائے اس

سے کھانے کی لذت بھی ختم ہو جاتی ہے، اور وہ صحیح طور پر جزو بدن بھی نہیں بنتا۔ یہ بھی اس کی بے برکتی کا ایک

اثر ہے، مثلاً چار شخص مل کر کھا رہے ہیں، اور ان کے سامنے کھانا کم ہے، اب اگر ہر شخص سیر چشمی اور قناعت کے

ساتھ کھائے اور کوشش کرے کہ اس کے دوسرے رفقاء سیر ہو جائیں، خواہ وہ بھوکا رہے، تو ان شاء اللہ تعالیٰ

چاروں کا پیٹ بھر جائے گا اور کوئی بھی بھوکا نہیں رہے گا۔ یہ تو اس کھانے کی برکت ہوئی۔ اور اگر ان میں سے

ہر شخص کی یہ خواہش ہو کہ وہ جلدی جلدی زیادہ سے زیادہ کھائے، خواہ دوسرے بھوکے رہیں، تو یہ کھانا چند لمحوں

میں ختم ہو جائے گا اور کسی کا بھی پیٹ نہیں بھرے گا۔ یہ ان لوگوں کی حرص کی وجہ سے اس کھانے کی بے برکتی

ظاہر ہوئی، یہی مثال اس شخص کی ہے جو اپنی طرف سے کھانے کے بجائے چوٹی سے کھاتا ہے کہ اس سے بھی

کھانا بے برکت ہو جاتا ہے۔

سوم:..... ایک کنارے سے کھانا، سلیقے اور قرینے کی بات ہے، اور اس سلیقے سے کھانا کھایا جائے

تو جو کھانا بچ رہے گا اس کو ہر شخص رغبت کے ساتھ کھائے گا، اور اگر کھانے کی چوٹی ختم کر دی جائے تو بچا ہوا

کھانا ہر شخص کو جھوٹا کیا ہوا محسوس ہوگا، اور نظیف الطبع لوگوں کو اس جھوٹے کھانے کی رغبت نہیں ہوگی، اس کو

کوئی شخص کھانا پسند نہیں کرے گا، بالآخر اس کو ضائع کرنا پڑے گا، یہ بھی کھانے کی برکتی ہے۔

الغرض اپنی طرف سے کھانا اور کھانے کی چوٹی کو محفوظ رکھنا سلیقہ اور ادب کی بات ہے، جو کھانے والے کی عقل و تمیز اور سیرچشمی کی علامت ہے، اور اپنی طرف کا کھانا چھوڑ کر چوٹی پر ہاتھ ڈالنا اس شخص کی حرص و طمع اور بے سلیقہ ہونے کی علامت ہے، اور قاعدہ یہ ہے کہ آدمی جس نفسانی کیفیت کے ساتھ کھانا کھائے، کھانے والے پر وہی اخلاق و کیفیات مرتب ہوتی ہیں، قناعت کے ساتھ کھائے تو قلب میں بلند ہمتی، سیرچشمی اور سلیقہ مندی کے اثرات پیدا ہوں گے، اور حرص کے ساتھ کھایا جائے تو طبعی دناءت اور گھٹیا اخلاق پیدا ہوں گے۔ چنانچہ حکماء کا قول ہے کہ آدمی کے اخلاق کی بلندی و پستی کا پتا دسترخوان پر بیٹھنے سے چلتا ہے، اور اس کے کھانے کے انداز سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ اندرونی اخلاق و اوصاف کے لحاظ سے یہ شخص کتنا بلند قامت ہے یا کتنا پست قد ہے؟ آنحضرت ﷺ چونکہ تمام معاملات زندگی میں امت کو مکارم اخلاق کی تعلیم فرماتے ہیں، اس لئے کھانے کے آداب میں بھی آنحضرت ﷺ نے اخلاقی عالیہ کی رہنمائی فرمائی ہے، واللہ اعلم!

فائدہ:..... اگر برتن میں کھانے والے کئی آدمی ہوں تو ان کو برتن کے اطراف و جوانب سے کھانا چاہئے، یہاں تک کہ کھانے کی چوٹی آخر تک محفوظ رہے، اور اگر کھانے والا فرد واحد ہو تو اس کو صرف اپنی طرف سے کھانا چاہئے، چاروں طرف سے نہیں، جتنا حصہ کھانا چاہے کھالے، باقی چھوڑ دے، اور جتنا حصہ کھایا ہے، برتن کا اتنا حصہ صاف کر دے۔

لہسن اور پیاز کھانے کی کراہت

[حدیث: ۹۰۸] ”عَنْ جَابِرٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ أَكَلَ مِنْ هَذِهِ قَالَ أَوَّلَ مَرَّةٍ الْقَوْمِ، ثُمَّ قَالَ: الْقَوْمُ وَالْبَصْلُ وَالْكَرَّاثُ، فَلَا يَفْقَرُنَا فِي مَسَاجِدِنَا۔“ (ترمذی ج: ۲ ص: ۳) ”باب مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ أَكْلِ الْقَوْمِ وَالْبَصْلِ“

ترجمہ: ”حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے لہسن، پیاز اور گندنا کھایا ہو، وہ ہماری مسجدوں کے قریب نہ آئے۔“

(گندنا پیاز اور لہسن ہی کی طرح ایک نکلون خود در جنگلی پتا ہوتا ہے)

پکا ہوا لہسن کھانے کی اجازت

[حدیث: ۹۰۹] ”عَنْ سِمَاكِ بْنِ خَزْبٍ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ سَمْرَةَ يَقُولُ: نَزَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى أَبِي أَيُّوبَ، وَكَانَ إِذَا أَكَلَ طَعَامًا بَعَثَ إِلَيْهِ

بِفَضْلِهِ، فَبَعَثَ إِلَيْهِ يَوْمَ مَا بَطَعَامَ وَلَمْ يَأْكُلْ مِنْهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمَّا أَتَى أَيُّوبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذَلِكَ لَهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فِيهِ الْقَوْمُ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَحْرَامٌ هُوَ؟ قَالَ: لَا، وَلَكِنِّي أَكْرَهُهُ مِنْ أَجْلِ رِيحِهِ۔ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ۔“

(ترمذی ج: ۲ ص: ۳ ”باب ما جاء في النزع في أكل القوم مطبوخاً“)
ترجمہ: ”حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: آنحضرت ﷺ (مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے جب پہلی مرتبہ مدینہ منورہ میں رونق افروز ہوئے تو) حضرت ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مہمان ہوئے، آنحضرت ﷺ کا معمول مبارک تھا کہ جب کھانا تناول فرماتے تو اس کا بقیہ حضرت ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس بھجوا دیتے، ایک دن ایسا ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے پورا کھانا حضرت ابویوب رضی اللہ عنہ کو بھجوا دیا اور اس میں سے کچھ بھی تناول نہیں فرمایا۔ حضرت ابویوب رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا (کہ آج آنحضرت ﷺ نے سارا کھانا واپس کر دیا، اس میں سے تناول نہیں فرمایا)، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: اس میں لہسن تھا! حضرت ابویوب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! کیا یہ حرام ہے؟ فرمایا: نہیں، حرام تو نہیں! لیکن میں اس کی بدبو کی وجہ سے اس کو ناپسند کرتا ہوں۔“

[حدیث: ۹۱۰] ”عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: نَهَى عَنْ أَكْلِ الْقَوْمِ إِلَّا مَطْبُوخًا“

(ترمذی ج: ۲ ص: ۳)
ترجمہ: ”حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: لہسن کھانے سے منع کیا گیا ہے الا یہ کہ (کھانے میں) پکا ہوا ہو۔“

[حدیث: ۹۱۱] ”عَنْ أُمِّ أَيُّوبَ أَخْبَرَتْ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَزَلَ عَلَيْهِمْ، فَتَكَلَّفُوا لَهُ طَعَامًا فِيهِ مِنْ بَعْضِ هَذِهِ الْبُقُولِ فَكَرِهَ أَكْلَهُ، فَقَالَ لِأَصْحَابِهِ: كُلُّوهُ! فَإِنِّي لَسْتُ كَأَخِيذِكُمْ إِنِّي أَخَافُ أَنْ أُوذِيَ صَاحِبِي۔“

(ترمذی ج: ۲ ص: ۳)
ترجمہ: ”حضرت ام ایوب (حضرت ابویوب رضی اللہ عنہ کی اہلیہ) فرماتی ہیں کہ: آنحضرت ﷺ ان کے یہاں مہمان ہوئے، ان لوگوں نے آپ ﷺ کے لئے پر تکلف کھانا تیار کیا، جس میں کچھ یہ ترکاریاں (لہسن، پیاز) بھی ڈالیں، آپ ﷺ

نے اس کھانے کو پسند نہیں فرمایا، اور اپنے اصحاب سے فرمایا کہ: آپ لوگ کھائیں!
کیونکہ میں تم میں سے ایک جیسا نہیں ہوں، میں اندیشہ رکھتا ہوں کہ کہیں اپنے رفیق
(جبریل) کو ایذا نہ پہنچاؤں۔“

[حدیث: ۹۱۲] ”عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ قَالَ: التَّوَمُّ مِنْ طَبِيبَاتِ الرِّزْقِ۔“

(ترمذی ج: ۲ ص: ۳)

ترجمہ: ”حضرت ابو العالیہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ: لہسن پاکیزہ رزق میں سے ہے۔“

تشریح: ان احادیث شریفہ سے لہسن اور پیاز کے بارے میں چند احکام معلوم ہوئے:

اول:..... جس شخص نے لہسن یا پیاز یا اسی نوعیت کی ایسی سبزی، ترکاری، جس میں بدبو ہوتی ہے، کھائی ہو، اس کو مسجد میں آنے کی ممانعت ہے، جب تک کہ منہ کی بدبو ازل نہیں ہو جاتی۔ چونکہ اس کی ممانعت کی وجہ اور سبب بالکل واضح ہے، یعنی انسانوں اور فرشتوں کو ایذا پہنچانا، اس لئے حضرات فقہاء فرماتے ہیں: ہر ایسا شخص اس حکم میں داخل ہے جس کو کوئی ایسا مرض لاحق ہو کہ اس کے آنے سے لوگوں کو ایذا ہو، مثلاً: کسی شخص کو گندہ دہنی کا مرض ہے، یا ایسا ناسور ہے جس کے زخم سے بدبو آتی ہے، یا ایسا ہی کوئی اور عذر ہے تو ایسے شخص کو مسجد میں آنا جانا جائز نہیں، اس کو اپنے گھر میں اپنی نماز پڑھنی چاہئے، اور چونکہ اس کا مسجد میں نہ آنا عذر کی وجہ سے ہے اس لئے مسجد میں نہ آنے کے باوجود اس کو جماعت کا ثواب ملے گا۔

دوم:..... لہسن اور پیاز اگر کھانے میں کچے ہوئے ہوں کہ ان کی بدبو باقی نہ رہے تو ان کے استعمال میں کوئی مضائقہ نہیں۔

سوم:..... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی علو شان اور ملائکہ سے مناجات کی بنا پر ایسی ترکاریوں سے، باوجود ان کے پختہ ہونے کے، احتراز فرماتے تھے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا تناول فرمائے بغیر واپس کر دیا تو حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا یہ حرام ہے؟ فرمایا: حرام تو نہیں، لیکن میں اس کو (بدبو کی وجہ سے) ناپسند کرتا ہوں۔ اس پر حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! جو چیز آپ کو ناپسند ہے، میں بھی اس کو ناپسند کرتا ہوں (فانی اکبرہ ماتکرہ)۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اس کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ: یہ محبت صادق کا وصف ہے کہ وہ اپنے محبوب کی پسندیدہ چیز کو پسند کرے، اور جو چیز محبوب کو ناپسند ہو اس کو ناپسند کرے۔

سونے سے پہلے برتن ڈھک دیئے جائیں اور آگ کے چراغ کو بجھا دیا جائے

[حدیث: ۹۱۳] ”عَنْ جَابِرٍ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَغْلِقُوا

النبات، وَأَوْكُوا السَّقَاءَ وَأَكْفُوا الْإِنَاءَ أَوْ خَمَرُوا الْإِنَاءَ وَأَطْفُوا
الْمُضْبَحَ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَفْتَحُ غُلْفًا وَلَا يَجْلُ وَكَاءً وَلَا يَكْشِفُ أَيْدِيَهُمْ فَإِنَّ
الْفَوَيْسِقَةَ تَضُرُّ عَلَى النَّاسِ بَيْنَهُمْ۔“

(ترمذی ج: ۲ ص: ۳) ”باب ما جاء في تغيير الإناء وإطفاء البزاج والقار عند المنام“
ترجمہ: ”حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: (سوتے سے
پہلے) دروازے مقفل کر دو، مشکیزوں کو بند لگا دو، برتنوں کو (اگر وہ خالی ہوں) الٹ
دو، یا (اگر خالی نہ ہوں تو) ان کو ڈھک دو، اور چراغ بجھا دو، کیونکہ شیطان بند
دروازے کو (جو بسم اللہ شریف پڑھ کر بند کیا گیا ہو) نہیں کھولتا، اور برتن کے بند کو نہیں
کھولتا، اور ڈھکے ہوئے برتنوں کو نہیں چھیڑتا، (اور چراغ گل کرنے کی حکمت یہ ہے
کہ) بدکار یعنی بد معاش چوہا چراغ کی جلتی لٹو کو کھینچ کر گھر کو آگ لگا دیتا ہے۔“

[حدیث: ۹۱۳] ”عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ: لَا تَقْرَأُوا النَّازِلَ فِي بَيْتِكُمْ حِينَ تَنَامُونَ۔“ (ترمذی ج: ۲ ص: ۳)
ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا
کہ: سوتے وقت آگ کو اپنے گھروں میں نہ چھوڑا کرو۔“

تشریح: رات کو آگ کا کھلا چھوڑ دینا خطرناک ہے کہ ہوا سے اڑ کر مشتعل ہو سکتی ہے، البتہ اگر
آگ کو اس طرح بند کر دیا جائے کہ اس کے اڑنے اور مشتعل ہونے کا احتمال نہ رہے تو کوئی مضائقہ نہیں۔“
کھجور کے دودانے اکٹھے کھانا مکروہ ہے۔

[حدیث: ۹۱۵] ”عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ
يَقْرَأَ بَيْنَ الثَّمَرَتَيْنِ حَتَّى يَسْتَأْذِنَ صَاحِبَهُ۔“

(ترمذی ج: ۲ ص: ۳، ۴) ”باب ما جاء في تحريم الثمرتين حتى يستأذن صاحبه“
ترجمہ: ”حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: آنحضرت ﷺ نے اس کی ممانعت
فرمائی ہے کہ آدمی اپنے رفیق کی اجازت کے بغیر کھجور کے دودانے ملا کر کھائے۔“

تشریح: یعنی جب دسترخوان پر چند آدمی شریک ہوں تو دوسروں کی اجازت کے بغیر بیک وقت دو
دودانے اکٹھے کھانا مکروہ ہے، کہ یہ آدمی کے حریص ہونے کی بھی علامت ہے، اور اس میں دوسروں کی حق تلفی
بھی ہے، البتہ اگر دوسرے رفقاء کو اس پر کوئی شکایت نہ ہو تو اس کی اجازت ہے۔

بھجور کا پسندیدہ ہونا

[حدیث: ۹۱۶] ”عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: بَيْتٌ لَا

تَمُزُّ فِيهِ جِمَاعٌ أَهْلُهُ“ (ترمذی ج: ۲ ص: ۳ ”باب مَا جَاءَ فِي اسْتِخْبَابِ التَّمْرِ“)

ترجمہ: ”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد نقل کرتی ہیں کہ: جس گھر میں

بھجوریں نہ ہوں اس گھر کے لوگ بھوکے ہیں۔“

تشریح: اہل عرب کی خوارک کا اکثر و بیشتر حصہ بھجور تھا، اس لئے ان کو گھر میں بھجور رکھنے کی ترغیب دی گئی۔ علامہ طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اس حدیث شریف سے گھر میں بھجور رکھنے کی فضیلت معلوم ہوئی۔ یہ ناکارہ عرض کرتا ہے کہ حضرت امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی باب کے عنوان سے اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے، اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اہل و عیال کی خوارک کا ذخیرہ گھر میں رکھنا جائز ہے، بلکہ یہ چیز لائق ترغیب ہے۔

کھانے سے فارغ ہو کر اس پر شکر کرنا

[حدیث: ۹۱۷] ”عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:

إِذَا اللَّهُ لِيُزِيحَ عَنِ الْعَبْدِ أَنْ يَأْكُلَ إِلَّا كَلَّمَ، أَوْ يَشْرَبَ الشَّرْبَةَ فَيُحَمِّدُهُ عَلَيْهَا۔“

(ترمذی ج: ۲ ص: ۳ ”باب مَا جَاءَ فِي الْحَمْدِ عَلَى الطَّعَامِ إِذَا فُرِغَ مِنْهُ“)

ترجمہ: ”حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ:

حق تعالیٰ شانہ اس کو پسند فرماتے ہیں کہ بندہ ایک لقمہ کھانے کا کھائے، یا پانی کا گھونٹ

پئے تو اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائے۔“

تشریح: اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ بندے کا کھانے کا ایک لقمہ کھا کر یا پانی کا ایک گھونٹ پی کر اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا اللہ تعالیٰ کو محبوب اور پسندیدہ ہے، یہی وجہ ہے کہ کھا کر شکر کرنے والا، روزہ رکھ کر صبر کرنے والے کی طرح اجر و ثواب کا مستحق ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ کھانے کے آداب میں لکھتے ہیں کہ ہر نوالے پر بسم اللہ شریف پڑھو، اور جب تک خوب چبا کر نوالہ نگل نہ لو، دوسرا نڈالو، اور ہر نوالے پر الحمد للہ کہو۔

حق تعالیٰ شانہ کی نعمت کی قدر شناسی کا یہی تقاضا ہے کہ اس کریم مالک کے رزق کو اس کا نام لے کر کھائے، اور ہر لقمے کے کھانے پر اس کا شکر بجالائے کہ اس مالک نے یہ کھانا مہیا فرمایا، پھر اس کو کھانے کے لئے ہمارے اعضاء و قوئی سلامت بنائے، پھر اپنے لطف سے اس کو ہمارے حلق سے اُتار دیا۔ گویا کھانے کے ایک لقمے میں اور پانی کے ایک ایک گھونٹ میں حق تعالیٰ شانہ کی چند در چند نعمتیں جمع ہیں، بڑی غفلت و

ناسپاسی ہے کہ بندہ ان عظیم الشان نعمتوں کا شکر بجا نہ لائے، اللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ وَلَكَ الشُّكْرُ۔

جذامی کے ساتھ کھانا

[حدیث: ۹۱۸] ”عَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخَذَ بِبِدِ

مَجْذُومٍ فَأَذْخَلَهُ مَعَهُ فِي الْقَضْعَةِ ثُمَّ قَالَ: كُلْ مِنْهُمُ اللَّهُ تَقَىٰ بِاللَّهِ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ“

(ترمذی ج: ۲ ص: ۳ ”باب مَا جَاءَ فِي الْأَكْلِ مَعَ الْمَجْذُومِ“)

ترجمہ: ”حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک جذامی کا ہاتھ

پکڑ کر اپنے ساتھ پیالے میں ڈالا، پھر فرمایا: کھا اللہ کے نام کے ساتھ، اللہ تعالیٰ پر

اعتماد کرتے ہوئے اور اس پر بھروسہ کرتے ہوئے۔“

تشریح: یہ حدیث آنحضرت ﷺ کی قوتِ توکل، اعتماد علی اللہ اور مضبوطیِ قلب کی دلیل ہے۔ ایک

حدیث میں ہے کہ: ”مجذوم سے ایسے بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہو“ اور ایک حدیث میں ہے کہ: وفدِ ثقیف

میں ایک مجذوم آ رہا تھا، آنحضرت ﷺ نے راستے ہی میں اس کو پیغام بھجوایا کہ: ”ہم نے تمہیں بیعت کر لیا، تم

واپس لوٹ جاؤ“ ان احادیث میں ضعفاء کی رعایت ہے کہ عام لوگوں سے اس کا تحمل مشکل ہے، اقویاء کا حکم

اور ہے، ضعفاء کا دوسرا۔

مؤمن ایک آنت میں کھاتا ہے

[حدیث: ۹۱۹] ”عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: الْكَافِرُ

يَأْكُلُ فِي سَبْعَةِ أَمْعَاءٍ، وَالْمُؤْمِنُ يَأْكُلُ فِي مَعًى وَاحِدٍ۔“

(ترمذی ج: ۲ ص: ۳ ”باب مَا جَاءَ أَنَّ الْمُؤْمِنَ يَأْكُلُ فِي مَعًى وَاحِدٍ“)

ترجمہ: ”حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: کافر

سات آنتوں میں کھاتا ہے، اور مؤمن ایک آنت میں کھاتا ہے۔“

[حدیث: ۹۲۰] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

صَافَهُ صَيفٌ كَافِرٌ، فَأَمَرَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَاةٍ فَخَلَبَتْ

فَشَرِبَ ثُمَّ أَخْزَى فَشَرِبَ ثُمَّ أَخْزَى فَشَرِبَ حَتَّى شَرِبَ حِلَابَ سَبْعِ شِيَاهٍ، ثُمَّ

أَصْبَحَ مِنَ الْغَدِ فَأَسْلَمَ، فَأَمَرَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَاةٍ فَخَلَبَتْ

فَشَرِبَ حِلَابَهَا، ثُمَّ أَمَرَ لَهُ بِأَخْزَى فَلَمْ يَسْتَقِمَّهَا، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ: اَلْمُؤْمِنُ يَشْرَبُ فِي مَعَى وَاحِدٍ وَالكَاْفِرُ يَشْرَبُ فِي سَبْعَةِ اَمْعَاءٍ۔

(ترمذی ج: ۲ ص: ۴)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک کافر، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مہمان ہوا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے ایک بکری کا دودھ دوہنے کا حکم فرمایا، بکری کا دودھ دوہا گیا، تو اس نے سارا دودھ پی لیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری بکری دوہنے کا حکم فرمایا، اس نے وہ بھی پی لیا، یہاں تک کہ اس نے سات بکریوں کا دودھ پی لیا۔ اگلے دن صبح کو وہ شخص مسلمان ہو گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے ایک بکری کے دوہنے کا حکم فرمایا، اس نے اس کا پورا دودھ پی لیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دوسری بکری کے دوہنے کا حکم فرمایا تو وہ شخص اس کو پورا نہ پی سکا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: مؤمن ایک آنت میں کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے۔“

تشریح: دوسری حدیث میں جو قصہ ذکر کیا گیا ہے اس سے اس حدیث کی تشریح ہو جاتی ہے، یعنی مؤمن مبروقاعت کے ساتھ کھاتا ہے، کھانے سے پہلے بسم اللہ شریف پڑھتا ہے، اس لئے اس کو تھوڑا کھانا کافی ہو جاتا ہے۔ بخلاف اس کے کافر حرص و طمع کے ساتھ کھاتا ہے اور کھانے سے پہلے بسم اللہ شریف نہیں پڑھتا، اس لئے اس کے کھانے میں بے برکتی ہوتی ہے، اس کا پیٹ بھر بھی جائے تب بھی اس کی نیت نہیں بھرتی۔ گویا حدیث شریف میں تعلیم فرمائی گئی ہے کہ مؤمن کو حرص و طمع کے ساتھ نہیں کھانا چاہئے بلکہ بسم اللہ شریف پڑھ کر، مبروقاعت کے ساتھ بقدر ضرورت کھانا چاہئے، اور پورا پیٹ بھرنے بلکہ پیٹ بھر جانے کے بعد جی بھر کر کھانے کی ہوس نہیں کرنی چاہئے۔

فائدہ: حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اطباء لکھتے ہیں کہ آنتیں چھ ہوتی ہیں، جبکہ اس حدیث پاک میں سات آنتوں کا ذکر کیا گیا ہے، امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ حدیث میں ساتویں آنت سے مراد معدہ ہے، واللہ اعلم!

ایک آدمی کا کھانا دو کو کافی ہوتا ہے

[حدیث: ۹۲۱] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: طَعَامُ الْاِثْنَيْنِ كَافِي الْثَلَاثَةِ، وَطَعَامُ الثَّلَاثَةِ كَافِي الْاَرْبَعَةِ۔ وَرَوَى جَابِرٌ وَابْنُ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: طَعَامُ الْوَاحِدِ يَكْفِي الْاِثْنَيْنِ، وَطَعَامُ الْاِثْنَيْنِ يَكْفِي الْاَرْبَعَةَ، وَطَعَامُ الْاَرْبَعَةِ يَكْفِي الثَّمَانِيَةَ۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ

بَشَارِ نَاعْبُدُكَ خَمْنِ بْنِ مَهْدِيٍّ نَاسُفِيَانِ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي سَفْيَانَ عَنْ جَابِرٍ
عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهَذَا۔

(ترمذی ج: ۲ ص: ۳ "باب ما جاء في طعام الواحد يكفي الاثنين")

ترجمہ: "حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: دو آدمیوں کا کھانا تین کو کفایت کرتا ہے، اور تین آدمیوں کا کھانا چار کو کفایت کرتا ہے۔ حضرت امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت جابر اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: ایک کا کھانا دو کو کفایت کرتا ہے، اور دو کا چار کو، اور چار کا آٹھ کو کفایت کرتا ہے۔"

تشریح: کفایت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر کھانا صرف اتنا ہو کہ ایک آدمی کا پیٹ بھر سکے تو اگر وہ دوسرے آدمی کو بھی اس میں شریک کر لے تو ان شاء اللہ اگلے وقت تک کے لئے دونوں کو کافی ہو جائے گا اور دونوں کی بھوک ختم ہو جائے گی۔ اسی طرح دو آدمیوں کا کھانا تین کو اور تین کا چار آدمی کھا کر اگلے وقت تک کے لئے گزارا کر سکتے ہیں۔

اس حدیث پاک میں ترغیب دی گئی ہے کہ اگر دوسرا آدمی بھوکا ہو تو اس کو بھی کھانے میں شریک کر لیا جائے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنگی اور عسرت میں تھے، اس لئے ان کو ایسا رومرّت کی تلقین کی گئی۔

ٹڈی کے کھانے کا بیان

[حدیث: ۹۲۲] "عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي أَوْفَى أَنَّهُ سَمِعَ عَنِ النَّبِيِّ قَالَ:

غَزَاؤُكَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْتُ غَزَاؤُكَ نَأْكُلُ الْجَزَاءَ۔"

(ترمذی ج: ۲ ص: ۳ "باب ما جاء في أكل الجزاء")

ترجمہ: "حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان سے ٹڈی کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ: میں نے چھ غزوات (اور دوسری روایت میں ہے کہ سات غزوات) آنحضرت ﷺ کی معیت میں کئے ہیں، ہم ٹڈیاں کھایا کرتے تھے۔"

تشریح: ابن العربی رحمہ اللہ شرح ترمذی میں لکھتے ہیں کہ: ٹڈی کی دو قسمیں ہوتی ہیں، بعض کھائی جاتی ہیں اور بعض نہیں، جو کھائی جاتی ہیں احرام کی حالت میں ان کو قتل کرنے پر جنایت لازم آتی ہے۔ نیز فرماتے ہیں کہ حجاز کی ٹڈیاں تمام کی تمام کھائی جاتی ہیں، لیکن اندلس کی ٹڈی اپنی سینیت (زہریلے پن) کی

وجہ سے کھانے کے لائق نہیں۔ امام نووی رحمہ اللہ نے اس پر اہل علم کا اجماع نقل کیا ہے کہ ٹڈی دل کا کھانا جائز ہے، اور اس کو ذبح کرنے کی ضرورت نہیں۔ مؤطا امام مالک میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ٹڈی کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا: میرا جی چاہتا ہے کہ میرے پاس ٹڈی دل کی زنبیل بھری ہوئی ہو کہ اس سے کھایا کروں (ص: ۱۷۷، مطبوعہ نور محمد)۔

گندگی کھانے والے جانور کے گوشت اور دودھ کا حکم

[حدیث: ۹۲۳] ”عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَكْلِ الْجَلَالَةِ وَالْبَانِيَا“

(ترمذی ج: ۲ ص: ۴، ۵ ”باب ما جاء في أكل لحوم الجلالة والبانيا“)

ترجمہ: ”حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گندگی کھانے والے جانور کے گوشت اور دودھ سے منع فرمایا ہے۔“

[حدیث: ۹۲۴] ”عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الْمُجْتَمَةِ وَعَنْ لَبَنِ الْجَلَالَةِ وَعَنِ الشُّزْبِ مِنْ فِي السِّقَاءِ“

(ترمذی ج: ۲ ص: ۵)

ترجمہ: ”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا: مجثمہ سے، اور گندگی کھانے والے جانور کے دودھ سے، اور مشکیزے کے منہ سے پینے سے۔“

تشریح: ”جلالہ“ اس جانور کو کہتے ہیں جس کو گندگی کھانے کی عادت ہو، سوا اگر اس کی غالب خوراک گندگی بن جائے یہاں تک کہ اس کے گوشت سے بدبو آنے لگے، تو اس کا کھانا مکروہ تحریمی ہے، الا یہ کہ اس کو ایک مدت تک بند رکھا جائے اور اس کو پاک کھانا کھلایا جائے یہاں تک کہ اس کے گوشت اور دودھ سے بدبو جاتی رہے تب حلال ہے۔

اور ”مجثمہ“ وہ جانور ہے کہ جس کو باندھ کر نشانہ بنایا جائے، یہ فعل حرام ہے، کیونکہ زندہ جانور کو نشانہ بنانا بدترین ظلم ہے، اور چونکہ وہ جانور بغیر ذبح کے مر گیا ہے اس لئے وہ مردار ہے، اس کا کھانا حرام ہے۔

اور مشکیزے کے دہانے کو منہ لگا کر پانی پینا مکروہ ہے، کیونکہ احتمال ہے کہ خدا نخواستہ کوئی سانپ، کینڑا مشکیزے کے اندر چلا گیا ہو، اور وہ پینے والے کے پیٹ میں چلا جائے۔

مرغی کھانے کے بیان میں

[حدیث: ۹۲۵] ”عَنْ زُهْدَمِ الْجَزْمِيِّ قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى أَبِي مُوسَى وَهُوَ يَأْكُلُ دَجَاجَةً فَقَالَ: اذْنُ فَكُلْ فَإِنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُهَا“ (ترمذی ج: ۲ ص: ۵ ”باب مَا جَاءَ فِي أَكْلِ الدَّجَاجِ“)

ترجمہ: ”زہدم جرمی کہتے ہیں کہ: میں حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، وہ مرغی کھا رہے تھے، فرمایا: قریب آ جاؤ، کھاؤ! کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو مرغی کا گوشت کھاتے ہوئے دیکھا ہے۔“

تشریح: مرغی کا گوشت حلال ہے، البتہ مرغی اگر گلیوں میں گندگی کھاتی پھرتی ہو تو اس کو تین دن بند رکھا جائے، جیسا کہ اس سے پہلے گزر چکا ہے۔

حباری کا گوشت

[حدیث: ۹۲۵] ”عَنْ ابْنِ زَاهِرٍ بْنِ عَمْرٍو بْنِ سَفِينَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ: أَكَلْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَحْمَ خُبَازَى“

(ترمذی ج: ۲ ص: ۵ ”باب مَا جَاءَ فِي أَكْلِ الْخُبَازَى“)

ترجمہ: ”حضرت سفینہ رضی اللہ عنہا فرماتے ہیں کہ: میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حباری کا گوشت کھایا۔“

تشریح: صاحب غیاث اللغات لکھتے ہیں کہ:

”حباری ایک پرندہ ہے مرغابی کے برابر، اور رنگ اس کا زرد یا سیاہ ہوتا ہے، فارسی میں اس کو ”چرز“ کہتے ہیں۔ از شرح نصاب از مولانا یوسف وصحاح۔ اور صاحب منتخب نے لکھا ہے کہ اس کو فارسی میں تغدری کہتے ہیں۔“

”أردو کشتری بورڈ کراچی“ کی مرتب کردہ اردو لغت میں ہے:

”تغدری (بضم تاء، وسکون غین، وفتح دال) اسم مؤنث، تلور یا تیر کے خاندان کا ایک پرندہ (دیکھئے: تلداری، تلدار) بلاد عرب کے پرندوں میں سے شتر مرغ، ہنس، چرخ، چکور، کوا، تغدری کبوتر، شہری اور جنگلی وغیرہ بہت ہیں۔“

(رسالہ علم جغرافیہ ۹/۴)

اسی میں ”جباری“ کے تحت لکھا ہے:

”جبار، جباری (بضم جاء، الف) (مقصودہ) (بشکل ی) اسم مذکر، مرغابی کے برابر ایک پرندہ، رنگ زرد یا سیاہ ہوتا ہے، گردن خاکی ہوتی ہے۔ چرذ، تغدیری، شاہ پسند، سرخان۔ جباری ایک جانور (پرندہ) ہے بزرگ، دراز گردن، ہندی میں اس کا نام نہیں ہے، تمام مذاہب میں حلال ہے، مگر بعض مذاہب امامیہ میں مکروہ ہے۔“
(۱۸۸۳ء، صید گاہ شوکتی ص: ۲۸۳)

بھنا ہوا گوشت کھانا

[حدیث: ۹۲۶] ”أَنَّ أُمَّ سَلَمَةَ أَخْبَرَتْهُ أَنَّهَا قَرَّبَتْ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَنْبًا مَشْوًى فَأَكَلَ مِنْهُ، ثُمَّ قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ وَمَاتُوا حَيًّا“
(ترمذی ج: ۲ ص: ۵: ”باب مَا جَاءَ فِي أَكْلِ الشَّوَاءِ“)

ترجمہ: ”حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں چانپ کا بھنا ہوا گوشت پیش کیا، آپ ﷺ نے اس میں سے تناول فرمایا، پھر اٹھ کر نماز پڑھنے کے لئے تشریف لے گئے، اور وضو نہیں فرمایا۔“

تشریح: ان احادیث شریفہ میں آنحضرت ﷺ سے مختلف اشیاء کا تناول فرماتا ثابت ہوتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے یہاں کھانے پینے کے معاملے میں تکلف اور کسی خاص چیز کا اہتمام نہیں تھا، جس موقع پر جو حلال و طیب چیز بھی میسر آ جاتی اس کو تناول فرما لیتے، اور حق تعالیٰ شانہ کا شکر بجالاتے۔
فائدہ:..... اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ آگ کی پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو لازم نہیں آتا، جمہور ائمہ کا یہی قول ہے۔

تکلیف لگا کر کھانا مکروہ ہے

[حدیث: ۹۲۷] ”عَنْ أَبِي جَحِيفَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَمَّا أَنَا فَلَا أَكُلُ مَفْكَئًا۔“

(ترمذی ج: ۲ ص: ۵: ”باب مَا جَاءَ فِي تَزَاهِيَةِ الْأَكْلِ مَفْكَئًا“)

ترجمہ: ”حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں تو تکلیف لگا کر نہیں کھاتا!“

تشریح: اس مضمون کی احادیث متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ بغیر عذر کے تکیے سے ٹیک لگا کر کھانا مکروہ ہے، کیونکہ یہ تکبر کی علامت ہے، اور غلام اپنے آقا کے دسترخوان پر آقا کے سامنے متکبرانہ ہیئت سے نہیں بیٹھتا، بلکہ عجز و تذلل کے ساتھ متواضعانہ انداز میں بیٹھتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

”عائشہ! اگر میں چاہتا تو سونے کے پہاڑ میرے ساتھ چلا کرتے، ایک فرشتہ میرے پاس آیا، اور کہا کہ: آپ کا رب (جل و علا شانہ) آپ کو سلام کہتا ہے اور آپ سے فرماتا ہے کہ: اگر آپ چاہیں تو نبی بادشاہ بن کر رہیں، اور اگر چاہیں تو ”بندہ“ (عبد) بن کر رہیں۔ جبریل علیہ السلام نے اشارہ کیا کہ اپنے آپ کو گرا دیجئے، چنانچہ میں نے عرض کیا کہ: میں نبی عبد (بندہ نبی) بن کر رہنا چاہتا ہوں۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: اس ارشاد کے بعد آنحضرت ﷺ مکہ لگا کر نہیں کھاتے تھے، اور فرماتے تھے کہ: میں تو ایسے کھاتا ہوں جیسے غلام کھاتا ہے، اور ایسے بیٹھتا ہوں جیسے غلام بیٹھتا ہے۔“ (تفہیم حیر ج: ۳، ص: ۱۲۸)

آنحضرت ﷺ کو شیرینی اور شہد مرغوب تھے

[حدیث: ۹۲۸] ”عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّ الْخُلُوءَ وَالْعَسَلَ۔“ (ترمذی ج: ۲، ص: ۵، ”باب ما جاء في حب النبي صلى الله عليه وسلم الخُلُوءَ وَالْعَسَلَ“)

ترجمہ: ”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ میٹھی چیز سے اور شہد سے رغبت فرماتے تھے۔“

تشریح: ”خلو“ عربی میں میٹھی چیز کو کہتے ہیں، شیرینی سے رغبت فطرت سلیمہ اور صحت مزاج کا تقاضا ہے، یہی وجہ ہے کہ بچوں کو بہ نسبت بڑوں کے شیرینی سے رغبت زیادہ ہوتی ہے، کیونکہ ان کا مزاج فطرت کے قریب تر ہوتا ہے۔ اور شہد سے رغبت ہونا ایک تو اس کی شیرینی کی وجہ سے ہے، دوسرے یہ کہ حق تعالیٰ نے اس کو ”شِفَاءٌ لِلنَّاسِ“ فرمایا ہے، یہ گویا اس سے رغبت کی عقلی وجہ تھی، اور آنحضرت ﷺ کے لئے امور عقلیہ طبعیہ کا درجہ رکھتے تھے، واللہ اعلم!

شور باز یادہ کرنے کا حکم

[حدیث: ۹۲۹] ”عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ الْمُرَبِّي عَنْ أَبِيهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ

اللہ صَلَّی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّم: إِذَا اشْتَرَى أَحَدُكُمْ لَحْمًا فَلْيَكْثِرْ مَرَّقَتَهُ فَإِنْ لَمْ يَجِدْ لَحْمًا أَصَابَ مَرَقَةً وَهِيَ أَحَدُ اللَّحْمَيْنِ۔“

(ترمذی ج: ۲ ص: ۵: ”باب ما جاء في إكثار ماء المرققة“)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ مزی بن النبیؓ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: تم میں سے ایک آدمی جب گوشت خریدے تو اس کا شور باز زیادہ کر لے، پس اگر گوشت نہیں ملے گا تو شور بابل جائے گا، وہ بھی ایک قسم کا گوشت ہے۔“

تشریح: یعنی اگر بوٹی میسر نہ آئے تو شور یا بھی غیبت ہے کہ گوشت کی لذت اس سے بھی حاصل ہو جائے گی۔ اور اطباء کہتے ہیں کہ گوشت کے پورے فوائد شور بے میں موجود ہوتے ہیں۔

[حدیث: ۹۳۰] ”عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَخْجُرُنِي أَحَدُكُمْ شَيْئًا مِنَ الْمَغْرُوفِ، وَإِنْ لَمْ يَجِدْ فَلْيُلْقِ أَصْحَابَهُ يَوْخِ طَلِيقٍ، وَإِذَا اشْتَرَيْتَ لَحْمًا أَوْ طَبَخْتَ فَذَرِ أَفَّاكْثِرْ مَرَقَتَهُ وَاعْرِفْ لِجَارِكَ مِنْهُ۔“

(ترمذی ج: ۲ ص: ۵)

ترجمہ: ”حضرت ابو ذرؓ آنحضرت ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں: تم میں سے کوئی شخص بھلائی کے کام کو حقیر نہ سمجھے، اور اگر کوئی چیز نہ پائے تو اپنے بھائی سے کشادہ روئی کے ساتھ ہی مل لے، اور جب تو گوشت خریدے یا ہانڈی پکائے تو اس کا شور باز زیادہ کر لے، اور اس میں سے اپنے ہمسائے کو چمچ بھر کے دے دے۔“

تشریح: اس حدیث پاک میں چند مکارم اخلاق کی تعلیم فرمائی گئی ہے۔

اڈل: یہ کہ کسی کے ساتھ حسن سلوک اور بھلائی کو حقیر نہ سمجھا جائے، یہ ہدایت حسن سلوک کرنے والوں کے لئے بھی ہے، اور جن کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے ان کے لئے بھی، کیونکہ کسی غریب کے گھر میں کوئی چیز پکی ہو تو اس کا جی چاہے گا کہ ہمسایوں کے گھر میں بھی دی جائے (اور شریعت کا حکم بھی یہی ہے) لیکن اس کو احساس کمتری مانع ہوتا ہے کہ ایسی معمولی اور حقیری چیز ہمسایوں کے گھر کیا پہنچاؤں؟ اور اگر ہمت کر کے پہنچا بھی دے تو ہمسائی سو سو عیب نکالتی ہے کہ بھلا ایسی چیز لانے کی کیا ضرورت تھی؟ الغرض دینے والے کا احساس کمتری اور لینے والے کی نکتہ چینی عام طور سے ایک دوسرے کے ساتھ حسن سلوک سے مانع ہو جاتی ہے۔ اس لئے ہدایت فرمائی گئی کہ حسن سلوک خواہ کتنی ہی معمولی چیز کے ساتھ ہو اس کو حقیر نہ سمجھا جائے، نہ دینے والا اس کو معمولی سمجھ کر چھوڑے اور نہ لینے والا معمولی سمجھ کر اس کی حقیر کرے۔

دوم: دوسری تعلیم یہ فرمائی گئی کہ اگر کوئی نادار ہے، کسی کی مالی خدمت نہیں کر سکتا تو کم سے کم اتنا

ہی کر لے کہ ہر ایک کے ساتھ کشادہ روی سے پیش آنے کی عادت ڈال لے، کہ یہ بھی صدقہ ہے، اور اس کے ذریعے لوگوں کی دل جوئی کی جاسکتی ہے۔

سوم:..... گھر میں گوشت پکایا جائے تو ہمسایوں کو دینے کی نیت سے اس کا شور باذر اسازیاہ کر لیا جائے، اور اس میں سے ہمسائے کی خبر گیری کی جائے، خواہ تھوڑی مقدار ہو، اس کو معمولی بات نہ سمجھا جائے، یہ معدنِ نبوت سے نکلے ہوئے ہیرے اور جوہرات ہیں۔

ثرید کی فضیلت کے بیان میں

[حدیث: ۹۳۱] ”عَنْ أَبِي مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: كَمَلُ

مِنَ الرِّجَالِ كَثْبِيرٌ، وَلَمْ يَكْمَلْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ وَآسِيَةُ امْرَأَةِ

فِرْعَوْنَ، وَفَضْلٌ عَائِشَةُ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيدِ عَلَى سَائِرِ الطَّعَامِ“

(ترمذی ج: ۲ ص: ۵: ”باب ما جاء في فضل الثريد“)

ترجمہ: ”حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، آنحضرت ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: مردوں میں سے تو بہت کامل ہوئے مگر عورتوں میں نہیں کامل ہوئی مگر مریم عمران کی بیٹی، اور آسیہ فرعون کی بیوی، اور عائشہ کی فضیلت تو عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید کی فضیلت باقی کھانوں پر۔“

تشریح: حدیث پاک کے پہلے فقرے کا مطلب یہ ہے کہ مردوں کی جماعت میں سے تو بے شمار حضرات کامل ہوئے، کیونکہ اس جماعت میں کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار تو حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام ہیں جو سب کے سب کامل ہیں، پھر ہر اُمت میں (خصوصاً آنحضرت ﷺ کی اُمت میں) بے شمار حضرات ایسے ہیں جو صدیقیت و شہادت اور ولایتِ کبریٰ کے مقام پر فائز ہوئے، یہ تمام حضرات، جن کی تعداد اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں، درجہ بدرجہ سب کے سب کامل تھے، اور مردوں کی جماعت کے مقابلے میں عورتوں کی جماعت کو دیکھئے، ان میں شاذ و نادر ہی ایسی ہوگی جو صدیقیت کے مرتبے کو پہنچی ہو، کیونکہ نبوت صرف مردوں کے لئے ہے، خواتین نبی نہیں ہوتیں۔ عورتوں کی جماعت میں بھی بہت سی اللہ تعالیٰ کی بندیاں کامل ہوئی ہوں گی، مگر حضرت مریم بنت عمران رضی اللہ عنہا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کو قرآن کریم میں ”صدیقہ“ فرمایا ہے، اور ان کی کرامتوں کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ اسی طرح فرعونیا کی بیوی حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا کی قرآن کریم میں مدح فرمائی گئی ہے، ان دونوں کے کامل ہونے میں کیا شبہ ہے؟ اور ایک حدیث میں اُمّ المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا اور خاتونِ جنت حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے اسمائے گرامی بھی کاملین

میں ذکر فرمائے گئے ہیں۔

گوشت کو دانتوں سے نوچنے کا حکم

[حدیث: ۹۳۲] ”عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْخَارِثِ قَالَ: رَزَوْنِي أَبِي قَدْغَا أَنَا مَنَا فِيهِمْ صُفْوَانُ بْنُ أُمَيَّةَ فَقَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: انْهَضُوا اللَّحْمَ نَهَضًا، فَإِنَّهُ أَهْنَأُ وَأَمْرَأُ“

(ترمذی ج: ۲ ص: ۵ ”باب مَا جَاءَ انْهَضُوا اللَّحْمَ نَهَضًا“)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن حارث فرماتے ہیں کہ: میرے والد ماجد نے میری شادی کی تو چند لوگوں کو مدعو کیا، جن میں صفوان بن امیہ بھی تھے، پس فرمایا کہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ: گوشت کو دانتوں سے نوچ کر کھایا کرو، یہ طریقہ زیادہ لذیذ بھی ہے اور خوشگوار بھی۔“

چھری سے گوشت کاٹنے کی اجازت

[حدیث: ۹۳۳] ”عَنْ جَعْفَرِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ أُمَيَّةَ الضَّمَرِيِّ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اخْتَرَمَ مِنْ كَيْفِ شَاةٍ فَأَكَلَ مِنْهَا ثُمَّ مَضَى إِلَى الصَّلَاةِ وَلَمْ يَتَوَضَّأْ“ (ترمذی ج: ۲ ص: ۶ ”باب مَا جَاءَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الرِّخْصَةِ فِي قَطْعِ اللَّحْمِ بِالسِّكِّينِ“)

ترجمہ: ”جعفر بن عمرو بن امیہ الضمریؒ اپنے والد ماجد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے بکری کے شانے کا گوشت چھری سے کاٹا، پھر اس میں سے تناول فرمایا، پھر نماز کے لئے تشریف لے گئے اور وضو نہیں فرمایا۔“

تشریح: کھانے کو چھری سے کاٹنا اگر ضرورت کی بنا پر ہو تو صحیح ہے، آنحضرت ﷺ کا اس موقع پر چھری سے کاٹنا اس بنا پر تھا کہ گوشت پورا تیار نہیں ہوا تھا اور آنحضرت ﷺ کو نماز کے لئے تشریف لے جانے کی جلدی تھی۔

اس حدیث میں جو ذکر فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے وضو نہیں فرمایا، یہ کہنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں اس مسئلے میں اختلاف ہوا کہ آیا آگ پر پکی ہوئی چیز سے وضو لازم آتا ہے یا نہیں؟ بعض حضرات اس کے قائل تھے، لیکن بالآخر پھر اس پر اجماع ہو گیا کہ آگ کی پکی ہوئی چیز

کھانے سے وضو لازم نہیں آتا۔ اور جن احادیث سے اس کا شبہ ہوتا ہے وہ یا تو منسوخ ہیں یا اس سے لغوی معنی یعنی کلی کرنا اور منہ صاف کرنا مراد ہے۔

گوشت کا کون سا حصہ آنحضرت ﷺ کو محبوب تھا؟

[حدیث: ۹۳۴] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِلَحْمٍ فَذَفَعَ إِلَيْهِ الذَّرَاغَ وَكَانَ يَغْجِبُهُ فَتَهَسَّ مِنْهَا.“ (ترمذی ج: ۲ ص: ۶) ”باب ما جاء أَيْ اللَّحْمِ كَانَ أَحَبَّ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ“

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں گوشت لایا گیا، پس دسی کا گوشت آپ ﷺ کو پیش کیا گیا اور یہ گوشت آنحضرت ﷺ کو بہت مرغوب تھا، پس آنحضرت ﷺ نے دانتوں سے نوچ کر تناول فرمایا۔“

تشریح: دسی کا گوشت آنحضرت ﷺ کو مرغوب ہونا، بعض اکابر رضی اللہ عنہم نے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ گوشت کا یہ حصہ جلدی تیار ہو جاتا ہے، اور آنحضرت ﷺ کو چونکہ مصروفیت بہت ہوا کرتی تھی اس لئے جو حصہ جلدی تیار ہو جاتا تھا اس کو پسند فرماتے تھے، تاکہ تناول فرما کر کام میں لگیں۔

اور بعض حضرات نے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ یہ گوشت زود ہضم بھی ہوتا ہے اور اس میں ریشہ نہیں ہوتا۔

[حدیث: ۹۳۵] ”عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: مَا كَانَ الذَّرَاغَ أَحَبَّ لِلَّحْمِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَكِنْ كَانَ لَا يَجِدُ اللَّحْمَ إِلَّا غَبَاءً، فَكَانَ يَغْجَلُ إِلَيْهِ لِأَنَّهُ أَغْجَلُهَا نَضْجًا.“ (ترمذی ج: ۲ ص: ۶)

ترجمہ: ”عباد بن عبد اللہ بن زبیر اپنے والد ماجد حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے اور وہ اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ: دسی کا گوشت آنحضرت ﷺ کو زیادہ محبوب تھا، لیکن بات یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ کو گوشت کبھی گاہے گاہے میسر آتا تھا۔ (ادھر آنحضرت ﷺ مشغول ہوتے تھے) پس یہ گوشت جلدی میں آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا جاتا، کیونکہ یہ حصہ جلدی تیار ہو جاتا ہے۔“

تشریح: اوپر اس ناکارہ نے جن دو وجوہ کا ذکر کیا ان میں سے ایک یہ ہے، اور یہ چونکہ خود حضرت اُم المؤمنین رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، اس لئے بلاشبہ اس کو ترجیح حاصل ہے۔ اگرچہ دوسری توجیہ بھی اس کے خلاف

نہیں، بلکہ بعید نہیں کہ آنحضرت ﷺ کی فطرت سلیمہ اس کی معنوی خصوصیات کی بنا پر اس سے رغبت رکھتی ہو، گویا ایک ظاہری وجہ ہے اور ایک باطنی۔

سرکہ کے بارے میں

[حدیث: ۹۳۶] ”عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: نِعْمَ الْإِدَامُ

الْخَلُّ۔“ (ترمذی ج: ۲ ص: ۶۰ ”باب مَا جَاءَ فِي الْخَلِّ“)

ترجمہ: ”حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بہت ہی اچھا سالن ہے سرکہ۔“

تشریح: صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اس حدیث میں یہ قصہ مذکور ہے کہ: میں ایک جگہ بیٹھا تھا، آنحضرت ﷺ وہاں سے گزرے تو ہاتھ کے اشارے سے مجھے بلایا، میں اٹھ کر آیا تو میرا ہاتھ پکڑ کر اُمہات المؤمنین رضی اللہ عنہا میں سے ایک بی بی کے گھر مجھے اپنے ساتھ لے گئے، اندر تشریف لے جا کر مجھے بلایا، میں اندر گیا تو گھروالوں سے فرمایا کہ: کھانے کی کوئی چیز ہے؟ چنگیر میں رکھ کر آپ ﷺ کی خدمت میں تین روٹیاں پیش کی گئیں، آپ ﷺ نے ایک روٹی سامنے رکھ لی، ایک میرے سامنے رکھ دی، اور ایک روٹی آدھی اپنے سامنے اور آدھی میرے سامنے رکھی، پھر فرمایا: روٹی کے ساتھ کھانے کو سالن بھی ہے؟ عرض کیا گیا: سالن کچھ نہیں، البتہ سرکہ ہے۔ فرمایا: وہی لاؤ! سرکہ تو بہت اچھا سالن ہے! سرکہ تو بہت اچھا سالن ہے! اس حدیث پاک سے سرکہ کی فضیلت معلوم ہوئی، حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: جب میں نے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد سنا تب سے سرکہ مجھے محبوب ہو گیا۔

اس حدیث سے آنحضرت ﷺ کی بے تکلف اور سادہ معاشرت بھی معلوم ہوئی، کہ کھانے پینے میں متکلف نہیں تھے، جو کچھ وقت پر میسر آ جاتا تناول فرمالیتے اور حمد و شکر بجالاتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کھانے پینے میں سادگی اور میانہ روی کو اختیار کرنا اور نفس کو لذائذ سے باز رکھنا اچھی بات ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سرکہ بہت عمدہ سالن ہے۔ اگر کوئی شخص قسم کھالے کہ وہ سالن سے روٹی نہیں کھائے گا، پھر سرکہ کے ساتھ کھالے تو حابث ہو جائے گا، اور اس کی قسم ٹوٹ جائے گی۔ ایک حدیث میں ہے کہ سرکہ انبیاء علیہم السلام کا سالن ہے۔ سرکہ کے منافع کتب طب میں بہت لکھے ہیں (مظاہر حق)۔

[حدیث: ۹۳۷] ”عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: نِعْمَ

الْإِدَامُ الْخَلُّ۔“ (ترمذی ج: ۲ ص: ۶۰)

ترجمہ: ”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: بہت ہی

اچھا سالن ہے سرکہ۔“

[حدیث: ۹۳۸] ”عَنْ أُمِّ هَانِئٍ بِنْتِ أَبِي طَالِبٍ قَالَتْ: دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: هَلْ عِنْدَ كُمْ شَيْءٌ؟ فَقُلْتُ: لَا إِلَّا كِسْرٌ يَابِسَةٌ وَعَلٌّ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قُزِّيهِ! فَمَا أَفْقَرُ نَبِيٍّ مِنْ أَذْمٍ فِيهِ خَلٌّ۔“

(ترمذی ج: ۲ ص: ۶)

ترجمہ: ”حضرت ام ہانیؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ میرے پاس تشریف لائے تو فرمایا: کیا تمہارے پاس کھانے کی کوئی چیز ہے؟ میں نے عرض کیا: کچھ نہیں! البتہ روٹی کے کچھ سوکھے ٹکڑے ہیں اور سرکہ ہے۔ فرمایا: وہی لاؤ! جس گھر میں سرکہ ہو وہ سالن سے خالی نہیں ہوتا۔“

تازہ کھجور کے ساتھ ملا کر تربوز کھانے کا بیان

[حدیث: ۹۳۹] ”عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْكُلُ الْبَطِیْخَ بِالزُّطْبِ۔“ (ترمذی ج: ۲ ص: ۶) ”باب مَا جَاءَ فِي أَكْلِ الْبَطِیْخِ بِالزُّطْبِ“

ترجمہ: ”حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ تربوز کو تازہ کھجور کے ساتھ ملا کر تناول فرماتے تھے۔“

تشریح: تربوز زطب بارد ہے، اور کھجور یابس ہے، دونوں کو ملانے سے اعتدال پیدا ہو جائے گا۔

تازہ کھجور کے ساتھ ککڑی کھانے کا بیان

[حدیث: ۹۴۰] ”عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ: كَانَ الْمُتَنَبِّئُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُ الْقَفَاءَ بِالزُّطْبِ۔“

(ترمذی ج: ۲ ص: ۶) ”باب مَا جَاءَ فِي أَكْلِ الْقَفَاءِ بِالزُّطْبِ“

ترجمہ: ”حضرت عبد اللہ بن جعفرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ تازہ کھجور کے ساتھ ککڑی تناول فرمایا کرتے تھے۔“

تشریح: ککڑی ٹھنڈی ہوتی ہے اور کھجور گرم، دونوں کے ملانے سے اعتدال پیدا ہو جاتا ہے،

چنانچہ اسی حدیث میں یہ اضافہ بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: اس کی گرمی، اس کی سردی کو، اور اس کی سردی اس کی گرمی کو ختم کر دے گی۔ علاوہ ازیں ککڑی پھیکی ہوتی ہے، شیرینی کے لئے اس کو کھجور کے ساتھ ملا کر کھایا جاتا ہے۔

کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد ہاتھ دھونا

[حدیث: ۹۳۱] ”عن سلمان قال: قرأت فی التوراة ان بركة الطعام الوضوء بعده، قد كثرت ذلك للنبي صلى الله عليه وسلم فأخبرته بما قرأت في التوراة فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: بركة الطعام الوضوء قبله والوضوء بعده۔“ (ترمذی ج: ۲ ص: ۶، ”باب الوضوء قبل الطعام وبعده“) ترجمہ: ”حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے توراة میں پڑھا کہ کھانے کی برکت کھانے کے بعد ہاتھ دھونا ہے، میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا کہ میں نے توراة میں یہ پڑھا ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: کھانے کی برکت کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد ہاتھ دھونا ہے۔“

تشریح: یہاں چند امور لائق ذکر ہیں:

۱:..... یہ حدیث، جیسا کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اشارہ فرمایا ہے، ضعیف ہے، لیکن شدید ضعیف نہیں، فی الجملہ قابل قبول ہے۔

۲:..... حدیث میں کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد وضو کرنے کا ذکر ہے، مگر میں نے وضو کا ترجمہ ”ہاتھ دھونے“ سے کیا ہے، کیونکہ آگے صفحہ: ۸ پر حضرت عکراش رضی اللہ عنہ کا قصہ آرہا ہے، جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ دھونے کے بعد فرمایا: ”عکراش اب وضو ہے آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد۔“

۳:..... کھانے سے پہلے ہاتھ دھونا صفائی کے لئے ہے، کیونکہ ہاتھ بے خیالی میں جگہ بے جگہ لگتا رہتا ہے، اور کھانے کے بعد ہاتھ دھونا کھانے کی چکنائی اور بو وغیرہ کو زائل کرنے کے لئے ہے، واللہ اعلم! ۴:..... کھانے کے لئے گنوں تک ہاتھ دھونے چاہئیں، بعض متکبرین صرف انگلیاں دھولیتے ہیں، اور بعض صرف داہنا ہاتھ دھولیتے ہیں، یہ دونوں فعل خلاف سنت ہیں۔

۵:..... کھانے سے پہلے ہاتھ دھوئے جائیں تو ان کو تویہ یا کپڑے سے پونچھنا نہیں چاہئے، کھانے کے بعد ہاتھ دھو کر تویہ استعمال کر سکتے ہیں۔

۶:..... ایک روایت میں ہے کہ کھانے سے پہلے ہاتھ دھونا ایک نیکی ہے، اور کھانے کے بعد ہاتھ دھونا دو نیکیاں ہیں۔ بعض اکابر رحمۃ اللہ علیہم نے فرمایا کہ: کھانے سے پہلے ہاتھ دھونا توراة کی شریعت ہے، جیسا کہ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے معلوم ہوا، اور کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھونا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت ہے، اس لئے اس پر ڈگنا آج ہے (اتحاف)۔

کھانے سے پہلے وضو نہ کرنے کے بیان

[حدیث: ۹۳۲] ”عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ مِنَ الصَّلَاةِ فَقَرَّبَ إِلَيْهِ طَعَامٌ فَقَالُوا: أَلَا تَأْتِيكَ يَوْضُوءٌ؟ قَالَ: إِنَّمَا أُهْزِتْ بِالْيَوْضُوءِ إِذَا قُمْتُ إِلَى الصَّلَاةِ۔“

(ترمذی ج: ۲ ص: ۷۰ ”باب فی ترک الوضوء قبل الطعام“)

ترجمہ: ”ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ جائے ضرورت سے باہر تشریف لائے تو آپ ﷺ کی خدمت میں کھانا پیش کیا گیا، عرض کیا گیا کہ: کیا وضو کا پانی لائیں؟ فرمایا: مجھے وضو کا حکم صرف اس وقت دیا گیا ہے جبکہ نماز کے لئے اٹھوں۔“

تشریح: یعنی وضو صرف نماز کے لئے (اور نماز کے حکم میں جو چیزیں ہیں، ان کے لئے) ضروری ہے، کھانے سے پہلے وضو ضروری نہیں، بلکہ ہاتھ صاف کر لینا کافی ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے کو پسند نہیں فرماتے تھے، نیز سالن کے پیالے کے نیچے روٹی رکھنے کو مکروہ قرار دیتے تھے۔

روٹی پیالے کے نیچے رکھنا تو بلاشبہ مکروہ ہے کہ اس میں کھانے کی بے قدری ہے، لیکن کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے کو ناپسند فرمانے کی وجہ معلوم نہیں ہو سکی، جبکہ احادیث میں اس کی ترغیب آئی ہے، یہ احادیث اگرچہ ضعیف ہیں لیکن ان میں مجموعی طور پر فی الجملہ قوت پائی جاتی ہے، چنانچہ اکثر اہل علم نے کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے کو آداب میں شمار کیا ہے، واللہ اعلم!

گھیا کدو کھانے کے بیان میں

[حدیث: ۹۳۳] ”عَنْ أَبِي طَالُوتٍ قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ وَهُوَ يَأْكُلُ الْقُرْعَ وَهُوَ يَقُولُ: يَا لَكَ شَجَرَةً مَا أَحْبَبَ إِلَيَّ لِحَبِّ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا لَكَ۔“

(ترمذی ج: ۲ ص: ۷۰ ”باب ما جاء في أكل الذُّبَابِ“)

ترجمہ: ”ابو طالت رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، وہ گھیا کدو کھا رہے تھے، اور اسے مخاطب کر کے فرما رہے تھے: واہ! تو مجھے کس قدر مرغوب ہے؟ کیونکہ آنحضرت ﷺ تجھے پسند فرماتے تھے۔“

[حدیث: ۹۳۵] ”عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَتَبَعُ فِي الصُّحُفِ الذُّبَابَ فَلَا أَرَاهُ أَحَبُّهُ۔“

(ترمذی ج: ۲ ص: ۷۰)

ترجمہ: ”حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ سالن کی رکابی میں گھیا کدو کے قتلے تلاش کر رہے تھے، پس اس وقت سے میں ہمیشہ اس ترکاری کو پسند کرنے لگا۔“

زیتون کا تیل کھانے کے بیان میں

[حدیث: ۹۳۶] ”أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كُلُوا الزَّيْتِ وَأَذْهِنُوا بِهِ فَإِنَّهُ مِنْ شَجَرَةٍ مُبَارَكَةٍ.“

(ترمذی ج: ۲ ص: ۷۰ ”باب ما جاء في أكل الزيت“)

ترجمہ: ”حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: زیتون کا تیل کھایا کرو اور اس کو بدن پر ملا کرو، کیونکہ یہ بابرکت درخت سے ہے۔“

تشریح: اس حدیث شریف میں زیتون کا تیل کھانے اور اس کو بدن پر ملنے کی تعلیم و ترغیب فرمائی۔

غلاموں کے ساتھ کھانے کے بیان میں

[حدیث: ۹۳۷] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ يُغَيِّرُهُمْ ذَلِكَ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا كَفَى أَحَدُكُمْ خَادِمَهُ طَعَامَهُ حَزْرَهُ وَدُخَانَهُ فَلْيَأْخُذْ بِيَدِهِ فَلْيَقْبِضْهُ مَعَهُ، فَإِنْ أَبَى فَلْيَأْخُذْ لَقْمَةً فَلْيَطْعُمْهُ إِيَّاهَا.“

(ترمذی ج: ۲ ص: ۷۰ ”باب ما جاء في الأكل مع المملوك“)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: جب تم میں سے کسی کا خادم اس کے کھانے پکانے کی کفایت کرے، اس کی گرمی اور دھوئیں کو برداشت کرے تو اس (خادم) کو چاہئے کہ اس (خادم) کا ہاتھ پکڑ کر کھانے کے لئے اس کو اپنے ساتھ بٹھالے، پس اگر ایسا نہ کر سکے تو (کچھ کھانا، خواہ) ایک ہی لقمہ (ہو) لے کر اس کو کھلا دے۔“

تشریح: اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے حکام و اخلاق کی تعلیم فرمائی ہے کہ خادم، ملازم یا غلام نے تمہیں کھانا تیار کر کے دیا، اور تمہیں اس کی تیاری کی زحمت سے بچایا، خود گرمی اور دھواں برداشت کیا، بڑی بے مروتی کی بات ہوگی کہ اس مسکین کو کھانے میں شریک نہ کرو، خود تو سارا ہڑپ کر جاؤ اور وہ اس کے ذائقے سے بھی محروم رہے۔ اس لئے بہتر تو یہ ہے کہ اس کو دسترخوان میں شریک کرو، اور اگر ایسا نہیں کر سکتے تو کم سے کم اتنا تو ہو کہ کھانے کا کچھ حصہ اس کو بھی دے دو۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گھر کی مستورات جو کھانا تیار کرتی ہیں ان کی بھی قدر افزائی ہونی چاہئے۔ ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ: ایک مرتبہ ایک صاحب نے مجھے اپنے گھر پر مدعو کیا، کھانے سے فارغ ہو کر میں نے دعائیں دیں اور خاتونِ خانہ کی تعریف کی کہ انہوں نے بڑا اچھا کھانا تیار کیا۔ خاتونِ خانہ پردے کے پیچھے سے سن رہی تھیں، کہنے لگیں کہ: حضرت! آج پہلی مرتبہ اس گھر میں اپنے کھانا پکانے کی تعریف سن رہی ہوں۔ اپنے شوہر کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگیں کہ: انہوں نے کبھی کھانے کی تحسین نہیں کی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اس واقعے کو ذکر کر کے فرمایا کرتے تھے کہ: نبھی! بڑی بے مروتی کی بات ہے کہ وہ تمہاری خاطر اتنی مشقت برداشت کرتی ہیں اور تم زبان سے دو بول بھی نہیں کہہ سکتے۔

کھانا کھلانے کی فضیلت

[حدیث: ۹۳۸] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَفْشُوا السَّلَامَ، وَأَطْعَمُوا الطَّعَامَ، وَاضْرِبُوا الطَّعَامَ، تُوزَنُ ثَوَابُ الْجَنَّةِ۔“

(ترمذی ج: ۲ ص: ۷۰ ”باب ما جاء في فضل إطعام الطعام“)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سلام پھیلاؤ، کھانا کھلاؤ، کافروں کی کھوپڑیوں کو مارو، جنت کے وارث بنائے جاؤ گے۔“

[حدیث: ۹۳۹] ”عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اغْذُوا الرِّحْلَيْنِ، وَأَطْعَمُوا الطَّعَامَ، وَأَفْشُوا السَّلَامَ، تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ۔“

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ اس روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: رحمن کی عبادت کرو، کھانا کھلایا کرو، سلام پھیلاؤ، سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔“

رات کا کھانا کھانے کی فضیلت

[حدیث: ۹۵۰] ”عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: تَعَشَّوْا لَوْ يَكْفِي مِنْ خَشْفٍ، فَإِنَّ تَرْكَ الْعِشَاءِ مَهْرُومٌ۔“

(ترمذی ج: ۲ ص: ۷۰ ”باب ما جاء في فضل العشاء“)

ترجمہ: ”حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

شام کا کھانا ضرور کھایا کرو، خواہ پرانی کھجور کی ایک ٹھٹی ہی کھالیا کرو، کیونکہ شام کا کھانا ترک کر دینا بڑھا پالا تہ ہے۔“

تشریح: یہ روایت، جیسا کہ حضرت مصنف رحمہ اللہ نے فرمایا، نہایت کمزور ہے، اس لئے اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب کرنا صحیح نہیں، غالباً یہ کسی حکیم کا قول ہے، جو عرب میں مشہور تھا، راوی نے اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی حیثیت سے نقل کر دیا، الغرض اسنادی حیثیت سے اس کا انتساب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب مشکل ہے، البتہ ایک تجربے کی بات کی حیثیت سے اس کو قبول کیا جاسکتا ہے۔

رات کا کھانا ترک کرنے سے جلدی بڑھا پانا آنے کی بات اگر صحیح ہو تو اس کی وجہ - واللہ اعلم - یہ ہو سکتی ہے کہ غذا بدن کے لئے بدل یا تحلیل مہیا کرتی ہے، اور اگر بدن کے تحلیل شدہ اجزاء کا بدل مہیا نہ کیا جائے تو صحت کا متاثر ہونا اور اس کے نتیجے میں بڑھاپے کا جلدی آنا ایک طبعی چیز ہے، اب اگر آدمی بھوکا سوئے تو رات کے طویل وقفے میں اجزاء بدن کی تحلیل تو ہوگی، لیکن ان اجزاء کا بدل مہیا نہیں ہو سکے گا، واللہ اعلم!

کھانے سے پہلے بسم اللہ شریف پڑھنا

[حدیث: ۹۵۱] ”عَنْ عُمَرَ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ أَنَّهُ دَخَلَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعِنْدَهُ طَعَامٌ قَالَ: اذْنُ يَا بُنَيَّ! فَسَمِعَ اللَّهُ، وَكُلَّ بِمِثْنَيْكَ وَكُلَّ وَمَا يَلِيكَ“ (ترمذی ج: ۲ ص: ۸، ۷، ”باب مَا جَاءَ فِي التَّسْبِيحِ عَلَى الطَّعَامِ“)

ترجمہ: ”حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھانا رکھا تھا، فرمایا: بیٹا! قریب ہو جاؤ، بسم اللہ شریف پڑھو اور دائیں ہاتھ سے کھاؤ، اور اپنے آگے سے کھاؤ۔“

تشریح: حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ، اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا کے صاحبزادے ہیں، جب اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عقد ہوا تو یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت و تربیت میں آگئے، اس لئے ان کو ”بیٹا“ فرمایا۔

اس حدیث شریف سے کھانے کے چند آداب معلوم ہوئے:

۱:..... بسم اللہ شریف کے ساتھ کھانا شروع کیا جائے۔

۲:..... دائیں ہاتھ سے کھایا جائے۔

۳:..... اپنے آگے سے کھایا جائے۔

ان آداب کو بہت سی احادیث شریفہ میں بیان فرمایا گیا ہے، اس حدیث شریف سے یہ بھی معلوم

ہوا کہ بچوں کو آداب اور مکارم اخلاق کی تعلیم دینی چاہئے۔

کھانا کھانے کے چند آداب

[حدیث: ۹۵۲] ”قَالَ: بَعَثَنِي بَنُو مُرَّةَ بْنِ غُبَيْدٍ بِصَدَقَاتٍ أَمَوُ إِلَهُمُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَدِمْتُ عَلَيْهِ الْمَدِينَةَ فَوَجَدْتُهُ جَالِسًا بَيْنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ، قَالَ: ثُمَّ أَخَذَ بِيَدِي فَأَنْطَلَقَ بِي إِلَى بَيْتِ أُمِّ سَلَمَةَ فَقَالَ: هَلْ مِنْ طَعَامٍ؟ فَأَتَيْنَا بِحَفْنَةٍ كَثِيرَةٍ الثَّرِيدِ وَالْوُزْرِ وَأَقْبَلْنَا نَأْكُلُ مِنْهَا فَخَبَطْتُ بِيَدِي فِي ثَوَاجِيهَا وَأَكَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ فَقَبَضَ بِيَدِهِ الَّتِي سَرَى عَلَى يَدِي الَّتِي مَنَى ثُمَّ قَالَ: يَا عَكَرَاشُ! كُلْ مِنْ مَوْضِعٍ وَاحِدٍ فَإِنَّهُ طَعَامٌ وَاحِدٌ. ثُمَّ أَتَيْنَا بِطَبْقٍ فِيهِ أَلْوَانُ الثَّمَرِ وَالزَّرْطِ، شَكَ غُبَيْدُ اللَّهِ فَجَعَلْتُ أَكُلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْ وَجَالَتْ يَدُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الطَّبْقِ وَقَالَ: يَا عَكَرَاشُ! كُلْ مِنْ حَيْثُ شِئْتَ، فَإِنَّهُ غَيْرُ لَوْنٍ وَاحِدٍ. ثُمَّ أَتَيْنَا بِمَاءٍ فَعَسَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَيْهِ وَمَسَحَ بِثَلَاثِ كَفَّيْهِ وَجْهَهُ وَذِرَاعَيْهِ وَرَأْسَهُ وَقَالَ: يَا عَكَرَاشُ! هَذَا الْمَوْضُوءُ مِمَّا عَثَرْتُ النَّسَاءَ.“ (ترمذی ج: ۲ ص: ۸)

ترجمہ: ”حضرت عکراش بن ذویب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: مجھے بنو مرّة بن عبید کے لوگوں نے اپنے صدقات دے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا، میں آپ ﷺ کی خدمت میں مدینہ آیا تو میں نے آپ ﷺ کو اس حالت میں پایا کہ آپ ﷺ مہاجرین و انصار کے درمیان تشریف فرما ہیں، پھر آنحضرت ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے ساتھ لے کر حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے، آپ ﷺ نے فرمایا: کوئی کھانا ہے؟ پس ایک بڑا پیالہ لایا گیا، جس میں بہت ساثرید تھا اور گوشت کے ٹکڑے تھے، پس ہم اس سے کھانے لگے، پس میں تو اپنے ہاتھ برتن کے چاروں طرف گھما رہا تھا، اور آنحضرت ﷺ اپنے آگے سے تناول فرما رہے تھے، پس آنحضرت ﷺ نے اپنے بائیں ہاتھ سے میرا دایاں ہاتھ پکڑ لیا، پھر فرمایا: عکراش! ایک جگہ سے کھاؤ، کیونکہ یہ سارا ایک ہی کھانا ہے۔ پھر ہمارے پاس ایک طبق (تھال) لایا گیا جس میں مختلف اقسام کی کھجوریں تھیں (کچھ پختہ، کچھ نیم پختہ) پس میں تو اپنے آگے سے کھانے لگا، اور آنحضرت ﷺ کا ہاتھ مبارک پورے طبق میں گھوم رہا تھا، فرمایا: عکراش! جہاں

سے چاہو کھاؤ! کیونکہ یہ ساری ایک قسم کی نہیں ہیں، پھر ہمارے پاس پانی لایا گیا تو آنحضرت ﷺ نے اپنے ہاتھ دھوئے، اور ہاتھوں کی تری اپنے چہرے پر، کلائیوں پر اور سر پر مل لی، اور فرمایا: اے عکراش! یہ وضو ہے جو آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد کیا جاتا ہے۔“

تشریح: اس حدیث شریف سے کھانے کے چند آداب معلوم ہوئے:

۱:..... اگر کھانا یکساں ہو تو اپنے آگے سے کھایا جائے، اور اگر کھجوریں وغیرہ ایسی چیز ہو جو مختلف ہوتی ہیں تو اپنے ذوق کے مطابق انتخاب کر سکتے ہیں۔

۲:..... کھانے کے بعد ہاتھ دھونا مسنون ہے۔

۳:..... ہاتھوں پر جو پچکنائی لگی رہ جاتی ہے اس کو چہرے پر، کلائیوں پر، سر پر اور پاؤں کے تلووں پر مل لیا جائے۔

۴:..... جن احادیث میں آگ کی پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد وضو کرنے کا حکم آیا ہے، اس سے ہاتھ دھونا اور منہ صاف کرنا مراد ہے، جو وضو نماز کے لئے کیا جاتا ہے وہ مراد نہیں۔

[حدیث: ۹۵۳] ”عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

إِذَا أَكَلْتُمْ طَعَامًا فَلْيَقْلُ بِسْمِ اللَّهِ، فَإِنْ نَسِيَ فِي أَوَّلِهِ فَلْيَقْلُ بِسْمِ اللَّهِ فِي أَوَّلِهِ

وَاخِرِهِ، وَبِهَذَا الْإِسْنَادِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

يَأْكُلُ طَعَامًا فِي مَسْتَوٍ مِنْ أَصْحَابِهِ، فَيَجَاءُ أَحَدُ ابْنِي فَأَكْلَهُ بِلِقْمَتَيْنِ، فَقَالَ رَسُولُ

اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَمَا إِنَّهُ لَوْ مَسْنَى لَكُمَا كُفَّاهُ۔“ (ترمذی ج: ۲ ص: ۸)

ترجمہ: ”حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: آنحضرت ﷺ نے

ارشاد فرمایا کہ: جب تم میں سے کوئی شخص کھانا کھائے تو پہلے بسم اللہ پڑھے، پس اگر

شروع میں بسم اللہ شریف پڑھنا بھول جائے تو یاد آنے پر یوں کہے: ”بسم اللہ فی

أَوَّلِهِ وَآخِرِهِ“ (میں اللہ تعالیٰ کے پاک نام کے ساتھ کھاتا ہوں، کھانے کے اول میں

بھی اور آخر میں بھی)۔ نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: آنحضرت ﷺ چھ رُفقاء

کے ساتھ کھانا تناول فرما رہے تھے کہ اتنے میں ایک دیہاتی آکر کھانے میں شریک

ہو گیا، اس نے دو لقمے کھائے کہ کھانا ختم ہو گیا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: آگاہ رہو!

اگر اس شخص نے بسم اللہ شریف پڑھ لی ہوتی تو یہ کھانا تم سب کو کافی ہو جاتا۔“

تشریح: اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ اگر کسی کو کھانے کے شروع میں بسم اللہ شریف پڑھنا

یاد نہ رہے تو یاد آنے پر بسم اللہ فی اولہ و آخرہ کہنا چاہئے۔ شیخ ابن ہمام رحمہ اللہ نے ”فتح القدیر“ میں تحریر فرمایا ہے کہ: اگر کھانے کے درمیان یہ دُعا پڑھ لی جائے تو بسم اللہ شریف پڑھنے کی سنت ادا ہو جائے گی، کیونکہ کھانے کا ہر لقمہ گویا مستقل کھانا ہے، لیکن اگر وضو سے پہلے بسم اللہ شریف پڑھنا یاد نہیں رہا تو درمیان میں بسم اللہ شریف پڑھنے سے سنت ادا نہیں ہوگی۔

اس حدیث شریف سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بسم اللہ شریف کا کھانے کے شروع میں پڑھنا موجب برکت ہے، اور بسم اللہ شریف کا ترک کر دینا بے برکتی کا باعث ہے۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کھانے میں چند افراد شریک ہوں تو سب کو بسم اللہ شریف پڑھنی چاہئے، ورنہ کسی ایک کے ترک کر دینے سے پوری جماعت کے حق میں بے برکتی ظاہر ہوگی، واللہ اعلم!

کھانے کی بوہاتھوں میں ہو تو اس حالت میں رات گزارنا مکروہ ہے

[حدیث: ۹۵۴] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

إِنَّ الشَّيْطَانَ خَسَّاسٌ لَخَاسٍ فَاخْذِرْهُ عَلَى أَنْفُسِكُمْ! مَنْ بَاتَ وَفِي يَدَيْهِ رِيحُ غَمَرٍ فَأَصَابَهُ شَيْءٌ فَلَا يَلْوِظُ إِلَّا نَفْسَهُ“

(ترمذی ج: ۲ ص: ۸: ”باب ما جاء في كراهية اللبث في النوم في ريح غمر“)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما آنحضرت ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ: شیطان

ٹٹولنے والا، چاٹنے والا ہے، پس اس سے اپنی ذات کے بارے میں پرہیز رہو! جس

شخص نے اس حالت میں رات گزاری کہ اس کے ہاتھ میں کھانے کی بو تھی، پھر رات

میں اس کو کوئی چیز کاٹ لے تو اپنے نفس کے سوا کسی کو ملامت نہ کرے۔“

تشریح: رات کو کھانا کھانے کے بعد ہاتھ اچھی طرح دھو کر صاف کر لینا چاہئیں کہ کھانے کی

گوشت کی چربی کی بوہاتھوں میں باقی نہ رہے، کیونکہ بعض حشرات الارض کھانے کی بو کے عاشق ہیں، اگر

خدا نخواستہ ہاتھوں میں بو باقی رہ گئی تو اندیشہ ہے کہ سوتے میں ایسی چیزیں کاٹ لیں گی، اس لئے آنحضرت

ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ ایسی حالت میں رات نہیں گزارنی چاہئے کہ ہاتھوں میں چکنائی کی بو باقی ہو، اگر کسی

شخص نے ایسی حالت میں رات گزاری اور رات کو کسی چیز نے اسے کاٹ لیا تو اپنی ذات کو ملامت کرے کہ

اس نے یہ حماقت کیوں کی تھی؟ اور چونکہ شیطان آدمی کا دشمن ہے، وہ آدمی کو نقصان پہنچانے کے لئے ٹوہ میں

لگا رہتا ہے، اس لئے وہ کاٹنے والی چیزوں کو آدمی کا ہاتھ کاٹنے پر آمادہ کرے گا، واللہ اعلم!

پینے کے آداب و احکام

شراب نوشی کا وبال اور وعید

[حدیث: ۹۵۵] ”عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كُلُّ مُسْكِرٍ حَمَنٌ، وَكُلُّ مُسْكِرٍ خَوَامٌ، وَمَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فِي الدُّنْيَا فَمَاتَ وَهُوَ يَذُوقُهَا لَمْ يَشْرَبْهَا فِي الْآخِرَةِ۔“

(ترمذی ج: ۲ ص: ۸ ”باب ما جاء في شارب الخمر“)

ترجمہ: ”حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: ہر نشہ آور چیز شراب ہے، اور ہر نشہ آور مشروب حرام ہے، اور جس شخص نے دنیا میں شراب نوشی کی، پس اس حالت میں مرا کہ شراب کا عادی تھا (مرنے سے پہلے سچی توبہ نہیں کی) وہ آخرت میں (یعنی جنت میں) شراب نہیں پیئے گا۔“

تشریح: جو شخص دنیا میں شراب پیتا رہا، اس نے توبہ نہیں کی، بلکہ اسی حالت میں مر گیا، وہ آخرت میں اور جنت میں شراب سے محروم رہے گا۔

بعض اکابر رحمہم فرماتے ہیں کہ یہ کنایہ ہے اس سے کہ وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا، کیونکہ جنت میں داخل ہونے کے بعد وہ جنت کی کسی نعمت سے محروم نہیں رہے گا۔ اور بعض اکابر رحمہم فرماتے ہیں کہ خواہ وہ جنت میں داخل بھی ہو جائے تب بھی وہاں کی شراب طہور سے محروم رہے گا۔

فائدہ:..... شراب نوشی بہت بڑا گناہ ہے، اس کو ”اکبر الکبائر“ میں شمار کیا گیا ہے، اور شراب خانہ خراب کو ”اُمّ الخبیثات“ کا نام دیا جاتا ہے، کیونکہ ایک حدیث شریف میں فرمایا گیا: ”الخمر جماع الانہم“ یعنی شراب گناہ کی جڑ ہے، ایک مسلمان، جو اللہ تعالیٰ پر اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو، اس کی شان سے بعید ہے کہ وہ اس میں ملوث ہو۔

[حدیث: ۹۵۶] ”عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُثْمَانَ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ

عُمَرَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ لَمْ يَقْبَلْ لَهُ صَلَاةٌ

أَرْبَعِينَ صَبَاحًا، فَإِنْ تَابَ تَابَ اللَّهُ عَلَيْهِ، فَإِنْ عَادَ لَمْ يَقْبَلِ اللَّهُ لَهُ صَلَاةً أَرْبَعِينَ

صَبَاخًا، فَإِنْ تَابَ تَابَ اللَّهُ عَلَيْهِ، فَإِنْ عَادَ لَمْ يَقْبَلِ اللَّهُ لَهُ صَلَاةَ أَرْبَعِينَ
صَبَاخًا، فَإِنْ تَابَ تَابَ اللَّهُ عَلَيْهِ، فَإِنْ عَادَ الزَّائِعَةً لَمْ يَقْبَلِ اللَّهُ لَهُ صَلَاةَ أَرْبَعِينَ
صَبَاخًا، فَإِنْ تَابَ لَمْ يَنْسِبِ اللَّهُ عَلَيْهِ، وَسَقَاهُ مِنْ نَهْرِ الْخَبَالِ، قِيلَ: يَا أَبَا
عَبْدِ الرَّحْمَنِ! وَمَا نَهْرُ الْخَبَالِ؟ قَالَ: نَهْرٌ مِنْ صَدِيدِ أَهْلِ النَّارِ!۔“

(ترمذی ج: ۲ ص: ۸)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: جس شخص نے شراب پی، چالیس دن تک اس کی نماز قبول نہ ہوگی، پس اگر اللہ کے سامنے توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائیں گے، پھر اگر دوبارہ شراب پی تو پھر چالیس دن تک اس کی نماز قبول نہ ہوگی، پھر اگر توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائیں گے، پھر اگر شراب پی تو پھر چالیس دن تک اس کی نماز قبول نہ ہوگی، پس اگر توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائیں گے، پس اگر چوتھی بار شراب نوشی کی تو چالیس دن تک اس کی نماز قبول نہیں ہوگی، پھر اگر وہ توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول نہیں کریں گے، اور اللہ تعالیٰ اس کو ”نہر خبال“ سے پلائیں گے۔ راوی کہتے ہیں کہ: میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ: ”نہر خبال“ کیا چیز ہے؟ فرمایا: دوزخیوں کے لہو اور پیپ کی نہر!“

تشریح: اس حدیث سے چند امور معلوم ہوئے:

اول:..... شراب نوشی اتنا سخت گناہ ہے کہ اس کی نحوست سے طاعات کی توفیق سلب ہو جاتی ہے، اگر یہ شخص نماز پڑھے تو گونماز کا فرض سر سے اتر جائے گا، لیکن نماز سے جو اصل مقصود ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کا اس پر مرتب ہونا، یہ شخص اس سے محروم ہو جاتا ہے۔

اور اگر کہا جائے کہ جب نماز قبول ہی نہیں ہوتی تو پڑھی کیوں جائے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نماز پڑھنا تو ضروری ہے، ورنہ یہ شخص فرض کا تارک ہو کر مزید گناہگار ہوگا، اور نماز کے قبول نہ ہونے کا جو سبب ہے اس پر لازم ہے کہ اس کا ازالہ کرے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سچے دل سے تائب ہو جائے۔

دوم:..... اس حدیث شریف سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک گناہ کا اثر چالیس دن تک رہتا ہے۔

سوم:..... یہ جو فرمایا کہ چوتھی بار شراب پینے کے بعد یہ شخص توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول نہیں فرماتے، اس کا مطلب یہ ہے۔ واللہ اعلم۔ کہ اس کے بعد اس کو سچی توبہ کی توفیق ہی نہیں ہوتی، اور یہ شراب نوشی کا بدترین وبال ہے کہ توبہ کی توفیق ہی سلب ہو جائے، اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اپنی پناہ میں رکھیں۔

چہارم:..... شراب پینے والے کی مزایہ بیان فرمائی کہ اس کو دوزخیوں کی پیپ اور کچھ لہو کی ”منہر خبال“ سے پلایا جائے گا۔۔۔ نعوذ باللہ۔۔۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شراب اپنی گندگی میں دوزخیوں کی پیپ سے کم نہیں ہے، اس لئے قیامت کے دن بطور سزا کے اس کو یہ پلائی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ اپنی پناہ میں رکھیں۔

ہر نشہ آور مشروب حرام ہے

[حدیث: ۹۵۷] ”عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِلَ عَنِ الْبَيْعِ، فَقَالَ: كُلُّ شَرَابٍ أَسْكِرَ فَهُوَ حَرَامٌ۔“

(ترمذی ج: ۲ ص: ۸ ”باب ما جاء كل منسکر حرام“)

ترجمہ: ”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ سے اس شراب کے بارے میں دریافت کیا گیا جو شہد سے تیار کی جاتی ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: ہر وہ مشروب جو نشہ لائے حرام ہے۔“

[حدیث: ۹۵۸] ”عَنْ ابْنِ عَمْرٍو قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: كُلُّ مَنْسَكِرٍ حَرَامٌ۔“

(ترمذی ج: ۲ ص: ۸، ۹) ترجمہ: ”حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے خود سنا کہ: ہر نشہ آور مشروب حرام ہے۔“

جس شراب کی زیادہ مقدار نشہ آور ہو اس کی کم مقدار بھی حرام ہے

[حدیث: ۹۵۹] ”عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا أَسْكِرَ كَثِيرُهُ فَقَلِيلُهُ حَرَامٌ۔“

(ترمذی ج: ۲ ص: ۹ ”باب ما جاء ما أَسْكِرَ كَثِيرُهُ فَقَلِيلُهُ حَرَامٌ“)

ترجمہ: ”حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شراب کی زیادہ مقدار نشہ لائے اس کی کم مقدار بھی حرام ہے۔“

تشریح: کیونکہ جب وہ شراب نشہ آور ہے تو کم پیتے پیتے زیادہ پینے لگے گا اور مدہوش ہو جائے گا۔

[حدیث: ۹۶۰] ”عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كُلُّ مَنْسَكِرٍ حَرَامٌ مَا أَسْكِرَ الْفَرْقُ مِنْهُ فَمِلْنِي الْكَفِّ مِنْهُ حَرَامٌ۔ قَالَ أَخَذَ هَذَا فِي حَدِيثِهِ الْحَسَنُةُ مِنْهُ حَرَامٌ۔“

(ترمذی ج: ۲ ص: ۹) ترجمہ: ”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ہر نشہ لانے والا

مشروب حرام ہے، اور جس چیز کا ایک ٹب (قریبات آٹھ سیر) نشہ لائے اس کا ایک چلو بھی حرام ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ: اس کا ایک گھونٹ بھی حرام ہے۔“
تشریح: ”فرق“ پانی کا ٹب، جس میں کوئی سات آٹھ سیر پانی آئے، اور ٹب کا ذکر بطور مثال کے ہے، مطلب یہ ہے کہ جس مشروب کی زیادہ مقدار نشہ لائے اس کی کم سے کم مقدار بھی حرام ہے۔

مٹکے کی نبیز کے بارے میں

[حدیث: ۹۶۱] ”عَنْ طَاوُسٍ أَنَّ رَجُلًا أَتَى ابْنَ عُمَرَ فَقَالَ: نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ نَبِيذِ الْخَمْرِ؟ فَقَالَ: نَعَمْ! فَقَالَ طَاوُسٌ: وَاللَّهِ! إِنِّي سَمِعْتُهُ مِنْهُ“ (ترمذی ج: ۲ ص: ۹: ”باب ما جاء في نبیذ الخمر“)
ترجمہ: ”طاووسؓ کہتے ہیں کہ: ایک شخص ابن عمرؓ کے پاس آیا اور ان سے پوچھا کہ: کیا آنحضرتؐ نے مٹکے میں کشید کی گئی نبیز سے منع فرمایا ہے؟ ابن عمرؓ نے فرمایا: جی ہاں! منع فرمایا ہے۔ طاووسؓ کہتے ہیں کہ: بخدا! میں نے یہ حدیث ابن عمرؓ سے خود سنی ہے۔“

تشریح: ”نبیز“ اس کو کہتے ہیں کہ پانی میں کچھ کھجوریں ڈال دی جائیں اور ان کو رات بھر پڑا رہنے دیا جائے، یہاں تک کہ کھجور کی شیرینی اور مٹاس پانی میں آجائے، اگر اس میں نشہ پیدا ہو جائے تو حرام ہے، اور اگر نشہ پیدا نہ ہو تو جائز ہے۔

مخصوص برتنوں میں نبیز بنانے کی ممانعت

[حدیث: ۹۶۲] ”سَمِعْتُ زَاذَانَ يَقُولُ: سَأَلْتُ ابْنَ عُمَرَ عَمَّا نَهَى عَنْهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْأَوْعِيَةِ وَأَخْبِرْنَا هُ الْبَلْعِيَّتُمْ وَفَسِيرُهُ لَنَا بَلْعِيَّتًا، قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْخَنْتَمَةِ وَهِيَ الْخَمْرَةُ، وَنَهَى عَنِ الذَّبَابِ وَهِيَ الْقَرْعَةُ وَنَهَى عَنِ التَّقِيرِ وَهِيَ أَضْلُ النَّحْلِ يَنْقَرُ نَقْرًا أَوْ يَنْسَجُ نَسْجًا، وَنَهَى عَنِ الْمَرْقَةِ وَهِيَ الْمَقْتِزُ وَأَمَرَ أَنْ يُنْتَبَذَ فِي الْأَسْقِيَةِ“

(ترمذی ج: ۲ ص: ۹: ”باب ما جاء في كراهية أن يُنْبَذَ فِي الذَّبَابِ وَالتَّقِيرِ وَالْخَنْتَمِ“)
ترجمہ: ”زاذانؓ کہتے ہیں کہ: میں نے حضرت ابن عمرؓ سے ان برتنوں کے بارے میں جن کی آنحضرتؐ نے ممانعت فرمائی دریافت کیا کہ ان برتنوں کے نام ہمیں اپنی زبان میں بتائیے اور ہماری زبان میں اس کی تفسیر و تشریح فرمائیے! انہوں نے

فرمایا: آنحضرت ﷺ نے ”خَنَثَمَ“ سے منع فرمایا، اور وہ روغنی گھڑے کو کہتے ہیں، اور ”ذُبَّاء“ سے منع فرمایا، اس سے مراد کدو ہے، اور ”نَقِیْر“ سے منع فرمایا، اس سے مراد کھجور کا تنا ہے جس کو کھود لیا جائے، اور ”مُزَفَّت“ سے منع فرمایا، اور یہ وہ برتن ہے جس پر تار کول ملا ہوا ہو، اور آنحضرت ﷺ نے حکم فرمایا کہ مشکیزوں میں نبیذ بنائی جائے۔“

تشریح: اس حدیث میں چار برتنوں کے استعمال کی ممانعت فرمائی ہے، جن کی تشریح بھی اسی حدیث میں مذکور ہے۔

- ۱:..... خَنَثَمَ: روغنی گھڑا، مٹی کے گھڑے کو اُد پر سے رنگ کر دیا جاتا تھا اور اندر سے کچا ہوتا تھا۔
- ۲:..... ذُبَّاء: بڑے بڑے گھیا کدو کو تیل پر سکھالیا جاتا تھا، جب خوب پختہ اور خشک ہو جاتے تو ان کو اُد پر سے کاٹ کر برتن کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔
- ۳:..... نَقِیْر: کھجور کا خشک تنالے کر اس کو اندر سے کھود لیا جاتا اور نبیذ کے لئے استعمال کیا جاتا۔
- ۴:..... مُزَفَّت: یہ زفت سے ہے، اور زفت کے معنی ہیں ”تار کول“، مزفت وہ برتن ہے جس پر تار کول کو بطور روغن کے ملا گیا ہو۔

آنحضرت ﷺ نے شراب کے حرام ہونے پر ان چار برتنوں کے استعمال کی ممانعت فرمادی تھی، کیونکہ یہ برتن اس وقت شراب کشید کرنے کے لئے استعمال ہوتے تھے، اور ان سے شراب میں جلدی نشہ پیدا ہو جاتا تھا۔ جب شراب کی حرمت اور اس سے نفرت اہل ایمان کے قلوب میں خوب راسخ ہو گئی تو آنحضرت ﷺ نے ان برتنوں کے استعمال کی اجازت دے دی، بشرطیکہ ان کے استعمال سے نشہ پیدا نہ ہو، جیسا کہ اگلے باب کی احادیث میں آتا ہے۔

خاص برتنوں میں نبیذ بنانے کی اجازت

[حدیث: ۹۶۳] ”عَنْ سَلِيمَانَ بْنِ بَرْزَنْةٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنِّي كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنِ الظُّرُوفِ، وَإِنَّ ظُرُفًا لَا يَجُلُ شَيْئًا وَلَا يَحْتَرِفُهُ، وَكُلُّ مُسْكِرٍ خَرَأٌ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ۔“

(ترمذی ج: ۲ ص: ۹ ”باب ما جاء في الرخصة أن يُتخذ في الظُرُوفِ“)

ترجمہ: ”حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: میں تم کو خاص برتنوں سے منع کیا کرتا تھا، اور برتن کسی چیز کو حلال یا حرام نہیں کرتے (لہذا برتنوں کے استعمال کی اجازت ہے)، اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے (لہذا یہ احتیاط

رکھو کہ نبیذ میں ان برتنوں کی وجہ سے نشہ پیدا نہ ہو جائے۔“

[حدیث: ۹۶۴] ”عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الظَّرُوفِ، فَشَكَتْ إِلَيْهِ الْأَنْصَارُ فَقَالُوا: لَيْسَ لَنَا وَعَاءٌ قَالَ: فَلَا إِذَا“

(ترمذی ج: ۲ ص: ۹)

ترجمہ: ”حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: آنحضرت ﷺ نے برتنوں سے منع فرمایا تو حضرات انصار رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کی خدمت میں شکایت کی، انہوں نے عرض کیا کہ:

ہمارے پاس اور برتن نہیں۔ فرمایا: پھر کوئی حرج نہیں!“

تشریح: ان احادیث سے معلوم ہوا کہ ان برتنوں کے استعمال کی اجازت ہے اور پہلی ممانعت منسوخ ہے، مگر اس کا خیال رکھا جائے کہ مشروب میں نشہ پیدا نہ ہو۔

مشکیزوں میں نبیذ بنانے کی اجازت

[حدیث: ۹۶۵] ”عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كُنَّا نَنْبِذُ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سِقَاءٍ يُوْكَأُ فِي أَغْلَاهُ لَهُ عَزْلَاءُ تَنْبِذُهُ غَذْوَةٌ وَيَشْرَبُهُ عِشَاءً وَتَنْبِذُهُ عِشَاءً وَيَشْرَبُهُ غَذْوَةٌ۔“ (ترمذی ج: ۲ ص: ۹ ”باب ما جاء في الإنجاذ في السقاء“)

ترجمہ: ”اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ہم لوگ آنحضرت ﷺ کے لئے ایک مشکیزے میں نبیذ بنایا کرتے تھے، اس کے اوپر کے حصے کو بند لگا دیا کرتے، اس کے نیچے کے حصے میں ایک ٹوٹی تھی (جس سے نبیذ نکالی جاتی تھی)، ہم لوگ صبح کو بھجور پانی میں بھگو دیتے تھے اور آنحضرت ﷺ شام کو نوش فرمالتے تھے، اور شام کو بھگو لیتے تھے تو آنحضرت ﷺ صبح کو نوش فرمالتے۔“

تشریح: بھجور یا کشمش پانی میں بھگو دی جائے تو پانی میں اس کی شیرینی آجائے، اس کو ”نبیذ“ کہتے ہیں، اور یہ صحت و قوت کے لئے مفید ہے، صبح بھگو کر شام کو پی لی جائے، یا شام کو بھگو کر صبح پی لی جائے، تو اس میں نشہ پیدا نہیں ہوتا۔ اگر زیادہ دیر تک پڑی رہنے سے اس میں جھاگ آنے لگے تو اس کو نہ پیا جائے۔

کن غلوں سے شراب کشید کی جاتی ہے؟

[حدیث: ۹۶۶] ”عَنِ النَّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ مِنَ الْحِنْطَةِ حَمْزًا، وَمِنَ الشَّعِيرِ حَمْزًا، وَمِنَ التَّمْرِ حَمْزًا، وَمِنَ“

الزَّبِيبُ عُمَرُو، وَمِنْ الْعَمَلِ عُمَرُو۔ وَرَوَى أَبُو حَتَّىانَ التَّيْمِيُّ هَذَا الْحَدِيثَ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنْ عُمَرَ قَالَ: إِنَّ مِنَ الْعِنِطَةِ عُمَرُو۔ فَلَمْ تَرَ هَذَا الْحَدِيثَ۔“ (ترمذی ج: ۲ ص: ۹ ”باب ما جاء في الخبز التي يتخذ منها العُمَرُو“) ترجمہ: ”حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گیہوں سے بھی شراب بنتی ہے، جوئے بھی شراب بنتی ہے، کھجور سے بھی شراب بنتی ہے، کشمش سے بھی شراب بنتی ہے، اور شہد سے بھی شراب بنتی ہے۔ امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت ابن عمر رضی اللہ عنہما یہ حدیث حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے موقوفاً نقل کی ہے۔“

تشریح: یعنی ان تمام غلوں سے شراب کشید کی جاتی ہے، علاوہ ازیں شہد سے اور گنے کے رس سے بھی شراب تیار کی جاتی ہے، پس شراب خواہ کسی چیز سے بنائی جائے وہ حرام اور نجس ہے۔

دو چیزوں کو ملا کر نبیذ بنانا

[حدیث: ۹۶۷] ”عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى أَنْ يُتَجَدَّ الْبُسْرُ وَالزُّطْبُ جَمِيعًا۔“

(ترمذی ج: ۲ ص: ۹ ”باب ما جاء في خليط البُسْرِ وَالزُّطْبِ“) ترجمہ: ”حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ: گدر کھجور اور تازہ کھجور کو ملا کر نبیذ بنائی جائے۔“

[حدیث: ۹۶۸] ”عَنْ أَبِي سَعِيدٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الْبُسْرِ وَالزُّطْبِ أَنْ يُخْلَطَ بَيْنَهُمَا، وَعَنِ الزَّبِيبِ وَالزُّطْبِ أَنْ يُخْلَطَ بَيْنَهُمَا، وَنَهَى عَنِ الْعَجْرَارِ أَنْ يُتَجَدَّ فِيهَا۔“ (ترمذی ج: ۲ ص: ۱۰، ۹)

ترجمہ: ”حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے کہ نیم پختہ اور پختہ کھجور کو ملا کر نبیذ بنائی جائے، اور اس سے بھی منع فرمایا ہے کہ کشمش اور کھجور کو ملا کر نبیذ بنائی جائے، اور منگوں میں نبیذ بنانے سے بھی منع فرمایا ہے۔“

تشریح: منگلے میں نبیذ بنانے کی ممانعت اور اس کے بعد اجازت اوپر گزر چکی۔

نیم پختہ اور پختہ کھجور کو ملا کر نبیذ بنانے، اسی طرح کشمش اور کھجور کو ملا کر نبیذ بنانے کی ممانعت کا سبب

واللہ اعلم۔ یہ ہے کہ دو قسموں کو ملانے سے ان میں جلدی تغیر پیدا ہونے کا اندیشہ ہے، ایسا نہ ہو کہ اس سے نشہ پیدا ہو جائے۔ گویا وہ تمام اسباب جن سے نشہ پیدا ہو جانے کا احتمال تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے منع فرمایا۔

سونے چاندی کے برتنوں میں کھانے پینے کی ممانعت

[حدیث: ۹۶۹] ”سَمِعْتُ ابْنَ أَبِي لَيْلَى يُحَدِّثُ أَنَّ حَدِيفَةَ اسْتَشْفَى فَقَاتَاهُ إِنْسَانٌ بِأَنَاوِ مِنْ فِضَّةٍ فَوَمَّاهُ وَقَالَ: إِنِّي كُنْتُ قَدْ نَهَيْتُهُ فَأَبَى أَنْ يَنْتَهِيَ أَنْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الشَّرْبِ فِي أَيْنَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالنِّسِ الْحَرِيرِ وَالذِّيْبَاجِ، وَقَالَ: هِيَ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا وَلَكُمْ فِي الْآخِرَةِ۔“

(ترمذی ج: ۲ ص: ۱۰۰) ”باب ما جاء في كراهية الشرب في أينية الذهب والفضة“
ترجمہ: ”ابن ابی لیلیٰؓ فرماتے ہیں کہ: حضرت حدیفہؓ نے پینے کے لئے پانی طلب فرمایا، پس ایک شخص آپ کے لئے چاندی کے برتن میں پانی لایا، حضرت حدیفہؓ نے اس کو پھینک دیا اور فرمایا: میں نے اس کو چاندی کے برتن میں پانی لانے سے منع کیا ہے، لیکن یہ باز نہیں آیا۔ نبی کریم ﷺ نے سونے اور چاندی کے برتن میں کھانے پینے سے منع فرمایا ہے، اور ریشم اور دیبا ج کے پہننے سے منع فرمایا ہے، اور فرمایا ہے کہ: یہ چیزیں ان کے لئے (یعنی کافروں کے لئے) دُنیا میں، اور تمہارے لئے ہیں آخرت میں۔“

تشریح: سونے اور چاندی کے برتنوں کا استعمال کرنا حرام ہے، اور یہ شخص ”دُوی“ تھا، اس لئے آپ ﷺ نے اس کو تادیب نہیں فرمائی، لیکن اس کے برتن کو پھینک دیا، اگر زور سے پھینکا ہو تو برتن ٹوٹ بھی سکتا ہے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر مسلمان ایسی گستاخی کرے تو اس کا برتن توڑ دیا جائے، ورنہ ناراضگی کے اظہار کے لئے اس کا برتن پھینک دیا جائے۔

کھڑے ہو کر پینے کی ممانعت

[حدیث: ۹۷۰] ”عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى أَنْ يَشْرَبَ الرَّجُلُ قَائِمًا، فَقِيلَ الْأَكْمَلُ؟ قَالَ: ذَاكَ أَشَدُّ!“

(ترمذی ج: ۲ ص: ۱۰۰) ”باب ما جاء في النهي عن الشرب قائما“
ترجمہ: ”حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کھڑے ہو کر پانی پینے سے ممانعت فرمائی۔ عرض کیا گیا کہ: کھڑے ہو کر کھانا کیسا ہے؟ فرمایا: وہ تو اس سے بھی زیادہ سخت ہے!“

[حدیث: ۹۷۱] ”عَنِ الْجَاوِدِ بْنِ الْعَلَاءِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

نہی عن الشرب قائم“ (ترمذی ج: ۲ ص: ۱۰)

ترجمہ: ”حضرت جابر و ابن المعلیؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کھڑے ہو کر پانی پینے کی ممانعت فرمائی۔“

تشریح: کھڑے ہو کر پانی پینے کے بارے میں روایات مختلف ہیں، اوپر جو احادیث ذکر کی گئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ کھڑے ہو کر کھانا پینا ممنوع ہے، لیکن اگلے باب کی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی اجازت ہے۔ علماء نے ان کے درمیان جمع کی کئی صورتیں ذکر فرمائی ہیں، ایک یہ کہ ممانعت شرعی نہیں ہے بلکہ طہی ہے، کیونکہ جب آدمی کھڑے ہو کر کھائے پئے گا تو زیادہ کھایا پیا جائے گا۔ دوم یہ کہ ممانعت اس صورت میں ہے جبکہ کھڑے ہو کر کھانے پینے کی ضرورت نہ ہو، لیکن جب ضرورت ہو تو ممانعت نہیں۔ تیسرے یہ کہ پہلے ممانعت تھی پھر اجازت ہو گئی، یا پہلے اجازت تھی پھر ممانعت ہو گئی۔ چوتھے یہ کہ کھڑے ہو کر کھانا پینا خلاف ادب ہے، اگرچہ ممنوع نہیں۔

کھڑے ہو کر پینے کی اجازت

[حدیث: ۹۷۲] ”عَنِ ابْنِ عَمْرٍو قَالَ: كُنَّا نَأْكُلُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى

اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ نَمْشِي، وَنَشْرَبُ وَنَحْنُ قَائِمُونَ“

(ترمذی ج: ۲ ص: ۱۰ ”باب ما جاء في الزخعة في الشرب قائما“)

ترجمہ: ”حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ: ہم حضور ﷺ کے زمانے میں چلتے

پھرتے کھا لیا کرتے تھے اور کھڑے ہونے کی حالت میں پانی پی لیا کرتے تھے۔“

تشریح: اوپر گزر چکا ہے کہ اس باب میں روایات مختلف ہیں، اور حضرت امام ترمذی رحمہ اللہ کے طرز عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ کھڑے ہو کر کھانے پینے کی رخصت ہے، اور یہ لفظ ایسے موقع پر استعمال کیا جاتا ہے جبکہ آدمی کو ضرورت پیش آئے۔ پس خلاصہ یہ ہوا کہ کھڑے ہو کر کھانا پینا ضرورت کی بنا پر صحیح ہے۔

[حدیث: ۹۷۳] ”عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَرِبَ مِنْ

زَمْزَمَ وَهُوَ قَائِمٌ“ (ترمذی ج: ۲ ص: ۱۰)

ترجمہ: ”ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کھڑے ہونے کی

حالت میں زمزم نوش فرمایا۔“

تشریح: بعض اہل علم نے تحریر فرمایا ہے کہ زمزم شریف کھڑے ہو کر نوش کرنا مستحب ہے، اس لئے کہ زمزم شریف سے پیٹ کو خوب بھرنا مطلوب ہے، اس لئے زمزم کو دوسرے پانیوں پر قیاس نہیں کیا

جاسکتا، چنانچہ ایک حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ: پیٹ بھر کر زمزم نہ پینا نفاق کی علامت ہے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ سواری پر سوار تھے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دونوں حالتیں الگ الگ ہوں، ایک موقع پر سواری پر پانی طلب فرمایا ہو، اور دوسرے وقت خود اتر کر نوش فرمایا ہو۔

[حدیث: ۹۷۴] ”عَنْ غَضْرُو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ: رَأَيْتُ

رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَشْرَبُ قَائِمًا وَقَاعِدًا۔“ (ترمذی ج: ۲ ص: ۱۰)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کو دونوں حالتوں میں پانی نوش فرماتے دیکھا، کھڑے بھی اور بیٹھے بھی۔“

تشریح: یعنی کبھی ضرورت کے موقع پر کھڑے ہو کر نوش فرمایا اور عام حالت میں بیٹھ کر نوش کرنا اصلی حالت ہے، اور کھڑے ہو کر نوش فرمانا کسی عارضے کی بنا پر ہے۔

پانی تین سانس میں پینا چاہئے

[حدیث: ۹۷۵] ”عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ

يَتَنَفَّسُ فِي الْإِنَاءِ ثَلَاثًا وَيَقُولُ: هُوَ أَمْرٌ أَوْ أَرْزَى۔“

(ترمذی ج: ۲ ص: ۱۰ ”باب ما جاء في التنفس في الإناء“)

ترجمہ: ”حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ پانی پیتے

ہوئے تین مرتبہ سانس لیتے تھے اور فرماتے تھے کہ: یہ زیادہ خوشگوار ہے اور زیادہ

سیراب کرنے والا ہے۔“

تشریح: ادب یہ ہے کہ پانی پیتے ہوئے برتن منہ سے ہٹا کر سانس لے، اس حدیث میں

آنحضرت ﷺ کا یہی معمول ذکر کیا گیا ہے۔

اور آنحضرت ﷺ نے اس کے دو فائدے ذکر فرمائے ہیں، ایک یہ کہ اس طرح پینا زیادہ خوشگوار

ہے، کہ ٹھہر ٹھہر کر تھوڑا تھوڑا پانی پیتے سے پانی خوب ہضم ہو جاتا ہے، اور دوسرا یہ کہ اس سے پیاس بجھ جاتی

ہے، بخلاف اس کے کہ اگر آدمی ایک مرتبہ پورا گلاس غٹاٹ چڑھا جائے اور درمیان میں سانس نہ لے تو

ایک تو پیاس نہیں بجھے گی، دوسرا خدشہ ہے کہ پانی کی گرہ پڑ جائے۔ اس لئے ادب یہ ہے کہ پانی آہستہ آہستہ

پیا جائے گو یا پی نہیں رہا بلکہ پانی کو چوس رہا ہے۔

[حدیث: ۹۷۶] ”عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

لَا تَشْرَبُوا وَاحِدًا كَشْرَبِ الْبُعْبُعِ، وَلَكِنْ اشْرَبُوا مِثْلِي وَثَلَاثَ وَ سَمُوا إِذَا أَنْتُمْ

(ترمذی ج: ۲ ص: ۱۱)

شَرِبْنَاهُمْ وَاسْتَمَلْنَا إِذَا أَتَيْنَاهُمْ وَفَعَلْنَاهُمْ

ترجمہ: ”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم پانی پینے لگو تو اُونٹ کی طرح یک بارگی نہ پیا کرو، بلکہ دو تین سانس میں پیا کرو اور جب پانی پینے لگو تو اللہ کا نام لیا کرو (یعنی بسم اللہ شریف پڑھا کرو) اور جب پی چکو تو الحمد للہ کہو۔“

تشریح: اس حدیث شریف میں پینے کے تین آداب ذکر فرمائے ہیں، ایک یہ کہ کم از کم دو تین سانس کے ساتھ پانی پینا چاہئے، اس کی وجہ اوپر گزر چکی ہے کہ آہستہ آہستہ پانی پینا ہضم میں مفید ہے اور یک بارگی اُنڈیل لینا اس سے بعض دفعہ پانی کی گرہ پڑ جاتی ہے، معدہ میں ثقل پیدا ہو جاتا ہے اور آدمی شدید تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے، دوسرے یہ کہ اس طرح پانی پینا بے صبری اور بے قراری کی علامت ہے، اس لئے یہاں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: اُونٹ کی طرح یک بارگی نہ اُنڈیل لیا کرو، بلکہ دو تین سانس کا وقفہ درمیان میں کیا کرو۔

دوسرا اَدب یہ معلوم ہوا کہ پانی بسم اللہ سے شروع کرنا چاہئے، اور تیسرا ادب یہ کہ ختم کے بعد ”الحمد للہ“ کہنا چاہئے، یہ اس لئے فرمایا گیا ہے کہ آدمی کو احساس ہو کہ پانی اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی نعمت ہے۔ دراصل ہوا اور پانی اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمتیں ہیں، اگر ہوا نہ ہوتی تو ایک سانس لینا بھی محال تھا، اور اگر پانی نہ ہوتا تو کوئی جاندار زندہ نہ بچتا۔ اس لئے قرآن کریم میں ان دونوں نعمتوں کو بار بار ذکر فرمایا ہے، کیونکہ تمام نعمتوں کی اصل انسان کی زندگی ہے اور یہ دو چیزیں (یعنی پانی اور ہوا) مدار زندگی ہیں، اس لئے اس حدیث میں فرمایا کہ پانی پینا شروع کرو تو بسم اللہ کہو، اور جب فارغ ہو تو اللہ کا شکر ادا کرو۔ میں نے حضرت اقدس مولانا سید محمد یوسف بنوری نور اللہ مرقدہ سے سنا ہے کہ حضرت امام باقر علیہ السلام پانی پیتے تھے تو یہ دُعا پڑھتے تھے:

”اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَہٗ عَلٰی بَاقِیِ اَنْبَیَہٗ خَمِیْہٖ، وَلَمْ یَجْعَلْہٗ عَلٰی اَجَاجِہٖا یَذْنُوْبَہَا۔“

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے اپنی رحمت سے پانی کو شیریں اور پیاس بجھانے والا بنایا، اور ہمارے گناہوں کی نحوست سے اس کو کڑوا اور شور نہیں بنایا۔“

ہمارے شیخ مولانا زکریا کاندھلوی نور اللہ مرقدہ ”فضائل صدقات“ میں لکھتے ہیں: ابن مساک علیہ السلام ایک بادشاہ کے پاس گئے، پانی کا گلاس اس کے ہاتھ میں تھا، بادشاہ نے کہا کہ: مجھے کوئی نصیحت فرما دیجئے! فرمانے لگے: پانی کا یہ گلاس جو آپ کے ہاتھ میں ہے اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اعلان ہو جائے کہ یہ گلاس

سلطنت کے بدئے میں مل سکتا ہے، ورنہ پیاسے رہو، تو کیا آپ سلطنت دے کر پانی لینے پر تیار ہوں گے؟ بادشاہ نے کہا: ضرور! فرمایا: اس چیز کی کیا رغبت کی جائے جس کی قیمت ایک گلاس پانی ہے...!

دوسانس سے پانی پینا

[حدیث: ۹۷۷] ”عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا

شَرِبَ يَتَنَفَّسُ مَرَّتَيْنِ۔“ (ترمذی ج: ۲ ص: ۱۱ ”باب مَاذَاجُ مِنَ الشَّرَابِ يَنْفَسِينَ“)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ دوسانس

سے پانی پیا کرتے تھے۔“

تشریح: دوسانس میں پانی پینے کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ درمیان میں دو مرتبہ سانس لیتے تھے، اور جب پانی میں دو مرتبہ سانس لیا جائے تو پانی کے تین حصے ہوں گے، تو گویا پانی تین سانس سے پیتے تھے۔ اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ پانی میں ایک دفعہ پی کر سانس لیا اور دوسری مرتبہ پی کر دوسری مرتبہ سانس لیا۔ بظاہر پہلا مطلب رائج ہے۔

پانی میں سانس لینے کی ممانعت

[حدیث: ۹۷۸] ”عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى

عَنِ التَّنَفُّعِ فِي الشَّرَابِ۔ فَقَالَ رَجُلٌ: الْقَدَاةُ أَزْهَابُ الْإِنْسَاءِ؟ فَقَالَ: أَهْرُفُهَا، فَقَالَ:

فَإِنِّي لَا أَرُؤِي مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ؟ قَالَ: فَأَبْنِ الْقَدَحَ إِذَا عَنِ فَيْكِ۔“

(ترمذی ج: ۲ ص: ۱۱ ”باب مَا جَاءَ فِي تَحْرِيمِ التَّنَفُّعِ فِي الشَّرَابِ“)

ترجمہ: ”حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے پانی میں

پھونک مارنے سے منع فرمایا ہے، ایک شخص نے کہا کہ: پانی میں کوئی تنکا نظر آتا ہے،

فرمایا: اتنا پانی گردِ اس شخص نے عرض کیا: میں ایک سانس سے سیراب نہیں ہوتا (یعنی

میری پیاس نہیں بجھتی)، فرمایا: پیالے کو ایک دفعہ منہ سے جدا کر کے دوبارہ پیو۔“

تشریح: پانی میں پھونک مارنا مکروہ ہے، اس لئے کہ پھونک مارنے سے بعض دفعہ منہ کا لعاب پانی میں گر جاتا ہے جس سے دیکھنے والوں کو کراہت ہوتی ہے۔ اور دوسرے جملے میں یہ ادب بتایا ہے کہ جس شخص کو ایک دفعہ پینے سے سیرابی نہ ہو وہ تھوڑا تھوڑا کر کے پانی پیئے جیسا کہ پہلے بیان ہوا ہے۔

[حدیث: ۹۷۹] ”عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى أَنْ

[ترمذی ج: ۲ ص: ۱۱۱] "يُنْتَفَسُ فِي الْإِنَاءِ أَوْ يُنْفَخُ فِيهِ"

ترجمہ: "حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ برتن میں سانس لیا جائے، اور منع فرمایا ہے کہ پانی میں پھونک ماری جائے۔"

پانی کے برتن میں سانس لینے کی کراہت

[حدیث: ۹۸۰] "عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا شَرِبْتَ أَخَذْتُكُمْ فَلَا يُنْفَخُ فِي الْإِنَاءِ۔"

[ترمذی ج: ۲ ص: ۱۱۱] "بَابُ مَا جَاءَ فِي تَحْرِيمِ النَّفْثِ فِي الْإِنَاءِ"

ترجمہ: "حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

جب تم میں سے کوئی شخص پانی پیئے تو برتن میں سانس نہ لے۔"

تشریح: پانی کے برتن میں سانس لینا شرعاً وطبعاً مکروہ ہے، اس لئے کہ پینے کے دوران برتن میں سانس لینے سے احتمال ہے کہ ناک کی ریش پانی میں مل جائے، اور یہ بھی احتمال ہے کہ سانس لیتے ہوئے پانی دماغ پر چڑھ جائے۔ بہر حال منہ کو برتن کے ساتھ لگا کر سانس لینا مہذب انسانوں کا طریقہ نہیں بلکہ جانوروں کا کام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر بچہ یہ کام کرے تو اس کو منع کیا جاتا ہے، منہ سے برتن الگ کر کے سانس لینے کی ہدایت کی جاتی ہے۔

مشکیزے کو منہ لگا کر پانی پینے کی ممانعت

[حدیث: ۹۸۱] "عَنْ أَبِي سَعِيدٍ رَوَاهُ أَنَّهُ نَهَى عَنِ اخْتِنَانِ الْأَسْقِيَةِ"

[ترمذی ج: ۲ ص: ۱۱۱] "بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّهْيِ عَنِ اخْتِنَانِ الْأَسْقِيَةِ"

ترجمہ: "حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مشکیزے

کو منہ لگا کر پانی پینے سے منع فرمایا۔"

تشریح: "اختنات" کے معنی ہیں چمڑے کے مشکیزے کو منہ لگا کر پانی پیا جائے، اور مشکیزے کو

اُنڈیل دیا جائے، واللہ اعلم!

ممانعت کے دو سبب معلوم ہوتے ہیں، ایک یہ کہ بڑے مشکیزے کو اُلٹائیں گے تو پانی زیادہ چلا جائے گا اور اس کا سنبھالنا مشکل ہوگا، اور دوسری وجہ یہ کہ بعض روایات میں یہ وارد ہوا ہے کہ ایک شخص نے اس طرح مشکیزے سے پانی پیا اور سانپ کا بچہ اس کے اندر چلا گیا، اس لئے آنحضرت ﷺ نے مشکیزے کو

منہ لگا کر پانی پینے کی ممانعت فرمائی ہے۔

مشکیزے کو منہ لگا کر پانی پینے کی اجازت

[حدیث: ۹۸۲] ”عَنْ عَيْسَى بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ إِلَى قِرْبَةٍ مُعَلَّقَةٍ فَخَنَّقَهَا ثُمَّ شَرِبَ مِنْ فِيهَا.“

(ترمذی ج: ۲ ص: ۱۱ ”باب ما جاء في الرخصة في ذلك“)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن انس رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ ایک مشکیزہ لٹک رہا تھا، آپ اٹھے اس کو منہ لگا کر پانی پیا۔“

تشریح: حضرت امام ترمذی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے یہ روایت کمزور ہے۔ بہر حال اس روایت سے معلوم ہوا کہ کھڑے ہو کر مشکیزے کو منہ لگا کر پانی پینا جائز ہے، اور یہ کہ اوپر کی ممانعت تزیہی ہے۔

[حدیث: ۹۸۳] ”عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي عَمْرٍة عَنْ جَدِّهِ كَبِشَةَ قَالَ:

دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَشَرِبَ مِنْ فِي قِرْبَةٍ مُعَلَّقَةٍ قَائِمًا، فَقُمْتُ إِلَيْهَا فَقَطَعْتُهُ.“

(ترمذی ج: ۲ ص: ۱۱)

ترجمہ: ”حضرت عبدالرحمن بن ابی عمرہ اپنی دادی کبشہ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ میرے پاس تشریف لائے، پس ایک مشکیزے سے، جو وہاں لٹک رہا تھا، منہ لگا کر کھڑے ہو کر پانی پیا، میں اٹھی اور اٹھ کر مشکیزے کا منہ کاٹ لیا۔“

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مشکیزے کو منہ لگا کر پانی پینا جائز ہے، جبکہ کھڑے، پٹنگے کے اندر جانے کا اندیشہ نہ ہو، اور حضرت کبشہ رضی اللہ عنہا نے مشکیزے کا منہ تبرکات کاٹ لیا کہ ان کو گوارا نہ ہوا کہ جہاں آنحضرت ﷺ کے لب ہائے مبارک لگے ہیں، وہ حصہ کہیں ضائع نہ ہو۔

دامیں والے پانی پینے کے زیادہ مستحق ہیں

[حدیث: ۹۸۴] ”عَنْ أَنَسٍ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

أَتَى بَلْبَنٍ قَدْ شَبَّ بِمَاءٍ وَعَنْ يَمِينِهِ أَغْرَابِيٌّ وَعَنْ يَسَارِهِ أَبُو بَكْرٍ فَشَرِبَ ثُمَّ أَغْطَى الْأَغْرَابِيَّ وَقَالَ: الْأَيْمَنُ فَالْأَيْمَنُ!“

(ترمذی ج: ۲ ص: ۱۱ ”باب ما جاء أن الأيمن أحق بالشرب“)

ترجمہ: ”حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں دودھ لایا گیا جس کو پانی ملا کر ٹھنڈا کیا گیا تھا، آپ ﷺ کی دائیں جانب ایک

اعرابی تھا اور آپ ﷺ کے بایں جانب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے، آپ ﷺ نے دودھ نوش فرمایا، باقی ماندہ اعرابی کو دے دیا اور فرمایا: مستحق ہے وہ شخص جو دائیں

جانب ہو، پھر اس کے بعد جو دائیں جانب ہوا۔“

تشریح: اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص دائیں جانب بیٹھا ہو وہ زیادہ مستحق ہے، کیونکہ دائیں جانب کا اکرام اس کا مستحق ہے۔

۲:..... ”الْأَيْمَنُ فَلَا يَمِينُ“ کے معنی یہ ہیں کہ جو شخص دائیں جانب ہو وہ زیادہ مستحق ہے، اس کے فارغ ہونے کے بعد پھر جو اس کے دائیں جانب ہو۔ اور دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ جو شخص دائیں جانب سب سے زیادہ قریب ہو وہ مستحق ہے، اس کے بعد پھر بائیں جانب جو سب سے زیادہ قریب ہو وہ مستحق ہے، جس طرح کہ امام کے پیچھے صفیں بنانا، اس کی ایک صورت یہ ہے کہ پہلے دائیں جانب صف بنے، پھر بائیں جانب، اور ایک صورت یہ ہو سکتی ہے کہ ایک آدمی امام کے دائیں جانب کھڑا ہو، پھر دوسرا آدمی بائیں جانب کھڑا ہو، پھر تیسرا آدمی دائیں جانب، پھر چوتھا بائیں جانب۔ بہر حال بظاہر یہی معنی یہاں رائج ہیں، واللہ اعلم! ۳:..... یہاں سے اسلام کا نظریہ مساوات بالکل مکمل کر سامنے آ جاتا ہے، غور فرمائیے کہ آنحضرت ﷺ کی دائیں جانب ایک غیر معروف اعرابی ہے، اور بائیں جانب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، جو انبیائے کرام رضی اللہ عنہم کے بعد تمام انسانوں سے افضل ہیں، لیکن اس اعرابی کے ساتھ وہی حسن معاملہ کیا جاتا ہے جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

پلانے والا سب سے آخر میں پیا کرتا ہے

[حدیث: ۹۸۵] ”عَنْ أَبِي قَتَادَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: سَاقِي الْقَوْمِ أَخِيرُهُمْ شَرْبًا۔“

(ترمذی ج: ۲ ص: ۱۱ ”باب مَا جَاءَ أَنَّ سَاقِي الْقَوْمِ أَخِيرُهُمْ شَرْبًا“)

ترجمہ: ”حضرت ابونتقادہ رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: لوگوں کو پلانے والا سب سے آخر میں پیا کرتا ہے۔“

تشریح: ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے بکری کے دودھ دوہنے کا حکم فرمایا، یا یہ کہ بکری کا دودھ خود نکالا، اور آپ ﷺ نے زققاء سے فرمایا کہ: پیو! اور ایک آدمی کو مقرر کر دیا کہ پلاؤ، اس نے سب سے پہلے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں وہ پیالہ پیش کر دیا، اس موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ: کسی قوم کو پلانے والا خود سب سے بعد میں پیا کرتا ہے، اس لئے کہ اس وقت پینے والوں کی حیثیت مہمان کی ہے اور پلانے والے

کی حیثیت صاحب خانہ کی ہے، صاحب خانہ مہمانوں کو نمٹانے کے بعد کھایا پیا کرتا ہے اور جب تک مہمان فارغ نہ ہو جائیں خود نہیں کھاتا، اگر مہمان بیٹھے ہوں اور وہ خود کھانا شروع کر دے تو اس کو مکارم اخلاق کے خلاف تصور کیا جاتا ہے۔

اس حدیث شریف سے آنحضرت ﷺ کی تعلیمات کا علاؤ فکر بھی معلوم ہوتا ہے اور آنحضرت ﷺ کے عمل کا عقلاً عالم کے لئے بہترین نمونہ ہونا بھی ثابت ہوتا ہے، صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ وَتَارَکْ وَسَلَّمْ کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔

آنحضرت ﷺ کو کون سا مشروب پسند تھا؟

[حدیث: ۹۸۲] "عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ أَحَبَّ الشَّرَابِ إِلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْخَلُّو الْبَارِدُ۔" (ترمذی ج: ۲ ص: ۱۱) "باب مَا جَاءَ أَيْ الشَّرَابِ كَانَ أَحَبَّ إِلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ"

ترجمہ: "حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کو سب سے زیادہ وہ مشروب مرغوب و پسندیدہ تھا جو میٹھا اور ٹھنڈا ہو۔"

[حدیث: ۹۸۷] "عَنِ الزُّهْرِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِلَ أَيْ الشَّرَابِ أَطْيَبُ؟ قَالَ: الْخَلُّو الْبَارِدُ۔" (ترمذی ج: ۲ ص: ۱۱)

ترجمہ: "دوسری روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ کون سا مشروب زیادہ پسندیدہ اور مرغوب ہے تو فرمایا: جو میٹھا اور ٹھنڈا ہو۔"

تشریح: "گویا یہ حدیث مسند بھی مروی ہے اور مرسل بھی، امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مرسل زیادہ صحیح ہے۔"

ویسے تو پانی اللہ کی نعمت ہے، بلکہ ہوا کے بعد دنیا کی عظیم ترین نعمت ہے، اس لئے پاک پانی جیسا بھی مل جائے قابلِ قدر اور لائقِ شکر ہے، مگر پانی سے مقصود پیاس بجھانا ہے اور وہ مشروب طبیعت کو زیادہ مرغوب ہوگا جو اس مقصد میں زیادہ معین ہو، ٹھنڈا میٹھا پانی زیادہ مرغوب ہے، اس لئے آنحضرت ﷺ نے اس کو احب اور اطیب فرمایا، یعنی زیادہ مرغوب۔

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ اپنے شیخ حاجی امداد اللہ مہاجر کی تو را اللہ مرقدہ کا ملفوظ نقل کرتے ہیں، جو فرماتے تھے: میاں اشرف علی! پانی پیو تو ٹھنڈا پیو، اس لئے کہ ٹھنڈا پانی پیو گے تو ہر بنِ موسیٰ "الحمد للہ" نکلے گا۔

کتاب اللباس والزینۃ

کافروں کے لباس سے مشابہت

[حدیث: ۹۸۸] ”أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَمْرٍو بْنَ الْعَاصِ..... إِنَّ هَذِهِ مِنْ بِيَابِ الْكُفَّارِ فَلَا تَلْبَسْهَا (قَالَ جَبْرِ رَأَى عَلَيْهِ ثَوْبَيْنِ مُعْضَفَرَيْنِ)، وَفِي رِوَايَةٍ: رَأَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى ثَوْبَيْنِ مُعْضَفَرَيْنِ، فَقَالَ أَلَمْ تَكْ أَمْرُ تَكْ بَهَذَا؟ قُلْتُ أَغْسِلْهُمَا، قَالَ بَلْ آخِرُ فَهَمَّا.“ (صحيح مسلم ج: ۱۰، ص: ۴۳۰، حدیث نمبر: ۳۸۷۳، ۳۸۷۴، باب التَّهْنِ عَنْ نَبِيِّ الزَّجَلِ الثَّوْبِ الْمُعْضَفَرِ)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے: آنحضرت ﷺ نے ان کو دو کپڑے (جو کسم سے رنگے ہوئے تھے) پہنے ہوئے دیکھ کر فرمایا: یہ کافروں کا لباس ہے اس کو نہ پہن! اور ایک روایت میں ہے کہ: تیری ماں نے تجھے کہا ہے اسے پہنے کو؟ وہ کہتے ہیں: میں نے عرض کیا کہ: حضرت! ان کو دھو لوں؟ فرمایا کہ: جلا دے۔“

تشریح: اس حدیث میں بھی ایک چھوٹا سا واقعہ ہے، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ ایک چھوٹے سے نوجوان صحابی تھے اور یہ آنحضرت ﷺ کے سب سے بڑے راوی ہیں۔ راوی کہتے ہیں بہت زیادہ روایت کرنے والے کو۔

ابو ہریرہؓ اس اُمت کے احادیث کے سب سے بڑے راوی ہیں، جتنی احادیث انہوں نے نقل کی ہیں اتنی کسی نے نہیں کی، وہ خود کہا کرتے تھے کہ صحابہ کرام میں مجھ سے بڑھ کر حدیث کا کوئی راوی نہیں ہے، ہاں! عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ ہو سکتے ہیں۔ ”فَإِنَّهُ كَانَ يَكْتُبُ وَلَا أَكْتُبُ“ کیونکہ وہ لکھا کرتے تھے، میں لکھتا نہیں تھا، میں زبانی یاد کرتا تھا تو ان کے پاس ہو سکتا ہے کہ ذخیرہ مجھ سے زیادہ ہو۔

بہر حال نوجوانوں میں رنگینی ہوتی ہے، رنگین پسند مزاج ہوتا ہے، ”کسم“ ایک جڑی بوٹی سے ہے،

اس سے کپڑے کورنگتے ہیں، اس سے زرد رنگ ہو جاتا ہے۔ عورتیں عام طور پر پہنتی تھیں اس میں کچھ خوشبو بھی ہوتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ یہ کپڑے پہن کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں چلا گیا تو ڈانٹ کر فرمایا: یہ کافروں کا لباس ہے مت پہنا کرو! اور ایک روایت میں آتا ہے کہ تیری ماں نے کہا تھا تجھے پہننے کو؟ (صحیح مسلم)۔ یہ کہنے لگے: حضرت! میں ان کو دھوؤں؟ فرمایا: دھو نہیں جلا دے۔ یہ بات ناراضگی کے اظہار کے لئے فرمائی تھی، واقعتاً جلانے کا حکم دینا مقصود نہیں تھا، چنانچہ انہوں نے جا کے جلا ہی دیا، تنور جل رہا تھا اس میں کپڑے ڈال دیئے بعد میں حضور ﷺ نے پوچھا کہ: کپڑا کیا کیا؟ فرمایا: جلا دیئے! فرمایا: بندہ خدا! عورتوں کو دے دیتے۔

آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ ”یہ کفار کا لباس ہے، اس کو نہ پہنو“ یہاں سے آپ کو یہ اصول معلوم ہو جائے گا کہ کفار کا لباس نہیں پہننا چاہئے، کافروں کا سالباس نہیں پہننا چاہئے اور اسی لئے علماء یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ پیٹنٹ شرٹ جو پہنتے ہیں یہ مکروہ ہے، کیونکہ یہ ان کا لباس ہے اور انہوں نے ساری دنیا میں اس کو رائج کر دیا۔

ایک تو یہ کفار کا لباس ہے اور دوسرا یہ کہ یہ اصول ہے کہ جس لباس سے بدن کے اعضاء جھلکتے ہوں وہ صحیح نہیں، اور تم جانتے ہو کہ یہ پیٹنٹ اتنی چست ہوتی ہے کہ سلوٹیں بھی نظر آتی ہیں گو کپڑا مسونا ہوتا ہے خدا نخواستہ اگر سجدے میں جاتے ہوئے کپڑا پھٹ جائے تو مسئلہ ہی خراب ہو جائے گا، کیوں زور اتنا لگتا ہے اس پر مجھے تعجب ہوتا ہے کہ پھنتی کیوں نہیں یہ؟ سلائی ذرا مضبوط کرتے ہوں گے اگر اس الٹی اور گمراہ بے خدا قوم نے اس کو اتنا رواج نہ دے دیا ہوتا تو میرا خیال ہے کہ کوئی شریف آدمی اس لباس کو پہننا گوارہ نہ کرتا، مگر اب یہ لوگوں میں عزت کا نشان بن گیا، گھر میں دوسرے کپڑے پہنتے ہیں، دفتر جانے کے لئے پابندی ہے۔ ماضی میں بعض حکمرانوں نے یہ پابندی ہٹا دی تھی اور لوگ قمیص شلوار میں جانے لگے تھے لیکن ان کے جانے کے بعد قوم اسی کی طرف لوٹ آئی۔ تو ایک اصول تو یہ معلوم ہو گیا کہ کفار کا لباس نہیں پہننا چاہئے: ”إِنْ هَذِهِ مِنْ صِيَابِ الْكُفَّارِ فَلَا تَلْبَسُهَا“ یہ کفار کا لباس ہے تم نہ پہنو۔

اور دوسری بات یہ کہ تم لوگ کبھی کبھی ترنگ میں آ کر کہہ دیا کرتے ہو کہ: ”اسلام اتنا تنگ نظر نہیں ہے!“ جب کوئی مسئلہ مزاج کے خلاف ہو تو یوں کہہ دیتے ہیں۔ ہمارے ایک بزرگ نے جواب دیا تھا کہ آپ حضرات صحیح فرماتے ہیں کہ اسلام اتنا تنگ نظر نہیں، لیکن جتنا وسیع النظر آپ نے سمجھ لیا ہے، اتنا وسیع النظر بھی نہیں۔ وہ دردہ بھی نہیں ہے کہ جو کچھ بھی ڈالتے جاؤ اسلام اس کو قبول کرتا جائے گا، ہر گندگی اسلام کی طرف منسوب کرتے ہو، اتنا وسیع بھی نہیں ہے، اسلام کی بھی کچھ حدود ہیں، تھوڑا سا تنگ بھی ہے۔ لیکن یہ اعتراض ہی غلط ہے، بھائی! تنگ نظر تم نے اس لئے کہہ دیا کہ ایک پابندی لگا دی کہ یہ لباس نہ پہنو، یہ لباس نہ پہنو، تم

نے کہہ دیا کہ تنگ نظری ہے، مجھے بتاؤ کہ کون سے محکمے میں خاص لباس مقرر نہیں ہے؟ تمہارے لئے یہ کون کا لباس بھی ایک مستقل ہے، جو چہرے کا کھانا کھلاتے ہیں ان کا بھی ایک خاص لباس ہے، چڑھائی کا ایک خاص لباس ہے، اور اگر وہ نہ پہنے تو حاکم اس کو اندر نہیں آنے دے گا، اور یہی بات جب ہم کہتے ہیں تو تم کہتے ہو کہ تنگ نظر! شکر ہے ملا کو کہتے ہیں کہ تنگ نظر ہے، درست فرماتے ہیں۔ اللہ اور اللہ کے رسول کو کہنے کے بجائے ملا کو یہ کہہ دو شیک ہے۔ ملا راضی ہے اس پر۔ لیکن معقولیت کے ساتھ ذرا غور کرو کہ تنگ نظری کا الزام کس طرح اس پر صحیح ہے؟ تمہارا کون سا ملک اور کون سا محکمہ ہے جہاں پر یہ تنگ نظری نہیں پائی جاتی، اور اگر اللہ اور اللہ کا رسول فرمادیں کہ یہ لباس نہ پہنو، یہ نہ پہنو تو تم کہتے ہو کہ تنگ نظر ہے، یہ کام کرو، یہ نہ کرو، تو تم کہتے ہو کہ تنگ نظر ہے، اور کبھی کبھی ہمارے دوست ”مجتہد“ بھی بن جاتے ہیں۔

مجھے ایک صاحب نے لکھا کہ ایک خاتون کہتی ہیں کہ وہاں حج پر جا کے تو کوئی بھی منہ نہیں ڈھکتا، لہذا یہاں بھی نہ ڈھکو۔ میں نے ان سے کہا: اپنے میاں سے کہیں کہ دو چادریں پہن کر رکھا کریں، مردوں کا کفن جو حاجی پہنتے ہیں وہی ہمیشہ پہن کر رکھا کریں۔ حماقت کی بھی حد ہوگئی، یہاں کی معاشرت کو احرام کی حالت پر قیاس کرتی ہے، وہاں اللہ کے گھر میں طواف ہو رہا ہے اور یہاں محلوں میں ایک دوسرے کو تنکتے ہوئے پھر رہے ہیں، چھیڑتے ہوئے، اس حالت کو اس حالت پر قیاس کرتے ہو؟ لیکن اس کے باوجود عورت کو کہا گیا ہے کہ کپڑا چہرے سے نہ لگے مگر مردوں سے پردہ بھی کرنا ہے۔

ابوداؤد میں حدیث ہے کہ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حجۃ الوداع میں تھے اور چہرے کھلے تھے، فرماتی ہیں کہ: جب مرد لوگ ہمارے پاس سے گزرتے تو ہم اپنے منہ کے سامنے کوئی چیز کر لیتے، عین اس حالت میں بھی اُمہات المؤمنین پردہ کرتی تھیں جبکہ وہ اُمت کی مائیں ہیں اور کسی بے ایمان کے لئے گنجائش نہیں کہ نگاہ غلطہ اندازان پر ڈالے، جو احترام ماں کا ہوتا ہے اس سے بڑھ کر احترام ان اُمہات المؤمنین کا تھا۔ ازواج النبی ﷺ پھر بھی پردہ کرتی تھیں، لیکن ان چھوڑیوں کو معاف ہو گیا، یہاں بھی معاف ہو گیا وہاں تو معاف تھائی۔

تو بھائی یہ تنگ نظری نہیں ہے، اور اللہ اور اللہ کے رسول کا کیا مفاد ہے اس میں؟ تمہیں جو ہدایات دی گئی ہیں وہ تمہارے ہی فائدے کے لئے ہیں، اس لئے کہ کفار کا لباس پہنو گے تو کفار کے اخلاق تمہارے اندر آئیں گے، صوفیوں کا لباس پہنو گے تو صوفیت اندر آئے گی، متکبروں کا لباس پہنو گے تو تکبر اندر آئے گا، کافروں کا لباس پہنو گے تو کافروں کے اخلاق کے جراثیم تمہارے اندر آئیں گے، بیجروں کا لباس پہنو گے تو بیجروں پیدا ہوگا، عورتوں کا لباس پہنو گے تو مزاج میں زنانہ پن پیدا ہوگا۔ اس لئے شریعت نے حکم دیا ہے کہ مرد عورتوں کا لباس نہ پہنیں اور عورتیں مردوں کا لباس نہ پہنیں۔

امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جب کسی کو باریک لباس پہنے ہوئے دیکھتے تھے تو زور اٹھا لیتے اور فرماتے: یہ عورتوں کے لئے چھوڑو! تو اللہ اور رسول نے ہمیں ہدایات فرمائی ہیں، اس میں حکمتیں ہیں اور وہ حکمتیں تمہاری ہی طرف راجع ہیں، تمہاری ہی تربیت اور تمہارے ہی نفع کے لئے ہیں، تم اس کو تنگ نظری کہتے ہو، اللہ کے بندو! اللہ تعالیٰ نے بکری کو حلال کیا ہے اور خنزیر کو حرام کیا، کوئی تو بات ہے نا! یہ تنگ نظری نہیں ہے، شریعت کو خنزیر سے کیا نفرت اور بکری سے کیا محبت تھی؟ بکری کا گوشت کھاؤ گے تو تمہارے اندر پاکیزہ صفات پیدا ہوں گی، اس کو اللہ نے پاک بنایا ہے اور کتا اور خنزیر کھاؤ گے تو کتے اور خنزیر والے اخلاق و صفات پیدا ہوں گے۔ ابھی دو تین دن پہلے اخبار میں پڑھا تھا کہ ایک وائرس نکلا ہے جس میں انسان کی شکل خنزیر کی طرح بن جاتی ہے، یہ اندر کے جراثیم ہیں جو کبھی یہ شکل بھی اختیار کر لیتے ہیں۔

بہر حال حلال اور حرام کا نظام جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے بنایا ہے یہ خالص تمہارے نفع کے لئے ہے، اس کی بہت سی حکمتیں تو ایسی ہیں جو تمہیں بھی سمجھ میں آسکتی ہیں اور بے شمار ایسی ہیں جہاں تک شریعت و نبوت کی نظر پہنچ سکتی ہے، ہماری نظر نہیں پہنچ سکتی۔

سفید کپڑوں کی فضیلت

[حدیث: ۹۸۹] ”عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْنَكُمْ بِالنِّبَاضِ مِنَ النَّيَابِ لِئَلَيْسَ بِهَا أَحْيَاؤُكُمْ، وَكَفِّنُوا فِيهَا مَوْتَكُمْ فَإِنَّهَا مِنْ خَيْرِ ثِيَابِكُمْ.“ (الشامائل المحمدية للترمذی ج: ۱، ص: ۶۱، حدیث نمبر: ۶۸، باب ما جاء في لباس رسول الله....)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سفید کپڑوں کو لازم سمجھو، چاہئے کہ ان کو پہنیں تمہارے زندہ لوگ اور ان میں کفن پہنایا کرو اپنے مردوں کو اس لئے کہ یہ تمہارے سب سے بہتر کپڑوں میں سے ہیں۔“

[حدیث: ۹۹۰] ”عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: النَّبِیَاضُ فَإِنَّهَا أَطْهَرُ وَأَطْيَبُ وَكَفِّنُوا فِيهَا مَوْتَكُمْ.“ (الشامائل المحمدية للترمذی ج: ۱، ص: ۶۱، حدیث نمبر: ۶۹، باب ما جاء في لباس رسول الله....)

ترجمہ: ”حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: سفید کپڑے پہنا کر اس لئے کہ یہ زیادہ پاک اور صاف رہتے ہیں اور ان میں اپنے

مردوں کو کفن دیا کرو۔“

تشریح: ان دو حدیثوں میں سفید کپڑا پہننے کی ترغیب دلائی ہے، فرمایا کہ خود بھی پہنا کرو اور مردوں کو بھی سفید کپڑوں میں کفن پہنا کر سفید کپڑوں کا کفن دیا کرو۔

پہلی حدیث میں فرمایا کہ یہ تمہارے بہترین کپڑوں میں سے ہے اور دوسری حدیث میں فرمایا **فَانْهَاطْهُوَ وَاَطْهَبْ** کیونکہ یہ پاک اور صاف رہتے ہیں، بہترین ہونا رنگ کے اعتبار سے تمام رنگوں میں سب سے زیادہ محبوب سفید رنگ ہے اگرچہ دوسرے رنگ کا استعمال بھی جائز ہے بشرطیکہ کسی قوم کے ساتھ مشابہت نہ پائی جاتی ہو، ایک رنگ کا زیادہ موزوں ہونا بنسبت دوسری رنگ کے یہ دوسری بات ہے، سیاہ کپڑوں میں گمراہ فرقوں کی مشابہت پائی جاتی ہے اس لئے سیاہ لباس پہننا ممنوع ہوگا ان کی مشابہت کی وجہ سے، البتہ سیاہ عمامہ جائز ہے بشرطیکہ کسی خاص علاقے میں کسی خاص قوم کا شعار نہ ہو کیونکہ سیاہ عمامہ آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے۔

سرخ رنگ کے کپڑے کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ اس کا پہننا مردوں کو جائز ہے یا نہیں، علماء کے متعدد اقوال ہیں اور خود ہمارے مذہب میں بھی اس میں متعدد اقوال ہیں، بعض نے اس کو مکروہ کہا ہے، بعض نے مکروہ تنزیہی، بعض نے مکروہ تحریمی لیکن حضرت اقدس گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ پہن سکتے ہیں لیکن تقویٰ کے خلاف ہے، گویا خلاف اولیٰ ہے، بہتر نہیں ہے۔

تو دوسرے رنگوں کا پہننا بھی جائز ہے اس میں کوئی کراہت اور مضائقہ نہیں لیکن آنحضرت ﷺ نے ترغیب دلائی ہے سفید رنگ کا کپڑا پہننے کی، آدمی کو خود بھی برا لگتا ہے اس کو صاف کر لے گا اور دوسرے رنگ میں دھبہ زیادہ نمایاں نہیں ہوتا چلتا رہتا ہے، اس لئے عام طور پر جو حضرات سفر میں رہتے ہیں وہ رنگین کپڑے پہنتے ہیں تاکہ جلدی دھونے کی ضرورت پیش نہ آئے، بہر حال سفید کپڑا پہننا افضل ہے البتہ عورتوں کے لئے رنگین کپڑے افضل ہیں، ان کے کپڑوں میں بھی زنانہ پن محسوس ہونا چاہئے، حدیث شریف میں فرمایا ہے کہ اللہ کی لعنت ہو ان مردوں پر جو عورتوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں اور اللہ کی لعنت ہو ان عورتوں پر جو مردوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں۔

اب عورتوں اور مردوں کا لباس بھی گنڈ ہونے لگا، ہمارے نوجوانوں کو پھول دار منقش کپڑے پہننے کا شوق چڑھا آتا ہے، نہیں پتا چلتا کہ صاحبزادہ ہے یا صاحبزادی، لباس سے پتہ نہیں چلتا پھر بال بھی ایسے ہیں کہ لڑکیوں نے کٹونا شروع کر دیئے اور لڑکوں نے بڑھانا شروع کر دیئے اور اللہ معاف کرے بعض کو تو عورتوں کے ساتھ مشابہت کا اتنا شوق ہے کہ وہ باتیں بھی عورتوں کی طرح کرنے لگے ہیں، شاید ان سے ممکن ہو تو صیغہ بھی مونث کا استعمال کرنے لگیں، جیسا کہ بعض لڑکیوں کو مرد بننے کا شوق ہوتا ہے ان کے انداز

تفاخر میں مردانہ پن پایا جاتا ہے، یہ دونوں باتیں غلط ہیں، عورتوں کو مردوں کی اور مردوں کو عورتوں کی مشابہت نہیں کرنی چاہئے، لباس میں بھی نہیں ہونی چاہئے رفتار میں بھی نہیں ہونی چاہئے، رنگین لباس شوخ قسم کے یہ عورتوں کے لئے ہے مردوں کے لئے نہیں، مردوں کے لئے باوقار لباس سفید ہی ہے، خاص صحیح بخاری شریف کی حدیث میں تصریح موجود ہے کہ آپ سفید کپڑے کو پسند فرماتے تھے اور اسی کو زیب تن فرماتے تھے۔

سیاہ بالوں کی چادر

[حدیث: ۹۹۱] ”عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ذَاتَ عَدَاةٍ وَعَلَيْهِ مِرْطٌ مِنْ شَعْرِ أَسْوَدَ“ (الشمائل المحمدية للترمذی ج: ۱،

ص: ۶۰، حدیث نمبر: ۷۰، باب ما جاء في لباس رسول الله....)

ترجمہ: ”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک صحیح کو باہر تشریف لائے

اس حالت میں کہ سیاہ بالوں کی چادر آپ نے اوڑھی ہوئی تھی۔“

تشریح: اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دن آنحضرت ﷺ گھر سے نکلے تو آپ کے پاس بالوں کی بنی ہوئی سیاہ کُملی تھی، کالی کُملی جس کو کہتے ہیں، بخاری وغیرہ کی روایت میں میرطُ فَرْخَل (مسلم ۱۰/۴۳۱، ۳۸۸۱) آتا ہے یعنی جس میں کجاوے کے نقشے بنے ہوئے ہیں، اونٹ کا کجاوہ ہوتا ہے اصل میں ان حضرات کے ہاں دستور تھا کہ مختلف قسم کے پھول بناتے تھے چادروں کے اوپر، کسی پر ایسا نقشہ بنا دیا جیسے کجاوہ ہوتا ہے تو اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اس پر سیاہ رنگ کا پھول پڑے ہوئے یا منقش تھا جس میں نقشہ بنا ہوا تھا اونٹ کے کجاوے کا، گویا وہ پوری چادر سیاہ نہیں تھی بلکہ اس میں سیاہ نقش بنے ہوئے تھے تو آنحضرت ﷺ سے بالوں کی بنی ہوئی سیاہ چادر کا استعمال بھی ثابت ہے جس کو ہم پشم کہہ سکتے ہیں، اونٹ کے پشم (بال) سے بھی بنتی تھیں ان کے ہاں چادریں اور بھیڑ اور دُبے کی پشم سے بھی بنتی تھیں، بکریوں کے بالوں سے بھی بنتی تھیں تینوں احتمال اس میں ہیں۔

آپ ﷺ کا تنگ آستینوں والا جبہ پہننا

[حدیث: ۹۹۲] ”عَنْ غُرَورَةَ بْنِ الْمَغْفِرَةِ بْنِ شُعْبَةَ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَبَسَ جُبَّةً زُمِّيَّةً ضَيِّقَةً الْكُمَيْنِ“ (الشمائل المحمدية للترمذی

ج: ۱، ص: ۶۰، حدیث نمبر: ۱۷، باب ما جاء في لباس رسول الله....)

ترجمہ: ”حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے رومی جبہ زیب تن

فرمایا جس کی آستینیں تنگ تھیں۔“

تشریح: اس حدیث میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رومی جب پہنا جس کی آستینیں تنگ تھیں، یہ غزوہ تبوک کا واقعہ ہے، یہاں امام ترمذی نے صرف اتنا کلمہ نقل کر دیا ہے روایت کا، روایت بہت لمبی ہے، غزوہ تبوک میں حضرت مغیرہ فرماتے ہیں کہ صبح کا وقت اذان کا وقت ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جنگل میں تشریف لے گئے قضائے حاجت کے لئے، میں پانی کا لوٹا لے کر پیچھے چلا گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہوئے تو میں نے پانی پیش کر دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے استعمال فرمایا اس کے بعد میں وضو کرانے لگا جب ہاتھ دھونے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب پہنا ہوا تھا رومی جس کی آستینیں تنگ تھیں یعنی اوپر نہیں چڑھ سکتی تھی، ہاتھ دھونے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو نیچے سے نکال کر کندھے پر ڈال لیا اور ہاتھ نکال لئے، اس کے بعد دوبارہ پہن لیا، ثُمَّ أَهْوَيْتُ لِأَنْتَوَعِ خَفِيهِ (بخاری ۱۸/۱۰۸، ۵۳۵۳) پھر میں آپ کے موزوں کی طرف لپکا، چمڑے کے موزے پہنے ہوئے تھے کہ ان کو کھولوں موزے اُتار دوں قدم مبارک سے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دَعَيْتُمَا ان كُورَ بَنِي دِيْنٍ، فَإِنِّي أَذْخِلُهُمَا طَاهِرَتَيْنِ کہ انہیں میں نے پاؤں دھو کر پہنا ہے وضو پر پہنا ہے۔

یہ غزوہ تبوک کا واقعہ ہے، فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی میں ذرا دیر ہو گئی، انہوں نے حضرت عبدالرحمن بن عوف کو امام بنادیا نماز شروع کر دی، اب صبر کا موقع تھا کہ پتہ نہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیچھے رہ گئے ہیں قافلے سے یا کیا قصہ ہوا ہے پورا علم نہیں تھا ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کرتے تو عبدالرحمن بن عوف کو انہوں نے امام بنادیا، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے تو ایک رکعت ہو چکی تھی فجر کی نماز کا وقت تھا اور یہ منفرد قسم کی نماز تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک رکعت فوت ہو گئی، بہر کیف! انہوں نے سلام پھیرا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھ اپنی نماز پوری کی، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پیچھے دیکھا صحابہ نے تو متحکم ہو گئے کہ یہ کیا ہو گیا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: قَدْ أَحْسَنْتُمْ لِمَنْ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ کہ ان کو تسکین ہوئی۔

یہ واحد صحابی ہیں حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ جن کی اقتداء میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رکعت پڑھی اور ایک ایسا ہی قصہ پیش آیا تھا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی کہ وہ نماز شروع کر چکے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعد میں پہنچے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر صحابہ نے تصفیق کرنا شروع کر دی تب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو التفات ہوا کہ کیا بات ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کیا ہاتھ سے کہ اپنی جگہ کھڑے رہو نماز پڑھاؤ، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس طرح ہاتھ اٹھائے جس طرح دعا مانگتے ہیں اور پھر پیچھے ہٹ گئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنو عمر و بن عوف قبیلہ تھا وہاں، کچھ ناچاقی ہو گئی تھی صلح کرانے کے لئے تشریف لے

گئے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے کہہ گئے تھے کہ اگر نماز کا وقت ہو جائے اور ہم واپس نہ آئیں تو ابو بکر کو کہنا کہ نماز پڑھا لیں۔ وقت ہونے پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ نماز پڑھاؤ گے؟ انہوں نے کہا: ہاں بیشک تم کہہ دو گے تو پڑھا لیں گے، نماز شروع ہو چکی تھی، آنحضرت ﷺ تشریف لے آئے، بہر حال آنحضرت ﷺ نے اشارہ کیا کہ کھڑے رہو لیکن وہ ٹھہرے نہیں ہاتھ اٹھائے اور پھر پیچھے ہٹ گئے، آنحضرت ﷺ آگے بڑھے اور امام بن گئے اور جہاں سے ختم ابو بکر نے کیا تھا وہاں سے شروع کر دیا، نماز سے فارغ ہوئے تو صحابہ کرام سے پوچھا کہ تم لوگ تالیاں کیوں بجا رہے تھے نماز میں؟ وہ تالیاں بجا بجا کر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو متوجہ کر رہے تھے فرمایا: **إِذَا خَذَبَ أَهْلُ هِيَ الصَّلَاةُ فَلْيَسْبِخْ** تم میں سے نماز میں کسی کو کوئی امر پیش آ جائے تو تسبیح کرو **فَإِنَّمَا التَّسْبِيحُ لِلرَّجَالِ وَالتَّصْفِيقُ لِلنِّسَاءِ** اس لئے کہ مردوں کے لئے تسبیح کا حکم ہے اور عورتوں کے لئے تالیاں بجانے کا حکم ہے لیکن تالیاں اس طرح دونوں ہاتھوں کی ہتھیلی کے ساتھ نہیں بلکہ اٹے ہاتھ کی پشت پر مارے یہ تالی ہے بس اس سے زیادہ نہیں، اگر عورت کو متوجہ کرنا ہے، امام سے کوئی غلطی ہوگئی، مرد کوئی بولا نہیں اور عورت متوجہ کرنا چاہتی ہے، امام کو کسی غلطی کی طرف متوجہ کرنا چاہتی ہے تو ان کے لئے تصفیق کا حکم ہے۔ اور پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ جب میں نے تمہیں کہا تھا کہ اپنی جگہ کھڑے رہو تو تم پیچھے کیوں بٹے تھے؟ انہوں نے کہا: **مَا كَانَ لِابْنِ أَبِي قُحَافَةَ أَنْ يَصْلِيَ بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ** ابوفانہ کے بیٹے سے یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ حضور ﷺ سے آگے ہو کر نماز پڑھائے۔ علماء نے کہا کہ یہ کیا بات ہوئی کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ پیچھے ہٹ گئے اور عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ پیچھے نہیں بٹے، وہ بدستور نماز پڑھاتے رہے؟ اس کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ابھی پہلی رکعت میں تھے، آنحضرت ﷺ کے آگے ہونے کی وجہ سے نماز نہ ٹوٹی بخلاف عبدالرحمن ابن عوف رضی اللہ عنہ کے کہ وہ ایک رکعت پڑھا چکے تھے، وہ دوسری رکعت میں تھے، اب اگر رسول اللہ ﷺ آگے ہوتے تو ایک رکعت پڑھا کر پھر کسی اور کو آگے کرتے کہ سلام پھیرے اور خود اپنی نماز پوری پڑھتے، نماز کی ترتیب ٹوٹی، ادب حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ پر بھی غالب تھا، لیکن شرعی مسئلے کے لحاظ سے انہوں نے مناسب نہیں سمجھا کہ اب پیچھے ہٹیں تاکہ نماز کی ترتیب گڑبڑ نہ ہو۔

بہر کیف یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت میں واحد صحابی ہیں جن کے پیچھے آنحضرت ﷺ نے نماز پڑھی ہے اور ایک قول کے مطابق دوسرے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، مرض الوفاۃ میں جب آنحضرت ﷺ دو آدمیوں کے سہارے سے تشریف لائے تھے تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے برابر آ کر بیٹھ گئے تھے آنحضرت ﷺ اس نماز میں اختلاف ہوا ہے کہ امام ابو بکر رضی اللہ عنہ تھے یا حضور ﷺ تھے، دونوں قول ہیں لیکن محققین کا راجح قول یہ ہے کہ امام حضور ﷺ تھے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی حیثیت مکیہ کی ہوگئی تھی۔

تشریح: اس حدیث میں حضرت ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سرخ حلتہ پہنے ہوئے دیکھا تھا اور گویا کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چمکتی ہوئی پنڈلیوں کو ابھی دیکھ رہا ہوں میری نظر کے سامنے ہیں، صحیح بخاری شریف میں ذکر کیا گیا ہے کہ یہ قصہ حجۃ الوداع کا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لئے تشریف لائے تھے تو میں نے (حضرت ابو حنیفہ اس وقت کا قصہ ذکر کر رہے ہیں) فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت بلال کو دیکھا کہ پہلے انہوں نے اذان کی فَجَعَلْتُ أَنْتِغِ فَاهَا هُنَا وَهَاهُنَا وَحَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ اور حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ (مسلم ۳/۷۷۷) پر اپنا منہ دائیں اور بائیں گھما رہے تھے، اس کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کا عصا لائے اور لا کر میدان میں ایک جگہ گاڑ دیا، یہ سترہ تھا قبلے کا اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ نے نماز پڑھائی، اس وقت آپ نے سرخ حلتہ پہنا ہوا تھا سرخ جوڑا چونکہ سرخ جوڑے کے پہننے میں اختلاف ہے اور احادیث میں اس کے پہننے کی ممانعت آئی ہے، اس لئے حضرت سفیان ثوری جو اس حدیث کے راوی بھی ہیں اور امام ہیں بہت بڑے حدیث کے بھی فقہ کے بھی اور تصوف کے بھی، وہ فرماتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ منقش چادر تھی، سرخ سے مراد یہ ہے کہ اس میں سرخ ڈورے تھے، یمن کی چادریں مختلف قسم کی بن کے آتی تھیں کسی میں سرخ ڈورے ہوتے تھے کسی میں ہبز ہوتے تھے کسی میں سیاہ ہوتے تھے، تو عرف عام کے اعتبار سے ان کو کہہ دیا جاتا تھا سرخ چادر اور جوڑا کہتے ہیں حلتہ دو چادروں کا جن کو پہلی دفعہ تھان سے کھولا جائے یعنی بڑھکھولی جائے اس کو حلتہ کہتے ہیں، تو مطلب یہ کہ اس حدیث میں جو فرمایا گیا کہ سرخ چادریں پہنی ہوئی تھیں اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ خالص سرخ کپڑا تھا بلکہ مراد یہ ہے کہ ایسی چادریں تھیں جن میں سرخ ڈورے تھے۔

شیخ الحدیث مولانا زکریا نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں علماء کا سرخ لباس پہننے کے بارے میں اختلاف ہے بعض نے بالکل منع کیا ہے اور بعض نے مکروہ لکھا ہے اور بعض نے کہا کہ جائز ہے کیونکہ روایات کے اعتبار میں مختلف ہیں، خود حنفیہ کے ہاں بھی اس میں اختلاف واقع ہوا ہے۔ شیخ لکھتے ہیں کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فتویٰ دیتے تھے کہ سرخ لباس کا پہننا جائز ہے لیکن تقویٰ کے خلاف ہے، گویا پسندیدہ نہیں ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو منقول ہے سرخ کپڑے کا پہننا، وہ اسی قسم کا کپڑا مراد ہے، یعنی منقش ڈوروں والا، سرخ دھاریوں والا کپڑا۔

سرخ جوڑے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوبصورتی

[حدیث: ۹۹۴] ”عَنِ النَّبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ: مَا رَأَيْتُ أَحَدًا مِنَ النَّاسِ أَحْسَنَ فِي خَلْقِ خَمَزَاءٍ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، إِنْ كَانَتْ جَمْعُهُ لَتَضُرِبَ قَرِينًا مِنْ مَنَكِبَيْهِ۔“ (الشمائل المحمدية للترمذی ج: ۱، ص: ۷۳، حدیث نمبر: ۶۵، باب ما جاء في لباس رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم)

ترجمہ: ”حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ خوبصورت نہیں دیکھا سرخ حلے میں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک قریب ہو رہے تھے کندھوں کے۔“

تشریح: یہ حدیث حضرت براء بن عازب کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے سرخ جوڑے میں ملبوس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حسین کسی کو نہیں دیکھا اور آپ کے سر کے بال کندھوں کے قریب تک پہنچ رہے تھے، یہ روایت پہلے باب میں گزر چکی ہے اور یہاں لباس کے اعتبار سے امام ترمذی نے اس کو دوبارہ ذکر کیا ہے اور سرخ جوڑے سے مراد یہی سرخ دھاریوں والا جوڑا مراد ہے اور بالوں کے بالوں کے بارے میں جیسے پہلے گزر چکا ہے کہ اس میں تین قسم کی روایتیں آتی ہیں اور یہ مختلف حالات پر محمول ہے، کبھی اصلاح بنانے میں دیر ہوگئی تو کندھوں کے قریب پہنچ جاتے تھے بال مبارک اور کبھی اصلاح بنا لیتے تھے تو کانوں کی لو تک ہو جاتے تھے۔

دوسرے چادروں کا لباس

[حدیث: ۹۹۵] ”عَنْ أَبِي زَمَنَةَ قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ بُرْدَانِ أَحْضَرَانِ۔“ (الشمائل المحمدية للترمذی ج: ۱، ص: ۷۳، حدیث نمبر: ۶۶، باب ما جاء في لباس رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم)

ترجمہ: ”حضرت ابو رمثہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا اس حال

میں کہ آپ ﷺ نے دو سبز چادریں پہنی ہوئی ہیں۔“

تشریح: یہ روایت ابو رمثہ رضی اللہ عنہ کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس حالت

میں دیکھا کہ آپ ﷺ نے دو سبز چادریں پہنی ہوئی تھیں اوپر کی نیچے کی، یہاں بھی سبز سے مراد سبز دھاریوں والی چادر ہے۔

زعفران کی رنگی ہوئی چادریں

[حدیث: ۹۹۶] ”عَنْ قَيْلَةَ بِنْتِ مَخْرَمَةَ قَالَتْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ أَسْمَالُ مَلِيَّتَيْنِ كَأَنَّ بَزْغَفْرَانَ وَقَدْ نَقَضَتْهُ وَفِي الْحَدِيثِ قِصَّةُ

طَوِيلَةٌ“ (الشعائل المحمدية للترمذی ج: ۱، ص: ۷۳، حدیث نمبر: ۶۷، باب ما

جاء فی لباس رسول اللہ ﷺ...)

ترجمہ: ”قیلہ بنت مخرمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا اس حالت

میں کہ آپ نے دو پرانی چادریں پہنی ہوئی تھیں زعفران کی رنگی ہوئی لیکن زعفران کا

اثر جاتا رہا تھا اس حدیث میں ایک طویل قصہ ہے۔“

تشریح: یہ حدیث حضرت قیلہ بنت مخرمہ رضی اللہ عنہا کی ہے، یہ خاتون فرماتی ہیں کہ میں نے رسول

اللہ ﷺ کو اس حالت میں دیکھا کہ آپ ﷺ نے دو بہت پرانی قسم کی چادریں پہنی ہوئی تھیں اور وہ زعفران کے رنگ کی رنگی ہوئی تھیں لیکن زعفران کا اثر باقی نہیں رہا تھا۔

امام ترمذی نے اس حدیث کو اتنا نقل کر کے آگے کہہ دیا کہ اس حدیث میں ایک طویل قصہ ہے،

جہاں تک آپ ﷺ کی دو پرانی چادروں کے پہننے کا تعلق ہے تو کبھی ایسا بھی ہوا ہوگا کبھی کبھی آنحضرت ﷺ

سے بہت قیمتی لباس کا پہننا بھی ثابت ہے، ایک دفعہ ایک جوڑا آپ ﷺ نے ۲۲ اونٹوں کے بدلے میں خریدا

تھا لیکن عام عادت اس کے پہننے کی نہیں تھی، عام عادت آنحضرت ﷺ کی معتدل درمیانہ قسم کا لباس پہننے کی

تھی اور کبھی پرانی چادریں بھی پہن لیں دوسرا کپڑا میسر نہیں ہوگا وہی پہن لیا۔

حضرات صوفیاء پرانے کپڑوں کے پہننے کو ترجیح دیتے ہیں اس لئے کہ ان میں تواضع اور شکستگی زیادہ

ہے، لباس فاخرہ کے پہننے سے متع فرمایا ہے کہ اس سے آدمی کو کبر اور تعلی کا خطرہ ہے۔ البتہ حضرات نقشبندیہ کا

مزاج اس کے الٹ ہے، وہ عمدہ قسم کے لباس کے پہننے کو ترجیح دیتے ہیں۔ ایک مرتبہ ایک صاحب آنحضرت

ﷺ کی خدمت میں آئے لباس بہت شکستہ تھا اور ان کی حالت سے شکستہ حالی محسوس ہوتی تھی، آنحضرت

ﷺ کو گراں گزرا اور آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ بھائی ان کو کچھ دو، ان کی مدد کرو! ان صاحب نے کہا کہ یا رسول اللہ! میرے پاس اللہ کا دیا سب کچھ ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے بندہ خدا! جب اللہ نے آپ کو دے رکھا ہے تو پھر اپنی شکل ایسی کیوں بنا رکھی ہے؟ اور پھر فرمایا کہ اگر حق تعالیٰ شانہ کسی پر انعام فرمائیں تو اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ اپنی نعمت کا اثر اس پر دیکھیں، بات یہ ہے کہ دونوں طرف خطرہ ہے، اچھا لباس پہننے میں بھی خطرہ ہے اور بھدا لباس پہننے میں بھی خطرہ ہے، مناسب یہ ہے کہ درمیانہ لباس پہنا جائے اور ان خطرات سے بچنے کی کوشش کی جائے، لیکن اگر کبھی اللہ تعالیٰ اچھا لباس عطا فرمادیں تو ٹھیک ہے، آدمی کو فخر و مباہات سے بچنا چاہئے اور یہ سمجھنا چاہئے کہ حق تعالیٰ سبحانہ نے جو نعمت عطا فرمائی ہے، اسے منجانب اللہ سمجھے اس کو دل میں فخر اور غرور نہیں ہونا چاہئے، لیکن کم لوگ ایسے ہیں کہ اچھا لباس پہننے کے بعد ان کے دل میں کبر پیدا نہ ہو، ورنہ عام طور پر ہوا بھر جاتی ہے، جیسے کہ غبارے میں ہوا بھر جاتی ہے، ایسے ہی آدمی بھی پھول جاتا ہے، ہوا بھر جاتی ہے۔ اور شکستہ لباس پہنے تو اپنی تواضع کا اظہار مقصود نہ ہو، بلکہ یوں سمجھے کہ میں تو اس لائق ہی نہیں تھا، یہ تو مالک کا احسان ہے، آخر جانوروں کو لباس کون پہناتا ہے؟ یہ کتے ہیں، گدھے ہیں، گائے ہیں، بھینسیں ہیں، ان کو گرنا اور پا جامہ کون پہناتا ہے؟ میری حیثیت تو ان سے بھی بدتر ہے یہ تو مالک کا احسان ہے کہ مجھے لباس عطا فرمادیا میرے ستر کو چھپانے کے لئے، میں تو اس شکستہ لباس کے بھی لائق نہیں تھا، آدمی یہ سمجھے تو بہر حال یہ نہیں کہ لوگ کہیں بڑا صوفی ہے، بڑا ہی درویش آدمی ہے یہ دیکھو اس کو کوئی بھی کیونکہ یہ بھی ایک کبر ہے، کبھی تواضع کی شکل میں کبر ہوتا ہے، ظاہر کرتا ہے تواضع کو اور اندر کبر ہے لیکن اللہ تعالیٰ تو ظاہر کو نہیں دیکھتے باطن کو دیکھتے ہیں، اسی لئے مشائخ فرماتے ہیں کہ جو اپنے آپ کو تواضع سمجھے وہ متکبر ہے، تواضع یہ ہے کہ اپنے آپ کو تواضع بھی نہ سمجھے کہ میں تواضع اختیار کرنے والا ہوں کیونکہ اس کی تواضع کی حقیقت ابھی میں نے عرض کی کہ اپنے کو اس لائق ہی نہ سمجھے یہ تو تواضع ہوئی، اپنے آپ کو جانوروں سے بھی بدتر سمجھے، حقیقت میں تواضع یہ ہے، باقی میلے کپیلے کپڑے پہننے کا نام تواضع نہیں ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ نہ تو لباس کے معاملے میں تکلف ہو کہ اگر ایسے رکھ رکھاؤ کا لباس ہو تو مابدولت پہنیں گے ورنہ نہیں پہنیں گے۔ اور قصد امیلا کپیلا یا پھنا لباس بھی پہننے کی کوشش نہ کرے، بلکہ جو وقت پر میسر آجائے پہن لے۔

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب نور اللہ مرقدہ سناتے تھے حضرت حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ ایک دن گرتا پھین کر مسجد میں آئے، بسا اوقات ایسا ہو جاتا ہے جلدی میں یا تارکی میں آدمی کو خیال نہیں رہتا، مجلس میں آکے بیٹھ گئے اور گرتا اٹنا پہنا ہوا تھا، کسی نے توجہ دلائی حضرت! گرتا اٹنا ہے، دیکھ کر کہنے لگے کہ: اللہ کے لئے پہنا تھا، اب تمہاری خاطر نہیں بدلوں گا، اسی طرح بیٹھے رہے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ اس مقام کو

پہنچنا ہر ایک آدمی کا کام نہیں ہے، سچی بات ہے۔

ایک صاحب حضرت پیران پیر رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں آئے، پوچھا: کیسے آتا ہوا؟ کہا کہ بادشاہ کے لئے کپڑے لے کے آیا تھا، مجھے خیال تھا کہ اچھے دام مل جائیں گے، لیکن بادشاہ نے لینے سے انکار کر دیا کہ ہم نہیں خرید سکتے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہمیں دکھا دو ہم لے لیتے ہیں، اب جو کپڑا بادشاہ نہیں خرید سکتا، اس نے پیش کیا، دام پوچھے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: بھائی دے دو اس کو جتنے پیسے ہیں اور گرتا بننے کے لئے چلا گیا، خلیفہ بعد ازاں اطلاع پہنچی، درویش نے ہماری ناک کاٹ دی ہے، جو کپڑا ہم نہیں خرید سکے تھے اس نے خرید لیا، اس کو بھی اطلاع مل گئی، وزیر کو کہا جاؤ تحقیقات کر کے آؤ، وزیر گیا حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں، دیکھا واقعی اتفاق سے کپڑا اس کے آگیا تھا اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ وہ پہنے بیٹھے تھے مجلس میں، وزیر دیکھ کر اور بھی جل گیا، غور کیا تو ایک طرف پیوند لگا ہوا ہے، اسی کپڑے کو ٹھٹھا کا پیوند لگا ہوا، وزیر نے پوچھا کہ حضرت! اتنا اچھا کپڑا تھا آپ نے یہ کیا کیا؟ فرمانے لگے کہ ایک مسافر آدمی آیا تھا بیچارہ، اس نے کہا: میرا کپڑا نہیں بکا، ہم نے اس کی اعانت کی نیت سے کپڑا لے لیا، جب گرتے کے لئے دیا تو کپڑا کم نکلا تو ہم نے کہا کہ یہاں سے کوئی ٹاٹ لے کر لگا دوں، مقصود تو تن ڈھانپنا ہے، وزیر نے بادشاہ کو جا کر کہا کہ جس شخص کے نزدیک اس کپڑے کی قیمت اور ٹاٹ برابر ہو، اس کے ساتھ کیا لڑائی کر سکتے ہو تم!

صحیح نظر یہ ہے کہ بحیثیت اللہ کی نعمت کے اس کی قدر کرو کپڑے کی قدر کرو، مالک نے کتنا انعام فرمایا یہ جانو پھر رہے ہیں ننگے کون ان کو لباس دیتا ہے؟ ہمیں مالک نے لباس عطا فرمایا **الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي كَسَانِي هَذَا الْقَوْبَ وَرَزَقْنِيهِ مِنْ غَيْرِ حَوْلٍ مِنِّي وَلَا قُوَّةَ** (سنن ابوداؤد ۱۱/۳۷۷، ۳۵۰۵)۔ اللہ کا شکر ہے کہ اللہ نے مجھے یہ لباس عطا فرمایا ہے اور پھر جو حدیث گزر چکی **اللَّهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ كَسَوْتَنِيهِ أَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِهِ وَخَيْرِ مَا صُنِعَ لَهُ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّهِ وَشَرِّ مَا صُنِعَ لَهُ** (سنن ابوداؤد ۹/۳۹۹، ۳۵۰۳)۔ یہ دعا پڑھو تو اللہ کی نعمت سمجھ کر اس کی قدر کرو لیکن اس سے تفاخر پیدا نہیں ہونا چاہئے دل میں کبر نہیں پیدا ہونا چاہئے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ میرے وجود پر ایسا کپڑا ہے کہ اگر کوئی ایک درہم میں خریدنا چاہے تو نہیں خریدے گا ساڑھے تین آنے میں کوئی اس کو نہیں خریدے گا یعنی ایک درہم میں اگر اس کو بیچا جائے تو مہنگا ہے خریداجائے تو مہنگا ہے اور اس کپڑے کے اندر ایک ایسا وجود ہے یعنی شخصیت بطور تحدیث بالنعمة کے فرماتے ہیں کہ اگر تفکیر دو جہاں اس کی قیمت لگائی جائے تو یہ سستا ہے، کوئی شک نہیں ہے پوری دنیا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مقابلے میں بے قیمت ہے تو آدمی لباس سے نہیں بننا، لباس سے اس کی قیمت نہیں بنتی، لوگ تو چمڑے کو دیکھتے ہیں اندر کو نہیں دیکھتے، اصل چیز تو اندر کا جوہر ہے وہ ہو تو اوپر ظاہر میں کچھ بھی نہ ہو تو کوئی بات نہیں اور اگر اندر کچھ نہیں باہر سب کچھ لدا ہوا ہے تو شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول گدھے کو اگر ہیرے

پہنا دیئے جائیں تو وہ با کمال تو نہیں ہو جاتا۔

رسول اللہ ﷺ کا پسندیدہ لباس

[حدیث: ۹۹۷] ”عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ أَحَبَّ الثِّيَابِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقَمِيْضُ“۔

[حدیث: ۹۹۸] ”عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ أَحَبَّ الثِّيَابِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْبَسُهُ الْقَمِيْضُ“۔ (الشمائل المحمدية للترمذی ج: ۱، ص: ۲۳، حدیث نمبر: ۵۶۱-۵۸، باب ما جاء في لباس رسول الله صلى ..)

ترجمہ: ”حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو تمام کپڑوں میں سب سے زیادہ محبوب قمیض تھی۔“

تشریح: آنحضرت ﷺ کا معمول کا لباس تین کپڑے ہوتے تھے، ایک لنگی، گرتا اور عمامہ۔ اور اکثر و بیشتر آنحضرت ﷺ اوپر چادر بھی اوڑھتے تھے یعنی ہمیشہ، قریب قریب ہمیشہ چادر ہی رہتی تھی، سردیوں کے موسم میں آنحضرت ﷺ سے گرم کپڑوں کا پہننا یعنی روئی دار بھی ثابت ہے اور کبھی کبھی جب بھی زیب تن فرمایا، شلوار آنحضرت ﷺ نے خرید فرمائی تھی لیکن پہننا ثابت نہیں ہے، اس کو پسند فرمایا اس کو خرید فرمایا اور یہ فرمایا کہ پردے کا لباس ہے۔

شیخ الحدیث مولانا زکریا نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ آدمی کا لباس کبھی واجب ہوتا ہے، کبھی مستحب ہوتا ہے، کبھی مباح ہوتا ہے، کبھی مکروہ ہوتا ہے، کبھی حرام ہوتا ہے، ناف سے لے کر گھٹنوں تک مرد کا ستر ہے، اس لئے اتنا لباس جس سے ستر چھپ جائے فرض ہے، اس لئے ناف کا کھولنا، یا گھٹنوں کا کھولنا، یا رانوں کا کھولنا حرام ہے، عام طور سے لوگ اس معاملے میں احتیاط نہیں کرتے، ناف سے نیچے کا حصہ بعض دفعہ کھلا رہتا ہے، خاص طور سے حاجی صاحبان نے لنگی باندھی ہوئی ہوتی ہے، چادر پہنی ہوئی ہوتی ہے نیچے، اور چادر ان کے نیچے ڈھلکی ہوئی ہوتی ہے اور ناف لنگی ناف سے نیچے کا حصہ بھی کچھ نکلا، بہت سے لوگ گھٹنے کھول لیتے ہیں، بعض رانیں کھول لیتے ہیں، یہ حرام ہے، اتنا لباس پہننا جس سے ستر چھپ جائے فرض ہے۔

اور مستحب لباس یہ ہے جس کے پہننے کی شریعت نے ترغیب دی ہو جیسے کہ عید کے لئے اچھا کپڑا پہنا جائے، یلبس أحسن ثياب اچھے سے اچھے کپڑے اپنی وسعت کے مطابق پہنے، اسی طرح جمعہ کے دن سفید کپڑا اچھا لباس پہنے، کوئی اچھا کھانا پیتا آدمی ہے اور پھٹا پرانا لباس پہنتا ہے اس میں کراہت ہے۔

ایک صحابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اسی قسم کا لباس پہنے ہوئے آئے تھے، آنحضرت

ﷺ کو ان کی حالت دیکھ کر خیال گزرا کہ شاید بیچارے ضرورت مند آدمی ہیں، آپ نے صحابہ کو ترغیب دی کہ ان کو کچھ دو، کہنے لگے یا رسول اللہ! میرے پاس تو بہت کچھ ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا اے بندہ خدا! پھر تم نے ڈھب کا لباس کیوں نہیں پہنا؟ حق تعالیٰ شانہ نے جس شخص کو نعمت دی ہو اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ اس کے بدن پر اس کی نعمت کا اثر ظاہر ہو اور جس کپڑے کے پہننے پر شریعت کی طرف سے وعید آئی ہے اس کا پہننا حرام ہے جیسا کہ ریشمی لباس کے پہننے پر وعید آئی ہے، مرد کے لئے ریشمی لباس پہننا حرام ہے خالص ریشم، یہ جو مصنوعی ریشم ہے لوگ اس کو ریشمی کہہ دیتے ہیں یہ نہیں، وہ کیڑے کا بنا ہوا جو ہوتا ہے ریشم وہ ریشم مراد ہے جس کو خالص ریشم کہتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک جب بک رہا تھا ریشمی مجھے بہت اچھا لگا، میں نے کہا یا رسول اللہ! آپ یہ لے لیں، آپ کی بارگاہ عالی میں وفود آتے ہیں سفراء آتے ہیں جمعہ وعیدین کے مواقع پر اسے پہنا کریں، آپ نے فرمایا: إِنَّمَا بَلْبَسُ هَذَا مِنْ لَأْخِلَاقٍ لِّهِيَ الْآخِرَةُ اس کو وہ پہنتا ہے جس کو آخرت میں کوئی حصہ نہیں، حضرت عمر فرماتے ہیں اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کے پاس اسی قسم کا کوئی جبہ آیا آنحضرت ﷺ نے مجھے عطا فرمایا، میں نے کہا کہ یا رسول اللہ! آپ نے تو وہ بات فرمائی تھی مجھے مرحمت فرماتے ہیں، فرمایا میں تمہیں پہننے کے لئے تھوڑی دے رہا ہوں، فرماتے ہیں: کئے میں میرا ایک بھائی تھا مشرک کافر میں نے اس کو بھیج دیا چلو تم اڑاؤ، غرض یہ کہ ریشمی لباس حرام ہے۔

اسی طرح جس لباس میں کسی قوم کی مشابہت پائی جاتی ہو وہ بھی حرام ہے اور مشابہت دوسری قوم کی ہوتی ہے ایک مشابہت دینی اور دوسری مشابہت قومی، اگر کسی مذہب کے شعار میں قومی شعار میں یعنی مذہبی شعار میں کوئی لباس داخل ہے تو اس کا پہننا مسلمان کے لئے حرام نہیں بلکہ کفر ہے جیسے بعض عیسائی صلیب لگاتے ہیں یا زنا رہنے والے ہیں یا اور کوئی کفر کی علامت یہ مسلمان کے لئے جائز نہیں بلکہ زنا رہنے والے کے بعد آدمی کافر ہو جاتا ہے۔

اور ایک وہ لباس ہے جو ان کا قومی لباس ہے قومی شعار ہے اگرچہ مذہبی شعار نہیں، یعنی یہ لباس کافروں کے ہاں ہی پہنا جاتا ہے تو کسی قوم کی مشابہت لباس میں غیر قوم کی مشابہت کرنا یا کافر قوم کی مشابہت کرنا یہ جائز نہیں کافروں کی یا فاسقوں بدکاروں کی مشابہت کرنا یہ جائز نہیں، لوگ کہتے ہیں کہ جی اس میں کیا رکھا ہے کیسا بھی آدمی لباس پہنے؟ رکھا تو بہت کچھ ہے اس میں تم تہ بند باندھ کر فوج میں چلے جاؤ اس کی ٹریننگ کے لئے جانیں دیں گے اسمیں؟ تم وہاں کہو اس میں کیا رکھا ہے، ایک وردی ہے اس میں کیا رکھا ہے اور اسی طرح دوسرے ٹکمون میں جو ان کا یونیفارم رکھا ہوا ہے تجویز کیا ہے اس کے علاوہ تم کہو اس میں کیا رکھا ہے اس کی پابندی تو لازم ہے لیکن ساری مستی دین کے معاملے میں سوچتی ہے، یہاں لوگوں کی عقل کام کرتی

ہے کہ اس میں کیا رکھا ہے؟ وہاں جا کے عقل ان کی اندھی ہو جاتی ہے، وہاں کبھی نہیں بولتے اس میں کیا رکھا ہے؟ کا لفظ وہاں کبھی استعمال نہیں کرتے یہاں کرتے ہیں، جب کوئی مولوی مسئلہ بیان کرتا ہے تو اس میں کہتے ہیں اس میں کیا رکھا ہے؟ تنگ نظری یہ تنگ نظری کی بات ہے ہمیں معلوم نہیں ہوسکا کہ یہ غریب تنگ نظری کا کیوں شکار ہوتے ہیں، ملا تو تنگ نظر تھا ہی غریب لیکن یہ تنگ نظر کیوں ہوتے ہیں؟

میانوالی کا ایک بہت بڑا نواب پرل کانٹیننٹل ہوٹل چلا گیا تھا اپنی ایفا جو پنجابی لباس تھا اس کا، اس کو روک دیا بیروں نے روک دیا، وہ اتنا بڑا آدمی تھا کہ پورا ہوٹل خرید لیتا لیکن کہنے لگے صاحب! آپ پینٹ پہنے بغیر نہیں آ سکتے، کیوں جی تنگ نظری نہیں تھی؟ یہود و نصاریٰ تمہیں جو پٹی پڑھادیں وہ تو عین ایمان ہے یہ کوئی تنگ نظری نہیں ہے لیکن رسول اللہ ﷺ کی جو تعلیم ہو اس کو لوگ کہتے ہیں تنگ نظری ہے اس میں کیا رکھا ہے؟

اس شبہ کے مسئلے میں بہت سے لوگ مبتلا ہیں، یہ عجیب الرحمان شامی کا رسالہ نکلتا ہے ”قوی ڈائجسٹ“، اس رسالے میں میں نے خود مضمون پڑھا تھا کہ انسائیکلو پیڈیا برطانیہ کا اس کا جو پہلا ایڈیشن چھپا تو ”نائی“ کے بارے میں مقالہ لکھا گیا تھا، اس میں لکھا تھا کہ نائی لباس کا وہ ٹکڑا ہے جس کو عیسائی لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صلیب کے یادگار کے طور پر اپنے گلے میں لٹکاتے ہیں، بعد میں انہوں نے دیکھا یہ تو کام خراب ہو جائے گا، اگلے ایڈیشنوں میں اس کو بدل دیا اور واقعہ یہی تھا، یہ عیسیٰ لٹکا ہوا ہے اور یہ جو تمہارے کارہیں یہ صلیب ہیں، انہوں نے مذہبی شعار کے طور پر اس لباس کو اپنایا تھا تو تم نے ان کی تقلید کے طور پر اپنایا یعنی ایسے غیر محسوس طریقے سے انہوں نے مسلمانوں کو اتنا بتایا کہ کسی کو پتا ہی نہیں چلنے دیا، اُلٹا اگر کوئی نصیحت کرے تو کہتے ہیں تنگ نظر ہے، لیکن جب کان پکڑ کر نکالا دیئے جاؤ گے نا! ادھر پھینک دیئے جاؤ گے من ثَنَبْتَهُ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ جو کسی قوم کی مشابہت کرے گا، وہ ان ہی میں سے ہوگا، اس وقت پتا چلے گا یہ تنگ نظری تھی یا نہیں؟

اسی طرح تقاضا کے طور پر لباس کا پہننا حرام ہے زینت الگ چیز ہے فخر الگ چیز ہے، حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ ایک شخص نے تم سے پہلی قوموں میں ایک شخص نے حلہ پہنا نیا سوٹ اور پہن کر اترا کر چلا جا رہا تھا کہ زمین میں دھنسا دیا گیا کہ آج تک وہ دھنس رہا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کو سب سے زیادہ قمیص پسند تھی، قمیص کے پسند ہونے کی وجہ علماء نے کئی لکھی ہیں، بعض نے کہا اس میں پردہ زیادہ ہوتا ہے بعض نے کہا یہ کم قیمتی ہوتی ہے۔

شیخ الحدیث مولانا زکریا نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ کم قیمت بھی ہوتی ہے پردہ بھی زیادہ ہوتا ہے، اس میں تجل بھی زیادہ ہے جمال اور زینت بھی ہے، اس لئے آنحضرت ﷺ کو قمیص زیادہ پسند تھی، بات یہ ہے کہ عرب کے لوگ اکثر دو چادریں پہنے رکھتے تھے جیسے احرام والوں کی دو چادریں ہوتی ہیں ایک لنگی زیر،

ایک بالا، ایک لنگی نیچے لگی اوپر تو آنحضرت ﷺ خود بھی قمیص پہنتے تھے، گرتا پہنتے تھے اور اس کی ترغیب بھی دیتے تھے، حضور اقدس ﷺ کا کرتا سوت کا بنا ہوا تھا جو زیادہ لمبا بھی نہیں تھا اور زیادہ مختصر بھی نہیں تھا، ابن جوزی نے لکھا ہے کہ آدمی پنڈلی تک سنت ہے یعنی گھٹنے سے نیچے آدمی پنڈلی تک کرتا سنت ہے، اس سے زیادہ نہ ہو اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے ہاں ایک ہی کرتا ہوتا تھا، ایک سے زیادہ کرتا نہیں، صبح کی چیز شام تک اور شام کی چیز صبح تک رکھنے کا معمول ہی نہیں تھا، اس لئے اسی طرح لباس میں بھی زہد تھا جب تک وہ لباس پھٹ نہ جاتا یا اس کو تبدیل نہ فرمالیتے دوسرا اس کی جگہ نہیں ہوتا تھا، اگرچہ اعتدال کے ساتھ اس کی اجازت ہے ایک سے زیادہ جوڑے بنانے کی اجازت ہے، لیکن آنحضرت ﷺ کا معمول مبارک یہی تھا۔

حضور ﷺ کی قمیص کی آستینوں کا بیان

[حدیث: ۹۹۹] ”عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيدَ قَالَتْ كَانَ كُمُّ قَمِيصِ رَسُولِ اللَّهِ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْوُسْعِ“۔ (الشمال المحمدية للترمذی ج: ۱،

ص: ۶۷، حدیث نمبر: ۵۹، باب ما جاء في لباس رسول الله صلى الله عليه وسلم)

ترجمہ: ”حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی آستینیں گٹوں تک تھیں۔“

تشریح: یہ روایت حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا کی ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے کرتے کی آستینیں پونچوں تک ہوتی تھیں۔

اس بات میں روایتیں مختلف وارد ہوئی ہیں، بعض روایتوں میں ہے کہ پہنچوں تک ہوتی تھی اور بعض روایتوں میں ہے کہ پہنچوں سے آگے تک ہوتی تھی، درحقیقت یہ مختلف حالات کے اعتبار سے ہے، کبھی درزی پونچوں تک بناتا ہے کبھی کچھ بڑی بنا دیتا ہے پھر یہ بھی ہے کہ آستین کبھی لمبی ہوتی ہے کبھی سکر جاتی ہے پہنے ہوئے۔

بعض اکابر نے فرمایا کہ کرتے کی آستین پہنچوں تک ہونی چاہئے اور کوئی جہہ ہو تو آدھے ہاتھ تک ہونی چاہئے لیکن انگلیاں نہیں ڈھکنی چاہئے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا لباس میں اتباع نبوی

[حدیث: ۱۰۰۰] ”عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ قُرَّةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ أَتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي زَهْطٍ مِنْ مِرْنَةِ لِبَاسِهِ، وَإِنْ قَمِيصُهُ لِمَطْلَقٍ، أَوْ قَالَ: زُرَّ قَمِيصُهُ

مطلق، قَالَ: فَأَدْخَلْتُ يَدِي فِي جَيْبٍ فَمِنْصِبِهِ فَمَسَنْتُ الْخَاتَمَ۔

(الشمائل المحمدية للترمذی ج: ۱، ص: ۶۸، حدیث نمبر: ۶۰، باب مَا جَاءَ فِي

لِبَاسِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)

ترجمہ: ”معاویہ ابن قرۃ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا قبیلہ مزینہ کے ایک گروہ میں آپ ﷺ کی بیعت کرنے کے لئے، آپ کی قمیص کھلی ہوئی تھی یا یہ کہا کہ آپ کی قمیص کے بٹن کھلے ہوئے تھے، پس میں نے اپنا ہاتھ آپ ﷺ کی قمیص کے گریبان میں ڈالا چنانچہ میں نے مہر نبوت کو چھو لیا۔“

تشریح: یہ روایت حضرت معاویہ بن قرۃ رضی اللہ عنہ کی ہے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ بنو مزینہ کے وفد میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے بیعت کے لئے، اس وقت آنحضرت ﷺ کے گرتا مبارک کا گریبان کھلا ہوا تھا، وہ فرماتے ہیں میں نے گریبان میں ہاتھ ڈال کر پیچھے مہر نبوت کو چھو کر دیکھا۔

اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ آنحضرت ﷺ کے گرتا مبارک میں گنیاں ہوتی تھیں، بٹن جس کو کہتے ہیں، یہ آج کل ہمارے والے بٹن تو نہیں ہوتے تھے یہ زمانہ مابعد کی ایجاد ہے، ایسی گنیاں ہاتھ کی بنی ہوئی وہ ہوتی تھی اور آنحضرت ﷺ کے گرتے میں وہ لگتی تھیں، یہاں سے کچھ اشارہ اس طرف بھی نکلتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا گریبان کندھے پر ہوتا تھا، کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ گریبان کھلا تھا، تو میں نے ہاتھ ڈال کر پیچھے مہر نبوت کو چھو لیا۔

بہر حال اس بارے میں کوئی صریح روایت مجھے معلوم نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ کا گریبان سامنے ہوتا تھا کہ جیسا کہ ہمارے ہاں اس وقت رواج ہے یا کندھے پر ہوتا تھا یا سینے پر ایک طرف ہوتا تھا جیسے کہ پرانے بوڑھوں کے ہاں یہ رواج تھے، میں نے بچپن میں بعض بوڑھوں کو دیکھا ہے وہ یہیں ہوتا تھا، ہمارے حضرت مفتی فقیر اللہ صاحب رحمۃ اللہ جامعہ رشیدیہ ساہیوال والے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ کے شاگرد اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ کے ساتھی ہیں، ان کے صاحبزادہ ہمارے استاد حضرت عبداللہ صاحب رحمۃ اللہ فرماتے تھے کہ ہم نے بارہا کہا کہ حضرت! اب تو بہت اچھے اچھے بٹن آگئے ہیں آپ یہ لگالیا کیجئے، وہ گھٹکیوں والے بٹن لگاتے تھے تو ارشاد فرماتے تھے کہ میں نے اپنے شیخ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ کو اسی طرح دیکھا ہے اس لئے یہ بٹن میں نہیں لگاتا۔

روایات میں آتا ہے کہ حضرت معاویہ بن قرۃ اور ان کے والد ماجدان دونوں نے رسول اللہ ﷺ

کو اس حالت میں دیکھا تھا کہ آپ کا گریبان کھلتا تھا بن لگے ہوئے نہیں تھے اس لئے ساری عمر انہوں نے سردی ہو یا گرمی ہو بن نہیں لگایا اور کہتے کہ ہم نے اپنے محبوب رسول اللہ ﷺ کو اسی حالت میں دیکھا۔
شیخ فرماتے ہیں کہ ان حضرات کے اسی عشق کی بناء پر آج نبی کریم ﷺ کی ایک ایک ادا امت کے پاس موجود ہے محفوظ ہے، عشق اور محبت کا تقاضا یہی ہے کہ محبوب کو جس رنگ میں دیکھ لے اس رنگ میں رنگ جائے گا۔

ایک شیعہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تنقید کرتے ہوئے یہ بات لکھی تھی کہ اہل سنت والجماعت کہتے ہیں کہ جس نے اسلام لانے کی حالت میں ایک نظر رسول اللہ ﷺ کو دیکھ لیا یا رسول اللہ ﷺ نے اس کو دیکھ لیا امت کا کوئی بھی ولی اس کے درجے کو نہیں پہنچ سکتا، یہ اہل سنت والجماعت کہتے ہیں، اس پر وہ تبصرہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ سوچنا چاہئے کہ کیا ایک لمحے کی محبت یہ اثر ڈال سکتی ہے؟ یہاں سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ ان غریبوں کو نبی پاک ﷺ کی محبت پر اعتراض ہے، یہ صحابہ کے منکر صحابیت یعنی حضور ﷺ کی محبت کا کیا ہونا اس سے انکار ہے اور ہم کہتے ہیں کہ واقعی رسول اللہ ﷺ کی محبت ایسی کیسا تھی کہ معجزانہ طور پر ایک لمحہ انقلاب پیدا ہو جاتا تھا اور اس میں کوئی مبالغہ نہیں ہے۔

اب معاویہ بن قرۃ قبیلہ مزینہ سے آئے ہیں باہر سے کہیں دیہات سے، بالکل اعرابی دیہاتی قسم کے لوگ لیکن ایک لمحہ رسول اللہ ﷺ کو دیکھا جس حالت میں دیکھا اسی حالت میں ساری عمر گزار دی، یہ رسول اللہ ﷺ کی محبت کا اثر ہے اور کوئی شک نہیں عالم وجود کا سارا نور رسول اللہ ﷺ کے طفیل سے ہے، اگر آپ کی ایک نظر بھی قلب میں بجلی بھر دے، دل کی بیٹری چارج ہو جائے، آپ کی ایک نظر سے قلب کی یہ کیفیت ہو جائے ایمان سے بھر جائے تو ساری عمر ان شاء اللہ کام آئے گا، ایک نظر کافی ہے۔

تو آنحضرت ﷺ کی محبت کا واقعہ یہی اثر ہے، بہت مدت کی بات ہے کہ پینتیس چھتیس سال گذرے ہوں گے کہ میں نے مضمون لکھا تھا منکرین حدیث کے رد میں، چلتے چلتے اس میں ایک فقرہ یہ آ گیا تھا کہ وہ آفتاب نبوت تھے جو چودہ سو سال کے بعد آج تک بھی علوم کو روشن کئے ہوئے ہیں، وہ آفتاب نبوت جو چودہ سو سال کے بعد بھی آج تک قلوب کو متور کئے ہوئے تھے اور جس کی وجہ سے دلوں کی انگلیٹھیاں تپ رہی ہیں، جن لوگوں کے گھروں میں یہ سورج طلوع ہوا تھا ان کی نورانیت کا کیا عالم ہوگا، جن کے گھروں میں یہ طلوع ہوا تھا ان کی نورانیت کا کون اندازہ کر سکتا ہے؟ جن اکابر کو رسول اللہ ﷺ کا دیدار نصیب ہوا، آنحضرت ﷺ کی نظر میں نظر ڈالنا نصیب ہوا، آپ کے چہرے انور کو دیکھنا نصیب ہو گیا، جب تمہارا آج کے چودہ سو سال کے بعد یہ حال ہے حب رسول میں تو ان اکابر کا کیا حال ہوگا ان کا کون اندازہ کر سکتا ہے؟

ریشم پہننے کی ممانعت

[حدیث: ۱۰۰۱] ”سَمِعْتُ عُمَرَ..... مَنْ لَبَسَ الْخَرِيرَ فِي الدُّنْيَا لَمْ

يَلْبَسْهُ فِي الْآخِرَةِ“ (صحیح بخاری ج: ۱۸، ص: ۱۵۵، حدیث نمبر: ۵۳۸۶،

باب لبس الخریر وافتراضه للرجال وَقَدْ رَأَى مَا يَخْرُجُ مِنْهُ صَحِيحٌ مُسْلِمٌ ج: ۱۰، ص:

۴۲۲، حدیث نمبر: ۳۸۶۶، باب تحريم استعمال ابناء الذهب والفضة على.....)

ترجمہ: ”حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو دنیا

میں ریشم کا کپڑا پہنے گا، وہ آخرت میں نہ پہنے گا۔“

تشریح: اس حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”مَنْ

لَبَسَ الْخَرِيرَ فِي الدُّنْيَا لَمْ يَلْبَسْهُ فِي الْآخِرَةِ“ جو دنیا میں ریشم کا کپڑا پہنے گا وہ آخرت میں نہیں پہنے گا، اس

کا مطلب یہ ہے کہ جنت میں ہی نہیں جائے گا، جنت میں ریشم پہنایا جائے گا، تو اس شخص کا ریشم سے محروم ہونا

جنت سے محروم ہونا ہے۔ اور بعض علماء نے لکھا ہے کہ اگر جنت میں چلا جائے تب بھی اس کو ریشم نہیں ملے گا،

واللہ اعلم بالصواب!

یہاں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ مردوں کے لئے ریشم پہننا گناہ کبیرہ ہے، البتہ عورتوں کے لئے

حلال ہے۔ سونا اور ریشم یہ دونوں چیزیں عورتوں کے لئے حلال ہیں اور مردوں کے لئے ان کا استعمال حرام ہے،

عورتوں کے لئے حلال ہیں اس لئے کہ یہ کمزور ہیں، اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ یہ صبر نہیں کر سکیں گی، لیکن آنحضرت

ﷺ نے ان کی عورتوں کے لئے بھی حوصلہ شکنی فرمائی ہے، افضل اور بہتر یہ ہے کہ عورتیں بھی نہ پہنیں۔

لباس ٹخنوں سے نیچے لٹکانا

[حدیث: ۱۰۰۲] ”عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا..... إِنَّكَ

لَسْتَ تَصْنَعُ ذَلِكَ خِيَلًا“ (صحیح بخاری ج: ۱۱، ص: ۵۰۰، حدیث نمبر:

۳۳۹۲، باب قول النبي صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كُنْتُ مُتَخَلِّفًا.....)

ترجمہ: ”حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت

ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تم یہ کام یعنی چادر کا ڈھیلا چھوڑنا بطور تکبر نہیں کرتے۔“

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ مسئلہ بیان فرمایا کہ جو شخص اپنے تہبند، چادر،

لنگی کو ٹخنوں سے نیچے لٹکائے گا وہ دوزخ میں جائے گا لیکن فرمایا کہ جو شخص کہ ازراہ تکبر اپنی لنگی کو لٹکائے گا،

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے لگے کہ: یا رسول اللہ! میری لنگی کمر پر ٹھہرتی نہیں جب تک کہ میں اس کی

نگہداشت نہ کروں، کمر پٹی تھی لنگی ٹھہرتی نہیں تھی، آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا: ”إِنَّكَ لَنْتَ تَضْنَعُ ذَلِكَ خِيْلَاءَ“ آپ یہ کام تکبر کی بناء پر نہیں کرتے، تو اگر کوئی شخص اپنی لنگی یا پاجامہ، زیر جامہ یا جو جامہ بھی ہو ٹخنوں سے نیچے لٹکائے اس کو فخر کی چیز سمجھتے ہوئے۔

ہمارے چودہریوں کے یہاں یہ بڑائی کا معیار ہے کہ اس کی چادر کتنی جھاڑو دیتی ہے، پیچھے کم سے کم ایک ہاتھ لمبی ہونی چاہئے، ٹخنوں سے نیچے جب وہ چلے تو جھاڑو دیتی جائے، یہ بڑا چودہری ہونے کی علامت ہے، اور اب بھی میں نے دیکھا کہ لوگ شلواریں سلواتے ہیں ان کے پانچے ایرٹھیوں کے نیچے ہوتے ہیں اور اس کو وہ فخر کی چیز سمجھتے ہیں، ٹخنوں سے اوپر پا جائے گا ہونا ان کے نزدیک عار کی چیز ہے، کراہت اور حقارت کی چیز ہے، تو حدیث: ”مَنْ جَوَّازَ خِيْلَاءَ لَفُؤٍ فِي النَّارِ“ (مسند احمد بن حنبل ۲۰۲/۳۱، ۱۵۰۵۲، کذا فی البخاری ۸۲/۱۸، ۵۳۳۷، کنز العمال ۵۳۰/۳، ۷۷۵۹) وہ اس کا مصداق ہیں، اور اس کو علماء نے کبیرہ گناہوں میں شمار کیا ہے، کیونکہ وہ تمام ایسے گناہ جن پر رسول اللہ ﷺ نے احادیث میں یا اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں لعنت فرمائی ہو یا دوزخ کی دھمکی دی ہو یا عذاب کی دھمکی دی ہو، یا ان کے لئے کوئی سزا مقرر کی ہو یہ تمام کے تمام گناہ گناہ کبیرہ کہلاتے ہیں، تو جب آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا کہ جو شخص اپنے زیر جامے کو یا لنگی ہو یا پاجامہ ہو یا شلوار ہو، اس کو ٹخنوں سے نیچے کھینچے گا وہ دوزخ میں ہے، تو یہ گناہ کبیرہ ہوا اور مشافخر اور کبر ہے کہ ٹخنوں سے اوپر رکھنا عار اور ذلت کی چیز سمجھتا ہے، اور اگر کوئی شخص ایسا نہیں کہ اس پر اترا تا ہو لیکن بے قصد پاجامہ نیچے چلا جاتا ہے تو یہ گناہ کبیرہ تو نہیں لیکن مکروہ ہے، اللہ اور اس کے رسول کی نظروں میں ناپسندیدہ ہے، اور اگر کسی کا پاجامہ زبردستی ڈھلک جاتا ہے جیسا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تو یہ شخص معذور ہے اس کا کوئی گناہ نہیں، پھر دوبارہ ٹھیک کر لے۔

ریشمی کپڑے کا حکم

[حدیث: ۱۰۰۳] ”عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ.....، إِنْ لَمْ أَنْعَثْ بِهَا إِلَيْكَ

لَقُلْتُهَا وَأَلَمَّا بَعَثْتُ بِهَا إِلَيْكَ لَسْتُ تَفْعَلُ بِهَا شَيْئًا“ (صحیح مسلم، ج: ۱۰، ص:

۴۲۱، حدیث نمبر: ۳۸۶۵، باب تَخْرِيمِ اسْتِغْفَالِ إِثَاءِ الذَّهَبِ وَالْفِطَّةِ عَلَى.....،

صحیح بخاری، ج: ۷، ص: ۲۹۲، حدیث نمبر: ۱۹۶۶، باب التَّجَاوُزِ فِيمَا يُكْرَهُ

لِبَسْنَةِ لِلرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ)

ترجمہ: ”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں

نے یہ حیرے پاس اس لئے نہیں بھیجا تھا کہ تو اس کو پہنے، میں نے اس لئے تیرے پاس

بھیجا تھا کہ تو اس کو بیچ کر اس کی قیمت سے نفع اٹھائے۔“

تشریح: آنحضرت ﷺ کے پاس کچھ کپڑے آئے تھے، ان میں سے ایک ریشمی کرتا تھا، وہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھیج دیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے اور فرمانے لگے کہ: یا رسول اللہ! میں نے آپ سے سنا ہے کہ آپ ریشم کے پہننے سے منع فرماتے ہیں، یہ آپ نے کرتا مجھے عنایت فرمادیا، فرمایا: میں نے تیرے پاس اس لئے نہیں بھیجا تھا کہ تو پہنے، میں نے اس لئے بھیجا تھا کہ تو اس کو بیچ کر اس کی قیمت کو کام میں لائے۔

ایک دوسری روایت میں یوں آتا ہے کہ: آنحضرت ﷺ نے ایک ریشمی کپڑا ان کے پاس بھیج دیا کہ حضور ﷺ کا عطیہ ہے، لیکن کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو آپ ﷺ ناراض ہوئے کہ یہ کیوں پہنا؟ انہوں نے فرمایا کہ: یا رسول اللہ! آپ ہی نے تو بھیجا ہے، فرمایا: میں نے اس لئے تھوڑی بھیجا کہ تو خود پہنے، میں نے تو اس لئے بھیجا تھا کہ تو اس کو پھاڑ کر عورتوں کا دوپٹہ بنادے (کذا فی الادب المفرد للبخاری، والسنن الکبریٰ للبیہقی)۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا ایک مشرک عزیز تھا مکہ مکرمہ میں، میں نے اس کو بھجوا دیا، عورتوں کو بھی نہیں دیا، ریشم کا پہننا عورتوں کے لئے حلال ہے، مردوں کے حلال نہیں۔ مگر اس سے مراد خالص ریشم ہے جو کپڑے سے پیدا ہوتا ہے، اور یہ جو مصنوعی ریشم کا دھاگہ بنایا ہوا ہے اس کو لوگ ریشم کہہ دیتے ہیں مگر یہ ریشم نہیں ہے، اس کا پہننا جائز ہے۔

ریشم کا حکم

[حدیث: ۱۰۰۴] ”عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ إِنَّمَا يَلْبَسُ

هَذِهِ (الْحَبْرِيَّة) مَنْ لَا خَلَاقَ لَهُ فِي الْأَخِرَةِ۔“ (صحیح مسلم ج: ۱، ص: ۴۰۷،

حدیث نمبر: ۳۸۵۱، باب تحريم استعمال ابناء الذهب والفضة على.....)

ترجمہ: ”حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ریشمی کپڑا تو وہ پہنتا ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔“

تشریح: اس حدیث میں ریشم کے بارے میں ذکر فرمایا، بازار میں ایک جبہ ریشمی بکنے کے لئے آیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: مجھے بہت پسند آیا، میں نے کہا کہ: یا رسول اللہ! آپ اس کو خرید لیں عید اور جوح کے لئے یا کبھی کوئی وفد ملنے آئے اس موقع پر حضور اس کو پہن لیا کریں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: وہ تو ریشم کا ہے اور ریشم کا لباس وہ لوگ پہنتے ہیں جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ تو مرد کے لئے ریشم کا لباس

پہننا جائز نہیں۔

ریشم اور سونا دونوں مردوں کے لئے حرام ہے اور عورتوں کے لئے حلال کر دیا گیا ہے، کیونکہ زیب و زینت کرنا عورتوں کی فطرت میں داخل ہے، یہ اس میں کسی حد تک معذور ہیں، زیب و زینت کے بغیر ان کا گزارہ نہیں ہو سکتا، تو شریعت نے ریشم اور سونا پہننے کی ان کو اجازت دے دی ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا جو اللہ کی رضا کے لئے اس کو دنیا میں نہیں پہنے گی اللہ تعالیٰ اس کو آخرت میں پہنائیں گے، عورتوں کو بھی رخصت اور اجازت دی ہے ان کو ترغیب نہیں دی پہننے کی۔

مشکوٰۃ شریف میں قصہ ہے کہ آنحضرت ﷺ سفر سے تشریف لائے، عادت مبارکہ یہ تھی کہ سفر سے واپس آتے تھے تو سب سے پہلے اپنی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ملنے جاتے تھے، اور جب جاتے تھے تو سب سے آخر میں ان سے مل کر جاتے تھے، معمول کے مطابق آنحضرت ﷺ ان سے ملنے کے لئے گئے تو دیکھا کہ انہوں نے منقش پردہ لٹکایا ہوا ہے گھر کے دروازے پر، اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کو چاندی کے کنگن پہنائے ہوئے ہیں، آنحضرت ﷺ ملے نہیں بلکہ وہیں سے واپس تشریف لے آئے، وہ بھی آخر آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی تھیں، سمجھ گئی کہ آنحضرت ﷺ کیوں ناراض ہوئے ہیں، وہ پردہ اُتار دیا اور حسنین کے کنگن بھی اُتار دیئے، اب ان دونوں نے ہاتھ میں کنگن پکڑے ہوئے اور دونوں نانا جان کے پاس پہنچ گئے، امی جی کی شکایت لگائی کہ ہمارے کنگن اُتار دیئے، آنحضرت ﷺ کی آنکھوں میں آنسو آئے اور ارشاد فرمایا: بلال! فلاں بڑھئی کے پاس ایک خاص قسم کی لکڑی ہوتی ہے، حسنین اور فاطمہ کے لئے اس لکڑی کے کنگن بنا کر لاؤ، میں نہیں چاہتا کہ محمد ﷺ کے گھر کے لوگ اپنی ساری چیزیں دنیا ہی میں برت کر چلے جائیں۔

یہ آنحضرت ﷺ کے گھر کا نقشہ تھا، امہات المؤمنین کے پاس کچھ نہیں تھا، یہ نہیں تھا بلکہ مزاج ایسا بنادیا تھا اور عورتوں کو شوہر پر کچھ تھوڑا سا غرہ بھی ہوتا ہے اور کچھ تھوڑا سا دباؤ بھی ہوتا ہے، بعض چیزیں زور زبردستی سے بھی منوالیتی ہیں۔

ایک دانا کا قول ہے کہ عورت یا ناراض ہو کر منوالیتی ہے یا پھر ہنس کر منوالیتی ہے، اس کا رونا اور ہنسنا دونوں ادا کیں بس خدا کی پناہ! کچھ ہنس کے منوالیتی ہیں یا رو کے منوالیتی ہیں لیکن یہاں یہ پتا بھی اللہ تعالیٰ نے کاٹ دیا تھا، امہات المؤمنین سے سے کہہ دیا تھا کہ اگر تمہیں دنیا کی زیب و زینت چاہئے تو آؤ تمہیں کچھ دے کر رخصت کر دیں، اور اگر تمہیں صرف اللہ تعالیٰ اس کا رسول اور آخرت کا گھر چاہئے دنیا کا کوئی ایک مطالبہ بھی تمہارا نہیں تو پھر اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے بہت کچھ تیار کر رکھا ہے۔

یہ تمام کی تمام ازواج مطہرات آنحضرت ﷺ کے پاس اس شرط سے تھیں کہ ایک سوئی کا مطالبہ بھی نہیں کریں گی اور کبھی حرف شکایت زبان پر نہیں لائیں گی کہ آج گھر میں کچھ نہیں، اس شرط پر انہوں نے رہنا

پسند کیا اور پھر اس کا صلہ کہ آنحضرت ﷺ کو حکم فرمایا کہ اب آپ کے لئے ان عورتوں کے علاوہ دوسری بیوی بدنجان جائز نہیں ہے: ﴿وَلَا أَنْ تَبْتَذِلَ مِنْ أَزْوَاجٍ وَكُنْتَ أَحْسَنُ مَنِ الْبَنَاتِ﴾ تمام مردوں کو اختیار ہے کہ جب چاہے بیوی کو طلاق دیدے اس کی جگہ دوسری لے آئے، اللہ نے کسی مرد کا یہ حق سلب نہیں کیا، لیکن حضور اقدس ﷺ پر پابندی عائد کر دی کہ اب آپ کو اجازت نہیں کہ ان بیویوں کی جگہ دوسری بیوی لے کر آئیں، ہاں! اور باندیاں کرنا چاہیں کر لیں، اس کی پابندی نہیں لیکن ان کو بدلنا جائز نہیں۔ سورۃ احزاب کی آیت ہے:

﴿لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدِ وَلَا أَنْ تَبْتَذِلَ مِنْ أَزْوَاجٍ وَكُنْتَ أَحْسَنُ مَنِ الْبَنَاتِ﴾ (الاحزاب: ۵۲)

ترجمہ: ”حلال نہیں آپ کے لئے بیویاں اس کے بعد اور نہ یہ کہ آپ ان کے بدلے میں دوسری بیویاں لائیں، اگرچہ آپ کو بھاتا ہو ان کا حسن، ہاں! اپنی باندیاں اس کی اجازت ہے۔“

لیکن حضرت اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو بعد میں اجازت عطا فرمادی تھی مگر اور کوئی بیوی نہیں کی، اللہ تعالیٰ کے اس حکم کا احترام رکھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اجازت عطا فرمادی تھی، اور یہ پابندی باقی رہی کہ آپ ﷺ ان کی جگہ اور بیویاں بدل نہیں سکتے، اب ایسی بیویاں کہاں سے لاتے کہ جن کا ایک سوئی ایک دھاگے کا بھی مطالبہ نہیں، اور یہ بھی اجازت دی گئی تھی کہ آپ ان میں سے جس کو چاہیں قریب کر لیں اور جس کو چاہیں دور کریں:

﴿تَرْجِيهِ مَنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ وَتُؤَيُّ إِلَيْكَ مَنْ تَشَاءُ ۖ وَمَنِ ابْتَعَيْتَ مِنْهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ذَلِكَ ۖ أَدَّىٰ أَنْ تَفَرَّ أَغْنِيَنَّكَ وَلَا يَحْزَنُ وَيَرْضَيْنَ بِمَا آتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ﴾ (الاحزاب: ۵۱)

ترجمہ: ”اور جس کو آپ نے الگ کر دیا تھا اس کو دوبارہ قریب کرنا چاہیں تو آپ پر یہ بھی کوئی حرج نہیں یہ بات ہم نے اس لئے کہی کہ یہ بات زیادہ قریب ہے ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے اور ان کو غم نہ ہو، اور وہ سب کی سب اس پر راضی ہو جائیں جو آپ ان کو عطا کریں۔“

یعنی شوہر کے ذمے بیوی کے جو حقوق معاشرت ہوتے ہیں وہ بھی آپ ﷺ کے ذمے نہیں، حسن معاشرت بیوی کے حقوق ادا کرنا شوہر کے ذمے ہوتا ہے، نان و نفقہ شوہر کے ذمے ہوتا ہے، آپ ﷺ کے ذمے کچھ بھی نہیں، آپ ﷺ ساری عمر کسی سے بات نہ کریں آپ ﷺ کے ذمے کوئی گناہ نہیں، اور ایک کو آپ ﷺ چھوڑ دیں اور پھر اس کو بلا لیں آپ کے ذمے کوئی الزام نہیں، اور یہ اس لئے فرمایا تھا کہ ان ازواج

مطہرات کو یہ معلوم ہو جائے کہ ہمارا استحقاق کچھ بھی نہیں، جو کچھ آپ ﷺ عطا فرمائیں اس پر وہ راضی رہیں۔ جب آدمی کو یہ معلوم ہو کہ میرا کوئی حق نہیں تو اس کو جو ملے گا وہ اس پر راضی رہے گا، اور جو یہ سمجھے گا کہ میرا حق ہے اور دیا نہیں جا رہا وہ ہمیشہ ناراض رہے گا کہ میرا حق پورا ادا نہیں ہوا، میرا اتفاق تھا اس میں اتنی کمی رہ گئی، یہ بھی عجیب نکتہ ہے، لیکن آنحضرت ﷺ کی شرافت اور آپ ﷺ کے مکارم اخلاق یہ تھے کہ کبھی ایسا نہ ہوا کہ کسی بیوی کا حق ادا نہ فرمایا ہو، البتہ تھوڑے سے عرصے کے لئے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے ناراض ہو گئے تھے۔

حجۃ الوداع کے موقع پر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی سواری کمزور ہو گئی، حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس زائد اونٹ تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: صفیہ کو دو اونٹوں نے کہا: میں آپ کی یہودیہ کو دوں؟ یہ خیر کے رئیس کی بیٹی تھیں، آنحضرت ﷺ یہ سن کر ناراض ہو گئے، پورا ذی الحجہ، محرم، صفر آنحضرت ﷺ نے ان کے پاس جانا چھوڑ دیا صرف اتنی بات سن کر لیکن وصال سے چند دن پہلے آنحضرت ﷺ ان کے گھر تشریف لائے، زبان سے کوئی لفظ نہیں فرمایا، کوئی سخت کلمہ ذکر نہیں فرمایا، بس تشریف لے جانا تھی، فرماتی ہیں: میں نے اونٹ میں سے مرد کا سایہ پڑتے ہوئے دیکھا۔ لوگ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کا سایہ نہیں پڑتا تھا، یہ مسند احمد کی روایت ہے اور صحیح حدیث ہے۔ فرماتی ہیں: میں نے ایک مرد کا سایہ پڑتے دیکھا، میں نے کہا کہ: یا اللہ! رسول اللہ ﷺ تو میرے پاس تشریف نہیں لاتے، دن کا وقت تھا اور دوسرا کون آدمی میرے گھر آ سکتا ہے؟ اتنے میں آنحضرت ﷺ کا جمال جہاں آرا نظر آیا تو میں اٹھنے لگی، چار پائی کھڑی تھی، آنحضرت ﷺ نے خود چار پائی بچھائی، اس پر تشریف فرما ہوئے اور اپنے گھر والوں سے صلح کر لی۔

ریشم پہننا منع ہے

[حدیث: ۱۰۰۵] "قَالَتِي سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ..... لَا تَلْبَسُوا الْخَرِيْزَ فَإِنَّهُ مِنْ لِبَسَةِ فِي الدُّنْيَا لَمْ يَلْبَسْهُ فِي الْآخِرَةِ۔" (صحیح مسلم ج: ۱۰، ص: ۲۱۲، حدیث نمبر: ۳۸۵۶، باب تَحْرِيمِ اسْتِعْمَالِ اِنَاءِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ عَلٰی.....، صحیح بخاری ج: ۱۸، ص: ۱۵۵، حدیث نمبر: ۵۳۸۲، باب لَبْسِ الْخَرِيْرِ وَ الْخَزِيشِ لِلرِّجَالِ وَقَدْ رَوٰهُ مَا يَجُوزُ مِنْهُ)

ترجمہ: ”حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ریشم نہ پہنا کرو، کیونکہ جو شخص دنیا میں ریشم پہنے گا اللہ تعالیٰ اس کو آخرت میں نہیں دیں گے، وہ آخرت میں اس کو نہیں پہنے گا۔“

تشریح: اس حدیث میں فرمایا کہ: ریشم نہ پہنا کرو، جو شخص دنیا میں ریشم پہنے گا اس کو آخرت میں نہیں پہنائیں گے، آخرت میں نہیں دیں گے، اور جو شخص جنت میں جائے گا اس کو تو ملے گا ہی، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کو جنت میں ہی نہیں جانے دیں گے، کیونکہ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ جنت میں جائے اور ریشم پہنے کو نہ ملے، ﴿وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهُوْنَ اَنْفُسُكُمْ﴾ (نمل: ۳۱) تمہارے لئے ہیں وہ تمام چیزیں جن کو تمہارے جی چاہیں جنت میں۔ یہ تو جنت کا مسئلہ ہے، تو جن کے بارے میں فرمایا کہ ان کو آخرت میں نہیں ملے گا اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کو آخرت میں جانے نہیں دیا جائے گا۔ ریشم اور سونا مردوں کے لئے حرام ہے، اور جو وجود کہ ریشم اور سونا پہنتا ہو وہ جنت کے بجائے دوزخ کا زیادہ مستحق ہے۔

ریشم اور دیباہ

[حدیث: ۱۰۰۶] ”كَانُوا عِنْدَ حَدِيْفَةٍ..... لَا تَلْبَسُوا الْخَرِيْرَ وَلَا الدِّيْبَاجَ وَلَا تَشْرَبُوا فِي آيَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَلَا تَأْكُلُوا فِي صِحَافِهَا فَإِنَّهَا لَهُمْ فِي الدُّنْيَا وَلَنَا فِي الْآخِرَةِ“ (صحیح بخاری ج: ۱، ص: ۴۶، حدیث نمبر: ۵۰۰۶، باب الأكل في إناء منقّض، صحیح مسلم ج: ۱۰، ص: ۴۰۶، حدیث نمبر: ۳۸۵۰، باب تُحْرِمُ اسْتِعْمَالُ إِنْاءِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ عَلَى.....)

ترجمہ: ”حضرت حدیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: نہ ریشم پہنو اور نہ دیباہ پہنو، نہ ان کی رکابیوں میں کھاؤ، اس لئے کہ یہ چیزیں ان کافروں کے لئے ہیں دنیا میں اور ہمارے لئے ہیں آخرت میں۔“

تشریح: اس حدیث شریف میں فرمایا: ریشم نہ پہنو اور دیباہ نہ پہنو، دیباہ کہتے ہیں منقش ریشم کو، اور ریشم ہی کی پھر آگے مختلف قسمیں ہو جاتی ہیں، کھواب، تافہ، دریائی، طلّس، گلبدین، رعنا، زیبا، یہ سارے مختلف قسم کے ریشمی کپڑوں کے نام ہیں، ان میں سے کوئی بھی مردوں کے لئے حلال نہیں۔ پرانے زمانے میں دو گھوڑے کی بوسکی کہلاتی تھی، خالص ریشم ہوتا تھا، اس کا پہننا مردوں کے لئے جائز نہیں، البتہ یہ جو مصنوعی ریشم تیار ہوا ہے ٹیڈون کا اس کو بھی لوگ ریشمی کپڑا کہہ دیتے ہیں، یہ ریشمی نہیں ہے اس کا پہننا جائز ہے، ریشم سے مراد وہ ریشم ہے جو کپڑے سے نکلتا ہے، تو ریشم اور سونا پہننا جائز نہیں۔

دوسری حدیث میں ہے کہ ریشم اور دیباہ نہ پہنا کرو، سونے اور چاندی کے برتنوں میں پانی نہ پیو، سونے اور چاندی کی رکابیوں میں کھانا نہ کھاؤ، اس لئے کہ یہ چیزیں ان کے لئے ہیں دنیا میں اور ہمارے لئے ہیں آخرت میں، ان کے لئے یعنی کافروں کے لئے کہ یہی ان کی جنت ہے اور ہمارے لئے یعنی مسلمانوں

کے لئے جو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ اور اللہ کے رسول کو مانتے ہیں۔

یہاں سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ سونے اور چاندی کے زیور پہننا بھی جائز نہیں البتہ عورتوں کے لئے جائز ہے اور سونے اور چاندی کے برتنوں کا استعمال بھی جائز نہیں۔ جس چیز کو بطور برتن کے استعمال کیا جائے وہ مردوں کے لئے بھی جائز نہیں اور عورتوں کے لئے بھی جائز نہیں، یہ عجیب بات ہے کہ سونے کا پہننا تو عورتوں کے لئے جائز ہے لیکن اس کا استعمال عورتوں کے لئے جائز نہیں۔ مثال کے طور پر عطر دان سونے یا چاندی کا بنالیا جائے، جائز نہیں۔ آنکھوں میں لگائی جانے والی سلائی سونے چاندی کی جائز نہیں اور اسی طرح دوسرے جتنے استعمال کے برتن ہو سکتے ہیں یہ جائز نہیں۔

لوگ تعویذ لیتے ہیں اور اس کے بعد اس کو چاندی کے برتن میں بند کر دیتے ہیں، حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی صاحب قدس سرہ ارشاد فرماتے تھے کہ چاندی کا تعویذ پہننا لڑکی کے لئے جائز ہے، لڑکے کے لئے جائز نہیں۔ نابالغ لڑکے کو چاندی کا تعویذ پہننا جائز نہیں۔ اور جب تم نے اس کے اندر تعویذ بند کر دیا تو وہ برتن بن گیا اب تم اس کا استعمال بطور برتن کر رہے ہو بطور زیور نہیں کر رہے، البتہ اب لڑکی کو پہننا بھی جائز نہیں، سونے اور چاندی کے تعویذ میں جس میں ورق ڈالا گیا ہو، تعویذ لکھ کر ڈالا گیا ہو اس کا استعمال لڑکی کے لئے بھی حرام۔

ستر اور پردے کے احکام

عورت شیطان کی صورت میں آتی ہے

[حدیث: ۱۰۰۷] ”عن جابر.... إِنَّ الْمَرْأَةَ تَفْعِلُ فِي ضُورَةِ شَيْطَانٍ وَتُذْهِبُ

فِي ضُورَةِ شَيْطَانٍ.....“ (صحیح مسلم ج: ۴، ص: ۱۸۰، حدیث نمبر: ۲۳۹۱،

باب نَدَب مَنْ رَأَى امْرَأَةً فَوَقَعَتْ فِي نَفْسِهِ إِلَى أَنْ يَأْتِي.....)

ترجمہ: ”حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ بے

شک عورت سامنے آتی ہے تو شیطان کی صورت میں سامنے آتی ہے اور سامنے سے

پھرتی ہے تو شیطان کی صورت میں پھرتی ہے۔“

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ عورت جب آتی ہے تو شیطان کی صورت میں آتی ہے، جاتی ہے تو

شیطان کی صورت میں جاتی ہے، مراد اس سے ہے شیطان کا بُرائی کی طرف رغبت دلانا، تاہم عورتوں کو دیکھے

گا تو دل میں بُرائی آئے گی، خواہ مخواہ دیکھنے کی رغبت پیدا ہوگی اور یہ شیطان کا فعل ہے، تو اس میں عورت کا

تو کوئی قصور نہیں ہے مگر اس کی طرف لوگوں کی نظریں اٹھوانا یہ شیطان کا فعل ہے، چونکہ یہ اس کا ذریعہ بنی اس

لئے اس کے بارے میں فرمایا کہ یہ شیطان کی صورت میں آتی ہے اور شیطان کی صورت میں جاتی ہے۔

اور ایک حدیث میں آتا ہے کہ جب عورت گھر سے نکلتی ہے تو ”اَسْتَشْوُ فَهِيَ الشَّيْطَانُ“ (مجمع

الزوائد ۲/۲۵۲، ۲۵۳) تو شیطان اس کی تاک جھانک کرتا ہے، یعنی تاڑتا کر دیکھتا ہے اس کو، اور لوگوں کی

نظریں اس کی طرف اٹھواتا ہے۔

حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری رحمہ اللہ، ان کے شیخ تھے مولانا تاج محمود امری رحمہ اللہ، امرت

شریف کے، وہاں ایک خادمہ تھی بدھی خدمت کیا کرتی تھی، کوئی مہمان آتے وہاں کھانا وغیرہ پکا دیا کرتی، ایک

دفعہ وہ حضرت سے چھنی لے کر اپنے عزیزوں کے یہاں ملنے گئی، جب وہ واپس آئی تو سر پر لال دوپٹہ لیا ہوا

تھا، حضرت کی نظر جو دوپٹے پر پڑی تو فرمایا: اس کو نکال دو خانقاہ سے، پتا نہیں اس نے کتنوں کے ایمان خراب

کئے ہوں گے راستے میں، اس لئے کہ لوگ تو دوپٹے کو بھی دیکھیں گے۔

اندر سے بے چاری نانی اماں ہوگی، اوپر سے لیا ہوا ہے بھڑکیلا کپڑا، لوگوں کا ایمان خراب کرنے

کے لئے، اب تو عورتوں کو بالکل معلوم نہیں کیا ہو گیا ہے؟ ان کے بارے میں تو کچھ گفتگو کرنا ہی فضول ہے، اتنی عریانی، اتنی بے پردگی، میری عقل میں نہیں آتا کہ عورت کا عورت پنا کہاں چلا گیا؟ اس کی نسوانیت کہاں چلی گئی؟ غالباً امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے کہ: چند چیزیں چند لوگوں سے زیادہ قبیح ہیں، ان میں سے ایک فرمایا کہ: اگرچہ بے حیائی، حیا کے خلاف کرنا ہر ایک سے برا ہے، لیکن عورت سے بہت ہی برا ہے، اس لئے کہ حیا اللہ تعالیٰ نے عورت کی فطرت میں رکھی ہے، اب یہ ننگے سر اور ننگے منہ پھر رہی ہیں بازاروں میں، میں اس بات کو سمجھنے سے بالکل قاصر ہوں کہ ان کی حیا کو کون چر گیا ہے؟ اکبر الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مزاحیہ انداز میں فرمایا:

بے پردہ نظر آئیں کل جو چند بیبیاں
اکبر زمین میں غیرت قوی سے گز گیا
پوچھا کہ آپ کا جو پردہ تھا، کیا ہوا؟
کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کی پڑ گیا!

تم تو پردہ کر کے نکلا کرتی تھیں، جمہارا پردہ کہاں چلا گیا؟ کہنے لگیں: مردوں کی عقلوں پر پڑ گیا۔ پہلے عورت کے چہرے پر پردہ ہوتا تھا، اب مردوں کی عقل پر پردہ پڑ گیا ہے۔ بہت شدید گناہ ہے عورت کا بے پردہ اور بلا ضرورت باہر نکلتا، شرم و حیا عورت کا لازمی حصہ ہے، شرم و حیا نہ رہے تو عورت کی قیمت دو کوڑی کی نہیں ہے۔

خواتین کا گھر سے باہر نکلتا:

عورتوں کے لئے اصل حکم تو یہ ہے کہ بغیر ضرورت کے گھر سے باہر قدم نہ رکھیں، چنانچہ سورۃ الاحزاب کی آیت: ۳۳ میں ازواج مطہرات وہن کو حکم ہے: ﴿وَقَوْنِ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَى﴾ تم اپنے گھروں میں قرار سے رہو، (مراد اس سے یہ ہے کہ محض کپڑا اوڑھ لپیٹ کر پردہ کر لینے پر کفایت مت کرو، بلکہ پردہ اس طریقے سے کرو کہ بدن مع لباس نظر نہ آوے، جیسا آج کل مشرق میں پردے کا طریقہ متعارف ہے کہ عورتیں گھروں ہی سے نہیں نکلتیں، البتہ مواقع ضرورت و دوسری دلیل سے مستثنیٰ ہیں) اور (اسی حکم کی تاکید کے لئے ارشاد ہے کہ) قدیم زمانہ جاہلیت کے دستور کے موافق منت پھرو (جس میں بے پردگی رائج تھی، گو بلائش ہی کیوں نہ ہو، اور قدیم جاہلیت سے مراد وہ جاہلیت ہے جو اسلام سے پہلے تھی، اور اس کے مقابلے میں ایک مابعد کی جاہلیت ہے کہ بعد تعلیم و تبلیغ احکام اسلام کے ان پر عمل نہ کیا جائے، پس جو تبرج بعد اسلام ہو گا وہ جاہلیت آخری ہے) (تفسیر بیان القرآن از حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ)۔

اس پر شاید کسی کو یہ خیال ہو کہ یہ حکم تو صرف ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ خاص ہے، مگر یہ خیال صحیح نہیں، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ ”احکام القرآن“ میں لکھتے ہیں:

”اس آیت کریمہ میں پانچ حکم دیئے گئے ہیں:

۱:..... اجنبی لوگوں سے نزاکت کے ساتھ بات نہ کرنا۔

۲:..... گھروں میں جم کر بیٹھنا۔

۳:..... نماز کی پابندی کرنا۔

۴:..... زکوٰۃ ادا کرنا۔

۵:..... اللہ تعالیٰ کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنا۔

ظاہر ہے کہ یہ تمام احکام عام ہیں، صرف ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ مخصوص نہیں، چنانچہ تمام ائمہ مفسرین اس پر متفق ہیں کہ یہ احکام سب مسلمان خواتین کے لئے ہیں۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: یہ چند آداب ہیں، جن کا اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو حکم فرمایا ہے، اور اہل ایمان عورتیں ان احکام میں ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے تابع ہیں۔“ (احکام القرآن، حزب خاص، ص: ۲۰۰)

البتہ ضرورت کے موقعوں پر عورتوں کو چند شرائط کی پابندی کے ساتھ گھر سے نکلنے کی اجازت ہے، حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ”احکام القرآن“ میں اس سلسلے کی آیات و احادیث کو تفصیل سے لکھنے کے بعد ان شرائط کا خلاصہ حسب ذیل نقل کیا ہے:

”۱:..... نکلنے وقت خوشبو نہ لگائیں، اور زینت کا لباس نہ پہنیں، بلکہ میلے کپڑے پہنیں،

۲:..... ایسا زیور پہن کر نہ نکلیں جس میں آواز ہو۔

۳:..... زمین پر اس طرح پاؤں نہ ماریں کہ ان کے خفیہ زیورات کی آواز کسی کے کان میں پڑے۔

۴:..... اپنی چال میں اترانے اور مٹکنے کا انداز اختیار نہ کریں، جو کسی کے لئے رکشش کا باعث ہو۔

۵:..... راستے کے درمیان میں نہ چلیں، بلکہ کناروں پر چلیں۔

۶:..... نکلنے وقت بڑی چادر (جلباب) اوڑھ لیں، جس سے سر سے پاؤں تک پورا بدن ڈھک جائے، صرف ایک آنکھ کھلی رہے۔

۷:.....اپنے شوہروں کی اجازت کے بغیر گھر سے نہ نکلیں۔

۸:.....اپنے شوہروں کی اجازت کے بغیر کسی سے بات نہ کریں۔

۹:.....کسی اجنبی سے بات کرنے کی ضرورت پیش آئے تو ان کے لب و لہجہ میں نرمی اور نزاکت نہیں ہونی چاہئے، جس سے ایسے شخص کو طمع ہو جس کے دل میں شہوت کا مرض ہے۔

۱۰:.....اپنی نظریں پست رکھیں، حتیٰ الوسع تا محرم پر ان کی نظر نہیں پڑنی چاہئے۔

۱۱:.....مردوں کے مجمع میں نہ گھسیں۔“

اس سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ پارلیمنٹ وغیرہ کی رکنیت قبول کرنا اور مردانہ جمعوں میں تقریر کرنا، عورتوں کی نسوانیت کے خلاف ہے، کیونکہ ان صورتوں میں اسلامی ستر و حجاب کا ملحوظ رکھنا ممکن نہیں۔

کیا پردہ صرف شرم و حیا کا نام ہے؟

[حدیث: ۱۰۰۸] ”عن بريدة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم

لعلي: يا علي! لا تبيغ النظرة النظرة فإن لك الأُولى ولا يَسْت لَكَ الْآخِرَةُ“

(مشکوٰۃ ص: ۲۶۹، کتاب النکاح، باب النظر إلى المخطوبة)

ترجمہ: ”حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے آنحضرت

ﷺ نے فرمایا: ”اے علی! اچانک نظر کے بعد دوبارہ نظر مت کرو، پہلی تو (بے اختیار

ہونے کی وجہ سے) تمہیں مغاف ہے، مگر دوسری کا گناہ ہوگا۔“

تشریح: اکثر حضرات کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ: ”شرم و حیا کا نام پردہ ہے“ مگر ان کا یہ فقرہ نامکمل

اور ادھورا ہے۔ انہیں اس کے ساتھ یہ بھی کہنا چاہئے کہ: ”شرم و حیا کی شکلیں متعین کرنے کے لئے ہم عقل سلیم

اور وحی آسمانی کے محتاج ہیں۔“

یہ تو ظاہر ہے کہ شرم و حیا ایک اندرونی کیفیت ہے، اس کا ظہور کسی نہ کسی قالب اور شکل میں ہوگا، اگر

وہ قالب عقل و فطرت کے مطابق ہے تو شرم و حیا کا مظاہرہ بھی صحیح ہوگا، اور اگر اس قالب کو عقل صحیح اور فطرت

سلیمہ قبول نہیں کرتی تو شرم و حیا کا دعویٰ اس پاکیزہ صفت سے مذاق تصور ہوگا۔

فرض کیجئے! کوئی صاحب بھانگی ہوش و حواس قید لباس سے آزاد ہوں، بدن کے سارے کپڑے

اتار پھینکیں اور لباس عریانی زیب تن فرما کر ”شرم و حیا“ کا مظاہرہ کریں تو غالباً کوئی بھی ان صاحب کے

دعویٰ شرم و حیا کو تسلیم کرنے سے قاصر ہوگا، بلکہ اسے شرم و حیا کے ایسے مظاہرے کا مشورہ دے گا جو عقل و

فطرت سے ہم آہنگ ہو۔

سوال یہ ہے کہ عقل و فطرت کے صحیح ہونے کا معیار کیا ہے؟ اور یہ فیصلہ کس طرح ہو کہ شرم و حیا کا فلاں مظاہرہ عقل و فطرت کے مطابق ہے یا نہیں؟

اس سوال کے جواب میں کسی اور قوم کو پریشانی ہو، تو ہو، مگر اہل اسلام کو کوئی الجھن نہیں۔ ان کے پاس خالق فطرت کے عطا کردہ اصول زندگی اپنی اصلی حالت میں محفوظ ہیں، جو اُس نے عقل و فطرت کے تمام گوشوں کو سامنے رکھ کر وضع فرمائے ہیں۔ انہی اصول زندگی کا نام ”اسلام“ ہے۔ پس خدا تعالیٰ اور اس کے مقدس رسول ﷺ نے شرم و حیا کے جو مظاہرے تجویز کئے ہیں وہ فطرت کی آواز ہیں، اور عقل سلیم ان کی حکمت و گہرائی پر مہر تصدیق ثبت کرتی ہے۔ آئیے اذرا دیکھیں کہ خدا تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے ارشادات مقدسہ میں اس سلسلے میں کیا ہدایات دی گئی ہیں۔

۱:..... صنفِ نازک کی وضع و ساخت ہی فطرت نے ایسی بنائی ہے کہ اسے سراپا ستر کہنا چاہئے، یہی وجہ ہے کہ خالق فطرت نے بلا ضرورت اس کے گھر سے نکلنے کو برداشت نہیں کیا، تاکہ گوہر آب دار، ناپاک نظروں کی ہوس سے گرد آلود نہ ہو جائے، قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْأَنْحَاظِ ۖ ذَٰلِكَ خَيْرٌ لِّمَا تُصْنَعْنَ﴾ (الاحزاب: ۳۳)

ترجمہ: ”اور بکلی رہو اپنے گھروں میں اور مت نکلو پہلی جاہلیت کی طرح بن ٹھن کر۔“

”پہلی جاہلیت“ سے مراد قبل از اسلام کا دور ہے، جس میں عورتیں بے حجابانہ بازاروں میں اپنی نسوانیت کی نمائش کیا کرتی تھیں۔ ”پہلی جاہلیت“ کے لفظ سے گویا پیش گوئی کر دی گئی کہ انسانیت پر ایک ”دوسری جاہلیت“ کا دور بھی آنے والا ہے جس میں عورتیں اپنی فطری خصوصیات کے تقاضوں کو ”جاہلیتِ جدیدہ“ کے سیلاب کی نذر کر دیں گی۔

قرآن کی طرح صاحبِ قرآن ﷺ نے بھی صنفِ نازک کو سراپا ستر قرار دے کر بلا ضرورت اس کے باہر نکلنے کو ناجائز فرمایا ہے:

”وعنه (ای عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ) عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال:

الْمَرْأَةُ غَوْرَةٌ فَإِذَا غَزَتْ اسْتَشْفَرَهَا الشَّيْطَانُ۔“

(رواہ الترمذی، مشکوٰۃ ص: ۲۶۹)

ترجمہ: ”حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: عورت سراپا

ستر ہے، پس جب وہ نکلتی ہے تو شیطان اس کی تاک جھانک کرتا ہے۔“

۲:..... اور اگر ضروری حوائج کے لئے اسے گھر سے باہر قدم رکھنا پڑے تو اسے حکم دیا گیا کہ وہ ایسی

بڑی چادر اوڑھ کر باہر نکلے جس سے پورا بدن سر سے پاؤں تک ڈھک جائے، سورۃ احزاب آیت ۵۹: میں ارشاد ہے:

﴿لَا يَأْتِيَنَّكَ الْفِتْنَةُ قُلْ لَا زُجَّاجُكَ وَتَبْلُغُكَ وَنِسَاءُ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِقْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيزِهِنَّ﴾

ترجمہ: ”اے نبی! اپنی بیویوں، صاحبزادیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ (جب باہر نکلیں تو) اپنے اوپر بڑی چادریں جھکالیا کریں۔“

مطلب یہ کہ ان کو بڑی چادر میں لپٹ کر لگنا چاہئے، اور چہرے پر چادر کا گھونگھٹ ہونا چاہئے۔ پردے کا حکم نازل ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ کے مقدس دور میں خواتین اسلام کا یہی معمول تھا۔ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد ہے کہ: ”خواتین، آنحضرت ﷺ کی اقتدا میں نماز کے لئے مسجد آتی تھیں تو اپنی چادروں میں اس طرح لپیٹی ہوئی ہوتی تھیں کہ پہچانی نہیں جاتی تھیں۔“

مسجد میں حاضری، اور آنحضرت ﷺ کی اقتدا میں نماز پڑھنے اور آپ ﷺ کے ارشادات سننے کی ان کو ممانعت نہیں تھی، لیکن آنحضرت ﷺ عورتوں کو بھی یہ تلقین فرماتے تھے کہ ان کا اپنے گھر میں نماز پڑھنا ان کے لئے بہتر ہے (ابوداؤد، مشکوٰۃ ص: ۹۶)۔

آنحضرت ﷺ کی وقت نظر اور خواتین کی عزت و حرمت کا اندازہ کیجئے کہ مسجد نبوی، جس میں ادا کی گئی ایک نماز پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے۔ آنحضرت ﷺ خواتین کے لئے اس کے بجائے اپنے گھر پر نماز پڑھنے کو افضل اور بہتر فرماتے ہیں۔ اور پھر آنحضرت ﷺ کی اقتدا میں جو نماز ادا کی جائے، اس کا مقابلہ تو شاید پوری امت کی نمازیں بھی نہ کر سکیں، لیکن آنحضرت ﷺ اپنی اقتدا میں نماز پڑھنے کے بجائے عورتوں کے لئے اپنے گھر پر تنہا نماز پڑھنے کو افضل قرار دیتے ہیں۔ یہ ہے شرم و حیا اور عفت و عظمت کا وہ بلند ترین مقام جو آنحضرت ﷺ نے خواتین اسلام کو عطا کیا تھا اور جو بد قسمتی سے تہذیب جدید کے بازار میں آج نکلے سیریک رہا ہے۔

مسجد اور گھر کے درمیان تو پھر بھی فاصلہ ہوتا ہے آنحضرت ﷺ نے اسلام کے قانون ستر کا یہاں تک لحاظ کیا ہے کہ عورت کے اپنے مکان کے حصول کو تقسیم کر کے فرمایا کہ: فلاں حصے میں اس کا نماز پڑھنا فلاں حصے میں نماز پڑھنے سے افضل ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”عن عبد اللہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: صلوة المرأة فی بیتها افضل

من صلوتها فی حجرتها، وصلوتها فی معدها افضل من صلوتها فی

بیتها۔“ (ابوداؤد، ج: ۱ ص: ۸۴)

ترجمہ: ”عورت کی سب سے افضل نماز وہ ہے جو اپنے گھر کی چار دیواری میں ادا کرے، اور اس کا اپنے مکان کے کمرے میں نماز ادا کرنا اپنے صحن میں نماز پڑھنے سے افضل ہے، اور پچھلے کمرے میں نماز پڑھنا آگے کے کمرے میں نماز پڑھنے سے افضل ہے۔“

بہر حال ارشاد نبوی یہ ہے کہ عورت حتیٰ الوسع گھر سے باہر نہ جائے، اور اگر جانا پڑے تو بڑی چادر میں اس طرح لپٹ کر جائے کہ پہچانی تک نہ جائے، چونکہ بڑی چادروں کا بار بار سنبالنا مشکل تھا۔ اس لئے شرفاء کے گھرانوں میں چادر کے بجائے برقع کا رواج ہوا، یہ مقصد ڈھیلے ڈھالے قسم کے دیسی برقع سے حاصل ہو سکتا تھا، مگر شیطان نے اس کو فیشن کی بھٹی میں رنگ کر نسوانی نمائش کا ایک ذریعہ بنا ڈالا۔ میری بہت سی بہنیں ایسے برقعے پہنتی ہیں جن میں ستر سے زیادہ ان کی نمائش نمایاں ہوتی ہے۔

۳:..... عورت گھر سے باہر نکلے تو اسے صرف یہی تاکید نہیں کی گئی کہ چادر یا برقع اوڑھ کر نکلے، بلکہ گویا تیار، شرم و حیا کو محفوظ رکھنے کے لئے مزید ہدایات بھی دی گئیں۔ مثلاً: مردوں کو بھی اور عورتوں کو بھی یہ حکم دیا گیا ہے کہ اپنی نظریں نیچی اور اپنی عصمت کے پھول کو نظر بد کی بادِ سموم سے محفوظ رکھیں، سورۃ النور آیت: ۳۰، ۳۱ میں ارشاد ہے:

﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنَاتِیْنَ یَغْضُضُوْنَ اَبْصَارَهُمْ وَیَحْفَظُوْنَ اَفْروُجَهُمْ ۚ ذٰلِکَ اَزَّیْ
لَهُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌ بِمَا یَصْنَعُوْنَ ۝۳۰﴾ (النور)

ترجمہ: ”اے نبی! مومنوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کے لئے زیادہ پاکیزگی کی بات ہے اور جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے خبردار ہے۔“

﴿وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنَاتِیْنَ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَیَحْفَظْنَ اَفْروُجَهُنَّ وَلَا یُبْدِیْنَ
زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ (النور: ۳۱)

ترجمہ: ”اور مومن عورتوں سے بھی کہہ دیجئے کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی عصمت کی حفاظت کریں، اور اپنی زینت کا اظہار نہ کریں، مگر یہ کہ مجبوری سے خود کھل جائے... الخ۔“

ایک ہدایت یہ دی گئی ہے کہ عورتیں اس طرح نہ چلیں جس سے ان کی مخفی زینت کا اظہار ناخوشیوں کے لئے باعث کشش ہو، قرآن کی مندرجہ بالا آیت کے آخر میں فرمایا ہے:

﴿وَلَا یُظْهِرْنَ بِآزِجِلِهِنَّ لِیُعْلَمَ مَا یُخْفِیْنَ مِنْ زِیْنَتِهِنَّ ۚ﴾ (النور: ۳۱)

ترجمہ: ”اور اپنا پاؤں اس طرح نہ رکھیں کہ جس سے ان کی مخفی زینت ظاہر ہو جائے۔“
 ایک ہدایت یہ دی گئی ہے کہ اگر اچانک کسی نامحرم پر نظر پڑ جائے تو اسے فوراً ہٹالے، اور دوبارہ قصد ادیکھنے کی کوشش نہ کرے۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی کریم اللہ وجہ سے آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”اے علی! اچانک نظر کے بعد دوبارہ نظر مت کرو، پہلی تو (بے اختیار ہونے کی وجہ سے) تمہیں معاف ہے، مگر دوسری کا گناہ ہوگا“ (مسند احمد، داری، ترمذی، ابوداؤد، مشکوٰۃ ص: ۲۶۹)۔

بغیر پردہ عورتوں کا سر عام گھومنا

[حدیث: ۱۰۰۹] ”عن ابی الملیح قال: قدم علی عائشة نسوة من اهل حمص فقالت: من این أنسن؟..... قالت: فانی سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول لا تخلع امرأة ثيابها فی غیر بیت زوجها الا هتکت السر بینها وبين ربها۔“ (مشکوٰۃ ص: ۳۸۳، واللفظ لہ ترمذی ص: ۱۰۲)
 ترجمہ: ”جس عورت نے اپنے گھر کے سوا دوسری کسی جگہ کپڑے اتارے اس نے اپنے درمیان اور اللہ کے درمیان جو پردہ حائل تھا، اسے چاک کر دیا۔“

تشریح: آج کل گلی کوچوں میں، بازاروں میں، کالجوں میں اور دفاتروں میں بے پردگی کا جو طوفان برپا ہے، اور یہود و نصاریٰ کی تقلید میں ہماری بہو بیٹیاں جس طرح بن ٹھن کر بے حجابانہ گھوم پھر رہی ہیں، قرآن کریم نے اس کو ”جاہلیت کا تبرج“ فرمایا ہے، اور یہ انسانی تہذیب، شرافت اور عزت کے منہ پر زنائے کا طمانچہ ہے۔

عورت کے سر کا ایک بال بھی ستر ہے، اور نامحرموں کے سامنے ستر کھولنا شرعاً حرام اور طبعاً بے غیرتی ہے۔

دیور سے بھی پردہ

[حدیث: ۱۰۱۰] ”عن عقبۃ بن عامر..... إناکم والذخول علی النساء، فقال رجل من الأنصار: یا رسول الله! أفرأیت الخنم؟ قال: الخنم الموت۔“ (صحیح بخاری ج: ۱، ص: ۲۵۷، حدیث نمبر: ۴۸۳۱، باب لا یخلون رجل بامرأة الا ذو مخم والذخول..)
 ترجمہ: ”حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: عورتوں کے پاس جانے سے پرہیز کرو، انصار میں سے ایک صاحب نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ فرمائیے کہ خاوند کے رشتے داروں کا کیا حکم ہے؟ فرمایا وہ موت ہے۔“

تشریح: اس حدیث شریف میں فرمایا کہ جو عورت اس کا شوہر یا اس کے خاندان والے موجود نہ ہوں وہ تنہا ہو اس کے پاس نہ جایا کر، عورت کے پاس جانے سے پرہیز کرو والا یہ کہ اس کا شوہر موجود ہو یا اس کا والد بھائی اور دوسرے محرم اس کے موجود ہوں۔ ایک انصاری صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ! عورت کے سرالی رشتے دار جیسے دیور ہے جیٹھ ہے ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا وہ تو موت ہے یعنی ان سے بے تکلفی بھی ہوتی ہے، گھر میں جبکہ عورت تنہا ہو ان کا گھر میں جانا یہ ہلاک کرنے والی چیز ہے۔

ہمارے حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے ”آداب الطالب“ ایک چھوٹا سا رسالہ ہے جس میں طالبوں کے لئے ہدایات ہیں یعنی مریدین کے لئے ہدایات ہیں، اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ نامحرم مردوں سے پردہ کرنا چاہئے عورت کو، اگر مکان چھوٹا ہو اور عورت کو نامحرم مردوں کے سامنے جانا پڑے تو چاہئے کہ پوری بڑی چادر استعمال کرے اور چہرے پر گھونگھٹ بھی ڈالے یعنی پردہ کرے پھر اس صورت میں وہ ان کے پاس جاسکتی ہے، یعنی ضرورت کی چیزوں کے لئے لیکن ہمارے یہاں تو اپنے شوہر سے اتنی بے تکلفی سے بات نہیں کرتیں جیسے اجنبی مردوں سے بات کرتی ہیں۔

اسلام میں داڑھی کا حکم

داڑھی منڈانا یا کترانا (جبکہ ایک مشت سے کم ہو) حرام اور گناہ کبیرہ ہے، اس سلسلے میں پہلے چند احادیث لکھتا ہوں، اس کے بعد ان کے فوائد ذکر کروں گا۔

[حدیث: ۱۰۱۱] ”عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: عشر من الفطرة قص الشارب واعفاء اللحية۔“

(صحیح مسلم ج: ۱ ص: ۱۲۹)

ترجمہ: ”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: دس چیزیں فطرت میں داخل ہیں، مونچھوں کا کٹنا اور داڑھی کا بڑھانا... الخ۔“

[حدیث: ۱۰۱۲] ”عن ابن عمر رضی اللہ عنہما عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: احفوا الشوارب واعفوا اللحية۔“

ترجمہ: ”ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: مونچھوں کو کٹنا اور داڑھی بڑھاؤ۔“

[حدیث: ۱۰۱۳] ”وفی رواية: انه أمر باحفاء الشوارب واعفاء اللحية۔“

(صحیح مسلم ج: ۱ ص: ۱۲۹)

ترجمہ: ”اور ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے موچھوں کو کٹوانے اور داڑھی کو بڑھانے کا حکم فرمایا۔“

[حدیث: ۱۰۱۳] ”عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: خالفوا المشرکین، أو فروا اللخی، واحفوا الشوارب۔“
(متفق علیہ، مشکوٰۃ ص: ۳۸۰)

ترجمہ: ”ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مشرکوں کی مخالفت کرو، داڑھیاں بڑھاؤ اور موچھیں کٹاؤ۔“

[حدیث: ۱۰۱۵] ”عن أبی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: جزوا الشوارب وارخوا اللخی، خالفوا المجوس۔“

(صحیح مسلم ج: ۱ ص: ۱۲۹)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: موچھیں کٹاؤ اور داڑھیاں بڑھاؤ، مجوسیوں کی مخالفت کرو۔“

[حدیث: ۱۰۱۶] ”عن زید بن أرقم رضی اللہ عنہ أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: من لم يأخذ من شاربہ فلیس منا۔“

(رواہ احمد والترمذی والنسائی، مشکوٰۃ ص: ۳۸۱)

ترجمہ: ”زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو موچھیں نہ کٹوائے وہ ہم میں سے نہیں۔“

[حدیث: ۱۰۱۷] ”عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: لعن اللہ المتشبهین من الرجال بالنساء والمتشبهات من النساء بالرجال۔“
(رواہ البخاری، مشکوٰۃ ص: ۳۸۰)

ترجمہ: ”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: اللہ کی لعنت ہو ان مردوں پر جو عورتوں کی مشابہت کرتے ہیں، اور اللہ کی لعنت ہو ان عورتوں پر جو مردوں کی مشابہت کرتی ہیں۔“

تشریح:

۱:..... پہلی حدیث سے معلوم ہوا کہ موچھیں کٹانا اور داڑھی بڑھانا انسان کی فطرتِ سلیمہ کا تقاضا ہے، اور موچھیں بڑھانا اور داڑھی کٹانا خلافِ فطرت ہے، اور جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ فطرۃ اللہ کو بگاڑتے

ہیں۔ قرآن مجید میں ہے کہ شیطان لعین نے خدا تعالیٰ سے کہا تھا کہ میں اولاد آدم کو گمراہ کروں گا، اور میں ان کو حکم دوں گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق کو بگاڑا کریں۔ تفسیر حقانی اور بیان القرآن وغیرہ میں ہے کہ داڑھی منڈانا بھی تخلیق خداوندی کو بگاڑنے میں داخل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مردانہ چہرے کو فطرۃً داڑھی کی زینت و وجاہت عطا فرمائی ہے۔ پس جو لوگ داڑھی منڈاتے ہیں وہ اغوائے شیطان کی وجہ سے نہ صرف اپنے چہرے کو بلکہ اپنی فطرت کو مسخ کرتے ہیں۔

چونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام کا طریقہ ہی صحیح فطرت انسانی کا معیار ہے، اس لئے فطرت سے مراد انبیائے کرام علیہم السلام کا طریقہ اور ان کی سنت بھی ہو سکتی ہے۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ موچھیں کنوٹانا اور داڑھی بڑھانا ایک لاکھ چوبیس ہزار (یا کم و بیش) انبیائے کرام علیہم السلام کی متفقہ سنت ہے۔ اور یہ وہ مقدس جماعت ہے کہ آنحضرت ﷺ کو ان کی اقتداء کا حکم دیا گیا ہے: ”وَلَا تَكُ الْاَلْبَانِیْنَ هَذِی الْاَلْبَانِیْنَ فَیَهْدِی اللّٰهُ فِیْہِذَا اَھْمُ الْاَقْتِدَہ“ (سورۃ الانعام: ۹۰) اس لئے جو لوگ داڑھی منڈاتے ہیں وہ انبیائے کرام علیہم السلام کے طریقے کی مخالفت کرتے ہیں۔ گویا اس حدیث میں تنبیہ فرمائی گئی ہے کہ داڑھی منڈانا تین گناہوں کا مجموعہ ہے۔ ۱- انسانی فطرت کی خلاف ورزی، ۲- اغوائے شیطان سے اللہ تعالیٰ کی تخلیق کو بگاڑنا، ۳- اور انبیائے کرام علیہم السلام کی مخالفت۔ پس ان تین وجوہ سے داڑھی منڈانا حرام ہے۔

۲:..... دوسری حدیث میں موچھیں کنوٹانے اور داڑھی بڑھانے کا حکم دیا گیا ہے اور حکم نبوی کی تعمیل ہر مسلمان پر واجب اور اس کی مخالفت حرام ہے، پس اس وجہ سے بھی داڑھی رکھنا واجب اور اس کا منڈانا حرام ہوا۔

۳:..... تیسری اور چوتھی حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ موچھیں کنوٹانا اور داڑھی رکھنا مسلمانوں کا شعار ہے، اس کے برعکس موچھیں بڑھانا اور داڑھی منڈانا مجوسیوں اور مشرکوں کا شعار ہے، اور آنحضرت ﷺ نے اپنی امت کو مسلمانوں کا شعار اپنانے اور مجوسیوں کے شعار کی مخالفت کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ اسلامی شعار کو چھوڑ کر کسی گمراہ قوم کا شعار اختیار کرنا حرام ہے، چنانچہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

”من تشبه بقوم فهو منهم۔“ (جامع صغیر ج: ۲ ص: ۸)

ترجمہ: ”جو شخص کسی قوم کی مشابہت کرے وہ انہی میں سے ہوگا۔“

پس جو لوگ داڑھی منڈاتے ہیں وہ مسلمانوں کا شعار ترک کر کے اہل کفر کا شعار اپناتے ہیں، جس کی مخالفت کا رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا، اس لئے ان کو وعید نبوی سے ڈرنا چاہئے کہ ان کا حشر بھی قیامت کے دن انہی غیر قوموں میں نہ ہو۔ نعوذ باللہ!

۴:..... پانچویں حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ جو لوگ موچھیں نہیں کنوٹاتے وہ ہماری جماعت میں

شامل نہیں، ظاہر ہے کہ یہی حکم داڑھی منڈانے کا ہے، پس یہ ان لوگوں کے لئے بہت ہی سخت وعید ہے جو شخص نفسانی خواہش یا شیطانی انگو کی وجہ سے داڑھی منڈاتے ہیں، اور اس کی وجہ سے آنحضرت ﷺ ان کے لئے اپنی جماعت سے خارج ہونے کا اعلان فرما رہے ہیں، کیا کوئی مسلمان جس کو رسول اللہ ﷺ سے ذرا بھی تعلق ہے، اس دھمکی کو برداشت کر سکتا ہے...؟

اور آنحضرت ﷺ کو داڑھی منڈانے کے گناہ سے اس قدر نفرت تھی کہ جب شاہ ایران کے قاصد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کی داڑھیاں منڈی ہوئی اور مونچھیں بڑھی ہوئی تھیں:

”فکرہ النظر الیہما، وقال: ویلکمما! من امر کما بہذا؟ قال: امر نارینا یعنیان کسری، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ولکن ربی امرنی باعفاء لِحیتی وقص شاربی۔“

(البدایہ والنہایہ ج: ۲ ص: ۲۷۰، حیاة الصحابہ ج: ۱ ص: ۱۱۵)

ترجمہ: ”پس آنحضرت ﷺ نے ان کی طرف نظر کرنا بھی پسند نہ کیا اور فرمایا: تمہاری ہلاکت ہو! تمہیں یہ شکل بگاڑنے کا کس نے حکم دیا ہے؟ وہ بولے کہ: یہ ہمارے رب یعنی شاہ ایران کا حکم ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لیکن میرے رب نے تو مجھے داڑھی بڑھانے اور مونچھیں کٹوانے کا حکم فرمایا ہے۔“

پس جو لوگ آنحضرت ﷺ کے رب کے حکم کی خلاف ورزی کر کے مجوسیوں کے خدا کے حکم کی پیروی کرتے ہیں، ان کو سوارسو چننا چاہئے کہ وہ قیامت کے دن آنحضرت ﷺ کی بارگاہ میں کیا منہ دکھائیں گے؟ اور اگر آنحضرت ﷺ فرمائیں کہ: تم اپنی شکل بگاڑنے کی وجہ سے ہماری جماعت سے خارج ہو، تو شفاعت کی امید کس سے رکھیں گے؟

۵:..... اس پانچویں حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مونچھیں بڑھانا (اور اسی طرح داڑھی منڈانا اور کترانا) حرام اور گناہ کبیرہ ہے، کیونکہ آنحضرت ﷺ کسی گناہ کبیرہ پر ہی ایسی وعید فرما سکتے ہیں کہ ایسا کرنے والا ہماری جماعت سے نہیں ہے۔

۶:..... چھٹی حدیث میں آنحضرت ﷺ نے لعنت فرمائی ہے ان مردوں پر جو عورتوں کی مشابہت کریں اور ان عورتوں پر جو مردوں کی مشابہت کریں۔ اس حدیث کی شرح میں مثلاً علی قاری رحمہ اللہ صاحب مراقاة لکھتے ہیں کہ: ”لعن اللہ“ کا فقرہ، جملہ بطور بدوہا بھی ہو سکتا ہے، یعنی ان لوگوں پر اللہ کی لعنت ہو، اور جملہ خبریہ بھی ہو سکتا ہے، یعنی ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ لعنت فرماتے ہیں۔

داڑھی منڈانے میں گزشتہ بالا قباحتوں کے علاوہ ایک قباحت عورتوں سے مشابہت کی بھی ہے،

کیونکہ عورتوں اور مردوں کے درمیان اللہ تعالیٰ نے داڑھی کا امتیاز رکھا ہے، پس داڑھی منڈانے والا اس امتیاز کو مٹا کر عورتوں سے مشابہت کرتا ہے، جو خدا اور رسول ﷺ کی لعنت کا موجب ہے۔

ان تمام نصوص کے پیش نظر فقہائے اُمت اس پر متفق ہیں کہ داڑھی بڑھانا واجب ہے، اور یہ اسلام کا شعار ہے، اور اس کا منڈانا یا کترانا (جبکہ حد شرعی سے کم ہو) حرام اور گناہ کبیرہ ہے، جس پر رسول اللہ ﷺ نے سخت وعیدیں فرمائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس فعلِ حرام سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔

کتاب الآداب

ایک جوتا پہن کر چلنے کی ممانعت

[حدیث: ۱۰۱۸] "أَنَّ سَمِيعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ لَا تَمْشِي فِي نَعْلٍ وَاحِدٍ وَلَا تَخُصِبَ فِي إِزَارٍ وَاحِدٍ وَلَا تَأْكُلَ بِشِمَالِكَ وَلَا تَتَشَعَّلَ الصَّمَاءُ وَلَا تَضَعُ اخْدَى رِجْلِكَ عَلَى الْأُخْرَى إِذَا اسْتَلْقَيْتَ۔" (صحیح مسلم ج: ۱۰، ص: ۴۹۲، حدیث نمبر: ۳۹۱۹، باب فی منع الاستلقاء علی الظهر ووضع اخدی) ترجمہ: "حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: نہ چلا کر ایک جوتی پہن کر اور ایک تہ بند میں زانو اٹھا کر اکڑوں نہ بیٹھ، اپنے بائیں ہاتھ سے نہ کھا، اور کپڑے کو سارے بدن پر لپیٹ کر نماز نہ پڑھ، اور ایک پاؤں دوسرے پاؤں پر نہ رکھ جبکہ تو سیدھا چلتے لیئے۔"

تشریح: اس حدیث میں چار ہدایات فرمائی ہیں:

ایک یہ کہ ایک جوتا پہن کر نہ چلو، ایک تو یہ کہ آدمی ویسے ہی برا لگتا ہے، دوسری بات یہ کہ تجربہ کر کے دیکھو آدمی ٹھیک چل نہیں سکتا، عجیب حکیم انسانیت ہیں ﷺ، آدمی ٹھیک سے چل ہی نہیں سکتا، ایک جوتا پہنا ہوا ہو اور ایک نہ پہنا ہوا ہو۔ ہاں! کوئی مجبور ہے تو دوسری بات ہے، دوسرے پاؤں میں کوئی تکلیف ہے کہ جوتا نہیں پہن سکتا۔

دوسری نصیحت یہ فرمائی کہ ایک چادر پہن کر گوٹ مار کر نہ بیٹھو، گوٹ مار کر بیٹھنا یہ ہوتا ہے جیسے دیہاتی کرتے ہیں کہ گھٹنے کھڑے کر لیئے اور ہاتھوں کو گھٹنوں پر باندھ لیا سرین پر بیٹھ کر، اس کو گوٹ مار کر بیٹھنا کہتے ہیں کیونکہ ہو سکتا ہے نیچے سے ستر کھل جائے اس لئے اس کی ممانعت کر دی اور یہیں سے معلوم ہو جائے گا کہ اگر اس کا امکان اور احتمال نہ ہو تو اجازت ہے۔

تیسری نصیحت و ہدایت اسی کے ساتھ کہ چادر اس طرح نہ لپیٹو کہ آدمی بالکل بندھ جائے، نماز پڑھنے لگا اور چادر کو اس طرح لپیٹ دیا کہ اب گویا یہ قید ہو گیا کہ ہاتھ بھی اپنے نہیں اٹھا سکتا نہ کال سکتا ہے اور تم جانتے ہو کہ آدمی کے دونوں ہاتھ اس کے پر ہیں، انہی پر یہ اڑتا ہے جب ان کو کاٹ دیا یا بندھ دو گے تو

پرنده اڑے گا کیسے؟ اگر ہاتھ باندھ دیئے جائیں تو آدمی نیچے بیٹھ نہیں سکتا، تجربہ کر کے دیکھو۔

تو جو شخص اس طرح اشتہال صماء کرے گا پوری طرح چادر میں اس طرح لپٹ جائے گا کہ اس کے ہاتھ بھی نہ کھل سکیں اس کے لئے مشکل ہوگی، نماز کیسے پڑھے گا؟ اور آگے سجدے میں ہاتھ کیسے رکھے گا؟ بلکہ سجدے میں جائے گا کیسے؟ زکوع سجدے کیسے کرے گا؟ اس لئے اس کی ممانعت فرمائی۔

اور چوتھی نصیحت یہ فرمائی کہ بائیں ہاتھ سے نہ کھاؤ، کیونکہ بائیں ہاتھ سے شیطان اور کافر کھاتے ہیں، شیطان اور اس کے چیلے کھاتے ہیں اس لئے تم نہ کھاؤ۔ شیطان اس لئے کھاتا ہے کہ اس کو فطرت انسانی کی ضد میں محبت ہے، ہر ذہ چیز جو فطرت انسانی کے خلاف ہو بس اس کو اچھی لگتی ہے، آدمی کا وصف ہے تواضع، اس کا وصف ہے تکبر، آدمی کا وصف ہے اصلاح، اس کا وصف ہے فساد، آدمی کا وصف ہے لوگوں کی خدمت کرنا، لوگوں کا بھلا کرنا اور اس کا وصف ہے لوگوں سے شرارت کرنا، ایذا پہنچانا، ایک ایک وصف لیتے جاؤ جو وصف کہ انسانی فطرت ہے اس کا شیطان مخالف، اور جو وصف کہ انسانی فطرت کے خلاف ہو اس سے اس کو محبت۔ تو بائیں ہاتھ سے کھانا انسانی فطرت کے خلاف ہے اس لئے شیطان کو بہت اچھا لگتا ہے، شیطان دائیں ہاتھ سے استنجا کرتا ہوگا، بائیں ہاتھ سے روٹی کھاتا ہے۔

راستوں کے بھی حقوق ہیں

[حدیث: ۱۰۱۹] ”عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ..... إِنَّا كُنْمُ وَالْخُلُوسُ بِالطَّرِيقَاتِ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ! مَا لَنَا مِنْ مَجَالِسِنَا نَذْ نَتَحَدَّثُ فِيهَا، فَقَالَ: إِذْ أَتَيْتُمْ إِلَّا الْمَجْلِسَ فَأَعْطُوا الطَّرِيقَ حَقَّهُ قَالُوا: وَمَا حَقُّ الطَّرِيقِ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: غَضُّ الْبَصَرِ وَكَفُّ الْأَذَى وَرَدُّ السَّلَامِ وَالْأَمْرُ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ“ (صحيح بخاری ج: ۱۹، ص: ۲۳۰، حدیث نمبر: ۵۷۶۱، باب قول للہ تعالیٰ {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا الْبُيُوتَ})

ترجمہ: ”حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: راستوں کے درمیان بیٹھنے سے پرہیز کرو، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم لوگوں کو راستے میں بیٹھنے سے کوئی چارہ نہیں کہ ہم آپس میں وہاں بات چیت کرتے ہیں، آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر تم وہاں بغیر نشست کے نہیں رہتے تو راستے کا حق ادا کرو، صحابہ نے کہا راستے کا حق کیا ہے یا رسول اللہ؟ فرمایا: نظر کو نیچے رکھنا، تکلیف دہ چیز کو دور کرنا، سلام کا جواب دینا، بھلائی کا حکم کرنا اور برائی سے منع کرنا۔“

تشریح: اس حدیث میں ارشاد فرمایا کہ راستوں میں بیٹھنے سے پرہیز کرو بچا کرو، لوگوں کی عام گزرگاہ جس میں مرد بھی عورتیں بھی آتے جاتے ہیں وہاں بیٹھ کر باتیں کرنا گپیں ہانکنا یہ صحیح نہیں، اس سے منع فرمایا، صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہمیں راستے میں بیٹھنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں یعنی ضرورت پیش آتی ہے راستے میں بیٹھنے کی، بعض دفعہ دو آدمیوں کو یا زیادہ کو کسی مسئلے پر گفتگو کرنی ہوتی ہے، گھر میں کوئی جگہ نہیں کہ ہم بیٹھ کر بات کر سکیں، لامحالہ ہم کو بیٹھنا پڑے گا، آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر تم راستے میں بیٹھنے کے سوا ہر چیز کا انکار کرتے ہو یعنی لامحالہ تمہیں راستے میں بیٹھنا ہی پڑتا ہے تو پھر راستے کا حق ادا کرو، صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! راستے کا حق کیا ہے؟ فرمایا: پانچ حق ہیں:

[۱]: نظر نیچی رکھے، کسی نامحرم پر نظر نہ پڑے اور کسی کے عیب پر نظر نہ پڑے۔

[۲]: راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا، راستے میں کانٹا پڑا ہوا ہے اس کو ہٹا دیا، پتھر پڑا ہوا ہے وہ ہٹا دیا خود اپنی طرف سے کوئی حرکت ایسی نہ کی جائے جس سے لوگوں کو ایذا پہنچے۔

[۳]: حق یہ ہے کہ راہ چلتا ہوا تمہیں السّلام علیکم کہے تو تم اس کا جواب وَ عَلَیْکُم السّلام کہو، جانے والے اور گزرنے والا کا حق ہے کہ وہ سلام کہے اور جو بیٹھے ہیں ان کے ذمے اس کے سلام کا جواب دینا ہے، یوں فرمایا کہ چھوٹا بڑے کو سلام کہے، سوار بیٹھے ہوئے کو سلام کرے اور جو جماعت بیٹھی ہو وہاں سے کوئی گزر رہا ہے تو گزرنے والا سلام کرے اور یہ لوگ ان کے سلام کا جواب دیں۔

[۴]: چوتھی چیز ہے نیکی کا حکم کرنا۔

[۵]: پانچویں چیز ہے برائی سے روکنا۔ کوئی آدمی غلط کام کرتا ہو اس کو روکا جائے اور کوئی آدمی نیکی کا کام نہ کرتا ہو اس کو نیکی کے کام کا حکم کیا جائے، یہ راستے میں بیٹھنے والوں کے ذمے حق ہے، جو شخص ان حقوق کو ادا نہیں کرتا وہ گویا راستے کے حق میں خیانت کرتا ہے۔

مجلس کے آداب میں سے ایک ادب

[حدیث: ۱۰۲۰] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ..... إِذَا قَامَ أَحَدُكُمْ وَلَفِي حَدِيثِ أَبِي

عَوَانَةَ قَامَ مِنْ مَجْلِسِهِ ثُمَّ رَجَعَ إِلَيْهِ فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ۔“

(صحیح مسلم ج: ۱، ص: ۱۶۰، حدیث نمبر: ۴۰۴، باب: إِذَا قَامَ مِنْ مَجْلِسِهِ ثُمَّ رَجَعَ إِلَيْهِ فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب کوئی

شخص اٹھ کر جائے اپنی جگہ سے پھر پلٹ کر واپس آئے تو وہی اس جگہ کا زیادہ حقدار ہے۔

تشریح: اس حدیث میں ایک مسئلہ بیان فرمایا ہے کہ ایک آدمی اٹھ کے چلا گیا ایک جگہ سے مجلس

سے صف سے اٹھ کے چلا گیا اور مزے کی بات یہ ہے کہ کوئی نشانی چھوڑ کر نہیں گیا، واپس آ کر آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ یہ زیادہ حقدار ہے، کوئی دوسرا آدمی اس کی جگہ پر قبضہ نہ کر لے، جگہ خالی پڑی رہی اس کے آنے تک، وہ گھر نہیں گیا تھا یہیں مسجد کے ماحول میں گیا تھا ناک صاف کرنے کے لئے گیا تھا، وضو کی ضرورت پیش آگئی تھی وضو کرنے کے لئے گیا تھا یا کسی اور کام سے مسجد کی ضروریات کے اندر ہی گیا تھا۔ ایک چھوٹی سی سنت ہے رسول اللہ ﷺ کی مسلمانوں نے اس کو بھی توڑ دیا، اب اگر واپس آئے تو آ کر اس کو جگہ نہیں ملتی اور بھائی میں تو اٹھ کر گیا ہوں یہاں سے جگہ دے دو، جاؤ کام کرو اس کو جواب ملتا ہے۔

وہ جس ذات عالی نے بیان فرمایا کیا وہ تمہارا نبی نہیں؟ یہ عام لوگوں کے لئے بیان فرمایا ہے کہ کسی بھی مجلس میں کوئی آدمی بیٹھا ہو وہ وہاں سے اٹھ کر چلا گیا مسجد سے، چلو بھائی اگر تم اس کی جگہ نشانی نہیں رکھ سکتے تو اتنا تو کرو اس کو جگہ دے دو کہ ہاں بھائی تم بھی بیٹھ جاؤ، مجھ سے غلطی ہوگئی مجھے بیٹھنا نہیں چاہئے تھا، خیر اگر آپ اجازت دیں تو تھوڑی سی جگہ میں بھی بنا لوں، یہاں اتنا بھی نہیں کہتے۔

گھر میں داخل ہوتے وقت اور کھانا کھاتے وقت اللہ کا نام لینا

[حدیث: ۱۰۲۱] ”عن جابر بن عبد اللہ..... إِذَا دَخَلَ الرَّجُلُ بَيْتَهُ فَلَمْ يَذْكُرِ اللَّهَ عِنْدَ دُخُولِهِ وَعِنْدَ طَعَامِهِ قَالَ الشَّيْطَانُ: لَا مَبِيتَ لَكُمْ وَلَا عِشَاءَ، وَإِذَا دَخَلَ فَلَمْ يَذْكُرِ اللَّهَ عِنْدَ دُخُولِهِ قَالَ الشَّيْطَانُ: أَذَرَ كُتْمَ الْمَمِيتِ، وَإِذَا لَمْ يَذْكُرِ اللَّهَ عِنْدَ طَعَامِهِ قَالَ: أَذَرَ كُتْمَ الْمَمِيتِ وَالْعِشَاءَ۔“ (صحیح مسلم ج: ۱۰، ص: ۲۹۳، حدیث نمبر: ۳۷۶۲، باب آداب الطعام والشراب وأحكامهما)

ترجمہ: ”حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب آدمی اپنے گھر میں داخل ہوتے وقت اور کھانا کھاتے وقت اللہ کو یاد کرے تو شیطان اپنے دوسرے چیلوں سے کہتا ہے یہاں تم کو نہ رات کو رہنے کی جگہ ملی اور نہ رات کا کھانا ملا اور جب آدمی گھر میں داخل ہو اور داخل ہوتے وقت اللہ کو یاد نہیں کیا تو شیطان کہتا ہے رات کا رہنا تو تم کو مل گیا پھر جب اس نے کھانے کے وقت اللہ کا نام نہیں لیا تو شیطان کہتا ہے تم کو رات کا کھانا مل گیا رہنے کی جگہ بھی مل گئی۔“

تشریح: اس حدیث میں فرمایا کہ جب کوئی شخص شام کے وقت عشاء کے وقت یا مغرب کے بعد گھر میں جائے، گھر میں داخل ہوتے بسم اللہ پڑھ لے، اللہ کا نام ذکر کر دے، اللہ کو یاد کر لے: بسم اللہ الرحمن الرحیم اور جب کھانے پر بیٹھے تو بسم اللہ کر کے بیٹھے تو شیطان اپنے چیلوں سے کہتا ہے: لَا مَبِيتَ

لَكُمْ وَلَا عَشَاءَ ہمیں گھر میں نہ ٹھہرنے کی جگہ ملی اور نہ کھانا ملا کیونکہ بسم اللہ کر کے جب دروازہ بند کر دیا گیا شیاطین نہیں آ سکتے اب اور بسم اللہ کہہ کر جب کھانا شروع کر دیا تو ان کے لئے کھانا بھی ممنوع ہو گیا، کچھ شیاطین تو ساتھ ہی رہتے ہیں نا، دروازہ بند بھی ہو جائے تو پہلے داخل ہو جاتے ہیں۔

ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ دو شیطانوں کی ملاقات ہوئی تو ایک دہلا پٹلا تھا اور ایک موٹا تازہ، دہلا پٹلا شیطان مومن کا شیطان تھا موٹا تازہ کافر کا شیطان تھا، ان کا مذاکرہ ہوا آپس میں، اس نے کہا: یا تم بڑے ذلیلے پتلے ہو رہے ہو؟ کہتا ہے نہ کھانے کو ملتا ہے نہ رہنے کی جگہ ملتی ہے، اس کو کہا کہ تم بڑے موٹے تازے ہو رہے ہو؟ کہنے لگا: کھانے کو بھی وافر ملتا ہے اور بستر پر بھی سوتا ہوں ان کے ساتھ تو اگر کوئی شخص گھر میں داخل ہوتے ہوئے اللہ کا نام نہ لے تو شیطان کہتا ہے کہ تمہیں رات کے رہنے کی تو اجازت مل گئی، اب روٹی کا پتہ نہیں کہ ملے گی یا نہیں؟ ملے گی تو مطلب یہ کہ شیاطین سے حفاظت کے لئے ضروری ہے کہ آدمی اللہ کا ذکر کرتے ہوئے گھر میں اور بسم اللہ شریف پڑھ کر کھانا شروع کرے تو شیطان پر وہ کھانا حرام ہو جاتا ہے کھا نہیں سکتا، اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے..... آمین۔

اپنے خادم کو کھانے میں شریک کرنا

[حدیث: ۱۰۲۲] ”..... أَبَاهُ زَيْدَةً.....، إِذَا أَتَى أَخَذَ كَمَّ خَادِمًا دَنَا بِطَعَامِهِ فَإِنْ لَمْ يَجْلِسْهُ مَعَهُ فَلْيَتَوَلَّهْ أَكَلَهُ أَوْ أَكَلَتَيْنِ أَوْ لُقْمَةً أَوْ لُقْمَتَيْنِ فَإِنَّهُ وَلِي حَزْزَةٍ وَعَلَا جَدًّا“

(صحیح بخاری ج: ۱، ص: ۱۰۲، حدیث نمبر: ۵۰۳۹، باب الْأَكْلُ مَعَ الْخَادِمِ)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب تم میں سے کسی کے پاس اس کا خادم کھانا پکا کر لائے تو چاہئے کہ اس کو اپنے ساتھ بٹھالے اگر اپنے ساتھ نہ بٹھائے تو اس کو ایک دو لقمے ہی دے دے کیونکہ اس نے کھانا پکانے میں مشقت اور گرمی برداشت کی ہے۔“

تشریح: اس حدیث کا مضمون یہ ہے کہ جب کسی کا خادم کھانا پکا کر لائے تو اخلاق اور مروت کا تقاضہ تو ہے کہ اس کو اپنے ساتھ دسترخوان پر بٹھالے اور اگر ایسا نہیں ہو سکتا کھانا تھوڑا ہے یا مہمان ہیں تو کم سے کم اتنا ہی کر لے کہ ایک دو لقمے اس کو بھی دے دے، اس لئے کہ ایک تو وہ خادم جس غریب نے کھانا تیار کرنے میں گرمی سردی برداشت کی ہو اور محنت اور مشقت اٹھائی ہو اس کو تم کھانا چکھاؤ ہی نہیں، اس کو یہ بھی معلوم نہ ہو کہ کھانا کیسا تیار ہوا ہے تو یہ بڑی بے مروتی اور بداخلاقی ہے۔

دوسری قباحت اس میں یہ ہے کہ جب خادم کو یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ میاں صاحب خود بھی چٹ کر جایا کرتے ہیں اور اپنے خدام کو اس کا ذائقہ بھی نہیں چکھنے دیتے تو وہ خیانت اختیار کریں گے، یہی وجہ ہے کہ باورچی خانہ کا کھانا ضرور ساتھ ہوتا ہے یعنی اور تنخواہ جو تم چاہو رکھو اس کی لیکن کھانا ساتھ نہ رکھو تو وہ خیانت کرے گا حلال کے بجائے حرام کا کھائے گا، تو ایک تو تمہارا اخلاق خراب ہوگا دوسرے اس خادم اور ملازم کا بھی اخلاق خراب ہوگا، اس لئے ہدایت کی گئی ہے کہ جب وہ کھانا تیار کر کے لائے تو بہتر تو یہ ہے کہ اس کو ساتھ بٹھاؤ لیکن اگر ایسا نہیں کر سکتے تو کم سے کم اس کو ایک دو لقمے دے دو۔

سفر، جانور اور راستوں کے حقوق و آداب

[حدیث: ۱۰۲۳] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ..... إِذَا سَافَرْتُمْ فِي الْخَصْبِ فَأَغْطُوا الْإِبِلَ حَظَهَا مِنَ الْأَرْضِ، وَإِذَا سَافَرْتُمْ فِي السَّنَةِ فَبَاذِرُوا بِهَا نَفْسَهَا، وَإِذَا عَزَّ سَنَمُ فَاجْتَنِبُوا الطَّرِيقَ فَإِنَّهَا طُرُقُ الدَّوَابِّ وَمَأْوَى النَّهْزَامِ بِاللَّيْلِ۔“
(صحیح مسلم ج: ۱۰، ص: ۲۶، حدیث نمبر: ۳۵۵۳، باب مزاغاة مصلحة الدواب فی الشبر والنهی عن....)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب تم سرسبزی اور شادابی کے زمانے میں سفر کیا کرو تو اونٹوں کو ان کا حق دیا کرو زمین میں اور جب تم قحط سالی اور خشک سالی کے دنوں میں سفر کرو تو ان کو جلدی لے جاؤ ان کا گودا نچوڑنے سے پہلے پہلے اور جب تم رات کے وقت کسی جگہ پڑاؤ کرو تو راستوں سے بچا کرو یعنی راستے سے ہٹ کر اوٹ کی طرف پڑاؤ کرو کیونکہ وہ راستے ہیں چوپایوں کے اور ٹھکانہ ہیں کیڑے کوڑوں کا رات کے وقت۔“

تشریح: اس حدیث میں سفر کے آداب بیان فرمائے ہیں، مطلب یہ کہ اونٹوں کے سفر ہوتے تھے اس زمانے میں اونٹ بھی اللہ کی مخلوق ہیں بوجہ بھی اٹھاتے ہیں تمہیں بھی اٹھاتے ہیں چلتے بھی ہیں سردی گرمی بھی ان کو متاثر کرتی ہے، آنحضرت ﷺ نے اس کا ادب بتایا کہ اگر زمانہ سرسبزی کا ہو خوب راستے میں چارہ سبز ملتا ہے تو راستے میں اونٹوں کو ان کا حق دیتے جاؤ یعنی ان کو چراتے جاؤ کچھ کچھ وقفے کے بعد خود بھی آرام کر لیا کرو اور اونٹوں کو بھی چرنے کے لئے چھوڑ دیا کرو اور اگر قحط سالی اور خشک سالی کا زمانہ ہو راستے میں نہ سبزے کا نام تو پھر ان کا گودا پھیلنے سے پہلے پہلے سفر ختم کر دو یعنی پورا تھکاؤ نہیں ان کو بلکہ سفر جلدی سے کر کے ان کو آرام اور راحت پہنچاؤ۔
یہ مضمون اس سے پہلے بھی ایک حدیث میں گزر چکا ہے اور وہاں پر ذکر کیا تھا کہ حضرت

تھانویؒ صاحب کا اس پر ایک مستقل رسالہ ہے: ”ارشاد الحائِم فی حقوق البہائم“ چوپایوں کے کیا حقوق ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے چوپایوں کے حقوق بھی ہمارے ذمے لازم کئے ہیں، بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ بے تحاشہ مالوں کو بیلوں کو یا مویشیوں کو مارتے ہیں جائز نہیں ہے، تمہیں اللہ نے ان کا مالک بنایا ہے یہ مطلب نہیں ہے کہ تم سے ان کا کوئی حساب لینے والا نہیں ہوگا تو ان کا بھی لحاظ رکھنا چاہئے ان کو تھکنے نہ دو، ان کا گودانہ پگھلاؤ ہڈیوں کا، اور ضرورت سے زیادہ بے رحمی کے ساتھ ان کو مارو نہیں۔

اور ایک ہدایت یہ فرمائی کہ رات کو پڑاؤ کی: عرب چونکہ گرم ملک تھا رات کو سفر کیا کرتے تھے عام طور پر عصر کے بعد سفر شروع کیا کرتے تھے اور رات کے آخری حصے تک سفر چلتا رہتا پھر رات کے آخر میں پڑاؤ کرتے تھے تاکہ ذرا سستالیں اس کو عربی زبان میں ”تقریں“ کہتے ہیں، ارشاد فرمایا اگر تم آخری وقت میں رات کو پڑاؤ کرو تو راستوں سے بچو یعنی راستے میں اپنا ڈیرہ نہ ڈالو بلکہ راستے سے ہٹ کر اپنا ڈیرہ ڈالو اس لئے کہ رات کو راستے پر مویشیوں کو بھی چلنا ہوتا ہے درندے بھی چلتے ہیں اور دوسرے مویشی بھی چلتے ہیں اور اس کے علاوہ سانپ کیڑے مکوڑے وہ بھی راستے پر سے گزرتے ہیں تو ان سے الگ ہو کر ڈیرہ ڈالو۔

آنحضرت ﷺ کی انگوٹھی کی مثل انگوٹھی نہ بنانے کا حکم

[حدیث: ۱۰۲۳]۔ ”عَنْ ابْنِ عَمْرٍو..... لَا يَنْقُشُ أَحَدٌ عَلَى نَفْسِ خَاتَمِي

هَذَا.....“ (صحیح مسلم ج: ۱۰، ص: ۴۶۶، حدیث نمبر: ۳۹۰۰، باب نہیں

النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمَانِ وَرَقِي.....)

ترجمہ: ”حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا تم میں سے کوئی شخص میری اس انگوٹھی کے نقش پر نقش نہ بنائے۔“

تشریح: اس حدیث شریف کا مفہوم یہ ہے کہ ۶ھ کے بعد آپ ﷺ نے شاہانِ عالم کے نام گرامی نامے تحریر فرمائے، یہ ان کو اسلام کی دعوت کے خطوط تھے لیکن آپ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ شاہانِ عجم اس وقت تک کسی کے خط قبول نہیں کرتے جب تک کہ اس پر مہر نہیں ہوتی، خط کو بغیر مہر کے مستند نہیں سمجھتے، اس ضرورت کی بناء پر آنحضرت ﷺ نے انگوٹھی بنوائی، پہلے سونے کی بنائی تھی پھینک دیا اس کو پھر چاندی کی بنوائی اور اس کا گنیزہ بھی چاندی کا تھا اور اس کے گنیزے میں کندہ کروایا: محمد رسول اللہ (محمد سطر و زینت سطر و اللہ سطر) تین سطروں میں محمد رسول اللہ لکھا اور پر اللہ درمیان میں رسول نیچے محمد اور یوں پہن بھی لیا کرتے تھے لیکن زینت کے لئے نہیں بلکہ ضرورت کے لئے تاکہ محفوظ رہے اور اس کا گنیزہ اندر کی طرف رکھتے تھے گنیزہ چاندی کا اور اس کو اندر کی طرف رکھتے اور ضرورت ہوتی تھی مہر لگانے کی اس انگوٹھی کے ساتھ۔

یہ گویا اس زمانے کی مہر تھی یہ آنحضرت ﷺ کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئی ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ان کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس ان کی خلافت ۶ سال گزر چکے تھے کہ عریض نامی ایک کنواں تھا مسجد قبا کے پاس، (وہ میں نے بھی دیکھا ہے اب بند کر دیا گیا ہے)، اس کنویں میں وہ انگوٹھی گر گئی تھی، کنویں کا پورا پانی نکال کر، ایک ایک ذرہ نکال کر دیکھا، انگوٹھی نہیں ملی، بقول شاہ ولی اللہ کے برکات ختم ہو گئے اور اس وقت سے فتنوں نے سر اٹھالیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا آخری دور فتنوں کی لپیٹ میں آیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا پورے کا پورا دور ہی فتنوں میں گزرا، بہر کیف یہاں یہ کہنا ہے کہ آپ ﷺ نے انگوٹھی بنوائی تھی تو فرمایا: لَا يَنْقُشُ أَحَدٌ عَلَيَّ نَقِشَ خَاتَمِي هَذَا تم میں سے کوئی آدمی میری انگوٹھی کے نقش پر نقش نہ بنائے یعنی کسی کی انگوٹھی پر یہ نہیں ہونا چاہئے ورنہ مہر جعلی ہو جائے گی منع فرما دیا تھا۔

اب رہی یہ بات کہ آنحضرت ﷺ کے بعد اس کی اجازت ہے یا نہیں؟ بعض علماء نے فرمایا کہ نہیں اب بھی اس کی اجازت نہیں، بعضوں نے کہا کہ آپ ﷺ کے بعد اب کوئی التباس نہیں رہا، غلام احمد قادیانی ہوگا جو اپنے آپ کو محمد رسول اللہ کہے ورنہ کون صحیح الدماغ آدمی اپنے آپ کو محمد رسول اللہ کب کہے گا؟ اس لئے بعض علماء نے اس کی اجازت دی ہے لیکن نہ بنائے اس طرح تو بہتر ہے، انگوٹھی کے بارے میں لوگ پوچھا کرتے ہیں کہ کون سا گنیمہ سنت ہے کون سا پتھر پہننا چاہئے؟ یہ سب چیزیں شیعوں کی من گھڑت ہیں پتھر پہننے کی اجازت ہے لیکن پتھروں میں تاثیر نہیں ہوتی ہاں طبی طور پر کوئی چیز ہو تو وہ الگ بات ہے میں اس کا انکار نہیں کر سکتا، بعض پتھر ایسے ہیں جو دل کی تقویت کا موجب ہوتے ہیں جیسے کشتے کھائے جاتے ہیں اس کا انکار نہیں لیکن عام طور پر لوگوں کے ہاں تاثیر مشہور ہے یہ غلط ہے۔

بیمار جانور کو گھاٹ پر نہ لے جایا جائے

[حدیث: ۱۰۲۵] ".....أَبُو هُرَيْرَةَ..... لَا يُورَدُ مَضْرُضٌ عَلَى

فَصِيحٍ۔" (صحیح مسلم ج: ۱، ص: ۲۵۱، حدیث نمبر: ۴۱۱۷، باب لَا غَدْوَى

وَلَا طَبِيرٌ وَلَا هَامَةٌ وَلَا ضَفَرٌ وَلَا نَرَّةٌ وَلَا غَوْلٌ...)

ترجمہ: "حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا جس

شخص کے اونٹ بیمار ہوں جانور بیمار ہوں وہ اس شخص کے گھاٹ پر نہ لیجائے جس شخص

کے جانور تندرست ہوں۔"

تشریح: اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جن اونٹوں کو بیماری لگی ہوئی ہو وہ شخص ان کو ایسے گھاٹ پر نہ

لے جائے جس پر تندرست اونٹ پانی پیتے ہیں تاکہ ایسا نہ ہو جائے کہ ان کو بیماری لگ جائے اور لوگوں کا

عقیدہ خراب ہو جائے اس لئے الگ الگ پانی کے گھاٹ پر لے جانے کا حکم فرمایا۔

تھوکنے کے آداب

[حدیث: ۱۰۲۶] "أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ وَأَبَا سَعِيدٍ إِذَا تَنَحَّمْ أَخَذَكُم فَلَا يَتَنَحَّمَنَّ قَبْلَ وَجْهِهِ وَلَا عَنْ يَمِينِهِ وَلْيَبْطِشْ عَنْ يَسَارِهِ أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ الْيُسْرَى" (صحیح بخاری ج: ۲، ص: ۱۷۱، حدیث نمبر: ۳۹۳، باب خُكْبِ الْمَغْطِطِ بِالْخُضِيِّ مِنَ الْمَسْجِدِ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ...)

ترجمہ: "حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی آدمی کھٹکھا کر تھو کے تو اپنے منہ کی طرف نہ تھو کے اور نہ دائیں طرف بلکہ اپنے بائیں طرف تھو کے یا اپنے بائیں قدم کے نیچے تھو کے۔"

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ دیکھا کہ دیوار قبلہ پر کسی نے بغل ڈالا ہوا ہے مسجد شریف میں، دیواریں بھی کچی ہوتی تھیں فرش بھی کچا ہوتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لکڑی منگوائی اپنے دست مبارک سے اسے صاف کیا اور خوشبو منگوائی اور وہاں لگوائی، اس موقع پر فرمایا کہ جب تم نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہو تو اپنے رب سے مناجات کرتے ہو اور تمہارا رب تمہارے سامنے ہوتا ہے اس لئے اگر کسی کو تھوکنے کی ضرورت پیش آئے تو سامنے کی طرف نہ تھو کے کیونکہ تمہارے سامنے کوئی آدمی بیٹھا ہے تم اس پر تھو کو کتنی بری بات ہوگی اور اسی طرح دائیں طرف بھی نہ تھو کے کیونکہ ادھر فرشتہ ہے فرشتہ تو ادھر بھی ہے لیکن وہ زیادہ معزز فرشتہ ہے بلکہ بائیں جانب تھوک دے اور یا اپنے پاؤں کے نیچے تھوک کر اس کو لے دے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مسجد شریف کچی ہوتی تھی مٹی ہوتی تھی اور چٹائیاں صفیں اور دریاں قالین نہیں ہوتی تھیں خالی جگہ پر نماز پڑھتے تھے اس لئے فرمایا کہ نیچے تھوک کر اس کو دفن کر دے اور ایک حدیث شریف میں فرمایا کہ یا یوں کر لے اپنے کپڑے کو لیا اور منہ پر کیا یعنی تھوک اس میں لے لے اور کپڑے کو لے، مطلب یہ ہے کہ سامنے کی جانب نہ تھو کے خصوصاً نماز میں اور دائیں جانب نہ تھو کے، اب اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ ان چیزوں کے کرتے وقت حق تعالیٰ شانہ کی ذات عالی کا استحضار ہونا چاہئے کہ میں اللہ کے سامنے کھڑا ہوں چنانچہ نماز پڑھتے ہوئے اور ویسے بھی اگر سامنے کو تھوکتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی طرف تھوکتا ہے اور یہ بے ادبی ہے نہیں تھوکتا چاہئے۔

ایک حدیث شریف میں ارشاد فرمایا کہ آدمی کو ضرورت کے بغیر اپنا ستر نہیں کھولنا چاہئے بیشاب پاخانے کے لئے حاجت پیش آتی ہے وہ تو الگ بات ہے مجبوری ہے ورنہ ستر نہیں کھولنا چاہئے کسی نے کہا:

یا رسول اللہ! اگر آدمی تنہائی میں ہوا کیلا ہو فرمایا ایک تو ابان معکم من لا یفاد فکم تمہارے ساتھ وہ لوگ رہتے ہیں جو تم سے کسی وقت جدا نہیں ہوتے اور دوسری بات یہ فرمائی: قَالَ أَحَقُّ أَنْ تَسْتَحْشِيَ مِنْهُ اللّٰهُ زَیَادَہٗ حَقِّ دَارِ ہے اس بات کا کہ اس سے شرم کی جائے، گو ہمارا لباس اللہ تعالیٰ سے روکنے والا نہیں ہے، اللہ کی نظر سے روکنے والا نہیں ہے لیکن شرم و حیاء کا تقاضا ہے کہ ہم ستر نہ کھولیں اور اللہ سے شرم کریں، یہ حدیث شریف بھی اسی اصول کے تحت میں آتی ہے جو میں عرض کر رہا ہوں کہ آدمی کو اللہ تعالیٰ کی ذات کا استحضار رکھنا چاہئے۔

جمائی لینے کے آداب

[حدیث: ۱۰۲۷] "..... لِأَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ..... إِذَا تَقَاوَبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَنْسِكْ بِيَدِهِ عَلَى فِئْدِ الشَّيْطَانِ يَدْخُلُ۔"

(صحیح مسلم ج: ۱۳، ص: ۲۶۹، حدیث نمبر: ۵۳۱۱، باب تَشْمِيتِ الْعَاظِسِ وَكِرَاهَةِ التَّقَاوُبِ) ترجمہ: "حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے ایک آدمی جمائی لیوے تو اسے چاہئے کہ اپنے منہ کو ہاتھ سے بند کر دے کیونکہ شیطان اس میں داخل ہو جاتا ہے۔"

تشریح: اس حدیث میں فرمایا ہے کہ جب تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو اس کو منہ پر ہاتھ رکھ لینا چاہئے، سیدھا ہاتھ رکھ لے یا پھر الٹا ہاتھ رکھے منہ کھولنا نہیں چاہئے اس لئے کہ شیطان اس میں داخل ہو جاتا ہے، اور ایک حدیث شریف میں ارشاد فرمایا کہ جب جمائی آتی ہے تو شیطان کھلکھلا کے ہنستا ہے اس لئے حکم ہے کہ نماز میں جمائی آئے تو منہ بند کرنے کی کوشش کرو اور اگر منہ کھلے تو اس کو ہاتھ سے بند کر لو۔

سونے کے آداب و دُعا

[حدیث: ۱۰۲۸] "عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ..... إِذَا أَوَى أَحَدُكُمْ إِلَى فِرَاشِهِ فَلْيَنْفُضْ فِرَاشَهُ بِدَاخِلَةِ إِزَارِهِ فَإِنَّهُ لَا يَنْدُرِي مَا خَلَفَهُ عَلَيْهِ، ثُمَّ يَقُولُ: بِاسْمِكَ رَبِّ وَضَعْتَ جَنِيَّ وَبِكَ أَرْفَعُهُ إِنْ أَمْسَكَتَ نَفْسِي فَارْحَمْنِي وَإِنْ أَرْسَلْتَنِي فَاحْفَظْهَا بِمَا تَحْفَظُ بِهِ عِبَادَكَ الصَّالِحِينَ۔"

(صحیح بخاری ج: ۱۹، ص: ۳۸۷، حدیث نمبر: ۵۸۴۵، باب التَّغَوُّظِ وَالْقِرَاءَةِ عِنْدَ الْمَنَامِ) ترجمہ: "حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی ٹھکانہ پکڑے اپنے بستر کی طرف تو جھڑ لیں اپنے بستر کو اپنی لنگی کے ایک کنارے سے کیونکہ وہ شخص نہیں جانتا کہ اس کے بعد اس پر کیا چیز پڑی، پھر کہے:

تشریح: اس حدیث میں سونے کا ادب بتایا ہے کہ جب اپنے بستر پر جاؤ تو اس کو اپنی لنگی کے کنارے سے جھاڑ لو اپنے بستر کو، خدا جانے تمہارے بعد اس پر کیا چیز گئی ہوگی؟ کوئی کیڑا اکڑا ہوگا، کوئی سانپ پچھو ہو اور تم اسی طرح لیٹ جاؤ، خصوصاً جب گھر میں چراغ بھی نہ ہو جیسا کہ صحابہ کرام کے زمانے میں نہیں ہوتا تھا، تم جب اپنا پہلو بستر پر لگاؤ لیٹو تو یہ دعا پڑھ لیا کرو: بِاسْمِکَ رَبِّ وَصَفَتْ جَنَّتِیْ وَبِکَ اَرْفَعُہُ.... اے اللہ! میں نے آپ ہی کے نام سے اپنا پہلو بستر پر لگایا ہے اور آپ ہی کے نام سے اس کو اٹھاؤں گا، اب میں نہیں جانتا کہ صبح اٹھنا بھی ہے یا نہیں، اگر آپ میری جان کو روک لیں تو اس پر رحم فرمائیے یعنی بخشش فرمادیجئے اور اگر آپ میری جان کو دوبارہ چھوڑ دیں تو آپ اس کی حفاظت فرمائیں جس چیز کے ساتھ آپ اپنے نیک بندوں کی حفاظت کیا کرتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے رات کو سونے کے سلسلے میں بہت سی روایات جاری فرمائی ہیں، ان میں سے ایک روایت یہ ہے کہ بستر کو جھاڑ لے اور بید عا پڑھ لے، آنحضرت ﷺ جب بستر پر تشریف لے جاتے تھے تو سب سے پہلے اللہ کا شکر ادا کرتے تھے: الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَكَفَانَا وَآوَانَا اِس اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں کھلایا پالایا ہماری کفایت کی اور ہمیں ٹھکانہ دیا فَاكْمَمْ مَعْنَى لَا كَافِيَ لَهُ وَلَا مُؤْوِي (مسلم ۲۴۱/۳، ۲۸۹۰) کیونکہ کہنے لوگ ایسے ہیں جن کی کوئی کفایت کرنے والا نہیں ہے اور جن کو کوئی ٹھکانہ دینے والا نہیں۔

یہ بھی حکم فرمایا گیا ہے کہ تسبیحات فاطمی کا اہتمام کیا جائے ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ ۳۳ مرتبہ الحمد للہ ۳۳ مرتبہ اللہ اکبر اور ایک مرتبہ چوتھا کلمہ، آیۃ الکرسی کے پڑھنے کا بھی ارشاد فرمایا گیا ہے، سورۃ فاتحہ پڑھنے کا بھی ارشاد فرمایا گیا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ میں نہیں سمجھتا کہ کوئی مسلمان سورۃ بقرہ کی آخری دو آیتیں پڑھے بغیر بھی سوسکتا ہے امن الرسول سے لے کر آخر تک اور اگر ان سے پہلی آیت بھی ملائے بندہ صافی السلوٰت الخ تاکہ رکوع ہو جائے تو بہتر ہے، فرمایا میں نہیں سمجھتا کہ کوئی مسلمان اس کے بغیر بھی سوسکتا ہے۔ سورۃ نوح کے پڑھنے کا بھی حکم فرمایا ہے اور بہت سی دعائیں جو بھی یاد آئے پڑھ لے اور ایک صحافی سے فرمایا تھا جب تو بستر پر جائے اور جو کچھ پڑھنا ہے پڑھ لے پھر سب سے آخر میں تو یہ پڑھا کر:

”اللَّهُمَّ اسْلَمْتْ نَفْسِي إِلَيْكَ وَفَوَّضْتُ أَمْرِي إِلَيْكَ وَرَجَّهْتُ وَجْهِي
إِلَيْكَ وَالْجَنَاحَاتُ ظَهَرِي إِلَيْكَ رَغْبَةً وَرَهْبَةً إِلَيْكَ لَا مَلْجَأَ وَلَا مُنْجَا مِنْكَ

إِلَّا إِلَيْكَ آمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِي أَنْزَلْتَ وَبِشَيْئِكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ۔“

(بخاری ۱۹/۳۷۵، ۵۸۳۸)

یہ دعائ کو تلقین فرمائی، پھر فرمایا: سنا، تو اس نے سنائی، صحابی نے سنائی اور آخر میں پڑھا صحابی نے
وَبِشَيْئِكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ آپ ﷺ نے فرمایا: لا ایسے نہیں رسولِ الٰہی نہیں بلکہ نَبِیِّكَ الَّذِی
ہے۔ ترجمہ اس کا یہ ہے:

بے شک اے اللہ! میں نے سپردِ کردی جان آپ کی طرف اور متوجہ کر لیا اپنا چہرہ آپ کی طرف اور
سپردِ کردیا اپنا معامدہ آپ کے اور میں نے اپنی ٹیک لگائی آپ کی ذات کے ساتھ کسی چیز کا سہارا لیتا ہوں آپ کی
بارگاہ سے رغبت کرتے ہوئے بھی اور آپ سے ڈرتے ہوئے بھی، رغبت بھی ہے ڈر بھی، کوئی ڈر بلا نہیں اور
کوئی بھاگ کر نجات پانے کی صورت یا جگہ نہیں آپ سے بھاگ کر مگر آپ کے پاس سے بھاگیں تو آپ ہی
کی طرف آئیں گے اور تو کوئی جائے پناہ نہیں ہے، میں ایمان لایا آپ کی اس کتاب پر جو آپ نے نازل
فرمائی ہے اور آپ کے نبی ﷺ پر جس کو آپ نے بھیجا ہے، فرمایا: سب سے آخر میں یہ دعا کر لیا کرو جہاں تک
ہو سکے متوجہ الی اللہ ہو کر سونا چاہئے، گناہوں کی معافی مانگ لینا چاہئے۔

ایک جو تا پہن کر چلنے کی ممانعت

[حدیث: ۱۰۲۹] ”..... أَبُو هُرَيْرَةَ.....، إِذَا انْقَطَعَ شَيْعُ أَحَدِكُمْ فَلَا

يَمْشِي فِي الْآخِرَى حَتَّى يَضْلُعَ حَقًّا۔“

[حدیث: ۱۰۳۰] ”عَنْ جَابِرٍ.....، إِذَا انْقَطَعَ شَيْعُ أَحَدِكُمْ أَوْ مِنْ انْقَطَعَ

شَيْعُ نَعْلِهِ فَلَا يَمْشِي فِي نَعْلٍ وَاحِدَةٍ حَتَّى يَضْلُعَ شَيْعُهُ۔“

(صحیح مسلم ج: ۱۰، ص: ۴۹۱، حدیث نمبر: ۳۹۱۷، باب التَّهَيُّ عَنْ اِشْتِمَالِ

الصَّغَاوَةِ وَالْإِخْتِاؤِ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ جب تم میں سے ایک

آدمی کے جوتے کا تسمہ گر جائے تو دوسری میں تہ چلے جب تک کہ اس کو درست نہیں کر لیتا۔“

تشریح: اس حدیث میں یہ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اگر کسی کے جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے تو دوسرا بھی
اُتار دے، اس کو پہن کے نہ چلے جب تک کہ اس کو ٹھیک کر کے نہیں دیتا، یہ مضمون اس سے پہلے بھی گذر چکا
ہے کہ جب ایک جو تا خراب ہو جائے تو دوسرا بھی اُتار دے، پہنے تو دونوں پہنو اور اُتار دو دونوں اُتارو، یہ نہیں
ہونا چاہئے کہ ایک پاؤں پہن کر رکھے اور ایک اُتار دے۔

نام رکھنے کے آداب

بچوں کا نام دیکھ بھال کر رکھنا

[حدیث: ۱۰۳۱] ”عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ..... وَلَا تَسْمِيَنَّ غُلَامَكَ نِسَارًا وَلَا زَيْمًا حَاوًا وَلَا نَجِيحًا وَلَا أَفْلَحًا فَإِنَّكَ تَقُولُ: أَلَمْ هُوَ؟ فَلَا يَكُونُ فَيَقُولُ: لَا، إِنَّمَا هُنَّ أَرْبَعٌ فَلَا تَزِيدَنَّ عَلَيَّ“ (صحیح مسلم ج: ۱، ص: ۷۷، حدیث نمبر: ۳۹۸۵، باب کراهۃ التسمیۃ بالأسماء القبیحۃ وبنایع ونحوہ)

ترجمہ: ”حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے بچے کا نام ’نیسار نہ رکھ اور نہ ’زیم‘ اور نہ ’نجیح‘ اور نہ ’افلح‘، کیونکہ تو کہے گا کہ کیا یہاں فلا نہ ہے؟ وہ ہوگا نہیں تو کہیں گے کہ (آسانی، فائدہ اور کامران) نہیں ہے، یہ صرف چار لفظ ہیں میری طرف اپنی طرف سے منسوب کر کے ان میں اضافہ نہ کر دینا۔“

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اللہ تعالیٰ کی رضا اور عدم رضا کہ فلاں کام سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتے ہیں اور فلاں کام سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں ان چیزوں کو بیان فرمایا اور اس کے پھر بڑے بڑے پانچ دائرے بنادیئے پھر ہر دائرے کے اندر چھوٹی چھوٹی چیزیں، لہذا یہاں ایک نظام مرتب کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تو عقائد بیان فرمائے کہ اللہ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھو، نبیوں کے بارے میں یہ عقیدہ رکھو، تقدیر کے بارے میں یہ عقیدہ رکھو وغیرہ وغیرہ۔

دوسرے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں عبادات بتائیں، نماز ہے، روزہ ہے، حج ہے، زکوٰۃ ہے، قربانی ہے اور دوسری جتنی بھی عبادات کی قسمیں ہیں وہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق کوئی شخص عمل کرے وہ کامیاب ہے چاہے تھوڑا عمل ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کے خلاف عمل کرے وہ ناکام ہے چاہے زیادہ عمل کرتا پھرے اور ان عقائد اور اعمال کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اخلاق کی بھی تعلیم فرمائی، یہ اچھے اخلاق ہیں یہ برے اخلاق ہیں، ان کو اپنانا چاہئے ان سے بچنا چاہئے اور پھر اخلاق کے مطابق معاملات ہیں، لیکن دین اس طرح ہونا چاہئے، کرایہ داری کا معاملہ ایسے ہونا چاہئے، وکالت ایسی ہونی چاہئے، جتنے بھی معاملات ہیں ان کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمائی ہے اور

اس حدیث شریف سے ایک تو یہ بات معلوم ہوگئی کہ آنحضرت ﷺ نے ایسے ناموں کو پسند نہیں فرمایا ہے جس سے غلط معنی سمجھے جائیں اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ نام رکھتے وقت معنی کا بھی خیال رکھنا چاہئے۔ لوگ نام پہلے رکھ لیتے ہیں بعد میں پوچھتے ہیں کہ اس کے معنی کیا ہیں؟ میں کہتا ہوں مہمل ہے کچھ بھی معنی نہیں، پہلے نام تجویز کر کے بچے کا پھر معنی پوچھتے ہیں اور منشاء اس کا یہ ہے کہ لوگ چاہتے ہیں کہ نئے نام رکھا جائے، نام نئے سے نیا ہو پرانا استعمال شدہ نام لوگوں کو اچھا نہیں لگتا، لوگ اس سکتے سے ناواقف ہیں کہ جتنا کوئی لفظ کثرت سے استعمال ہوتا ہے اتنا زیادہ بابرکت ہوتا ہے کیونکہ جتنی زیادہ قیمتی چیز ہوتی ہے اللہ اس کو عام فرما دیتے ہیں اور جتنی کوئی چیز کمی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اس کو مہنگا کر دیتے ہیں اور کیا ب کر دیتے ہیں، اور پانی سب سے زیادہ قیمتی ہیں اللہ تعالیٰ نے ہوا پر جگہ رکھی ہوئی ہے، تمہیں پیسے نہیں دینے پر ت سانس لینے کیلئے کہ تھوڑی سی آکسیجن چاہتے تھی پیسے دوسری چیزیں خریدتے ہو بازار سے کھانے پینے کی اور جتنی زیادہ بے ضرورت کی چیزیں ہیں اتنی زیادہ مہنگی ہوتی چلی جاتی ہیں، سب سے زیادہ مہنگا سونا اور سونے سے پھر جواہرات بالکل

بے قیمت چیزیں ان کی کوئی قیمت ہی نہیں ہے، ایک آدمی نے ساری عمر سونا نہ دیکھا ہو جو اہرات کو نہ دیکھا ہو اس کی صحت پر کوئی فرق نہیں آتا اور ایک آدمی کے پاس سونے کے ڈھیر لگے ہوئے ہوں اس کی صحت دوبارہ نہیں آتی کوئی فرق نہیں پڑتا، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ہوا اور پانی سب سے زیادہ قیمتی ہیں کہ اس کے بغیر آدمی کا دم گھٹ جائے، بسا اوقات چھوٹے چھوٹے دن ہوتے ہیں لیکن پھر بھی روز محسوس ہوتا ہے، پانی اندر نہ جائے تو کسی محسوس ہوتی ہے، اللہ نے اس کو اتنا عام کر دیا، ہوا کے لئے تو کوئی جگہ ہی نہیں رکھی، پوری فضا کو اللہ نے بھر دیا اور پانی کو اس طرح بھر دیتے تو دنیا ہی ڈوب جاتی، اللہ تعالیٰ نے زمین کے اندر اس کے خزانے بنا دیئے ہیں کہ نکالو پانی استعمال کرو اور پہاڑوں کے اندر سے پائپ لائن بنا دیئے ہیں اللہ تعالیٰ نے پوری زمین میں، تو یہی مثال ناموں میں بھی سمجھ لو، جتنے نام زیادہ استعمال ہوتے ہیں سمجھ لو کہ یہ زیادہ بابرکت ہیں، آج کل بچوں کے نام عائشہ، فاطمہ، مریم، خدیجہ، خولہ، زینب، صفیہ، لوگوں کو اچھے نہیں لگتے، یہ پرانے نام ہیں دقیانوسی اور ابراہیم، یوسف، یعقوب، ابوبکر، عمر، عثمان، علی، معاویہ، حسن، حسین، عباس، عبداللہ، عبدالرحمن، مقداد، یہ نام لوگوں کو اچھے نہیں لگتے، پر دیز، فیروز، نام رکھتے ہیں، اقبال پر دیز کسی آیت میں ہے یہ اقبال اور پر دیز نام معلوم کیا کیا؟ اس لئے انبیاء کرام کے ناموں پر نام رکھو، صحابہ کرام کے ناموں پر نام رکھو، برکت حاصل کرنے کے لئے، اولیاء اللہ کے ناموں پر رکھو، تاکہ اللہ تعالیٰ ہماری اولاد کو بھی ان اکابر کی برکتیں عطا فرمائے۔

ایک کتنی چھوٹی سی بات ہے نام رکھنا، ساری دنیا میں لوگ پیدا ہوتے ہیں ان کے نام رکھتے ہیں، کوئی تارا نگہ رکھتا ہے کوئی گنداسنگہ رکھتا ہے، کوئی رام داس رکھتا ہے، کوئی کچھ تاس ہے نام رکھتے ہی ہیں نا کچھ نہ کچھ، تمام مذاہب اور تمام لوگ اپنے اپنے بچوں کا نام رکھتے ہیں لیکن میں قربان جاؤں رسول اللہ ﷺ کے کہ آنحضرت ﷺ نے تمہیں نام رکھنے کے بھی آداب بتائے ہیں اور بات یہ ہے صحابہ فرماتے ہیں کہ ہم نے پہلے ایمان سیکھا پھر قرآن سیکھا۔

ایمان سیکھا قرآن سیکھا کیا مطلب؟ ایمان کے معنی ہیں آنحضرت ﷺ کی بات کو سچا سمجھ کر بے چون و چرا تسلیم کر لینا، جب اندر ایمان آئے گا اور آنحضرت ﷺ کے ارشادات اور آپ کے فرمودات کی قیمت اندر آئے گی تو اندر سے پھر خود طلب پیدا ہوگی، اندر سے طلب پیدا ہوگی اور آدمی خود تلاش کرتا پھرے گا کہ بھائی اس معاملے میں رسول اللہ ﷺ کا حکم کیا ہے ارشاد کیا ہے اور اگر اندر طلب نہیں ہوگی تو اوپر سے چاہے جتنا بھی انڈیلے جاؤ وہ اہلتا جائے گا اندر طلب نہیں ہے، اس کے پیاس نہیں ہے۔

آج مسلمانوں کی بیماری اصلاً یہ ہے، معلومات کی کمی نہیں ہے، معلومات بہت ہیں لوگوں کے پاس، کتابیں چھپی ہوئی ہیں، ڈھیر لگے ہوئے ہیں، ہمارے بزرگوں کے زمانے میں اتنی کتابیں بھی نہیں ہوتی تھیں، اتنی معلومات بھی نہیں ہوتی تھی، سادے لوگ ہوتے تھے لیکن ایک بات تھی اللہ اور اللہ کے رسول سے

تعلق صحیح تھا، اس زمانے میں سب سے زیادہ جو کمزوری واقع ہوئی ہے وہ معلومات کی نہیں بلکہ اندر کی پیاس بجھ گئی، ایمانی معدہ ہی ٹھنڈا ہو گیا، اب کتنی تقریریں ہی کرتے چلے جاؤ ہم میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوتی، اس لئے کہ اندر طلب ہوتی ہے اور طلب پر بات معلوم ہوتی ہے تو آدمی کو اس کی قیمت معلوم ہوتی ہے اور اگر طلب کے بغیر ایک بات حلق سے اندلی جائے وہ نہیں چلے گی۔

لوگ مجھ سے پوچھا کرتے ہیں کہ یہ تبلیغ کا کام فرض ہے یا واجب ہے سنت ہے یا مستحب ہے؟ میں نے کہا تبلیغ کا کام تو فرض کفایہ ہے لیکن اپنے دل میں دین کا پیدا کرنا اپنے اندر دین پیدا کرنا یہ فرض عین ہے، لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ علم کبھی فرض عین ہوتا ہے کبھی فرض کفایہ ہوتا ہے کبھی مستحب کا درجہ ہے، میں کہتا ہوں کہ علم تو آتا ہے عمل کے لئے، پہلے علم کی پیاس پیدا کرنا یہ تو فرض عین ہے، ایک لڑکے نے لکھا کہ میرے ابا کہتے ہیں بس میاں نماز پڑھتے رہو ٹھیک ہے زیادہ بڑے مولوی نہ بنو، اب لوگوں کا تصور یہی ہے کہ نماز پڑھتے رہو، عام لوگوں کا تصور یہی ہے کہ نماز پڑھتے رہو، اچھا میاں پڑھتے رہیں گے لیکن ساری عمر التَّحِیَّات درست نہیں ہوگی، اس لئے کہ اس کی فرصت ہی نہیں ہے، نہ ضرورت سمجھی ہے، پوری جماعت سے سنو نماز اول سے آخر تک معلوم ہو جائے گا کہ کتنی صحیح ہے اور کبھی کسی نے اس کی ضرورت نہیں سمجھی ہے، پھر نماز کے ارکان کس طرح ادا کئے جائیں؟ رکوع سجدہ کس طرح کیا جائے، کس طرح کرنا صحیح ہے؟ کس طرح کرنا صحیح نہیں؟ عمدۃ الفقہ اور زبدۃ الفقہ میں دیکھو سجدے میں اتنے فرض ہیں، سجدہ ادا کرنے کے لئے اتنے فرض ہیں، ہم نے تو اتنا سنا ہے کہ سجدہ فرض ہے سجدے کے ادا ہونے کے لئے اتنے فرض ہیں۔

اب مولوی صاحب نے تقریر کر دی سن کر چلے گئے، چلو بھائی قصہ ختم، موبیشوں کا کام ہی اور کیا ہوتا ہے، بھائی تم لوگ روٹی کھاتے ہو کھاتے ہو دکان داری کر کے، مولوی بیچارہ وعظ و تقریر کر کے روٹی کھاتا ہے، بس وہ تمہارا پیشہ ہے یہ اس کا پیشہ ہے، بس ختم مولوی اپنا کام کرتا ہے تم اپنا کام کرو تو یہ دعوت و تبلیغ کا کام تم نے غلط سمجھا ہے، بھائی یہ صرف لوگوں ہی کو تبلیغ کرنے کے لئے نہیں ہے، کبھی کبھی لوگ کہا کرتے ہیں کہ گھر پر کیوں نہیں تبلیغ کرتے؟ اتنا دور جاتے ہیں تبلیغ کرنے کے لئے، باہر ملکوں کا سفر کرتے ہیں، نا بھائی! یہ تبلیغ کا کام جو ہے یہ لوگوں کو بتانے کے لئے نہیں، اپنے کو جگانے کے لئے ہے، اپنے اندر پیاس پیدا کرنے کے لئے، اللہ کی سنت یہ ہے کہ جو آدمی کسی راستے میں اپنی جان کھپاتا ہے اللہ اس کے لئے اس راستے کو کھول دیتے ہیں، تم دین کو چکانے کے لئے دردور کی ٹھوکریں کھاؤ گے، اپنے ان بھائیوں کے پاس جاؤ گے جو دین سے بالکل بے خبر ہیں اور ان کی منت سماجت کرو گے، ان کو کھینچ کر مسجد میں لاؤ گے اور ان کے سامنے اللہ اور رسول کی باتیں رکھو گے، جنت اور دوزخ کا تذکرہ رکھو گے، جنت اور دوزخ کی باتیں کرو گے، ان کے دل میں آخرت کا شوق پیدا ہوگا اللہ اور اللہ کے رسول کی بات کا یقین پیدا ہوگا تو ان کو تو بعد میں نوازیں گے تمہیں پہلے نوازیں گے۔

ایک بات میری عقل میں کبھی نہیں آتی وہ یہ کہ لوگ تبلیغ کے بڑے مخالف ہیں، جو مخالف نہیں ہیں وہ بھی ان کے ساتھ چلنے کے لئے تیار نہیں ہیں لیکن کسی کو پہلا پھسلا کر تم لے جاؤ ایک دفعہ چار مہینے اس کے لگا دو تو پھر وہ ایسا کھتا ہے تبلیغ میں پتہ نہیں کیا لذت رکھی ہوئی ہے اس میں! پھر اس کے ماں باپ کو شکایت ہے کہ یہ تو تبلیغ میں بہت جاتا ہے، میں کہتا ہوں کہ لذت تو رکھی ہوئی ہے اس میں کوئی بات تو ہے نا، یہی کل تک تبلیغ کا مخالف تھا اور تم اس کو کھینچ رہے تھے وہ نہیں آتا تھا، اس چار مہینے میں اس کو گوشت کر دیا۔

آپ دیکھو نا سفر میں مشقت ہے تکلیف ہے، بستر اٹھانا ہے، سردی ہے گرمی ہے، پرانی جگہ ہے، نہ ڈھنگ سے بیٹھنے کی جگہ نہ آرام کی جگہ، مارے مارے پھر نا چار مہینے تک، اسی ایک بات سے سمجھ لو کہ اللہ نے اس میں کتنی لذت رکھی ہے؟ یہ کیا ہے؟ وہ جو ایمان اندر سے چلا گیا تھا وہ واپس آ گیا، جو ہمارے دلوں سے ایمان ٹھنڈا پڑ گیا تھا نا رخصت ہو گیا تھا وہ واپس آ گیا اور جب ایمان دل کے اندر واپس آ جاتا ہے تو یہ ایسا ہوتا ہے جیسے ماں کی گود میں بچہ پڑا ہوا بچہ ہوتا ہے، جیسے ماں کی ممتا تربیتی ہے جب تک اس کا بچہ نہ ملے اور جو نبی بچہ آ جائے سینے میں ٹھنڈ ہو جاتی ہے، آج دنیا پریشان ہے اس لئے کہ اندر سے ایمان اڑ گیا ہے جدا ہو گیا ہے، ایمان کی ٹھنڈک، ایمان کا نور، ایمان کی خشکی، ایمان کی روشنی، ایمان کی لذت، ایمان کی چاشنی، یہ نہیں ہے، اگر ہے تو ٹھٹھرا ہوا پڑا ہے، بچہ پارہ ایمان سردی لگی ہوئی ہے، کبھی مفلوج ہو گیا، کبھی آنکھیں بند کر کے پڑا ہے دیکھ نہیں رہا لیکن جو نبی ایمان تازہ دم ہو جاتا ہے اندر تو اطمینان اور سکون ایسا ہوتا ہے کہ آدمی گھر کی راحت پر سفر کی مشقت کو ترجیح دیتا ہے اور مارے مارے پھرنے کو چاہتا ہے، پیسے اپنے پاس سے خرچ کرتا ہے، کوئی دولت تو ملی ہے اس کو بھائی یا نہیں؟ مل تو گئی ہے نا کچھ نا کچھ اور یونہی دیکھتے دیکھتے اس کی شکل تبدیل ہو جاتی ہے، چہرے پر ست کا نور آ جاتا ہے، زبان میں نرمی اور لچک پیدا ہو جاتی ہے، پہلے اپنے بہن بھائیوں کو کاٹ کھانے کو دوڑتا تھا اب نہایت نرم لہجہ پیدا ہو گیا، اخلاق اس کے بدلے، اعمال اس کے بدلے، شکل اس کی بدلی، عقل اس کی بدلی۔

چار مہینے کا کورس تو تم بتاؤ کہ چار مہینے کی محنت پر اگر اللہ تعالیٰ ایمان عطا فرمادیں تو یہ کورس زیادہ لمبا تو نہیں ہے نا؟ میرا جی چاہتا ہے کہ ہم اس معاملے میں خاص طور پر نوجوان طبقہ اور بطور خاص جن لوگوں نے ابھی تک وقت نہیں لگایا اس میں پہل کریں، میرے کہنے پر لگا دو پھر تم ایسا کرو گے، مشکل تو بہت ہے بھائی اس لئے کہ تمہیں اگر امریکا بھیجا جائے وہاں گرین کارڈ ملتا ہو تو تم جانے کے لئے تیار ہو گے، جرمنی بھیجا جائے کہ وہاں کی شہریت ہمیں ملتی ہے تو تم جانے کے لئے تیار ہو گے، سردی کے ساتھ بھی گرمی کے ساتھ بھی اور پیسے قرض لے کر کے بھی لیکن اگر تمہیں جنت کا ٹکٹ دینے کے لئے بلایا جائے تو اس کے لئے تیار نہیں ہیں، اس لئے کہ مولوی کی بات پر یقین نہیں ہے اور جب تم اس راستے میں ٹھو کریں کھاؤ گے تو تمہیں خود یقین آئے گا، تو میرے بھائی اس کے لئے یہ دعوت و تبلیغ کا کام اللہ نے ہمیں عطا فرمایا ہے اپنا بھی نفع ہے دوسروں کا بھی نفع

ہے اُمت کا بھی نفع ہے اور جتنا تم اس کام میں بڑھو گے اعتدال کے ساتھ اللہ تعالیٰ اُمت کو بھی نوازیں گے۔ پہلا کورس چار مہینے اور اس کے بعد اور بھی ہے ایک سال کے لئے دو سال کے لئے تین سال کے لئے اللہ کے بعض بندے ایسے بھی ہیں جنہوں نے زندگیاں وقف کر دیں۔

آنحضرت ﷺ کی انگٹھی کا بیان

[حدیث: ۱۰۳۲] ”عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ خَاتَمُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ وَرَقٍ وَكَانَ فَضَّةَ حَبِشِيَّةٍ۔“

(سنن ترمذی ج: ۶، ص: ۳۵۶، حدیث نمبر: ۱۶۶۱، باب ما جاء في خاتم النبوة)
ترجمہ: ”حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی انگٹھی چاندی کی تھی اور اس کا نگینہ حبشی تھا۔“

چاندی کی انگٹھی

[حدیث: ۱۰۳۳] ”عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ..... وَاتَّخَذَ خَاتَمًا مِنْ فِضَّةٍ فَكَانَ يَخْتَمُ بِهِ وَلَا يَلْبَسُهُ“ (سنن نسائی ج: ۱۵، ص: ۴۵، حدیث نمبر: ۵۱۲۳، نزاع الخاتم عند دخول الغلاء)
ترجمہ: ”ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے چاندی کی انگٹھی بنوائی، پس آپ اس کے مہر فرماتے تھے اس کو پہنتے نہیں تھے۔“
[حدیث: ۱۰۳۴] ”عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ خَاتَمُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ فِضَّةٍ فَضَّةٍ مِنْدَرٍ۔“

(سنن ترمذی ج: ۶، ص: ۳۵۸، حدیث نمبر: ۱۶۶۲، باب ما جاء ما يشهد في فض الخاتم)
ترجمہ: ”حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی انگٹھی چاندی کی تھی اس کا نگینہ بھی اسی میں سے تھا۔“

مہر بنانے کی ضرورت

[حدیث: ۱۰۳۵] ”عَنْ أَنَسٍ بْنِ مَالِكٍ قَالَ لَمَّا أَرَادَ نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَكْتُبَ إِلَى الْعَجَمِ قِيلَ لَهُ: إِنَّ الْعَجَمَ لَا يَقْبَلُونَ إِلَّا كِتَابًا عَلَيْهِ خَاتَمٌ، فَاضْطَرَّ خَاتَمًا، قَالَ: فَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى بَيَاضِهِ فِي كَفِّهِ۔“
(سنن ترمذی ج: ۹، ص: ۳۵۷، حدیث نمبر: ۲۶۳۲، باب ما جاء في ختم الكتاب)

ترجمہ: ”حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے دوسری روایت میں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے ارادہ فرمایا سلاطین عجم کے نام خط لکھنے کا تو آپ سے عرض کیا گیا کہ عجمی لوگ قبول نہیں کرتے مگر ایسے خط کو جس پر مہر ہو، پس آنحضرت ﷺ نے مہر بنوائی گویا میں اب بھی دیکھ رہا ہوں کہ اس کی سفیدی کی طرف جو آنحضرت ﷺ نے ہاتھ میں پہنی ہوئی تھی۔“

انگوٹھی کا نقش

[حدیث: ۱۰۳۶] ”عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ نَفْسُ خَاتَمِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ مُحَمَّدٍ سَطْرٌ وَرَسُولٌ سَطْرٌ وَاللَّهُ سَطْرٌ۔“

(سنن ترمذی ج: ۶، ص: ۳۶۷، حدیث نمبر: ۱۶۶۹، باب ما جاء في نقش الخاتم)
ترجمہ: ”حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے دوسری روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کی انگوٹھی کا نقش تھا (محمد رسول اللہ) محمد ﷺ ایک سطر رسول ایک سطر اللہ ایک سطر۔“

تشریح: اس جگہ امام ترمذی نے آٹھ روایتیں ذکر ہیں جن میں سے چار مضامین آئے ہیں: ایک یہ کہ رسول کریم ﷺ کی انگوٹھی چاندی کی تھی اور اس کا نگینہ حبشی تھا لیکن حضرت انس رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت میں یوں ذکر کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی انگوٹھی چاندی کی تھی اور نگینہ بھی اسی میں سے تھا یعنی چاندی ہی کا تھا، بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں روایتوں میں بظاہر اختلاف نظر آتا ہے اور حضرت انس ہی کی دونوں روایتیں ہیں، ان کو دو طریقوں سے جمع کیا گیا ہے ایک یہ کہ ہو سکتا ہے ایک انگوٹھی اس قسم کی ہو ایک انگوٹھی اس قسم کی ہو، ایک کا نگینہ حبشی ہو حبشی پتھر کا اور دوسری کا نگینہ چاندی کا ہو اور بعض حضرات نے یوں کہا ہے کہ حبشی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حبشہ ایک ملک کا نام ہے ممکن ہے وہاں کی بنی ہوئی انگوٹھی تھی، یا یہ کہ اس کے بنانے والا حبشی تھا اور نگینہ چاندی ہی کا تھا پتھر کا نہیں تھا۔

ہمارے شیخ مولانا زکریا نور اللہ مرتدہ فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک راجح یہ ہے کہ دو انگوٹھیاں تھیں ایک کا نگینہ پتھر کا تھا اور دوسری کا چاندی کا۔

دوسرا مضمون یہ آیا ہے ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں کہ آنحضرت ﷺ نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی تھی اس کے ساتھ مہر لگانے کا حکم فرماتے تھے لیکن اس کو پہنتے نہیں تھے جبکہ بہت سی احادیث سے رسول اللہ ﷺ کا انگوٹھی پہننا ثابت ہے مذکور ہے، حضرت عبداللہ بن عمر کا یہ ارشاد ہے کہ اس کو پہنتے نہیں تھے مطلب یہ

ہے کہ عام معمول پہننے کا نہیں تھا کبھی پہن لیتے تھے کبھی نہیں پہنتے تھے عام معمول نہیں تھا، اصل مقصد مہر لگانا تھا کیونکہ اس کے گنینے پر آپ ﷺ کی مہر کنندہ تھی اور یہ بات بھی کہی جاسکتی ہے کہ دو انگوٹھیاں تھیں ایک انگوٹھی پہنتے تھے اور ایک کو اکثر مہر کے لئے استعمال فرماتے تھے۔

تیسرا مضمون حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے شاہانِ عجم کے نام گرامی نامے تحریر کرنے کا ارادہ فرمایا اسلام کی دعوت کے لئے تو عرض کیا گیا کہ وہ لوگ مہر کے بغیر خط کو قبول نہیں کرتے مستند نہیں سمجھتے جب تک کہ لکھنے والے کی مہر نہ ہو تو اس ضرورت کی بناء پر آنحضرت ﷺ نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی مہر کے طور پر استعمال کرنے کے لئے، حضرت انس فرما رہے ہیں کہ پہلی دفعہ جب آنحضرت ﷺ نے اس کو پہنا تو گویا اس کو چمکتا ہوا میں اب بھی دیکھ رہا ہوں یہ واقعہ مجھے اس طرح یاد ہے، آنحضرت ﷺ نے تبلیغی خطوط تحریر فرمائے تھے ۶ھ میں ۶، ۷، ۸، ۹ ان سالوں میں گرامی نامے تحریر فرمائے تھے قیصر کے نام بھی، کسریٰ کے نام بھی، شاہ حبشہ کے نام بھی، والی مصر کے نام بھی، یمن کے بادشاہ کے نام بھی اور بھی بہت سے رؤسا امراء کے نام گرامی تحریر فرمائے تھے۔

اور چوتھا مضمون ان احادیث میں یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی انگوٹھی کی مہرتین سطروں کی تھی یعنی اس میں مُحَمَّدٌ وَرَسُولُ اللہ لکھا ہوا تھا، مُحَمَّدٌ وَرَسُولُ اللہ کے الفاظ کی مہر تھی اور اس کی تین سطریں تھیں، محمد، رسول، اللہ، ایک سطر میں محمد ایک سطر میں رسول ایک سطر میں اللہ کیونکہ چھوٹی سی انگوٹھی میں مُحَمَّدٌ وَرَسُولُ اللہ ایک ہی سطر میں نہیں آسکتا تھا اس لئے تین سطروں میں تھا۔

اب اس میں گفتگو ہوئی ہے کہ اس کی شکل کیا تھی؟ پھر بعض اکابر نے کہا کہ نیچے سے اوپر کو جاتی تھی یعنی نیچے کی سطر محمد اس سے اوپر کی سطر میں رسول اور اس کے اوپر کی سطر میں اللہ تو یوں بِنَا مُحَمَّدٌ وَرَسُولُ اللہ اب دیکھنے میں اوپر کی سطر الگ پڑھو تو اللہ درمیان کی سطر پڑھو تو رسول اور نیچے والی سطر پڑھو تو محمد، یہ مشہور قول ہے علماء کا لیکن کسی روایت میں تصریح نہیں آتی اس کی کہ ان الفاظ کی ترتیب کیا تھی صرف اتنا آتا ہے مُحَمَّدٌ وَرَسُولُ اللہ مُحَمَّدٌ وَرَسُولُ اللہ مُحَمَّدٌ وَرَسُولُ اللہ سطر میں رسول دوسری سطر میں اور اللہ تیسری سطر میں۔

اب اس کے بعد دو مسئلے انگوٹھی کے سلسلے میں معلوم کرنے کے ہیں: ایک یہ کہ انگوٹھی سونے کی چاندی کی یا کسی اور دھات کی، سونے اور چاندی کے علاوہ کسی اور دھات کی انگوٹھی پہننا حنفیہ کے نزدیک مکروہ ہے دوسرے زیور پہن سکتے ہیں لیکن انگوٹھی نہیں اور سونے کی انگوٹھی عورتوں کے لئے حلال ہے مردوں کے لئے حرام ہے، صحابہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ ایک دفعہ باہر تشریف لائے دولت کدہ سے، ایک ہاتھ میں سونے کا کٹڑا تھا اور ایک ہاتھ میں ریشم کا کٹڑا تھا، دونوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ دونوں چیزیں میری امت کی عورتوں کے لئے حلال ہیں لیکن مردوں کے لئے حرام ہیں، اگرچہ آنحضرت ﷺ نے اپنے گھر کی

خواتین کے لئے سونے کو پسند نہیں فرمایا اور یہ ابھی ارشاد فرمایا کہ جو عورت دنیا میں سونا نہیں پہنے گی اللہ تعالیٰ اسے جنت میں سونا پہنائیں گے، اس کی حوصلہ افزائی نہیں فرمائی بلکہ حوصلہ شکنی فرمائی، اس لئے کہ یہ چیز عام طور پر کبر اور فخر کا باعث بنتی ہے اور کبر اور فخر، تکبر اور فخر ایسی بیماریاں ہیں جو آدمی کو ہلاک کر دیتی ہیں، تاہم عورتوں کی کمزوری کی رعایت رکھتے ہوئے اس کی اجازت دے دی ہے، مردوں کو اس کی اجازت نہیں ہے، مرد کے لئے کسی قسم کا زیور پہننا سونے کا جائز نہیں ہے اور انگوٹھی کی چاندی عورتوں کے لئے جائز ہے انیروزن کی قید کے۔ لیکن مردوں کے لئے جائز ہے ساڑھے تین ماشے وزن کی مقدار اس سے زیادہ نہیں، اس سے زیادہ ہوگی تو جائز نہیں۔ یہ تو ایک مسئلہ ہوا۔

دوسرا مسئلہ یہ کہ انگوٹھی پہننے کا حکم کیا ہے؟ یہ تو ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے انگوٹھی بنوائی اور یہ بھی ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے انگوٹھی پہنی تو کیا انگوٹھی پہننا سنت ہے یا جائز کے درجے میں ہے یا مکروہ ہے؟ اس میں تین اقوال ہیں: بعض اکابر نے انگوٹھی پہننے کو مطلقاً سنت کہا ہے، سنت ضروری نہیں مستحب اچھا ہے اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ قاضی کے لئے یعنی سلطان اور حاکم کے لئے چونکہ مہر لگانے کی ضرورت ہے اس لئے ان کا انگوٹھی پہننا تو سنت اور دوسروں کے لئے مکروہ ہے۔

علماء حنفیہ کی تحقیق یہ ہے کہ انگوٹھی پہننا جائز ہے، نہ سنت ہے نہ مکروہ ہے، جائز ہے اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے پہنی اور مکروہ نہیں اس لئے کہ پہننا ثابت ہے اور سنت اس واسطے نہیں کہ آپ ﷺ نے ایک ضرورت کے واسطے بنوائی تھی، اگر سنت ہوتی تو پہلے سے بنواتے وہ تو اس عذر کی بناء پر کہ غمی بادشاہ کسی کا خط قبول نہیں کرتے جب تک کہ اس پر مہر نہ ہو، مہر لگانے کی ضرورت سے آنحضرت ﷺ نے انگوٹھی بنوائی تھی اور اگر مطلقاً سنت ہوتی مردوں کے لئے تو آنحضرت ﷺ زندگی کے کم از کم ۱۸، ۱۹ سال تو اس کے بغیر نہ گزارتے یعنی نبوت کے حیرہ سال مکہ مکرمہ کے اور چھ سال مدینہ آنے کے بعد ۱۹ سال ہوتے ہیں تو نبوت کے ۱۹ سال انگوٹھی کے بغیر گزارے اور آخری دو تین سال آنحضرت ﷺ نے انگوٹھی استعمال فرمائی ہے تو معلوم ہوا کہ اصل سنت یہ نہیں ہے کہ ضرورت کی چیز ہے تاہم چونکہ سنت سے ثابت ہے حضور ﷺ سے اس کو ہم مکروہ بھی نہیں کہیں گے جائز ہے افضل نہیں ہے، ہمارے اکابر دیوبند کا اسی پر عمل ہے، ہم نے اپنے جتنے اکابر کو دیکھا کوئی شاذ و نادر کسی نے انگوٹھی پہنی ہوئی ہو تو ہو، ورنہ ہم نے کسی کو انگوٹھی پہنے ہوئے نہیں دیکھا۔

رسول اللہ ﷺ کے نعل شریف یعنی جوتے کا بیان

[حدیث: ۱۰۳۷] "عَنْ قُتَادَةَ قَالَ: قُلْتُ لِأَنْبَسِ بْنِ مَالِكٍ: كَيْفَ كَانَ نَعْلُ

رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ: لَهُمَا قِبَالَانِ۔“ (مسند ترمذی ج: ۱،

ص: ۴۰۸، حدیث نمبر: ۱۶۹۳، باب مَا جَاءَ فِي نَعْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)

ترجمہ: ”قائدہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کا جوتا کیسا ہوتا تھا؟ فرمایا کہ اس کے دو تسمے ہوتے تھے۔“

[حدیث: ۱۰۳۸] ”عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: كَانَ لِنَعْلِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ قِبَالَانِ مُنْتَشِي شِرَاكُهُمَا۔“ (الشمائل المحمدية للترمذی ج: ۱، ص: ۸۸،

حدیث نمبر: ۷۷، باب مَا جَاءَ فِي نَعْلِ رَسُولِ اللَّهِ....)

ترجمہ: ”ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے جوتے کے دو تسمے تھے اور ان کے تسمے دوہرے تھے۔“

تشریح: حضرت حکیم الاُمت تھانوی قدس سرہ نے زاد السعید میں آنحضرت ﷺ کے نعل مبارک کا نقشہ دیا ہے، ہمارے شیخ نور اللہ مرقدہ نے بھی یہاں نقشہ دیا ہوا ہے اور میری کتاب ”آپ کے مسائل اور ان کا حل“ میں نے پہلے حصے میں ایک مسئلے کے سوال کے جواب میں یہ نقشہ وہاں بھی دیا ہے، حضرت حکیم الاُمت نے اس نعل شریف کے نقشے کے بہت سے فضائل و برکات ذکر کئے ہیں زاد السعید میں، خلاصہ یہ ہے کہ اس کے توسط سے دعا قبول ہوتی ہے، زیادہ غلو بھی نہیں کرنا چاہئے۔ بس جیسے تعویذ کے مختلف نقوش ماہرین عملیات تجویز کرتے ہیں، اسی طرح یہ بھی ہے، بریلوی حضرات کی طرح پیچھے نہیں پڑنا چاہئے کہ بدعت ہی بن جائے۔

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب نور اللہ مرقدہ فرماتے تھے کہ ایک بار میرا بچہ بیمار ہوا اور حالت بڑی نازک سی ہو گئی میں بہت پریشان ہو گیا، مجھے کچھ اور تو نہ سوجھی میرے پاس نعل شریف کا نقشہ موجود تھا، لا کر اس کے سر پر رکھ دیا میں نے اور کہا کہ یا اللہ! اس کی برکت سے تو شفاء عطا فرما دے، اللہ تعالیٰ نے شفاء عطا فرمادی، حضرت فرماتے ہیں کہ پھر بعد میں مجھے خیال ہوا اے تو پریشان تو ہو گیا لیکن تو نے دعا تو کی نہیں، پہلے دعا کرتا اللہ تعالیٰ سے رجوع کرتا تو یہ کمی رہ گئی، حضرت فرماتے ہیں کہ پھر بعد میں خیال آیا کہ دعا کیا کرتا اس وقت تو میں سراپا دعا بنا ہوا تھا بھائی، اپنے فقر کو اللہ کے سامنے پیش کرنا یہی تو دعا ہے اور کیا دعا ہے، اس وقت تو میں سراپا دعا بنا ہوا تھا، یہ نعل شریف کا نقشہ مل جاتا ہے عام طور سے اس کا نوٹ ملتا ہے۔

بہر حال اس جگہ جتنی احادیث بھی ہیں بیشتر احادیث کا مضمون ایک ہی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے نعل مبارک کے دو تسمے ہوتے تھے، ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ وہ تسمے دوہرے ہوتے تھے یعنی دو دو تسمے ہیں جوتے میں اور وہ دوہرے تسمے ہیں یعنی اس میں دو تسمے ہیں۔

شیخ الحدیث مولانا ذکریا نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ عرب میں اس وقت آنحضرت ﷺ کے زمانے میں ہندوستان جیسے جوتے استعمال نہیں ہوتے تھے یعنی جس میں پنجہ بند ہو جاتا تھا ایسے جوتے استعمال نہیں ہوتے تھے بلکہ لکڑی کے کھڑاؤ اور چپل قسم کے جوتے استعمال ہوتے تھے اور اس کے دو تسمے ہوتے تھے ایک چھوٹی انگلی اور اس کے پاس والی انگلی میں ایک تسمہ پھنسا لیتے تھے اور ایک انگوٹھے میں اور اس کے پاس والی میں پھنسا لیتے تھے۔

بالوں کے بغیر کے جوتے

[حدیث: ۱۰۳۹] ”..... أَخْرَجَ إِلَيْنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ نَعْلَيْنِ جَزْدَاوَيْنِ لِهَمَّا قِيْلَانِ قَالَ: فَحَدَّثَنِي ثَابِتٌ بَعْدَ عَنِ أَنَسِ أَنَّهُمَا كَانَا نَعْلِي النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.“ (الشمال المصحف للمصنف ج: ۱، ص: ۸۹، حدیث نمبر: ۸۰، باب ما جاء في نعل رسول الله....)

ترجمہ: ”عسی ابن طہمان کہتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ہمیں دو جوتے دکھائے جن پر بال نہیں تھے، ان کے دو تسمے تھے، بعد میں ہمیں حضرت ثابت نے بتایا کہ یہ دونوں حضور ﷺ کے نعل شریف تھے۔“

[حدیث: ۱۰۴۰] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: كَانَ لِنَعْلِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِيْلَانِ.“ (الشمال المصحف للمصنف ج: ۱، ص: ۹۱، حدیث نمبر: ۸۰، باب ما جاء في نعل رسول الله....)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے نعل شریف کے دو تسمے تھے۔“

تشریح: ان دو حدیثوں میں یہ مضمون بیان ہوا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے جوتے بالوں کے بغیر ہوتے تھے دھوڑی کے ہوتے تھے یعنی رنگا ہوا چمڑا، عرب کے ہاں سادگی ہوتی تھی وہ تکلفات کے زیادہ قائل نہیں تھے، اسی طرح جانور کا چمڑا لیا بالوں سمیت اور اس کے جوتے بنا لیے چپل بنا لیے لیکن آنحضرت ﷺ رنگے ہوئے چمڑے کے جس کے بال اتار دیئے گئے ہوتے اس کے جوتے استعمال فرماتے تھے، حضرت عسیٰ ابن طہمان کہتے ہیں کہ انس رضی اللہ عنہ نے ہمیں دو جوتے دکھائے گھر سے لائے اندر سے نکال کر ان کی زیارت ہمیں کرائی، ان دونوں پر بال نہیں تھے دھوڑی کے تھے اور ان کے دو تسمے تھے، اس وقت تو انہوں نے ہمیں بتایا نہیں بعد میں ان کے شاگرد حضرت ثابت نے ہمیں بتایا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

کہ یہ دونوں جوتے رسول اللہ ﷺ کے تھے، آنحضرت ﷺ کے نعلین شریفین تھے، جن حضرات سے آنحضرت ﷺ کو پہنتے دیکھا وہ بھی خوش قسمت تھے اور جنہوں نے ان نعلین شریفین کی زیارت کر لی وہ بھی خوش قسمت ہیں کہ ہم نے ان کا فوٹو دیکھ لیا۔

دھوڑی کے جوتے

[حدیث: ۱۰۴۱] "... قَالَ لَابْنِ عُمَرَ زَأَيْتُكَ تَلْبَسُ النِّعَالُ السَّيِّئَةَ قَالَ: إِنِّي زَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْبَسُ النِّعَالُ الَّذِي لَيْسَ فِيهَا شَفْرٌ، وَيَتَوَضَّأُ فِيهَا، فَأَنَا أَحِبُّ أَنْ أَلْبَسَهَا..." (الشمائل المحمدية للترمذی ج: ۱، ص: ۹۰، حدیث نمبر: ۷۹، باب ما جاء في نعل رسول الله...)

ترجمہ: "عبید بن جریج کہتے ہیں کہ انہوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ آپ دھوڑی کے جوتے پہنتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ایسے جوتے پہنتے تھے جن میں بال نہیں ہوتے تھے ان میں وضو فرماتے تھے تو میں بھی اسی قسم کا جوتا پہننا چاہتا ہوں۔"

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما پر ایک شخص نے تین سوالات کئے، یہاں صرف ایک سوال مذکور ہے کہ حضرت یہ کیا بات ہے کہ دوسرے حضرات تو بالوں والے جوتے پہنتے ہیں صحابہ کرام لیکن آپ کو دیکھا کہ آپ تو ہمیشہ دھوڑی کے جوتے پہنتے ہیں یعنی بال صاف کئے ہوئے؟ تو فرمانے لگے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسے جوتے پہنتے ہوئے دیکھا ہے جن پر بال نہیں، اس لئے میں اسی قسم کے جوتوں کو پسند کرتا ہوں، آنحضرت ﷺ انہی میں وضو فرماتے تھے، وضو فرمانا یا تو اس لئے کہ اس میں بے تکلف وضو ہو جاتا ہے جیسے ہمارے یہاں ہوائی چپل ہوتے ہیں لوگ ان سمیت وضو کر لیا کرتے ہیں، یا یہ مطلب ہے کہ وضو کر کے آپ نے پہن لئے پاؤں کو سکھایا گیا۔

سلے ہوئے جوتوں میں نماز

[حدیث: ۱۰۴۲] "... حَدَّثَنِي مَنْ سَمِعَ عُمَرَ بْنَ حَرْوَيْثٍ يَقُولُ زَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْلِي فِي نَعْلَيْنِ مَخْضُوعَتَيْنِ..." (الشمائل المحمدية للترمذی ج: ۱، ص: ۹۲، حدیث نمبر: ۸۱، باب ما جاء في نعل رسول الله...)

ترجمہ: "عمرو بن حریث کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ

کاٹھے ہوئے جوتوں میں نماز پڑھ رہے تھے۔“

تشریح: اور اس حدیث میں حضرت عمرو بن حریث فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ سلعے ہوئے جوتوں میں نماز پڑھ رہے ہیں، سلعے ہوئے جوتوں کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں: ایک یہ کہ جوتے کے نیچے جو چپل تھے اس کی دو تہیں تھیں اور وہ سلی ہوئی تھیں یعنی ایک تہہ کی نہیں تھیں بلکہ دو تہہ کی تھیں دو تہیں سلی ہوئی تھیں اور دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ گاٹھے ہوئے تھے یعنی ٹوٹ گئے ہوں گے بعد میں سلائی ان کی گئی ہوگی۔

دوسرا مضمون اس حدیث میں یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو میں نے اس میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، آنحضرت ﷺ ان جوتوں میں نماز پڑھا کرتے تھے چونکہ جیسے میں نے کہا کھلے جوتے ہیں پاؤں کا پنجہ لگ جاتا ہے نیچے زمین پر بھی لگ جاتا ہے اور اس کا موڑ نا بھی آسان ہوتا ہے اور پھر عرب کا علاقہ خشک ہوتا تھا نجاست لگنے کا احتمال نہیں تھا اور مسجد کعبہ کی ہوتی تھی، عرفا جوتے لانا بھی وہاں بے ادبی نہیں سمجھا جاتا، جیسے مسجد تعمیر ہو رہی ہوتی ہے، آگے فرش پر جہاں صفیں ہوتی ہیں وہاں تک لے آتے ہیں لوگ جوتے، وہاں تو صفیں بھی نہیں ہوتی تھیں، مسجد نبوی میں تو کچھ بچھا ہوا بھی نہیں تھا، ایسے خالی فرش ہے کنکریوں کا فرش ہے، بخلاف ہمارے کہ ایک تو ہماری مسجدیں بہترین سنگ مرمر کا فرش لگا ہوا ہے، ان پر جوتے لانا عرفا بے ادبی ہے یہ تو پھر شکر ہے کہ ہم اس میں احاطے میں لے آتے ہیں، ہمارے ملتان میں خواجہ بہاؤ الدین کے مزار پر آپ جوتے لے کر اندر احاطے میں بھی نہیں جاسکتے، وہیں اُتر دالیتے ہیں اور یہی حال داتا گنج بخش کے مزار پر ہے، یہ غلو ہے لوگوں کا مزارات کے ساتھ، اتنا غلو کرتے ہیں کہ اتنی تعظیم مساجد کی نہیں کرتے، جوتا لے جانا ہی سوء ادب سمجھتے ہیں دربار میں لے جانا، ہم تو مسجدوں میں لے جاتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ ہمارے جوتے بند ہوتے ہیں اور پھر ہمارے ہاں نجاست سے بچاؤ کا ایسا اہتمام نہیں ہو سکتا، اس لئے اس زمانے میں جوتے پہن کر نماز پڑھنا اور مسجد میں آنا یہ خلاف ادب ہے، پاک بھی ہوں تب بھی، البتہ جائز ہے جوتے پاک ہوں تو ان میں نماز پڑھی جاسکتی ہے، ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ یہودیوں کی مخالفت کرو وہ جوتے پہن کر نماز نہیں پڑھتے تھے جوتے پہن کر نماز پڑھا کر دو، آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

ہمارے شیخ المشائخ حضرت مولانا غلیل احمد صاحب سہانپوری رحمہ اللہ بذیل الجہود شرح سنن ابی داؤد میں اس حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ اس زمانے میں یعنی آنحضرت ﷺ کے زمانے میں یہودیوں کا شعار تھا جوتے اُتار کر نماز پڑھنا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تھا: ﴿فَاَخْلَعْ نَعْلَيْكَ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طَوًى﴾ (طہ: ۱۲) موسیٰ جوتے اُتار دو تم وادی مقدس طوی۔

میں ہو، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جوتے اتروا دیئے تھے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ہے، یہودیوں نے اس سنت کو مضبوط پکڑ لیا اپنے نبی کی سنت کو، وہ جوتوں کے ساتھ نماز نہیں پڑھتے تھے، تو حضرت سہارنپوری قدس سرہ لکھتے ہیں کہ ہمارے زمانے میں میں کہتا ہوں کہ نصرانیوں کا شعار ہے جوتوں سمیت عبادت کرنا تو جس طرح نبی کریم ﷺ نے یہودیوں کی مخالفت کی تھی کہ جوتوں سمیت نماز پڑھنے کا حکم فرمایا تھا اس طرح ہمارے زمانے کے نصرانیوں کی مخالفت کا تقاضا یہ ہے کہ جوتے اتار کر نماز پڑھی جائے کیونکہ یہود و نصاریٰ دونوں کی مخالفت آنحضرت ﷺ فرماتے تھے۔

جوتا پہننے اور اتارنے کے آداب

[حدیث: ۱۰۴۳] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ..... لَا يَمْشِيَنَّ أَحَدُكُمْ فِي نَعْلٍ وَاحِدَةٍ لِيَنْفَعْلَهُمَا جَمِيعًا أَوْ لِيُخَفَّهُمَا جَمِيعًا۔“ (الشمالیہ المحمدیہ للترمذی ج: ۱، ص: ۹۳، حدیث نمبر: ۸۲، باب ما جاء في نعل ونسول الله....)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم میں سے کسی کو ایک جوتے میں نہیں چلنا چاہئے دونوں کو پہن لے یا دونوں اُتار دے۔“

[حدیث: ۱۰۴۴] ”عَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى أَنْ يَأْكُلَ يَغْنِي الرِّجْلُ بِشِمَالِهِ أَوْ يَمْشِي فِي نَعْلٍ وَاحِدَةٍ۔“ (الشمالیہ المحمدیہ للترمذی ج: ۱، ص: ۹۳، حدیث نمبر: ۸۳، باب ما جاء في نعل ونسول الله....)

ترجمہ: ”حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا اس بات سے کہ آدمی بائیں ہاتھ سے کھائے یا ایک جوتے میں چلے۔“

[حدیث: ۱۰۴۵] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ..... إِذَا انْعَلَّ أَحَدُكُمْ فَلْيَبْدَأْ بِالْيَمِينِ، وَإِذَا انْزَع فَلْيَبْدَأْ بِالشِّمَالِ فَلْيَتَّكِنِ الْيَمِينَ أَوْ لَهَا مَتْنَعْلٌ وَآخِرُهُمَا تَنْزَعُ۔“ (الشمالیہ المحمدیہ للترمذی ج: ۱، ص: ۹۵، حدیث نمبر: ۸۴، باب ما جاء في نعل ونسول الله....)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی آدمی جوتا پہننے تو پہلے دائیں پاؤں میں پہنے اُتارے تو پہلے بائیں پاؤں کا اُتارے تاکہ دائیں پاؤں میں پہلے پہنا جائے اور دائیں پاؤں سے آخر میں اُتارا جائے۔“

[حدیث: ۱۰۴۶] ”عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

يُحِبُّ التَّيْمَنَ مَا اسْتَطَاعَ فِي تَرْجُلِهِ وَتَغْلِبِهِ وَطَهْوَرِهِ۔ (الشمال
المحمدية للترمذی ج: ۱، ص: ۹۶، حدیث نمبر: ۸۵، باب ما جاء في تغلب وتغل في رسول الله....)
ترجمہ: ”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی کہ حضور اکرم ﷺ دائیں جانب سے ابتداء کرنے
کو جہاں تک ممکن ہو سکے پسند فرماتے تھے، بالوں کے کنگھا کرنے میں بھی جوتا پہننے
میں بھی وضو کرنے میں بھی۔“

تشریح: پہلی دو حدیثوں میں ایک ہی مضمون ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک جوتا
پہن کر نہ چلا کرو یا دونوں پہنو یا دونوں اتارو اور دوسری حدیث میں اتنا مضمون زیادہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے
اس کی بھی ممانعت فرمائی کہ کوئی شخص بائیں ہاتھ سے کھائے پئے، بعض علماء نے کہا کہ یہ قطعاً ناجائز اور حرام ہے،
ایک جوتے میں چلنا یا دونوں پہنو یا پھر ننگے پاؤں چلو لیکن جمہور علماء کے نزدیک یہ کراہت حزیبی ہے تحریمی
نہیں ہے، اور یہ ممانعت شفقت کی بناء پر ہے، اس لئے کہ ایک جوتا پہنا ہوا اور ایک جوتا نہ پہنے تو توازن صحیح
نہیں رہتا چلنے میں تو یہ نمی (ممانعت) شفقت کے طور پر ہے، دوسرے یہ کہ بے ڈھنگ بھی معلوم ہوتا ہے۔
تیسری حدیث میں ایک یہ بتایا ہے کہ جوتا پہن تو پہلے دائیں پاؤں میں پہنو اور اتار تو پہلے بائیں
پاؤں سے اتارو تاکہ دائیں پاؤں میں پہلے پہنا جائے اور بعد میں اتارا جائے، وجہ اس کی یہ ہے کہ جوتا زینت
کی چیز ہے تو دایاں پاؤں زیادہ مستحق ہے اس بات کا کہ اس میں پہلے پہنا جائے اور بعد میں نکالا جائے۔
چوتھی حدیث میں اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ جہاں تک
ممکن ہوتا تھا دائیں طرف سے شروع کرنے کا اہتمام فرماتے تھے سر میں کنگھا کرتے ہوئے بھی داڑھی میں
کنگھا کرتے ہوئے بھی اور جوتا پہنتے ہوئے بھی اور وضو کرتے ہوئے بھی۔

حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے بھی دو تسمے والے جوتے تھے

[حدیث: ۱۰۳۷] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: كَانَ لِنَعْلَيْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ قِيْلَانِ وَأَبْيَ بَكْرٍ وَعُمَرُ، وَأَوَّلُ مَنْ عَقَدَ عَقْدًا وَاحِدًا عُثْمَانُ۔“
(الشمال محمدية للترمذی ج: ۱، ص: ۹۷، حدیث نمبر: ۸۶، باب ما جاء في تغلب وتغل في رسول الله....)
رسول الله....)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے دو تسمے
تھے اور ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے بھی، سب سے پہلے جس شخص نے ایک تسمہ پہنا وہ حضرت
عثمان رضی اللہ عنہ تھے۔“

تشریح: اس آخری حدیث میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ اور حضرات شیخین کے جوتوں کے تسمے دو دو ہوتے تھے، جیسا کہ ابھی بیان کیا میں نے ایک تسمے والا جوتا سب سے پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پہنا، اس کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ کا دو تسمے والا جوتا پہننا عام طور پر اس وقت کی عادت کے طور پر تھا سنن عادیہ میں سے تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو کہ انہوں نے دوسری طرز بھی جاری کر دی ورنہ کم سے کم وہی سنت ہوتا اگر حضرات خلفائے راشدین بھی اسی پر عمل کرتے، تو دوسری وضع کا جوتا پہننا جیسے ہم بند جوتے پہنتے ہیں یا اور طرح کے جوتے یہ گوجازر ہوتا لیکن سنت تو وہی ہوتا لیکن جب خلیفہ راشد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دوسری طرز کو ایجاد فرما دیا تو اب سنت میں دونوں پہلو آگئے یعنی وہ بھی سنت ہے یہ بھی سنت ہے۔

خط و کتابت کے لئے مہر کی ضرورت

[حدیث: ۱۰۳۸] ”عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرَادَ أَنْ يَكْتُبَ إِلَى كَسْرَى وَقَيْصَرَ وَالتَّجَاشِي فَقِيلَ: إِنَّهُمْ لَا يَقْبَلُونَ كِتَابَنَا إِلَّا بِخَاتَمٍ فَصَاغَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمًا حَلَقْنَهُ فِصَّةً وَنَقَّشَ فِيهِ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ“ (صحيح مسلم ج: ۱۰، ص: ۴۷۱، حدیث نمبر: ۳۹۰۳، باب فی اتخاذ النبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتماً لئلا زاد)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کسریٰ قیصر اور نجاشی کے پاس والا نامے بھیجنے کا ارادہ کیا تو لوگوں نے کہا کہ عجم کے بادشاہ اس وقت تک خط وصول نہیں کرتے جب تک کہ اس پر مہر موجود نہ ہو، اس ضرورت کے لئے آنحضرت ﷺ نے انگوٹھی بنوائی جس میں مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ کے الفاظ کندہ تھے (یعنی آپ کی مہر تھی مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ)۔

تشریح: میں نے ان تین خطوط کا تذکرہ کیا تھا، پہلا خط جو کسریٰ کے نام لکھا آنحضرت ﷺ نے اور دوسرا برقل شاہ روم کے نام، قیصر کہتے تھے رومیوں کے بادشاہ کو، میں نے بتایا تھا کہ ابوسفیان اس وقت ملک شام گئے ہوئے تھے، بادشاہ نے ان کو بلا بھیجا اور ابوسفیان کو آگے بٹھایا ان کے ساتھیوں کو پیچھے بٹھایا اور اپنے ترجمان سے کہا کہ ان کے ساتھیوں سے کہہ دو کہ میں اس شخص سے ان صاحب کے بارے میں جو نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں سوالات کرنا چاہتا ہوں، اگر یہ کسی جگہ غلط بیانی سے کام لے تو تم نوک دینا، اس نے چند سوالات کئے، ایک یہ کہ ان صاحب کا نسب کیسا ہے؟ او نچے نسب کے ہیں یا گھٹیا خاندان کے ہیں؟ ابوسفیان

نے کہا کہ فیثاؤز نسب وہ ہم میں بڑے عالی نسب ہیں، پھر پوچھا کہ ان کے بڑوں میں سے کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا کبھی؟ کہا نہیں، پوچھا کہ نبوت کا دعویٰ کرنے سے پہلے کبھی تم نے ان سے جھوٹی باتیں سنیں کوئی غلط بیانی کبھی اس نے کی ہے؟ کہا نہیں، کہا کہ ان کی پیروی کرنے والے بڑے بڑے لوگ ہیں یا غریب و مسکین قسم کے لوگ پس ماندہ طبقے کے لوگ ہیں؟ یعنی ایک نچلے قسم کے لوگ ہوتے ہیں جن کو معاشرے میں وقعت و نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا تو اس نے پوچھا: معاشرتی طور پر کون لوگ ہیں؟ ابوسفیان نے جواب دیا کہ کمزور طبقے کے لوگ ان کی پیروی کر رہے ہیں، بڑے بڑے چودھری نہیں ہیں۔

پانچواں سوال یہ تھا کہ ان کے تابعین کی تعداد بڑھ رہی ہے یا گھٹ رہی ہے؟ کہا کہ بڑھ رہی ہے، چھٹا سوال یہ تھا کہ جو لوگ اس کی پیروی کر لیتے ہیں کیا ان میں سے کسی شخص نے اس کے دین کو اس سے نفرت کرتے ہوئے بھی چھوڑا ہے کہ یا یہ بڑا غلط مذہب ہے جی، کہا کہ نہیں ایسا کبھی اتفاق نہیں ہوا، بہت اچھا، ساتواں سوال یہ کہ کبھی تم نے اس سے جنگ بھی کی ہے؟ کہا کہ جی ہوتی رہتی ہے، آٹھواں سوال یہ تھا کہ پھر اس جنگ کا نتیجہ کیسا رہا؟ کہا کہ وہ ڈول ہے کبھی وہ کھینچ لیتے ہیں کبھی ہم کھینچ لیتے ہیں، کبھی وہ غالب آجاتے ہیں کبھی ہم غالب آجاتے ہیں۔

نواں سوال یہ تھا کہ کیا اس نے کبھی بد عہدی بھی کی ہے عہد شکنی؟ کہا کہ جی نہیں عہد شکنی تو کبھی نہیں کہ آج تک تو نہیں کی، کہا کہ آج کل ان کا اور ہمارا معاہدہ چل رہا ہے دیکھئے پورا کرتے ہیں یا نہیں کر سکتے، ابوسفیان کہتے تھے کہ اللہ کی قسم مجھے جھوٹ بولنے کا صرف اتنا ہی موقع ملا اور میں نے بول دیا، حالانکہ مجھے یقین تھا کہ رسول اللہ ﷺ بد عہدی نہیں کریں گے اور بعض روایتوں میں آتا ہے کہ آخر میں پوچھا جب اس نے کہا کہ دیکھئے عہد پورا کرتے ہیں یا نہیں تو ہر قل نے کہا کہ تمہیں اندیشہ کیوں ہے کہ وہ عہد پورا کرتے ہیں یا نہیں کرتے ہیں؟ اس پر پکڑا گیا، ابوسفیان نے کہا کہ جی اصل میں بات یہ ہے کہ ہمارا ان کا معاہدہ ہوا تھا اور اس معاہدے میں کچھ لوگ ان کی طرف سے شریک ہو گئے کچھ قبائل اور کچھ ہماری طرف سے شامل ہو گئے، اب ہماری طرف کے آدمیوں نے ان کی طرف کے آدمیوں کو قتل کر دیا ہے، اس لئے ہمیں اندیشہ ہے کہ وہ عہد شکنی کرے گا، ہر قل نے کہا کہ بد عہدی تو تم نے کی پھر، وہ معاہدہ تو تم نے ختم کر دیا، تم نسبت ان کی طرف کرتے ہو، جب تم خود تسلیم کرتے ہو کہ تمہارے معاہدے میں شامل تھے وہ لوگ جنہوں نے قتل کیا اور ان کے معاہدے میں شامل تھے وہ آدمی جن کا آدمی قتل ہوا، اس کے معنی یہ ہیں کہ تم نے بد عہدی کی معاہدہ توڑ ڈالا، اس پر ابوسفیان کے پاس کوئی جواب نہیں تھا ایک جھوٹ بولا تھا لیکن اس میں پکڑا گیا۔

دسواں سوال یہ تھا کہ کیا تمہارے علاقے میں کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے؟ کہتے ہیں کہ جی ہم نبی اور نبوت کو جانتے ہی نہیں، کبھی نہیں کیا کسی نے، نبی کیا ہوتا ہے نبوت کیا ہوتی ہے ہم اس سے آشنا ہی نہیں ہیں۔

یہ تھے سوال و جواب، اب اس میں ایک ایک سوال پر ہر قل نے تبصرہ کیا، تبصرے سے پہلے میں یہ ذکر کر رہا تھا کہ نبی کریم ﷺ کی نبوت کی علامتیں بے شمار تھیں، آپ کے نبی برحق ہونے پر نشانیاں بے شمار تھیں، جس طرف کسی کی نظر اٹھتی تھی اور جس فن کا کوئی شخص ماہر ہوتا تھا وہ اسی جہت سے آنحضرت ﷺ کی صداقت کو معلوم کر لیتا تھا، میں نے ایک دفعہ اس کی مثال دیتے ہوئے کہا تھا کہ اس کی مثال اس محبوب کی ہے جس کا پورا سراپا حسین ہو، اب کسی نے اس کی آنکھوں کی تعریف شروع کر دی کہ بڑی حسین آنکھیں ہیں سبحان اللہ، کیا بات ہے! کسی نے اس کے بلند بینی کی، ناک کے اونچا ہونے کی صفت کر دی، یہ بڑا حسین ہے ایسی ناک سبحان اللہ! کسی نے کانوں اور اس کے دائرے اور حلقے کی تعریف کرنا شروع کر دی، کسی نے اس کے چہرے کی گولائی کو بیان کرنا شروع کر دیا، کسی نے اس کی رنگت کو بیان کرنا شروع کر دیا، کسی نے اس کے دانتوں کی صفت کی بیان کر دی، ان میں سے ہر ایک چیز مستقل ایک حسن رکھتی ہے، آنحضرت ﷺ کے جس پہلو کو دیکھا جائے وہ سراپا اعجاز نبوت ہے، جہاں جہاں کسی کی نظر پہنچے۔

ایک عرب کا پہلوان آیا کہنے لگا حضور میں تو جب نبی مجھوں کو کشتی کریں میرے ساتھ، فرمایا ٹھیک ہے چلو کشتی کی، سو آدمی مل کر اس کی پیٹھ لگانے میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے تھے، آنحضرت ﷺ نے منٹ ہی نہیں لگنے دیا کہ چٹ تھا، کہنے لگا جی اصل میں داؤ نہیں چلا میرا، پھر سے فرمایا ٹھیک ہے پھر چٹ، کہنے لگا جی ایک مرتبہ پھر آپ نے کہا ٹھیک، پھر چٹ، کہنے لگا اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ لیجئے اس کے لئے کشتی کا راستہ دلیل نبوت تھا، یہ بیچارہ اتنا ہی جانتا تھا، جس آدمی کی سو آدمی مل کر پیٹھ نہ لگا سکیں انہوں نے اشارہ تک نہیں کیا کہ وہ چٹ تھا، معلوم ہوا کہ یہ نبی ہیں، نبی کی قوت ہے یہ انسانی عام قوت نہیں ہے معجزانہ قوت ہے۔

اس قسم کے بے شمار واقعات ہیں، اس وقت مجھے ان کے بارے میں نہیں ذکر کرنا، میں یہ ذکر کر رہا تھا کہ ہر قل پہلی آسمانی کتابوں کا ماہر تھا اس نے پوری کتابیں پڑھی ہوئی تھیں اور وہ نبی آخر الزمان ﷺ کی بعثت سے باخبر تھا کہ نبی آخر الزمان کا ظہور ہونے والا ہے، کہتے ہیں کہ کچھ اس زمانے کے علم نجوم سے بھی واقف تھا یعنی وہ اچھا خاصا عالم تھا، اس لئے اس نے انبیاء کرام علیہم السلام کے حالات سے مطابقت کرنے کے لئے کہ اس شخص کے حالات نبی کریم ﷺ کے آیا پہلے انبیاء کرام سے ملتے ہیں یا نہیں؟ اس نے یہ سوالات کئے، اس کے بعد پھر ہر سوال کے بارے میں تبصرہ کیا۔

پہلا سوال یہ تھا کہ یہ مدعی نبوت نسب کے اعتبار سے کیسا ہے؟ تم نے کہا کہ بڑا عالی نسب ہے، وَكَذَلِكَ الزُّنْزُلُ ثَبُتٌ فِي أَحْسَابِ قَوْمِهَا (بخاری ۱۳/۲۲۱۸۸) انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قوم میں ہمیشہ اعلیٰ ترین نسب کے ہوتے ہیں، ورنہ مرزائی پہلے نمبر پر چٹ۔

غلام احمد قادیانی پہلے نمبر پر چلتا، یہاں کسی کے نسب پر تحقیر کا مطلب نہیں ہے، یہ ہمارے فقہاء نے لکھا ہے کہ عجمیوں کے جتنے نسب ہیں سب برابر ہیں، یہاں بڑا جھوٹا کوئی نہیں لیکن آنحضرت ﷺ کا عالی خاندان اس کے مقابلے میں پھر دوسرا خاندان کون ہو سکتا ہے؟ اور یہی بات کہی تھی شمس نے، میں نے سنایا تھا کہ ملتان میں جلسہ تھا ختم نبوت کا، ۷۴ء کی تحریک میں شمس نے جوش خطابت میں کہا، حضرت بنوری رحمہ اللہ ہمارے اسٹیج پر بیٹھے تھے کرسی صدارت پر، شمس تقریر کر رہا تھا شیعہ، اس نے تقریر کی اور کہا کہ ایک بات تو یہ کہی کہ قادیانیوں کے ساتھ وہ معاملہ کیا جائے جو حضرت ابو بکر صدیق نے مسیلہ کذاب کے ساتھ کیا تھا، اس نے برملا کہا جلسے میں اور پھر غلام احمد کو کہا کہ تو نے نبوت کا دعویٰ کیا، ذرا آئیے میں اپنی شکل تو دیکھ لی ہوئی، دعویٰ نبوت کرنے سے پہلے منہ تو دیکھ لیا ہوتا، حضرت کی طرف اشارہ کر کے کہا یہ سید (بنوری) جس کا چہرہ چمکتے ہوئے سورج جیسا ہے یہ نبوت کا دعویٰ کرتا تو ایک بات تھی، اس کی تقریر ختم ہوئی تو حضرت نے ارشاد فرمایا اٹھ کر کہ شمس صاحب نے جوش خطابت میں غلط بات کہہ دی، اس کو یہ کہنا چاہئے تھا کہ یہ سید محمد یوسف بنوری اگر نبوت کا دعویٰ کرتا ہم اس کو بھی قتل کر دیتے، اس لئے کہ خاتم النبیین کے بعد رسول اور نبی کیسا؟

دوسرا سوال یہ کیا تھا کہ ان کے بڑوں میں کوئی شخص بادشاہ گزرے ہیں؟ تم نے کہا نہیں ہم میں یہاں بادشاہی نظام ہی نہیں ہے عرب میں، میں نے کہا کہ اگر اس کے بڑوں میں کوئی بادشاہ ہوا ہوتا تو میں سمجھتا کہ یہ شخص دعویٰ نبوت کے ذریعے لوگوں کو اپنا معتقد بنا کر سلطنت پر قبضہ کرنا چاہتا ہے، اپنے باپ دادا کی گدی لینا چاہتا ہے اور غلام احمد اس بات کو بڑے فخر سے بیان کرتا ہے کہ میرے جو پر دادا تھے فلا نے تھے ان کے پاس اتنی بڑی ریاست تھی اور اس کے بعد پھر سکھوں کے زمانے میں پھر انگریزوں کے زمانے میں ہماری ریاست چھن گئی گویا خود فوجی کر رہا ہے نبوت کی۔

تیسرے نمبر پر میں نے تم سے یہ پوچھا کہ دعویٰ نبوت سے پہلے ان صاحب نے کبھی جھوٹ بھی بولا ہے؟ تم نے کہا کہ کبھی زندگی میں اس نے جھوٹ نہیں بولا، اس نے کہا کہ میری سمجھ میں بات نہیں آتی کہ ایک شخص مدت العمر کبھی مخلوق کے سامنے جھوٹ نہیں بولتا وہ اللہ پر کیسے جھوٹ بول سکتا ہے؟ اور یہاں کام ہی جھوٹ سے چلتا ہے، میرا ایک رسالہ ”سرفظ اللہ خان کو دعوت اسلام“ کے نام سے ہے، اس میں میں نے غلام احمد کے تیس جھوٹ نقل کئے ہیں اور اس کو چیلنج کیا ہے کہ اگر ان میں سے ایک کو بھی غلط ثابت کر دو تو بات ہے، ایک ذمے دار آدمی کو چیلنج کیا ہے اور تیس جھوٹ بھی یوں نقل کئے کہ دس جھوٹ اللہ تعالیٰ پر، دس جھوٹ نبی کریم ﷺ پر، دس جھوٹ عیسیٰ علیہ السلام پر غلام احمد نے جھوٹ بولے، ان میں سے ایک عبارت میں نے یہ نقل کی تھی کہ انبیاء کے گزشتہ کے کشف نے اس بات پر مہر کر دی ہے کہ سچ موعود چودھویں صدی کے سر پر آئے گا اور یہ کہ وہ پنجاب میں آئے گا، پنجاب میں ہوگا، میں نے کہا ایک حدیث کسی نبی کی پیش کر، ایک لاکھ چوبیس

ہزار نبیوں کا نام لے کر اتنا بڑا جھوٹ بولا ہے اور پھر میں نے یہ کہا کہ چودھویں صدی میں شاید یہ جھوٹ کا سب سے بڑا ریکارڈ ہے کہ ایک فقرے میں اتنا بڑا جھوٹ، ظفر اللہ اس کا جواب نہیں دے سکا اور نہ کوئی قادیانی دے سکتا ہے۔

میں نے تم سے پانچویں نمبر پر پوچھا تھا کہ اس کے پیروی کرنے والوں میں اشراف ہیں یا ضعفا ہیں یا پسماندہ طبقے کے لوگ ہیں؟ تم نے کہا پسماندہ طبقے کے لوگ ہیں، صحیح بخاری کے الفاظ ہیں کہ ہر قل نے کہا وہم أتباع الرسل رسولوں کی اطاعت کرنے والے یہی لوگ ہوتے ہیں اور غلام احمد بڑے فخریہ انداز میں کہتا ہے کہ میرے تابعین میں بڑے بڑے تعلیم یافتہ، بڑے بڑے مفکرین، بڑے بڑے سیٹھ اور بڑے بڑے سرکاری افسران ہیں۔

چھٹے نمبر پر میں نے تم سے پوچھا تھا کہ ان کی تعداد بڑھ رہی ہے یا گھٹ رہی ہے؟ تم نے کہا تھا کہ بڑھ رہی ہے، ہر قل نے کہا کہ انبیاء کرام کی جماعت کی تعداد اسی طرح بڑھا کرتی ہے۔

ساتویں نمبر پر میں نے تم سے پوچھا تھا کہ کیا ان میں سے کوئی شخص محمد (ﷺ) کے دین سے بد دل ہو کر کبھی مرتد ہوا ہے؟ تم نے کہا نہیں، ہر قل نے کہا وَكَذَلِكَ الْإِيمَانُ إِذَا اخْلَاطَ بِشَاةِ الْقُلُوبِ کہ جب ایمان دلوں کے اندر رچ بس جاتا ہے تو پھر نکلتا نہیں ہے، اسی لئے کہتے ہیں کہ جو پیچھے مڑ جاتے ہیں نادہ راستے ہی سے مڑ جاتے ہیں مرتد ہو جاتے ہیں، ان کے دل میں ایمان اُترا ہی نہیں ہے، ایمان دل میں اُتر جائے تو پھر نہیں نکلتا، ممکن ہی نہیں ہے نکلتا، جان جاسکتی ہے دل سے ایمان نہیں نکل سکتا۔

آٹھویں نمبر پر میں نے تم سے پوچھا تھا کہ کیا تمہاری اور اس کی کبھی لڑائی بھی ہوئی ہے؟ تم نے کہا کہ ہاں ہوئی ہے اور میں نے پوچھا کہ نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ تم نے کہا کہ کبھی وہ جیتتے ہیں کبھی ہم جیتتے ہیں، فَتَكُونُ الْحَزْبُ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُ سَجَالًا يَنْتَالُ مِنْكُمْ وَتَقْتُلُونَ مِنْهُ لِرَائِي ہمارے درمیان ڈول کی مانند ہے کبھی وہ کھینچ لے جاتا ہے کبھی ہم کھینچ لے جاتے ہیں، ہر قل نے اس پر کہا کہ وَكَذَلِكَ الرُّسُلُ تُبْتَلَى فَمَنْ تَكُونُ لَهُمُ الْعَاقِبَةُ انبیاء کرام ﷺ کو اسی طرح قوموں کے ساتھ ٹکرایا جاتا ہے بتلا کیا جاتا ہے لیکن آخر کار غلبہ ان کا ہوتا ہے۔

میں نے تم سے پوچھا تھا کہ کیا اس نے کبھی عہد شکنی کی ہے؟ تم نے کہا کہ نہیں، کہا کہ انبیاء کرام ﷺ کبھی عہد شکنی نہیں کیا کرتے۔

میں نے پوچھا تھا کہ کیا تمہارے علاقے میں کبھی کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے؟ تم نے کہا کہ ہم نبی اور نبوت کو ویسے نہیں جانتے، میں نے کہا کہ اگر کسی نے پہلے نبوت کا دعویٰ کیا ہوتا تو میں سمجھ لیتا کہ یہ بھی اس کی

ریس کر رہا ہے اور جب تم کہتے ہو کہ نبی اور نبوت کو جانتا ہی نہیں، کبھی کسی نے عرب میں نبوت کا دعویٰ نہیں کیا جب سے عرب کی آبادی قائم ہوئی ہے تو پھر کیسے سمجھ لیا جائے کہ اس نے نبوت کا تحیل کسی سے چرایا ہوگا؟

یہ ہر قل کے سوال و جواب پر تبصرہ ہوا ہے، گویا ہر سوال اور اس کا جواب آنحضرت ﷺ کی نبوت پر مستقل دلیل ہے، اس کے بعد اس نے ابوسفیان سے مخاطب ہو کر کہا کہ تم نے ان صاحب کے بارے میں جو معلومات دی ہیں اگر سچ کہتے ہو تو یہ شخص میرے ان قدموں کی جگہ کا مالک ہو کر رہے گا جہاں میں بیٹھا ہوں اس کا مالک ہو کر بیٹھا ہوں اور یہ بھی کہا کہ اگر مجھے یقین ہوتا کہ میں وہاں تک پہنچ سکتا ہوں تو میں ضرور پہنچتا۔

رُوم اس وقت کا امریکہ، شاہ رُوم کو صدر امریکہ کہنا چاہئے، وہ کہہ رہا ہے کہ کاش کہ میں ان کی خدمت میں پہنچ سکتا تو میں ان کے پاؤں دھو کر پیتا، اس کے بعد ابوسفیان کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا خط مبارک پڑھا گیا دربار لگا ہوا تھا تو اس نے یعنی ہر قل نے تقریر کی اور کہا کہ آپ حضرات جانتے ہیں کہ نبی آخر الزمان کا ظہور ہونے والا تھا اور یہ ان صاحب کا خط آیا ہے، میرا پکا یقین یہ ہے کہ یہ شخص نبی آخر الزمان ہیں تو کیوں نہ ہم سب کے سب لوگ مسلمان ہو جائیں؟ یہ سننا تھا کہ پادریوں نے شور مچانا شروع کر دیا اور ہر قل کا دربار مچھلی بازار بن گیا، اب اس نے چالاکی کی اور کہا کہ بندگانِ خدا تم کر کیا رہے ہو؟ پھر گئے لوگ، کہا کہ میں نے تو تمہیں یہ دیکھنا چاہا کہ تم اپنے مذہب میں کتنے پختہ ہو؟ میں تمہاری پختگی دیکھنا چاہتا تھا، اب لوگ ٹھنڈے ہو گئے، اس لئے حقانیت معلوم ہو جانے کے باوجود بھی یہ شخص مسلمان نہیں ہوئے تاہم اس نے نامہ مبارک کو بہت ادب سے رکھا، ایک نفیس قیمتی صندوق بنایا اس میں آنحضرت ﷺ کا یہ تبرک رکھا اور یہ خط نسلًا بعد نسل اس کی اولاد میں منتقل ہوتا رہا، اس لئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ ہر قل نے اپنا ملک محفوظ کر لیا اور کسریٰ بے وقوف نے اپنے ملک کو پارہ پارہ کر دیا، ہمارے خط کو ٹکڑے ٹکڑے نہیں کیا بلکہ اپنے ملک کو ٹکڑے ٹکڑے کیا۔

تیسرا خط آنحضرت ﷺ نے نجاشی کے نام لکھا تھا، یہ لفظ عام طور پر اردو دان لوگ غلط پڑھتے ہیں نجاشی پڑھا کرتے ہیں، جیم مشد نہیں ہے نجاشی جیسا کہ ہر قل کو لوگ غلط پڑھتے ہیں، ہر قلن ہے (”ہ“ کے زیر اور ”ز“ کے زیر کے ساتھ، ”ق“ اور ”ل“ کے سکون کے ساتھ) ہر قلن یا ہر قلن نہیں ہے، بہر کیف جیسے کا وہ بادشاہ جس کے پاس مسلمان ہجرت کر کے گئے تھے وہ تو مسلمان ہو گیا تھا اور ان کے پاس بھی آنحضرت ﷺ کا کرامت نامہ پہنچا تھا اور اس نے سر آنکھوں پر رکھا بہت ہی ادب اور تعظیم بجالایا اور اس کا جواب لکھا کہ یا رسول اللہ! میں مسلمان ہو گیا ہوں، میں پہلے سے مسلمان ہوں لیکن مجھے انفسوس ہے کہ میں حضور کی خدمت میں پہنچنے سے قاصر ہوں، پھر اس نے اپنے بیٹے کو اور ان کے ساتھ ۷۰ آدمیوں کو بھیجا آنحضرت

ﷺ کی بارگاہ میں حاضری اور آپ کی قدم بوسی کے لئے لیکن بد قسمتی یہ کہ وہ شقی الٹ گئی سب غرق ہو کر شہید ہو گئے، اس کے بعد ذی نجر اس کا بھتیجا تھا اس کو بھیجا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اور وہ رسول اللہ کی خدمت میں پہنچے اور کئی سال تک آپ کے خادم رہے۔

دوسرا خط اس کے فوت ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ نے دوسرے نجاشی کو لکھا، نجاشی حبشہ کے بادشاہ کو کہتے تھے اس میں بھی اسلام کی دعوت تھی لیکن یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ صاحب مسلمان ہوئے ہیں یا نہیں ہوئے اسلام لائے ہیں یا نہیں لائے۔

خط و کتابت کے لئے مہر کی ضرورت

[حدیث: ۱۰۴۹] "عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرَادَ أَنْ يَكْتُبَ إِلَى كِسْرَى وَ قَيْصَرَ وَ التَّجَاجِي، فَقِيلَ: إِنَّهُمْ لَا يَقْبَلُونَ كِتَابَنَا إِلَّا بِخَاتَمٍ، فَصَاحَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمًا حَلَقَتْهُ فِصَّةٌ وَ نَقَشَ فِيهِ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ۔" (صحيح مسلم ج: ۱۰، ص: ۴۷۱، حدیث نمبر: ۴۹۰۳، باب فی اتِّخَاذِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمًا لِمَا أَرَادَ....)

ترجمہ: "حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کسری قیصر اور نجاشی کے پاس والا نامے بھیجنے کا ارادہ کیا تو لوگوں نے کہا کہ عجم کے بادشاہ اس وقت تک خط وصول نہیں کرتے جب تک کہ اس پر مہر موجود نہ ہو، اس ضرورت کے لئے آنحضرت ﷺ نے انگوٹھی بنوائی جس میں مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ کے الفاظ کندہ تھے (یعنی آپ کی مہر تھی مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ)۔"

بیت الخلا میں جاتے وقت انگوٹھی کا اُتار دینا

[حدیث: ۱۰۵۰] "عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ تَرَغَ خَاتَمَهُ۔"

(سنن ترمذی ج: ۶، ص: ۳۶۵، حدیث نمبر: ۱۶۶۸، باب مَا جَاءَ فِي لُبْسِ الْخَاتَمِ فِي الْيَمِينِ) ترجمہ: "حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ جب بیت الخلا میں داخل ہوتے تھے تو انگوٹھی اُتار دیتے تھے۔"

[حدیث: ۱۰۵۱] "عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اتَّخَذَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمًا مِنْ وَرَقٍ فَكَانَ فِي يَدِهِ ثُمَّ كَانَ فِي يَدِ أَبِي بَكْرٍ وَ يَدِ عُمَرَ، ثُمَّ كَانَ فِي يَدِ"

عُثْمَانُ حَتَّى وَقَعَ فِي بَيْتِ أَرِيْسَ نَفْسُهُ: مُحَمَّدٌ رَزَقَ اللَّهُ

(الشمائل المحمدية للترمذی ج: ۱، ص: ۱۰۵، حدیث نمب: ۹۳، باب ما جاء فی

ذکر عثمان رزقہ اللہ.....)

ترجمہ: ”ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی تھی وہ

آپ کے ہاتھ مبارک میں رہا کرتی تھی پھر حضرت ابوبکر کے ہاتھ میں اور حضرت عمر

رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں رہتی تھی یہاں تک کہ براء رضی

میں مگر گئی اس کا نقش تھا مُحَمَّدٌ رَزَقَ اللَّهُ۔“

تشریح: پہلی حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کسری، قیصر اور نجاشی کے نام والے نامے

تحریر فرمائے تو عرض کیا گیا کہ عجم کے بادشاہ خط کو قبول نہیں کرتے جب تک کہ اس کے اوپر مہر نہ ہو، چنانچہ اس

ضرورت کی بناء پر آنحضرت ﷺ نے انگوٹھی بنوائی اور اس میں مُحَمَّدٌ رَزَقَ اللَّهُ اپنے نام مبارک کی

مہر بنوائی نقش اس میں کر دیا، کسری قیصر اور نجاشی، کسری کہتے تھے ایران کے بادشاہ کو یہ لوگ اس وقت مجوسی

ہوتے تھے عام طور سے اور قیصر کہتے تھے رومیوں کے بادشاہ کو، یہ عیسائی ہوتے تھے اور نجاشی کہتے تھے حبشہ

کے بادشاہ کو، حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کو خط دے کر آنحضرت ﷺ نے کسری کی طرف بھیجا تھا اور

ارشاد فرمایا تھا کہ مدائن اس کا سرحدی شہر ہے اس کے گورنر کو دے دو اور وہ بادشاہ کے پاس پہنچا دے گا، چنانچہ

مدائن کے حاکم کو انہوں نے خط پہنچا دیا اور اس نے کسری کو پہنچا دیا، اس بد بخت نے آنحضرت ﷺ کے نامہ

مبارک کو چاک کر دیا۔ اور حضرت دحیہ کو دحیہ کلبی جن کا تذکرہ پہلے آچکا ہے ان کو خط دے کر قیصر کے پاس

بھیجا، قیصر اس وقت بیت المقدس آیا ہوا تھا سفر میں اس نے آنحضرت ﷺ کے نامہ گرامی کا بہت احترام کیا،

آنحضرت ﷺ کو جب اطلاع پہنچی تو ارشاد فرمایا کہ کسری نے اپنا ملک ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور قیصر نے اپنا

ملک بچا لیا، آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد حرف بحرف صادق آیا، نامہ گرامی چاک کرنے کے بعد اس کے لڑکے

شیر دیہ نے اس کو قتل کر دیا اور اس نے بھی محسوس کر لیا تھا کہ مجھے قتل کر دے گا تو اس نے اپنی دوائیوں کے

خزانے میں ایک نہایت تیز قسم کا زہر ایک شیشی میں رکھا اور اس پر لکھ دیا قوت باہ کی دوائی، اس کے لڑکے نے

جب وہ خزانہ کھولا تو اس پر یہ لکھا ہوا پایا، وہ کھولا اس نے کھایا تو وہ بھی مر گیا حتیٰ کہ کوئی اس کے خاندان میں نہ

رہا تو ایک لڑکی کو بادشاہ بنادیا، آنحضرت ﷺ کو اطلاع پہنچی تو ارشاد فرمایا: لَنْ يَفْلَحَ قَوْمٌ وَلَوْ أَمَرَهُمْ أَمْرًا

وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی جس نے اپنی ذمام حکومت ایک عورت کے ہاتھ میں دے دی، کسری کے نام جو

والا نامہ لکھا تھا اس کا متن یہ تھا۔

”بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ مِنْ مُحَمَّدٍ رَزَقَ اللَّهُ النَّبِيَّ الْأَمِينِ إِلَى كِسْرَى عَظِيمِ

فَارِسٌ سَلَامٌ عَلَى مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَى وَآمَنَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَشَهِدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَخَدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَنْ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ أَذْغُوكَ بِدَعَايَةِ اللَّهِ فَإِنِّي أَنَا رَسُولُ اللَّهِ إِلَى النَّاسِ كَمَا فَعَلْتُ مَنْ كَانَ حَيًّا وَيَحْقُّ الْقَوْلُ عَلَى الْكَافِرِينَ فَأَسْلِمَ تَسْلِمًا، فَإِنْ أَبَيْتَ فَإِنَّ إِيَّاهُ الْمَخْجُوسَ عَلَيْكَ“ (دلائل النبوة لأبي نعيم الأصبهانی ج: ۱، ص: ۲۷۹، حدیث نمبر: ۲۳۵، الفصل السابع عشر ومما ظهر....)

ترجمہ: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ محمد اللہ کے رسول کی جانب سے کسریٰ شاہ فارس کے نام، سلام ہو اس شخص پر جو ہدایت کی پیروی کرے، اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ وحدہ لا شریک ہے اور یہ کہ محمد (ﷺ) اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں، ایسے شخص کو سلامتی ہو، میں تجھ کو اللہ کی طرف سے دعوت دیتا ہوں اس لئے کہ میں اللہ کا رسول ہوں تمام انسانوں کی طرف اور یہ رسول اس لئے بھیجا گیا ہے تاکہ ڈرائے اس شخص کو جو زندہ ہو اور تاکہ بات ثابت ہو جائے کافروں پر، تو اسلام لے آؤ گے گا اور اگر تو نے منہ پھیر لیا تو تجھ پر مجوسیوں کے گناہ کا وبال ہوگا۔

یہ زرقانی سے نقل کیا ہے شیخ نور اللہ مرقدہ نے باقی قیصر کے نام یعنی شاہ روم کے نام جو نامہ کرامت آنحضرت ﷺ نے تحریر فرمایا تھا اس کا متن صحیح بخاری میں موجود ہے اس میں لکھا تھا:

”بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى هِرَقْلٍ عَظِيمِ الرُّومِ سَلَامٌ عَلَى مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَى آمَنًا بَعْدَ إِفَانِي أَذْغُوكَ بِدَعَايَةِ الْإِسْلَامِ أَسْلِمْتَ تَسْلِمًا وَأَسْلِمَ يَوْمَئِذٍكَ اللَّهُ أَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ، فَإِنْ تَوَلَّيْتَ فَعَلَيْكَ إِثْمُ الْأَرَبِيِّينَ ﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ﴾“ (صحیح بخاری ج: ۱۰، ص: ۹۳، حدیث نمبر: ۲۷۲۳، باب دُعَاءِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّاسَ إِلَى.....)

ترجمہ: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ محمد ﷺ کی جانب سے جو اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، ہر قل حاکم روم کی طرف سلام ہو اس شخص پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ اما بعد! میں تم کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں اسلام لے آؤ گے جاؤ گے، اللہ تعالیٰ تمہیں اجر دے گا دہر لیکن اگر تم منہ پھیر لو تو تمہارے ذمے ہوگا ان تمام کاشکاروں کا

گناہ جو تمہاری رعایا کے لوگ ہیں، اس کے بعد یہ آیت کریمہ درج فرمائی: ﴿قُلْ يٰٓأَهْلَ الْكِتٰبِ تَعٰلَوْا اِلٰی كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنِنَا وَبَيْنَكُمْ﴾ اے اہل کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے ﴿اَلَا نَعْبُدُ اِلَّا اللّٰهَ﴾ کہ اللہ کے سوا کسی کو نہ پوجیں ﴿وَلَا نُمْلِكُ بِهٖ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا اَوْ اٰنَا اَشْهَدُ نُوٰٓا بِاَنَّا مُسْلِمُونَ﴾ اور ہم ایک دوسرے کو خدا نہ بنائیں اللہ کو چھوڑ کر ﴿قُلْ تَوَلَّوْا اَفْقُوْٓا الشَّهَادٰتُۙ اٰنَا مُسْلِمُونَ﴾ (آل عمران: ۶۴) اس کے باوجود اگر یہ لوگ منہ پھیر لیں تو اے مسلمانو! تم کہو کہ تم گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں۔“

جیسا کہ میں نے کہا دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ نے یہ گرامی نامہ بیت المقدس میں پہنچایا تھا، وہ اپنے مرکز سے یہاں آیا ہوا تھا سفر کر کے کسی کام سے آیا ہوا تھا حاکم روم ہرقل، جب یہ گرامی نامہ پہنچا اور قیصر کے سامنے پڑھا گیا تو قیصر کا بھتیجا نہایت غصہ ہوا اور کہنے لگا کہ یہ خط مجھے دے دو، چچا نے کہا کہ تم کیا کرو گے؟ یعنی قیصر نے کہا کہ تم کیا کرو گے؟ کہنے لگا کہ اس شخص نے آپ کی گستاخی کی، کہ اپنا نام سب سے پہلے لکھا ہے اور آپ کا نام بعد میں لکھا ہے، عربوں کے یہاں دستور تھا اس وقت یعنی اس زمانے کا رواج تھا کہ خط کے شروع ہی میں مکتوب الیہ کا نام بھی لکھتے تھے، آج کل تو نیچے دستخط کرتے ہیں لیکن اس زمانے میں مکتوب الیہ کا نام بھی لکھتے تھے اور خط کے جھینے والے کا نام بھی لکھتے تھے لیکن فرق یہ ہوتا تھا کہ اگر بڑا چھوٹے کو لکھتا ہے تو مکتوب الیہ کا نام پہلے اور اپنا بعد میں لکھتا تھا، جیسے درخواست دیتے ہوئے لکھتے ہیں بحضور فلاں صاحب بہادر وانا اقبال روم از طرف فلاں اور اگر بڑا آدمی لکھتا تھا چھوٹے کو تو اپنا نام پہلے لکھتا تھا اور مکتوب الیہ کا نام بعد میں لکھتا تھا، تو اس نے کہا کہ اس نے آپ کی ایک توبہ ادبی اور گستاخی یہ کی ہے کہ اپنا نام پہلے لکھا: مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ اِلٰی هٰرَقْلَ عَظِيْمِ الزُّوْمِ، دوسری گستاخی اس نے یہ کی ہے کہ آپ کو شاہ روم لکھنے کے بجائے عظیم الزوم، لکھا یعنی رومیوں کا بڑا آدمی یہ لکھا ملک روم نہیں لکھا تو ہرقل نے کہا کہ تو توبہ و توف آدی ہے، بھائی بات یہ ہے کہ جس کے پاس ناموس اکبر یعنی حضرت جبریل علیہ السلام آتے ہوں وہ نبی ہے، تو اب اگر یہ نبی ہیں جیسا کہ ان کا دعویٰ ہے تو ان کو اپنا پہلے لکھنا چاہئے میرا بعد میں لکھنا چاہئے عقلی بات ہے، اس نے جو خط لکھا ہے بحیثیت نبی کے لکھا ہے اور یہ نبی ہے تو تم ہی بتاؤ کہ اس کو نام اپنا پہلے لکھنا چاہئے یا میرا نام پہلے لکھنا چاہئے اور دوسری بات یہ کہ اس نے عظیم الزوم، لکھا ہے رومیوں کا بڑا آدمی، مجھے تو اس نے رومیوں کا بڑا آدمی کہا ہے بڑا بادشاہ ہی ہوتا ہے اور کون ہوتا ہے پاگل۔

اس کے بعد حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ چونکہ نبی ﷺ کے سفیر بن کر گئے تھے ان کو نہایت اعزاز و اکرام سے ٹھہرایا جیسا کہ کسی شاہی سفیر کو ٹھہرایا جاتا ہے ایسے ٹھہرایا، اصل قصہ یہ ہے کہ وہ خط دیکھ کر سمجھ گیا تھا کہ یہ نبی کا خط

ہے، آپ ﷺ نبی برحق ہیں کیونکہ وہ نہ صرف یہ کہ نصرانی تھا بلکہ اہل کتاب کا عالم تھا، گزشتہ کتابوں کا عالم تھا باقاعدہ، چنانچہ اس کو جب یہ گرامی نامہ پہنچا تو بیت المقدس کے سب سے بڑے پادری کو بلا یا اور اس سے پوچھا کہ تمہاری کیا رائے ہے اس خط کے بارے میں؟ کہنے لگے کہ جی مجھے تو کچھ ایسا لگتا ہے کہ وہ نبی آخر الزمان جو آنے والے تھے وہ ہی ہیں، کہنے لگے میری بھی یہی رائے ہے لیکن بات یہ ہے کہ اگر میں یہ بات پیش کروں تو م کے سامنے تو لوگ تو نہیں مانیں گے اور میری سلطنت جاتی رہے گی، بغاوت کریں گے سارے لوگ۔

اس کے بعد وہ قصہ پیش آیا جو صحیح بخاری میں پیش کیا گیا ہے کہ ہرقل نے یعنی شاہ روم نے حکم دیا کہ یہاں دیکھو اس علاقے کے کچھ لوگ یہاں آئے ہوئے ہوں گے، اس کے شہر کے لوگ آئے ہوئے ہوں گے جن صاحب کی طرف سے یہ خط آیا ہوا ہے ان سے ذرا حالات کی تحقیق کریں، اتفاق سے ابوسفیان رضی اللہ عنہ جو مکے کے چودھری، سب سے بڑے آدمی اور رسول اللہ ﷺ کے سب سے بڑے حریف، وہ وہاں گئے ہوئے تھے، ان کے چند رفقاء بھی گئے ہوئے تھے، بادشاہ نے ان کو بلا بھیجا، ابوسفیان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے سامنے بٹھادیا اور میرے ساتھیوں کو میرے پیچھے بٹھادیا، بادشاہ نے اپنے ترجمان سے کہا کہ ان صاحب کو کہو یعنی ابوسفیان کو: تُو مکے کا رہنے والا ہے؟ کہنے لگے: ہاں! کہنے لگا: وہ تمہارے درمیان میں کوئی مدعی نبوت بھی ہے؟ کوئی نبوت کا دعویٰ بھی کرتا ہے؟ کہنے لگے: جی ہاں! تو پوچھا کہ تم میں نسب کے اعتبار سے اس کا سب سے زیادہ قریبی کون ہے؟ ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں! یہ چوتھے دادا میں جا کر آنحضرت ﷺ کے ساتھ مل جاتے ہیں، اصل میں ابوسفیان ابن حرب ابن امی ابن عبد شمس بن عبد مناف۔ اور آنحضرت ﷺ محمد امین عبد اللہ ابن عبد المطلب ابن ہاشم ابن عبد مناف، تو عبد مناف میں جا کر کے دونوں مل جاتے ہیں ابوسفیان اور آنحضرت ﷺ چوتھی پشت میں، تو سب سے زیادہ قریب یہی تھے نسب کے اعتبار سے۔

اس کے بعد وہ بات ہوئی کہ مجھے آگے بٹھادیا اور میرے ساتھیوں کو پیچھے بٹھادیا اور اپنے ترجمان سے کہا کہ میں ان مدعی نبوت کے بارے میں ان صاحب سے چند سوالات کرنا چاہتا ہوں، ان سے کہو کہ مجھے اس کے جوابات صحیح صحیح بتائیں اور ساتھ ہی ان کے ساتھی جو پیچھے بیٹھے ہیں ان سے کہہ دیا کہ اگر یہ کسی جگہ غلط بیانی کریں تو اس کو نوک دیں، لقمہ دے دیں، اب یہ گویا لگتی ہوئی تلوار ان کے سر پر تھی ابوسفیان کے اور یہ گیارہ سوال تھے جو صحیح بخاری میں ہیں یہاں شیخ مولانا زکریا نور اللہ مرقدہ نے بھی نقل کئے ہیں۔

گنڈا پہنانے کی ممانعت

[حدیث: ۱۰۵۲] "..... أَنَّ أَبَا بَشِيرٍ الْأَنْصَارِيَّ..... قَالَ سَلَّ رَسُولُ اللَّهِ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَسُولًا أَنْ لَا يَنْفَعِينَ فِي رَقَبَةٍ بَعِيرٍ قِلَادَةً مِنْ وَثَرٍ أَوْ قِلَادَةً إِلَّا

فقطعت۔“ (صحیح بخاری ج: ۱۰، ص: ۱۹۰، حدیث نمبر: ۲۷۸۳، باب ما قبل فی

الجزء ونحوہ فی أغنائی الإہل)

ترجمہ: ”حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا یا بانی نہ رہے کسی اونٹ کی گردن میں کوئی گنڈا تانت کا یا کوئی اور گنڈا اگر اس کو کاٹ ڈالا جائے۔“

تشریح: اس حدیث میں اس کی ممانعت فرمائی ہے کہ اونٹوں کی گردن میں کوئی گنڈا تانت کا یا کسی اور چیز کا رکھا جائے، کانت یعنی چڑا کاٹ کر کے اس کو جانوروں کے گلے میں پہناتے تھے اور کبھی کبھی آگے کے گنڈے پہناتے تھے اور کسی اور قسم کا گنڈا پہنانا دو طرح سے ہوتا تھا کبھی تو اس لئے کہ اس میں بجنے والے گھنگھرو ڈال دیئے تھے، جب اونٹ چلتا تھا اپنی گردن ہلاتا تھا تو اس کی آواز آتی تھی تو اس آواز کی وجہ سے وہ مست ہوتا تھا اور کبھی وہ نظر اتارنے کے لئے نظر دور کرنے کیلئے ان کو قلا دے پہناتے تھے گانیاں پہناتے تھے تو یہ تین قسم کے قلا دے ہوتے تھے:

ایک تانت کا یعنی چڑے کا اس کو باریک کاٹ دیا جاتا تھا دھاگے کی طرح وہ پہناتے تھے، علماء فرماتے ہیں اس کی ممانعت کی وجہ تو یہ ہے کہ کبھی ایسا ہو سکتا ہے کہ جانور چرتے ہوئے کسی درخت کے ساتھ وہ انک جائے اور جانور جب کھینچے گا تو چونکہ وہ بہت تیز ہوتا ہے اس لئے جانور کے گردن کے کٹ جانے کا اندیشہ ہے، بڑی آسانی کے ساتھ وہ کاٹ دیتا ہے، جہاں تک ایسے قلا دے کا جس میں کہ گھنٹیاں ہوں گھنگھرو ہوں اس کی ممانعت اس لئے فرمائی گئی کہ اس کو میز ھاز الشیطن فرمایا ہے اور ارشاد فرمایا کہ ہمارے قافلے میں کوئی ایسا جانور نہ رہے جس میں گھنٹی ہو کیونکہ جس قافلے میں کسی جانور کے گلے میں گھنٹی ہوتی ہے بجنے والا گھنگھرو ہوتا ہے اس کے ساتھ شیطان ہوتا ہے اور تیسری قسم کے گنڈے جو نظربد کے لئے ڈالے جاتے ہیں ان کا عقیدہ یہ تھا کہ فلاں رنگ کا اگر پہنایا جائے تو نظر نہیں لگتی جیسے کہ اس زمانے میں بھی بہت سے بد عقیدہ لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں، تم نے پنھانوں کی بسوں کو دیکھا ہوگا پیچھے کالے کپڑے لٹک رہے ہوتے ہیں یہ جہالت ہے، کپڑا نظربد کو دور نہیں کرتا وہ اللہ کی تقدیر کو نالتا ہے اور بعض جاہل یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ بلا کالے رنگ کی ہوتی ہے اگر کوئی بلا آئے گی تو رنگ پر عاشق ہو کر کے اس پر پڑے گی ہمارا ترک محفوظ رہے گا، تو یہ جاہلیت کے عقائد تھے جن کو رسول اللہ ﷺ نے پامال کیا اور ان کی ممانعت فرمائی۔

جاندار کو نشانہ نہ بنانا چاہئے

[حدیث: ۱۰۵۳] ”عن ابن عباس..... لا تَنْهَضُوا شَيْئًا فِيهِ الزَّوْجُ

عَرَضًا۔“ (صحیح مسلم ج: ۱۰، ص: ۱۲۵، حدیث نمبر: ۳۶۱۷، باب التَّهْنِی عَنْ صَبْرِ الْبَهَائِمِ)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کسی روح والی چیز کو نشانہ نہ بناؤ۔“

تشریح: اس حدیث میں یہ ارشاد فرمایا کہ کسی روح والی چیز کو نشانہ نہ بناؤ، جاہل لوگوں میں بڑی گندی گندی رکیں تھیں ان میں سے ایک یہ کہ زندہ جانور کی چکی جیسے دہنے کی چکی ہوتی ہے پیچھے اس کو کاٹ لیتے تھے اور کاٹ کے پکاتے تھے نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ۔ اب جانور کو کتنی تکلیف ہوتی تھی اور وہ جانور کو اسی طرح چھوڑ دیتے تھے اس کو فرمایا کہ یہ مردار ہے اور ایک یہ کہ لہو و لعب کے لئے کھیل تماشے کے طور پر جانور کو باندھ دیتے تھے اور اس کو تیروں کا نشانہ بناتے تھے ایسے بے رحم لوگ تھے، آنحضرت ﷺ نے اس کی ممانعت فرمائی اور فرمایا کہ کسی روح والی چیز کو نشانہ نہ بناؤ نہ صرف یہ کہ جانور بلکہ کوئی بھی چیز جو روح والی ہو اس کو تختہ مشق نہیں بنانا چاہئے۔

اس سے یہ بات بھی معلوم ہو جاتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یا یوں کہئے کہ دین نے آنحضرت ﷺ کے لائے ہوئے دین نے تمام چیزوں کے حقوق محفوظ کئے ہیں حتیٰ کہ جانوروں کے بھی حقوق محفوظ کئے ہیں اور اس کے بارے میں بھی ہدایتیں عطا فرمائی ہیں، چنانچہ ایک حدیث شریف ارشاد فرمایا کہ جانور کی پشت کو لمبر نہ بنایا کرو یعنی جانور پر بیٹھے ہوئے ہیں باتیں کر رہے ہیں، اب جانور بوجھ کے نیچے ہے تین من کی لاش کے نیچے ہے اور بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے ہیں اس کو احساس ہی نہیں ہے، اگر بات کرنی ہو اور بات لمبی ہو تو جانور کی پشت سے نیچے اتر آؤ، اگر دو تین منٹ کی بات ہو تو مضائقہ نہیں اور اگر چلنے بات کرنی تو بھی کوئی مضائقہ نہیں لیکن لمبی بات کرنے کی اجازت نہیں جانور کے اوپر اوپر تاکہ بلا وجہ جانور بوجھ کے نیچے نہ دبے۔

آنحضرت ﷺ نے منیٰ میں اور عرفات میں خطبہ ناثقہ پر دیا تھا اس پر اشکال کیا جائے گا کہ خود رسول اللہ ﷺ کا عمل تو اس کے خلاف ہوا پھر اس کا عذر یہ کیا جاتا ہے کہ اس موقع پر آنحضرت ﷺ کا ناثقہ کی پشت پر خطبہ دینا کیونکہ مجمع بہت زیادہ تھا اب اتنا تمہارے ہاں جلسے ہوتے ہیں، لوگ ہزاروں روپے اسٹیج پر خرچ کر دیتے ہیں، تو آنحضرت ﷺ نے ضرورت کی بناء پر ایسا کیا اور دوسری بات یہ کہ آنحضرت ﷺ کے بوجھ سے اونٹ کو بوجھ محسوس نہیں ہوتا تھا بلکہ خوشی ہوتی تھی اس ناثقہ کے لئے صد جائے مسرت تھی کہ آنحضرت ﷺ اس کی پشت پر تشریف فرما ہوں اور وعظ و نصیحت کے لئے اس کی پشت کو لمبر بنایا جائے، اس کے لئے تو یہ سعادت ہی سعادت تھی جیسا کہ منیٰ میں جب آنحضرت ﷺ اونٹ ذبح فرما رہے تھے تو سات ناثقیں آگے بڑھ رہی تھیں ہائی آن یثد کہ کس کے ساتھ آنحضرت ﷺ ابتدا فرماتے ہیں تو آنحضرت ﷺ کی ذات عالی پر دوسروں کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

اسی طرح ارشاد فرمایا کہ سفر میں جانور کو لے جاؤ تو اسے تھکا کر کے نہ چھوڑو بلکہ از کنبہا صالِحۃ

اس کی صلاحیت

رکھ دیا، اس کی

ہیں کر سکتے لہذا

اور کیا فائدہ دیں گی؟ محض دھوکہ ہے ابلیس نے دیا ہے ان کو اور یہ ناقصات العقل والدین رسول اللہ ﷺ نے توالہ کو فرمایا ہی تھا یہ دھوکے میں آئیں بچاری کہ مرد ہمارے حقوق کی حفاظت نہیں کر سکتے لہذا عورتوں کو نشیستیں دو نماز دیں گی، میں پوچھتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین اور ائمہ دین ان کے بارے میں کیا خیال ہے؟ انہوں نے تمہارے حقوق کی حفاظت نہیں کی؟ معلوم ہوا کہ یہ خیال ہی غلط ہے اور پھر میں کہتا ہوں کہ تم جانتے ہو کہ عورت یا ماں ہوتی ہے یا بیٹی ہوتی ہے یا بہن ہوتی ہے یا بیوی ہوتی ہے یہ چار مقدس رشتے ہیں، کیا شوہر اپنی بیوی کے حقوق کی حفاظت نہیں کر سکتا، بیٹا اپنی ماں کے حقوق کی حفاظت نہیں کر سکتا اور کیا بھائی سے یہ توقع نہیں رکھی جاسکتی کہ وہ بہن کے حقوق کا تحفظ کرے گا اور کیا باپ سے یہ توقع نہیں رکھی جاسکتی کہ وہ اپنی بیٹی کے حقوق کا تحفظ کرے گا؟ وہ تو آبرو کے محافظ ہیں ان کے تم حقوق کی بات کرتے ہو، کچھ تو شرم کرو مرد تو تمہاری آبرو کا محافظ ہے خواہ باپ کی شکل میں ہو بیٹے کی شکل میں ہو بھائی کی شکل میں ہو یا شوہر کی شکل میں ہو، تمہیں کس نے کہہ دیا کہ مرد تمہارے حقوق کی حفاظت نہیں کر سکتا؟ صرف ابلیس نے پھونک ماری اور کچھ نہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا کھیل دیکھنا عید کے موقع پر

[حدیث: ۱۰۵۴] ”عَنْ عَائِشَةَ..... وَكَانَ يَوْمَ عِيدٍ يَلْعَبُ الشَّوَدَانُ

بِالدَّرَقِ وَالْحِزَابِ..... ذُو نَكَمٍ يَأْتِيهِ أَزْفَدَةٌ (قَالَ لَيْسَ ذَانُ).....“

(صحیح بخاری ج: ۴، ص: ۶، حدیث نمبر: ۸۹۷، باب الحزب والدراق یوم العید)

ترجمہ: ”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا لو اپنی

ڈھالیں اور برچھیاں اے ارفدہ کی اولاد! یہ بات آنحضرت ﷺ نے عید کے دن

حبشیوں سے فرمائی تھی جو کہ ڈھالوں کے ساتھ اور برچھیوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔“

تشریح: اس حدیث میں ایک قصہ ذکر فرمایا ہے کہ عید کا دن تھا اور آنحضرت ﷺ کی مجلس میں اور

آپ ﷺ کی مسجد میں حبشی لوگ اپنے کرتب دکھا رہے تھے کھیل کے یعنی برچھیاں بھالے اور ان کا توڑ کرنا

گنکا کھیلنا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے مجھ سے فرمایا تم بھی کھیل دیکھو گی؟ میں نے کہا

ضرور، میں نے آنحضرت ﷺ کے شانے پر اپنا منہ رکھ دیا اور اس طرح پردہ کر کے ان کو دیکھتی رہی، اس

موقع پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ ذُو نَكَمٍ يَأْتِيهِ أَزْفَدَةٌ اے ارفدہ کی اولاد! اپنے بھالے اور

برچھیوں کو لو یعنی اپنے کھیل کے اوزار لو اور اپنا کھیل دکھاؤ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میری عمر اس وقت

زیادہ نہیں تھی اتنی کم عمری لڑکی کھیل کو دیکھنے کی کتنی شوقین ہو سکتی ہے اس کا اندازہ ہر شخص کر سکتا ہے لیکن

آنحضرت ﷺ مجھے برابر وہ کھیل دکھاتے رہے یہاں تک کہ میں نے کہا بس۔

اس حدیث سے ایک تو بات معلوم ہوگئی کہ یہ کھیل آنحضرت ﷺ نے حبشیوں سے عید کے دن کروایا تھا وہ چھٹی کا دن تھا اور مسجد کے صحن میں کروایا تھا چونکہ ان کا یہ کھیل حقیقت میں کھیل نہیں تھا بلکہ جہاد کی تیاری تھی اس لئے آنحضرت ﷺ نے نہ صرف اس کی اجازت دی بلکہ اس کی ترغیب دی، یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے گھوڑ دوڑ کروائی اونٹوں کی دوڑ کروائی، حضرات صحابہ فرماتے ہیں کہ فلاں جگہ سے فلاں جگہ تک آنحضرت ﷺ نے مسافت مقرر کی تھی گھوڑ دوڑ کے لئے اور فلاں جگہ تک اونٹوں کی دوڑ کے لئے آپ ﷺ نے مسافت مقرر کی تھی اور فرمایا تھا کہ دیکھئے کون آگے نکلتا ہے کیونکہ یہ سب کا سب جہاد کی تیاری کے لئے تھا، اس زمانے میں جو کھیل کھیلے جاتے ہیں وہ بے مقصد ہیں فضول اور لہو و لعب لایعنی ہیں جبکہ رسول اللہ ﷺ کا ہر عمل اللہ کی خاطر تھا اور اللہ کے لئے تھا۔

اور دوسری بات یہ معلوم ہوگئی جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ ایک کم عمر لڑکی کھیل کی کتنی شوقین ہو سکتی ہے اس کا خود ہی اندازہ کر لو لیکن آنحضرت ﷺ نے جب تک کہ میں نے بس نہیں کہا آپ ﷺ نے اس وقت تک نہیں کہا کہ بس کرو چھوڑ دو، اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ امہات المؤمنین کی اور خصوصاً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی کتنی رعایت فرماتے تھے اور آپ ﷺ امہات المؤمنین کے حق میں کتنے نرم تھے۔

سونے کی انگوٹھی پہننے پر حضور ﷺ کی ناراضگی

[حدیث: ۱۰۵۵] ”عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ.....، يَغْمِذُ أَخَذَ كُمْ إِلَى جَمْرَةٍ مِنْ نَارٍ فَيَجْعَلُهَا فِي يَدِهِ فَيَقِيلُ لِلزَّجَلِ بَعْدَ مَا ذَهَبَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَذَ خَاتَمَكَ انْتَفِعْ بِهِ، قَالَ: لَا وَاللَّهِ لَا آخُذُهُ أَبَدًا وَقَدْ طَرَحَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ“ (صحيح مسلم ج: ۱۰، ص: ۴۶۲، حديث نمبر: ۳۸۹۷، باب تحريم خاتم الذهب على الرجال ونسخ ما كان.)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا تم میں سے ایک آدمی قصد کرتا ہے آگ کے انگارے کا پس اس کو ڈال دیتا ہے اپنے ہاتھ میں، یہ بات آپ ﷺ نے فرمائی تھی اس وقت جبکہ ایک شخص کو سونے کی انگوٹھی پہنی ہوئی دیکھی، پس آنحضرت ﷺ نے اس کو اتارا اور اس کو پھینک دیا، پس اس صاحب سے کسی نے کہا جبکہ رسول اللہ ﷺ وہاں سے تشریف لے گئے کہ اپنی انگوٹھی اٹھالے اس کے ساتھ نفع اٹھا، وہ کہنے لگے نہیں اللہ کی قسم! میں اس کو کبھی نہیں لوں گا جبکہ اس کو

رسول اللہ ﷺ نے پھینک دیا۔“

تشریح: اس حدیث میں ایک قصہ ذکر فرمایا ہے کہ آنحضرت ﷺ تشریف فرماتے ایک صاحب آپ کی خدمت میں آئے انہوں نے انگوٹھی پہنی ہوئی تھی سونے کی، آپ ﷺ نے ان صاحب کی انگوٹھی اُتروائی یا خود اُتاری اور پھر غصے کے لہجے میں فرمایا کہ تم میں سے ایک آدمی قصہ کرتا ہے کہ آگ کا انگارہ اپنے ہاتھ میں پہن لے، یہ کہہ کر آنحضرت ﷺ نے اس کو دور پھینک دیا، اس کے بعد کچھ دیر مجلس رہی آنحضرت ﷺ گھر تشریف لے گئے تو لوگوں نے ان سے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے غصے کا اظہار فرمایا ہے اس لئے کہ تم نے انگوٹھی پہنی ہوئی تھی تم اس کو کسی خاتون کو پہنا دیتے یا ویسے ہی بیچ دیتے اب اٹھالو، وہ صاحب کہنے لگے کہ جس چیز کو رسول اللہ ﷺ نے پھینک دیا اس کو میں نہیں اٹھا سکتا۔

اس حدیث پاک سے چند باتیں معلوم ہوئیں: ایک یہ کہ رسول اللہ ﷺ کبھی کبھی شدت اور سختی سے بات کہتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آنحضرت ﷺ کی ان باتوں پر ناراض نہیں ہوتے تھے، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ ہمارے فائدے کے لئے کہہ رہے ہیں، اب ہم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ آدمی کو میٹھی بات ہی کہنی چاہئے کڑی بات نہیں کہنی چاہئے حالانکہ کڑی بات کہنے کی ضرورت بھی پیش آتی ہے۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حلوہ بیچتا تھا اور ساتھ ہوکا لگا تا تھا تاکہ کسی کو شفاء کی ضرورت ہو تو دواء استعمال کرے، بیچ رہا ہے حلوہ اور ہوکا لگا رہا ہے دواء، کا اگر تمہیں شفا چاہئے تو حلوے کے ساتھ کام نہیں چلے گا میٹھی چیز کے ساتھ کام نہیں چلے گا کبھی کڑی چیز کی بھی ضرورت پیش آتی ہے، تم کہتے ہو کہ ڈاکٹر بڑے بے رحم ہیں پیٹ پھاڑ دیتے ہیں آپریشن کر کے عجیب بات یہ ہے کہ فیس بھی دیتے ہو کیونکہ بیماری کی شفاء اس میں ہے، تو ایک تو یہ بات معلوم ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ کبھی کبھی یہ رنگ بھی استعمال فرماتے تھے۔

دوسری بات یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان صحابی کو منع نہیں فرمایا کہ تمہیں یہ انگوٹھی نہیں پہننی چاہئے بُری بات ہے، ہم تو زیادہ سے زیادہ یہی کر سکتے ہیں ملا لوگ، ایک صاحب کو میں نے کہا کہ یہ نہیں پہننا چاہئے تو وہ ارشاد فرماتے ہیں کہ میرے خیال میں تو یہ بڑا ضروری ہے اس لئے کہ کبھی آدمی سفر میں ہوتا ہے اور جیب میں پیسے نہیں ہوتے تو آدمی اس کو بیچ سکتا ہے حالانکہ میرے خیال میں ساری عمر بھی کسی کو ضرورت پیش نہیں آئی ہوگی الا ماشاء اللہ لیکن حجت کے لئے یہ بات بنادی اس نے اور شیطان نے اس کو القاء کر دی، تو آنحضرت ﷺ یہ بھی فرما سکتے تھے کہ پہنو نہیں بھائی گھر میں کسی خاتون کو دے دو یا اپنے کسی اور کام میں لے آؤ لیکن آپ ﷺ نے تلخ لہجہ اختیار کیا، حالانکہ کبھی ایسا بھی کیا ہے آنحضرت ﷺ نے ایک ریشمی کپڑا آپ ﷺ کے پاس آیا تھا حضرت عمر کو دے دیا انہوں نے پہن لیا آپ ﷺ نے نہایت ناگواری کا اظہار فرمایا، وہ کہنے لگے کہ حضور آپ ہی نے تو دیا تھا فرمایا: میں نے اس لئے تھوڑی دیا تھا کہ پہن لے گھر

میں کسی خاتون کو پہنا دیتے۔

تیسری بات یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ ان حضرات کا برتاؤ یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے حالانکہ لوگوں نے مشورہ دیا کہ تم اٹھالواس چیز کو قیمتی چیز ہے سونے کی چیز ہے کسی دوسرے کو پہنا دینا گھر میں عورتوں کو پہنا دینا، وہ کہنے لگے کہ جس چیز کو رسول اللہ ﷺ نے پھینک دیا اس کو میں نہیں اٹھا سکتا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خود سے ختنہ کرنا

[حدیث: ۱۰۵۶] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ..... اخْتَنَ إِبْرَاهِيمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَهُوَ

ابْنُ ثَمَانِينَ سَنَةً بِالْقُدُومِ۔“ (صحیح بخاری ج: ۱۱، ص: ۱۳۳، حدیث نمبر:

۳۱۰۷، باب قَوْلُ اللَّهِ تَعَالَى {وَاتَّخَذَ اللَّهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا} وَقَوْلُهُ.....)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنا ختنہ کیا اسی سال کی عمر میں۔“

تشریح: یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنا ختنہ خود کیا تھا اور لفظ آتا ہے قُدُوم کا، قُدُوم کے معنی میں نے کیا ہے کہ قدم ایک جگہ کا نام ہے کہ حضرت نے وہاں اپنا ختنہ خود کیا تھا اور بعض حضرات نے قدم کے معنی کیا ہے کھاڑا یعنی حضرت نے اپنا خود ختنہ خود کیا تھا کھاڑے کے ساتھ، بہر حال یہ صحیحین کی حدیث ہے یہ جو ترجمہ کیا کہ کھاڑے کے ساتھ کیا تھا یہ صحیح نہیں ہے، صحیح یہ ہے کہ قدم ایک جگہ کا نام ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنا ختنہ وہاں کیا اور اس وقت سے اللہ تعالیٰ نے سنت جاری کی ہے ختنے کی، بعض انبیاء کرام کی خصوصیت ہے کہ ان کو اس کی ضرورت پیش نہیں آتی قدرتی طور پر ان کا پہلے سے یہ حصہ کٹا ہوا ہوتا ہے۔

بلی کو ستانے پر عذاب

[حدیث: ۱۰۵۷] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ..... عَذَّبَتْ امْرَأَةٌ فِي هَوَآءٍ لَمْ تُطْعَمْهَا

وَلَمْ تُسْقِهَا وَلَمْ تُنْقِهَا تَأْكُلُ مِنْ عَشَاشِ الْأَرْضِ۔“

(صحیح مسلم ج: ۱۱، ص: ۳۰۲، حدیث نمبر: ۳۱۶۱، باب تَغْرِيمِ قَتْلِ الْهَوَآءِ)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

ایک عورت کو عذاب دیا گیا ایک بلی کے بارے میں، اس نے اس کو باندھ رکھا تھا نہ

اس کو کھلاتی نہ پلاتی تھی نہ اس کو چھوڑتی تھی کہ وہ زمین کے جانور کھا لیتی۔“

تشریح: یہ حدیث ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی کہ ایک عورت کو عذاب دیا گیا ایک بلی کی وجہ

سے جس نے بلی کو باندھ رکھا تھا نہ اسے چھوڑتی تھی کہ وہ زمین کی چیزیں کھا کر اپنا گزارہ کر لیتی اور نہ اس کو روٹی کھلاتی تھی یہاں تک کہ بلی مر گئی، ایک بلی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس عورت کو عذاب دیا بمقابلہ اس کے ایک فاحشہ عورت کو ایک کتے کو پانی پلانے کی وجہ سے بخش دیا تھا، عورت جا رہی تھی اس نے پانی پیا تو کتا بھی پیچ گیا وہ بھی چاہتا تھا کہ پانی ملے، لیکن اس کے پاس کوئی ڈول نہیں تھا تو اس نے اپنے سر کا دوپٹہ اتارا اور اس میں اپنے جوتے کو باندھا گویا ڈول اور رسی بن گئے، اور اس نے اس کے ساتھ پانی کھینچا اور کتے کو پلایا، فاحشہ عورت تھی اللہ تعالیٰ نے اس عمل کی وجہ سے اس کی بخشش فرمادی۔

یہاں سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ انسان تو انسان ہیں کسی جانور کو بھی اگر ایذا پہنچائی جائے تو یہ ناجائز ہے، اس کا بھی محاسبہ ہوگا اور یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں تو ایک فاحشہ عورت کے اس عمل کی وجہ سے بخشش فرمادیے ہیں۔

تھوکنے کے آداب

[حدیث: ۱۰۵۸] ”عَنْ أَبِي ذَرٍّ..... عَرِضَتْ عَلَيَّ أَعْمَالُ أَقْنَعِي حَسَنُهَا وَسَيِّئُهَا فَوَجَدْتُ فِي مَبَاحِسِنِ أَعْمَالِهَا الْأَذَى لِمَا طُعِنَ عَنْ الطَّرِيقِ وَوَجَدْتُ فِي مَسَاوِي أَعْمَالِهَا النَّجَاعَةَ تَكُونُ فِي الْمَسْجِدِ لَا تُلْذَقُ“ (صحیح مسلم ج: ۳، ص: ۱۶۹، حدیث نمبر: ۸۵۹، باب النہی عن البصاق فی المسجد فی الصلاۃ وغیرہا)

ترجمہ: ”حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت کے نیک اعمال میرے سامنے پیش کئے گئے نیک بھی اور بد بھی، پس میں نے اپنی امت کے نیک اعمال میں سے پایا اس تکلیف دہ چیز کو جو راستے سے ہٹا دی جائے اور میں نے اپنی امت کے برے اعمال میں سے پایا اس بلغم کو جو مسجد میں پھینک دی جائے اور زمین میں دفن نہ کی جائے۔“

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے سامنے میری امت کے اعمال پیش کئے گئے اچھے اعمال بھی برے اعمال بھی، اچھے اعمال میں میں نے وہ تکلیف دہ چیز دیکھی جس کو راستے سے ہٹا دیا جائے، مطلب یہ کہ ہم راستے پر چل رہے ہیں کوئی چیز تکلیف دہ کاٹنا ہے کوئی جھاڑی ہے کوئی اور چیز جس سے آدمی ٹھوکر کھا سکتا ہے، جس کی بصارت کمزور ہو وہ پھسل سکتا ہے، کیلے کا چھلکا ہے غرضیکہ ایسی چیز جو تکلیف دہ ہو اس کو بھی میں نے اپنی امت کے اعمال میں پایا کہ وہ نیک اعمال میں لکھے گئے ہیں اور اللہ تعالیٰ چاہے تو کسی ایسے عمل پر بھی آدمی کی بخشش فرمادے اور برے اعمال کو میں نے دیکھا، اس وقت

آنحضرت ﷺ کے زمانے میں مسجد کجی تھی تو کسی شخص نے خلق سے بلغم نکالی اور ویسے پھینک دی اس کو بھی برے اعمال میں شمار کیا گیا، فرمایا کہ اس کو پھینک دیا گیا اور دفن نہیں کیا دفن کر دیتے۔

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ مسجد میں تشریف لائے تو قبلہ کی دیوار کی طرف کسی نے بلغم پھینکی ہوئی تھی، آنحضرت ﷺ نے کجور کی شاخ منگوائی اس کے ساتھ اس کو کھرچا اس کے بعد اس کو صاف کیا اور پھر مسجد کو دھونی دی، ہمارے یہاں تو مسجدیں کچی ہیں یہاں گنجائش نہیں کہ بلغم پھینک دی جائے، دریاں بھی کچھی ہوئی ہیں قالین کچھی ہوئی ہیں لیکن میرے بھائی دیوار قبلہ کی طرف پھیلتے ہیں یا ادھر سے کھڑکیوں کی طرف سے پھینک دیتے ہیں، بھائی یہ آدمیوں کی ضرورتیں ہیں تکلیف ہو جاتی ہیں، آپ کے پاس ٹوٹیاں موجود ہیں تھوکنے کے لئے وہاں جائیں یا کسی کے جیب میں کوئی کپڑا ہو اس سے صاف کر لے، بہر حال جس چیز کو دیکھ کر لوگوں کو نفرت اور کراہت ہوتی ہے، آپ غور فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ کو اس سے کتنی نفرت اور کراہت آتی ہوگی؟ تو آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی اُمت کے برے اعمال کو دیکھا، برے اعمال میں وہ بلغم بھی ہے جو پھینک دی جائے اور اس کو دفن نہ کیا جائے۔



أَبْوَابُ الطِّبِّ

علاج معالجه اور طب کے آداب

”طب“ کہتے ہیں علاج معالجے کو، اور اس کی دو قسمیں ہیں، ایک علاج معالجه دواؤں کے ذریعے، اور دوسرے دُعاؤں کے ساتھ۔ یہ دونوں قسمیں احادیث سے منقول ہیں، دوسری قسم کو ”جهاز پھونک“ یا عام زبان میں ”دُم دُرود“ کہا جاتا ہے۔ اور دوسری قسم معالجے کی ”نفس کا علاج معالجه“ ہے، یعنی نفسانی امراض کا علاج، اور یہی انبیائے کرام علیہم السلام کا اصل موضوع ہے۔ مگر آج کل عوام دوا دارو کو ”جسمانی علاج“ کہتے ہیں، اور دُم دُرود یا تعویذات کے ذریعے جو علاج کیا جاتا ہے، اس کو ”روحانی علاج“ کہتے ہیں، یہ بالکل غلط اصطلاح ہے۔ جیسا کہ میں اوپر بتا چکا ہوں، جسمانی بیماریوں کا علاج خواہ دوا دارو سے کیا جائے، تعویذ گنڈوں سے کیا جائے، جهاز پھونک سے کیا جائے، یا کسی اور ذریعے سے کیا جائے، یہ ”جسمانی علاج“ ہی کہلاتا ہے، اس کو ”روحانی علاج“ نہیں کہہ سکتے۔

بیماری میں پرہیز کرنے کا بیان

[حدیث: ۱۰۵۹] ”عَنْ أُمِّ الْمُثَنِّدِ قَالَتْ: دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَهُ عَلِيٌّ وَلَنَا ذَوَالِ مَعْلَقَةِ قَالَتْ: فَبَجَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُ وَمَعَهُ عَلِيٌّ يَأْكُلُ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَلِيٍّ: مَهْ مَهْ يَا عَلِيُّ! فَإِنَّكَ نَاقِدٌ قَالَ فَبَجَلَسَ عَلِيٌّ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُ، قَالَتْ:

فَجَعَلْتُ لَهُمْ سَلَقًا وَشَعِيرًا، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا عَلِيُّ! مِنْ هَذَا فَأَصَبْتَ فَإِنَّهُ أَوْفَقَ لَكَ۔“ (ترمذی ج: ۲ ص: ۲۳ ”باب ما جاء في الحنفية“)

ترجمہ: ”حضرت اُم منذر رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کرم اللہ وجہہ بھی تھے، اور ہمارے یہاں کھجور کے کچھ خوشے لٹک رہے تھے (جن میں کچھ پختہ کھجوریں ہوتی ہیں، کچھ نیم پختہ، تاکہ ہر شخص اپنے ذوق کے مطابق تناول کرے)۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے کھانے لگے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی کھانے لگے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: علی! اس کے کھانے سے باز رہو، کیونکہ تم بیماری سے اُٹھے ہو۔ (یعنی تمہاری طبیعت میں ابھی بھی نقاہت ہے) حضرت اُم منذر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ بیٹھ گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھاتے رہے۔ فرماتی ہیں: پھر میں نے ان کے لئے چھندہ اور جو ملا کر پکائے، پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے علی! اس میں سے کھاؤ! یہ تمہارے زیادہ موافق ہے۔“

تشریح: ”پرہیز“ جس کو عربی میں ”حنفیہ“ کہتے ہیں، خصوصاً بیمار کے لئے بہت ضروری چیز ہے، اس پرہیز کی حقیقت یہ ہے کہ جو چیز بیمار کے مزاج کے موافق نہ ہو، یا جس سے بیمار کی بیماری کے عود کرنے کا اندیشہ ہو، اس سے پرہیز کیا جائے۔ پرہیز، جیسا کہ مشہور ہے، سوداؤں کی ایک دوا ہے، اور یہ علاج معالجے کا اصل الاصول ہے، اگر آدمی ان تمام چیزوں سے بچتا رہے، جو صحت کے لئے نقصان دہ ہیں، اور مزاج کو فاسد کرنے والی ہیں، تو ان شاء اللہ وہ بڑی حد تک بیماریوں سے بچا رہے گا۔

[حدیث: ۱۰۶۰] ”عَنْ قَتَادَةَ بْنِ النُّعْمَانِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

قَالَ: إِذَا أَحَبَّ اللَّهُ عَبْدًا أَحْمَاهُ الدُّنْيَا، كَمَا يَظَلُّ أَحَدُكُمْ يَحْمِي سَقِيمَةَ الْمَاءِ۔“

(ترمذی ج: ۲ ص: ۲۴، ۲۵)

ترجمہ: ”حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ، حضرت قتادہ بن نعمان سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت فرماتے ہیں تو اس کو دنیا سے اس طرح بچاتے ہیں، جس طرح کہ تم میں سے ایک آدمی اپنے بیمار کو پانی سے بچایا کرتا ہے۔“

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دنیا میں تنگی اور ترشی پیش آنایہ بندے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی محبت کی علامت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں کو دنیا میں تکالیف پیش آتی ہیں، اور بعض اوقات تو اتنی

کالیف پیش آتی ہیں، اور دنیا کی اتنی تنگی ان کو لاحق ہوتی ہے کہ دیکھنے والوں کو ان پر ترس آنے لگتا ہے، بخلاف اس کے جو لوگ اللہ تعالیٰ کی نظر میں مبغوض اور ناپسندیدہ ہوتے ہیں، ان کو بظاہر دنیا کی راحت اور کشائش نصیب ہوتی ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَلَوْلَا أَنْ يَكُونَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً لَجَعَلْنَا لِمَنْ يَكْفُرُ بِالرَّحْمَنِ لِيُؤْثِرَهُمْ
سُقُطًا مِّنْ فِضَّةٍ وَمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُونَ ۝ وَلِيُؤْثِرَهُمْ أَبُوَابًا وَسُرْرًا عَلَيْهَا
يَتَكَبَّرُونَ ۝ وَزُخْرَفًا ۝ وَإِنْ كُلُّ ذَلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۝ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ مِّمَّا
رَبِّكَ بِالْمُتَّقِينَ ۝﴾ (الزخرف)

ترجمہ: ”اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تمام آدمی ایک ہی طریقے کے ہو جائیں گے، تو جو لوگ خدا کے ساتھ کفر کرتے ہیں، ہم ان کے لئے ان کے گھروں کی چھتیں چاندی کی کر دیتے، اور زینے بھی جن پر چڑھا کرتے، اور ان کے گھروں کے کواڑ بھی، اور تخت بھی جن پر تکیہ لگا کر بیٹھتے ہیں، اور سونے کے بھی، اور یہ سب کچھ بھی نہیں صرف دنیوی زندگی کی چند روزہ کامرانی ہے، اور آخرت آپ کے پروردگار کے ہاں خدا ترسوں کے لئے ہے۔“ (ترجمہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ)

آنحضرت ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: جس طرح تم میں سے ایک آدمی اپنے بیمار کو پانی سے بچاتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کو دنیا سے بچاتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعض امراض میں پانی مضر ہوتا ہے اور مریض کو اس سے بچانا ضروری ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ”جفینہ“ یعنی پرہیز، علاج معالجے کا اصل الاصول ہے، اس لئے مسلمانوں کو پرہیز کا بطور خاص اہتمام کرنا چاہئے، واللہ اعلم!

دوا کا بیان اور اس کی ترغیب

[حدیث: ۱۰۶۱] ”عَنْ أُسَامَةَ بْنِ شَرِيكَ قَالَ: قَالَتِ الْأَعْرَابُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَلَا تَنْدَاؤُى؟ قَالَ: نَعَمْ. يَا عِبَادَ اللَّهِ تَدَاوُوا، فَإِنَّ اللَّهَ لَمْ يَضَعْ دَاءً إِلَّا وَضَعَ لَهُ شِفَاءً - أَوْ قَالَ: دَوَاءً - إِلَّا دَاءً وَاحِدًا قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَوْ مَا هُوَ؟ قَالَ: الْمَهْرَمُ۔“

(ترمذی ج: ۲ ص: ۲۵) ”باب مَا جَاءَ فِي الدَّوَاءِ وَالْحَثِّ عَلَيْهِ“

ترجمہ: ”حضرت اُسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اعراب یعنی دیہاتوں

نے کہا: یا رسول اللہ! کیا ہم علاج معالجہ نہ کیا کریں؟ فرمایا: ہاں ضرور کیا کرو! اے اللہ کے بندو! علاج معالجہ کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نہیں رکھی کوئی بیماری، مگر اس کے لئے شفا رکھی ہے۔ یا فرمایا: دوا رکھی ہے۔ سوائے ایک بیماری کے۔ صحابہؓ چشم نے عرض کیا:

یا رسول اللہ! وہ کیا ہے؟ فرمایا: بڑھا پا!

تشریح: مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جو بیماری بھی پیدا کی ہے، اس کے لئے دوا بھی پیدا کی ہے، مگر ایک بیماری ایسی ہے کہ اس کا علاج نہیں، یعنی بڑھا پے کی بیماری۔ اور بعض روایات میں اس کی جگہ ”موت“ کا لفظ آیا ہے، کیونکہ بڑھا پے کا انجام بالآخر موت ہے، اس لئے بعض احادیث میں بڑھا پے کو اور بعض احادیث میں موت کو ذکر کیا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دوا اور علاج معالجہ کرنا مستحب ہے، لیکن یہ ضروری ہے کہ یقین رکھا جائے کہ دوا بھی موثر اور کارگر اسی وقت ہوتی ہے جبکہ اللہ کا حکم ہو، بغیر اذن اللہ کے موثر نہیں ہوتی۔ اور یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ علاج معالجہ قضا و قدر کے متافی نہیں، بلکہ وہ قضا و قدر کے ماتحت ہے، جب اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں علاج موثر ہو جاتا ہے، اور جب نہیں چاہتے تو ہزار تہ بیریں کر، علاج موثر نہیں ہوتا۔

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض لوگ جو کہا کرتے ہیں کہ: ”فلاں آدمی کا صحیح علاج نہیں کیا گیا، اس لئے وہ مر گیا“ یہ بیہودہ بات ہے، اگر اس کی صحت اور زندگی مقدر ہوتی، تو حق تعالیٰ شانہ اس کے اسباب بھی پیدا فرمادیتے۔

بیمار کو کیسی خوراک دی جائے؟

[حدیث: ۱۰۶۲] ”عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَخَذَ أَهْلَهُ الْوُعْكَ أَمَرَ بِالْحَسَاءِ فَضَنَعَتْ ثُمَّ أَمَرَهُمْ فَحَسَنُوا مِنْهُ، وَكَانَ يَقُولُ: إِنَّهُ لَيُزْنُو فَوَادِ الْخَزِينِ وَيَسْزُو عَنْ فَوَادِ الشَّقِيمِ كَمَا تَسْزُو الْإِخْدَاكُنِ الْوَسَخَ بِالنَّمَاءِ عَنْ وَجْهِهَا“ (ترمذی ج: ۲ ص: ۲۵ ”باب مَا جَاءَ مَا يَطْعَمُ الْمَرِيضُ“)

ترجمہ: ”اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ: آنحضرت ﷺ کے گھر میں کسی کو بخار ہوتا تو اس کے لئے ”حساء“ (یعنی پیلا سا شیرہ) کا حکم فرماتے، چنانچہ وہ تیار کیا جاتا تو آنحضرت ﷺ ان کو حکم فرماتے، وہ اس کو پیتے، اور آپ ﷺ فرماتے تھے کہ: یہ غمگین کے دل کو راحت دیتا ہے اور بیمار کے دل سے بیماری کے اثرات کو زائل کرتا ہے، جیسا کہ تم میں سے ایک (آدمی) میل کو پانی کے ساتھ اپنے چہرے سے

دور کرتا ہے۔“

تشریح: ”حساء“ کہتے ہیں اس پتلے سے کھانے کو جو آٹے، پانی اور گھی سے تیار کیا جاتا ہے، اور اس کو گھونٹ گھونٹ کر کے پیا جاتا ہے، اس لئے ہم نے اس کا ترجمہ پتلا شیرہ کیا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے بیماروں کو اور بخار والوں کو اس کے پلانے کا حکم فرمایا کہ اس سے ایک غمگین کے دل کو راحت ہوتی ہے، دوسرے بیمار کے دل سے بیماری کے اثرات زائل ہو جاتے ہیں، جیسا کہ چہرہ پانی سے دھویا جائے تو میل کچیل دور ہو جاتا ہے۔

وجہ اس کی... واللہ اعلم... یہ ہے کہ بالکل ہلکی پھلکی غذا ہوتی ہے، نہ تو اس سے پیٹ میں ثقل پیدا ہوتا ہے، نہ بیمار کی استزیاں خشک ہوتی ہیں، اس لئے بیمار کو ایسی ہلکی پھلکی غذا ضرور دینی چاہئے، بشرطیکہ اس کی طبیعت میں رغبت بھی ہو، ورنہ کھانے پر اس کو مجبور نہیں کرنا چاہئے جیسا کہ اگلی حدیث میں آتا ہے۔

بیمار کو اگر اس کا جی نہ چاہے تو کھانے پینے پر مجبور نہ کیا جائے

[حدیث: ۱۰۶۳] ”عَنْ غُفَّةِ بْنِ غَامِرٍ الْجَعْفَنِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تُكْرِهُوا مَرْضَاكُمْ عَلَى الطَّعَامِ، فَإِنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى يُطْعِمُهُمْ وَيَسْقِيهِمْ۔“

(ترمذی ج: ۲ ص: ۲۵) ”بَابُ مَا جَاءَ لَا تُكْرِهُوا مَرْضَاكُمْ عَلَى الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ“

ترجمہ: ”حضرت عقبہ بن عامر جعفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اپنے بیماروں کو کھانے پر مجبور نہ کیا کرو، کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ ان کو کھلاتے ہیں اور پلاتے ہیں۔“

تشریح: بیمار کو کھانے پینے کی رغبت نہیں ہوتی، اور گھر والے پریشان ہوتے ہیں کہ اگر یہ کھائے پئے گا نہیں تو کمزوری بڑھ جائے گی، اس حدیث شریف میں ان کی اصلاح فرمائی ہے کہ بیمار کو اگر کھانے پینے کی رغبت نہ ہو تو اس کو کھانے پینے پر مجبور نہ کیا جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کو کھلاتے اور پلاتے ہیں، یعنی ان کو صبر اور قوت عطا فرماتے ہیں، اور صبر اور قوت اللہ کی جانب سے ہے، کھانے پینے سے نہیں۔

راز اس کا یہ ہے کہ خوراک وہی جزو بدن بنتی ہے جس کی طبیعت کو رغبت ہو، جس کھانے کی طبیعت کو رغبت نہ ہو، وہ کھانا جزو بدن نہیں بنتا، بلکہ الناضف اور کمزوری کا سبب بنتا ہے، اور اس سے مرض میں اضافہ ہوتا ہے، اس لئے تا وقتیکہ طبیعت اعتدال پر نہ آجائے، اور از خود کھانے پینے کی رغبت پیدا نہ ہو، بیمار کو کھانے پر مجبور کرنا بے سود ہے، ہاں! اس کا علاج معالجہ ضرور کرنا چاہئے تاکہ بیماری کا بحر ان ختم ہو جائے اور کھانے

پینے کی رغبت پیدا ہو جائے۔

اور پھر جب کھانے پینے کی رغبت پیدا ہو جائے تو سب سے پہلے اس کو ایسی غذا دی جائے جو زود ہضم ہو، اور اس کے معدے کو زیادہ تعب نہ اٹھانا پڑے، چنانچہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا: ”علی ایہ کھجوریں نہ کھاؤ، اس لئے کہ تم بیماری سے اٹھے ہو“ اور جب چغندر اور جو کا مالیدہ پیش کیا گیا تو فرمایا: ”ہاں اسے کھاؤ یہ تمہارے موافق ہے!“

بہر حال بیمار جب بیماری سے اٹھے تو اس کی خوراک میں بھی تدریج کو ملحوظ رکھا جائے تا آنکہ اس کا معدہ خوراک کو قبول کرنے لگے، جب تک یہ صورت پیدا نہ ہو، اس کو مقوی دوائیں دینا بے کار ہے، واللہ اعلم!

کلوئی کے ساتھ علاج

[حدیث: ۱۰۶۳] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: عَلَيْكُمْ بِهَذِهِ الْحَبَّةِ السَّوْدَاءِ فَإِنَّ فِيهَا شِفَاءً مِنْ كُلِّ دَاءٍ إِلَّا الشَّامَ وَالسَّامَ: الْمَوْشَدَ“
(ترمذی ج: ۲ ص: ۲۵) ”باب ما جاء في الحبة السوداء“

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کالے دانے کو لازم پکڑو، کیونکہ اس میں شفا ہے ہر بیماری سے، سوائے بڑھاپے کے، اور بڑھاپا موت ہے۔“

تشریح: سیاہ دانہ کلوئی کو کہتے ہیں، ”مظاہر حق“ میں لکھا ہے کہ علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: یہ حدیث اگرچہ عام ہے کہ کلوئی میں ہر بیماری کی شفا ہے، لیکن یہ مخصوص ہے ان امراض کے ساتھ جو رطوبت و بلغم سے پیدا ہوتی ہیں، اس لئے کہ وہ حار اور یا بس ہے، پس ان امراض کو دفع کرتی ہے جو اس کی ضد ہیں۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ حدیث عموم پر محمول ہے، اور کلوئی ہر دوا میں شامل ہوتی ہے ترکیب کے ساتھ۔ علامہ کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: حدیث میں عموم متعین ہے، کیونکہ سام کا استثنا کیا گیا ہے۔ اور ”سفر السعادة“ کے مصنف نے کہا ہے کہ ایک جماعت اکابر سے منقول ہے کہ وہ تمام امراض کا معالجہ کلوئی سے کرتے تھے، اور بعض حضرات تمام امراض میں شہد استعمال کرتے تھے، بسبب کثرت حسن اعتقاد ان کے امراض دفع ہوتے تھے، واللہ اعلم!

بطور علاج معالجے کے اونٹوں کا پیشاب پینا

[حدیث: ۱۰۶۵] ”عَنْ أَنَسٍ أَنَّ نَاسًا مِنْ غَزِيَّةٍ قَدِمُوا الْمَدِينَةَ فَاجْتَرَوْهَا، فَبَعَثَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي إِبِلِ الصَّدَقَةِ وَقَالَ: اشْرَبُوا مِنْ أَلْبَانِهَا“

وَأَبْوَالِهَا۔“ (ترمذی ج: ۲ ص: ۲۵ ”باب مَا جَاءَ فِي شُرُوبِ أَبْوَالِ الْإِبِلِ“)

ترجمہ: ”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قبیلہ عرینہ کے کچھ لوگ مدینہ طیبہ آئے، پس یہاں کی آب و ہوا ان کو موافق نہ آئی، وہ پیٹ کی بیماری میں مبتلا ہو گئے، پس آنحضرت ﷺ نے ان کو باہر جنگل میں جہاں صدقے کے اونٹ چر رہے تھے، بھیجا، اور حکم دیا کہ ان کے پیشاب اور ان کے دودھ پیئیں۔“

تشریح: اس مسئلے میں ائمہ کا اختلاف ہے کہ اونٹوں کا پیشاب پاک ہے یا ناپاک؟ بہت سے حضرات ان کے پاک ہونے کے قائل ہیں، لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ان کا پیشاب ناپاک ہے، اور آنحضرت ﷺ کو غالباً بذریعہ وحی معلوم ہو گیا تھا کہ ان کے پیٹ کی بیماری کا علاج اسی سے ہو سکتا ہے، اس لئے آنحضرت ﷺ نے ان کے دودھ اور پیشاب پینے کا حکم فرمایا۔ یہاں تداویٰ بالحرام کا مسئلہ جاری ہوتا ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ حرام چیز کے ساتھ علاج کرنا صحیح نہیں الا یہ کہ مجبوری ہو، اور مجبوری کے لئے دو تین شرطیں ہیں۔ ۱:..... مسلمان متدین طبیب یہ فیصلہ کرے کہ سوائے اس حرام چیز کے اس بیماری کا کوئی علاج نہیں، ۲:..... دوم یہ کہ اس حرام چیز کے ساتھ علاج متوقع ہو، ۳:..... اگر اس ناپاک چیز سے بھی علاج کی توقع نہ ہو تو اس کا استعمال کرنا بے سود ہے، اور اگر کوئی حلال اور پاک چیز استعمال کے لئے مل سکتی ہو، تب بھی ناپاک چیز کو استعمال کرنا صحیح نہیں، واللہ اعلم!

زہر یا کسی اور چیز کے ساتھ خودکشی کرنے کا وبال

[حدیث: ۱۰۶۶] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَرَأَيْتَ أَزَاوَرَفَعَهُ قَالَ: مَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِخَدِيدَةٍ جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَخَدِيدَتُهُ فِي يَدِهِ يَتَوَخَّأُ بِهَا بَطْنُهُ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا أَبَدًا، وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِسِمَةٍ فَسِمَتُهُ فِي يَدِهِ يَتَخَسَّأُ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا أَبَدًا۔“

”عَنِ الْأَعْمَشِ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِخَدِيدَةٍ فَخَدِيدَتُهُ فِي يَدِهِ يَجْأُ بِهَا فِي بَطْنِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا، وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِسِمَةٍ فَسِمَتُهُ فِي يَدِهِ يَتَخَسَّأُ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا، وَمَنْ تَرَدَّى مِنْ جَبَلٍ فَقَتَلَ نَفْسَهُ فَهُوَ يَتَرَدَّى فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا۔“

(ترمذی ج: ۲ ص: ۲۵ ”باب مَا جَاءَ فِي مَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِسِمَةٍ أَوْ غَيْرِهَا“)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے (راوی کہتا ہے: میرا خیال ہے کہ اس

حدیث کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے: جس شخص نے اپنے آپ کو کسی ہتھیار کے ساتھ قتل کیا، وہ قیامت کے دن اس حالت میں آئے گا کہ اس کا ہتھیار اس کے ہاتھ میں ہوگا، اور وہ اس کو اپنے پیٹ میں گھونپ رہا ہوگا دوزخ کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ۔ اور جس شخص نے اپنے آپ کو قتل کیا زہر کھا کر، تو اس کا زہر اس کے ہاتھ میں ہوگا، وہ اس کو پیٹا رہے گا جہنم کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ۔

دوسری روایت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اپنے آپ کو ہتھیار کے ساتھ قتل کیا، پس اس کا ہتھیار اس کے ہاتھ میں ہوگا، وہ اس کو اپنے پیٹ میں گھونپتا رہے گا جہنم کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ۔ اور جس نے اپنے آپ کو قتل کیا زہر کھا کر، پس اس کا زہر اس کے ہاتھ میں ہوگا وہ اس کو پیٹا رہے گا دوزخ کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ۔ اور جس شخص نے کسی پہاڑ سے چھلانگ لگائی، پس وہ پہاڑ سے چھلانگ لگا رہے گا دوزخ کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ۔“

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خودکشی کبیرہ گناہ ہے، نعوذ باللہ! اور آدمی یہ سمجھتا ہے کہ وہ خودکشی کر کے چھوٹ جائے گا، حالانکہ وہ ہمیشہ کے لئے پکڑا گیا!

حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی یہ تاویل کی ہے کہ: ”خَالِدًا مُخَلَّدًا أَبَدًا“ کے الفاظ صحیح تر روایتوں میں نہیں ہیں، اور مسلمان دوزخ میں ہمیشہ نہیں رہیں گے، بلکہ وہ ایک وقت تک دوزخ میں سزا بھگتیں گے، پھر ان کو نکال لیا جائے گا۔ یہ تاویل صحیح ہے، اور اہل حق کا یہی عقیدہ ہے کہ اہل اسلام ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہیں گے۔ اور اس حدیث میں ”خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا أَبَدًا“ کے جو الفاظ آئے ہیں، یہ یا تو ان لوگوں کے لئے ہیں جو خودکشی کو جائز سمجھتے ہیں، اور یا تغلیظ پر محمول ہیں۔ بہر حال اللہ تعالیٰ اس گناہ کبیرہ سے پناہ میں رکھے!...

خبیث دوا سے علاج

[حدیث: ۱۰۶۷] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ الدَّوَاءِ الْخَبِيثِ. يَعْنِي السَّمَّ.“
(ترمذی ج: ۲ ص: ۲۵)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے خبیث دوا یعنی زہر سے۔“

تشریح: خبیث دوا کی تفسیر روایت میں زہر کے ساتھ کی گئی ہے، اس لئے یہ حدیث گویا پہلی

حدیث کا تہہ ہے، یا اس کی ہم معنی ہے، اور حضرت امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس پر مستقل باب نہیں باندھا، بلکہ اس کو عنوان بالا کے ذیل میں درج کیا ہے۔

جمہور علماء کے نزدیک دوا خبیث کے دو مطلب ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ ناپاک ہو، مثلاً شراب، حرام جانوروں کا گوشت وغیرہ، اور دوم یہ کہ جو ذائقے کے اعتبار سے مکروہ ہو، یعنی جو چکھنے میں قابل نفرت ہو، اور جس سے مریض کو جھر جھری آئے۔ پہلی صورت میں جبکہ دوائے خبیث سے حرام مراد ہو، یہ ممانعت تحریم کے لئے ہوگی، اور دوسری صورت میں جبکہ اس سے ناگوار دوا مراد ہو، یہ ممانعت شفقت کے طور پر ہوگی، یعنی مریض کو ایسی دوا نہ پلائی جائے جس کی کڑواہٹ اور اس کا بد ذائقہ ہونا مریض کی طبیعت کے لئے ناقابل برداشت ہو، واللہ اعلم!

نشہ آور چیز کے ساتھ علاج کرنا

[حدیث: ۱۰۶۸] ”عَنْ سَمَکَ أَنَّهُ سَمِعَ عَلْقَمَةَ بْنَ وَائِلٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ شَهِدَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسَأَلَهُ سُؤْيُدُ بْنُ طَارِقٍ أَوْ طَارِقُ بْنُ سُؤْيُدٍ عَنِ الْخَمْرِ فَتَنَاهُ عَنْهُ فَقَالَ: إِنَّا لَنَتَذَاوِي بِهَا، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّهَا لَيْسَتْ بِدَوَاءٍ، وَلَكِنَّهَا ذَاةٌ!“

(ترمذی ج: ۲ ص: ۲۵، ۲۶ ”باب ما جَاءَ فِي كُرْاهِيَةِ التَّذَاوِي بِالْمُسْكِرِ“)

ترجمہ: ”علقمہ بن وائل اپنے والد وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں موجود تھے، جبکہ سوید بن طارق نے یا طارق بن سوید نے شراب کے بارے میں پوچھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا، وہ کہنے لگے: ہم اس کے ذریعے علاج کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ دوائی نہیں، بلکہ بیماری ہے!“

تشریح: مطلب یہ کہ شراب کی لت لگ جانا، یہ خود ایک بیماری ہے، اور تداوی بالحرام کا مسئلہ اس سے پہلے زیر چکا ہے۔

سعوط وغیرہ کا بیان

[حدیث: ۱۰۶۹] ”عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ خَيْرَ مَا تَدَاوَيْتُمْ بِهِ السَّعُوطُ وَاللَّدُوذُ وَالْحِجَامَةُ وَالْمَسِيْءُ. فَلَمَّا اشْتَكَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَذَّةَ أَصْحَابِهِ، فَلَمَّا فَرَّغُوا قَالَ: لَذُوهُمْ! قَالَ:

فَلْيَدُوا كَلْبَهُمْ غَيْرَ الْغَبَاسِ۔“

(ترمذی ج: ۲ ص: ۲۶) ”باب ما جاء في السَّغُوطِ وَغَيْرِهِ“

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سب سے بہتر چیز جس کے ساتھ تم علاج کرو، وہ سغوط ہے (یعنی وہ دوا جو ناک میں ڈالی جاتی ہے)، اور لدود ہے (یعنی وہ دوا جو منہ کے اندر دینی حصے میں لگائی جاتی ہے)، اور حجامت ہے (یعنی پچھنے لگوانا)، اور مشی ہے (یعنی مسبل لینا)۔ جب آنحضرت ﷺ بیمار ہوئے تو آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کو لدود کیا، جب وہ لوگ فارغ ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: عباس کے سوا ان سب کا لدود کرو۔“

تشریح: یہ مرض الوفا کا قصہ ہے، چونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آنحضرت ﷺ سے سن رکھا تھا، اس لئے آپ ﷺ کی بیماری میں لوگوں نے آپ ﷺ کو بھی لدود کرنا چاہا، آپ ﷺ نے منع فرمایا، اور لوگوں نے سمجھا کہ بیمار کو دوا دارو سے نفرت ہوتی ہے، اس لئے منع فرما رہے ہیں، اس لئے آپ ﷺ کے منع کرنے کے باوجود دوائی آپ ﷺ کے منہ میں لگادی گئی، اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ: گھر میں جتنے لوگ موجود ہیں، اور وہ اس دوا لگانے میں شریک ہوئے ان سب کو لدود کیا جائے، لیکن حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اس سے مستثنیٰ کر لیا، یا تو اس وجہ سے کہ لدود کے موقع پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ موجود نہیں ہوں گے، اور اس میں ان کا مشورہ شامل نہیں ہوگا، یا ہو سکتا ہے کہ محض ان کے احترام کی وجہ سے ان کو مستثنیٰ کر دیا ہو، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ آپ ﷺ کا یہ معاملہ کرنا ازراہ شفقت تھا، محض انتقامی کارروائی نہیں تھی، کیونکہ آپ ﷺ کے منشاء عالی کے خلاف انہوں نے عمل درآمد کیا تھا، اس لئے اندیشہ تھا کہ ان پر کوئی آفت و مصیبت نازل نہ ہو جائے، واللہ اعلم! سغوط کے معنی ہیں: ناک میں دوائی چڑھانا۔ اور لدود کے معنی ہیں: منہ کے اندر دینی حصے میں دوائی ملنا۔ اور مشی کے معنی ہیں: مسبل، کیونکہ اس سے بار بار بیت الخلا جانے کی ضرورت پیش آتی ہے، واللہ اعلم!

[حدیث: ۱۰۷۰] ”عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

إِنَّ خَيْرَ مَا تَدَاوَيْتُمْ بِهِ اللَّدُّودُ وَالسَّغُوطُ وَالْحِجَامَةُ وَالْمَشْيُ، وَخَيْرُ مَا اكْتَحَلْتُمْ بِهِ الْإِثْمِدَ فَإِنَّهُ يَخْلُو الْبَصَرَ وَيَنْبِثُ الشَّعْرَ۔ وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَهُ مَكْحَلَةٌ يَكْتَحِلُ بِهَا عِنْدَ النَّوْمِ ثَلَاثًا فِي كُلِّ عَيْنٍ۔“

(ترمذی ج: ۲ ص: ۲۶)

ترجمہ: ”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: سب سے بہترین چیز جس کے ساتھ تم علاج کرو، وہ لدود ہے، سغوط ہے،

حجاست یعنی پچھنے لگانا ہے، مٹی یعنی مسہل لینا ہے، اور سب سے بہتر سرمہ جو تم آنکھوں کو لگاؤ، وہ اشد ہے، کیونکہ وہ نظر کو تیز کرتا ہے اور بالوں کو اگااتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: آنحضرت ﷺ کے یہاں ایک سرمہ دانی تھی جس کے ساتھ سوتے وقت آپ ﷺ سرمہ لگاتے تھے، تین سلائیاں ہر آنکھ میں۔“

تشریح: اس حدیث کا مضمون بھی وہی ہے جو اوپر کی حدیث کا ہے، اور اس میں اتنا اضافہ ہے کہ آپ ﷺ نے اشد سرمے کی تعریف فرمائی۔ اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ سوتے وقت ہر آنکھ میں سرمے کی تین سلائیاں لگاتے تھے۔

داغ دے کر علاج کرنا

[حدیث: ۱۰۷۱] ”عَنْ عُمَرَ بْنِ خُصَيْنٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الْكُمَى. قَالَ: فَإِنَّا لِنُتَا فَكُنْزَنَا فَمَا أَفْلَحْنَا وَلَا أَفْلَحْنَا.“

(ترمذی ج: ۲ ص: ۲۶ ”تاب ما جاء في كراهية القذاري بالكمي“)

ترجمہ: ”حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے داغ دینے سے منع فرمایا ہے۔ حضرت عمران رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: پھر ہم مبتلا ہوئے، ہم نے داغ لگایا تو ہمیں فلاح نصیب نہیں ہوئی، اور ہمیں کامیابی نصیب نہیں ہوئی۔“

[حدیث: ۱۰۷۲] ”عَنْ عُمَرَ بْنِ خُصَيْنٍ قَالَ: نَهَيْتَا عَنِ الْكُمَى.“

(ترمذی ج: ۲ ص: ۲۶)

ترجمہ: ”حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: ہمیں داغ دے کر علاج کرنے سے منع کیا گیا ہے۔“

تشریح: بعض بیماریوں میں لوہے کو گرم کر کے تکلیف کی جگہ لگایا جاتا ہے، یہ چونکہ بہت تکلیف دہ علاج ہے، اس لئے آنحضرت ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ عربوں کا مشہور مقولہ ہے: ”آخر الدواء الكي“ یعنی آخری علاج داغ دینا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عام حالات میں یہ علاج نہیں کرنا چاہئے۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما بہت اونچے درجے کے صحابی ہیں، ان کو ناسور ہو گیا تھا، اور آنحضرت ﷺ نے ان کو منع فرمایا کہ داغ دینے کا علاج نہ کریں، کیونکہ آنحضرت ﷺ کو باعلام الہی علم ہو گیا تھا کہ یہ علاج کارگر نہیں ہوگا، چنانچہ جب ان کی تکلیف میں شدت ہوئی تو بعض اطباء کے مشورے سے انہوں نے داغ دینے کا علاج کیا، مگر وہ کامیاب نہیں ہوا، اس لئے فرماتے ہیں کہ: ہم مبتلا ہوئے، ہم نے داغ لگایا تو

ہمیں کامیابی نصیب نہیں ہوئی۔

داغ دینے کے علاج کی اجازت

[حدیث: ۱۰۷۳] ”عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَمَ كُؤَى سَعْدَ بْنِ

زُرَّارَةَ مِنَ الشُّوْكَهْ“ (ترمذی ج: ۲ ص: ۲۶ ”باب ما جاء في الرخصة في ذلك“)

ترجمہ: ”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ

کو داغ دیا تھا شوکہ بیماری سے۔“

تشریح: ”شوکہ“ ایک بیماری ہے جس میں جسم میں موٹے موٹے دانے ہو جاتے ہیں، اور پورے جسم کو مبتلائے اذیت کر دیتے ہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ داغ کے ساتھ علاج کرنا جائز ہے، اور اوپر کی حدیث میں جو اس سے ممانعت آئی ہے، وہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی خصوصیت ہے، تاہم اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی اور علاج کارگر نہ ہو تو مجبوری کی حالت میں داغ کے ساتھ علاج کرنا جائز ہے، واللہ اعلم!

پچھنے لگانے کا بیان

[حدیث: ۱۰۷۴] ”عَنْ أَنَسٍ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْتَجِمُ

فِي الْأَخْدَعَيْنِ وَالْكَاهِلِ، وَكَانَ يَخْتَجِمُ لِسَبْعِ عَشْرَةَ وَتِسْعِ عَشْرَةَ وَاحْدَى

وَعِشْرِينَ“ (ترمذی ج: ۲ ص: ۲۶ ”باب ما جاء في الحجامة“)

ترجمہ: ”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ پچھنے لگواتے تھے اخدعین

میں (یعنی گردن کی دونوں جانب کی رگوں میں)، اور کندھے میں، اور پچھنے لگاتے تھے

سترہ، انیس، اور اکیس تاریخ کو۔“

تشریح: آنحضرت ﷺ سے پچھنے لگانا بہت سے موقعوں پر ثابت ہے، اور یہ جو تاریخیں اس کی مقرر کی گئی ہیں... واللہ اعلم... اس کی وجہ یہ ہے کہ ان تاریخوں میں خون میں جوش زیادہ ہوتا ہے۔

[حدیث: ۱۰۷۵] ”عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: حَدَّثَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ عَنْ لَيْلَةِ أُسْرَى بِهِ أَنَّهُ لَمْ يَمْرُ عَلَى مَلَأٍ مِنَ الْمَلَأِ كَمَا إِلَّا أَمْرُوهَ أَنْ مَرَّ

أَفْثَكَ بِالْحِجَامَةِ“ (ترمذی ج: ۲ ص: ۲۶)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شب

معراج کے بارے میں بتایا کہ آپ ﷺ ملائکہ کی جس جماعت کے پاس سے گزرے، انہوں نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ: آپ اپنی امت کو چھپنے لگانے کا حکم کیجئے!“
تشریح: اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ چھپنے لگانا صحت کے لئے مفید ہے، کیونکہ معراج کی مبارک رات اور ملائکہ کا اس کے بارے میں مشورہ دینا یہ اس کی عمدگی اور خوبی کو ظاہر کرتا ہے۔

[حدیث: ۱۰۷۶] ”قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: قَالَ نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: نِعْمَ الْعَبْدُ الْخَجَامُ يَذُوبُ الدَّمُ وَيَخْفُفُ الصُّلْبُ وَيَجْلُو عَنِ الْبَصَرِ۔ وَقَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَنَّ عَرَجَ بِهِ مَا مَرَّ عَلَى مَلَأَمِنَ الْمَلَائِكَةِ إِلَّا قَالُوا: عَلَيْكَ بِالْحِجَامَةِ! وَقَالَ: إِنَّ خَيْرَ مَا تَخْتَجِمُونَ فِيهِ يَوْمَ سَبْعِ عَشْرَةَ وَيَوْمَ تِسْعِ عَشْرَةَ وَيَوْمَ إِحْدَى وَعِشْرِينَ۔ وَقَالَ: إِنَّ خَيْرَ مَا تَذَوِّبُهُم بِهِ السَّخُونُ وَاللَّدْوُ وَالْحِجَامَةُ وَالْمَشْيُ۔ وَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَذَا الْعَبَّاسِ وَأَصْحَابَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ لَذَنِي؟ فَكَلَّمَهُمْ أَمْسَكُوا، فَقَالَ: لَا يَنْفَقِي أَحَدٌ مِمَّنْ فِي الْبَيْتِ إِلَّا لَذَّ غَيْرِ عَمِّهِ الْعَبَّاسِ۔ قَالَ التَّنْظُرُ: اللَّدْوُ ذَلُّ الْوَجُوزِ۔“
(ترمذی ج: ۲ ص: ۲۶)

ترجمہ: ”حضرت عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے تین غلام چھپنے لگانے والے تھے، ان میں سے دو تو دوسروں کے چھپنے لگا کر غلہ لایا کرتے تھے، اور ایک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ان کے گھر والوں کو چھپنے لگایا کرتا تھا۔ عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ: آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: چھپنے لگانے والا غلام بہت اچھا ہے، خون (کی زیادتی) کو دور کر دیتا ہے، کمر کو ہلکا کر دیتا ہے، اور نظر کو روشن کر دیتا ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ بھی فرمایا کہ: آنحضرت ﷺ جب معراج کے لئے تشریف لے گئے تو ملائکہ کی جس جماعت کے پاس سے بھی گزرے، انہوں نے یہ مشورہ ضرور دیا کہ چھپنے لگایا کرو۔ اور آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: سب سے بہتر دن جس میں تم چھپنے لگاؤ وہ سترہ تاریخ، انیس تاریخ، یا اکیسویں تاریخ کا دن ہے۔ اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا: بے شک سب سے بہتر چیز جس کے ساتھ تم علاج کرو، وہ ”سعو“ ہے (یعنی ناک میں دو کو چڑھانا)، اور ”لدو“ ہے (یعنی دوائی منہ میں لگانا)، اور چھپنے لگانا ہے، اور سبیل لینا ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ کو (جب آپ ﷺ بیمار ہوئے) حضرت عباس اور ان کے رفقاء (رضی اللہ عنہم) نے

لدود کیا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: مجھے کس نے لدود کیا ہے؟ وہ سب کے سب خاموش رہے، پس ارشاد فرمایا کہ: گھر میں جتنے لوگ ہیں، ان میں سے ایک بھی باقی نہ رہے جس کو لدود نہ کیا جائے، سوائے عباس کے۔ نصرؓ کہتے ہیں کہ: لدود کے معنی وہ دوا جو منہ کے درمیان میں ڈالی جائے۔“

تشریح: اس حدیث کے متعدد مضامین گزشتہ احادیث میں گزر چکے ہیں، ابن عباسؓ کے تین غلام بچنے لگانے والے تھے، ان میں سے دو کمائی کر کے لاتے تھے، یعنی لوگوں کے بچنے لگا کر ان کی اجرت وصول کرتے، اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو وہ اجرت دیتے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بچنے لگانا اور اس کی اجرت وصول کرنا جائز ہے۔

اس سے پہلے آپکا ہے کہ حضرت عباسؓ کو لدود سے مستثنیٰ فرمانا محض ان کے احترام کی وجہ سے تھا، کیونکہ چچا بمنزلہ باپ کے ہے، اور باقی گھر کے تمام لوگوں کو لدود کرنے کا حکم دینا اس لئے تھا کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کی منائے مبارک کے خلاف آپ ﷺ کو لدود کیا تھا، تو ان کو لدود کرنے کا حکم بطور شفقت کے تھا، تاکہ آنحضرت ﷺ کی ایذا رسانی کی وجہ سے ان پر عذاب نازل نہ ہو، واللہ اعلم!

مہندی کے ساتھ علاج کرنا

[حدیث: ۱۰۷۷] ”عَنْ عَلِيِّ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ جَدِّهِ (سَلَمَى) وَكَانَتْ تُغْلَمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ: مَا كَانَ يَكُونُ بِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَحًا وَلَا نَكَبًا إِلَّا أَتَوْنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أَضَعَ عَلَيْهَا الْخِضَاءَ“
(ترمذی ج: ۲ ص: ۲۶ ”باب ما جاء في الخِضَاءِ“)

ترجمہ: ”آنحضرت ﷺ کی ایک خادمہ فرماتی ہیں کہ: آنحضرت ﷺ کو کوئی زخم ہو جاتا، کوئی چوٹ وغیرہ لگتی تو رسول اللہ ﷺ مجھے حکم فرماتے کہ میں اس پر مہندی لگاؤں۔“

تشریح: آنحضرت ﷺ کی یہ خادمہ سلمیٰ حضرت ابورافعؓ کی اہلیہ ہیں۔ کسی چوٹ یا زخم پر مہندی لگانے کا حکم دینا اس بنا پر تھا کہ اس کی تاثیر ٹھنڈی ہے اور خشک ہے، اس لئے زخم جلدی بھر جاتا ہے اور درد کو سکون ملتا ہے۔

جھاڑ پھونک کا ناپسندیدہ ہونا

[حدیث: ۱۰۷۸] ”عَنْ عَقَّارِ بْنِ الْمُعِيزَةِ بْنِ شُعْبَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ

اللہ صَلَّی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّم: مَنِ اسْتَوَىٰ اَوْ اسْتَوَىٰ فِی فَقْدَ بَرٍّ مِّنَ التَّوَكُّلِ۔“

(ترمذی ج: ۲ ص: ۲۶ ”باب ما جاء فی کواہیة الزُّفِیة“)

ترجمہ: ”حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس شخص نے داغ لگایا جھاڑ پھونک کی، وہ توکل سے بڑی ہو گیا۔“

تشریح: داغ لگانے کا بیان اس سے پہلے آچکا ہے، اور جھاڑ پھونک کے بارے میں دو قسم کی احادیث آتی ہیں، بعض سے جھاڑ پھونک کی کراہت معلوم ہوتی ہے، جیسا کہ زیر بحث حدیث سے معلوم ہوتا ہے، اور بعض احادیث سے اس کی اجازت اور رخصت معلوم ہوتی ہے، جیسا کہ اگلے باب سے معلوم ہوتا ہے، ان دونوں کے درمیان تطبیق چند وجوہ سے دی گئی ہے:

۱:..... جو جھاڑ پھونک کہ عربی زبان میں نہ ہو اور اس کے الفاظ کا مفہوم واضح نہ ہو، اس کا کرنا جائز نہیں، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس میں شرکیہ مضامین ہوں۔

۲:..... جو جھاڑ پھونک کہ اللہ تعالیٰ کے کلام، یا اس کے اسماء و صفات یا آسمانی کتب کے الفاظ سے ہو، وہ جائز ہے، اور دوسرے الفاظ میں کراہت ہے۔

۳:..... جو شخص جھاڑ پھونک کو قطعی طور پر نافع سمجھتا ہو، اور اس پر کامل بھروسہ رکھتا ہو، اس کے حق میں مکروہ ہے اور جو شخص ایسا نہ ہو، اس کے حق میں کراہت نہیں، واللہ اعلم!

جھاڑ پھونک کی اجازت کے بیان میں

[حدیث: ۱۰۷۹] ”عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَخَّصَ فِي الزُّفِیةِ مِنَ الْخَمْعةِ وَالْعِینِ وَالْتَمَلَةِ۔“

عَنْ أَنَسٍ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَخَّصَ فِي الزُّفِیةِ مِنَ الْخَمْعةِ وَالْتَمَلَةِ۔“

عَنْ عُمَرَ بْنِ حُصَيْنٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا زُفِیةَ إِلَّا مِنْ عِینٍ أَوْ خَمْعةٍ۔“ (ترمذی ج: ۲ ص: ۲۷ ”باب ما جاء فی الزُّفِیة فی ذلک“)

ترجمہ: ”حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین چیزوں کی جھاڑ پھونک کے بارے میں اجازت دی، ۱:..... کسی زہریلے جانور کا کاٹ لینا، ۲:..... نظر لگ جانا، ۳:..... اور پیادوں میں دانے نکل آنا۔

دوسری روایت میں صرف دو چیزوں کا تذکرہ ہے، یعنی زہریلے جانور کا

کاٹ لیتا، اور پہلو میں دائے نکل آتا۔

تیسری روایت میں ارشاد فرمایا کہ: جھاڑ پھونک نہیں مگر نظر لگ جائے یا کسی

جانور کے کاٹ لینے سے۔“

تشریح: باب سابق کے ذیل میں یہ تفصیل گزر چکی ہے، جھاڑ پھونک کے سلسلے میں احادیث مختلف

وارد ہیں، بعض سے جواز معلوم ہوتا ہے، اور بعض سے ممانعت، اور دونوں قسم کی احادیث کے درمیان وجہ جمع بھی وہاں گزر چکی ہے۔

مُعَوَّذ تین کے ساتھ جھاڑ پھونک کا بیان

[حدیث: ۱۰۸۰] ”عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

يَتَعَوَّذُ مِنَ الْجَانِّ وَغَيْرِ الْإِنْسَانِ حَتَّى تَزُلْهُ الْمُعَوَّذَاتَانِ، فَلَمَّا نَزَلْنَا أَخَذَ بِهِمَا

وَتَوَكَّعَ مَا سِوَاهُمَا۔“ (ترمذی ج: ۲ ص: ۲۷۰ ”باب مَا جَاءَ فِي الزُّفْيَةِ بِالْمُعَوَّذَتَيْنِ“)

ترجمہ: ”حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جنوں سے اور

انسان کی نظر بد سے پناہ مانگا کرتے تھے، یہاں تک کہ مُعَوَّذ تین نازل ہوئیں، پس

جب یہ دونوں سورتیں نازل ہوئیں تو آپ ﷺ نے ان کو لے لیا اور ان کے ماسوا کو

ترک کر دیا۔“

تشریح: مطلب یہ کہ آنحضرت ﷺ تعوذ میں یہ کلمات کہتے تھے کہ: ”میں جنوں سے پناہ لیتا

ہوں اور انسان کی نظر بد سے پناہ لیتا ہوں“، یعنی اگر کسی پر جنات کے اثر کا شبہ ہوتا تو اس سے پناہ مانگتے تھے،

اور کسی کے بارے میں نظر بد لگنے کا شبہ ہوتا تو اس سے پناہ مانگتے تھے۔ جب قرآن کریم کی دو آخری سورتیں

جن کو ”مُعَوَّذ تین“ کہتے ہیں، نازل ہوئیں تو آپ ﷺ نے ان کو اختیار کر لیا اور باقی تمام رُقیہ چھوڑ دیئے،

اس لئے کہ یہ دونوں سورتیں رُقیہ کے باب میں جامع ترین سورتیں ہیں، اور ان سے بہتر اور افضل جھاڑ

پھونک کے لئے کوئی چیز نہیں!...

نظر کو جھاڑنے کا بیان

[حدیث: ۱۰۸۱] ”أَنَّ أَسْمَاءَ بِنْتَ عُمَيْسٍ قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنَّ وَلَدَ

جَعْفَرٍ تَنَسَّرَ إِلَيْهِمُ الْعَيْنُ أَفَأَسْتَشْرِقِي لَهُمْ؟ قَالَ: نَعَمْ! فَإِنَّهُ لَوْ كَانَ شَيْءٌ سَابِقَ

الْقَدَرِ لَسَبَقَتْهُ الْعَيْنُ۔“ (ترمذی ج: ۲ ص: ۲۷۰ ”باب مَا جَاءَ فِي الزُّفْيَةِ مِنَ الْعَيْنِ“)

ترجمہ: ”عبید بن رفاعہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے عرض

کیا: یا رسول اللہ! جعفر کے بچوں کو نظر بہت جلدی لگتی ہے، کیا ان کے لئے نظر جھڑوا لیا کروں؟ فرمایا: ہاں! بے شک بات یہ ہے کہ اگر کوئی چیز تقدیر سے آگے نکل سکتی تو نظر اس سے آگے نکل جاتی۔“

تشریح: یعنی اگر اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر کے بغیر کوئی چیز مہلک یا مضر ہو سکتی تو وہ نظر ہو سکتی تھی، لیکن اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر کے بغیر کوئی چیز نافع یا مضر نہیں۔ یہ بات آنحضرت ﷺ نے اس لئے فرمائی تاکہ نظر کی تاثیر سے لوگ محفوظ ہو جائیں اور لوگوں کی نظر سے بچنے کا پورا اہتمام کریں۔

جھاڑ پھونک کے جامع کلمات

[حدیث: ۱۰۸۲] ”عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُوذُ بِالْحَسَنِ وَالْخَسَنِ يَقُولُ: أَعِيذُكُمْ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ وَمِنْ كُلِّ غَيِّبٍ لَآمَةٍ وَيَقُولُ: هَكَذَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَعُوذُ إِسْحَاقُ وَإِسْمَاعِيلُ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ“ (ترمذی ج: ۲ ص: ۲۷)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو ان کلمات کے ساتھ دم کیا کرتے تھے: ”أَعِيذُكُمْ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ وَمِنْ كُلِّ غَيِّبٍ لَآمَةٍ“ (میں تم دونوں کو اللہ تعالیٰ کے کامل کلمات کی پناہ میں دیتا ہوں، ہر شیطان اور جن بھوت سے اور ہر نظر چھونے والی سے)۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ: اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسحاق اور حضرت اسماعیل علیہم السلام کو دم کیا کرتے تھے۔“

تشریح: ”اللہ تعالیٰ کے کامل کلمات“، یعنی اللہ تعالیٰ کے کلام میں کوئی نقص اور عیب نہیں۔ اور بعض نے کہا کہ: اللہ تعالیٰ کے کامل کلمات کا یہ مطلب ہے کہ ان کی پناہ لینے والے کو نفع دیتے ہیں۔ ”شَیْطَانٍ وَهَامَّةٍ“ اس سے مراد ہیں: جن، بھوت، جن کا بیان آگے ہوتا ہے۔ ”وَمِنْ كُلِّ غَيِّبٍ لَآمَةٍ“ اس سے مراد ہے ایسی نظر جو انسان کو جلدی لگنے والی ہو، اور مراد اس سے یہ ہے کہ آدمی کو اس سے ایک قسم کا جنون لاحق ہو جائے۔

نظر برحق ہے، اور نظر اُتارنے کے لئے اعضا کا دھونا

[حدیث: ۱۰۸۳] ”عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ قَالَ: ثَبِي حَيْثُ بَنِي خَابِسِ النَّجْمِيِّ ثَبِي أَبِي أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: لَا شَيْءَ فِي الْهَامِ وَالْغَيْنِ

”حق۔“ (ترمذی ج: ۲ ص: ۲۷۰ ”باب مَا جَاءَ أَنَّ الْعَيْنَ حَقٌّ وَالْفَسَلُ لَهَا“)

ترجمہ: ”حید بن حابس تمیمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: مجھ سے میرے والد ماجد رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ: ہام میں کوئی چیز نہیں، اور نظر برحق ہے۔“

تشریح: ”ہام کوئی چیز نہیں“ کہتے ہیں کہ: ”ہام“ ایک پرندے کا نام ہے جو رات کو اڑتا ہے۔ اور بعضوں نے کہا کہ: یہ آٹو ہے، اور وہ لوگ ”ہام“ سے محسوس پکڑا کرتے تھے۔ کہا گیا ہے کہ: عرب یہ گمان کرتے تھے کہ جس مقتول کا بدلہ نہ لیا جائے اس کی روح آٹو بن جاتی ہے اور ہمیشہ یہ کہتی رہتی ہے کہ: ”مجھے پلاؤ، مجھے پلاؤ“ اور جب اس کا بدلہ لے لیا جائے تو اڑ جاتی ہے۔ بعضوں نے کہا کہ: وہ لوگ گمان کرتے تھے کہ میت کی ہڈیاں اور بعض کہتے تھے کہ: اس کی روح آٹو بن جاتی تھی اور وہ اس کا نام ”صدی“ رکھتے تھے، اسلام نے اس کی نفی فرمائی اور اس سے منع فرمایا۔

[حدیث: ۱۰۸۳] ”عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

لَوْ كَانَ شَيْءٌ مِثْلَ الْقَدَرِ لَسَبَقْتَهُ الْعَيْنُ، وَإِذَا اسْتَفْسَلْتُمْ فَأَغْسِلُوا۔“

(ترمذی ج: ۲ ص: ۲۷۰)

ترجمہ: ”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر کوئی چیز ایسی ہوتی کہ تقدیر سے آگے نکل سکتی تو نظر آگے نکل جاتی، اور جب تم سے دھونے کے لئے کہا جائے تو دھو دیا کرو۔“

تشریح: یہ مضمون تو پہلے آچکا ہے کہ کوئی چیز تقدیر سے آگے نہیں نکل سکتی، یعنی جو کچھ ہوتا ہے حق تعالیٰ کی تقدیر کے ساتھ ہوتا ہے، اور اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ کوئی چیز تقدیر سے آگے نکل سکتی ہے تو نظر کا لگنا تقدیر سے آگے نکل سکتا تھا، لیکن یہ محال ہے۔ خلاصہ یہ کہ بغیر تقدیر الہی کے کوئی چیز مؤثر نہیں ہوتی۔

”اور جب تم سے دھونے کے لئے کہا جائے تو دھو دیا کرو“ یعنی جس کو نظر لگ گئی ہو، جب وہ مطالبہ کرے کہ جس کی نظر کی گئی ہوئی ہے وہ اپنے اعضا کو دھو کر دیدے تو اس کو اس کی بات مان لینی چاہئے۔ کہتے ہیں کہ: اہل عرب کی عادت میں سے یہ تھا کہ جب کسی کو کسی کی نظر لگتی تو جس کی نظر لگتی اس کے پاس پانی کا پیالہ لایا جاتا، اس میں وہ اپنا ہاتھ رکھتا، اس میں کلی کرتا، پھر وہ کلی اس پیالے میں ڈال دیتا، پھر اس میں اپنا چہرہ دھوتا، پھر دایاں ہاتھ دھوتا، پھر بایاں ہاتھ دھوتا، پھر اپنے ازار کے نیچے کے حصے کو دھوتا، اور وہ پانی اس پر ڈالا جاتا جس کو نظر لگی ہے۔

فائدہ: ”مظاہر حق“ میں ہے کہ: امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ: نظر لگانے والے کے وضو کا طریقہ

علماء کے نزدیک اس طرح ہے کہ پانی کا پیالہ لایا جائے اور اس پیالے کو زمین پر نہ رکھا جائے، پھر نظر لگائے والا ایک چٹو لے کر کلی کرے اور کلی پیالے میں ڈالے، پھر اس سے پانی لے اور اس سے اپنا منہ دھوئے، پھر بائیں ہاتھ سے پانی لے اور اس سے داہنی ہتھیلی دھوئے، پھر دائیں ہاتھ سے پانی لے اور اس سے بائیں ہتھیلی دھوئے، پھر بائیں ہاتھ سے پانی لے اور اس سے داہنی کہنی دھوئے، پھر داہنے ہاتھ سے پانی لے اور اس سے بائیں کہنی دھوئے، اور اس چیز کو نہ دھوئے جو کہسیوں اور ہتھیلیوں کے درمیان ہے، پھر داہنا قدم دھوئے، پھر بایاں، پھر داہنا گھٹنا دھوئے، پھر بایاں، یہ سب اس پیالے میں دھوئے، پھر تہبند کے اندر کے اعضاء کو دھوئے، جب سب دھو چکے تو جس کو نظر لگی ہے اس پر پیچھے سے پانی ڈالے۔ اس طرح کے معالجات اسرار اور حکمتوں میں سے ہیں کہ عقل ان کے دریافت کرنے سے عاجز ہے۔۔۔!

جھاڑ پھونک یا تعویذ پر اجرت لینا

[حدیث: ۱۰۸۵] ”عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ: بَعَثَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَرِيَّةٍ فَنَزَلْنَا بِقَوْمٍ فَسَأَلْنَاهُمْ الْقِرَىٰ فَلَمْ يَقْرُوا، فَلَدَغَ سِنْدُهُمْ فَأَتَوْنَا فَقَالُوا: هَلْ فِيكُمْ مَنْ يَقْرِي مِنَ الْعُقُوبِ؟ قُلْتُ: نَعَمْ أَنَا! وَلَكِنْ لَا أُرْقِيهِ حَتَّىٰ تَغْطُوا غَنَمًا. قَالَ: فَإِنَّا نَغْطِيكُمْ ثَلَاثِينَ شَاةً! فَقَبِلْنَا فَقَرَأْتُ عَلَيْهِ الْحَمْدَ لِلَّهِ سَبْعَ مَرَّاتٍ فَبَرَأَ أَوْ قَبِضْنَا الْعَنَمَ. قَالَ: فَعَرَّضَ فِي أَنْفُسِنَا مِنْهَا شَيْءٌ، فَقُلْنَا: لَا تَعْبَحُوا حَتَّىٰ تَأْتُوا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. قَالَ: فَلَمَّا قَدِمْنَا عَلَيْهِ ذَكَرْتُ لَهُ الَّذِي صَنَعْتُ، قَالَ: وَمَا عَلِمْتَ أَنَّهَا رَقِيَّةٌ؟ أَقْبِضُوا الْعَنَمَ وَاضْرِبُوا إِلَيَّ مَعَكُمْ بِسَنَمٍ.“ (ترمذی ج: ۲ ص: ۲۷۷ ”باب ما جاء في أخذ الأجر على التعويذ“)

ترجمہ: ”حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سریرہ میں بھیجا، پس ہم ایک قوم کے پاس اترے، پس ہم نے ان سے مہمانی طلب کی، لیکن انہوں نے ہماری مہمانی نہیں کی۔ پھر ان کے سردار کو پچھو نے کاٹ لیا، وہ لوگ ہمارے پاس آئے اور کہا کہ: کیا تم میں کوئی آدمی ہے جو پچھو کے کانٹے کی جھاڑ پھونک کرتا ہو؟ میں نے کہا: ہاں! میں جانتا ہوں، لیکن اس کو جھاڑ پھونک نہیں کروں گا جب تک تم ہمیں بکریاں نہیں دیتے۔ اس نے کہا کہ: میں تم کو تیس بکریاں دوں گا! ہم نے یہ بکریاں قبول کر لیں، پس میں نے اس پر سورۃ فاتحہ سات مرتبہ پڑھی، وہ ٹھیک ہو گیا، اور بکریاں ہم نے وصول کر لیں۔ پھر ہمارے جی میں اس سے کچھ کھٹکا پیدا ہوا،

ہم نے کہا کہ جلد بازی نہ کرو یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور میں نے آپ ﷺ سے اس چیز کا تذکرہ کیا جو میں نے کیا تھا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: تجھے کیسے معلوم ہوا کہ یہ ”رُقیہ“ ہے؟ بکریاں وصول کرو اور اپنے ساتھ میرا بھی حصہ لگاؤ! امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: امام شافعی رحمہ اللہ نے معلوم کو یہ رخصت دی ہے کہ وہ تعلیم قرآن پر اجرت لے۔“

[حدیث: ۱۰۸۶] ”عَنْ أَبِي سَعِيدٍ أَنَّ نَاسًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَزُوا بِحَيٍّ مِنَ الْعَرَبِ فَلَمْ يَقْرَوْهُمْ وَلَمْ يُصَيِّفُوهُمْ، فَأَشْتَكَى سَيِّدُهُمْ فَأَتَوْا فَقَالُوا: هَلْ عِنْدَكُمْ دَوَاءٌ؟ قُلْنَا: نَعَمْ! وَلَكِنْكُمْ لَمْ تَقْرَوْنَا وَلَمْ تُصَيِّفُونَا، فَلَا نَفْعَ لِحَتِي تَجْعَلُوا لَنَا جُمْلًا، فَجَعَلُوا عَلَيَّ ذَلِكَ قَطِيعًا مِنْ غَنَمٍ فَجَعَلَ رَجُلٌ مِنْهُمْ يَقْرَأُ عَلَيْهِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَبُرَّأَ فَلَمَّا أَتَيْنَا النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَكَرْنَا ذَلِكَ لَهُ قَالَ: وَمَا يَذْرِيكُمْ أَنَّهَا رُفِيَّةٌ؟ وَلَمْ يَذْكُرْ نَهْيًا مِنْهُ، وَقَالَ: كُلُوا وَاضْرِبُوا إِلَى مَعَكُمْ بِسَهْمٍ!“ (ترمذی ج: ۲، ص: ۲۷، ۲۸)

ترجمہ: ”حضرت ابوسعید خدری رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے صحابہ کرام میں سے کچھ لوگ عرب کے ایک قبیلے کے پاس سے گزرے، پس انہوں نے ان کی مہمانی اور ضیافت نہیں کی، پھر ان کے سردار کو تکلیف ہوگئی، پس وہ ہمارے پاس آئے، کہنے لگے تمہارے پاس کوئی دوا ہے؟ ہم نے کہا: جی ہاں! لیکن تم نے ہماری مہمانی اور ہماری ضیافت نہیں کی، پس ہم علاج نہیں کریں گے جب تک کہ تم ہماری مزدوری مقرر نہ کرو۔ پس انہوں نے اس پر بکریوں کا ریوڑ دینا طے کیا، پس ہم میں سے ایک آدمی اس پر سورۃ فاتحہ پڑھتا رہا، پس وہ ٹھیک ہو گیا، پھر جب ہم نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ہم نے آپ ﷺ کی خدمت میں اس کا تذکرہ کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: تجھے کیا خبر تھی کہ یہ جھاڑ پھونک ہے؟ اور اس سے ممانعت ذکر نہیں فرمائی، اور فرمایا: کھاؤ اور اپنے ساتھ میرا بھی حصہ رکھو!“

تشریح: یہ حدیث متعدد مسائل و فوائد پر مشتمل ہے:

۱:..... صحابہ کرام رحمہم نے اس قبیلے کے لوگوں سے ضیافت و مہمانی طلب کی، اس لئے کہ مسافروں کی خدمت کرنا مکرم اخلاق میں سے ہے، اور خصوصاً اہل عرب مہمان نوازی میں بہت مشہور تھے۔ یہاں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ آدمی بھوکا اور ضرورت مند ہو تو اس کے لئے یہ جائز ہے کہ بستی

والوں سے کھانے کی فرمائش کرے۔

۲:..... ان لوگوں نے چونکہ حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مہمانی نہیں کی، اس لئے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو یہ جواب دیا کہ ہمیں دمِ زور و داور جھاڑ پھونک تو آتی ہے، مگر چونکہ تم لوگوں نے ہماری مہمانی نہیں کی، اس لئے ہم بغیرِ اُجرت کے جھاڑ پھونک نہیں کریں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر وہ لوگ ان حضرات کی مہمانی کرتے تو ان حضرات کو ان سے اُجرت وصول کرنے کا خیال پیدا نہ ہوتا۔

۳:..... جھاڑ پھونک پر اُجرت لینا جائز ہے، اور اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔ اس حدیث شریفہ سے اس کا جواز معلوم ہوا، چنانچہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث پر جو عنوان قائم کیا ہے وہ بھی یہی ہے یعنی: ”تعویذ پر اُجرت لینا جائز ہے۔“

۴:..... اس حدیث شریفہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سورۃ فاتحہ رُقیہ ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سورۃ کو ”سورۃ الشفاء“ فرمایا ہے، اور باذن اللہ یہ تمام امراض کے لئے مفید ہے، چنانچہ خواہ کوئی بیماری ہو، سورۃ فاتحہ پڑھ کر دم کیا جائے تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے شفا عطا فرمائیں گے۔

۵:..... اس صحابی نے سورۃ فاتحہ کو سات مرتبہ پڑھا، اس سے یہ معلوم ہوا کہ اقل درجہ تین دفعہ پڑھنا ہے اور اعلیٰ درجہ سات مرتبہ پڑھنا ہے۔

۶:..... صحابی کا اس کو رُقیہ سمجھنا بطورِ اجتہاد کے تھا، اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ”تجھے کیسے معلوم ہوا کہ یہ رُقیہ ہے؟“

۷:..... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ: ”کھاؤ اور اپنے ساتھ میرا حصہ بھی لگاؤ!“ یہ حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دل جوئی کے لئے تھا، تاکہ ان کے دل میں کسی قسم کا کھنگانہ نہ رہے۔

۸:..... جیسا کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے تعلیمِ قرآن پر اُجرت کا لینا جائز قرار دیا ہے، نیز ایک حدیث میں آیا ہے:

”إِنْ أَحَقَّ مَا أَخَذْتُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا كَتَابَ اللَّهُ“

اس حدیث سے بھی یہ اخذ کیا گیا ہے کہ کتاب اللہ پر اُجرت لینا جائز ہے، اور جو حضرات اس کے خلاف رائے رکھتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ بطورِ دوا کے قرآن کریم کا پڑھنا تو صحیح ہے، اور اس کی اُجرت لینا بھی جائز ہے، لیکن بطورِ عبادت کے قرآن کریم کا پڑھنا یا پڑھانا جبکہ محض ثواب کی نیت سے ہو، اس پر اُجرت لینا صحیح نہیں، واللہ اعلم!

۹:..... اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رُقیہ اور جھاڑ پھونک یا دوا دار و تقدیر کے خلاف نہیں، بلکہ وہ بھی تقدیر کے ماتحت ہے، واللہ اعلم!

جھاڑ پھونک اور دواؤں کا بیان

[حدیث: ۱۰۸۷] ”عَنْ أَبِي خُرَامَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَرَأَيْتَ زُفَى نَسَخَرْتُ فِيهَا دَوَائِي نَعْدَاوِي بِهِ وَثِقَاةَ نَفَقِيهَا هَلْ تَرُدُّ مِنْ قَدْرِ اللَّهِ شَيْئًا؟ قَالَ: هِيَ مِنْ قَدْرِ اللَّهِ!“

(ترمذی ج: ۲ ص: ۲۸ ”باب ما جاء في الزُفَى والأذوية“)

ترجمہ: ”حضرت ابو خرامہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ: میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ: یا رسول اللہ! یہ ارشاد فرمائیے کہ ہم جو جھاڑ پھونک کرواتے ہیں اور جو دوا دارو دکر داتے ہیں، اور کوئی پرہیز اور بچاؤ کرتے ہیں، کیا یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں سے کسی چیز کو نال دیتی ہیں؟ فرمایا: یہ بھی اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں شامل ہیں!“

تشریح: مطلب یہ کہ جھاڑ پھونک ہو یا دوا دارو ہو یا پرہیز اور بچاؤ ہو، یہ سب اللہ کی تقدیر میں داخل ہے، اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے تو جھاڑ پھونک کا، دوا دارو کا، علاج معالجے کا اور بچاؤ کا سامان بھی پیدا کر دیتے ہیں، اور اللہ کو منظور نہیں ہوتا تو آدمی چاہے جتنے علاج معالجے کرتا رہے اور دوا دارو کرتا رہے، کچھ نفع نہیں ہوتا۔ ایک حدیث کا مضمون یہ ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے بیماری کے درمیان اور دوائی کے درمیان پردہ رکھا ہے، جب اللہ تعالیٰ کو شفا دینا منظور ہوتا ہے، اس پردے کو ہٹا دیتے ہیں، اور دوائی اثر کرتی ہے، اور اگر شفا منظور نہیں ہوتی تو اس پردے کو نہیں ہٹاتے، اب جتنی چاہو دوائیں کرتے رہو، وہ مؤثر نہیں ہوں گی۔ الغرض یہ سمجھنا کہ دوا دارو سے اللہ کی تقدیر ٹل جاتی ہے، یہ غلط ہے، الایہ کہ وہ خود تقدیر کا حصہ بن جائے، جیسا کہ اوپر کی روایت میں ہے، واللہ اعلم بالصواب!

کھمبی اور عجوبہ کا بیان

[حدیث: ۱۰۸۸] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الْعَجْوَةُ مِنَ الْجَنَّةِ! وَفِيهَا شِفَاءٌ مِنَ السَّمِّ، وَالْكَنْهَاءُ مِنَ الْمَنِّ! وَمَاؤها شِفَاءٌ لِلْعَيْنِ!“

(ترمذی ج: ۲ ص: ۲۸ ”باب ما جاء في الكنهاء والعجوة“)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: عجوبہ جنت سے ہے! اور اس میں شفا ہے زہر سے۔ اور کھمبی من سے ہے! اور اس کا پانی آنکھ کے لئے شفا ہے۔“

تشریح: ”کھمبی“ رتلی زمین میں خود بخود پیدا ہوتی ہے، اور اس کو سالن کے طور پر پکایا جاتا ہے۔ اور ”عجوة“ مدینہ طیبہ کی کھجوروں میں ایک خاص قسم کی کھجور ہے، جو عام طور پر سیاہی مائل ہوتی ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ آنحضرت ﷺ کے دست مبارک سے لگی ہے، اور یہ مدینہ کی کھجوروں میں سب سے بہترین کھجور ہے۔ عجوة کے کھانے سے سحر کا دفع ہوتا اور زہر کا جاتے رہنا اس کی خاصیت ہے، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ آنحضرت ﷺ کی دعا کی برکت ہے۔ اور کھمبی کا من سے ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ جو من بنی اسرائیل پر نازل ہوتا تھا (وہ ترنجبین طرح کی ایک چیز ہوتی تھی یعنی میٹھی)۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ جس طرح بغیر محنت و مشقت کے بنی اسرائیل پر من نازل ہوتا تھا، ایسے ہی بغیر محنت و مشقت کے کھمبی پیدا ہوتی ہے، گویا یہ وہ چیز ہے جس کا اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے بندوں پر انعام فرمایا ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ: کھمبی کو من کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، کیونکہ یہ بغیر کلفت کے حاصل ہوتی ہے اور اس کو کاشت نہیں کرنا پڑتا اور بیج نہیں ڈالنا پڑتا، واللہ اعلم!

[حدیث: ۱۰۸۹] ”عَنْ سَعِيدِ بْنِ زَيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:

الْكُمَامَةُ مِنَ الْمَنِّ وَمَاؤُهَا شِفَاءٌ لِلْعَيْنِ۔“ (ترمذی ج: ۲ ص: ۲۸)

ترجمہ: ”حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کھمبی من سے ہے، اور اس کا پانی آنکھ کے لئے شفا ہے۔“

تشریح: کھمبی کا من سے ہونا، اس کی تشریح اوپر گزر چکی۔ اور اس کے پانی کا آنکھ کے لئے شفا ہونا، اس کا مطلب یہ ہے کہ کھمبی کے پانی کو پھونکا جائے اور کسی شیشی میں بند کر لیا جائے، اور سلامتی کے ساتھ آنکھ میں لگایا جائے، جیسا کہ آگے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے تین پانچ یا سات کھمبیاں لی تھیں اور ان کو کچل کر ان کا پانی نکالا اور اسے شیشی میں بند کر لیا، ان کی لونڈی آنکھ کی مریض تھی، وہ اس پانی کو لونڈی کی آنکھوں میں لگاتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اس کو شفا عطا فرمادی۔ صرف خالص پانی کے ساتھ شفا ہو گئی یا پانی میں کوئی اور دوائی بھی ڈالی گئی؟ اس میں علماء کے دونوں قول ہیں، لیکن حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کھمبی کا پانی لگایا گیا اور اس کے ساتھ کوئی اور چیز نہیں ملائی گئی، واللہ اعلم!

[حدیث: ۱۰۹۰] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ نَاسًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوا:

الْكُمَامَةُ خَذَرِيٌّ الْأَوْصِي۔ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

الْكُمَامَةُ مِنَ الْمَنِّ وَمَاؤُهَا شِفَاءٌ لِلْعَيْنِ وَالْعَجْوَةُ مِنَ الْجَنَّةِ وَهِيَ شِفَاءٌ مِنَ

السَّمِّ۔“ (ترمذی ج: ۲ ص: ۲۸)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کچھ حضرات نے آنحضرت ﷺ

کے صحابہؓ سے کہا کہ: کھمبی زمین کی چپک ہے، پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: کھمبی من سے ہے، اور اس کا پانی آنکھ کے لئے شفا ہے، اور عجمہ جنت سے ہے اور یہ زہر سے شفا ہے۔“

تشریح: ”کھمبی زمین کی چپک ہے“ یہ بعض صحابہ کرامؓ کو شبہ ہوا تھا، کیونکہ خاص موسموں میں کھمبی بکثرت آگتی ہے، جس طرح کہ بچوں کو چپک نکل آتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کے اس شبہ کا ازالہ فرمایا کہ یہ کھمبی قابل مذمت چیز نہیں جیسا کہ تم نے سمجھا ہے، بلکہ یہ لائق مدح چیز ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے اس کے ذریعے سے اپنے بندوں پر احسان فرمایا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اس کو ترجمین کے ساتھ تشبیہ دی جو بنی اسرائیل کے لئے آسمان سے نازل ہوتا تھا، یہ بغیر کاشت کے، بغیر بوج کے، بغیر سیراب کرنے کے محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے پیدا ہو جاتی ہے اور اس میں نقصان نہیں بلکہ شفا ہی شفا ہے۔

[حدیث: ۱۰۹۱] ”عَنْ قَتَادَةَ قَالَ: حَدَّثْتُ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: أَخَذْتُ فَلَاحَةً أَكْمُوْ أَوْ خُمْسًا أَوْ سَبْعًا فَعَصَرْتُهِنَّ فَبَعَلْتُ مَاءَهُنَّ فِي قَارُورَةٍ فَكَحَلْتُ بِهِ جَارِيَةً لِيْ فَبَسَرَتْ۔“ (ترمذی ج: ۲ ص: ۲۸)

ترجمہ: ”حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں کہ: مجھے بتایا گیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ: میں نے تین یا پانچ یا سات کھمبیاں لیں، پس ان کو نچوڑا، پھر ان کا پانی ایک شیشی میں ڈال لیا، پس میں وہ اپنی ایک لونڈی کے لگایا کرتا تھا، پس وہ ٹھیک ہو گئی۔“

[حدیث: ۱۰۹۲] ”عَنْ قَتَادَةَ قَالَ: حَدَّثْتُ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: الشُّونِيزُ دَوَاءٌ مِنْ كُلِّ دَاءٍ إِلَّا السَّامَ۔ قَالَ قَتَادَةُ: يَأْخُذُ كُلُّ يَوْمٍ إِحْدَى وَعِشْرِينَ حَبَّةً فَيَجْعَلُهُنَّ فِي خِرْقَةٍ فَلْيَنْقَعَهُ فَيَسْعَطُ بِهِ كُلَّ يَوْمٍ فِي مَنْعَرِهِ الْأَيْمَنِ قَطْرَتَيْنِ وَفِي الْأَيْسَرِ قَطْرَةً، وَالثَّانِي فِي الْأَيْسَرِ قَطْرَتَيْنِ وَفِي الْأَيْمَنِ قَطْرَةً، وَالثَّالِثُ فِي الْأَيْمَنِ قَطْرَتَيْنِ وَفِي الْأَيْسَرِ قَطْرَةً۔“ (ترمذی ج: ۲ ص: ۲۸)

ترجمہ: ”حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں کہ: مجھے بتایا گیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ: کلونجی موت کے سوا ہر بیماری کی دوا ہے۔ قتادہؓ کہتے ہیں کہ: کلونجی کے استعمال کا طریقہ یہ ہے کہ روزانہ اکیس دانے لئے جائیں، ان کو کسی کپڑے میں باندھ کر پانی میں بھگو دیا جائے، پس روزانہ اس کے ساتھ دائیں نٹھنے میں دو قطرے اور بائیں میں ایک قطرہ ڈالے، اور دوسری مرتبہ بائیں میں دو قطرے اور دائیں میں

ایک قطرہ، اور تیسری مرتبہ دائیں میں دو قطرے اور بائیں میں ایک قطرہ۔“
 تشریح: بعض حضرات فرماتے ہیں کہ کلونجی کا استعمال کسی اور دوائی کے ساتھ ملا کر ہونا چاہئے، تبہا نہیں۔ لیکن آنحضرت ﷺ نے اس کو شفا فرمایا، اس لئے کوئی شبہ نہیں کہ حسن اعتقاد کے ساتھ اگر کوئی شخص صرف کلونجی کے دانے استعمال کر لیا کرے تو باذن اللہ اس کو شفا حاصل ہوگی۔

کاہن کی اجرت کا بیان

[حدیث: ۱۰۹۳] ”عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ثَمَنِ الْكَاهِنِ وَمَهْرِ الْبَغِيِّ وَخُلُوانِ الْكَاهِنِ۔“

(ترمذی ج: ۲ ص: ۲۸ ”باب ما جاء في أجر الكاهن“)

ترجمہ: ”حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: منع فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کتے کی قیمت لینے سے، اور زانیہ کی اجرت سے، اور کاہن کی شیرینی سے۔“

تشریح: کسی زمانے میں کتا پالنے کی مطلقاً ممانعت تھی، ظاہر ہے کہ اس صورت میں کتے کی خرید و فروخت بھی جائز نہیں ہوگی، لیکن بعد میں کتے کے ساتھ نفع حاصل کرنے کی اجازت دے دی گئی، چنانچہ مروی ہے کہ کسی آدمی نے شکاری کتا قتل کر دیا تھا تو آنحضرت ﷺ نے چالیس درہم کا فیصلہ فرمایا، اور موسیٰ بن یونس کی گھبانی کے لئے کتا رکھا گیا، اس کو کسی نے قتل کر دیا تو اس کے بدلے میں زکیرا دینے کا فیصلہ فرمایا (ذکرہ ابن الملک، انتہی کلامہ فی المرقاة)۔

دوسری چیز جس کی ممانعت فرمائی وہ بدکار عورت کی اجرت ہے، اس لئے کہ زنا حرام ہے، تو اس کی اجرت بھی حرام ہوگی۔

تیسری چیز کاہن کی شیرینی ہے، ”کاہن“ اس شخص کو کہتے ہیں جو مختلف ذرائع سے مستقبل کی خبریں معلوم کر کے لوگوں کو بتاتا ہے، کبھی جنات سے مدد لیتا ہے، کبھی اندازے اور قیاس کو استعمال کرتا ہے، اور اس کی اجرت کو شیرینی کہا جاتا ہے، کیونکہ وہ پہلے وصول کر لیتا ہے۔ اور مستقبل کی خبریں معلوم کرنا اور ان پر یقین کرنا حرام ہے، کیونکہ غیب کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے، اور یہ لوگ محض آنت خٹ باتیں تراش کر لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔

کسی چیز کے لٹکانے کے مکروہ ہونے کے بیان میں

[حدیث: ۱۰۹۴] ”عَنْ عِيْسَى وَهُوَ ابْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى قَالَ:

دَخَلْتُ عَلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَكِيمٍ أَبِي مَعْبُدٍ الْجُهَنِيِّ أَعُوذُ بِهِ خَمْرًا، فَقُلْتُ: أَلَا

تَعْلَقُ شَيْئًا؟ قَالَ: الْمَوْتُ أَقْرَبُ مِنْ ذَلِكَ! قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ تَعْلَقَ شَيْئًا وَكَلَّ إِلَيْهِ۔“ (ترمذی ج: ۲ ص: ۲۸ ”باب مَا جَاءَ فِي كَوَافِيَةِ التَّغْلِيْقِ“)
ترجمہ: ”حضرت عیسیٰ بن عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ: میں حضرت عبد اللہ بن عکیم ابو معبد جعفیؓ کی خدمت میں عیادت کے لئے گیا، اور ان کو مرضی کا مرض تھا، میں نے کہا: کوئی چیز لٹکا نہیں لیتے؟ فرمایا: موت اس سے زیادہ قریب ہے! جو شخص کسی چیز کو لٹکا لیتا ہے وہ اسی کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔“

تشریح: صحابہؓ و تابعینؓ اور ان کے بعد کے حضرات کا اس میں اختلاف ہے کہ جن تعویذات میں قرآن کریم کی آیات یا حق تعالیٰ شانہ کے اسماء و صفات مذکور ہوں، ان کو لٹکا نا صحیح ہے یا نہیں؟ ایک جماعت کا قول ہے کہ یہ صحیح ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاصؓ اسی کے قائل تھے، اور حضرت عائشہؓ سے جو کچھ مروی ہے اس کا ظاہر بھی یہی ہے۔ یہی امام جعفر باقرؓ کا قول ہے، اور یہی امام احمدؓ کی ایک روایت ہے۔ اور حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی ایک روایت میں جو آتا ہے: ”ان الرُّقَى والتمائم والتولدة شرک“ یہ ان تعویذات پر محمول ہے جن میں شرکیہ الفاظ ہوں، واللہ اعلم!

بخار کو پانی کے ساتھ ٹھنڈا کرنے کے بیان میں

[حدیث: ۱۰۹۵] ”عَنْ عُبَايَةَ بْنِ رِفَاعَةَ عَنْ جَدِّهِ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: الْخُمُيْ فَوْزٌ مِنَ النَّارِ فَأَبْرِذُوا هَا بِالْمَاءِ۔“

(ترمذی ج: ۲ ص: ۲۸ ”باب مَا جَاءَ فِي تَنْبِيْهِ الْخُمِيِّ بِالْمَاءِ“)

ترجمہ: ”حضرت رافع بن خدیجؓ سے روایت ہے کہ نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا کہ: بخار جہنم کے جوش کی وجہ سے ہے، پس اس کو پانی کے ساتھ ٹھنڈا کرو!“

[حدیث: ۱۰۹۶] ”عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ الْخُمُيْ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ فَأَبْرِذُوا هَا بِالْمَاءِ۔“ (ترمذی ج: ۲ ص: ۲۸، ۲۹)

ترجمہ: ”حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ: بخار جہنم کی تپش کے پھیلنے سے ہے، پس اس کو پانی کے ساتھ ٹھنڈا کرو!“

تشریح: بخار کی بعض قسموں میں حرارت اتنی شدید ہوتی ہے گویا آدمی آگ میں جل رہا ہے، اس لئے آنحضرتؐ نے ان کو ٹھنڈا کرنے کا حکم فرمایا۔ آج کل کے ڈاکٹر بھی اس علاج کو مفید بتاتے ہیں کہ اگر بخار شدید ہو جائے تو بدن پر ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھی جائیں۔ حضرت اقدس مولانا محمود حسن شیخ الہندؒ

کا واقعہ ہے کہ ان کو شدید بخار تھا، کنویں پر آ کر بیٹھ گئے اور طالب علموں سے فرمایا کہ: کنویں سے ڈول نکال کر ڈالیں۔ حضرت کو شدت کی کچکی تھی لیکن مسلسل پانی ڈلواتے رہے، یہاں تک کہ بخار کا جوش ختم ہو گیا، اور اللہ تعالیٰ نے شفا عطا فرمائی۔ یہاں یہ بات یاد رہنی چاہئے کہ یہ ہر بخار کا علاج نہیں، اس لئے حکیم، ڈاکٹر کے مشورے کے بغیر یہ عمل نہ کیا جائے۔

بخار اتارنے کا نبوی دم

[حدیث: ۱۰۹۷] ”عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَغْلِمُهُمْ مِنَ الْحُمَّى وَمِنْ الْأَوْجَاعِ كُلِّهَا أَنْ يَقُولَ: بِسْمِ اللَّهِ الْكَبِيرِ أَعُوذُ بِاللَّهِ الْعَظِيمِ مِنْ شَرِّ كُلِّ عِزْقٍ نَعَّارٍ وَمِنْ شَرِّ حَرِّ النَّارِ۔“
ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ ان کو بخار سے اور تمام دردوں سے شفا یابی کے لئے یہ دُعا سکھاتے تھے: ”بِسْمِ اللَّهِ الْكَبِيرِ أَعُوذُ بِاللَّهِ الْعَظِيمِ مِنْ شَرِّ كُلِّ عِزْقٍ نَعَّارٍ وَمِنْ شَرِّ حَرِّ النَّارِ“ (اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑی شان والا ہے، میں پناہ لیتا ہوں اللہ عظمیٰ والے کی ہر اونچا اٹھنے والی رگ کے شر سے اور آگ کی گرمی کے شر سے)۔“

تشریح: یہ بخار اتارنے کا دم ہے، جس کو اس یقین کے ساتھ پڑھا جائے کہ اللہ تعالیٰ اپنی کبریائی اور عظمت کے ساتھ اس بخار کو اور اس درد کو رفع کر دیں گے۔ اوپر کی حدیث میں بخار کو ٹھنڈے پانی کے ساتھ ٹھنڈا کرنے کا حکم ہے، اور اس حدیث میں اس کو ٹھنڈا کرنے کی دُعا سکھائی گئی ہے، اس لئے دونوں کو جمع کر لینا چاہئے، واللہ اعلم!

ذات الجنب کی دوا کے بیان میں

[حدیث: ۱۰۹۸] ”عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَنْعَثُ الزَّيْتِ وَاللُّوزِ مِنْ ذَاتِ الْجَنْبِ۔ قَالَ قَتَادَةُ: وَيَلْدُ مِنَ الْجَنْبِ الَّذِي يَشْتَكِيهِ“
ترجمہ: ”حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ تعریف فرمایا کرتے تھے زیتون کی اور درس کی۔ قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: اور لدود کیا جائے اس جانب سے جس میں تکلیف ہو۔“

[حدیث: ۱۰۹۹] ”سَمِعْتُ زَيْدَ بْنَ أَرْقَمٍ قَالَ: أَمَرَ نَازِلُ الْمَلَأِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ أَنْ تَقْدَأُوهُ مِنْ ذَاتِ الْجَنْبِ بِالْقُسْطِ الْبَحْرِيِّ وَالزَّيْتِ۔

(ترمذی ج: ۲ ص: ۲۹)

ترجمہ: ”دوسری روایت میں ہے کہ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ہمیں حکم فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہ ہم علاج کریں ذات الجنب کا قسط بحری یعنی عود ہندی کے ساتھ اور زیتون کے ساتھ۔“

تشریح: ”ذات الجنب“ پہلو کے درد کو کہتے ہیں، اور اس کی دو قسمیں ہیں، ایک حقیقی، دوسرا عرفی۔ حقیقی تو وہ وزم ہے جو پسلیوں میں پیدا ہو جاتا ہے، یا جس کو گردے کا درد کہتے ہیں، اس کی وجہ سے پہلو میں شدید درد اٹھتا ہے، اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے اور عرفی وہ ریاحی درد ہے جو اندرون اعضاء میں پیدا ہوتا ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اس پر اعتراض کیا بعض ان لوگوں نے جن کے دل میں نفاق کی بیماری ہے، پس انہوں نے کہا کہ: اطباء اس بات پر اتفاق رکھتے ہیں کہ ذات الجنب کا علاج عود ہندی کے ساتھ، باوجودیکہ اس میں شدید حرارت ہوتی ہے، شدید خطرناک ہے۔ مازری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: ان کا یہ قول کھلی جاہلیت ہے، اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”بلکہ انہوں نے جھٹلایا اس چیز کو کہ انہوں نے نہیں احاطہ کیا اس کے علم کا۔“ اور جالینوس وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ ”قسط یعنی عود ہندی سینے کے درد میں نفع دیتی ہے، اور بعض قدیم اطباء نے کہا ہے کہ: اس کو استعمال کیا جاتا ہے جہاں ضرورت ہو کہ باطن بدن سے اخلاط کو ظاہر کی طرف جذب کیا جائے، اور اس سے باطل ہو جاتا ہے وہ خیال جو اس معترض لحد نے ظاہر کیا (طبی شرح مشکوٰۃ، حاشیہ ترمذی)۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ذات الجنب کی تفسیر ”سل“ (ٹی، بی) کے ساتھ کی ہے، اور ”سل“ کہتے ہیں اس بیماری کو جس میں پیچھے پھنزوں میں زخم ہو جاتا ہے اور خون کی قے آنے لگتی ہے، مگر ذات الجنب کی یہ تفسیر معروف نہیں ہے، بلکہ معروف وہی ہے جو اوپر ذکر کی گئی، واللہ اعلم بالصواب!

دردوں کا دم

[حدیث: ۱۱۰۰] ”عَنْ غَفْمَانَ بْنِ أَبِي الْعَاصِ أَنَّهُ قَالَ: أَتَانِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبِي وَجَعٌ قَدْ كَانَ يَهْلِكُنِي فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: امْسُخْ بِمِوْنِكْ سِنْعَ مَرَاتٍ وَقُلْ: أَعُوذُ بِعِزَّةِ اللَّهِ وَقُدْرَتِهِ وَسُلْطَانِهِ مِنْ شَرِّ مَا أَجِدُ قَالَ: فَقَعَلْتُ فَأَذْهَبَ اللَّهُ مَا كَانَ بِي، فَلَمْ أَزَلْ أَفِيهِ أَهْلِي وَغَيْرَهُمْ۔“

(ترمذی ج: ۲ ص: ۲۹)

ترجمہ: ”حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: آنحضرت ﷺ میرے پاس تشریف لائے، مجھے اتنا شدید درد تھا کہ قریب تھا کہ مجھے ہلاک کر دے۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: اپنے دائیں ہاتھ سے درد کی جگہ کو سات دفعہ ملو اور یہ دعا پڑھو: ”أَعُوذُ بِعِزَّةِ اللَّهِ وَقُدْرَتِهِ وَسَلْطَانِهِ مِنْ شَيْءٍ مَا أَجِدُ“ (میں اللہ کی عزت اور اس کی قدرت اور اس کی سلطنت کی پناہ لیتا ہوں اس چیز کے شر سے جو میں پاتا ہوں) حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: پس میں نے آنحضرت ﷺ کے ارشاد کے مطابق عمل کیا، پس اللہ تعالیٰ نے میری وہ تکلیف دور فرمادی جو مجھے لاحق تھی، پس میں ہمیشہ اپنے گھر والوں کو اور دوسرے لوگوں کو اس کا حکم دیتا رہتا ہوں۔“

تشریح: آنحضرت ﷺ نے جو دعا تلقین فرمائی، وہ تمام دردوں کی گویا شفا ہے، اور اس میں اللہ تعالیٰ کی عزت و قدرت اور اس کی سلطنت کا واسطہ دے کر تمام تکالیف سے پناہ مانگی گئی ہے، اور سات مرتبہ ہاتھ پھیرنا اور دعا پڑھنا اس کی تاثیر کے لئے موزوں اور مفید ہے۔

سنا کے بیان میں

[حدیث: ۱۱۰۱] ”عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ غُمَيْسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَأَلَهَا: بِمَا بَسْتُمْ نَفْسَينِ؟ قَالَتْ: بِالشَّيْءِ! قَالَ: حَازَ جَاذُ! قَالَتْ: ثُمَّ اسْتَمْشَيْتِ بِالشَّيْءِ! فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَوْ أَنَّ شَيْئًا كَانَ فِيهِ شِفَاءٌ مِنَ الْمَوْتِ لَكَانَ فِي الشَّيْءِ۔“ (ترمذی ج: ۲ ص: ۲۹ ”باب فاجاء فی الشئ“)

ترجمہ: ”حضرت اسماء بنت غمیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے دریافت کیا کہ: تم کس چیز کے ساتھ مسہل لیتی ہو؟ انہوں نے کہا: شبرم کے ساتھ! فرمایا: بہت گرم ہے! حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: پھر میں نے مسہل لیا سنا کے ساتھ تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر کوئی ایسی چیز ہوتی جس میں موت سے شفا ہوتی تو سنا میں ہوتی۔“

تشریح: ”شبرم“ ”ش“ کے ضمہ کے ساتھ اور ”را“ کے ساتھ، جنوں کے مشابہ دانے ہوتے ہیں، جن کو پکا کر دوائی کے لئے پیسا جاتا ہے، اور آنحضرت ﷺ کا ارشاد فرمانا ”حَازَ جَاذُ“ پہلا ”ج“ کے ساتھ اور دوسرا ”ج“ کے ساتھ، اور یہ بطور اس کی تاکید کے ہے، مطلب یہ کہ یہ دوا بہت گرم ہوتی ہے، اس لئے اس کا استعمال نہیں کرنا چاہئے۔ اور ”سنا“ کو عام طور پر ”سناکی“ کہا جاتا ہے، گویا یہ مکہ مکرمہ کی طرف منسوب ہے،

تشریح: ”تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹ بولتا ہے“ یہاں یہ بات یاد رہنی چاہئے کہ یہ حجاز کے طور پر استعمال فرمایا، کیونکہ جھوٹ بولنا اقوال کے ساتھ مخصوص نہیں، پس اس کے بھائی کے پیٹ کو شہد سے نفع نہ ہونا اس کو جھوٹ فرمایا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فِيهِ شَفَاءٌ لِّلنَّاسِ﴾ (اس میں لوگوں کے لئے شفا ہے)۔ اور بعض نے یہ سمجھا ہے کہ یہ طب کے خلاف ہے، کیونکہ یہاں شہد کو مطلقاً ذکر کیا گیا ہے اور ہر بیماری کے لئے شہد مفید نہیں ہے لیکن یہ صحیح نہیں، اس لئے کہ آدمی کے پیٹ کا چلنا بیٹنے اور امتلا کی وجہ سے تھا، اور بسا اوقات علاج کیا جاتا ہے ایسی چیز کے ساتھ جو فضول مادیوں کو نکال دے، پھر اس کو خود بخود روک دے یا قابض ہو جائے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ حق تعالیٰ شانہ کی قدرت کے دلائل میں سے ہو، یا آنحضرت ﷺ کی دعا کی برکت سے ہو، واللہ اعلم! (حاشیہ ترمذی، مجمع البحار)۔

عیادت کی دُعا

[حدیث: ۱۱۰۳] ”عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: مَا مِنْ عَبْدٍ مُسْلِمٍ يَفْزُذُ مَرِيضًا لَمْ يَخْطُبْهُ أَحَدٌ لَهْ أَجَلُهُ فَيَقُولُ سَبْعَ مَرَّاتٍ: أَسْأَلُ اللَّهَ الْعَظِيمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ أَنْ يَشْفِيكَ، إِلَّا غُفِرَ“ (ترمذی ج: ۲ ص: ۲۹) ترجمہ: ”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو کوئی مسلمان بندہ کسی بیمار کی عیادت کے لئے جائے بشرطیکہ اس کی موت کا وقت نہ آگیا ہو، پس سات مرتبہ یہ کہے: ”أَسْأَلُ اللَّهَ الْعَظِيمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ أَنْ يَشْفِيكَ“ (میں درخواست کرتا ہوں اللہ تعالیٰ سے جو عظمت والا ہے اور عرش عظیم کا مالک ہے، کہ تجھ کو شفا دے) تو اس کو شفا ہو جائے گی۔“

تشریح: یہ حدیث بھی دُعا یہ کلمات پر مشتمل ہے، اور اس کو سات مرتبہ پڑھنے کا حکم فرمایا ہے، ان شاء اللہ! اس کی برکت سے بیمار کو شفا حاصل ہوگی۔

[حدیث: ۱۱۰۳] ”عَنْ ثَوْبَانَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا أَصَابَ أَحَدُكُمْ الْحُمَّى فَإِنَّ الْحُمَّى قِطْعَةٌ مِنَ النَّارِ فَلْيُطْفِئْهَا غَنَّةً بِالنَّعَاءِ فَلْيَسْتَقْبِلْ فِي نَهْرٍ جَارٍ فَلْيَسْتَقْبِلْ جُزَيْتَهُ فَيَقُولُ: بِسْمِ اللَّهِ، اللَّهُمَّ اشْفِ عَبْدَكَ وَصَدِّقْ رَسُولَكَ، بَعْدَ صَلَاةِ الصُّبْحِ وَقَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ فَلْيَغْمِسْ فِيهِ ثَلَاثَ غَمَسَاتٍ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ، فَإِنْ لَمْ يَبْرِأْ فِي ثَلَاثٍ فَخَمْسٍ، فَإِنْ لَمْ يَبْرِأْ فِي خَمْسٍ فَسَبْعٍ، فَإِنْ لَمْ يَبْرِأْ فِي سَبْعٍ فَسَبْعٍ، فَإِنَّهَا لَا تَكَاذِبُ جَاوِزُ سَبْعِ أَيَّامٍ اللَّهُ“ (ترمذی ج: ۲ ص: ۲۹، ۳۰)

ترجمہ: ”حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کسی شخص کو بخار آئے تو بے شک بخار دوزخ کا ٹکڑا ہے، پس چاہئے کہ بجھائے اس کو ٹھنڈے پانی سے، پس چاہئے کہ نہر میں جدھر سے ٹھنڈا پانی آتا ہے ادھر منہ کر کے کھڑا ہو جائے اور یہ دُعا پڑھے: ”بِسْمِ اللَّهِ، اللَّهُمَّ اشْفِ عَبْدَكَ وَصَدِّقْ رَسُولَكَ“ (اللہ کے نام سے، اے اللہ! اپنے بندے کو شفا عطا فرما اور اپنے رسول ﷺ کی تصدیق فرما) یہ کام نماز صبح کے بعد اور سورج کے طلوع ہونے سے پہلے کرے، پس اس میں تین غوطے لگائے، اگر تین میں ٹھیک نہ ہو تو پانچ لگائے، پانچ

میں ٹھیک نہ ہو تو سات لگائے، اگر سات میں بھی ٹھیک نہ ہو تو نو غوطے لگائے، کیونکہ اللہ کے حکم سے یہ نو سے تجاوز نہیں کرے گا۔“

راکھ کے ساتھ علاج کرنا

[حدیث: ۱۱۰۵] ”عَنْ أَبِي حَازِمٍ قَالَ: سَمِعْتُ سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ وَأَنَا أَسْمَعُ: بِأَيِّ شَيْءٍ دُرِّي جُزَخَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَقَالَ: مَا بَقِيَ أَحَدٌ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّي، كَانَ عَلِيٌّ يَأْتِي بِالْمَاءِ فِي ثَوْبِهِ وَفَاطِمَةُ تُغْسِلُ عَنْهُ الدَّمَ، وَأَخْرَقَ لَهُ خَصِيضَ قَحْشِي بِهِ جُزَخَ.“ (ترمذی ج: ۲ ص: ۳۰ ”باب القذاوی بالترغاد“)

ترجمہ: ”ابو حازم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا اور میں سن رہا تھا کہ: کس چیز سے علاج کیا گیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زخم کا؟ انہوں نے فرمایا: اب کوئی بھی باقی نہیں رہا جو مجھ سے اس بات کو زیادہ جانتا ہو، حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی ڈھال میں پانی لاتے تھے، اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خون کو دھوئی تھیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک بوریہ جلایا گیا، پس اس کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا زخم بھر دیا گیا۔“

تشریح: یہ جنگ اُحد کا واقعہ ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی مبارک میں خود کی کڑیاں دھسن گئی تھیں، اور بہت زور کے ساتھ ان کو کھینچا گیا، جس کی وجہ سے خون کی طرح بند نہیں ہوتا تھا، بہر حال جب کسی طرح بھی خون بند نہ ہوا تو بوریہ جلا کر اس کی راکھ اس زخم میں بھردی گئی تب خون بند ہوا۔

عیادت کا ادب

[حدیث: ۱۱۰۶] ”عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا دَخَلْتُمْ عَلَى الْمَرِيضِ فَتَقَسَّوْا لَهُ فِي أَجَلِهِ فَإِنَّ ذَلِكَ لَا يَزِدُّ شَيْئًا وَيُطْفِئُ نَفْسَهُ.“ (ترمذی ج: ۲ ص: ۳۰)

ترجمہ: ”حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم کسی بیمار کے پاس جاؤ تو اس کی میعاد کے بارے میں اس کو طمع دلاؤ، کیونکہ یہ چیز کسی چیز کو زخمی نہیں کرے گی، اور بیمار کا دل خوش ہو جائے گا۔“

تشریح: ”اس کی میعاد کے بارے میں اس کو طمع دلاؤ“ یعنی اس سے کہو: ”اللہ تعالیٰ تمہاری عمر دراز کرے، کسی قسم کا اندیشہ نہ رکھو، ان شاء اللہ! تم کو کوئی خطرہ لاحق نہیں ہے، اور اللہ کو منظور ہوا تو تمہیں شفا

ہو جائے گی، کیونکہ تمہاری دعا اللہ کی تقدیر کو توڑ کر نہیں کر سکتی، لیکن بیمار کا دل خوش ہو جائے گا، اس سے معلوم ہوا کہ عیادت کے آداب میں سے یہ ہے کہ بیمار کے لئے دعا کی جائے اور اس کا حوصلہ بڑھایا جائے، واللہ اعلم بالصواب!



کتاب النکاح

نکاح کرنا کب فرض، واجب اور کب حرام ہے؟

شرعاً شادی کی کوئی عمر مقرر نہیں، والدین بچے کا نکاح نابالغی میں بھی کر سکتے ہیں، اور بالغ ہو جانے کے بعد اگر شادی کے بغیر گناہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو تو شادی کرنا واجب ہے، ورنہ کسی وقت بھی واجب نہیں، البتہ ماحول کی گندگی سے پاکدامن رہنے کے لئے شادی کرنا افضل ہے۔

در مختار وغیرہ میں لکھا ہے کہ اگر نکاح کے بغیر گناہ میں مبتلا ہونے کا یقین ہو تو نکاح فرض ہے، اگر غالب گمان ہو تو نکاح واجب ہے (بشرطیکہ مہر اور نان و نفقہ پر قادر ہو)، اگر یقین ہو کہ نکاح کر کے ظلم و ناانصافی کرے گا تو نکاح کرنا حرام ہے، اور اگر ظلم و ناانصافی کا غالب گمان ہو تو نکاح کرنا مکروہ و تحریمی ہے، اور معتدل حالات میں سنت مؤکدہ ہے۔

اولاد جب بالغ ہو جائے تو نکاح کا حکم

[حدیث: ۱۱۰۷] ”عن أبی سعید وابن عباس رضی اللہ عنہما قالَا: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من ولد له ولد فلیحسن اسمه وأدبه، فاذا بلغ فلیزوجہ، فان بلغ ولم یزوجہ فأصاب الثمأ فانما اثمہ علی أبیہ۔“

(مشکوٰۃ ص: ۲۷۱)

ترجمہ: ”حضرت ابوسعید اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب اولاد بالغ ہو جائے اور والدین ان کے نکاح سے آنکھیں بند کئے رکھیں، اس صورت میں اگر اولاد کسی غلطی کی مرتکب ہو تو والدین بھی اس جرم میں برابر کے شریک ہوں گے۔“

تشریح: آج کل اعلیٰ تعلیم کے شوق نے والدین کو اپنے اس فریضے سے غافل کر رکھا ہے۔ لڑکوں اور لڑکیوں کی عمر کالج اور یونیورسٹیوں کے چکر میں ڈھل جاتی ہے، اور جب وقت گزر جاتا ہے تو ماں باپ کی آنکھیں کھلتی ہیں۔ مجھے اس طرح کے سینکڑوں خطوط موصول ہو چکے ہیں کہ لڑکی کی عمر ۳۰-۳۵ برس کی ہو گئی، کوئی رشتہ نہیں آتا اور جو آتا ہے وہ بھی دیکھ دکھ کر چپ سادھ لیتا ہے۔ کوئی تعویذ، وظیفہ اور عمل بتاؤ کہ بچیوں کی شادی ہو جائے۔ لڑکی پڑھی لکھی قبول صورت اور گھمڑ ہے، مگر رشتہ نہیں ہو پاتا، وغیرہ وغیرہ۔ خدا جانے کتنے خاندان اس سیلاب میں ڈوب چکے ہیں اور کتنے لڑکے لڑکیاں غلط راستے پر چل نکلی ہیں۔

نکاح میں گواہوں کا ہونا شرط ہے

[حدیث: ۱۱۰۸] ”عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْبَغَايَا الْأَلْحِي يَنْكِحْنَ أَنْفُسَهُنَّ بِغَيْرِ بَيِّنَةٍ“

(سنن الترمذی: کتاب النکاح، مشکوٰۃ البحر الرائق ج: ۳ ص: ۹۳)

ترجمہ: ”وہ عورتیں زانیہ ہیں جو گواہوں کے بغیر اپنا نکاح کر لیتی ہیں۔“

تشریح: نکاح کے صحیح ہونے کے لئے دو عاقل بالغ مسلمان گواہوں کا ہونا ضروری شرط ہے، اس کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔

حق مہر کی تفصیل

مہر کے متعلق نبی کریم ﷺ کی احادیث طیبہ واضح ہیں، مثلاً:

[حدیث: ۱۱۰۸] ”عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّهُ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمْ كَانَ صَدَاقُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ كَانَ صَدَاقُهُ لِأَزْوَاجِهِ ثِنْتِي عَشْرَةَ أَوْ قِيَّةً وَنَشَأُ قَالَتْ أَنْتَ دَرِي مَا الْقَشُّ قَالَ قُلْتُ لَا قَالَتْ نِصْفُ أَوْ قِيَّةٍ فَتِلْكَ خَمْسُ مِائَةِ دِرْهَمٍ“

(صحیح مسلم: کتاب النکاح، باب الصّدّاق و الجوّاز، حدیث: ۲۵۵۵)

ترجمہ: ”حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ آنحضرت ﷺ کا مہر (اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہا کے لئے) کتنا تھا؟ فرمایا: ساڑھے بارہ اوقیہ، اور یہ پانچ سو درہم ہوتے ہیں۔“

[حدیث: ۱۱۰۹] ”قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ إِلَّا لَا تَغَالُوا صَدَقَةَ النِّسَاءِ فَإِنَّهَا لَوْ كَانَتْ مَكْرَمَةً فِي الدُّنْيَا أَوْ تَقْوَىٰ عِنْدَ اللَّهِ لَكَانَ أَوْ لَا كُنْ بِهَا نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا عَلِمْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَكَحَ شَيْئًا مِنْ بَسَائِرِهِ وَلَا
أَنكَحَ شَيْئًا مِنْ بَنَاتِهِ عَلَى أَكْثَرِ مِنْ ثَلَاثِي عَشْرَةَ أَوْ قِيَّةً“

(سنن الترمذی: کتاب النکاح، حدیث: ۱۰۳۳)

ترجمہ: ”حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: دیکھو عورتوں کے مہر زیادہ نہ بڑھایا کرو، کیونکہ اگر یہ دنیا میں عزت کا موجب اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک تقویٰ کی چیز ہوتی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تم سے زیادہ اس کے مستحق تھے۔ مجھے علم نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات میں سے کسی سے بارہ اوقیہ سے زیادہ مہر پر نکاح کیا ہو، یا اپنی صاحب زادیوں میں سے کسی کا نکاح اس سے زیادہ مہر پر کیا ہو۔“

تشریح: بیویوں کے حقوق میں سب سے پہلا حق مہر ہے، جو شوہر کے ذمہ لازم ہوتا ہے۔ ہمارے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مہر کی کم سے کم مقدار دس درہم (تقریباً دو تولے ساڑھے سات ماٹے چاندی) ہے۔ اور زیادہ مہر کی کوئی مقدار مقرر نہیں، حسب حیثیت جتنا مہر چاہیں رکھ سکتے ہیں، یوں تو کوئی نکاح مہر کے بغیر نہیں ہوتا، لیکن اس بارے میں بہت سی کوتاہیاں اور بے احتیاطیاں سرزد ہوتی ہیں:

۱:..... ایک کوتاہی لڑکی کے والدین اور اس کے عزیز و اقارب کی جانب سے ہوتی ہے کہ مہر مقرر کرتے وقت لڑکے کی حیثیت کا لحاظ نہیں رکھتے، بلکہ زیادہ سے زیادہ مقدار مقرر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور بسا اوقات اس میں تنازع اور جھگڑے کی شکل بھی پیدا ہو جاتی ہے، بلکہ اس سے بڑھ کر بعض موقعوں پر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ اسی جھگڑے میں شادی رُک جاتی ہے۔ لوگ زیادہ مہر مقرر کرنے کو فخر کی چیز سمجھتے ہیں، لیکن یہ جاہلیت کا فخر ہے، جس کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے۔ ورنہ اگر مہر کا زیادہ ہونا شرف و سیادت کی بات ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادیوں کا مہر زیادہ ہوتا۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی بیوی کا اور کسی صاحب زادی کا مہر پانچ سو درہم سے زیادہ مقرر نہیں کیا۔ پانچ سو درہم کی ایک سواکتیس تولے تین ماٹے (-۱۳۱) چاندی بنتی ہے۔ اگر چاندی کا بھاؤ پچاس روپے تولہ ہو تو پانچ سو درہم یعنی ۱۳۱ تولے چاندی کے چھ ہزار پانچ سو تریسٹھ (۶۵۶۳) روپے بنتے ہیں۔ (بھاؤ کی کئی بیشی کے مطابق اس مقدار میں کمی بیشی ہو سکتی ہے، بہر حال ۱۳۱ تولے چاندی کا حساب رکھنا چاہئے)، اسی کو ”مہر فاطمی“ کہا جاتا ہے۔ بعض اکابر کا معمول رہا ہے کہ اگر ان سے نکاح پڑھانے کی فرمائش کی جاتی تو فرماتے کہ اگر ”مہر فاطمی“ رکھو تو نکاح پڑھائیں گے، ورنہ کسی اور سے پڑھالو۔ الغرض مسلمانوں کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ ہی لائق فخر ہونا چاہئے اور مہر کی مقدار اتنی رکھنی چاہئے جتنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

اپنی مقدس ازواج اور پیاری صاحب زادیوں کے لئے رکھی۔ آپ ﷺ سے بڑھ کر کس کی عزت ہے؟ گو اس سے زیادہ مہر رکھنے میں بھی کوئی گناہ نہیں، لیکن زیادتی کو فخر کی چیز سمجھنا، اس پر جھگڑے کھڑے کرنا اور باہمی رنجش کی بنیاد بنالینا جاہلیت کے جراثیم ہیں جن سے مسلمانوں کو بچنا چاہئے۔

۲:..... ایک کوتاہی بعض دیہاتی حلقوں میں ہوتی ہے کہ سوا تیس روپے مہر کو ”شرع محمدی“ سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ مقدار آج کل مہر کی کم سے کم مقدار بھی نہیں بنتی، مگر لوگ اسی مقدار کو ”شرع محمدی“ سمجھتے ہیں جو بالکل غلط ہے۔ خدا جانے یہ غلطی کہاں سے چلی ہے؟ لیکن افسوس ہے کہ ”میاں جی“ صاحبان بھی لوگوں کو مسئلے سے آگاہ نہیں کرتے۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مہر کی کم سے کم مقدار دس درہم یعنی ۲ تو لے + ۷ ماشے چاندی ہے، جس کے آج کے حساب سے تقریباً ایک سو ۱۳ اکتیس روپے بنتے ہیں، اس سے کم مہر مقرر کرنا صحیح نہیں، اور اگر کسی نے اس سے کم مقرر کر لیا تو دس درہم کی مالیت مہر واجب ہوگا۔

۳:..... ایک زبردست کوتاہی یہ ہوتی ہے کہ مہر ادا کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی، بلکہ رواج یہی بن گیا ہے کہ بیویاں حق مہر معاف کر دیا کرتی ہیں۔ یہ مسئلہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ بیوی کا مہر بھی شوہر کے ذمہ اسی طرح کا ایک قرض ہے جس طرح دوسرے قرض واجب الادا ہوتے ہیں۔ یوں تو اگر بیوی کل مہر یا اس کا کچھ حصہ شوہر کو معاف کر دے تو صحیح ہے، لیکن شروع ہی سے اس کو واجب الادا نہ سمجھنا بڑی غلطی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ: ”جو شخص نکاح کرے اور مہر ادا کرنے کی نیت نہ رکھتا ہو، وہ زانی ہے۔“

۴:..... ہمارے معاشرے میں جو اور بہت سی خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ عورتوں کے لئے مہر لینا بھی عیب سمجھا جاتا ہے، اور میراث کا حصہ لینا بھی معیوب سمجھا جاتا ہے، اس لئے وہ چاروناچار معاف کر دینا ہی ضروری سمجھتی ہیں۔ اگر نہ کرتیں تو معاشرے میں ”نکو“ سمجھی جاتی ہیں۔ دین دار طبقہ کا فرض ہے کہ اس معاشرتی برائی کو مٹائیں اور لڑکیوں کو مہر بھی دلوائیں اور میراث کا حصہ بھی دلوائیں۔ اگر وہ معاف کرنا چاہیں تو ان سے کہہ دیا جائے کہ وہ اپنا حق وصول کر لیں اور کچھ عرصہ تک اپنے تصرف میں رکھنے کے بعد اگر چاہیں تو واپس لوٹا دیں۔ اس سلسلے میں ان پر قطعاً جبر نہ کیا جائے۔

۵:..... مہر کے بارے میں ایک کوتاہی یہ ہوتی ہے کہ اگر بیوی مر جائے اور اس کا مہر ادا نہ کیا ہو تو اس کو ہضم کر جاتے ہیں، حالانکہ شرعی مسئلہ یہ ہے کہ اگر خانہ آبادی سے اور میاں بیوی کی یکجائی سے پہلے بیوی کا انتقال ہو جائے تو نصف مہر واجب الادا ہوگا، اور اگر میاں بیوی کی خلوت صحیحہ کے بعد اس کا انتقال ہوا ہو تو پورا مہر ادا کرنا واجب ہوگا، اور یہ مہر بھی اس کے ترکہ میں شامل ہو کر اس کے جائز ورثاء پر تقسیم ہوگا، اس کا مسئلہ علماء سے دریافت کر لینا چاہئے۔

ہمارے یہاں یہ ہوتا ہے کہ اگر لڑکی کا انتقال سسرال میں ہو تو اس کا سارا اثاثہ ان کے قبضے میں

آجاتا ہے اور وہ لڑکی کے وارثوں کو کچھ نہیں دیتے، اور اگر اس کا انتقال میکے میں ہو تو وہ قابض ہو کر بیٹھ جاتے ہیں اور شوہر کا حق دینے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ حالانکہ مردے کے مال پر ناجائز قبضہ جمالیہ بڑی گری ہوئی بات بھی ہے اور ناجائز مال ہمیشہ نحوست اور بے برکتی کا سبب بنتا ہے، بلکہ بعض اوقات دوسرے مال کو بھی ساتھ لے ڈیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ عقل و ایمان نصیب فرمائے اور جاہلیت کے غلط رسوم و رواج سے محفوظ رکھے۔

ولیمہ کا مسنون طریقہ

مسنون ولیمہ یہ ہے کہ جس رات میاں بیوی کی پہلی خلوت ہو، اس سے اگلے دن حسبِ توفیق کھانا کھلایا جائے، مگر اس میں نمود و نمائش کرنا، قرض لے کر زیر بار ہونا اور اپنی وسعت سے زیادہ خرچ کرنا منع ہے، نیز اس موقع پر فقراء و مساکین کو بھی کھلایا جائے، حدیث میں ارشاد ہے کہ:

[حدیث: ۱۱۱۰] ”عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: شَرُّ الطَّعَامِ طَعَامُ الْوَلِيمَةِ يُذْغَى لَهَا الْأَغْنِيَاءُ وَيُتْرَكُ الْفُقَرَاءُ... متفق عليه“ (مشکوٰۃ ص: ۲۷۸)

ترجمہ: ”بدترین کھانا ولیمہ کا وہ کھانا ہے جس میں اغنیاء کی دعوت کی جائے اور فقراء کو چھوڑ دیا جائے، اور جس شخص نے دعوت ولیمہ قبول نہ کی اس نے اللہ اور رسول کی نافرمانی کی۔“

آج کل جس انداز سے ولیمے کئے جاتے ہیں ان میں فخر و مباہات اور نام و نمود کا پہلو غالب ہے، سنت کی حیثیت بہت ہی مغلوب نظر آتی ہے، حدیث میں ہے کہ:

[حدیث: ۱۱۱۱] ”عن عكرمة عن ابن عباس رضي الله عنهما: أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن طعام المتبارئين أن يؤكل - رواه أبو داود -“ (مشکوٰۃ ص: ۲۷۹)

ترجمہ: ”آنحضرت ﷺ نے فخر و مباہات والوں کا کھانا کھانے سے منع فرمایا ہے۔“

اس لئے ایسے ولیمے کی دعوت کا قبول کرنا بھی مکروہ ہے۔ علاوہ ازیں آج کل ولیمے کی دعوتوں میں مردوں اور عورتوں کا بے محابا اختلاط ہوتا ہے، کھانا عموماً میز کرسی پر یا کھڑے ہو کر کھایا جاتا ہے، اور آب تو ویڈیو فلمیں بنانے کا بھی رواج چل نکلا ہے، بعض جگہ گانے بجانے کا شغل بھی رہتا ہے، اس طرح کی اور بھی بہت سی قباحتیں پیدا ہو گئی ہیں، جن کے ہوتے ہوئے ایسی دعوت میں جانا کسی طرح بھی جائز نہیں۔

إِجَابَةُ الْوَلِيْمَةِ وَالْدَّعْوَةُ وَمَنْ أَوْلَاهُمْ سَبْعَةٌ.....)

تشریح: اس حدیث میں فرمایا کہ تمہیں ویسے کے لئے بلایا جائے تو چلے جاؤ، ولیمہ کہتے ہیں شادی کی دعوت کو اور اگر میت کی دعوت ہو تو اس کو ماتم کہتے ہیں جیسے لوگ دسواں کرتے ہیں سوئم کرتے ہیں چالیسواں، ختنے کی دعوت ہو تو اس کا نام اور ہے، تو یہاں دوسری دعوتوں میں جانا جائز نہیں ہے، یہ ختنے کی دعوت ہے اور ماتم کی دعوت، مردوں کی روٹی کی دعوت، چہلم کی دعوت ان میں جانا جائز نہیں ہے نا جائز ہے۔

والوں کے حق میں تم سب سے اچھا ہوں۔“

الترمذی۔“ (مشکوٰۃ ص: ۲۸۲)

سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو اپنی بیویوں کے حق میں زیادہ اچھے ہوں۔“

بھلائی کا خاص معیار اور نشانی یہ ہے کہ اس کا برتاؤ اپنی بیوی کے ساتھ کتنا اچھا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے ازدواجی تعلق کو میاں بیوی دونوں کی راحت و سکون اور عفت و عصمت کا ذریعہ بنایا

ہے، اور اس تعلق کو اپنے خاص انعامات میں سے شمار فرمایا ہے، اگر میاں بیوی دونوں ایک دوسرے کے حق کی رعایت کریں تو یہ ازدواجی تعلق پورے ماحول کو خوشگوار اور گھر کو رشکِ جنت بنا دیتا ہے، اور اگر خدا نخواستہ اس تعلق میں کچی آجائے تو ماحول میں تلخی گھول دیتا ہے، زندگی ایک بوجھ بن کر رہ جاتی ہے اور رفتہ رفتہ میاں بیوی کی راحت و سکون ہی کو نہیں بلکہ دین و ایمان اور دنیا و آخرت کو برباد کر دیتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ شیطان کو جتنی خوشی میاں بیوی کے درمیان منافرت پھیلانے اور ایک دوسرے کے خلاف ابھارنے سے ہوتی ہے، اتنی اور کسی چیز سے نہیں ہوتی۔ صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ:

”عن جابر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ان ابليس يضع عرشه على الماء ثم يبعث سراياه يفتنون الناس فاذا ناهم منه منزلة اعظم فتنة يبعث احدهم فيقول: فعلت كذا كذا، فيقول: ما صنعت شيئا! قال: ثم يبعث احدهم فيقول: ما تر كنه حتى فرقت بينه وبين امرائه، قال: فيدنيه منه ويقول: نعم! انت۔“ (مشکوٰۃ ص: ۱۸)

ترجمہ: ”شیطان پانی پر اپنا تخت بچھاتا ہے، پھر اپنے چیلوں کو لوگوں کے بہکانے کے لئے بھیجتا ہے، جو جس قدر لوگوں کو زیادہ بہکائے اسی قدر شیطان کی بارگاہ میں کامیابی پاتا ہے، شیطان ان سب کی کارگزاری سنا ہے، ایک آکر کہتا ہے کہ میں نے آج فلاں فلاں گناہ کر دیئے ہیں، شیطان کہتا ہے: ”تو نے کچھ نہیں کیا!“ پھر دوسرا آتا ہے، وہ کہتا ہے کہ میں فلاں شخص کے پیچھے پڑا رہا، اور اسے بیوی کے خلاف اور بیوی کو اس کے خلاف بہکا تا رہا، یہاں تک کہ ان کے درمیان تفریق کرا کے آیا ہوں، شیطان یہ سن کر اس کو گلے لگا لیتا ہے اور کہتا ہے: ”شاباش! تو نے کام کیا۔“

شیطان کو میاں بیوی کی تفریق سے اسی لئے خوشی ہوتی ہے کہ ان کے ازدواجی تعلق کا بگاڑ ان کی، ان کے اہل و عیال کی، ان کے خویش و اقربا کی اور ان کے دوست احباب کی زندگی میں زہر گھول دیتا ہے، اور اس کے نتیجے میں بیبیوں خرابیاں جنم لیتی ہیں۔

ازدواجی تعلق کی اسی اہمیت کے پیش نظر آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو ایسی ہدایات دی ہیں کہ اگر ان پر ٹھیک ٹھیک عمل کیا جائے تو میاں بیوی کی گھریلو الجھنوں سے نجات مل سکتی ہے، اور یہ تعلق ہزاروں سعادتوں کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

ان میں سب سے اہم تر ہدایت یہ ہے کہ آدمی اہل خانہ کے ساتھ خوش خلقی کے ساتھ پیش آئے، گھر میں قانون کی حکومت نہیں چلتی بلکہ اُلفت و محبت اور اخلاق و مروت کا سکھ چلتا ہے، جو لوگ گھر میں ذرا ذرا

بات پر قانون کی مین میخ نکالتے ہیں اور درشتی اور دھمکی کے زور سے ازدواجی پیسے کو گردش دینا چاہتے ہیں وہ خشک دماغی کے عارضے میں مبتلا ہیں، خوش اخلاقی کے ساتھ پیش آننا بیوی کا سب سے بڑا حق ہے، اور کمال ایمان کی علامت ہے۔

آنحضرت ﷺ کی یہ ہدایت اگرچہ براہ راست مردوں کو ہے، اور گھر میں خوش اخلاقی کی نفاذ پیدا کرنے کی ذمہ داری بھی سب سے بڑھ کر انہی پر عائد ہوتی ہے، مگر خواتین اسلام بھی اس مقدس ہدایت سے راہنمائی حاصل کر سکتی ہیں، اور انہیں کرنی چاہئے، میاں بیوی میں سے کامل الایمان وہی ہوگا جو دوسرے سے بڑھ کر خوش اخلاقی کو شعار بنائے، خوش اخلاقی کا ایک تقاضا یہ ہے کہ اپنے حقوق طلب کرنے کے بجائے دوسرے کے حقوق ادا کرنے کی کوشش کرے، اگر میاں بیوی میں سے ایک کسی موقع پر رنجیدہ اور آزرده خاطر ہو تو دوسرا فریق بھی مقابلے میں تندی و تیزی کا مظاہرہ نہ کرے بلکہ نرمی و خوش اسلوبی سے تحمل کرے۔ علامہ عبد الوہاب شحرانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنے شیخ سے بیوی کی زبان درازی کی شکایت کی، جواب میں شیخ نے لکھا کہ ”جو شخص بیوی کی ایذاؤں پر صبر نہیں کر سکتا وہ اس سے برتری کا دعویٰ کیسے کرتا ہے؟“ ازدواجی زندگی میں خوش خلقی کا عنصر جتنا غالب ہوگا اس کے نتائج اسی قدر خوشگوار ہوں گے۔ اور میاں بیوی میں سے جو شخص بھی خوش اخلاقی کے زیور سے آراستہ ہوگا، اس کی شخصیت دوسرے سے زیادہ وزنی اور پرکشش ہوگی۔ خوش اخلاقی ہی وہ نسخہ کیا ہے جس سے ازدواجی راحت و سکون کی اکسیر میسر آسکتی ہے۔

شوہر کا حق ادا نہ کرنے والی بیوی کا حکم

[حدیث: ۱۱۱۵] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ..... إِذَا بَاثَتِ الْمَرْأَةُ هَاجِرَةً فَوَاضَ رُؤُوسُهَا لَعْنَتُهَا لَعْنَتُهَا حَتَّى تُضْبَحَ۔“

(صحیح مسلم ج: ۷، ص: ۳۰۱، حدیث نمبر: ۲۵۹۳، باب تَخْرِيمِ امْتِنَاعِهَا مِنْ فَوَاضِ رُؤُوسِهَا)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب رات گزارے عورت چھوڑ کر اپنے شوہر کے بستر کو تو فرشتے اس پر فجر تک لعنت کرتے ہیں۔“

تشریح: اس حدیث شریف میں فرمایا ہے کہ جو عورت روٹھ کر اپنے شوہر کے بستر سے الگ ہو جائے اس پر صبح تک فرشتے بھی لعنت کرتے رہتے ہیں اور فرشتوں کا لعنت کرنا یہ علامت ہے اللہ تعالیٰ کے ناراضگی کی، جس بندے سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتے ہیں فرشتے اس کے لئے دعا کرتے ہیں، تم سو رہے ہوتے ہو اپنے کام میں مشغول ہوتے ہو اور فرشتے تمہارے لئے دعائیں کرتے ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں فرمایا

لعنت کے معنی ہیں رحمت سے دُور ہونے کی بددعا کرنا اللہ کرے یہ اللہ کی رحمت سے دُور ہو،
لَعُوذُ بِاللّٰہ۔ فرشتوں کی پاک زبان سے جس کو بددعا ملے وہ بڑا ہی بد نصیب ہے، بات یہ ہے کہ گھروں میں
ناچاقیاں تو ہو جاتی ہیں عورتوں کو غصہ آ جاتا ہے لیکن اس کی صفائی جلدی ہو جانی چاہئے، رات نہیں گزارنی
چاہئے ورنہ نقصان اپنا ہی ہے، میں اکثر درس قرآن میں بتا دیتا ہوں کہ مردوں کو بھی سست نہیں ہونا چاہئے،
اس لئے کہ عورتیں ان سے کئی درجے اچھی ہیں، نیکی کے کاموں میں آگے بڑھتی ہیں، ان میں اللہ اور اللہ کے
رسول کی بات کو سننے اور سمجھنے کا مادہ زیادہ ہے، اور حشّ الوسع کسی پر ظلم اور زیادتی نہیں کرتیں۔ جبکہ مرد لوگ
فروع کے چھوٹے بھائی ہوتے ہیں، طرح طرح سے ایذائیں پہنچاتے ہیں، تکلیف دیتے ہیں، بعض لوگوں
کے دماغ میں کبھی ہوتی ہے یا کیڑا ہوتا ہے، ان کو دوسرے کو ایذا دینے میں لذت آتی ہے، دوسروں کو تکلیف
پہنچا کر ان کو مزہ آتا ہے، ان کی رُوح کی تسکین اس میں ہوتی ہے، مسلمان تو کسی کو ایذا دے کر خوش نہیں ہوتا،
یہ کیسا مسلمان ہے جو ایذا دیتا پھرتا ہے؟ اگر سلیم الفطرۃ آدمی ہو تو وہ کسی کی سزا کو برداشت نہیں کرتا۔

ترجمہ: ”حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان سے ارشاد فرمایا کہ: تم اپنے گھر والوں کے نزدیک بے قدر نہیں ہو، اگر تم چاہو تو میں سات دن تمہارے پاس رہوں اور اگر سات دن تمہارے پاس رہوں تو سات دن تمام بیویوں کے پاس رہوں۔“

تشریح: اس حدیث میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا ایک قصہ ذکر کیا ہے، جب آنحضرت ﷺ سے ان کا عقد ہوا تو آنحضرت ﷺ تین دن اس کے پاس رہے، جب آنحضرت ﷺ وہاں سے آنے لگے تو انہوں نے پیچھے سے دامن پکڑ لیا اور فرمایا کہ: یا رسول اللہ! تین دن تو کافی نہیں، اس پر ارشاد فرمایا: ”إِنَّكَ لَنْتَبَأَ بِأَهْلِكَ هَؤُلَاءِ“ آپ اپنے گھر والوں کے لئے یعنی میرے لئے بے قدر نہیں ہیں لیکن شرعی قاعدہ یہ ہے کہ اگر کسی کی کئی بیویاں ہوں وہ جتنا ایک کے پاس رہے اتنا سب کے پاس رہے، اگر آپ چاہیں تو میں آپ کے پاس سات دن رہ سکتا ہوں، لیکن اگر آپ کے پاس سات دن رہوں گا تو پھر مجھے تمام بیویوں کے پاس سات سات دن رہنا ہوگا، پھر نو ہفتے کے بعد باری آئے گی۔ فرمانے لگیں کہ: یا رسول اللہ! نہیں، بس یہی ٹھیک ہے۔

یہاں ایک چھوٹا سا اختلافی مسئلہ پیدا ہوا، اگر کسی شخص کی پہلی بیوی موجود ہو ایک یا زیادہ اور وہ نئی شادی کر لے تو کیا اس نئی شادی کی وجہ سے اس کے پاس زیادہ دن ٹھہرنا صحیح ہے؟ امام شافعی رحمہ اللہ اور دوسرے ائمہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ کنواری ہے تو سات دن اس کے پاس رہے، سات دن کے بعد پھر باری شروع کر دے، یعنی اس کے پاس سات دن رہنا بغیر باری کے ہوگا نئی شادی کی وجہ سے، اگر بیوہ سے نکاح کیا ہے تو اس کے پاس تین دن رہے یہ تین دن اس کے باری میں شمار نہیں ہوں گے، بلکہ یہ اس کے لئے اضافی ہوگا، تین دن کے بعد پھر باری شروع کر دے۔ ہمارے ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نہیں، اس کے لئے کوئی رعایت نہیں، چاہے کنواری ہو یا بیوہ ہو، نئی شادی کی ہے تو اس کے پاس ایک دن رہے اور بس! اور اگر تین دن رہے تو پھر سب کے پاس تین تین دن رہے، سات دن رہے تو سب کے پاس سات سات دن رہے، اس کی اس کو اجازت ہے کہ اس کے پاس تین دن رہے لیکن جتنے دن اس کے پاس رہے گا اتنے دن پھر دوسری بیویوں کے پاس بھی رہے گا۔

یہاں سے یہ بات بھی معلوم ہو جاتی ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنی تمام بیویوں کے درمیان عدل فرماتے تھے، عدل کے معنی برابری کرنا، ہر چیز میں ان کو برابر رکھتے تھے، معاملات میں برابر رکھتے، جتنا ایک کے پاس قیام کرتے تھے اتنا ہی دوسرے کے پاس قیام کرتے تھے اور ساتھ یہ کہا کرتے تھے: ”اَللّٰهُمَّ هَذَا قَسْمِيْ فِيمَا اَمْلِكُ فَلَا تَلْمِزْنِيْ فِيمَا اَتَمْلِكُ وَلَا اَمْلِكُ“ (الطبقات الکبریٰ لابن سعد ۸/۱۶۸، سنن ابوداؤد ۱۸۲۲، ۳۳/۱)۔ اے اللہ! جہاں تک میرا اختیار ہے میں اپنی بیویوں کے درمیان عدل و انصاف کرتا ہوں اور جو چیز میرے اختیار میں نہیں آپ کے اختیار میں ہے اس میں مجھ پر مواخذہ نہ فرمائیے۔

یعنی کسی بیوی کے ساتھ طبیعت زیادہ لگتی ہے کسی کے ساتھ کم، تو ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے قلبی تعلق زیادہ تھا مگر معاملے میں سب کو برابر رکھتے تھے۔ یہ جودلی تعلق زیادہ تھا اس کے بارے میں دُعا فرماتے کہ یا اللہ! اس میں مواخذہ نہ فرمائیے گا، اس لئے کہ یہ میرے اختیار کی چیز نہیں ہے، یہ آپ کے اختیار کی چیز ہے۔

ہمارے یہاں بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ دوسری شادی کی جائے، اور اگر کوئی شخص کر بھی لیتا ہے تو عورتیں آسمان سر پر اٹھاتی ہیں، یہ ان کی فطری چیز ہے، یہ سوکن کو برداشت نہیں کر سکتیں۔

یوں کہتے ہیں کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے ایک خاتون سے نکاح کر لیا تھا چھپ کر، یعنی پہلی بیوی کو نہیں بتایا، اُم حنیفہ کو معلوم ہو گیا تو روزانہ گھر میں لڑائی شروع، حضرت امام رحمہ اللہ ذہین تو تھے ہی اس خاتون سے فرمایا: تم ایسا کرنا کہ ہمارے گھر میں آنا اور گھر آ کر مسئلہ پوچھنا کہ ایک شخص نے دوسری عورت سے شادی کر لی اب پہلی بیوی اس کو مجبور کرتی ہے کہ اس کو طلاق دے، اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ چنانچہ وہ خاتون آگئیں اور کہا: حضرت! ایک مسئلہ پوچھنا ہے، فرمایا: کیا ہے؟ کہا: میرے شوہر کی پہلی بیوی تھی اس نے مجھ سے نکاح کر لیا، پہلی بیوی کو بتایا نہیں ہوگا، اب جب اس کو پتا چلا تو اس نے اصرار کرنا شروع کر دیا ہے کہ اپنی دوسری بیوی کو طلاق دو، تو اس کے لئے ایسا مطالبہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: ایسا مطالبہ کرنا اس کے لئے بالکل جائز نہیں، حضرت کی اہلیہ مسئلہ سن رہی تھیں، فرمانے لگیں کہ: کیسے جائز نہیں؟ آپ نے بھی دوسری شادی کر رکھی ہے نا، اس لئے مطلب کا مسئلہ بتا رہے ہیں، حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: اس گھر سے باہر اگر کوئی میری بیوی ہو تو اس کو طلاق، تین طلاق! وہ خوشی ہو گئی اور گھر سے باہر تو کوئی بیوی تھی ہی نہیں۔

تو میں نے کہا کہ عورتیں بے چاریاں اصرار کرتی ہیں کہ طلاق دو، اور اس میں قصور مردوں کا زیادہ ہے، اس لئے وہ ایک طرف کو ڈھل جاتے ہیں، اعتدال پر قائم نہیں رہتے، اگر پہلی سے دل لگا ہوا ہے تو دوسری کے حقوق ادا نہیں کرتے، اور اگر دوسری بیوی سے دل زیادہ لگ گیا تو پہلی بیوی کو نہیں پوچھتے۔ میرے پاس مسائل آتے رہتے ہیں، یہاں تک بھی ہوتا ہے کہ اس کی اولاد کو بھی کچھ نہیں دیتے، حالانکہ وہ اس کی اپنی اولاد ہے، یہ شرعاً حرام ہے، یہ جو رستم ہے، جس شخص نے دو شادیاں کی ہوں اس کے ذمے فرض ہے کہ دونوں کے درمیان ہر چیز میں عدل رکھے۔

حدیث شریف میں فرمایا کہ: جس شخص کی دو بیویاں ہوں اور وہ انصاف سے کام نہ لیتا ہو تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس حالت میں پیش ہوگا کہ اس کا ایک پہلو خشک ہوگا، مفلوج ہوگا (سنن نسائی ۱۲/۱۲، ۲۹۲، ۳۸۸۱، اردو الغلیل للالبانی ۷/۸۰، ۵۰۱۷)۔

متعہ کا بیان

[حدیث: ۱۱۱۷] "عن الزبیر بن سبیرۃ الجھنی عن أبیہ سبیرۃ..... من

كَانَ عِنْدَهُ شَيْءٌ مِنْ هَذِهِ النِّسَاءِ الَّتِي يَتَمَتَّعُ فَلْيُخَلِّ سَبِيلَهُا“ (صحیح مسلم ج: ۷، ص: ۱۹۰، حدیث نمبر: ۲۵۰۰، باب نکاح المنقوع و بیان أَنَّهُ أُبِيحَ لَمْ يُنْسَخْ لَمْ يُبَحِّثْ لَمْ يَنْتَهَ.....)

ترجمہ: ”حضرت سبرہ بن معبد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس کے پاس کوئی عورت ہو ان عورتوں میں سے جس سے متعہ کیا ہو تو اس کو چھوڑ دے، یعنی متعہ کرنا اب حرام ہوا۔“

تشریح: ”متعہ“ اس کو کہتے ہیں کہ کسی عورت سے کہے کہ: ”میں صحبت کے واسطے تجھ سے متعہ کرتا ہوں، بدلے پانچ یا دس روپے، دو روز یا سال بھر کے لئے“، اہل سنت و الجماعت کے چاروں مذاہب میں متعہ حرام ہے، اور ہدایہ کے مصنف نے جو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی طرف نسبت کی ہے، وہ غلط ہے، اس لئے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ’موطا امام مالک‘ میں اور مالکیہ کی فقہی کتابوں میں متعہ کو صاف حرام لکھا ہے۔

علمائے محدثین کی تحقیق یہ ہے کہ متعہ دو بار حلال ہوا ہے اور دو بار حرام ہوا ہے، پہلے چند روز مباح رہا تھا، پھر جب خیبر فتح ہوا تو حرام ہو گیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے موطا، بخاری، مسلم اور ترمذی میں اس کی روایت ہے، اور دوسری بار جنگ او طاس میں تین دن کے لئے متعہ مباح ہوا پھر قیامت تک کے لئے اس کو حرام کر دیا گیا۔ صحیح مسلم میں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کی روایت موجود ہے اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کا متعہ کی حرمت پر اجماع اور اتفاق ہے، صرف حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اول اس کو جائز فرماتے تھے، پھر جب اس کی حرمت کی حدیثیں ان کو پہنچیں تو وہ بھی اس کی حرمت کے قائل ہو گئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک شخص کا مقدمہ آیا، جس نے کسی عورت سے متعہ کیا تھا، حضرت عمر نے اس سے پوچھا: یہ تو نے کیا کیا؟ تو اس نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اس کی اجازت دی تھی! فرمایا: اجازت دی تھی تو منع بھی کر دیا تھا، تو کہنے لگا: منع کرنے کا مجھے پتا نہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تجھے پتا نہیں لہذا زنا کی حد تجھ پر جاری نہیں کرتا لیکن میں آج سے بتا دیتا چاہتا ہوں کہ آئندہ اگر کوئی شخص میرے سامنے لایا گیا اس معاملے میں تو میں اس پر زنا کی حد جاری کروں گا، پوری سلطنت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اعلان کر دیا کہ اگر کوئی متعہ کا مقدمہ آیا تو اس کو رجم کروں گا، سنگسار کروں گا اس شخص کو۔

چونکہ یہ کام حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا، اس لئے شیعوں نے کہا: ”جو کام عمر نے کیا وہ غلط ہے، لہذا متعہ حلال ہے!“ اور مزے کی بات یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

”أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ مُتْعَةِ النِّسَاءِ يَوْمَ غَبِيَرٍ وَعَنْ لُحُومِ الْخَمْرِ الْإِنْسِيَّةِ“ (نسائی ۱۱/۲۵، ۳۳۱۲)

ترجمہ: ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ خیبر میں عورتوں سے متعہ کرنا اور پالتو گدھوں کے

گوشت، ان دونوں چیزوں کی ممانعت کا اعلان فرمایا۔“

اور یہ روایت شیعہ کی کتابوں میں بھی موجود ہے اور بقول شیخ ابو جعفر طوسی کے (یہ ان کا سب سے بڑا مجتہد ہے، اس کی ایک کتاب ہے ”تہذیب الاحکام“ اور دوسری ہے ”الاصحبار“۔ ”تہذیب الاحکام“ آٹھ جلدوں میں ہے، اس کے مقدمے میں طوسی لکھتا ہے):

ہمارے ائمہ کی حدیثیں اتنی متعارض ہیں، آپس میں لکراتی ہیں کہ لوگ اس کو دیکھ کر ٹٹی ہو جاتے ہیں، جس کو پتا چل گیا کہ ان کی روایتیں آپس میں لکراتی ہیں تو بہت سے لوگ ٹٹی بن گئے، جب حقیقت حال کا علم ہوا تو شیعہ مذہب کو چھوڑ دیا، اس لئے میں نے چاہا کہ ان روایات کو جمع کروں اور ان کی تطبیق بتاؤں، روایت کی تطبیق یہ ہے کہ متون روایت کو بالمقابل جمع کیا اور ایک کو کہا: ”محمول علی التقیۃ“ یہ تفسیر پر محمول ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ موزوں پر مسح کرو، کہتے ہیں: ”محمول علی التقیۃ“ امام جعفر صادق سے مروی ہے تو بھی ”محمول علی التقیۃ“ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ارشاد فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے جنگ خیبر میں متعہ سے منع فرمایا، کہتے ہیں: ”محمول علی التقیۃ“ تفسیر کے معنی معلوم ہیں؟ لوگوں کے ڈر کے مارے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے غلط بولا تھا، وہ تو روایت کر رہے ہیں، اپنا فتویٰ نہیں دے رہے، اگر اپنا فتویٰ دیتے تو بات دوسری تھی کہ ڈر کے مارے غلط فتویٰ دے دیا، جب روایت نقل کر رہے ہیں اور وہ روایت ”محمول علی التقیۃ“ ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ڈر کے مارے غلط روایت کی، اور اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ اگر ایک مرتبہ کسی شخص سے حدیث میں جھوٹ بولنا ثابت ہو جائے تو آئندہ ہمیشہ کے لئے اس کی روایت مردود، کذاب۔ اور شیعوں کا عقیدہ یہ ہے کہ جو روایتوں میں جتنا جھوٹ بولے اتنا بڑا امام، ابو الائمہ۔

غرضیکہ شیعہ اور عتی دونوں فریق اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے متعہ سے منع فرما دیا تھا، اہل سنت کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی روایت میں سچے ہیں، لہذا متعہ منوع ہے۔ اور شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت علی نے ڈر کے مارے جھوٹ بولا تھا، لہذا اس پر عمل نہیں کیا جائے گا۔ پھر انہوں نے اور روایتیں گھڑیں، اتنے سارے فضائل متعہ کے، میرا خیال ہے کہ اسلام کے بھی اتنے فضائل نہیں ہوں گے جتنے متعہ کے ہیں، کسی شخص کے مسلمان ہونے کے بھی اتنے فضائل نہیں ہوں گے۔ ایک فضیلت یہ ہے کہ جو شخص متعہ کر کے کسی عورت کے ساتھ منہ کالا کرتا ہے، جب دونوں غسل کرتے ہیں تو غسل کے ہر قطرے سے اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے، اور جتنے فرشتے پیدا ہوئے ان سب کا وظیفہ یہ ہوتا ہے کہ ان متعہ کرنے والوں کے لئے قیامت تک استغفار کرتے رہیں گے۔

ایک فضیلت یہ بیان کی ہے کہ جو شخص ایک دفعہ متعہ کرے اس کا درجہ امام حسین کے برابر ہوگا، جو دوسری دفعہ کرے اس کا درجہ امام حسن کے برابر ہوگا، تیسری دفعہ کرے اس کا درجہ امام علی کے برابر ہو جاتا

ہے، چوتھی دفعہ کرے تو حضور ﷺ کے برابر ہو جاتا ہے، پانچویں دفعہ کا ذکر نہیں کیا، ورنہ کہہ دیتے کہ اس کا درجہ خدا کے برابر ہو جاتا ہے، لاحول ولا قوۃ الا باللہ!

شیعہ کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک شخص بحث کر رہا تھا امام جعفر صادق سے متعہ کے متعلق، حضرت نے فرمایا: متعہ تو بہت اچھی چیز ہے، یہ تو کرنا چاہئے، وہ بیچارہ ایسا جاہل تھا سنی، اس نے کہا: حضرت! یہ اچھی چیز کیسے ہے؟ کہنے لگے: بہت اچھی چیز ہے، اس کے فضائل بیان کئے، آخر چلتے چلتے اس نے کہا: اپنی صاحبزادیوں کا متعہ کروائیں گے؟ حضرت غصہ ہو گئے تو میری لڑکیوں تک پہنچ گیا؟

اور اب بھی میں وہی بات کہتا ہوں جو امام سے کہی تھی، کوئی شیعہ صاحب اپنی صاحبزادی کا متعہ کروانے کے لئے تیار ہوں گے؟ یہ لوگوں کی عزتوں پر ڈاکا ڈالنے کے لئے ایک مسئلہ نکال دیا گیا ہے، سوچنے کی بات ہے متعہ کرنے کا نکاح سے کوئی تعلق نہیں، نکاح میں بیوی شوہر کے گھر کو آباد کرتی ہے اور جس عورت سے متعہ کیا جائے اس کا کوئی تعلق مرد سے نہیں ہوتا، نکاح میں مہر لازم ہوتا ہے اور اس میں ایک دو گھنٹے کے لئے یا ایک دو دن کے لئے جو اجرت مقرر کی گئی ہے خرچہ وہ ملتی ہے، جیسے دو چکے والی عورتیں کرتی ہیں، نکاح میں بیوی کا نان و نفقہ مرد کے ذمے ہے، متعہ میں ان کا کوئی نان و نفقہ نہیں، نکاح میں میاں بیوی دونوں محسن یعنی پاک دامن اور شادی شدہ ہو جاتے ہیں اور متعہ کرنے والے ایسے نہیں ہوتے، نکاح سے فراق یا جدائی کرنا چاہیں تو طلاق کی ضرورت پیش آتی ہے، متعہ موزے کے مسح کی طرح جب وقت گزر جائے تو خود بخود ختم ہو جاتا ہے، اس کو اتارنے کی ضرورت بھی نہیں، عورت کو طلاق دینے کی ضرورت نہیں، میاں بیوی کے درمیان اگر جدائی ہو جائے خلوت کے بعد تو عدت لازم ہوتی ہے اس کے بغیر عورت دوسری جگہ شادی نہیں کر سکتی، لیکن متعہ میں کوئی شرط نہیں ہوتی، ایک عورت دن میں دس دفعہ متعہ کر سکتی ہے، اس کو نکاح کہتا کون ہے؟

اور ایک روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام سے انہوں نے یہ گھڑی ہے:

”اللہ تعالیٰ برا کرے عمر کا، اگر وہ متعہ سے منع نہ کرتا تو کسی شریف آدمی کو زنا کی ضرورت

پیش نہ آتی۔“

ہم کہتے ہیں بالکل ٹھیک ہے! زنا کی ضرورت ہی کیا ہے؟ جب اس پر متعہ کا لیبل چپکا دیا گیا، اب زنا کا نام کیوں لے گا کوئی؟ متعہ کیجئے، ثواب کمائیے اور حضرت علی اور نبی کے مرتبے تک پہنچئے، گناہ بھی نہیں ملے گا!

بات پھر وہی آتی ہے جو حضرت امام صاحب سے مکالمہ ہوا تھا کہ پھر اپنی صاحبزادیوں کو کیوں محروم رکھا ہے؟ ان سے بھی یہ ثواب کا کام کروائیے، نعوذ باللہ! استغفر اللہ!

یہ ملعون خبیث چیز ہے، ہمارے مولانا عبد الککور کھنوی رحمہ اللہ فرماتے تھے: یہ شیعہ جس متعہ کا ذکر

کرتے ہیں یہ اسلام میں کبھی جائز ہی نہیں ہوا۔

رضاعت کے احکام

[حدیث: ۱۱۱۸]: ”أَنَّ عَائِشَةَ..... الرضاعة تُحَرِّمُ مَا تُحَرِّمُ الْوَلَدُ“

(صحیح بخاری ج: ۱۰، ص: ۳۴۵، حدیث نمبر: ۲۸۷۴، باب ما جاء في نبوت

أزواج النبي صلى الله عليه وسلم..)

ترجمہ: ”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: بے شک رضاعت یعنی دودھ کا پینا نکاح کو حرام کر دیتا ہے، جیسے پیدائش کا رشتہ حرام کر دیتا ہے۔“

تشریح: اس حدیث میں فرمایا کہ رضاعت یعنی دودھ پینے سے بھی وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو کہ نسب سے حرام ہو جاتے ہیں۔ یہاں چند مسائل ہیں:

ایک یہ کہ جس عورت نے کسی بچے کو دودھ پلایا ہو، وہ عورت اس بچے کی ماں بن جاتی ہے اور وہ بچہ اس کا بیٹا بن جاتا ہے، اور اس عورت کا شوہر اس کا باپ بن جاتا ہے اور باپ کے رشتے کے جتنے لوگ ہیں جن سے کسی بچے کا نکاح جائز نہیں ہو سکتا، اس دودھ پینے والے بچے کا بھی نکاح جائز نہیں ہوگا باپ کے ان رشتوں کے ساتھ، اسی طرح ماں کی طرف کے رشتے یعنی صرف دودھ پلانے والی ماں نہیں بنتی بلکہ اس کا شوہر بھی باپ بن جاتا ہے حالانکہ شوہر نے تو دودھ نہیں پلایا۔

اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ ”فطخ“ نامی ایک صاحب آئے اور میرے پاس آنے کی اجازت چاہی، میں نے کہا: تم کون ہوتے ہو؟ انہوں نے کہا: میں تیرا رضاعی چچا ہوں، میں نے انکار کر دیا، میں نے کہا کہ: مجھے تو دودھ پلایا عورت نے، آدمی نے تو نہیں کہ اس کا بھائی میرا چچا بن جائے، آنحضرت ﷺ تشریف لائے تو انہوں نے ان سے اس کا تذکرہ کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: ”إِنَّكَ عَقْلٌ مِنَ الرضاعة فليبلغ عليك“ وہ آپ کا رضاعی چچا ہے، وہ آپ کے پاس آ سکتا ہے، وہ ایسا ہی محرم ہے جیسا کہ حقیقی چچا ہوتا ہے تو یہ مطلب ہے اس حدیث کا کہ: ”إِنَّ الرضاعة تُحَرِّمُ مَا تُحَرِّمُ الْوَلَدُ“ یعنی بچے کی پیدائش سے اس کے جتنے بھی رشتے حرام ہو جاتے ہیں، کسی بچے کے کسی عورت کا دودھ پینے سے بھی وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ رضاعت کا اعتبار دو سال کی مدت کے اندر ہے، یعنی کسی بچے نے شیر خوارگی کے زمانے میں یعنی جبکہ بچہ دودھ پیا کرتا ہے دو سال کی عمر کے اندر اندر کسی عورت کا دودھ پیا ہو تو اس سے

رضاعت ثابت ہو جاتی ہے، اور اس سے وہ تمام رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہو جاتے ہیں، جمہور ائمہ کا یہی مسلک ہے، لیکن ہمارے امام صاحب رحمہ اللہ کا ایک قول، ایک روایت یہ ہے کہ ڈھائی سال کے اندر اندر، رضاعت ثابت ہو سکتی ہے، تو احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ اگر کسی بچے نے ڈھائی سال کے اندر اندر کسی عورت کا دودھ پیا ہو تو رضاعت کا حکم کیا جائے، لیکن بچے کو دو سال سے زیادہ دودھ پلانا جائز نہیں، قرآن پاک میں ہیں:

﴿وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُنْعِمَ﴾
(البقرہ: ۲۳۳)

ترجمہ: ”مائیں دودھ پلائیں بچوں کو دو سال پورے، اس شخص کے لئے حکم ہے جو دودھ پلائی کی مدت کو پورا کرنا چاہتا ہو۔“

یعنی کوئی ماں اپنے بچے کا دودھ پہلے ہی چھڑا دینا چاہتی ہے تو کوئی گناہ کی بات نہیں، لیکن اگر پوری شیرگی کی عمر میں دودھ پلانا چاہتی ہے تو وہ پورے دو سال ہے، اس کے بعد نہیں اور یہ بات یاد رہنی چاہئے کہ دو سال کے بعد بچے کو دودھ پلانا صحیح نہیں ہے، جائز نہیں، اور یہ مسئلہ بھی یاد رہنا چاہئے کہ اگر دو سال کے بعد کسی بچے نے کسی عورت کا دودھ پیا تو عام علماء کے نزدیک اس سے حرمت ثابت نہیں ہوگی، اور جیسا کہ میں نے ابھی ذکر کیا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ڈھائی سال تک ثابت ہوتی اس کے بعد نہیں۔ جاہلوں میں یہ مسئلہ بڑا مشہور ہے کہ اگر شوہر اپنی بیوی کا دودھ پی لے تو اس سے نکاح ٹوٹ جائے گا، ایسا کرنا حرام ہے، خود ماں کا اپنے بچے کو دودھ پلانا بھی صحیح نہیں ہے، چہ جائیکہ کسی اور کو پلائے، لیکن اگر کبھی غلطی سے ایسا ہو گیا تو نکاح نہیں ٹوٹے گا، اس لئے یہ خالص جہالت کا مسئلہ ہے کہ شوہر نے اپنی بیوی کا دودھ پی لیا اس لئے یہ اس کا بیٹا بن گیا، لاجول ولاقوۃ!

اور اس سے بڑھ کر جاہلوں میں ایک مسئلہ یہ مشہور ہے کہ اگر میاں بیوی ایک دوسرے کا جھوٹا کھالیں تو بہن بھائی بن جاتے ہیں، عورتوں کی تو ہم نے سنا ہے کہ کوئی لال کتاب ہوتی ہے، عورتوں کی لال کتاب جس میں سے یہ مسئلہ نکالتی ہیں، یہ معلوم نہیں کوئی زرد کتاب ہے جس میں سے یہ مسئلہ نکالا۔

اور ایک مسئلہ یہ معلوم رہنا چاہئے کہ ایک خاتون نے جس بچے کو دودھ پلایا ہے وہی بچہ اس کا بیٹا بنے گا، اس کے دوسرے بھائی بہن اس کے بیٹے نہیں بنیں گے، مثال کے طور پر دو بھائیوں کی اولاد ہے، ان میں سے چھوٹے بھائی کی بیوی نے بڑے بھائی کی اولاد میں سے کسی بچے یا بچی کو دودھ پلادیا، اب یہ بچہ اس کا بیٹا بن گیا، چھوٹی صاحب اب چھوٹے بھائی کی اولاد میں سے اس کا کسی کے ساتھ نکاح نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ اس کے بہن بھائی ہیں، لیکن اس بچے کے دوسرے بہن بھائیوں کا عقد اپنے تئیں کی اولاد کے ساتھ ہو سکتا

ہے، ان کا عمریت کا کوئی رشتہ نہیں ہے، چچی نے ایک بچے کو دودھ پلایا تھا تو اس بچے کا تو چچی کی اولاد میں سے کسی کے ساتھ نکاح نہیں ہو سکتا کیونکہ سارے بہن بھائی ہیں، اس بچے کو جو دوسرے بہن بھائی ہیں یعنی تانے کی اولاد ان کا نکاح چچا کی اولاد سے ہو سکتا ہے۔

اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ثانی اماں یا دادی اماں دودھ پلا دیتی ہیں، تو پھر مسئلہ اور گڑبڑ ہو جاتا ہے، اب دادی اماں کی اولاد میں سے کسی کے ساتھ بھی اس کا نکاح نہیں ہو سکتا، کیونکہ یہ اپنے چچوں، پھوپھیوں، ماموں اور خالوں کا بھائی بن گیا، ثانی نے دودھ پلایا تو خالہ اور ماموں کا رضاعی بھائی بن گیا، دادی نے دودھ پلایا ہو تو چچا اور پھوپھی کا بھائی بن گیا، تو اب اس کی اولاد در اولاد در اولاد کسی کے ساتھ بھی اس کا نکاح نہیں ہو سکتا، اس لڑکے کا دادی کی اولاد میں سے کسی کے ساتھ نکاح نہیں ہو سکتا، ہاں! جب نسل آگے چلے گی تو چچے کی اولاد اور اس کی اولاد آپس میں نکاح کر سکے گی، لیکن اس کا نکاح دادی کی اولاد میں سے کسی کے ساتھ نہیں ہو سکتا، نہ چچا کی اولاد کے ساتھ، نہ پھوپھی کی اولاد میں سے کسی کے ساتھ، اور ایسا ہی ثانی کے ساتھ مسئلہ سمجھو، عورتیں بچاری اس معاملے میں بڑی بے احتیاطی کرتی ہیں، گڑبڑ کرتی ہیں۔

اور ایک مسئلہ بطور خاص رضاعت کا یہ ہے کہ بعض دفعہ بچے کی اماں کام کاج میں لگی ہوتی ہے، بچہ روتا ہے دادی اماں اس کو سینے سے لگا لیتی ہیں اور اپنا پستان اس کے منہ میں دے دیتی ہیں، اگر اس کی چھاتیاں خشک ہیں کہ ان میں دودھ نہیں ہے پھر تو کوئی مضائقہ نہیں، اس سے حرمت ثابت نہ ہوگی، لیکن اگر بچے کے چوستے سے دودھ اُتر آیا تو اس سے حرمت ثابت ہو جائے گی۔

اور ایک مسئلہ یہ ہے کہ جس طرح حقیقی بھائی سے پردہ نہیں اسی طرح رضاعی بھائی سے پردہ نہیں، جیسے حقیقی چچا سے پردہ نہیں ایسے ہی رضاعی چچا سے بھی پردہ نہیں، جیسے حقیقی ماموں سے پردہ نہیں، رضاعی ماموں سے بھی پردہ نہیں، لیکن شرط یہ ہے کہ دین دار ہو، کیونکہ یہ رشتہ کمزور ہے، اگر فتنے کا خطرہ ہو تو پردہ کرنا چاہئے۔

رضاعت کے احکام

[حدیث: ۱۱۱۹] ”سَمِعْتُ أُمَّ سَلَمَةَ.....، إِنَّ حَفْزَةَ أُخِي مِنْ الرِّضَاعَةِ“۔

(صحیح مسلم: ۷، ص: ۳۴۰، حدیث نمبر: ۲۶۲۵، باب تَحْرِيمِ الْبَيْعَةِ الْأَخِي مِنَ الرِّضَاعَةِ)

ترجمہ: ”حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: بے شک حمزہ میرے رضاعی بھائی ہیں۔“

تشریح: اس حدیث میں بھی ایک قصہ ہے، اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا، ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیٹی اور امیر معاویہ

ﷺ کی بہن، وہ ایک دن رسول اللہ ﷺ سے کہنے لگیں یا رسول اللہ! میری بہن سے آپ شادی کر لیجئے! فرمایا کہ: تیری بہن سے؟ کہا: ہاں! میری بہن سے، فرمایا: تم اس کو پسند کرو گی؟ کہا کہ: یا رسول اللہ! آپ کے پاس پہلے بھی عورتیں کم تو نہیں ہیں، اور میں نے سنا ہے کہ آپ اُمّ سلمہ کی لڑکی سے شادی کرنا چاہ رہے ہیں؟ فرمایا: لا حول ولا قوۃ! اُمّ سلمہ اس کی لڑکی تو میری رضیہ ہے، میری گود میں پلٹی ہے، اگر یہ بھی نہ ہوتا تو وہ ابوسلمہ کی لڑکی ہے اور ابوسلمہ میرے رضاعی بھائی ہیں، اگر وہ میری رضیہ نہ ہوتی یعنی اس کی والدہ میرے نکاح میں نہ ہوتی جب بھی وہ میرے لئے حلال نہیں تھی، اس لئے کہ وہ میرے بھائی کی لڑکی ہے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا کہ: یا رسول اللہ! آپ حمزہ کی لڑکی سے نکاح کیوں نہیں کر لیتے؟ آپ ادھر ادھر کی عورتوں کو جمع کرتے ہیں، اپنے گھر کی لڑکی سے نکاح کیوں نہیں کر لیتے؟ آپ کے چچا کی لڑکی ہے، تو اس موقع پر فرمایا تھا:

”إِنَّ حَمْرَةَ أَخِي مِنَ الرِّضَاعَةِ۔“

(مسلم ۷/۳۲۵، السنن الکبریٰ للبیہقی ۷/۲۵۳، کنز العمال ۶/۲۷۷، ۱۵۶۹۳)

”بے شک حمزہ میرے رضاعی بھائی ہیں۔“

چچا تو ہیں لیکن رضاعی بھائی بھی ہیں، دونوں نے ایک عورت کا دودھ پیا ہے، تو جس طرح کے سنگے بھائی کی لڑکی سے نکاح جائز نہیں، اسی طرح رضاعی بھائی کی لڑکی سے بھی نکاح جائز نہیں۔

دودھ پیا تھا حضرت حمزہ نے ”ثویبہ“ کا جس کو عام طور پر لوگ ”ثوبیہ“ پڑھا کرتے ہیں، نام رکھتے ہیں، ”ثوبیہ“، ثویبہ ابولہب کی باندی تھیں، اور جب اس نے جا کر ابولہب کو خوشخبری دی کہ تمہارے بھائی عبد اللہ کے گھر لڑکا پیدا ہوا ہے تو اس نے اس خوشی میں ثویبہ کو آزاد کر دیا تھا بھتیجے کی پیدائش کی خوشی میں، کسی شخص نے اس کو خواب میں دیکھا تھا، پوچھا کہ: کیا حال ہے؟ کہا کہ: پورا جل رہا ہوں سوائے ایک انگلی کے کہ وہ دوزخ سے بڑی ہے، کیونکہ جس رات محمد (ﷺ) پیدا ہوئے تھے، تو میں نے اس خوشی میں انگشت شہادت سے اشارہ کر کے کہا تھا کہ: جا تو آزاداؤ وہ انگلی میری دوزخ سے بڑی ہے باقی سارا بدن جل رہا ہے۔ اور انہی خاتون نے آنحضرت ﷺ کو سب سے پہلے دودھ پلایا تھا، اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی جو آنحضرت ﷺ سے عمر میں دو سال بڑے تھے، اسی خاتون کا دودھ پی چکے تھے، اسی لئے حضرت حمزہ جو سید الشہداء ہیں، جنگ اُحد میں شہید ہوئے تھے، یہ حضور ﷺ کے رضاعی بھائی بھی ہیں اور سنگے چچا بھی ہیں۔

احکام رضاعت

[حدیث: ۱۱۲۰] ”عَنْ عَلِيٍّ، إِنَّهَا لَا تَحِلُّ لِي إِنَّهَا ابْنَةُ أَخِي مِنْ

الزَّضَاعَةُ (یعنی بنت حَمْزَة)۔“

(صحیح مسلم ج: ۷، ص: ۳۳۸، حدیث نمبر: ۲۶۲۳، باب تغیریم البنت لآخر من الزَّضَاعَة)

ترجمہ: ”حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

بے شک وہ میرے لئے حلال نہیں، یعنی حمزہ کی بیٹی وہ میرے رضاعی بھائی کی

بیٹی ہے۔“

تشریح: اس حدیث میں ایک قصہ ذکر کیا گیا ہے، حضرت امیر المؤمنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! آپ عرب بھر کے قبائل

کی لڑکیاں لیتے ہیں ان سے نکاح کرتے ہیں، لیکن ہمیں آپ نے چھوڑ رکھا ہے، اپنے دادا کی اولاد کو، بنو ہاشم

کو چھوڑ رکھا ہے، کوئی ہاشمی عورت آپ کے نکاح میں نہیں ہے، یہ ہمارے ساتھ بے مروتی کیوں ہو رہی ہے،

آپ بنو ہاشم کو بھی یہ شرف بخشے کہ کوئی خاتون ان میں سے بھی آپ کے یہاں ہو، آنحضرت ﷺ نے فرمایا

کہ: تمہارے یہاں لڑکی ہے کون سی جس سے نکاح کر لوں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: یا رسول اللہ! آپ

کے چچا حمزہ کی لڑکی موجود ہے، ارشاد فرمایا کہ: وہ میرے لئے حلال نہیں ہے، وہ تو میرے رضاعی بھائی کی

لڑکی ہے، وہ تو میری بھتیجی لگتی ہے۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جو آنحضرت ﷺ کے قریب العمر تھے صرف دو سال کی بڑائی چھوٹا ہی تھی، دونوں

نے ایک ہی دایہ کا دودھ پیا تھا، اور یہ ابولہب کی باندی ثویبہ تھیں، تو یوں یہ دونوں چچا بھتیجا آپس میں رضاعی

بھائی ہوتے تھے، حضرت حمزہ اور آنحضرت ﷺ، اور یہ رسول اللہ ﷺ کے سگے چچا تھے، حضرت عبد اللہ کے

بھائی، سگے کا مطلب یہ کہ باقی جو چچا تھے ان کی مائیں الگ تھیں باپ ایک تھے، لیکن حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ آپ

ﷺ کے دادا اور دادی کی اولاد تھے، اس لئے سگے چچا کہا، تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سید الشہداء ہیں، جنگ اُحد میں

شہید ہوئے تھے، اور آنحضرت ﷺ نے انہیں سید الشہداء کا لقب عطا فرمایا۔

لوگ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو ”سید الشہداء“ کہتے ہیں، یہ تمہاری خوشی ہے، ویسے رسول اللہ ﷺ کی

جانب سے تو لقب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو ملا ہے، تم کسی اور پر چسپاں کرو تو تمہاری خوشی، حضرت حسین رضی اللہ عنہ جگر

گوشہ رسول اللہ ﷺ ہیں، لیکن لقب یہ اسی شخصیت پر چسپاں ہے جن کو رسول اللہ ﷺ نے یہ لقب دیا۔

اس حدیث پاک سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رضاعی بھتیجی سے نکاح جائز نہیں، جیسا کہ رضاعی چھو بھی

سے نکاح جائز نہیں، رضاعی چھو پھو کیسے ہوگی؟ جس خاتون نے کسی بچے کو دودھ پلایا اس کے شوہر کی بہن

سے نکاح نہیں کر سکتا، یہ رضاعی چھو بھی بن جاتی ہے، اس عورت کا شوہر اس کا رضاعی باپ ہے۔

یہ واقعہ گزر چکا ہے کہ ’فلح‘ نامی ایک شخص تھے انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آنے کی

اجازت چاہی اور کہا کہ: میں تمہارا چچا ہوں! انہوں نے کہا: میرا چچا کدھر سے آگیا؟ کہا کہ: میں تمہارا رضاعی چچا ہوں، انہوں نے کہا کہ: مجھے عورت نے دودھ پلایا ہوگا مرد نے تو دودھ نہیں پلایا، اس لئے جب تک رسول اللہ ﷺ تشریف نہیں لے آتے اور میں ان سے مسئلہ نہیں معلوم کر لیتی اس وقت تک اجازت نہیں دے سکتی۔ جب آپ ﷺ تشریف لائے ان سے مسئلہ پوچھا تو فرمایا: ”إِنَّكَ عَمَلُكَ (مِنْ الرِّضَاعَةِ) فَلْيَلِغْ عَلَيْكَ“ (صحیح البخاری ۱۶/۲۷۰، ۲۸۳۸، صحیح مسلم ۷/۳۳۳، ۲۶۱۹، ابوداؤد ۵/۴۲۲، ۱۷۶۱، نسائی ۱۰/۴۵۵، ۳۲۶۳) وہ تیرا رضاعی چچا ہے تیرے پاس آسکتا ہے، اس سے پردہ نہیں۔

رضاعت کہتے ہیں دودھ کے رشتے کو، حدیث میں آتا ہے:

”يَخْزُمُ مِنَ الرِّضَاعَةِ مَا يَخْزُمُ مِنَ النَّسَبِ“ (مسند احمد بن حنبل ۵/۳۹۲، ۲۳۶۰،

المعجم الكبير للطبرانی ۷/۱۸۳، ۷۶۰۲، مصنف ابن ابی شیبہ ۳/۳۸۶)

جو رشتے نسب سے حرام ہو جاتے ہیں وہ رضاعت سے بھی حرام ہو جاتے ہیں۔

رضاعی رشتہ دار

[حدیث: ۱۱۲۱] ”عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا..... فَإِنَّمَا الرِّضَاعَةُ مِنَ

الرِّضَاعَةِ“ (صحیح بخاری ج: ۱۶، ص: ۵۱، حدیث نمبر: ۳۷۱۲، باب مَنْ قَالَ

لَا رِضَاعَ بَعْدَ خَوْلَيْنِ لَقَوْلِهِ تَعَالَى.....)

ترجمہ: ”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

شیر خواری صرف بھوک کے وقت میں ہوتی ہے۔“

تشریح: اس حدیث میں بھی ایک قصہ ہے، ایک اُمّ المؤمنین کے پاس کوئی صاحب بیٹھے تھے،

کچھ ایسا محسوس ہوا کہ آنحضرت ﷺ کو ناگوار لگا ہے، انہوں نے معذرت کے طور پر کہا کہ: یہ میرا رضاعی

بھائی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

”انظُرُونِ مَنْ يَخْزُمُ الْخَوْلَانِ“ (صحیح البخاری ۱۶/۲۷۰، ۲۳۵۳، مشکوٰۃ ۲/۲۱۸، کنز العمال ۱۶/۲۷۰،

۱۵۶۵۹) دیکھ لیا کرو کہ کون تمہارا بھائی ہے؟ ”إِنَّمَا الرِّضَاعَةُ مِنَ الرِّضَاعَةِ“ اس لئے کہ دودھ پینے کے

احکام بھوک کی حالت میں ہوتے ہیں جبکہ بچہ صرف دودھ پر گزارا کرتا ہے اور وہ دو سال کا زمانہ ہے، دو سال

کی میعاد کے بعد اگر بچہ کسی عورت کا دودھ پیئے تو رضاعت اور حرمت ثابت نہیں ہوتی، وہ بھائی نہیں بنتا۔

غایبات میں سے یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس حدیث کی روایت کرنے والی ہیں اور خود ان کا مسلک اس

کے اہل ہے۔ وہ بڑی عمر میں بھی رضاعت کی قائل ہو جاتی تھیں۔

اصل میں ابو حذیفہ اور ان کی اہلیہ حضرت سہلہ رضی اللہ عنہا جب پردے کا حکم نازل ہوا کہ اپنے غلاموں سے پردہ کیا کرو تو یہ کہنے لگیں کہ: یا رسول اللہ! سالم کو ہم نے جب سے چھوٹا بچہ تھا جب سے پالا تھا، غلام تھا، بعد میں آزاد کر دیا تھا، تو سالم مولیٰ حذیفہ کہلاتا ہے، تو یا رسول اللہ! یہ بڑا مشکل ہے، اب تو اتنی لذت گزر گئی تو اس سے پردہ بڑا مشکل ہو جائے گا، حضور ﷺ نے فرمایا کہ: اس کو اپنا دودھ پلا دے، اب بیس سال کا نوجوان اس کو فرمایا کہ دودھ پلا دے، چنانچہ انہوں نے کسی برتن میں اپنا دودھ نکال کر پلا دیا، وہ بیٹا بن گیا۔ تمام اُمت اس پر متفق ہے کہ یہ ان کی خصوصیت تھی، یہ حکم سب کے لئے نہیں تھا۔

رضاعت کا ثبوت

[حدیث: ۱۱۲۲] ”عَنْ أُمِّ الْفَضْلِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَحْرَمُ الْإِمْلَاجَةَ وَالْإِمْلَاجَتَانِ۔“

(صحیح مسلم ج: ۴، ص: ۳۳۹، حدیث نمبر: ۲۶۳۲، باب فی المصّة والمصّتان)
ترجمہ: ”حضرت اُمّ الفضل رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: دودھ کا ایک بار پینا یا دوبار پستان منہ میں ڈالنا نکاح کو حرام نہیں کرتا۔“

[حدیث: ۱۱۲۳] ”عَنْ عَائِشَةَ..... لَا تَحْرَمُ الْمَصَّةُ وَالْمَصَّتَانِ۔“

(صحیح مسلم ج: ۴، ص: ۳۳۵، حدیث نمبر: ۲۶۲۸، باب فی المصّة والمصّتان)
ترجمہ: ”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایک یا دوبار بچے کا دودھ چوسنا حرمت پیدا نہیں کرتا۔“

تشریح: ان دونوں حدیثوں کا ایک ہی مفہوم ہے، شیر خوار بچے کے اگر ماں ایک مرتبہ منہ میں دودھ دیدے یا دو دفعہ دیدے یا بچے ایک ماں کا دودھ چوس لے یا دو دفعہ دودھ چوس لے تو اس سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔

پہلی حدیث حضرت اُمّ الفضل رضی اللہ عنہا کی ہے، یہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی والدہ ماجدہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اہلیہ اور آنحضرت ﷺ کی چچی ہیں۔ اور دوسری روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہے، اور ایک حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ: قرآن کریم میں یہ آیت نازل ہوئی تھی کہ بچے کا پانچ دفعہ دودھ پینا حرمت کو ثابت کرتا ہے اس سے کم نہیں، یہ آیت تلاوت کی جا رہی تھی جس وقت کہ رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہوا، مطلب یہ کہ حضور ﷺ کے زمانے میں منسوخ تو ہو چکی تھی لیکن بہت سے لوگوں کو اس کے نسخ کا پتا نہیں چلا تھا۔

اب مسئلہ سنو! امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بچے کے پیٹ میں دودھ کا چلا جانا حرمت کو ثابت کر دیتا ہے، اس سے رضاعت ثابت ہو جاتی ہے، یعنی کسی عورت نے کسی بچے یا بچی کو دودھ پلایا، اگر ایک دفعہ بھی پلاو یا تو حرمت ثابت ہوگئی، وہ دونوں بہن بھائی بن جائیں گے۔

بیوی شوہر کے سامنے کسی غیر عورت کے حسن کا ذکر نہ کرے

[حدیث: ۱۱۲۴] "عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لَا تَبَاشِرُ

الْمَرْأَةُ الْمَرْأَةَ فَتَنْتَعِهَا لِزَوْجِهَا كَأَنَّهُ يَنْظُرُ إِلَيْهَا." (صحیح بخاری ج: ۱،

ص: ۲۷۲، حدیث نمبر: ۳۸۳۹، باب لَا تَبَاشِرُ الْمَرْأَةُ الْمَرْأَةَ فَتَنْتَعِهَا لِزَوْجِهَا)

ترجمہ: "حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

فرمایا کہ: نہ بدن لگائے ایک عورت دوسری عورت سے، پھر بیان کرے اس کو اپنے

شوہر کے سامنے گویا کہ وہ اس کی طرف دیکھ رہا ہے۔"

تشریح: اس حدیث شریف میں فرمایا کہ: ایسا نہیں ہونا چاہئے کہ ایک عورت دوسرے عورت سے

ملے، اس کے بدن کو ٹٹولے، کپڑے دیکھے، پھر جا کر اپنے شوہر سے بیان کرے اور اس کے حسن و جمال کا

نقشہ اس انداز سے کھینچے گویا کہ وہ اس کو دیکھ رہا ہے، یہ بڑی گندی بات ہے، اپنے شوہر کے سامنے کسی

غیر عورت کا تذکرہ بری بات ہے، اور اسی طرح میاں بیوی کے تعلقات کا تذکرہ کرنا عورتوں کا عورتوں میں اور

مردوں کے سامنے یہ بھی نہایت بے حیائی کی بات ہے، اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔

مرد دوسری شادی کے لئے پہلی بیوی کو طلاق نہ دے

[حدیث: ۱۱۲۵] "عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ لَا تَسْأَلُ الْمَرْأَةَ طَلَاقَ أُخْتِهَا

لَتَسْتَفْرِغَ ضَخْفَتَهَا وَلَتَنْكِحَ فَإِنْ لَهَا مَا قَدَّرَ لَهَا."

(صحیح بخاری ج: ۲۰، ص: ۲۶۷، حدیث نمبر: ۶۱۱۱، باب {وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ قَدْرًا مُقَدَّرًا})

ترجمہ: "حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کسی

عورت کو اپنی بہن کی طلاق کا سوال نہیں کرنا چاہئے، تاکہ انڈیل لے جو اس کی رکابی

میں ہے اسے چاہئے کہ نکاح کر لے جو کچھ اس کا مقدر ہے اس کو مل جائے گا۔"

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک آدمی شادی کرنا چاہتا ہے اس کی پہلی بیوی

بھی موجود ہے دوسرا نکاح کرنا چاہتا ہے تو عورت جس سے یہ نکاح کرنا چاہتا ہے تو وہ مطالبہ کرتی ہے کہ پہلی کو

طلاق دو، چنانچہ وہ پہلی کو طلاق دے دیتا ہے، اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دوسری کو بیاہ لایا اب پہلی کہتی ہے کہ

اس کو طلاق دو وجہ اس کی یہ ہے کہ عورتوں میں 'سوتا پا' یعنی غیرت بہت زیادہ ہوتی ہے، عورت اپنی سوکن کو برداشت نہیں کر سکتی اور یہ اس کی کمزوری ہے، اگرچہ یہ کمزوری محبت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے، وہ یہ سمجھتی ہے کہ جس طرح میں شوہر کے تعلق اور محبت میں شرکت کی روادار نہیں ہوں یعنی میں شریک نہیں ٹھہراتی، کہ کسی اور کو بھی اس میں شریک کر لوں، اسی طرح شوہر کو بھی میری محبت اور تعلق میں متفرد اور حنیف ہونا چاہئے، شرکت کو گوارا نہ کرے، شوہر کی محبت دو خانوں میں بٹی ہوئی نہ ہو، لیکن عورت کی اس نفسیات کے باوجود یوں کہو کہ عورت کی اس نفسیات کو جاننے کے باوجود اللہ نے مردوں کو چار تک نکاح کرنے کی اجازت دے دی، لیکن پابندی یہ لگائی کہ تم دو عورتوں کے درمیان کانٹے کے تول پر مسادات کرو گے، ایک طرف جھکے نہیں، تمہارا معاملہ تمہارا میل اور بتاؤ خرچ اخراجات اس میں دونوں میں سے کسی ایک کو اونچ نیچ نہیں کرو گے اور ان کے ساتھ ترجیحی سلوک نہیں کرو گے بلکہ جو معاملہ ایک کے ساتھ ہے وہی دوسری کے ساتھ کرو گے، جتنا اس کو کھلاتے پلاتے ہوتا تھا اس کو کھلاؤ پلاؤ گے جتنا اس کو پہناتے ہوتا تھا اس کو پہناؤ گے، غرضیکہ سوئی کے سرے کے برابر بھی تم اس میں جو راہے انصافی بھی نہیں کرو گے، یہ شرط منظور ہے تو سبحان اللہ!

﴿فَإِنْ كُنْتُمْ لَا تَرْضَوْنَ النِّسَاءَ فَلْيُزْلَجْنَ فَإِنْ هَبَّ شَرْهُنَّ فَلَيْسَ بَعْدَ طَلْقِهَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مَا ضَمَنْتُمْ لَهُنَّ بِالْأَوْلَىٰ ۗ فَاِنَّكُمْ كُنْتُمْ عَلٰیٰ اَعْيُنِنَا ۗ قُلْ لَا تَزْنُوا ۚ﴾ (النساء)

دو، تین، چار جتنے نکاح کر لو لیکن شرط وہی ہے کہ کانٹے کے تول پر برابری کرنا، ورنہ ایک پر اکتفا کرو یا لونڈی سے کام چلاؤ۔

تو دونوں کی نفسیات کی اللہ تعالیٰ نے رعایت فرمائی اور دونوں کو حدود و ضوابط کا پابند فرمایا، اب عورت شرکت کو برداشت نہیں کرتی، لیکن بجائے یہ اس کی طبعی چیز ہے، اس کی طبعی چیز پر مواخذہ نہیں کریں گے، لیکن زبان سے دوسری سوکن کی تنقیص کرے گی تو پکڑیں گے، اس کی توہین کرے گی تو پکڑیں گے، اسی طرح اگر شوہر دونوں کے درمیان کامل مکمل عدل اور برابری کرتا ہے اور کسی کے برا بھلا کہنے کی پروا نہیں کرتا، ایک بد زبان ہے وہ شوہر کو کوئی رنجی ہے اس کے باوجود اس کے حقوق میں برابری کرتا ہے یہ نہیں کہ اس کا رویہ چونکہ میرے ساتھ اچھا نہیں اس لئے میرا رویہ بھی اس کے ساتھ اچھا نہیں، تمہیں اپنا حق ادا کرنا ہے، تم کو اس سے بحث نہ ہو کہ دوسرے کا معاملہ تمہارے ساتھ کیسا ہے؟ تو اگر کوئی شخص دو بیویوں کے درمیان شریعت کے منشاء کے مطابق صحیح عمل کرتا ہے تو سبحان اللہ! اور اگر عدل نہیں کرتا تو حدیث شریف میں آتا ہے کہ: قیامت کے دن بارگاہ الہی میں اس حالت میں حاضر ہوگا کہ اس کا ایک پہلو مفلوج ہوگا، ایک حصے میں روح نہیں ہے، وہ جس کا آدھا دھڑ مفلوج ہے کیسے چلے گا؟ اور جیسے یہ سپاہی لوگوں کو زبردستی مارتے ہیں ایسے ہی فرشتے ان کو ماریں گے اور کہیں گے کہ چل یہ تیرے عمل کی سزا ہے، تو مرد کی نا انصافی پر بھی پابندی لگائی کہ

تمہارے جذبات اپنی جگہ ہیں لیکن مصالح کا تقاضا ہے کہ ایک سے زیادہ شادی کی اجازت دینا۔

ابھی کچھ دنوں پہلے ایک گدھی کا بیان اخبار میں چھپا تھا، گدھی اس لئے کہہ رہا ہوں کہ اس میں انسانیت نہیں، اس نے لکھا کہ جس طرح مرد کو چار عورتوں سے شادی کی اجازت ہے، اسی طرح عورت کو بھی چار شوہر رکھنے کی اجازت ہونی چاہئے، یہ گدھی ہے، یہ جانتی نہیں کہ عورت کیا چیز ہے؟ عورت ہونے کے باوجود عورت کو نہیں جانتی، عورت جس طرح یہ برداشت نہیں کرتی کہ اس کے شوہر کا مرکز نظر دو ہوں، میری طرف بھی دیکھے اور دوسری طرف بھی دیکھے، یہ برداشت نہیں کرتی، اس طرح اس کی غیرت اس کو بھی برداشت نہیں کرتی کہ خود عورت کا مرکز نظر دو ہوں، وہ اس سے بھی تعلق رکھے اور اس سے بھی تعلق رکھے، یہ عورت کی فطرت ہے، اگر کوئی اس فطرت کے خلاف کرتی ہے تو وہ فطرت سے ہٹی ہوئی ہے۔

بہر کیف! اس حدیث شریف میں یہ فرمایا گیا کہ: اگر کوئی شوہر دوسری بیوی سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو یہ دوسری بیوی پہلی بیوی کا یا پہلی دوسری بیوی کی طلاق کا مطالبہ نہ کرے، کیوں؟ تاکہ اس کے برتن میں جو کچھ ہے وہ یہ بھی اپنی رکابی میں انڈیل لے۔

میرے ایک دوست ہیں اس نے دو شادیاں کر لیں، اس خاتون کا میرے پاس فون آیا، میں نے کہا: تیرا کیا بگڑ گیا؟ اتنا امیر گھر ہے، نوح علیہ السلام کی عمر تجھے مل جائے تب بھی دولت ختم نہیں ہوگی۔ لیکن عورت اس کو برداشت نہیں کر سکتی، کہنے لگی: دیکھیں مولانا صاحب! میں آدھے کی رہ گئی ہوں، لیکن عورت ایسا نہ کرے اس کا مقدر اس کو مل جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خاص مصلحتوں کی بنا پر چار شادیوں کی اجازت دی ہے، اس لئے عورتوں کو اپنی نفسیات کے خلاف اس کو قبول کرنا چاہئے، میں جانتا ہوں کہ اس خواہش، اس حکم کو قبول نہیں کرتی، لیکن اس کو حکم خداوندی سمجھ کر قبول کرنا چاہئے اور اللہ تعالیٰ کے قضاء و قدر کے فیصلوں پر راضی رہنا چاہئے۔

لیکن یہ عورتیں کسی کو برداشت نہیں کر سکتیں، نہ ہی شوہر کو بزرگ سمجھتی ہیں، ایک بزرگ تھے، وہ ہوا میں اڑے جا رہے تھے، گھر میں آئے تو بیوی کہنے لگیں: تم بڑے بزرگ بنے پھرتے ہو، بزرگ تو وہ تھا جو آج ہوا میں اڑا جا رہا تھا، کہنے لگے: ارے اللہ کی بندی! وہ میں ہی تو تھا، اس پر کہنے لگی: اچھا جب ہی تو میں کہوں کہ یہ بیڑھا کیوں اڑ رہا ہے؟

اپنے گھر میں نہ کوئی تھا نیدار ہے، نہ کوئی صدرِ مملکت ہے، اور نہ کوئی کمشنر صاحب ہے، نہ کوئی مولوی صاحب ہے، نہ کوئی پیر صاحب ہے، بس سیدھا سادھا میاں ہے، بیوی کا شوہر ہے، بس اس سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نہیں اور ہونی بھی نہیں چاہئے، یہ اپنی نسبتیں باہر ہی رکھو، گھر میں جیسے میاں بیوی رہتے ہیں ویسے ہی رہو۔ بہر حال! عورتوں کو اس کا مطالبہ نہیں کرنا چاہئے۔

لعان کا ایک مسئلہ

[حدیث: ۱۱۲۶] ”عَنِ ابْنِ عُمَرَ..... لَا مَالَ لَكَ إِنْ كُنْتَ صَدَقْتَ عَلَيْهَا فَهُوَ بِمَا اسْتَحْلَلْتَ مِنْ فَرْجِهَا وَإِنْ كُنْتَ كَذَبْتَ عَلَيْهَا فَذَاكَ أَبْعَدُ لَكَ مِنْهَا.“ (قَالَ لِرَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ لَا عَنِّ امْرَأَتُهُ فَقَالَ يَارَسُولَ اللَّهِ! عَالِي؟) (صحیح مسلم ج: ۴، ص: ۳۸۶، حدیث نمبر: ۲۷۳۳، کتاب اللعان باب:.....، صحیح بخاری ج: ۱، ص: ۳۲۳، حدیث نمبر: ۴۹۳۱، باب المنفعة للفرج لَمْ يَفْرَضْ لَهَا الْقَوْلُ لِلْعَالِي.....)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: انصار میں سے ایک شخص نے اپنی بیوی سے لعان کیا تھا، لعان کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان دونوں کے درمیان تفریق کر دی، تو اس نے کہا: یا رسول اللہ! میرا مال؟ فرمایا: تیرے لئے مال نہیں ہے، اگر تو نے اس پر سچ بولا ہے تو تیرا مال اس کے بدلے میں گیا جو تو نے اس کی عصمت کو حلال کیا، اور اگر تو نے اس پر جھوٹ بولا ہے تو وہ تیرے لئے اس سے زیادہ بچہ ہے۔“

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں حضرت اوس انصاری رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی پر بدکاری کی تہمت لگائی تھی، قرآن کریم نے یہ مسئلہ ذکر فرمایا ہے کہ جو لوگ اپنی بیوی پر تہمت لگائیں تو بیوی کے مطالبے پر ان کو لعان کرنا پڑے گا، لعان یہ ہے کہ مرد چار مرتبہ یہ کہے: ”اللہ کی قسم! میں اپنی اس تہمت لگانے میں سچا ہوں“ چار مرتبہ یہ کہے: ”اللہ کی قسم! میں جو اس کے خلاف بات کہہ رہا ہوں میں اس میں سچا ہوں“ اور پانچویں دفعہ یہ کہے گا: ”مجھ پر اللہ کا غضب ٹوٹے اگر یہ سچا ہو“ اس کو لعان کہا جاتا ہے۔ اور لعان کا حکم یہ ہے کہ: ”المتلاعنان لا یجتمعان“ (جامع مسانید ابی حنیفہ، نصب الراية ۴/۶۷، تلخیص لابن حجر) لعان کرنے والے آپس میں جمع نہیں ہو سکتے، ان کے درمیان تفریق ہو جاتی ہے، قاضی ان کے درمیان علیحدگی کر دیتا ہے ان کا نکاح ختم۔

تو آنحضرت ﷺ نے ان کو جنہوں نے اپنی بیوی سے لعان کیا تھا فرمایا کہ: اب یہ تیرے پاس نہیں رہ سکتی، انہوں نے کہا کہ: یا رسول اللہ! میں نے جو مال خرچ کیا ہے مہر؟ فرمایا: مال تمہیں نہیں ملے گا، دو ہی صورتیں ہیں جو کچھ تم نے کہا ہے یہ سچ ہے یا جھوٹ، اگر تو سچ کہتا ہے تو اس عورت کو استعمال کر چکا ہے، اس سے صحبت کر چکا ہے، وہ اس کے بدلے میں ہو گیا، اور اگر تو جھوٹ کہتا ہے تو یہ تیرے لئے اور بھی زیادہ بری

بات ہے، بہر حال مال اب تجھے نہیں ملے گا۔

نکاح میں محرمات کے جمع کا مسئلہ

[حدیث: ۱۱۲۷] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ..... لَا يَجْمَعُ بَيْنَ الْمَرْأَةِ وَعَمَّتِهَا وَلَا بَيْنَ الْمَرْأَةِ وَخَالَتِهَا۔“ (صحیح بخاری ج: ۱، ص: ۶۳، حدیث نمبر: ۴۷۱۸، باب لَا تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ عَلَى عَمَّتِهَا، صحیح مسلم ج: ۴، ص: ۲۰۵، حدیث نمبر: ۲۵۱۳، باب تَحْرِيمُ الْجَمْعِ بَيْنَ الْمَرْأَةِ وَعَمَّتِهَا أَوْ خَالَتِهَا فِي النِّكَاحِ) ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: جمع نہ کیا جائے درمیان عورت کے اور اس کی پھوپھی کے اور نہ درمیان عورت اور اس کی خالہ کے۔“

تشریح: اس حدیث میں ہے جو بات کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے مسئلہ بیان کیا: ﴿وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ﴾ (النساء: ۲۳) دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں، اور خدا نخواستہ کوئی اس کو حلال سمجھ کر ایسا کرے تو کافر ہو جائے گا، دو بہنوں کو ایک عقد میں جمع نہیں کر سکتے، اسی طرح پھوپھی اور بھتیجی اور اسی طرح خالہ اور بھانجی کو بھی ایک نکاح میں جمع نہیں کر سکتے کیونکہ یہاں بھی وہی اخوت کا رشتہ آجائے گا۔ ایک حدیث میں فرمایا: ”نہ چھوٹی کی موجودگی میں بڑی کو لا سکتے ہیں، نہ بڑی کی موجودگی میں چھوٹی کو لا سکتے ہیں۔“ بڑی سے مراد ہے خالہ اور پھوپھی اور چھوٹی سے مراد ہے اس کی بھانجی اور بھتیجی (جامع مسانید ابی حنیفہ، کذا فی النسائی، بطرانی)۔

کسی کے عقد میں کسی عورت کی پھوپھی ہو تو اس کی موجودگی میں اس کی بھتیجی نہیں آسکتی، خالہ ہو تو اس کی موجودگی میں بھانجی نہیں آسکتی، اور اس کا اہل بھی نہیں ہو سکتا، ہاں! جس طرح ایک بہن کے مرجانے کے بعد یا اس کو طلاق ہونے اور عدت گزر جانے کے بعد جس طرح دوسری بہن سے نکاح ہو سکتا ہے اسی طرح پھوپھی کو طلاق دینے کے بعد اس کی بھتیجی سے نکاح ہو سکتا ہے، پھوپھی کے مرنے کے بعد یا اس کے مطلقہ ہونے اور عدت گزر جانے کے بعد، یعنی جو حکم دو بہنوں کا ہے ٹھیک وہی حکم پھوپھی بھتیجی اور خالہ بھانجی کا ہے۔

عدت کا حکم

[حدیث: ۱۱۲۸] ”عَنْ زَيْنَبِ بِنْتِ أُمِّ سَلَمَةَ عَنْ أُمِّهَا..... لَا يَحِلُّ لِمَرْأَةٍ مُسَلِّمَةٍ تَزَوُّنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُجِدَّ فَوْقَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ إِلَّا عَلَى زَوْجِهَا أَوْ بَعَّةٍ

أَشْهَرُ وَعَشْرًا۔“ (صحیح بخاری ج: ۱۶، ص: ۴۰۸، حدیث نمبر: ۴۹۲۱، باب النکخل للحنافہ، صحیح مسلم ج: ۴، ص: ۴۴، حدیث نمبر: ۴۷۳۳، باب وجوب الإنحدا فی عذۃ الوفاة وتغریبہ فی.....)

ترجمہ: ”حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: حلال نہیں اس عورت کو جو ایمان رکھتی ہو اللہ پر اور آخرت کے دن پر کہ وہ سوگ کرے کسی پر تین دن سے زیادہ، ہاں! اپنے شوہر پر سوگ کرے گی چار مہینے دس دن۔“

تشریح: یہ حدیث اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کی ہے، ان کی صاحبزادی زینب جو آنحضرت ﷺ کی گود میں پلی ہیں، وہ خود بھی صحابیہ ہیں، ان کا قصہ گزر چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ غسل فرما رہے تھے یہ چھوٹی بچی تھیں، چھوٹے بچے شرارت کیا کرتے ہیں، اور آنحضرت ﷺ لنگی باندھ کر اس کے باوجود گھر میں پردہ فرما کر غسل فرماتے تھے، تو یہ بچی بار بار آتی تھی اور پردہ ہٹا کر جھانکتی تھی، آنحضرت ﷺ نے ان کے چہرے پر کھلی ماری، ان کی عمر ستر سال سے زیادہ ہوئی لیکن ساری عمر ان کا وہ چہرہ جس پر آنحضرت ﷺ نے پانی مارا تھا پندرہ سال کی نوجوان لڑکی کی طرح رہا۔ ان کے چہرے میں کوئی تغیر پیدا نہیں ہوا۔

حضرت زینب فرماتی ہیں کہ حضرت اُم المؤمنین اُم حبیب، حضرت امیر معاویہ کی ہمشیرہ رضی اللہ عنہا، ان کے والد ماجد حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو تین دن کے بعد وہ خادمہ سے کہنے لگیں: وہ خوشبو کی شیش اٹھا کر لانا، وہ لائی اور انہوں نے تھوڑی سے خوشبو لگائی اور جو عورتیں وہاں موجود تھیں ان سے فرمایا: ”تمہیں معلوم ہے کہ آنحضرت ﷺ کے تشریف لے جانے کے بعد ہم کو زیب و زینت و خوشبو سے کوئی تعلق نہیں رہا۔ لیکن میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ”کسی عورت کے لئے یہ حلال نہیں کہ وہ کسی کی موت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے، ہاں! اپنے شوہر کی وفات پر وہ چار مہینے دس دن سوگ کرے گی، ایک سوتیس دن۔“ تو میں نے رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد پر عمل کرنے کے لئے یہ خوشبو لگائی ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ سوگ ختم ہو گیا۔ میرے والد کو مرے ہوئے تین دن ہو گئے، دل میں غم یا صدمہ رہتا تو آپ جانتے ہیں کہ جگر کا زخم ہوتا ہے جو مٹتے مٹتے مٹتا ہے۔ تین دن میں تو زخم نہیں بھرتا دیر سے آدی بھولتا ہے لیکن بھول جاتا ہے، ماں باپ کو بھی بھول جاتا ہے آہستہ لیکن تین دن بعد مغموم شکل بنانا اور دیگر مشاغل زندگی کو ترک کر دینا سوگ کی وجہ سے تین دن تک جائز ہے لیکن تین دن بعد جائز نہیں، اپنے اپنے کام میں لگو، تین دن سوگ مٹانے کی اجازت دے دی لیکن تین دن بعد اپنے کاموں میں لگو، زندگی کے معمولات کو اپنے دستور کے مطابق جاری رکھو۔

یہ ہماری شریعت کا اعتدال ہے اور ایک عام قانون بنا دیا، یہاں کہتے ہیں کہ سات دن کا سوگ ہوگا

اور لوگوں نے اس کے مختلف معیار بنائے ہوئے ہیں، کوئی بڑا امرے یا چھوٹا امرے، صدمہ اپنی جگہ لیکن سوگ تین دن سے زیادہ نہیں۔ البتہ عورت کا شوہر اگر انتقال کر جائے تو اس کے ذمے چار مہینے دس دن کا سوگ لازم ہے، الا یہ کہ اس کے پیٹ میں بچہ ہو، اگر عورت اُمید سے ہے تو شوہر کے انتقال کے بعد جب بچہ پیدا ہو جائے گا چاہے دو دن بعد پیدا ہو جائے یا چھ مہینے بعد پیدا ہو اس وقت اس کی عدت ختم ہوگی اور اس وقت تک وہ سوگ میں رہے گی تو یہ جو شوہر پر چار مہینے دس دن کا سوگ بتایا ہے یہ اس خاتون کے لئے جو حاملہ نہ ہو اور جو حاملہ ہو تو اس کی عدت وضعِ حمل ہے۔

حضرت سبعیہ السلیمہ ان کے شوہر حجۃ الوداع میں انتقال کر گئے اور چند دن کے بعد ان کے یہاں بچے کی ولادت ہوگئی تو انہوں نے سوگ ختم کر دیا، کپڑے اچھے پہن لئے، ان کے خاندان کے بزرگ ابوالسائل بن ہلک کہنے لگے: ”کیا بات ہے اچھے کپڑے پہن لئے ہیں، رشتے وصول کرنے یعنی نکاح کرنے کا ارادہ تو نہیں؟“ لَعَلَّکَ تَجَمَّلِی لِلْعَظَّابِ ” پھر کہا: ”جب تک چار مہینے دس دن نہیں گزرتے تو نکاح نہیں کر سکتی۔“ حضرت سبعیہ فرماتی ہیں کہ جب رات ہوئی تو میں نے اپنے کپڑے سیٹھے یعنی اوپر کی چادر لپیٹی اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی، میں نے یہ سارا قصہ ذکر کیا کہ ابوالسائل بن ہلک نے مجھے یوں کہا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ”تیری عدت ختم ہو چکی ہے اب تو اپنی زیب و زینت بھی کر سکتی ہے اور تو نکاح بھی کر سکتی ہے“ (صحیح مسلم)۔

خطبہ (پیغام نکاح) کے آداب

[حدیث: ۱۱۲۹] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ..... وَلَا يَخْطُبُ

(الرَّجُلُ) عَلَى عَظْبَةِ أَحَبٍّ“ (صحیح بخاری ج: ۷، ص: ۳۲۳، حدیث نمبر: ۱۹۹۶، باب لا

يُبْعَثُ عَلَى نَبْعِ أَحَبٍّ وَلَا يُسَوِّمُ عَلَى سَوِّمٍ..... صحیح مسلم ج: ۷، ص: ۲۱۰، حدیث نمبر: ۲۵۱۹،

باب تَخْرِيمُ الْجَمْعِ بَيْنَ الْمَرْأَةِ وَهَقَّتْهَا أَوْ خَالَتُهَا فِي النِّكَاحِ)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: نہ

پیغام بھیجے نکاح کے لئے تم میں سے کوئی آدمی اپنے بھائی کے پیغام پر۔“

تشریح: اس حدیث شریف میں ہے کہ کسی آدمی نے کسی جگہ رشتے کا پیغام بھیجا ہو تو اس کے پیغام

پر پیغام نہ بھیجا جائے بلکہ انتظار کیا جائے کہ اس کو کیا جواب ملتا ہے، اگر ان کی آپس کی بات طے ہو جائے تو

اب پیغام نہ بھیجیں، اور اگر طے نہ ہو اور ان دونوں کی بات ختم ہو جائے تو پھر پیغام بھیج سکتا ہے، جب تک ان

کا سلسلہ چل رہا ہے وہ اس وقت تک پیغام نہ بھیجے تاکہ وہ آزادی سے فیصلہ کر سکے اور اس دوسرے آدمی کی

جس نے پہلے پیغام بھیجا تھا کسی قسم کی حق تلفی نہ ہو۔

نکاح میں عورت کی اجازت ضروری ہے

[حدیث: ۱۱۳۰] ”أَنْ أَبَاهُ رِزْوَةً..... لَا تُنْكَحُ الْأَيُّمُ حَتَّى تُسْتَأْمَرَ وَلَا تُنْكَحُ الْبُكَرُ حَتَّى تُسْتَأْذِنَ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ! وَكَيْفَ إِذْنُهَا؟ قَالَ أَنْ تُسْكَتَ۔“ (صحیح بخاری ج: ۱۶، ص: ۱۰۰، حدیث نمبر: ۳۷۴۱، باب لَا يُنْكَحُ الْأَبْ وَغَيْرُهُ الْبُكَرُ وَالْقَبِيلُ إِلَّا بِوَضَائِعٍ، صحیح مسلم ج: ۷، ص: ۲۳۰، حدیث نمبر: ۲۵۲۳، باب اسْتِئْذَانُ الْقَبِيلِ فِي النِّكَاحِ بِالتَّلَطُّعِ وَالْبُكَرِ بِالشُّكُوتِ)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نکاح نہ کیا جائے بیوہ عورت کا یہاں تک کہ اس سے مشورہ نہ کیا جائے اور نکاح نہ کیا جائے کنواری لڑکی کا یہاں تک کہ اس سے اجازت نہ لے لی جائے۔ صحابہ نے کہا کہ: یا رسول اللہ! اس سے کیسے اجازت لی جائے؟ فرمایا: اس کا خاموش رہنا ہی اس کی اجازت ہے۔“

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ایم“ بیوہ عورت، اصل میں ”ایم“ بے شوہر عورت کو کہا جاتا ہے جس کے شوہر کا انتقال ہو گیا ہو یا شوہر نے اس کو الگ کر دیا ہو۔ فرمایا کہ: جب تک اس بیوہ سے پوچھ نہ لیا جائے اور وہ زبان سے اجازت نہ دے، اس وقت تک اس کا نکاح نہ کیا جائے۔ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کنواری لڑکی سے کیسے اجازت لیں؟ فرمایا کہ: بس اس کا خاموش رہنا ہی اس کی اجازت ہے۔ مگر میں اس کے نکاح کی باتیں ہو رہی ہیں اور وہ خاموش ہے یا اس کی والدہ نے اس کے پاس تذکرہ کیا کہ فلاں جگہ تیرا عقد کرنا چاہتے ہیں تیرے ابا، وہ خاموش رہی بس یہی اجازت ہے۔ یہاں سے دو تین مسئلے معلوم ہو جاتے ہیں:

ایک مسئلہ یہ کہ نکاح کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اولیاء کی طرف فرمائی ہے، نکاح نہ کیا جائے یعنی اس لڑکی کا نکاح کرنے والے کوئی دوسرے ہیں، معلوم ہوا لڑکی خود نکاح نہیں کرے گی، سنت بنی آدم یہی چلی آتی ہے کہ لڑکی کا نکاح اس کے اولیاء کرتے ہیں لڑکی خود نہیں۔ شریف گھرانوں میں یہی دیکھا گیا ہے لیکن اب جدید روشنی ہے، لڑکیاں اپنے آپ ہی کر لیتی ہیں، جدید تعلیم کا ہمیں کچھ تو نفع ملنا چاہئے، ایک تو لڑکیاں جاب کرنے لگی ہیں، لڑکے بے کار پھریں، لڑکیوں کو جاب کرانے اور پھر ان کی ملازمت کا بہترین شرہ یہ نکلا ہے کہ پھر ان کی شادی نہیں ہو سکتی، شادی رُک جاتی ہے اور اگر ہو بھی جائے تو شوہر سے موافقت نہیں ہوتی۔

میرے سامنے ایسے بہت سے قصے ہیں، حق تعالیٰ شانہ نے مرد کو خانہ داری کے لئے یعنی گھر سنبھالنے کے لئے عورت کا محتاج بنایا ہے، گھر میں عورت نہ ہو تو گھر نہیں سنبھلتا، اور عورت کو نان و نفقہ، روٹی پانی کے لئے مرد کا محتاج بنایا ہے وہ بے چاری اپنے شوہر کی دست نگر ہے اس کے ہاتھ پر لا کر کچھ رکھے ورنہ اس کے پاس کچھ نہیں ہے اور یہ دونوں چونکہ ایک دوسرے کے محتاج ہیں اور اس طرح ان کی گاڑی آپس میں چلتی رہتی ہے، ایک پیہا دھرا ایک پیہا ادھر۔

اب جدید تعلیم اور تہذیب نے اور جدید تہذیب نہیں بلکہ جدید تہذیبی نے عورتوں کو مردوں سے بے نیاز کر دیا، مرد کی ضرورت نہیں، اب عورت کو کیوں؟ اس لئے کہ وہ جاب کرتی ہے وہ خود کما کر کھاتی ہے، نوکری کرتی ہے، یہ لفظ میں اس لئے بولتا ہوں کہ لوگوں کے زبان پر یہ لفظ عام ہے، نوکری کہہ دو، ملازمت کہہ دو، لوگوں کو غلیظت ظاہر نہیں ہوتی جب تک یہ انگریزی نہیں بولتے، اور بعض ایسے عقل مند ہیں کہ انگریزی میں لفظ کہیں گے انگریزی جانتے نہیں۔

زبان یا رمن ترکی و من ترکی نمی دانم

تو نتیجہ یہ کہ اول تو لڑکی نکاح کرنے کو مانتی ہی نہیں، اور اگر مان بھی جائے تو وہ اپنی نوکری چھوڑنے کو تیار نہیں، اس کو اپنی نوکری سے اتنا پیار ہے جتنا شوہر سے نہیں، جب نوکری اور شوہر کا مقابلہ ہوتا ہے تو وہ نوکری کو ترجیح دیتی ہے، یہ میں افسانہ بیان نہیں کر رہا، یہ واقعات ہیں اور لڑکیاں خود عدالت میں جا کر نکاح کر لیتی ہیں اور ابھی آپ حضرات یوں سمجھتے ہیں کہ ہم زندہ ہیں۔ ہمارے اندر کا انسان تو کبھی کا مر چکا ہے، ہم انسان نہیں انسانوں کی لاشیں ہیں چلتی پھرتی، اندر کا انسان مر چکا ہے۔

عرض یہ کر رہا تھا کہ شریعت نے مرد کے ذمے بیوی بچوں کا نفقہ ڈالا اور عورت کے ذمے گھر کا کام کاج، اس طرح دونوں کی ضرورت پوری ہو جاتی ہے اور زندگی خوشگوار زندگی گزرتی ہے، باہمی اعتماد، محبت، آلفت، جوڑ، قلبی تعلق اور ایک دوسرے کی عزت رکھتی ہے لیکن جدید تہذیب نے ان تمام اقدار کو تپٹ کر ڈالا ہے، آپس میں ایک دوسرے سے جوڑ ہی نہیں، رسی طور پر تعلق ہے، بس ایسا ہی اندر سے نہیں ہے، اس لئے سب کچھ کھوکھلا ہو گیا ہے۔

ایک صورت یہ بھی ہے کہ لڑکے لڑکیاں جوان ہیں لیکن ماں باپ نے آنکھیں بند کی ہوئی ہیں، فکری نہیں ہے، مجھے تو بہت خط لکھتے ہیں، ماں باپ بھی لکھتے ہیں، بیویاں بھی لکھتی ہیں، اولاد بھی لکھتی ہے، ہر ایک کے حالات مجھے معلوم ہیں، اب کیا کریں؟ تیس، بیس، پینتیس سال ہو گئے جب لڑکی کو تو اب وہ کیا کرے؟ ماں باپ نہیں کرتے، وہ لڑکیاں مجھ سے پوچھتی ہیں کہ پھر ہم کر لیں؟ اب میں ان کو کیا کہوں! ماں باپ کو جب بھی کہا جائے وہ ماننے نہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا تھا کہ: علی! تین چیزوں میں دیر نہیں کرنا، ایک نماز جب اس کا وقت آجائے، دوسرے جب جنازہ آجائے، ہمارے یہاں مکروہ وقت میں جنازہ پڑھنا صحیح نہیں لیکن دوسرے ائمہ فرماتے ہیں کہ اسی وقت میں پڑھ دو مکروہ وقت ہی کیوں نہ ہو۔ اور تیسرے یہ کہ جب لڑکے لڑکی کا رشتہ مل جائے تو فوراً کر دو۔

اور ایک خرابی یہ ہے کہ ماں باپ لڑکے اور لڑکی کی رائے نہیں پوچھتے اور اکثر لڑکے اور لڑکی کی مشا کے خلاف ان کو باندھ دیتے ہیں، اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اسی بیماری کا علاج ارشاد فرمایا ہے، یعنی لڑکی اگر بیوہ ہے اور شوہر کے گھر میں آباد ہو چکی ہے تو اب اس کو ایسی بات کرنے سے شرم زیادہ مانع نہیں ہے، اس لئے کھلے طور پر اس سے مشورہ کیا جاسکتا ہے۔ لڑکی اگر کنواری ہے شوہر کے گھر میں نہیں گئی تو اس کے سامنے کھلے طور پر نکاح کی بات کرنا ذرا حیا کے خلاف شمار کیا جاتا ہے، لڑکی بھی شرماتی ہے، ماں باپ بھی شرماتے ہیں، لیکن اس کا عندیہ اور اس کا اذن معلوم کرنا ضروری ہے، کنواری لڑکی بھی دل سے راضی ہو تب اس کا وہاں نکاح کرو، ورنہ نہیں۔ اور بیوہ تو جب تک صاف الفاظ میں نہ کہہ دے اس کا نکاح کرنا جائز نہیں، زبردستی کا نکاح صحیح نہیں۔

میرے سامنے ایسے کیس بھی آئے ہیں کہ ایک لڑکی انکار کرتی رہی اس کو مار مار کر بیہوش کر دیا اور بیہوشی کی حالت میں اس کا انگوٹھا لگوادیا، ماں باپ نے کہا: ہماری عزت خراب ہوتی ہے اور لڑکی کو بھیج دیا۔ ایک باپ نے اپنی لڑکی کا نکاح زبردستی کر دیا تھا وہ لڑکی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا: میں نہیں چاہتی تھی میرے باپ نے زبردستی میرا نکاح کر دیا ہے، آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر تو اس کو منظور نہ کرے تو یہ نکاح نہیں۔ وہ لڑکی کہنے لگی: مجھے اپنے باپ کا کیا ہوا نکاح منظور ہے، میں اس پر راضی ہوں جو میرے باپ نے میرا نکاح کیا لیکن میں لڑکیوں کو یہ مسئلہ سمجھانا چاہتی ہوں کہ والدین لڑکی کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں کر سکتے، مجھے اپنے باپ کا نکاح منظور ہے۔ مسئلہ تو بتا دیا!

تو والدین کو حق نہیں پہنچتا کہ لڑکی کو زبردستی کسی کے گلے ڈالیں، یہ دو بکریوں کا باندھنا نہیں ہے کہ تم انہیں جیسے چاہے باندھ دو، ان کو زندگی گزارنی ہے، مزاج میں موافقت نہیں ہوتی تو تم کیوں زبردستی باندھتے ہو؟ اور ایک دوسرے سے ناراض ہو کر بیٹھ جاتے ہیں، یہ بھی بے وقوفی کی بات ہے۔

کن کن عورتوں سے نکاح جائز نہیں

[حدیث: ۱۱۳۱] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ..... لَا تُنْكَحُ الْعَمَةُ عَلَى بَنَاتِهَا وَلَا

ابْنَةُ الْأَخِي عَلَى الْخَالَةِ۔“ (صحیح مسلم، ج: ۴، ص: ۲۰۷، حدیث نمبر:

۲۵۱۶، باب تَحْرِيمِ الْجَمْعِ بَيْنَ الْمَرْأَةِ وَخَالَاتِهَا فِي النِّكَاحِ)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہ نکاح کیا جائے پھوپھی سے بیٹی پر، اور نہ بیٹی سے اس کی خالہ پر۔“

[حدیث: ۱۱۳۲] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ..... لَا تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ عَلَى عَمَّتِهَا وَلَا

عَلَى خَالَاتِهَا۔“ (صحیح مسلم، ج: ۴، ص: ۲۰۹، حدیث نمبر: ۲۵۱۸، باب

تَحْرِيمِ الْجَمْعِ بَيْنَ الْمَرْأَةِ وَخَالَاتِهَا فِي النِّكَاحِ)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: نہ نکاح کیا جائے عورت سے اس کی پھوپھی پر اور نہ اس کی خالہ پر۔“

تشریح: دونوں ایک ہی حدیث ہے، اور روایت کے الفاظ مختلف ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کریم میں سورۃ النساء میں اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں کا ذکر فرمایا ہے جن سے نکاح کرنا درست نہیں ان میں سات نسبی رشتے ذکر فرمائے:

﴿وَحُرْمَتٌ عَلَيْهِمْ أُمَّهَاتُهُمْ وَأَبْنَاهُمْ وَأَخَوَتُهُمْ وَعُمَّاتُهُمْ وَأَخَوَاتُهُمْ﴾

الْأَخِي وَبَنَاتُ الْأَخِي﴾ (النساء: ۲۳)

یعنی ماں، بیٹی، بہن، خالہ، بیٹی، بھانجی، ﴿وَأَخَوَاتُهُمْ مِنَ الرِّضَاعَةِ﴾ تمہاری رضاعی بہنیں۔

علماء فرماتے ہیں کہ اس میں سات رضاعی رشتے حرام کر دیے، اس کے بعد دور رشتے سسرالی، ان کو اگر مزید پھیلا یا جائے تو زیادہ بن جائیں گے یعنی ساس اور بہو، اور آخر میں فرمایا: ﴿وَأَنْ تَنْكِحُوا أَبْنَاتِ الْأَخْتَانِ﴾ یہ بھی منع ہے کہ تم دو بہنوں کو جمع کرو، یعنی ایک نکاح میں دو بہنیں جمع نہیں ہو سکتیں، آگے پیچھے نکاح ہو سکتا ہے، اس طرح کہ ایک بہن سے نکاح کیا تھا وہ مر گئی، اب اس کے مرنے کے بعد دوسری بہن سے نکاح کر لیا، یا ایک بہن کو طلاق دے دی اس کی عدت بھی گزر گئی، اب دوسری بہن سے نکاح کر لیا یہ جائز ہے، یکے بعد دیگرے دو بہنوں سے نکاح صحیح ہے بشرطیکہ ایک نکاح میں دونوں بہنیں جمع نہ ہوں اور اس حدیث شریف میں دور رشتے مزید بتائے ہیں: ایک یہ کہ جس طرح دو بہنوں کو جمع کرنا جائز نہیں اسی طرح اس کی بیٹی کو جمع کرنا بھی جائز نہیں اور جس طرح دو بہنوں کو جمع کرنا جائز نہیں، اسی طرح ایک بہن کے ساتھ اس کی بیٹی کو بھانجی کو جمع کرنا بھی جائز نہیں۔

یہاں تو روایت میں لفظ نہیں آئے، دوسری جگہ الفاظ ہیں: ”وَلَا تُنْكَحُ الصَّغْرَى عَلَى الْكُبْرَى

وَلَا الْكُفْرَى عَلَى الصَّغْرَى“ (جامع مسانید ابی حنیفہ، سنن ابی داؤد ۵/۲۵۳، ۴۵۳، ۱۷۶۸) نہ بڑی کو چھوٹی پر اور نہ چھوٹی کو بڑی پر لایا جائے، بڑی سے مراد ہے خالہ اور پھوپھی اور چھوٹی سے مراد ہے بھتیجی اور بھانجی۔ یعنی اگر پہلے سے بھتیجی اور بھانجی کسی آدمی کے نکاح میں ہے تو اس کی خالہ اور پھوپھی کو اس پر نہ لایا جائے۔ مطلب یہ کہ اپنی بیوی کی خالہ سے یا اپنی بیوی کی پھوپھی سے نکاح کرنا ناجائز نہیں جب تک کہ یہ بیوی اس کے نکاح میں ہے۔

اور چھوٹی کو بڑی پر نہ لایا جائے، مطلب یہ کہ اگر جس کسی شخص کے نکاح میں ایک عورت ہو اس کی بھتیجی اور بھانجی کو لانا جائز نہیں۔ تو بیوی کے ہوتے ہوئے خالہ کو یا پھوپھی کو لانا جائز نہیں اور بیوی کے ہوتے ہوئے اس کی بھانجی یا بھتیجی کو لانا جائز نہیں۔ یہ گویا: ﴿وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ﴾ (النساء: ۲۳) کی نبوی تشریح ہو گئی، رسول اللہ ﷺ نے تشریح فرمائی۔

یہ مسائل الحمد للہ عام طور سے لوگوں کو معلوم ہیں، لیکن بعض بے چارے دین سے اور دین کے علم سے اور دین والوں کی محبت سے اتنا دور ہو گئے ہیں کہ بعض لوگوں نے مجھے لکھا ہے کہ میری خالہ میری ہم عمر ہے، میں اس سے نکاح کرنا چاہتا ہوں، اندازہ کرو! نعوذ باللہ! حالانکہ یہ تصور بھی حرام ہے۔

یہاں ہم بیوی کی خالہ کے بارے میں گفتگو کر رہے ہیں، تمہاری خالہ کے بارے میں نہیں یا تمہاری سگی بھتیجی بھانجی کے بارے میں نہیں بلکہ تمہاری اہلیہ کی بھانجی، بھتیجی، خالہ اور پھوپھی ان سے نکاح جائز نہیں ہے، میں نے کہا کہ عام طور سے لوگ ان مسئلوں کو جانتے ہیں لیکن بعض ایسے بھی ہیں کہ یہاں تک پہنچے ہوئے ہیں کہ اپنی سگی خالہ کے بارے میں پوچھتے ہیں۔

بد بخت! اپنی ماں سے کیوں نہ کر لیتا؟ لیکن ان لوگوں سے کیا بعید ہے؟ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ”لَتَجْعَلَنَّ سَنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ“ (بخاری ۲۲/۲۹۸، ۶۷۷۵) تم لوگ اپنے سے پہلے لوگوں کے نقش قدم پر چلو گے، ”حَتَّىٰ لَوْ أَنَّ أَهْلَهُمْ أَذْخَلُوا جِلْدَهُ فِي جَنْحِ طَبَقٍ“ (اگر ان میں سے کسی نے گوہ کے گل میں پاؤں دیا ہوگا، تم بھی ضرور دو گے، ”حَقٌّ أَنْ كَانَ مِنْهُمْ مَنْ أَكَلَتْ أَفْعَادُ عَلَانِيَةٍ لَكَانَ فِي أَفْعَادِ مَنْ يَضَعُ ذَلِكُ“ (ترمذی ۲۳۵۹، ۲۵۶۵) اور ان میں سے اگر کسی (بد بخت) نے اپنی ماں سے علانیہ بدکاری کی ہوگی تو تم بھی کرو گے، تم میں بھی ایسے ہوں گے (ابن ماجہ، طبرانی، مسند احمد بن حنبل)۔

یہ اُمت رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئیاں پوری کر رہی ہے۔ اور جب تک آنحضرت ﷺ کے مزاج سے اور آپ کے دین سے ہٹ جائے تو وہ اُمت کہلانے کی مستحق نہیں رہتی اور سنت کی خلاف ورزی کرنے کے بعد ان کے درمیان نفاق اور شقاق پیدا ہو جاتا ہے، ایمان وہ دولت ہے جو اُمت کو جوڑتی ہے، اور نفاق و شقاق وہ موتیں ہیں جو اُمت کو ٹکڑے ٹکڑے کرتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے نبوت ملنے کے بعد تیس سال قیام فرمایا، تیرہ سال مکہ مکرمہ میں اور دس سال مدینہ منورہ میں۔ مکہ مکرمہ میں احکام نہیں تھے، تیرہ سال گزرے مگر کوئی حکم نہیں تھا، ہاں انماز کا حکم تھا وہ بھی دو وقت کی، فجر اور عصر، سن تیرہ میں جب آنحضرت ﷺ معراج پر تشریف لے گئے تب آپ پر پانچ نمازیں نازل ہوئیں، اور اس کے کچھ ہی عرصے بعد پھر ہجرت کا حکم ہو گیا گویا احکام کی باقاعدہ پابندی کا باقاعدہ آغاز وہاں معراج سے شروع ہوتا ہے۔ اللہ کے راستے میں مال خرچ کرنے کا حکم بھی تھا، لیکن اس کی مقداریں بھی معین نہیں کی گئی تھیں۔

اس زمانے کی جو سورتیں اور آیتیں ہیں ان کی خصوصیت یہ ہے کہ لمبی نہیں چھوٹی ہیں اور بیشتر مضامین ان کے آخرت، آخرت کا یقین، جنت و دوزخ، اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور اللہ تعالیٰ کی ذاتِ عالی کا بیان۔ اللہ تعالیٰ کی صفات کا بیان، رسول اللہ ﷺ کی پیروی کا حکم، آنحضرت ﷺ کو صبر، تسلی، یہ مضامین ہیں۔ گویا یقین دل میں اتارا جا رہا تھا۔ میں نے کہا کہ احکام تو نہیں تھے لیکن مجاہدہ کر داتے تھے، اور دو قسم کا مجاہدہ تھا، ایک مجاہدہ مخالفوں کے ذریعے سے کروا رہے تھے، ٹھکانی بھی خوب ہوتی تھی مسلمانوں کی، جتنا کسی کو ذلیل کیا جاسکتا ہے اور جتنی کسی پر لعنت ملامت کی جاسکتی ہے وہ کفار مکہ نے مسلمانوں پر کی، آنحضرت ﷺ کی ذاتِ عالی پر ایمان لانا گویا ان مصائب اور بلاؤں کا طوفان تھا، اس میں آدمی گھر جاتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ پانچ یا چھ میں مسلمان ہوئے ہیں اور چالیس آدمیوں کی تعداد انہوں نے پوری کی تھی، اندازہ کرو! حضور ﷺ کو اس دعوت کے راستے میں کتنی مشقت برداشت کرنا پڑی ہوگی، چھ سال گزر رہے ہیں اور چالیسواں آدمی مسلمان ہوا، وہ بھی اس طرح لیا کہ یا اللہ! دیدے۔ ”اللّٰهُمَّ اَعِزَّ الْاِسْلَامَ بِاَحَدِ الْعَمَوْنِ!“ (کنز العمال ۱۱/۵۸۱، ۳۲۷۶۸، مسند احمد بن حنبل ۱۱/۴۷۴، ۵۲۳، کذا فی الترمذی ۱۲/۱۳۱، ۳۶۱۳)۔ یا اللہ! دو عمروں میں سے ایک عمر دیدے، یا عمر بن ہشام، یا عمر بن خطاب، ہمارا دعوت کا کام ٹھیک نہیں چلتا، یا اللہ! عطا فرمادے۔ دعا کی، اللہ نے منظور فرمائی، گئے تھے محمد ﷺ کی گردن مبارک اُتارنے، اپنی گردن دے بیٹھے، لمبا قصہ ہے۔

دار ارقم ایک جگہ تھی پہلے وہاں لائبریری بنی ہوئی تھی، اب وہاں سے سب کچھ اُڑا دیا، سب حرم میں شامل ہو گیا، آنحضرت ﷺ وہاں تشریف فرما تھے، چند صحابہ رضی اللہ عنہم ساتھ تھے اور انہی میں شیر خدا اسد اللہ الغالب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی تھے، ”اَسَدُ اللّٰهِ وَ اَسَدُ مَنْوَلِهٖ“ اللہ اور اللہ کے رسول کے شیر ہیں۔ اور عجیب بات یہ کہ ان کو بھی مسلمان ہوئے چار پانچ روز ہوئے تھے، یہ جب پہنچے تو لوگوں نے دروازے کی دراز سے دیکھا کہ عمر آ رہے ہیں، کانپ گئے کہ عمر آ رہے ہیں، حضرت عمر کی دہشت ایسی تھی، حضرت حمزہ نے کہا: گھبرانے کی کیا بات ہے؟ ادھر اگر عمر ہے تو ادھر حمزہ ہے، آنے دو دیکھ لیتے ہیں۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

دروازہ کھول دو آنے دو، اندر داخل ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے گریبان پکڑ لیا اور فرمایا: عمر! کہاں پھر رہے ہو؟ کہا: یا رسول اللہ! مسلمان کر لیجئے۔

تو میں عرض یہ کر رہا تھا کہ یہ دعوت کا کام ایمان اتارنے کے لئے تھا، حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو گرم چٹان پر لٹا کر مکہ کی گرمی اللہ کی پناہ! ایک دن مجھے حرم شریف سے باہر نماز پڑھنا پڑی، بس کچھ نہ پوچھو کہ کیا ہوا میرے ساتھ! حالانکہ نیچے کچھ کپڑا بھی بچھایا تھا، گرم چٹان پر لٹا کر اوپر بھی گرم چٹان رکھتے کہ لیل نہ سکیں، اور یہ ضعیف اور یہ صہیب رضی اللہ عنہ۔ ایک دن حضرت ضعیف رضی اللہ عنہ کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بات ہو رہی تھی جب وہ خلیفہ تھے، حضرت ضعیف رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ذرا پیچھے سے حیرا کپڑا اٹھائیے! کپڑا اٹھایا تو کمر پر اتنے بڑے بڑے داغ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یہ کیا قصہ ہے؟ کہنے لگے: حضور! آگ کے انگاروں پر مجھے لٹا دیا جاتا تھا اور ان انگاروں کو میرا خون اور چربی بجھاتی تھی۔

میں نے کہا کہ صرف مجاہدے کروانے تھے، احکامات کچھ نہیں، پہلے مسلمان ہو جاؤ، کیا کرو گے؟ یہ بعد میں بتائیں گے! پہلے کرنے کی صلاحیت تو اپنے اندر پیدا کرو۔

اور دوسرا مجاہدہ حق تعالیٰ شانہ کی جانب سے تھا کہ ایک مہینے تک حکم تھا: ﴿قَدْ أَلْبَلَّكَ اللَّهُ الْهُلَّةَ وَالْجُلَّةَ﴾ (الزلزلہ) رات کا تھوڑا سا حصہ چھوڑ کر پوری رات قیام کیا کیجئے، فرمایا آدھا کر لیں یا اس سے کچھ کم کر لیں، یا اس سے کچھ زیادہ کر لیں، یہاں آدھی رات ہے، گھڑی گھنٹے ہی نہیں، رات آدھی کب ہوتی ہے، اس کا اندازہ کرتے کرتے پوری رات گزر جاتی تھی، یہ اوپر سے مجاہدہ یہ نیچے سے مجاہدہ، یہ مجاہدہ تھا جس نے صحابہ کرام میں وہ ایمان پیدا کر دیا تھا۔ قرآن کریم میں ہے: ﴿وَأَن كَانَ مَكَرُهُمْ لِيَنفُذَ مِنَّا وَلَهُمْ أَلْمَاحُذَاتُ﴾ (ابراہیم: ۴۶) ان کافروں کے مکر ایسے ہیں کہ ان سے پہاڑ ٹل جائیں (مگر صحابہ نہیں ملے)۔ کافروں کے مکر، سازشوں اور ان کی خوفناک تدبیروں سے قریب تھا کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائے، لیکن صحابہ کرام ایسے راسخ فی الایمان ہو گئے تھے کہ نہیں ہٹ سکے، کوئی خوف اور لالچ ان کو ایک انچ کیا ایک بال برابر بھی ان کے ایمان سے ہٹانے میں کامیاب نہیں ہو سکتا تھا، اب سمجھ ہو کہ نہیں!

لوگ کہتے ہیں کہ علم، تعلیم، پڑھنا، پڑھانا، بس سیکو۔ جب تک دعوت کے راستے سے تم میں ایمان نہیں آئے گا اس وقت تک پڑھنے پڑھانے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا، یعنی معتد بہ فائدہ، کتابیں، رسالے اور فتوے تو ان لوگوں کے لئے ہیں جو ان چیزوں کو ماننتے ہوں، اور آج ہمارے دلوں کی استعداد نے ماننے سے انکار کر دیا ہے، تو ضرورت اس بات کی ہے کہ دعوت کے کام کو پھر اسی نبی پر لایا جائے، ادھر سے بھی گالیاں پڑیں اور ادھر سے بھی مشقتیں آئیں، مگر سے بے گھر ہوں، بیوی بھی طعنہ کر رہی ہے، ماں باپ بھی طعنہ کر رہے ہیں ملا بن گیا۔ اور جماعتوں کی جماعتیں طعنہ کر رہی ہیں کہ ان تبلیغ والوں کی علامت کیا ہے؟ آدھی پنڈلی! میں نے

کتاب پڑھی ہوئی ہے اس لئے بتاتا ہوں، کہتے ہیں آدمی پنڈلی تک پا جامہ، سر پر عمامہ، کان پر مسواک۔ کبھی کہتے ہیں بستر بند پارٹی اور پارٹیاں تو چندہ بھی کرتی ہیں یہ پارٹی تو کسی سے چندہ بھی نہیں کرتی۔

آج جو نبی کریم ﷺ کی تعلیم تھی لوگ اس کا مذاق اڑا رہے ہیں، نہ جماعت کی حیثیت سے اور نہ انفرادی حیثیت سے، تو بھی! کہنے کا مقصد یہ ہے کہ جو دعوت کا کام ہے یہ دعوت کا کام بنیاد ہے، جتنی مضبوطی سے دعوت چلے گی اتنی تیزی سے دین آئے گا، اور جتنی گہرائی کے ساتھ کوئی شخص دعوت کا کام کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے دل میں اتنا ہی گہرا ایمان پیدا فرمائیں گے، تو یہ دعوت کا کام جو کل کر کیا جاتا ہے یہ ایمان سیکھنے کا کورس ہے، بزرگوں کا تجربہ ہے کہ اگر صحیح اصولوں کے مطابق ٹھیک اصولوں کے مطابق امیر کی اطاعت کرتے ہوئے ساتھیوں کی رعایت کرتے ہوئے اور حق تعالیٰ شانہ کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی سنتوں کو زندہ کرتے ہوئے اور قدم اٹھایا جائے اس راستے میں تو تین چلے یا چار مہینے میں دین پر چلنے کی استعداد پیدا ہو جائے گی، یہ نہیں کہ تبلیغی بن گیا۔ جیسے مشائخ اجازت دیتے ہیں خلافت دیتے ہیں کہ تمہیں بیعت کرنے کی اجازت ہے، اس کا یہی مطلب ہے کہ آئندہ اس میں استعداد پیدا ہو گئی ہے ان شاء اللہ، اگر یہ اس استعداد کو بڑھائے تو اللہ تعالیٰ اس سے کام لیں گے۔

شغار کا حکم

[حدیث: ۱۱۳۳] ”عَنْ ابْنِ عُمَرَ..... لَا شِغَارَ لِمَا إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ“

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: اسلام میں شغار نہیں۔“

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ: اسلام میں شغار نہیں۔ جاہلیت میں لڑکیوں کے نکاح میں ونے کا رواج تھا، بدلے کا۔ وہ شہ لیکن رواج ایسا تھا کہ ایک لڑکی دوسری لڑکی کا مہر قرار پاتا تھا، یہ ان لڑکیوں کے تبادلے کرتے تھے، تو مہر نہیں ہوتا، یہ لڑکی کا اول بدل ہی مہر قرار پاتا، اس کی لڑکی لے لی اپنی لڑکی دے دی، یہ نکاح صحیح نہیں۔ اور اس میں چند خرابیاں ہیں: ایک تو یہ کہ آزاد عورت کسی کا مہر نہیں بن سکتی مگر لونڈی کو مہر بنانا صحیح ہے۔ دوسری یہ کہ لڑکی کو گویا اپنا غلام سمجھا ملکیت سمجھا ماں باپ نے کہ جس جہنم میں چاہیں اس کو جھونک ڈالیں، یہ بھی غلط ہے، کیونکہ گزر چکا ہے کہ لڑکی کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے۔ تیسرا یہ کہ ایک لڑکی اپنے گھر میں خوش ہے اور دوسری لڑکی خوش نہیں ہے تو ایک کو اس کے میاں نے طلاق دے دی اب اس کے بدلے میں وہ لڑکی جو اپنے گھر میں خوش تھی اس کو بھی چلا کر لیں گے، کیونکہ نکاح بدلے کا تھا، تو طلاق بھی بدلے کی ہوگی۔ ایک خرابی یہ تھی کہ لوگ جاہلیت کی وجہ سے اس بات سے عار کرتے تھے کہ ہم اپنی لڑکی دیں

اور وہ ہمیں نہ دیں۔ آنحضرت ﷺ نے ان جاہلی رسوم کو مٹانے کے لئے اور صحابہ کرام کے بابرکت قلوب میں ان رسوم سے نفرت دلانے کے لئے فرمایا: ”لا شغار فی الاسلام“ اسلام میں شغار نہیں۔

اب رہا حکم! دوسرے ائمہ فرماتے ہیں کہ اگر اس قسم کا نکاح کر دیا جائے تو نکاح ہوتا ہی نہیں۔ حضور ﷺ نے فرمادیا: ”لا شغار“ ہمارے امام ابوحنیفہ امام اعظم رحمہما فرماتے ہیں کہ: جب ایک لڑکی کا نکاح کیا کسی مسلمان مرد کے ساتھ اور یہ کہا کہ: اس لڑکی کا تجھ سے نکاح کیا، اس نے کہا: میں نے قبول کیا، نکاح ہو گیا اور مہر کا ذکر کرنا بھی نکاح میں شرط نہیں ہے۔ اگر مہر غلط رکھا جائے تو اس کا ذکر ضروری نہیں، بغیر مہر کے ذکر کے بھی نکاح ہو جائے گا، بعد میں مہر مشکل لازم آئے گا تو چونکہ ان دونوں لڑکیوں کو ایک دوسرے کا مہر قرار دیا گیا ہے، لہذا مہر غلط ہوا۔ اور دونوں لڑکیوں کو ان کے خاندان کا مہر مثل دلوائیں گے، لیکن نکاح صحیح قرار پائے گا، نکاح شرط باطلہ کے ساتھ باطل نہیں ہوتا، غلط شرط کوئی لگا دے تو نکاح ہو جاتا ہے، لیکن شرط باطل ہوگی۔

اور ایک یہ ہے ہمارے ہاں وٹے کا رواج، پنجاب میں بہت ہے اور معلوم نہیں دوسرے علاقوں میں ہوتا ہوگا، یعنی لڑکیوں کا تبادلہ کرتے ہیں، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ تم دو کے دو جمعیں دیں گے، گویا ایک کا رشتہ دوسرے کے ساتھ مشروط ہے۔ ایک لڑکی دوسری کا مہر تو نہیں، ہر ایک کا مہر الگ الگ ہے، چاہے پنجابی جاہل سواتیس پر ہی نکاح رکھیں، ہم پوچھتے ہیں کہ کتنا مہر رکھیں؟ کہتے ہیں: شرع محمدی سواتیس روپے اسوا بتیس روپے کہاں سے شرع محمدی آئی؟

بہر کیف! یہ تو شغار تھا جس کو رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا تھا، اس کا وٹے کے رشتے سے کوئی تعلق نہیں، باقی میں اس وٹے کے رشتے کا حامی نہیں ہوں، بعض قباحتیں اس میں بھی پائی جاتی ہیں، جو جاہلیت کی رسمیں تھیں وہ اس میں بھی پائی جاتی ہیں۔

یہاں ایک صاحب آتے رہتے ہیں، ان کو جس شخص نے لڑکی دی تبادلے میں اس کی بہن لی۔ یعنی اس کا خسر بہنوئی بھی ہے، اور اس نے نکاح کیا ہوا تھا، پہلی بیوی سے بگاڑا تھا وہ گھر پر نہیں آتی تھی تو اس نے آڑ میں نکاح کیا تھا اور اپنی لڑکی دے کر نکاح کیا تھا، پہلی بیوی کو معلوم ہوا فوراً آگئی اور آکر آباد ہو گئی۔ اب دو ہو گئیں، اب اس کی بہن کو اتنا ستاتے ہیں، جاہل لوگ ہیں، اب اس کی بیوی اس کو مجبور کرتی ہے کہ تم اس کی لڑکی کو طلاق دو، وہ ہماری لڑکی کو طلاق دے، حالانکہ یہ ٹھیک ٹھاک اپنے گھر میں آباد ہیں، کئی کئی بچوں کے والدین ہیں۔ اس قسم کی قباحتیں اس میں پائی جاتی ہیں، اس لئے کوشش ہو کہ ایسا نہ کیا جائے، یہ وٹے کا رواج ختم کریں لیکن مشکل یہ پیش آتی ہے کہ لڑکیوں پر تسلط ہمیشہ والدین کا رہا ہے، اور ان کی شرافت سے والدین نے ہمیشہ ناجائز فائدہ اٹھایا، سوائے نیک لوگوں کے، پٹھانوں کے یہاں کچھ قبائل لڑکیوں کو باقاعدہ

بیچتے ہیں اور نام رکھا ہوا ہے مہر کا۔

ایک صاحب میرے شاگردوں میں سے ہیں، مجھے خط لکھا، میں نے اس کو بلوا کر کہا: تمہارے علماء اس کی مخالفت نہیں کرتے کیا؟ علماء مسئلہ نہیں بتاتے؟ معلوم نہیں صدیوں سے کب سے یہ رواج چلا آ رہا ہے؟ کہنے لگا: علماء خود جا کر ملوث ہو جاتے ہیں، ایک بھی آدمی نہیں ہے جو اس کے خلاف آواز اٹھائے اور جہاد کرے۔

یہ ہمارے قاری عبداللہ جو یہاں آتے ہیں ان کے والد قاری رحیم بخش صاحب یہاں کراچی کسی دوست کی بچی کا عقد تھا اس لئے یہاں آئے ہوئے تھے، اس نے بہت فرمائش کر کے قاری صاحب کو بلوایا تھا، تو ایک بہت غریب خاندان کی لڑکی کوئی اس کا رشتہ نہیں لیتا تھا اور وہ ان کے پاس پڑھی تھی، وہ قاریہ حافظہ تھی، باپ اس کا اتنا غریب کہ کوئی رشتہ نہیں لیتا، حضرت قاری صاحب کے صاحبزادے قاری اہل اللہ، قاری عبداللہ کے چھوٹے بھائی یہ ان کے ساتھ تھے، قاری اہل اللہ کو وہ کہنے لگے: تیرا نکاح کر دیں چیکے سے! اور اس کے باپ سے کہہ دیا کہ: تیری بچی میں اپنے لڑکے کے لئے لیتا ہوں، ابھی جب نکاح ہوگا تو ساتھ ہی تیری بچی کا نکاح بھی کر دیں گے اور کچھ پیسے بھی دیئے کہ جاؤ بچی کے لئے کچھ پٹے بھی خرید لو، ذلہن لے کر چلے گئے آج وہ ماشاء اللہ اپنے گھر میں خوش ہیں، اللہ ان کو سعادتیں اور برکتیں عطا فرمائے وہ پورا مدرسہ چلا رہی ہے۔

حضرت قاری صاحب کی ایک بچی سمندری میں ایک جگہ فیصل آباد کے قریب وہاں حفظ کا مدرسہ ہے۔ قاری صاحب کے پاس ایک لڑکا پڑھ کر گیا تھا، اس نے قاری صاحب کو خط لکھا کہ میں سید ہوں آپ کے پاس قرآن بھی حفظ کیا ہے، اور دس جماعتیں پاس ہوں، نوکری نہیں، گھر بھی نہیں، کھانے کو روٹی بھی نہیں ہے، نہ پہننے کو کپڑا ہے، نہ روزگار ہے، نہ حیثیت ہے، نہ وجاہت ہے، اب مجھے کوئی لڑکی نہیں دیتا، کوئی وظیفہ بتائیے۔ حضرت قاری صاحب گھر گئے، اہلیہ سے کہا: ایک نیکی کا کام کرتی ہے؟ میں تجھے جنت کی ضمانت دیتا ہوں کیونکہ بچیوں کے معاملے میں عورتوں سے مشورہ لیا جاتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ: بچیوں کے معاملے میں ان کی ماؤں سے پوچھو، وہ بچیوں کے مزاج سے واقف ہوتی ہیں اور آگے بچیوں کو بسانا آباد کرنا بھی انہی کے قبضے میں ہوتا ہے، انہی کی تعلیم و تلقین سے بچیوں کو اپنے گھر میں آباد ہونے کا حوصلہ ہوتا ہے۔ جو ماں اپنی بچی کو آباد نہ کرنا چاہے تو بچی کبھی آباد نہیں ہوتی، یہ میرا تجربہ ہے۔ تو قاری صاحب کہنے لگے: یہ نیکی کا کام کر لو جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔ کہنے لگے: اہلیہ نے کہا: آپ کام تو بتائیں کیا ہے؟ کہا: پہلے ماں لوتب! کہا: چلے ٹھیک ہے، آپ جنت کی ضمانت دیتے ہیں تو بتائیے کیا ہے؟ جو بھی میرے لئے ممکن ہوگا وہ کروں گی! قاری صاحب نے وہ خط دیا، اب کون ماں ایسی ہوگی جو گھر میں ایسا داماد لائے جس کا نہ گھر ہو، نہ پہننے کو ہو، نہ کھانے کو ہو، نہ کوئی روزگار، بڑے بڑے علماء کی بیویاں بھی کہتی ہیں: جا کام کراپنا، جا کر مسجد میں درس دیا کر، تجھے پتا تو ہے نہیں دنیا

جہان کا۔ وہ نیک عورت کہنے لگی: آپ نے بہت بڑا وعدہ کیا ہے، میں اللہ کے بھروسے پر اس رشتے کو قبول کرتی ہوں، کام تو بہت مشکل بتایا۔ حضرت قاری صاحب نے اس سید زادے لڑکے کو لکھا کہ تم اپنی والدہ کو لے کر آ جاؤ یہاں ایک رشتہ ہے تمہیں دکھا دیں گے، تمہیں پسند آ جائے تو نکاح ہو جائے گا۔ وہ خوش خوش آئے قاری صاحب کے یہاں ٹھہرے۔ دوسرے دن لڑکے کی والدہ کہنے لگی کہ: وہ رشتہ کہاں ہے؟ دکھائیں ہمیں! قاری صاحب کی اہلیہ کہنے لگیں کہ: یہ لڑکی پھر رہی ہے، یہی رشتہ ہے! کہا: لڑکی تو پسند آئی لیکن ہم بہت نیچے کے لوگ ہیں اور آپ بہت اونچے لوگ ہیں۔ کہنے لگے: اونچ نیچ کو چھوڑو یہ بتاؤ کہ لڑکی پسند ہے کہ نہیں؟ کہا: لڑکی تو پسند ہے! فرمایا: یہی رشتہ ہے تمہارا! نکاح کر دیا اور لڑکی کو بھی ساتھ رخصت کر دیا۔

قاری صاحب کے صاحبزادے بتا رہے تھے کہ قاری صاحب نے اپنی بچیوں کو مختلف سامان نہیں دیا، لیکن اس بچی کو دیا تا کہ اس کو یہ احساس نہ ہو کہ مجھے غریبوں کے یہاں جھونک دیا، اور بیس ہزار روپیہ نقد دیا کہ جاؤ اپنا بندوبست کرو۔ آج وہ بچی ماشاء اللہ سب سے زیادہ خوش حال ہے، مدرسہ چلا رہی ہے، بہترین قسم کا مدرسہ، وہ سمندری میں۔ میرے اکابرین کے یہاں تو الحمد للہ! یہی طریقہ رہا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سنت پر عمل کرنے کی مجھے بھی تھوڑی سی توفیق عطا فرمائی، اللہ نے پریشانی نہیں دی۔

مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ تو بہت ہی اونچے بزرگ تھے، اہلیہ نے کہا کہ: لڑکی جوان ہو گئی ہے، کہا: اچھی بات ہے! مسجد میں گئے ایک لڑکے کی نماز بہت پسند آئی اس کو بلایا پوچھا: بیٹے! تمہارا نکاح ہو گیا ہے؟ کہا: نہیں۔ کہنے لگے: چلو تمہارا نکاح کر دیتے ہیں۔ لڑکے کو بلایا صرف نماز دیکھ کر خوش ہو گئے، یہ نہ پوچھا کہ اس کا گھر کیسا ہے؟ کہاں ہے؟ کیا کام کرتا ہے؟ والدین اس کے کون ہیں؟ الحمد للہ! ہم نے بھی نہیں پوچھا تھا لڑکے کو دیکھ لیا تھا، ہمیں معلوم نہیں کہ کون لڑکا ہے؟ کہاں رہتا ہے؟ کیا کرتا ہے؟ کیا کاروبار ہے؟ کیسے لوگ ہیں؟

تو یہ جو لوگوں کی زیادتیاں ہیں اس کا ایک قصور یہ ہے کہ لڑکیوں کو اپنی ذاتی جائیداد سمجھتے ہیں، لڑکیوں کو بیچتے ہیں، کیا ان قبائل کے مولویوں میں ایک بھی ایسا نہیں جو اپنے اکابر کی سنت پر عمل کرے اور اس مردہ سنت کو زندہ کرے؟ ساٹھ ہزار، ستر ہزار، ایک لاکھ، دو لاکھ، تین لاکھ روپیہ لڑکی کی قیمت لگتی ہے، ان میں لوگ دیسے ہی غریب ہوتے ہیں، رقم لڑکا پہلے لے کر آئے اس کے بعد لڑکی دیتے ہیں۔



کتاب البیوع

اپنے ہاتھوں کی کمائی

[حدیث: ۱۱۳۳] ”خَذْنَا أَبُو هُرَيْرَةَ.... أَنَّ دَاوُدَ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ لَا يَأْكُلُ إِلَّا مِمَّنْ عَمِلَ يَدُهُ۔“

(صحیح بخاری ج: ۷، ص: ۲۳۶، حدیث نمبر: ۱۹۳۱، باب کسب الزجر و غفلہ بیدہ)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: حضرت داؤد نبی علیہ السلام نہیں کھاتے مگر اپنے ہاتھ کی کمائی سے۔“

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھوں کی کمائی سے کھانا کھاتے تھے، اپنی ہاتھوں کی محنت سے کھانا کھاتے تھے۔

یوں کہتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا معمول تھا ایک وقت مقرر کیا ہوا تھا، رات کو تنہا گشت کرتے تھے، رعایا کے احوال معلوم کرتے تھے اور ساتھ یہ بھی معلوم کرتے تھے کہ داؤد کیسا آدمی ہے؟ بے پچان ہو کر لوگوں سے معلوم کرتے تھے، اب ظاہر ہے کہ اللہ کے نبی ہیں لوگ ان کے بارے میں کیا کہتے؟ پیغمبرانہ اعمال، پیغمبرانہ اخلاق، پیغمبرانہ عدل و انصاف، کوئی شکایت نہ کرتا، ایک دن اسی طرح جا رہے تھے راستے میں ایک بڑھیالی، اس سے پوچھا: اماں! داؤد کیسا آدمی ہے؟ کہنے لگی کہ: بہت اچھا آدمی ہے۔ لیکن اس میں ایک عیب ہے وہ یہ کہ روٹی سرکاری خزانے سے کھاتا ہے، واپس آگئے اور اللہ سے دعا کی کہ اس بڑھیالے نے ایک بات کہی ہے، بات تو اس کی ٹھیک ہے، اب میں رعایا کا کام کروں تو اپنی محنت مزدوری کس وقت کروں؟ اور محنت مزدوری کروں تو رعایا کے کام کس وقت کروں؟ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس دعا کے نتیجے میں ان کو یہ معجزہ عطا فرمایا کہ لوہا ان کے ہاتھ میں موم بنادیا:

﴿وَالْقَالَةُ الْحَدِيدُ إِنَّ أَعْمَلَ سَمِيعٍ وَقَدِرٍ فِي الشَّرِّ﴾ (سورۃ سبا)

ترجمہ: ”ہم نے ان کے لئے لوہا نرم کر دیا، تو لوہے کی زرہیں بنایا کر اور اندازے کی کڑیاں بنایا کر۔“

کڑیوں کے لئے کوئی سانچا بھی بنالیا ہوگا، ان کے ہاتھ میں لوہا بالکل موم، پیٹھے پیٹھے بنا لیتے پھر اس کی زرہیں بنا لیتے۔ ”زرہ“ اس لباس کو کہا جاتا ہے جو جنگ میں لباس پہنا جاتا ہے، اور اس کو فروخت کرتے تھے اور اس سے گھر کا خرچ چلاتے تھے، سرکاری خزانے سے نہیں کھاتے تھے۔

ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ سب سے بہتر کھانا داؤد علیہ السلام کا ہے، وہ اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھایا کرتے تھے، اور سب سے بہتر نماز داؤد کی نماز ہے وہ آدمی رات تک سوتے پھر ایک تہائی تک قیام کرتے پھر چھٹا حصہ سوتے تھے، رات کو کل چھ حصوں میں تقسیم کر کے پہلے تین گھنٹے آرام کیا، پھر دو گھنٹے قیام کیا، پھر ایک گھنٹہ آرام کیا۔ اور سب سے بہتر روزہ داؤد علیہ السلام کا ہے، ایک دن روزہ رکھتے تھے ایک دن افطار کرتے تھے، حضرت داؤد علیہ السلام تو پیغمبر تھے، پیغمبر کا مقابلہ کون کر سکتا ہے؟ لیکن حضور اکرم ﷺ کے چاروں خلیفہ اس سنت داؤد پر عمل پیرا تھے، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے تنخواہ لی، حضرت ابوبکر بزاز کی کا کام کرتے تھے کپڑا بیچتے تھے، خلیفہ بننے کے بعد بازو پر کپڑا ڈال کر بازار بیچنے جا رہے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے روک لیا، پوچھا: کہاں جا رہے ہیں؟ فرمایا: بازار جاؤں گا۔ فرمایا: آپ بازار جائیں گے تو پھر رعایا کا کام کون کرے گا؟ کہنے لگے: پھر بازار نہ جاؤں تو بیچے روٹی کہاں سے کھائیں گے؟ انہوں نے مہاجر و انصار کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کو جمع فرمایا اور کہا: یہ خلیفہ کا رد بار کرنا چاہتے ہیں، ان کا کوئی وظیفہ مقرر کر دو، وہ وظیفہ اتنا کم تھا کہ بمشکل روٹی پوری ہو سکتی تھی۔

”حکایات صحابہ“ میں شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے یہ روایت نقل کی ہے: الہیہ نے کہا: میٹھا کھانے کو بھی چاہتا ہے، فرمایا: میرے پاس تو اتنا ہی ہے، تم اس میں سے بچالو۔ انہوں نے تھوڑا تھوڑا کر کے کچھ عرصے میں اتنا جمع کر لیا جس سے کوئی میٹھی چیز تیار ہو سکے، وہ میٹھی چیز پیش کی گئی، پوچھا: یہ کہاں سے آگئی؟ فرمانے لگیں کہ: ہم نے تھوڑا تھوڑا سا بچا کے اتنا رکھ لیا تھا۔ فرمایا کہ: اتنا وظیفہ میرا زادہ ہے، اتنا اور کم کر دیا جائے، معلوم ہوا کہ اس کے بغیر بھی گزارہ ہو سکتا ہے۔

کل مدت خلافت دو سال ہے، مرتے وقت وصیت کر دی کہ اتنی مقدار کہ جتنا کل وظیفہ لیا ہے اتنی مقدار بیت المال میں واپس جمع کر دی جائے، ایک دانہ بھی بیت المال کا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ذمے نہیں، اور یہی کام حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی کیا، ایک ایک دانہ سرکاری خزانے میں جمع کر دیا، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تو دیسے ہی غنی تھے ماشاء اللہ انہوں نے کبھی ایک پیسہ لیا ہی نہیں، اور یہ معاملہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بھی تھا۔

حضرت داؤد علیہ السلام تو اللہ کے نبی تھے، ان جیسی نیکی کون کر سکتا ہے؟ لیکن محمد ﷺ کے غلاموں نے

بھی کچھ نہ کچھ حضرت داؤد علیہ السلام کی پیروی میں کر کے دکھادیا۔

حضرت داود علیہ السلام کا اپنی کمائی سے کھانا

[حدیث: ۱۱۳۵] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ..... خُفِّفَ عَلَى دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ الْقُرْآنَ فَكَانَ يَأْمُرُ بِدَوَابِّهِ فَيَسْرِجُ فَيَقْرَأُ الْقُرْآنَ قَبْلَ أَنْ يَسْرِجَ دَوَابَّهُ وَلَا يَأْكُلُ إِلَّا مِنْ عَمَلٍ يَدُو“ (صحيح بخاری ج: ۱، ص: ۲۲۶، حدیث نمبر: ۳۱۶۴، باب قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى {وَأَتَيْنَا دَاوُدَ ذُرِّيَّةً} الزَّيْن.....)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہاں کیا گیا حضرت داود علیہ السلام پر قرآن، پس وہ حکم فرماتے تھے اپنی سواری کے بارے میں کہ اس پر زین رکھی جاتی تھی وہ قرآن پڑھ لیتے تھے زین رکھنے سے پہلے اور نہیں کھاتے تھے مگر اپنی ہاتھ کی کمائی سے۔“

تشریح: اس حدیث میں حضرت داود علیہ السلام کا ایک معجزہ اور ان کا ایک عمل ذکر کیا گیا ہے، ان کا معجزہ تو یہ کہ خدام کو حکم فرماتے تھے اپنی سواری تیار کرنے کے لئے، اتنی دیر میں کہ وہ سواری تیار کریں اس پر کاٹھی وغیرہ لگائیں وہ اپنی زبور کی تلاوت کر لیتے تھے، یہاں ذکر کیا گیا ہے قرآن پڑھ لیتے تھے اس سے مراد زبور ہے جو ان پر نازل ہوئی تھی۔

حضرت داود علیہ السلام کی زبور بہت عمدہ قسم کی تھی اور ضرب الامثال تھی یعنی ایک قسم کی نظم بھی تھی اور ساتھ کے ساتھ حکمت کی باتیں بھی تھیں لیکن اس وقت تو رات میں جو مجموعہ زبور کا پایا جاتا ہے وہ نہیں ہے، تمام کتابوں کو اہل کتاب نے بدل ڈالا ہے، حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ سے مناظرہ ہوا تھا، مباحثہ شاہ جہاں پور کے نام سے مشہور ہے، وہاں حضرت نے بحث کی کہ تمہاری کتابوں میں تحریف ہوئی ہے، کہنے لگے تحریف تو نہیں ہوئی غلطیاں ہیں اور غلطیاں کیا ہیں؟ ایک لاکھ غلطی ہے، معمولی بات ہے، حضرت نے فرمایا کہ چلو جتنی غلطیاں ہیں تم ان کی نشاندہی کرو اس کو چھوڑ دیتے ہیں باقی کا ہم اعتبار کر لیں گے کہنے لگے ان کی تعیین نہیں کر سکتے، تو حضرت نے اس موقع پر ارشاد فرمایا کہ تم ہی بتاؤ بقول تمہارے ایک لاکھ غلطی تمہاری کتاب میں اور ہم نے کہا ایسا کر لو کہ جو غلطیاں ہیں ان کی نشاندہی کر لو باقی ہم اس کو ٹھیک کر لیں گے لیکن تم نے کہا کہ ہم وہ بھی نہیں کر سکتے تو جس صحیفے میں جس دستاویز میں ایک لاکھ غلطی ہو اور بتانے والا بتا بھی نہ سکے تو تم بتاؤ کہ وہ صحیح ہوگا؟

میرا کہنے کا مقصد یہ ہے کہ جو مجموعہ تورات کا اس وقت ہمارے سامنے ہے اس میں زبور بھی ہے اور حضرت داود علیہ السلام کی کتاب بھی لیکن کوئی چیز بھی ان سے قابل اعتماد نہیں، اس لئے ہمیں رسول اللہ

ﷺ نے نصیحت فرمائی: ”لَا تَصَدَّقُوا أَهْلَ الْكِتَابِ وَلَا تُكَلِّبُوا هُمْ“ (بخاری ۲۲/۳۳۸، ۶۸۱۳) اہل کتاب اپنی کتاب میں سے کوئی چیز بتائیں ان کی تصدیق کرو نہ تکذیب کرو، نہ کہو کہ ٹھیک ہے نہ کہو کہ غلط ہے بلکہ یہ کہہ دیا کرو کہ: ”أَمَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ“ ہم اللہ پر اور اللہ تعالیٰ کے کلام پر ایمان رکھتے ہیں تو حضرت داود علیہ السلام کا ایک معجزہ تو یہ تھا کہ اتنے میں خدام ان کی سواری تیار کرتے اتنے میں وہ پوری زبور پڑھ لیتے تھے اور ہماری عقل میں یہ بات نہیں آئے گی کہ وہ کیسے پڑھ لیتے تھے؟ یہ بات حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارے میں بھی بتائی گئی ہے ان کی کرامت ہے لوگوں کو فرماتے کہ سواری تیار کرو پورا قرآن پڑھ لیتے تھے۔

میرا ایک لفظ یاد رکھو، انبیاء کرام کے معجزات ہوتے ہیں، اولیاء اللہ کی کرامات ہوتی ہیں، معجزات اور کرامات کو تمہاری عقل کے پیمانے سے نہیں ناپا جاسکتا اور تو لا جاسکتا، ایک بات تو یہ فرمائی اور دوسری بات یہ فرمائی کہ حضرت داود علیہ السلام بادشاہ تھے، ان کے صاحبزادے حضرت سلیمان علیہ السلام وہ بھی بادشاہ تھے اور انہوں نے تو یہاں تک دُعا کی تھی: ﴿وَصَبِّ لِي مُلْكًا لَا يَنْبَغِي لِأَخِيذٍ مِنْ بَعْدِي﴾ (ص: ۳۵) اے اللہ! مجھے ایسی سلطنت عطا فرما کہ میرے بعد کسی کو نہ ملے، اللہ تعالیٰ نے منظور فرمائی، بہر حال وہ بھی نبی وہ بھی نبی، اہل کتاب ان دونوں کو نبی نہیں مانتے دونوں کو بادشاہ کہتے ہیں، ہم مسلمان نبی مانتے ہیں تو حضرت داود علیہ السلام کا ایک معجزہ تو یہ تھا کہ سواری کو تیار کرنے کا حکم دیتے اور اپنی زبور پڑھ لیتے تھے۔

دوسرا ان کا کارنامہ یہ بیان فرمایا کہ اپنے ہاتھ کا کمایا ہوا کھانا کھاتے تھے، اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے، ملکی خزانے ان کے قبضے میں ہیں لیکن ان کو ہاتھ نہیں لگاتے تھے، اپنے ہاتھ سے کمائی کرتے تھے اور کھانا کھاتے اور اس کو قرآن میں ذکر کیا گیا: ﴿وَأَلَّا لَهُ الْخُذِيذَى﴾ (سبا: ۱۰) ہم نے لوہان کے لئے نرم کر دیا تھا، لوہے کی کڑیا جوڑ کر اس طرح جس طرح کوئی لکڑی جوڑ ہوتا ہے ایسا ایک کڑی کو دوسری کے ساتھ ملا کر زہیں بناتے تھے اور اس کو بیچتے تھے اور اس کی روٹی کھاتے تھے۔

آنحضرت ﷺ کا ذریعہ معاش

حیاء الصحابہ اور حدیث کی دوسری کتابوں میں یہ واقعہ ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے ایک تابعی (عبد اللہ الہزینی) نے پوچھا کہ آنحضرت ﷺ کا ذریعہ معاش کیا تھا؟ آپ کے ذہن میں فوراً یہ بات آئی ہوگی کہ حضور اقدس ﷺ کی بہت بڑی مارکیٹ ہوگی، بڑے کارخانے ہوں گے، اور آپ کے لنگر جاری ہوں گے، نہ بھائی! ایسا کچھ نہیں تھا بلکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

[حدیث: ۱۱۳۶] ”عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ يَا عَائِشَةُ! لَوْ شِئْتُ لَسَارَتْ مَعِيَ جِبَالُ الذَّهَبِ۔ جَاعَتْنِي مَلَكَ وَإِنْ خَبِرْتُكَ لَفَسَاوِي الْكُفَّةَ فَقَالَ إِنَّ رَبَّكَ يَقْرَأُ عَلَيْكَ السَّلَامَ وَيَقُولُ إِنْ شِئْتُ لَنِيَّابَعِدَا وَإِنْ شِئْتُ نِيَّابَعِدَا۔ فَتَنَظَرْتُ إِلَى جَنَابِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَأَشَارَ إِلَى أَنْ ضَعُفْتُ نَفْسِي... فَقُلْتُ نِيَّابَعِدَا۔“ (مشکوٰۃ ص: ۵۲۱)

ترجمہ: ”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ اے عائشہ! اگر میں چاہوں تو میرے ساتھ سونے کے پہاڑ چلا کر آؤں، اور فرمایا میرے پاس ایک فرشتہ آیا اور (وہ بہت ہی طویل تھا) مجھ سے کہا کہ حق تعالیٰ شانہ سلام کہتے ہیں (سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور علیہ السلام کو سلام بھیجوا یا گیا ہے۔) اور ارشاد فرماتے ہیں کہ بادشاہ نبی بن کر رہنا چاہتے ہو یا فقیر نبی بن کر رہنا چاہتے ہو؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام (آنحضرت ﷺ کے پاس تھے) ان کی طرف آنحضرت ﷺ نے دیکھا، انہوں نے ہاتھ سے اشارہ فرمایا، مطلب یہ کہ اپنے آپ کو بالکل گرا دو، (یعنی یہ کہو کہ بادشاہ نبی نہیں، فقیر نبی بن کر رہنا چاہتا ہوں) چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یا اللہ! میں بادشاہ نبی نہیں بلکہ فقیر نبی بن کر رہنا چاہتا ہوں۔“

ایک اور روایت میں ہے، فرمایا:

”وَلَكِنْ أَشْبَعُ يَوْمًا وَأَجُوعُ يَوْمًا فَإِذَا جُعْتُ تَضَرَّعْتُ إِلَيْكَ وَذَكَرْتُكَ وَإِذَا شَبِعْتُ حَمِدْتُكَ وَشَكَرْتُكَ۔“ (مشکوٰۃ ص: ۴۴۲)

ترجمہ: ”لیکن ایک دن پیٹ بھر کر کھانا کھاؤں اور ایک دن بھوکا رہوں، جب بھوک لگے تو میں آپ کی طرف عاجزی کروں اور آپ کو یاد کروں، اور جب پیٹ بھر کر کھاؤں تو آپ کی حمد کروں اور آپ کا شکر کروں۔“

خلاصہ یہ کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ ایک دن ملا کرے تاکہ کھا کر تیرا شکر ادا کروں اور دوسرے دن نہ ملا کرے تو میں مہر کروں اور شکر کروں، آنحضرت ﷺ کی ساری معیشت اسی پر گزری ہے۔

درمیان میں ایک بات آگئی، کہ ہر نبی کے دو شیر آسمان اور دو زمین کے ہوتے ہیں، چنانچہ حدیث میں ہے:

”عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا وَلَهُ وَزِيرَانِ مِنَ أَهْلِ السَّمَاءِ، وَوَزِيرَانِ مِنَ أَهْلِ الْأَرْضِ، فَأَمَّا وَزِيرَايَ مِنَ أَهْلِ السَّمَاءِ فَجِبْرِيلُ وَمِيكَائِيلُ وَأَمَّا وَزِيرَايَ مِنَ أَهْلِ الْأَرْضِ

(ترمذی ص: ۲۰۹)

فَأَبُو بَكْرٍ وَغَمَزَ۔“

ترجمہ: ”آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہر نبی کے لئے اللہ تعالیٰ نے دو شیر آسمان سے اور دو شیر زمین سے مقرر کئے ہیں جو اس کو مشورے دیتے ہیں، اور میرے دو شیر زمین کے ہیں، اور دو شیر آسمان کے ہیں، زمین کے شیر ابو بکر و عمر ہیں (رضی اللہ عنہما) اور آسمان کے شیر جبریل و میکائیل (رضی اللہ عنہما) ہیں۔“

آپ ﷺ چونکہ محبوب خلائق ہیں اس لئے انسان تو انسان، ملائکہ اور پہاڑ بھی آپ ﷺ سے محبت کرتے تھے، چنانچہ ایک حدیث میں ہے:

”عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ نَظَرْتُ سُرُورَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى أَخِي فَقَالَ: إِنْ أَخَذَ جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَلُحْنَهُ۔“ (مسلم ج: ۱ ص: ۴۴۶)

ترجمہ: ”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے احد پہاڑ کو دیکھا اور فرمایا: بے شک یہ احد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے، ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔“ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے یہ چیز نہیں رکھی۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے وزیر خزانہ:

[حدیث: ۱۱۳۷] ”عَنْ عَبْدِ اللَّهِ الْهَزْرَنِيِّ قَالَ: لَقِيتُ بِلَالًا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ مُؤَذِّنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِحَلَبٍ فَقُلْتُ: يَا بِلَالُ! حَدِّثْنِي كَيْفَ كَانَتْ نَفَقَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَقَالَ: مَا كَانَ لَهُ شَيْءٌ إِلَّا أَنَا الَّذِي كُنْتُ إِلَى ذَلِكَ مِنْهُ مُنْذُ بَعَثَهُ اللَّهُ إِلَى أَنْ تُوُفِّيَ، فَكَانَ إِذَا آتَاهُ الْمُسْلِمُ فَرَاةً غَائِلًا يَأْمُرُنِي فَأَنْطَلِقُ فَأَسْتَقْرِضُ فَأَشْتَرِي الْبُرْدَةَ وَالشَّيْءَ فَأَكْشُرُهُ وَأَطْعَمُهُ حَتَّى إِعْتَرَضَنِي رَجُلٌ مِنَ الْمَشْرِكِينَ فَقَالَ: يَا بِلَالُ! إِنَّ عِنْدِي سَعَةً فَلَا تَسْتَقْرِضُ مِنْ أَخِيكَ الْيَمَنِيِّ، فَلَمَّا كَانَ ذَاتَ يَوْمٍ تَوَضَّأْتُ ثُمَّ قُمْتُ يُؤَادِنُ بِالصَّلَاةِ فَإِذَا الْمَشْرِكُ فِي عَصَابَةٍ مِنَ التَّجَارِ فَلَمَّا رَأَى قَالَ: يَا حَبِشِي! قُلْتُ: يَا أَيُّهَا الشَّهْرُ؟ قُلْتُ: قَرِيبٌ، قَالَ: إِنَّمَا بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ أَرْبَعُ لَيَالٍ فَأَخَذْتُكَ بِالَّذِي لِي عَلَيْكَ فَإِنِّي لَمْ أُعْطِكَ الَّذِي أُعْطِيكَ مِنْ كَرَامَتِكَ وَلَا مِنْ كَرَامَةِ صَاحِبِكَ وَإِنَّمَا أُعْطِيكَ لِتَصِيرَ لِي عَبْدًا فَأَذْرُكَ تَرْضَى فِي الْقَتْمِ كَمَا

كُنْتُ قَبْلَ ذَلِكَ، قَالَ: فَأَتَخَذَنِي فِي نَفْسِي مَا يَأْخُذُ فِي أَنْفُسِ النَّاسِ فَأَنْطَلَقْتُ
 فَتَأْدِثُ بِالصَّلَاةِ حَتَّى إِذَا صَلَّيْتُ الْعَتَمَةَ وَرَجَعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 إِلَى أَهْلِهِ فَاسْتَأْذَنْتُ عَلَيْهِ فَأَذِنَ لِي فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! يَا بَنِي أُمِّي! إِنَّ
 الْمُشْرِكَ الَّذِي ذَكَرْتُ لَكَ أَنِّي أَتَدِينُ مِنْهُ قَدْ قَالَ كَذًا وَكَذًا، وَلَيْسَ
 عِنْدَكَ مَا يَقْضِي عَنِّي وَلَا عِنْدِي وَهُوَ فَاضِحِي فَأَذِنَ لِي أَنْ أَتِيَ بَعْضَ هَؤُلَاءِ
 الْأَخْيَاءِ الَّذِينَ قَدْ أَسْلَمُوا حَتَّى يَرْزُقَ اللَّهُ رَسُولَهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَقْضِي
 عَنِّي! فَخَرَجْتُ حَتَّى أَتَيْتُ مَنْزِلِي فَبَجَعْتُ سَيْفِي وَجَزَائِي وَرُمَحِي وَتَعْلِي
 عِنْدَ رَأْسِي فَاسْتَقْبَلْتُ بَوَّحِي الْأَفْقِ، فَكَلَّمَانِي ثُمَّ انْتَبَهْتُ فَإِذَا رَأَيْتُ عَلَى لَيْلَا
 نِيْمَتٌ حَتَّى انْتَشَى عَمُودُ الصُّبْحِ الْأَوَّلِ، فَأَرَدْتُ أَنْ أَنْطَلِقَ فَإِذَا الْإِنْسَانُ يَدْعُو: يَا
 بِلَالُ! أَجِبْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ! فَأَنْطَلَقْتُ حَتَّى أَتَيْتُهُ فَإِذَا أَرْبَعُ
 رَكَائِبَ عَلَيْهِنَ أَحْمَالُهُنَّ! فَأَتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَأْذَنْتُ
 فَقَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ: أَبَشِّرْ! فَقَدْ جَاءَكَ اللَّهُ بِقَضَاءِ دِينِكَ، فَحَمِدْتُ اللَّهَ
 وَقَالَ: أَلَمْ تَمُرْ عَلَى الرِّكَائِبِ الْمُتَخَابِ الْأَرْبَعِ؟ قَالَ: قُلْتُ: بَلَى! قَالَ: فَإِنَّ
 لَكَ رِقَابَتَهُنَّ وَمَا عَلَيْهِنَّ، فَإِذَا عَلَيْهِنَّ كِسُوفَةٌ وَطَعَامٌ أَهْدَاهُنَّ لَهُ عَظِيمٌ فَذَكَ!..
 فَأَقْبَضَهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ أَقْبَضَ دِينَكَ! قَالَ: فَقَعَلْتُ فَحَطَطْتُ عَنْهُنَّ أَحْمَالَهُنَّ ثُمَّ
 عَافَيْتُهُنَّ ثُمَّ عَمِدْتُ إِلَى تَأْدِثِ صَلَاةِ الصُّبْحِ حَتَّى إِذَا صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجْتُ إِلَى الْبَقِيعِ فَبَجَعْتُ أَصْبَعِي فِي أَدْنَى فَقُلْتُ: مَنْ كَانَ
 يَطْلُبُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دِينَاً فَلْيَخْضُرْ! فَمَارِلْتُ أَبِيعَ وَأَقْبَضِي
 وَأَعْرِضُ حَتَّى لَمْ يَبْقَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دِينَ فِي الْأَرْضِ حَتَّى
 فَضَلَ عِنْدِي أَوْ قَيْتَانِ أَوْ قِيَّةٌ وَنِصْفٌ ثُمَّ انْطَلَقْتُ إِلَى الْمَسْجِدِ وَقَدْ ذَهَبَ
 غَامَةُ النَّهَارِ فَإِذَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاعِدٌ فِي الْمَسْجِدِ وَخَدَمُ
 فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَقَالَ: مَا فَعَلَ مَا قَبْلَكَ؟ قُلْتُ: قَضَى اللَّهُ كُلَّ شَيْءٍ كَانَ عَلَى
 رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَبْقَ شَيْءٌ، قَالَ: فَضَلَّ شَيْءٌ؟ قُلْتُ: نَعَمْ!
 دِينَارَانِ، قَالَ: أَنْظُرْ أَنْ تُرِيحَنِي مِنْهُمَا! فَلَسْتُ بِدَاخِلٍ عَلَى أَحَدٍ مِنْ أَهْلِي
 حَتَّى تُرِيحَنِي مِنْهُمَا، فَلَمْ يَأْتِنَا أَحَدٌ فَبَاتَ فِي الْمَسْجِدِ حَتَّى أَصْبَحَ وَظَلَّ فِي
 الْمَسْجِدِ الْيَوْمَ الثَّانِي، حَتَّى إِذَا كَانَ فِي آخِرِ النَّهَارِ جَاءَ رَاكِبَانِ فَأَنْطَلَقْتُ بِهِمَا

فَكَسَوْنَهُمَا وَأَطْعَمْنَاهُمَا حَتَّى إِذَا صَلَّى الْعَتَمَةُ دَعَانِي، فَقَالَ: مَا فَعَلَ الَّذِي فَبَلَكَ؟ قُلْتُ: قَدْ أَرَاكَ اللَّهُ مِنْهُ، فَكَبَّرَ وَحَمِدَ اللَّهُ شَفَقًا مِنْ أَنْ يَنْبِرَ كَهَ الْمَوْتِ وَعِنْدَهُ ذَلِكَ، ثُمَّ اتَّبَعْتُهُ حَتَّى جَاءَ أَرَاوَجَهُ فَسَلَّمَ عَلَيَّ فَأَمَرَ أَنْ يَأْتِيَ حَتَّى أَتَى مَبِيتَهُ - فَهَذَا الَّذِي سَأَلْتَنِي عَنْهُ -“ (حياة الصحابة ج: ۲ ص: ۱۹۳-۱۹۴)

ترجمہ: ”عبداللہ البوزینی سے روایت ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ جو حضور اکرم ﷺ کے مؤذن تھے، حلب میں میں نے ان سے ملاقات کی، میں نے کہا: اے بلال! حضور اقدس ﷺ کے اخراجات کی کیا صورت ہوتی تھی؟ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور ﷺ کے پاس کچھ جمع تو رہتا ہی نہیں تھا، یہ خدمت میرے سپرد تھی، جس کی صورت یہ تھی کہ جب کوئی مسلمان بھوکا آتا تو حضور اقدس ﷺ مجھے ارشاد فرمادیتے، میں کہیں سے قرض لے کر اس کو کھانا کھلا دیتا، کوئی ننگا آتا تو مجھے ارشاد فرمادیتے، میں کسی سے قرض لے کر اس کو کپڑا بنا دیتا، یہ صورت ہوتی رہتی تھی، ایک مرتبہ ایک مشرک مجھے ملا، اس نے مجھ سے کہا کہ مجھے وسعت اور ثروت حاصل ہے، تو کسی سے قرض نہ لیا کر (جب ضرورت ہو کر مجھ ہی سے قرض لے لیا کر، میں نے کہا اس سے بہتر کیا ہوگا) اس سے قرض لینا شروع کر دیا (جب ارشاد عالی ہوتا اس سے قرض لے آیا کرتا، اور ارشاد والا کی تعمیل کر دیتا) ایک مرتبہ میں وضو کر کے آذان کہنے کے لئے کھڑا ہی تھا تاکہ نماز کے لئے آذان دوں کہ وہ مشرک ایک جماعت کے ساتھ آیا اور کہنے لگا او جھشی! میں ادھر متوجہ ہوا تو ایک دم بے تحاشا گالیاں دینے لگا اور برا بھلا جو منہ میں آیا کہا اور کہنے لگا کہ مہینہ ختم ہونے میں کتنے دن باقی ہیں؟ میں نے کہا قریب ختم کے ہے، کہنے لگا کہ چار دن باقی ہیں (اگر مہینہ کے ختم تک میرا سب قرضہ ادا نہ کیا تو تجھے اپنے قرضہ میں غلام بناؤں گا) میں نے جو قرض دیا ہے وہ نہ تو تیری بزرگی کی بنا پر دیا ہے اور نہ تیرے ساتھی کی کسی بزرگی کی بنا پر دیا ہے، میں نے تو صرف اس لئے قرض دیا ہے تاکہ تو میرا غلام بن جائے، اور اسی طرح چھوڑ دوں کہ تو بکریاں چراتا پھرے جیسا کہ پہلے تھا۔ (یہ کہہ کر چلا گیا) مجھ پر دن بھر جو گزرتا چاہئے تھا وہی گزرا تمام دن رنج و صدمہ سوار رہا۔ میں نے جا کر آذان دی، جب عشاء کی نماز پڑھ لی، آپ ﷺ نماز سے فارغ ہو کر گھر کی طرف گئے (تو میں بھی پیچھے چلا گیا) میں نے آپ ﷺ سے گھر کے اندر آنے کی اجازت طلب کی، آپ ﷺ نے اجازت دے دی، میں نے کہا:

اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، وہ مشرک جس کا ذکر میں نے آپ سے کیا ہے، جس سے میں قرض لیتا رہتا ہوں، آج اس نے اس طرح کہا ہے، (اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ!) نہ آپ کے پاس اس وقت ادا کرنے کو فوری انتظام ہے اور نہ کھڑے کھڑے میں کوئی انتظام کر سکتا ہوں، وہ ذلیل کرے گا، اس لئے اگر اجازت ہو تو اتنے قرض اترنے کا انتظام ہو میں کہیں روپوش ہو جاؤں، جب آپ کے پاس کہیں سے کچھ آجائے گا، میں حاضر ہو جاؤں گا، یہ عرض کر کے میں گھر آیا، تلوار لی، ڈھال اٹھائی، نیزہ اٹھایا، جوتا اٹھایا (یہ ہی سامان سفر تھا) اور صبح ہونے کا انتظار کرتا رہا (کہ صبح کے قریب کہیں چلا جاؤں گا) رات کو جب بھی تھوڑی سی آنکھ لگتی پھر خوف سے اچانک بیدار ہو جاتا، صبح قریب ہی تھی کہ ایک صاحب دوڑے ہوئے آئے کہ حضور ﷺ کی خدمت میں جلدی چلو، میں حاضر خدمت ہوا تو دیکھا کہ چار اونٹنیاں جن پر سامان لدا ہوا تھا، بیٹھی ہیں، حضور ﷺ نے فرمایا: خوشخبری قبول کرو، اللہ تعالیٰ نے تیرے قرضہ کی بیانی کا انتظام فرمادیا، میں نے اللہ کا شکر ادا کیا، آپ ﷺ نے فرمایا کیا آپ کا گزر ان چار اونٹیوں کے پاس سے ہوا؟ میں نے کہا کیوں نہیں! آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ اونٹنیاں بھی تیرے حوالے اور ان کا سب سامان بھی تیرے حوالے، (میں نے جب دیکھا) تو اس میں کپڑا اور کھانے کا سامان تھا، فدا کے رئیس نے یہ نذرانہ آپ ﷺ کے لئے بھیجا تھا، (حضور اکرم ﷺ نے فرمایا) آپ یہ سامان قبضہ میں لے لیں اور اپنا قرض ادا کریں، میں نے ایسے ہی کیا، ان اونٹیوں سے میں نے سامان اتار دیا پھر میں نے ان کو چارہ ڈالا، پھر میں نے صبح کی اذان کے لئے ارادہ کیا، جب آپ ﷺ نے نماز پڑھ لی تو میں بقیع کی طرف گیا، کانوں میں انگلیاں ڈال کر بلند آواز سے میں نے کہا جس نے حضور اکرم ﷺ سے قرض لیتا ہے وہ حاضر ہو جائے، میں وہ مال بیچتا رہا اور قرض ادا کرتا رہا، اور بیچنے کے لئے سامان لوگوں کو دکھاتا رہا، یہاں تک کہ آپ ﷺ کا قرض سب ادا ہو گیا، میرے پاس صرف دو اوقیہ یا ڈیڑھ اوقیہ باقی بچی، پھر میں مسجد کی طرف گیا اور دن کا اکثر حصہ گزر گیا، حضور اقدس ﷺ اتنے مسجد میں انتظار فرماتے رہے، میں نے واپس آ کر عرض کیا کہ حضور! اللہ کا شکر ہے حق تعالیٰ نے سارے قرضہ سے آپ کو سبکدوش کر دیا اور اب کوئی چیز بھی قرضہ کی باقی نہیں رہی، حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ سامان میں سے بھی کچھ باقی

ہے؟ میں نے عرض کیا کہ جی ہاں دودینار باقی ہیں، حضور ﷺ نے فرمایا کہ اسے بھی تقسیم ہی کر دے تاکہ مجھے راحت ہو جائے، میں گھر میں بھی اس وقت تک نہیں جانے کا جب تک یہ تقسیم نہ ہو جائے، ضرور تمند آئے نہیں، تو حضور ﷺ نے دوسرے دن مسجد ہی میں آرام فرمایا، دن کے آخری حصہ میں دو آدمی سواری پر آئے میں ان دونوں کو لے کر گیا، دونوں کو کپڑے پہنائے اور کھانا کھلایا، دوسرے دن عشاء کے بعد پھر حضور ﷺ نے فرمایا کہ جی کچھ ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اللہ جل شانہ نے آپ کو راحت عطا فرمائی کہ وہ سب نمٹ گیا، حضور ﷺ نے اللہ جل شانہ کی حمد و ثنا فرمائی، حضور ﷺ کو یہ ڈر ہوا کہ خدا خواستہ موت آجائے اور کچھ حصہ مال کا آپ ﷺ کی ملک میں رہے، اس کے بعد گھروں میں تشریف لے گئے اور بیویوں سے ملے۔ یہ حضور اکرم ﷺ کی گزران تھی جو تو نے مجھ سے پوچھی۔“

خلاصہ یہ کہ آپ ﷺ کے معاملے پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھا اس آدمی نے کہ آنحضرت ﷺ کا ذریعہ معاش کیا تھا؟ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ میں حضور اقدس ﷺ کا وزیر خزانہ تھا، جب بھی کوئی مہمان آتے، ایک یا زیادہ..... ان کو کپڑے کی ضرورت ہوتی، ان کو روٹی کی ضرورت ہوتی، ان کو کسی اور چیز کی ضرورت ہوتی، آنحضرت ﷺ مجھے ارشاد فرماتے تھے، اور میں کسی سے قرض لے لیتا، اور اس ضرورت مند کی ضرورت پوری کر دیتا، ایک دن ایک مشرک یہودی مجھے ملا، وہ کہنے لگا کہ تمہیں ہر مہینے قرض لینا پڑتا ہے، تم مجھ سے قرض لے لیا کرو (یہودی اور اتنا فاضل..... ماشاء اللہ!) مجھ سے قرض لے لیا کرو اور پروا نہ کرو، میں نے کہا بہت بہت شکریہ، چنانچہ آنحضرت ﷺ ارشاد فرماتے تو میں اس کے پاس پہنچ جاتا قرض کے لئے، ابھی مہینہ ختم ہونے میں کوئی تین چار دن باقی تھے، میں وضو کر کے اذان کے لئے تیار کر رہا تھا کہ اتنے میں وہ یہودی آیا اور اس کے ساتھ کچھ اور آدمی بھی تھے، مجھے کہنے لگا کہ اوجھشی غلام! مہینہ ختم ہونے میں کتنے دن باقی ہیں، میں نے کہا کوئی یہی دو چار دن باقی ہیں، کہنے لگا، اگر مہینہ ختم ہونے پر میرا قرض ادا نہ کیا تو تجھ کو بیچ دوں گا، اسی طرح اونٹ، بکریاں جا کر چرائے گا جس طرح پہلے چرایا کرتا تھا، یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔

مجھے وہ صدمہ ہوا جو ہونا چاہئے تھا، عشاء کی نماز کے بعد میں حاضر خدمت ہوا اور میں نے کہا کہ یا رسول اللہ! وہ یہودی جس سے میں قرض لیا کرتا تھا اس نے مجھے ایسا کہا ہے، وہ یہودی ہے، اس کو تو کوئی ادب نہیں، لحاظ نہیں، اگر حضور ﷺ اجازت فرمائیں تو اتنی دیر کے لئے باہر چلا جاؤں، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ آپ کے لئے کوئی انتظام فرمادیں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: بہت اچھا! (آنحضرت ﷺ کی اس ”بہت اچھا“ پر مجھے ہمیشہ تعجب ہوتا ہے، کبھی آنحضرت ﷺ نے کسی کو نہیں ٹوکا) فرمایا کہ میں نے اپنی نکوار،

اپنی ذہال اور اپنے جوتے سرہانے رکھ لئے اور صبح صادق کے انتظار میں بیٹھ گیا کہ صبح ہو تو جاتا ہوں، روشنی ہو جائے ذرا، اتنے میں ایک آدمی آیا کہ آنحضرت ﷺ تجھ کو یاد فرماتے ہیں، میں حاضر خدمت ہوا، آنحضرت ﷺ کے در دولت پر چار اونٹنیاں بیٹھی تھیں، اور لدی ہوئی، ارشاد فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ نے تیرے قرضے کا انتظام فرمادیا ہے، یہ اونٹنیاں جو غلے سے لدی ہوئی ہیں، فدک کے بادشاہ نے مجھے بھیجی ہیں، جاؤ اپنا قرضہ ادا کرو، یہ تمہاری ہیں، میں بہت خوش ہو گیا، آنحضرت ﷺ نے فجر کی نماز پڑھی، میں نے ان اونٹیوں کو بھی بچا، اونٹنیاں بھی تھیں اس میں اس پر جو بار لدا ہوا تھا وہ بھی تھا، اس یہودی کا بھی قرضہ ادا کیا اور بھی جتنے قرضے تھے ادا کئے، میں نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا تمام بوجھ ادا کر دیا ہے، فرمایا کچھ بچا بھی ہے، عرض کیا حضرت! کچھ ابھی باقی ہے، ارشاد فرمایا کہ میں مسجد سے گھر اس وقت جاؤں گا جب تم اس کو خرچ کر دو گے، میں نے کہا: حضرت! اتنا جلدی تو خرچ نہیں ہو سکتا، فرمایا پھر میں نہیں گھر جاتا، رات اسی مسجد میں گزاروں گا، دوسرے دن وہ میں نے نما یا اور آنحضرت ﷺ کو اطلاع دی کہ یا رسول اللہ! وہ سارا مال خرچ ہو گیا ہے، ٹھکانے لگ گیا ہے، آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ الحمد للہ! اور آپ اپنے گھروں میں تشریف لے گئے، تمام ازواج مطہرات ﷺ کو جا کے سلام کہا، تو وہ صاحب جو حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھ رہے تھے کہ آنحضرت ﷺ کا ذریعہ معاش کیا تھا، ان کے سوال کا جواب یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ کا ذریعہ معاش یہ تھا۔

چند سکوں کی وجہ سے رات کو نیند نہیں آتی

[حدیث: ۱۱۳۸] ”عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ سَاهِمُ الْوَجْهِ فَخَشِيتُ ذَلِكَ مِنْ وَجَعٍ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ! مَا لَكَ مِنْ سَهْمِ الْوَجْهِ؟ فَقَالَ مِنْ أَجْلِ الدَّنَائِيرِ السَّبْعَةِ الَّتِي آتَيْنَا بِهَا أَمْسَ أَمْسَيْنَا وَهُوَ فِي خَصَمِ الْفَرَّاشِ - وَفِي رِوَايَةٍ آتَيْنَاوْا لَمْ نَنْفُقْهَا -“

(مسند احمد)

ترجمہ: ”ایک رات آنحضرت ﷺ باہر سے گھر میں تشریف لائے اور پریشانی کی حالت میں تھے، اُمّ المؤمنین حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں ڈر گئی شاید آپ کو کوئی تکلیف ہے، میں نے کہا: یا رسول اللہ! کیا کچھ تکلیف ہے؟ آپ بے چین سے ہیں، سرہانے سے وہ چند سکے نکال کر کے دکھائے، فرمایا یہ آج خرچ نہیں ہو سکے۔“

اور دوسری حدیث میں ہے کہ:

“مَا ظَنُّ مُحَمَّدٍ لَوْ لَقِيَ اللَّهَ وَهَدِمَ عِنْدَهُ وَمَا تَنَبَّيَ هَذَا مِنْ مُحَمَّدٍ لَوْ لَقِيَ اللَّهَ وَهَذَا عِنْدَهُ” (بيهقي ج ٦: ص ٣٥٦)

ترجمہ: ”مجھے اس چیز سے شرم آتی ہے کہ اگر میری وفات اس حالت میں ہو جائے کہ یہ سکے میرے پاس موجود ہوں تو میں اللہ کو کیا جواب دوں گا؟“

آنحضرت ﷺ کا معمول مبارک تھا کہ ازواج مطہرات کو ان کے نفقات دے دیتے تھے، ہر ایک کا خرچہ دے دیتے تھے، نو ازواج مطہرات تھیں ﷺ، ہر ایک کو دے دیتے تھے، اور وہ بھی تو ہماری بائیں تھیں، آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات تھیں ﷺ، آنحضرت ﷺ صبح کو دیتے اور شام کو وہ بھی فقیر ہوتیں، تمام کا تمام خرچہ کر دیتیں، جو بھی ملتا تھا، اپنے پاس وہ بھی نہیں رکھتی تھیں۔

ایک روایت میں ہے:

”أَخْرَجَ ابْنُ سَعْدٍ عَنْ أُمِّ زُرَّةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ أَتَيْتُ عَائِشَةَ بِمِائَةِ أَلْفٍ فَقَرَّبَتْهَا وَهِيَ يَوْمَئِذٍ صَائِمَةٌ فَقُلْتُ لَهَا: أَمَا اسْتَطَعْتَ فِيمَا أَنْفَقْتَ أَنْ تَشْعُرِي بِدِرْهَمٍ لِحَمٍّ تُفْطِرِينَ عَلَيْهِ. فَقَالَتْ: لَوْ كُنْتُ أَذْكَرَ بَنِي لَقَعَلْتُ.“

(حياة الصحابة ج: ٣ ص: ٣١٣، الاصابة ج: ٢ ص: ٣٥٠)

ترجمہ: ”ام زہؓ (جو حضرت عائشہؓ کی باندی تھیں) سے روایت ہے کہ ایک لاکھ دینار حضرت عائشہؓ کو دیئے گئے جو (حضرت معاویہؓ کی طرف سے ایک پوری مستقل دراہم کی پہنچی، آنحضرتؐ کے بعد کا قصہ ہے) حضرت عائشہ صدیقہؓ نے تقسیم کرنا شروع کر دیا، سارا انشاؤا یا، اور روزے سے تھیں، اور گھر میں روزہ افطار کرنے کے لئے کوئی چیز نہ تھی، خادمہ کہنے لگی کہ حضرت! شام کو روزہ افطار کرنے کے لئے کم از کم کچھ رکھ لیتے، روزہ افطار کرنے کے لئے کوئی چیز نہیں، فرمانے لگیں یا تو پہلے یا و لا دیتی تو میں کچھ رکھ لیتی۔ اب ؑ توں کی طرح طعنے دینے کا کیا فائدہ؟“

مسلمان بھائی کے سودے پر سودا کرنا

[حدیث: ۱۱۳۹] ”عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ هَمْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا..... لَا يَبِيعُ

بِعَضِّكُمْ عَلَى بَيْعِ بَعْضٍ۔“ (صحیح بخاری ج: ۷، ص: ۳۸۱، حدیث نمبر: ۲۰۲۰، باب التَّهْنِی

عَنْ تَلْقَى الزَّخْبَانَ وَأَنْ يَبْعَهُ مُرَدُّ ذِي الْأَنِّ صحيح مسلم ج: ٤، ص: ٢٢٣، حديث نمبر:

٢٥٣٠، باب تخريم الخطبة على خطبة أخيه حتى يأذن أو ينزك

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اپنا مال دوسرے کے بیچے ہوئے پر نہ بیچے۔“

تشریح: اس حدیث میں ارشاد فرمایا: کسی کے سودے پر سودا نہ کیا کرو۔ ایک دو آدمیوں کا آپس میں سودا ہو گیا، تمہیں معلوم ہے کہ ان کا سودا ہو گیا، تم کہتے ہو: یا رب مجھے اتنے کی دے دو! اس کو پھسلا دیتے ہیں، اور پھسلا کر پھسلا دیتے ہیں پہلے کے سودے سے، یہ حرام ہے۔ کسی کے سودے پر سودا کرنا اس کو حرام فرمایا حتیٰ کہ اگر کسی نے کسی جگہ نکاح کا پیغام بھیجا وہ جب تک ان کی بات ایک طرف نہ ہو جائے اس وقت تک دوسرے آدمی کا وہاں رشتہ بھیجنا جائز نہیں اگر اس کو معلوم ہو اور اگر معلوم نہ ہو تو معذور ہے۔ اگر تمہیں معلوم ہے کہ فلاں جگہ رشتے کی بات چل رہی ہے فلاں کی تو پھر کسی کے لئے جائز نہیں کہ وہاں رشتہ بھیجے جب تک کہ بات ایک طرف نہیں ہو جاتی، یا وہ راضی ہو جائیں تو بات ختم ہو گئی۔ رشتے پر راضی ہو گئے پھر تو طے ہو گیا یا پھر وہ ہٹ جائیں۔ یہ ہیں وہ شریعت کے اخلاق جن کے ذریعے سے انسانیت سکھائی گئی، ان آداب شرعیہ اور اخلاق شرعیہ کو چھوڑنے کے بعد انسان انسان نہیں رہے، بلکہ ہمارے حضرت مولانا نور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے، ہمارے حضرت مولانا یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ فرماتے تھے: دنیا بیت الحمیر ہے، گدھوں کا گھر ہے، یہاں انسان ہیں کتنے؟ انسانیت تو انسانیت والے اعمال اور اخلاق سے ہوگی، یہ تو چلتے پھرتے انسانوں کی لاشیں ہیں، مردار جن میں انسانی اخلاق نہیں ہیں، ہمیں تو شریعت نے یہ تعلیم دی ہے اور ایسے محاسن اخلاق کی تعلیم دی ہے کہ سبحان اللہ! ”بَعِثْتَ لَنَا خَيْرَ خَلْقٍ“ (الغناء للغضائری، ص ۲۸۸، باب فی تعلیم النبی) تاکہ اچھے اخلاق کی تکمیل کر دوں۔

[حدیث: ۱۱۴۰] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ لَا يَسْمُ الْمُسْلِمُ عَلَى مَسْئُومٍ“

أَخْبَرَهُ (صحیح مسلم ج: ۸، ص: ۴۴، حدیث نمبر: ۲۷۸۸، باب فی تعزیم بئع

الزَّخْلِ عَلَى بَيْعِ أَخِيهِ وَتَسْوِمِهِ عَلَى... صحیح بخاری ج: ۹، ص: ۲۴۸، حدیث نمبر:

۲۵۲۵، باب الشُّرُوطُ فِي الْفَلَاحِ وَقَالَ ابْنُ الْمُنْذِبِ)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہ

بھاؤ کرے کوئی اپنے مسلمان بھائی کے بھاؤ پر۔“

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کے بھاؤ پر بھاؤ نہیں کرنا چاہئے، یعنی ایک شخص سودا کر رہا ہے کسی شخص سے کہ کیا قیمت ہے؟ تو جب تک کہ ان کی بات پوری نہیں ہو جاتی تیسرا آدمی آکر درمیان میں دخل نہ دے، اور کہے: ”میں بھی لینا چاہتا ہوں یہ چیز کتنے کی ہے؟“ تو جب تک ان دونوں کی بات مکمل نہ ہو جائے یعنی یہ بات واضح نہ ہو جائے کہ وہ لے رہا ہے یا نہیں، اس وقت تک تیسرا شخص

بیچ میں آکر ان کے سودے کو خراب نہ کرے۔

ذخیرہ اندوزی کی مذمت

[حدیث: ۱۱۴۱] ”أَنْ مَعْمَزَا..... مَنِ اخْتَكَرَ فَهُوَ خَاطِئٌ۔“

(صحیح مسلم ج: ۸، ص: ۳۱۲، حدیث نمبر: ۳۰۱۲، باب ذخیرہ الاختکار فی الاقوات)

ترجمہ: ”حضرت عمر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے غلہ بند کر کے رکھا وہ خطا کار ہے۔“

تشریح: یہ حدیث غلہ بند رکھنے کے بارے میں ہے، جس وقت قحط کی حالت ہو یعنی غلے کی قلت ہو اور لوگ اس کی وجہ سے تنگی میں مبتلا ہوں، ایسی حالت میں جس شخص نے غلہ دبا کر رکھا ہے، ذخیرہ اندوزی کرتا ہے اور مقصد یہ ہوتا ہے کہ ذرا اور مہنگا ہو جائے پھر نکالیں گے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہ شخص گناہگار ہے۔

سنن ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: ”جو شخص گرانی کی حالت میں غلہ بند رکھے، اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن کوڑھی اور محتاج کر یں گے۔“ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک اور روایت میں ہے کہ: ”جس نے چالیس دن قحط کی حالت میں غلہ بند کیا وہ اللہ تعالیٰ سے دُور ہوا اور اللہ تعالیٰ اس سے دُور ہوئے۔“

یہاں چند مسائل ہیں، ایک یہ کہ اگر کوئی شخص اپنی زمین کا غلہ محفوظ رکھتا ہے، بازار میں نہیں لاتا تو وہ اس حدیث کا مصداق نہیں، اس حدیث کا مصداق وہ شخص ہے جو غلے کی خرید و فروخت کرتا ہے۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر بازار میں رزق کی تنگی نہ ہو اور قحط کی حالت نہ ہو، بلکہ عام طور پر چیز ملتی ہے تو اس صورت میں غلے کا ذخیرہ کرنا جائز ہے، اس میں کراہت نہیں لیکن شرط یہ ہے کہ اگر قلت پیدا ہو جائے تو غلے کو بازار میں لے آئے پھر ذخیرہ اندوزی نہ کرے۔

تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ قحط کی حالت میں غلے کا بند رکھنا ائمہ اربعہ کے نزدیک حرام ہے اور لوگوں کو ضرر پہنچاتا ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے اس پر بڑی وعیدیں فرمائی ہیں، جیسا کہ ابھی آپ نے صحیح مسلم کی حدیث میں اس کو گناہگار کہا ہے، ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ یہ کوڑھی اور محتاج ہو کر مرے گا، اور ایک اور حدیث میں ہے کہ یہ اللہ سے جدا ہوا اور اللہ اس سے جدا ہوا (ابن ماجہ عن عبداللہ بن عمر)۔

اور ایک روایت میں یوں ہے:

”الْمَخْتَكِرُ مَلْعُونٌ وَالْجَائِلِبُ مَرْذُوفٌ۔“ (کنز العمال ۱۸۲/۳، ۱۰۰۷۲ عن ابن السیب)

جو شخص باہر سے غلہ منگواتا ہے، درآمد کرتا ہے تاکہ لوگوں کو آسانی ہو، اس کو اللہ تعالیٰ روزی عطا فرماتے ہیں، ان کا بھی بھلا ہوگا، اس کا بھی بھلا ہوگا، اور جو غلہ دبا کر رکھتا ہے یہ ملعون ہے، اس کو رسول اللہ ﷺ نے ملعون فرمایا۔

چوتھا مسئلہ یہ ہے کہ کیا صرف غلے کی ذخیرہ اندوزی حرام ہے یا دوسری چیزوں کا بھی یہی حکم ہے؟ مثلاً: کھانے پینے کی چیزیں جو لوگوں کے روزانہ کام آنے والی ہیں، صرف ان کی ذخیرہ اندوزی حرام ہے یا عام استعمال کی چیزوں کا بھی یہی حکم ہے؟ بہت سے اکابر نے فرمایا کہ: کھانے پینے کی چیزوں سے متعلق ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ تمام ضروریات زندگی جن کی وجہ سے لوگوں کو تنگی پیش آئے ان کا بھی حکم ہے۔ لوگ خاص موقعوں پر ذخیرہ اندوزی کر کے مصنوعی قلت پیدا کر دیتے ہیں، پھر اس کے دام بڑھا دیتے ہیں، حتیٰ کہ جانوروں کے چارے کے بارے میں بھی یہی حکم ہے۔ اسی طرح دوائیوں یا اسی قسم کی اور اشیاء کی ذخیرہ اندوزی کرنا جس سے اللہ کی مخلوق کی پریشانی ہو، یہ جائز نہیں۔

قرض کی ادائیگی میں نیت کا دخل

[حدیث: ۱۱۴۲] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ أَخَذَ أَمْوَالَ النَّاسِ يُرِيدُ أَذَاءَهَا أَدَّى اللَّهُ عَنْهُ وَمَنْ أَخَذَ يُرِيدُ إِثْلَافَهَا أَثْلَفَهُ اللَّهُ۔“ (صحیح بخاری ج: ۸، ص: ۲۱۵، حدیث نمبر: ۲۲۱۲، باب مَنْ أَخَذَ أَمْوَالَ النَّاسِ يُرِيدُ أَذَاءَهَا أَدَّى اللَّهُ عَنْهُ وَإِثْلَافَهَا)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جو شخص لوگوں کے مال لے ایسے طور پر کہ ان کے ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کا قرض ادا کرواتے ہیں، اور جو شخص لوگوں کے مال لے تلف کرنے کی نیت سے، تو اللہ تعالیٰ (دنیا و آخرت دونوں میں) اس کو برباد کر دیتا ہے۔“

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ جو شخص لوگوں سے مال لیتا ہے اور نیت اس کی ادا کرنے کی ہے، مال لینا بطور قرض کے بھی ہو سکتا ہے، بطور عاریت (مانگنا) اور بطور امانت کے بھی ہو سکتا ہے، جیسے کاروبار کے لئے کسی سے پیسہ لیا اس خیال سے کہ یہ کہہ کر کہ اس میں جو نفع ہو گا وہ تقسیم کر لیا کریں گے، روپیہ آپ کا، محنت میری ہوگی، اور اس میں اللہ تعالیٰ جو نفع عطا فرمائیں گے وہ آدھا آپ کا آدھا میرا ہوگا۔ غرضیکہ دوسرے کا مال لیا خواہ قرض کے طور پر لیا ہو یا عاریت یا امانت کے طور پر لیا ہو، اور لیتے وقت اس کی نیت یہ تھی کہ اس کو ادا کر دے گا تو رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو ادا کروا دیتے ہیں۔ قرض لیا حاجت کے طور پر

یعنی شدید ضرورت کی بنا پر لیا کہ اس کے بغیر چارہ نہیں، اور لیتے وقت نیت یہ تھی کہ ادا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کا قرض ادا کر دیتے ہیں، یہاں نقل کیا ہے کہ ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اللہ تعالیٰ قرض دار کے ساتھ ہوتے ہیں، یہاں تک کہ وہ قرض ادا کر دے، بشرطیکہ نیت بُری نہ کرے“ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہوتے ہیں یعنی اس کی مدد فرماتے ہیں، بشرطیکہ لے کر بیٹھ جانے کی نیت نہ کرے۔

فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ بے ضرورت بھی قرض لے لیتے تھے اور اسی نیت سے قرض لیتے تھے تاکہ اللہ تعالیٰ کی معیت ان کے ساتھ ہو۔ اور یہی اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی منقول ہے کہ وہ کبھی بغیر ضرورت کے بھی قرض لے لیتی تھیں، ان سے عرض کیا گیا: آپ کو تو قرض کی ضرورت نہیں ہوتی، پھر کیوں قرض لیتی ہیں؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل کرنے کے لئے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس کی نیت قرض ادا کرنے کی ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا ایک محافظ اور مددگار مقرر ہو جاتا ہے۔ تو یہ ان حضرات کا ذوق تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کی برکت حاصل کرنے کے لئے قرض لیتے تھے۔

برعکس اس کے بعض اکابر کا ذوق یہ ہے کہ وہ قرض لینے سے احتیاط کرتے تھے، کیونکہ یہ معلوم نہیں کہ قرض لینے کے بعد اس کے ادا کرنے کی پھر مہلت ملے گی یا نہیں؟ اور اس کا پتا نہیں کہ آدمی کی نیت تو خراب نہیں ہو جائے گی؟ اور یہ بات معلوم بھی ہے کہ جو شخص مقرض ہو کر مرے، اس کا قرض ادا نہ کیا گیا ہو تو وہ اپنے قرضے کے بدلے پکڑا رہتا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس جب جنازہ لایا جاتا تھا تو آپ ﷺ دریافت فرماتے تھے کہ اس کے ذمے قرض تو نہیں؟ اگر عرض کیا جاتا کہ اس کے ذمے قرض نہیں ہے تو اس کی نماز جنازہ پڑھا دیتے، اور اگر بتایا جاتا کہ اس کے ذمے قرض ہے تو ارشاد فرما دیتے: ”اپنے بھائی کی نماز پڑھو اور خود نہیں پڑھاتے، یہ شخص آنحضرت ﷺ کی نماز سے محروم رہ جاتا۔ غالباً حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ایک جنازہ لایا گیا، آپ ﷺ نے حسب عادت پوچھا کہ: اس کے ذمے قرض تو نہیں ہے؟ بتایا گیا کہ: اس کے ذمے قرض ہے چار دینار یا کچھ ایسا ہی بتایا، تو ارشاد فرمایا:

”صَلُّوْا عَلَیْ اَیِّحِکُمْ۔“

(مسند احمد بن حنبل ۲/۲۸۶، ۳۲۳۹ و مسند رک حاکم ۳/۳۶۸، ۳۸۹)

ترجمہ: ”اپنے بھائی پر نماز جنازہ پڑھ لو۔“

میں نے کہا: اے اللہ کے نبی! اس کا قرض میرے ذمے، آپ نماز پڑھا دیجئے۔ فرمایا: بہت اچھا جب تک کہ اس کے قرضے کا کوئی شخص کفیل نہیں بن گیا اس وقت تک جنازہ نہیں پڑھایا۔ اور یہ ابتداء میں ہوتا

تھا، لیکن جب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو کشائش دے دی تو پھر آپ ﷺ یوں فرماتے: اس کے ذمے قرض تو نہیں ہے؟ اگر عرض کیا جاتا: اس کے ذمے قرض ہے تو ارشاد فرماتے: اس کا قرضہ میرے ذمے ہے۔ اور ایک عام اعلان فرما دیا تھا:

”مَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِلْوَرَّةِ وَمَنْ تَرَكَ ضَيْعًا أَوْ دَيْنًا أَوْ غِيَالًا (وَفِي رِوَايَةٍ: أَوْ كَلًّا فَأَنَا وَلِيُّهُ) فَعَلَيْهِ وَالْيَوْمُ“

(مسند احمد بن حنبل ۳۰/۳، ۵۵، ۱۲۳، ۸۳۱۹، لفظ 'غیال' مسند احمد میں نہیں ہے)

ترجمہ: ”جو شخص مال چھوڑ کر مرے وہ اس کے وارثوں کو ملے گا اور اگر کوئی شخص قرض چھوڑ کر مرتا ہے یا بوڑھے ماں باپ اور چھوٹے چھوٹے بچے، تو قرض میرے ذمے ہے اور بچے میرے پرہ، ان کا نان نفقہ میرے ذمے ہے۔“

اس میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے کہ کیا یہ رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت تھی یا آپ ﷺ کے ہر جانشین کے لئے یہی حکم ہے کہ وہ مقروضوں کے قرضے کی ذمہ داری اٹھائے، یہ ہر حکومت کا فرض ہے۔ اس میں علماء کے دونوں ہی قول ہیں، بہر حال آنحضرت ﷺ کے بعد خلافت راشدہ کے زمانے میں یہی رہا، اس کی مثال آج تک ہمیں نہیں ملے گی کہ اگر کوئی مقروض مرا تو حکومت اس کے قرضے کی ذمہ دار ہوتی تھی اور اس کے اہل و عیال کے نان نفقہ کی بھی ذمہ دار ہوتی تھی، یوں بھی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اتنا غنی کر دیا تھا کہ کسی شخص کے مقروض مرنے کا اس طرح مقروض ہونا کہ اس کے مال میں قرضہ ادا کرنے کی گنجائش نہ ہو، اس کی مثال تو مشکل سے ملتی ہوگی، مقروض ہوتے تھے صحابہ کرام لیکن ان کے پاس اتنا مال ہوتا تھا اور وہ وصیت کر جاتے تھے کہ میرا تمام مال فروخت کر کے قرضہ ادا کر دیا جائے۔

الغرض جس شخص کے ذمے قرضہ ہو اس کا معاملہ انکار رہتا ہے جب تک کہ اس کا قرضہ ادا نہ ہو جائے، اس لئے وارثوں کو لازم ہے کہ سب سے پہلے میت کے قرضے کو ادا کریں۔ میں نے بتایا تھا کہ جس دن میرے والد ماجد کا انتقال ہوا، اللہ تعالیٰ ان کو غریق رحمت کرے، تو میں نے جنازے پر اعلان کر دیا کہ اگر والد صاحب کے ذمے کسی کا قرضہ ہو وہ ہمارے ذمے ہے، ہم سے وصول کر لے، یہ آج سے بری الذمہ ہیں، اور ہم گواہ بھی مانگیں گے کوئی شخص اگر آکر کہہ دے کہ ہمارا اتنا قرضہ ان کے ذمے ہے، ہم اس پر گواہ نہیں مانگیں گے، بغیر گواہوں کے صرف اس کے کہہ دینے پر دے دیں گے، اللہ کا شکر ہے کہ یہ معاملہ منٹ گیا، ہمارے یہاں رسمیں تو بہت ادا کی جاتی ہیں، حبیہ، چالیسواں، فلانا، لیکن یہ کوئی نہیں پوچھتا کہ اس کے ذمے قرضہ بھی ہے؟ نہ مولوی صاحب پوچھتے ہیں جنازہ پڑھاتے ہوئے اور نہ کھانے والے پوچھتے ہیں، چالیسویں کا کھانا کھانے والے بھی نہیں پوچھتے۔

قرآن کریم میں جہاں وراثت کے احکام بیان کئے ہیں، وہاں بار بار فرمایا ہے:

﴿مَنْ بَعْدَ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ كَلَّيْنِ﴾، ﴿مَنْ بَعْدَ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ كَلَّيْنِ﴾، ﴿مَنْ بَعْدَ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ كَلَّيْنِ﴾، ﴿مَنْ بَعْدَ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ كَلَّيْنِ﴾ (النساء: ۱۱، ۱۲)

ہر فقرے کے بعد ان کلمات کو دہرایا ہے، یعنی تمہارے لئے تمہاری بیویوں کے مال میں جو قصاصہ ہے اگر ان کی اولاد ہو اور اگر ان کی اولاد نہ ہو تو تمہارا نصف حصہ ہے، بعد اس کے کہ وصیت پوری کی جائے جس کی وہ وصیت کر کے جائیں یا بعد اس کے کہ ان کا قرض ادا کیا جائے۔

یعنی پہلے ان کا قرض ادا کیا جائے، اسی طرح تمام رشتہ داروں کے بارے میں جن کی وراثت کا حکم بیان فرمایا ہر فقرے میں یہ تاکید فرمائی کہ پہلے وصیت اور قرض ادا کیا جائے، لیکن وصیت کو پہلے ذکر فرمایا قرض کو بعد میں ذکر فرمایا، حالانکہ ذین وصیت سے پہلے ہوتا ہے، یعنی آدمی مر جائے تو قرض پہلے ادا کیا جاتا ہے، میراث کی کتابوں میں اور فقہ کی تمام کتابوں میں لکھا ہے کہ مرنے والے کے ترکے سے چار حق متعلق ہوتے ہیں:

[۱]: اس کی تجمیز و تکفین من غیر تقصیر ولا تبذیر۔ نہ اس میں بخل و کنجوسی سے کام لیا جائے، اور نہ اسراف اور فضول خرچی سے کام لیا جائے، میت کے کفن و دفن پر جو خرچے ہوتے ہیں وہ اس کے مال میں سے ادا کئے جائیں۔

[۲]: بعد اس کے میت کا قرضہ ادا کیا جائے گا اس کے کل مال میں سے، گھر کا سامان، اس کا مکان، یا اس کے علاوہ اور جو چیز بھی اس کی ملکیت میں تھی اس کو پہلے فروخت کر کے اس کا قرضہ ادا کیا جائے گا، کل مال میں سے چاہے وارثوں کے لئے ایک پیسہ نہ بچے۔

[۳]: قرضہ ادا کرنے کے بعد اب جو مال باقی بچے گا اس میں سے تہائی مال میں وصیت جاری ہوگی، اگر وہ کوئی وصیت کر گیا ہو۔

[۴]: اور جو تھا اس کو حقوق شرعیہ کے مطابق تقسیم کیا جائے، اللہ تعالیٰ نے جو حصے مقرر کئے ہیں ان حصوں کے مطابق تقسیم کیا جائے۔

تو سب سے پہلی چیز قرضہ ادا کرنا ہے اور لوگ عام طور پر اس سے غافل ہیں، اور میں عرض کر چکا ہوں کہ جب تک میت کا قرضہ ادا نہ کیا جائے وہ مقید رہتا ہے، اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں۔

یہ بزرگوں کی دو قسمیں ہوں گی، اور تیسری قسم ان بزرگوں کی جو کسی صورت میں قرض لیتے ہی نہیں

تھے، چاہے بھوکے مر جائیں۔ وہ کہتے تھے اپنے نفس سے قرض لے لو، اس کے ساتھ ادھار کر لو، لیکن کسی اور سے قرض نہ لو۔ قطب الارشاد امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ انہوں نے اپنے وصیت نامے میں تحریر فرمایا کہ: ”بندے کے یہاں قرض لینے کا دستور ہی نہیں ہے، اس لئے میرے قرض کی کوئی فکر نہ کرنا۔“

یہ تو فرمایا تھا ان لوگوں کے بارے میں جو کسی سے مال لے بطور قرض کے یا بطور امانت کے یا بطور ودیعت کے، عاریت کے طور پر کسی سے کوئی شے مانگ لی، یہ واپس کرنا چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی معیت اور نصرت اس کو حاصل ہوگی اور اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے قرضہ ادا کر دیں گے۔

اور اگر کوئی شخص کسی سے قرض لیتا ہے اور خیال یہ ہے کہ اسے کھاپی جائے گا، بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں وہ لیتے ہی اس نیت سے ہیں کہ دینا نہیں ہے۔

اللہ کا شکر ہے کہ اس وقت میرے ذمے کسی کا ایک پیسہ قرضہ بھی نہیں، اگر یاد نہ ہو تو دوسری بات ہے، اللہ کا فضل ہے، خیر۔ تو اگر کوئی شخص اس نیت سے قرض لیتا ہے کہ کھاپی جائے گا تو رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ: ”اَتْلَفَهُ اللّٰهُ“ اللہ تعالیٰ اس کو برباد کر دے گا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ یہ پیش گوئی بھی ہو سکتی ہے اور بددعا بھی ہو سکتی ہے، اور دونوں صحیح ہیں، اس لئے کسی سے قرضہ لینا اور پھر اس کے ادا کرنے کی فکر نہ کرنا یہ اس ارشاد کا مصداق ہے، اللہ اس کو برباد کر دے گا، نعوذ باللہ، استغفر اللہ!

اب لوگ بینکوں سے قرضہ لیتے ہیں کہ بعد میں معاف کروالیں گے، یہ بھی ایک دستور چلا ہے، لیکن بڑے لوگ معاف کروا سکتے ہیں، چھوٹے لوگ تو معاف نہیں کروا سکتے۔ لیکن بینکوں سے قرضہ لینے والا کوئی چھوٹ گیا ہو تو چھوٹ گیا ہو، ورنہ کوئی چھوٹ نہیں سکتا، دنیا میں برباد ہوتے میں نے کئی لوگ دیکھے ہیں۔ اس لئے میری نصیحت یہ ہے دوستوں کو کہ وہ بھیگ مانگ کر کھانا پسند کریں لیکن بینکوں سے قرضہ کبھی نہ لیں، ہرگز نہ لیں۔

مفلس کا بیان

[حدیث: ۱۱۳۳] ”اَنَّهُ سَمِعَ اَبَا هُرَيْرَةَ مَنْ اَذْرَكَ مَالَهُ بِعَيْنِهِ عِنْدَ رَجُلٍ

قَدْ اَفْلَسَ اَوْ اِنْسَانٍ قَدْ اَفْلَسَ فَهُوَ اَحَقُّ بِهِ مِنْ غَيْرِهِ۔“ (صحیح مسلم ج: ۸، ص:

۱۹۲، حدیث نمبر: ۲۹۱۳، باب مَنْ اَذْرَكَ مَا بَاعَهُ عِنْدَ الْمُشْتَرِي وَقَدْ اَفْلَسَ فَلَهُ

الرَّجُوعُ فِيهِ، صحیح بخاری ج: ۸، ص: ۲۴۲، حدیث نمبر: ۲۲۲۷، باب اِذَا وَجَدَ

مَالَهُ عِنْدَ مُفْلِسٍ فِي الْبَيْعِ وَالْفُرْضِ.....)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: جس نے پایا اپنا مال بعینہ کسی آدمی کے پاس جو مفلس ہو گیا تھا تو وہ اس کا زیادہ حق دار ہے بہ نسبت دوسروں کے۔“

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ ایک آدمی مفلس ہو گیا، اور دوسرے آدمی نے بعینہ اپنا مال اس کے پاس پایا تو یہ شخص جس کو اپنا مال بعینہ مل جائے وہ زیادہ مستحق ہے۔ یہاں بھی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے اس حدیث کے سمجھنے میں، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کوئی آدمی کسی سے کوئی چیز خرید کر لے گیا، مثال کے طور پر دو ہزار میں، بعد میں مفلس ہو گیا، اور اتفاق سے وہ چیز اس کے پاس بعینہ موجود ہے تو جس شخص کے مفلس ہونے کا فیصلہ قاضی کر دے کہ یہ شخص مفلس ہے جس کو کہتے ہیں دیوالیہ نکل گیا، تو جس کے مفلس ہونے کا قاضی فیصلہ کر دے تو حکم یہ ہوتا ہے کہ جتنی اس کے پاس پونجی ہے وہ لے لو، جب اس کے پاس کچھ مال آئے گا اس وقت یہ دیدے گا اور اس کے سوا کیا کیا جائے؟

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص کسی سے کوئی چیز خرید کر لے گیا تھا اور پھر وہ مفلس ہو گیا تو یہ اپنی چیز جا کے اٹھا لے، یہ اس کا زیادہ مستحق ہے۔
امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وہ اس کا مستحق نہیں، وہ چیز اس کی ہے ہی نہیں۔ حضرت فرماتے ہیں کہ وہ شخص ادھار پر ایک چیز لے کر گیا تھا، پیسے تھے نہیں، تو اس چیز کا مالک ہو گیا یا نہیں؟ اب اس کا مالک کون ہے؟ بیچنے والا مالک ہے یا خریدنے والا؟ ظاہر ہے کہ خریدنے والا مالک ہے، جب خریدنے والا مالک ہے تو یہ دوسرے کی چیز کیسے ہوئی؟ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اس کی چیز بعینہ اس کے پاس موجود ہو، یہ تو اس کی چیز ہی نہیں، یہی وجہ ہے کہ اگر اس خریدار سے ٹوٹ جائے وہ چیز، وہ اس کی قیمت وصول کرے گا اور اگر بیچ دے تو بیچ سکتا ہے۔ غلام تھا کسی کا تو اس کو آزاد کر سکتا ہے، کسی کو ہبہ کرنا چاہے تو اس کو ہبہ کر سکتا ہے، کوئی رُکاوٹ نہیں شریعت کی طرف سے۔ تو جب اس کو بیچ سکتا ہے، اس کو ہبہ کر سکتا ہے، آزاد کر سکتا ہے، توڑ سکتا ہے، دریا میں پھینک سکتا ہے تو دوسرا شخص کیسے اس کا مالک ہوا؟ اور کیسے اس کی چیز ہوئی؟ چیز تو اس کی ہے۔
ہمارے امام فرماتے ہیں اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کسی کے پاس کسی شخص کی ودیعت تھی، جس کو امانت کہتے ہیں، یا مالک کر کوئی چیز لی ہوئی تھی، یا کسی اور طریقے سے چیز لی ہوئی تھی، بیچ کے طریقے سے نہیں، مالک نہیں بنایا تھا اس کو، وہ مالک نہیں تھا اس کا، تو اب یہ شخص اپنی چیز واپس لے سکتا ہے، یہ مطلب ہے اس حدیث کا۔

بیع سلم کا بیان

[حدیث: ۱۱۳۳] ”عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ..... مَنْ أَسْلَفَ فِي ثَمَرٍ فَلَيْسَ لِفِي

كَتْلٍ مَغْلُومٍ وَوَزْنٍ مَغْلُومٍ إِلَى أَجَلٍ مَغْلُومٍ“ (صحیح مسلم ج: ۸، ص: ۳۰۹،

حدیث نمبر: ۳۰۱۰، باب السلم، صحیح بخاری ج: ۴، ص: ۴۹۲، حدیث نمبر:

۲۰۸۶، باب السلم فی وزن مغلوم)

ترجمہ: ”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

جو شخص بیع سلم کرے کھجور میں، پس اس کو چاہئے کہ بیع کرے معلوم پیمانے کی اور معلوم

وزن کی اور مقررہ مدت کی۔“

تشریح: اس حدیث کا مضمون جو ہے اس کو سمجھنے کے لئے یہ بات سمجھ لیجئے کہ جب رسول اللہ ﷺ

مدینہ طیبہ تشریف لائے تو ان حضرات کے یہاں بیع سلم کا رواج تھا، کھجوروں کو بیع سلم کے طور پر دے دیا کرتے تھے اور بیع سلم کا مطلب یہ تھا کہ غریب قسم کے آدمی کسان کا شکاران کے پاس پیسے تو اتنے ہوتے نہیں تھے، فصل ابھی تیار نہیں ہوئی تو رقم کی ضرورت ہوتی تھی تو کوئی آدمی ان سے پیشگی کھجور خرید لیتا تھا اور پیسے ان کو نقد ادا کر دیتا تھا۔ ہمارے یہاں بھی ہوتا ہے، یعنی فصل ابھی تک بازار میں نہیں آئی، اس کے آنے میں ابھی وقت ہے تو کوئی بیوپاری جا کر کسانوں اور کاشتکاروں سے وہ غلہ خرید لیتا ہے اور پیسے ادا کر دیتا ہے، ظاہر بات ہے کہ جب پیسے نقد دے رہا ہے اور چیز ادھار لے رہا ہے تو سستی لے گا، جیسے کہ چیز نقد ہو اور پیسے ادھار ہوں تو ظاہر بات ہے کہ چیز مہنگی ہوگی۔

غریب غرباء کو اس قسم کی بیع کی ضرورت پیش آتی تھی، اور آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے اہل مدینہ یہ معاملہ کیا کرتے تھے، لیکن کبھی کبھی اس میں بد مزگی بھی پیدا ہو جاتی تھی، یہ کہتا: میں نے ایسی کھجوریں کبھی تھیں، وہ کہتا: نہیں ایسی کبھی تھیں، ایک کہتا: میں نے اس بھاؤ کی کبھی تھیں، اور دوسرا کہتا: نہیں، اس بھاؤ کی کبھی تھیں، ایک کہتا: میں نے یہ میعاد مقرر کی تھی، دوسرا کہتا: نہیں، یہ میعاد مقرر کی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے اس معاملے کو تو جائز رکھا لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ ہدایت فرمادی: ”مَنْ أَسْلَفَ فِي ثَمَرٍ“ جو کھجور میں بیع سلم کرے تو ایک مقررہ پیمانے سے کرے، یعنی پیمانہ مقرر کر لیا جائے، اگر ناپ کر دینے کا رواج ہے تو ناپ معلوم ہو، یا اگر تول کر دینے کی چیز ہے تو وزن معلوم ہونا چاہئے اور میعاد بھی معلوم ہونی چاہئے، ہمارے فقہائے حنفی نے بیع سلم کے لئے چھ شرطیں مقرر کی ہیں:

[۱]: جنس معلوم ہو۔

[۲]: نوع معلوم ہو، مثلاً: گندم کی بہت اقسام ہیں، گندم توجس ہوئی، اور اس کی بہت سی اقسام ہیں، یہ اس کی نوع ہوئیں۔ اسی طرح کھجور ایک جنس ہے، مدینہ میں اس کی ایک سو بیس قسمیں ہیں، یہ سب اس کی نوع ہیں، کوئی عجمہ ہے، کوئی دوسری ہے، تو نوع بھی معلوم ہونی چاہئے۔

[۳]: تیسری یہ کہ صفت معلوم ہو، یعنی اعلیٰ درجے کی ہوگی یا گھنیا درجے کی ہوگی۔ بعضی چیزوں میں تین درجے ہوتے ہیں، ایک نمبر ایک کی ہوتی ہے، ایک نمبر دو کی ہوتی ہے، ایک نمبر تین کی ہوتی ہے۔

[۴]: وزن معلوم ہونا چاہئے کہ اثنا وزن ہوگا۔

[۵]: میعاد مقرر کرنی چاہئے۔

[۶]: اور رقم طے کرنی چاہئے تاکہ اگر بھول چوک ہو جائے تو جھگڑا پیدا نہ ہو۔

یہ چھ صفات ہو گئیں۔ اور حضرات صاحبین (یعنی امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما) فرماتے ہیں کہ اس کے ساتھ ایک شرط اور بھی ضروری ہے کہ یہ بھی تعیین کرنی چاہئے کہ یہ چیز کس جگہ ادا کی جائے؟ لینے والا کہاں لے؟ یا دینے والا کہاں دے گا؟ یہ بھی طے ہونا چاہئے، یہ ساتویں شرط ہے۔

امام اعظم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جس جگہ سودا ہوا ہے وہی جگہ متعین ہے، سودے کی جگہ لا کر دے۔ اور یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ اس بیع کے لئے شرط ہے کہ پیسے نقد ادا کر دیئے جائیں پورے کے پورے، ورنہ بیع باطل ہو جائے گی جیسا کہ حدیث میں ہے:

”لَمْ يَشْرَوْا بِاللَّحْمِ وَاللَّحْمُ بِاللَّحْمِ“

(سنن الدارقطنی ج: ۷، ص: ۳۵۱، ۳۱۰۵)

ترجمہ: ”آنحضرت ﷺ نے ادھار کی بیع ادھار سے کرنے سے منع فرمایا (کہ پیسے بھی ادھار اور مال بھی ادھار)۔“

بیع کہتے ہیں سودے کو، سودے کی تین قسمیں ہوتی ہیں:

[۱]: سودا بھی نقد، قیمت بھی نقد۔

[۲]: سودا نقد ہے، قیمت ادھار ہے، اس کو نسیئہ کہتے ہیں۔ (ادھار)

[۳]: سودا ادھار ہے، اور قیمت نقد ادا کی جا رہی ہے، اس کو بیع سلم کہتے ہیں۔

اور چوتھی چیز یہ کہ دونوں چیزیں ادھار ہوں، شریعت میں اس کی اجازت نہیں، اور اس کے لئے ایک اہم ترین شرط یہ ہے کہ اگر خدا نخواستہ اس سودے کو فسخ کرنا پڑے تو اس کے بدلے میں کوئی اور چیز نہیں دے سکتے، یہ ہوگا کہ لینے والا پیسے واپس لے لے، یہ نہیں کہ سودا ہوا تھا مثال کے طور پر گندم کا اور آپ کہتے ہیں کہ چاول یا چنے یا کپاس اس کے بدلے میں لے لو، اس کی اجازت نہیں، تو یہ بیع سلم ہے اور اس کی مختصری

کیفیت میں نے ذکر کی، باقی اس کی لمبی تفصیل ہے اور بہت سے مسائل ہیں، جس کا کچھ حصہ حضرت تھانوی صاحب رحمہ اللہ کی کتاب ”بہشتی زیور“ میں بھی ہے اور کچھ حصہ اس کا ”مغائی معاملات“ میں بھی ہے۔

بیع و شراء کا اصول

[حدیث: ۱۱۳۵] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ..... مَنْ اشْتَرَى طَعَامًا فَلَا يَبْغُهُ حَتَّى

يَكْتَالَهُ“ (صحیح مسلم ج: ۸، ص: ۷۷، حدیث نمبر: ۲۸۱۷، باب بَطْلَانِ بَيْعِ

الْمَبْعُوعِ قَبْلَ الْقَبْضِ)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا

کہ: جو شخص اناج خریدے تو اس کو ویسے ہی نہ بیچ دے جب تک کہ اس کو تول نہ لے

(اور قبضہ نہ کر لے)۔“

تشریح: یہ حدیث بیع و شراء کے متعلق ہے کہ جو شخص غلہ خریدے تو اس کو آگے نہ بیچے جب تک کہ اس کو ناپ تول نہ کر لے اور قبضہ نہ کر لے۔ کہتے ہیں کہ مردان نے اپنے علاقے میں چونکہ وہ بہت بڑے علاقے کا گورنر تھا، تو اس نے اپنے سپاہیوں کو چٹھی جاری کر دی تھی یعنی کارڈ دے دیئے تھے کہ تم جا کر فلاں جگہ سے غلہ وصول کرلو۔ اب ان لوگوں نے یہ کیا کہ وہ چٹھیاں آگے پہنچنا شروع کر دیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے مردان سے کہا: تو نے سود کو حلال کر دیا، اس لئے کہ لوگ بغیر قبضہ کئے ہوئے اناج کی چٹھیاں آگے بیچ ڈالتے ہیں، اور میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا کہ جو چیز آدمی خرید لے جب تک اس کو قبضہ نہ کر لے اس کو آگے نہ بیچے۔

یہ بات میں پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ یا تو یہ خود اس تول کے وقت موجود ہو جب یہ تولی جا رہی تھی، یا اس کا کوئی نمائندہ موجود ہو، تو اس صورت میں دوبارہ تولنے کی ضرورت نہیں، اور اگر یہ خود بھی موجود نہیں تھا اور اس کا کوئی نمائندہ بھی موجود نہیں تھا، تو جب تک اس کو تول نہ لے، نہ اس کو بیچ سکتا ہے نہ اس کو کھا سکتا ہے۔ میں نے بتایا تھا کہ اس میں آج کل بہت لوگ مبتلا ہیں، دکان دار سے کہہ دیا کہ اتنا سامان ہمارے گھر پہنچا دو، سامان گھر پہنچ جاتا ہے، اس میں سے کھاتے رہتے ہیں، مہینے کے بعد اس کا حساب کر لیتے ہیں۔ یا تو یہ ہونا چاہئے کہ جتنا سامان آیا تھا اس کے اتنے پیسے، کم آیا تھا یا زیادہ آیا تھا، اس سے بحث نہیں، بس اس کے اتنے پیسے۔ اور اگر وزن کا اعتبار ہے تو اس تول کے وقت آپ کا موجود ہونا ضروری ہے، یا اس کو دوبارہ تول کر لیں۔ اب تو لوگوں نے حرام کھانے کے بہت سے طریقے ایجاد کر لئے، کچھ یہ معاملات ہمارے اور کچھ سودی نظام اس کے تحت یہ سارا کارخانہ چل رہا ہے، ان تمام چیزوں نے مل ملا کر رزق کی برکت کو ختم کر دیا

ہے، اور رزق سے جو دل میں نور پیدا ہوتا تھا وہ ظلمت سے بدل گیا ہے، دل اندھے ہو گئے، حق اور باطل کی تمیز آہستہ آہستہ ختم ہو گئی، اب لوگوں کو یہ سمجھانا بھی مشکل ہے کہ سود کیوں حرام ہے؟ یہ معاملہ کیوں ناجائز ہے؟ حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی صاحب رحمہ اللہ سے کسی نے پوچھا تھا یہ کیوں حرام ہے؟ یہ ایسا کیوں ہے؟ تو فرمایا تھا: یہ اس لئے کہ اگر نہیں مانو گے تو سر پر اتنے جوتے لگیں گے کہ ایک بال بھی نہیں بچے گا، یہ اس کا علاج ہے۔ تم ہوتے کون ہو یہ پوچھنے والے کہ یہ کیوں ناجائز ہے؟ حضور ﷺ فرما رہے ہیں کہ تم میں سے کوئی شخص غلہ خرید لے تو اس وقت تک نہ لے جب تک کہ اس کو کیل نہ کر لے، ناپ تول نہ لے، اب کوئی پوچھے کہ یہ کیوں؟ تو وہی حضرت تھانوی رحمہ اللہ والی بات کہیں گے: اگر تم نے رسول اللہ ﷺ کی بات نہیں مانی تو اتنے جوتے لگیں گے کہ ایک بال بھی باقی نہ بچے گا۔ اب ان کو ایک ایک بات سمجھائیں، یہ خود ہی بنے پھرتے ہیں عاشقانِ رسول، اور کچھ تو ایسے کہ کیوں پری اکتفا کر لیتے ہیں، اور کچھ اس سے بڑھ کر کہتے ہیں کہ ایسی ہی بنائی ہوئی بات ہے۔ گویا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمانا یا نہ فرمانا، ان کے ذہن ناقص کے تابع ہے۔ تو مسئلہ اتنا ہے کہ جب کوئی چیز خریدو تو اس کو بیچنے سے پہلے اس کو تول لو اور اس کو اپنے قبضے میں کر لو۔ ایک دوسری حدیث میں آتا ہے:

”تَنْهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ مَا لَمْ يَنْقَبُضْ“

(ترمذی ۱۰۱۷۵، ۱۲۱۲، جامع الاصول)

ترجمہ: ”منع فرمایا رسول اللہ ﷺ نے اس چیز کی بیع سے جس پر قبضہ نہ کیا ہو۔“

جانور کا دودھ روک کر بیچنے کی ممانعت

[حدیث: ۱۱۴۶] ”عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ مِنَ اشْتَرَى شَاةً

مَحْقَلَةً فَرَدَّهَا فَلْيَزِدْ مَقْعَهَا صَاعًا مِنْ تَمْرٍ۔“ (صحیح بخاری ج: ۷، ص: ۳۸۰،

حدیث نمبر: ۲۰۱۹، باب التَّهْنِي عَنْ تَلْقِي الزُّكَّانِ وَأَنْ تَبْعَهُ مَرْغُودٌ لِأَنَّ.....،

صحیح مسلم ج: ۸، ص: ۶۲، حدیث نمبر: ۲۸۰۳، باب حُكْمُ بَيْعِ الْمَصْرَاةِ)

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے

ارشاد فرمایا کہ: جس شخص نے ایسی بکری خریدی جس کا دودھ کئی دنوں سے نہیں نکالا

گیا تھا، پھر وہ خریدنے والا اس کو واپس کرنا چاہے تو اس کے ساتھ ایک صاع غلہ یا

کھجور بھی دیدے۔“

تشریح: یہ حدیث ہے ”مَحْقَلَةً“ کے بارے میں، اس کو ”مَصْرَاةٌ“ بھی کہتے ہیں، مٹھی سے

کوئی مویشی گائے، بھینس، بکری وغیرہ خریدی جائے تو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ منڈی سے جو جانور آتا ہے اس میں کوئی عیب ہوتا ہے، اور لوگ اس کے عیب کو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں، اب ایک جانور کو لایا گیا منڈی میں اور تین چار وقت سے اس کا دودھ نہیں نکالا تھا، اب اس بیچارے جانور کے تھن اتنے اکڑے ہوتے ہیں کہ اس کا برا حال ہو رہا ہے، گاہک دیکھ کر کہتا ہے کہ واہ! خرید کر لے آتا ہے، ایک دفعہ دودھ دوہا تو پندرہ کلو، دوسرے وقت میں دوہا تو دو کلو، زیادہ سے زیادہ چار کلو آیا، اس کو ”مصرعہ“ بھی کہتے ہیں اور ”محفلة“ بھی کہتے ہیں، یعنی وہ جانور جس کے تھنوں میں مالک نے کئی دنوں کا دودھ جمع کر رکھا ہو۔ اب حدیث میں یہ فرمایا: جو شخص کسی ایسے جانور کو خرید لے پھر اس کو واپس کر دے تو چاہئے کہ ایک صاع تقریباً ساڑھے تین سیر، تقریباً آٹھ پونڈ غلہ اس کے ساتھ واپس کر دے، یعنی اس نے جو اس کا دودھ پیا ہے اس کی جگہ ایک صاع واپس کر دے۔

امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ ان تینوں اماموں کے نزدیک مسئلہ اسی طرح ہے جو اس حدیث شریف میں ذکر کیا گیا کہ اگر کسی نے ایسا جانور خرید لیا تو وہ واپس کر دے اور اس کے ساتھ ساتھ ایک صاع غلے کا واپس کر دے۔

لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا یہ فتویٰ نہیں ہے، اس لئے کہ اس حدیث اور کچھ دیگر احادیث و اصول شرع میں بظاہر تضاد معلوم ہوتا ہے، ان میں سے ایک اصول جو آپ ﷺ نے ذکر کیا ہے وہ یہ ہے: ”الغنم بالغرم“ (شرح معانی الآثار، الاشیاء الظاہرات ۲۴۴) یعنی نفع تاوان کے ساتھ۔ جس چیز کا تاوان انسان کے ذمے ہے اس کا نفع بھی اس کے واسطے ہے۔ اب یہ شخص جو جانور خرید کر لے آیا ہے، اگر خدا نخواستہ رات کو مرجائے تو اس کا گیا یا اس کا گیا؟ ظاہر ہے کہ اس ہی کا گیا، مشتری یعنی خریدار جب کسی چیز کو خرید کر لے آتا ہے تو اس کے تاوان میں داخل ہو جاتا ہے، اس کے ضمان میں داخل ہو جاتا ہے اور مالک یعنی بیچنے والے کا تعلق اس سے ختم ہو جاتا ہے، تو جب یہ شخص خرید لایا اور اب اس کا تاوان اس کے ذمے ہے، اگر کوئی نقصان ہو تو اس کا یہ خود ذمہ دار ہے تو اس کے جو منافع ہیں اس کا بھی یہ خود ہی ذمہ دار ہوگا، اس کے منافع بھی اسی کے ہوں گے، پھر یہ ایک صاع کیوں واپس کرے اس کو؟

اور دوسری بات یہ کہ چارہ یہ بھی ڈالتا رہا ہے، اتنے دن کا چارہ بھی تو یہ ڈالتا رہا ہے، تو جس نے چارہ ڈالا تو دودھ بھی یہ پئے گا یا یہ دودھ کسی اور کا ہے؟ اس نے جب مویشی کو چارہ ڈالا تو دودھ بھی اسی کا ہے۔

تیسرے یہ کہ اس حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ ایک صاع واپس کرے، اب دیکھنا یہ ہے کہ کتنے دن بعد واپس کر رہا ہے؟ ایک دن کے بعد یا دو دن کے بعد یا تین دن کے بعد؟ تو ۱۵ کلو دودھ تو اس نے پہلے دن دوہا، دس یا پندرہ کلو ایک وقت دودھ نکالا، دو چار کلو دوسرے وقت نکالا، اس کی کوئی تعین نہیں کہ

کتنا نکلا؟ اتنا حکم ہے کہ ایک صاع واپس کر دو، اس کا کیا مطلب؟ اگر اس نے جس کلو دودھ اس کا بیابا ہے تب بھی ایک ہی صاع اس کا واپس کرے، تو دودھ تو متعین نہ ہوا کہ کتنا ہے؟ لیکن تاوان متعین ہو گیا کہ صاع واپس کرے، جبکہ شریعت کا اصول یہ ہے کہ جتنی چیز کا نقصان کیا ہے اتنا ہی تاوان۔ ان وجوہات اور ان کے علاوہ اور دیگر وجوہات کی بنا پر حضرت امام بیہقیؒ اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں کہ اس پر فتویٰ نہیں ہے۔ علامہ حافظ ابن قیمؒ الجوزیؒ نے اپنی کتاب میں اس حدیث پر بڑی لمبی گفتگو کی ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کا صاف ارشاد یہ موجود ہے اور یہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حدیث ہے، تو جواب اس کا یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کسی خاص موقع پر یہ بطور مصالحت کے ایسا کیا، دو فریقوں میں صلح کر دانی تھی، خریدار واپس کرنا چاہتا، لہذا فرما دیا کہ تم واپس لے لو اور خریدار سے کہا کہ تم ایک صاع اس کے علاوہ مزید دے دو۔ قطع نزاع کے لئے ایک خاص صورت میں یہ حکم ارشاد فرمایا، یہ حکم عام قاعدے کے طور پر نہیں کہا تھا۔ اور امام طحاویؒ کی رائے یہ ہے کہ یہ اس وقت سے پہلے کی بات ہے جب سود کو حرام قرار نہیں دیا گیا تھا، اس لئے کہ اس میں سود کی شکل پائی جاتی ہے، اور یہ درست نہیں۔ بہر حال امام ابو حنیفہؒ اس حدیث میں تاویل کرتے ہیں، اور دوسرے قواعد شرعیہ کی بنا پر جو حدیث سے ثابت ہیں اور مقرر ہیں، یہ حدیث مؤول ہے۔

عمری کے احکامات

[حدیث: ۱۱۳۷] ”عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ مَنْ أَعْمَرَ زَجَلًا غَفَوِي لَهُ وَلَعَقِبِهِ فَقَدْ قَطَعَ قَوْلَهُ حَقًّا فِيهَا وَهِيَ لِمَنْ أَعْمَرَ وَلَعَقِبِهِ“

(صحیح مسلم ج: ۸، ص: ۳۷۹، حدیث نمبر: ۳۰۶۳، باب الغنوی)

ترجمہ: ”حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جس نے کسی کو گھر دے دیا عمر بھر کے واسطے تو وہ شخص اور اس کے وارث اس گھر کے مالک ہو گئے، سودیے والے کی اس بات نے اس کے حق کو کاٹ دیا، اور وہ گھر اسی کا ہو گیا جس کو اس نے دیا اور اس کے وارثوں کا بھی۔“

تشریح: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایک آدمی نے اپنا ایک مکان یا کوئی اور ایسی چیز کسی کو کہہ دیا کہ میں نے تجھے عمر بھر کے لئے دی، اس کو ”عمری“ کہتے ہیں، تو رسول اللہ ﷺ اس کا حکم بیان فرماتے ہیں، یہ عام دستور تھا، پچھلے زمانوں میں کچھ زیادہ ہی تھا اور تھوڑا بہت شاید کچھ اس زمانے میں بھی ہوگا، عمر بھر کے لئے کسی کو کوئی چیز دے دی، یہاں تو آب سود کے بغیر کسی کو قرض نہیں دیتے، مکان بنایا اور کسی ضرورت مند

کو دے دیا تو اب یہ کون کرتا ہے، ہر کوئی سوچتا ہے اچھا ہے وہ پیسے ہی آجائیں، لیکن بھلے زمانوں میں یہ عام دستور تھا، خالی مکان کو لوگ بجائے کرایہ لینے کے ویسے ہی کسی کو دے دیا کرتے تھے، مگر ایک بات اور بھی ہے کہ اس زمانے میں لوگ مکان پر قبضہ بھی نہیں جماتے تھے۔

ہمارے دوست بتا رہے تھے کہ ایک آدمی کسی کے مکان میں بطور کرایہ دار کے رہا، معمولی کرایہ تھا، اس وقت دس یا بارہ سال رہا، یا کم و بیش، اس نے سارے کا سارا جو کرایہ اتنی مدت میں دیا وہ کوئی پچاس ساٹھ ہزار بننا تھا، سب اس نے دیا، لیکن جب بارہ سال کے بعد مالک نے اس کو کہا: ”مجھے ضرورت ہے مکان خالی کر دو“ تو کہنے لگا: ”میں کہاں چلا جاؤں؟“ القصہ ایک لاکھ روپیہ لے کر اس نے مکان خالی کیا، یہ مسلمانوں کے معاشرے میں ہو رہا ہے، یہ ہم لوگوں کی آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہے، کوئی ظالم کا ہاتھ پکڑنے والا نہیں ہے، بلکہ اگر سچ پوچھو تو قانون ظالم کی حمایت کرے گا، مظلوم کی نہیں۔ قانون نے ایک اصول قائم کر لیا ہے کہ جہاں عدالت میں ایک مرد اور عورت کا مقدمہ جائے، مرد ظالم اور عورت مظلوم، بس ایک اصول طے کر لیا، لہذا فیصلہ عورت کے حق میں ہوتا ہے لازماً، مرد چاہے جنید بغدادی کا بیٹا ہو، اور عورت چاہے کسی ہلا کو خان کی بیوی ہو، مگر ہماری عدالت فیصلہ عورت کے حق میں کرے گی، مرد کے حق میں نہیں، الا نادراً۔

کرائے دار اور مالک مکان عدالت میں چلے جائیں، تو کرائے دار کے حق میں فیصلہ ہوگا، عدالت مالک سے پوچھتی ہے کیوں خالی کرانا چاہتے ہیں؟ اب کیا بتائیں کیوں خالی کرانا چاہتے ہیں، سو جھوٹ بولو وہاں جا کر، فلاں وجہ، فلاں کام، حالانکہ کچھ نہیں کرنا، یہ قانون خود جھوٹ بلواتا ہے، اس لئے کہ سچ کو ماننے کے لئے تیار نہیں۔

میرے دوست نے یہ بات مجھ سے ذکر کی کہ ساٹھ ہزار روپے دے کر اس کو خالی کر دیا، اور کئی سال وہ جو اس کے مکان میں رہا وہ بھی ساٹھ یا پچاس ہزار روپے بنتے ہیں۔ بجلی، پانی، گیس کا بل الگ دینا پڑا، اور جائیداد کا ٹیکس الگ دینا پڑا، سارے ٹیکس خود دینے پڑے اور اس نے جو کرایہ ادا کیا وہ تھا ساٹھ ہزار، جب نکلا تو وہ ڈیڑھ لاکھ مانگ رہا تھا، اور ایک لاکھ معاملہ طے ہوا، یعنی چالیس ہزار روپیہ اس جرمانے کا کہ اس بے ہودہ آدمی کو تم نے اپنے گھر ٹھہرایا کیوں؟ تو میں نے کہا کہ: جب لوگوں کی ایسی حالت ہو جائے تو پھر بغیر سود کے اس زمانے میں کوئی قرضہ کیوں دے؟ کیسے دے؟ کس اعتماد پر دے؟ اور کسی کو مکان دے تو کیسے دے؟

جامعہ خیر المدارس ملتان کا ایک شمالی دروازہ تھا، وہ کیان استھان کہلاتا تھا، وہ پورے کا پورا حضرت مولانا خیر محمد جالندھری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ہمارے مدرسے کے نام الاٹ کر لیا تھا، کچھ لوگ آئے، کہنے لگے: ”جی رات یہاں گزارنی ہے“ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اجازت دے دی، قبضہ کر کے بیٹھ گئے، ایک رات کے لئے

آئے تھے آج تک نہیں گئے اور نہ جائیں گے۔ ان کو کوئی خدا کا خوف نہیں کہ یہ وقف کی زمین ہے، یہ مدرسے یا مسجد کی زمین ہے، کوئی خوف نہیں، قیامت آئے گی تو بھگتیں گے۔ اتنا معیار مسلمانوں کا نیچے گر گیا، کوئی اخلاق کا نیچے کا معیار بھی تو ہونا چاہئے ناں! کوئی اخلاق کا، شرافت کا کچھ تو معیار ہونا چاہئے، اتنا نیچے آ گئے ہم لوگ۔

اور یہ کہانی چند لوگوں کی نہیں، میری آپ کی بھی ہے، ہم میں سے کسی کے قبضے میں آ جانا چاہئے، شرط یہ ہے کہ قانون ہم پر گرفت نہ کرے، انسان ہمیں رسوا نہ کریں، کوئی ہمیں پکڑے نہیں، کوئی ہمیں ذلیل نہ کرے، کوئی ہمیں دیکھ نہ لے، پھر ہم شیر ہیں۔ قبر میں جو ہوتا ہے ہوئے، اور حشر میں جو ہوتا ہے ہو، اکثر یہی قصہ ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمائے، اللہ تعالیٰ فضل فرمائے، یہ میں شکایت اس لئے کر رہا ہوں کہ مسلمانوں کا اخلاق یہ نہیں ہونا چاہئے، مسلمان کو اتنا نیچے نہیں اترنا چاہئے، مسلمان تو بہت اُدھی چیز ہے۔

تو بھلے زمانوں میں دستور تھا کہ کسی ضرورت مند کو مکان دے دیا، حتیٰ کہ زراعت کی زمین دے دی، ایک کسان کے پاس ضرورت سے زائد زمین ہے، دوسرے کے پاس کم ہے، اس کو دے دی، چلو تم کاشت کرو۔ احادیث موجود ہیں، جس بھائی کے پاس زمین ہو وہ اس کو خود کاشت کرے یا اپنے بھائی کو دیدے، اور اس کو کرائے پر نہ دے۔ اب یہ عجیب بات معلوم ہوتی ہے، یہ بھلے زمانوں کے قصے ہیں، مکان فالتو ہے، دے دو کسی ضرورت مند کو، رہے گا اور تمہارے بچوں کو دعائیں دے گا، اور زمین فالتو ہے تو وہ دے دو۔ صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ: ہم ایک سفر میں تھے، آنحضرت ﷺ نے اعلان فرما دیا کہ جس شخص کے پاس زائد سواری ہو وہ اپنے بھائی کو دیدے، جس کے پاس زائد کپڑا ہو وہ اپنے بھائی کو دیدے، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں: حتیٰ کہ ہم نے یہ گمان کیا کہ ہمارا حق اپنی ملکیت میں صرف ان چیزوں میں ہے جو ہماری ضرورت کی ہیں، جو ہماری ضرورت سے زائد ہیں ان میں ہمارا کوئی حق نہیں۔

تو آنحضرت ﷺ اس حدیث میں ارشاد فرماتے ہیں: اگر کسی شخص نے مہینے کے لئے، دو مہینے کے لئے، سال کے لئے کسی شخص کو ایک محدود مدت کے لئے مکان یا دکان یا زمین دی، تو وہ اس وقت کے گزرنے کے بعد اس کو واپس لے سکتا ہے، لیکن جس نے یوں کہہ کر دی کہ تجھے عمر بھر کے لئے دیتا ہوں تو اس کے اس کہنے سے اس کا حق ختم، وہ چیز اس کی ہو گئی اور اس کے مرنے کے بعد اس کے وارثوں کی ہو گئی، اب یہ نہیں کہہ گا کہ جب تک تو زندہ ہے اس وقت تک تیری اور پھر میری، یہ نہیں ہوگا، بلکہ بات یوں ہوگی کہ جب تک تو زندہ ہے تیری اور جب تو مر جائے گا تو تیرے وارثوں کی۔

نادار کو مہلت دینے کی فضیلت

[حدیث: ۱۱۳۸] ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ..... مَنْ أَنْظَرَ مَغْسِرًا أَوْ وَضَعَ لَهُ

أَظْلَلَهُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَخُتَ ظِلُّ عَرْشِهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ۔“ (سنن ترمذی ج: ۵،

ص: ۱۲۷، حدیث نمبر: ۱۲۲۷، باب مَا جَاءَ فِي إِنْظَارِ الْمَغْصِبِ وَالزَّفَقِ بِمِصْحَاحِ مُسْلِمٍ ج: ۱۳،

ص: ۲۹۵، حدیث نمبر: ۵۳۲۸، باب حَدِيثُ جَابِرِ الطَّوِيلِ وَفَصَّةِ أَبِي الْيَمَنِسْرِ)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جو محتاج

قرض دار کو مہلت دے یا قرض میں سے کچھ چھوڑ دے، اللہ تعالیٰ اس کو اپنے عرش کے

سایہ میں جگہ دے گا اس دن جس دن کہ اس کے عرش کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔“

تشریح: اس حدیث میں کسی نادار مقروض کو مہلت دینے یا اس کا قرضہ چھوڑ دینے کی فضیلت

ذکر کی، ایک آدمی نے قرض لے لیا، لیکن ناداری کے سبب اس تاریخ پر قرضہ نہیں دے سکتا، تو یہ اس سے کہتا

ہے: کوئی بات نہیں، جب ہوں دے دینا، پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں، جب تمہارے پاس ہوں دے

دینا۔ یا چھوڑ ہی دے، تو جو شخص کہ کسی تنگ دست کو قرضے میں مہلت دیدے یا اس کا قرضہ دیسے ہی

چھوڑ دے تو اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن عرش کا سایہ عطا فرمائیں گے جس دن کہ اس کے سائے کے سوا

کوئی سایہ نہ ہوگا۔

اور صحیح بخاری کی مشہور روایت ہے: ”مَنْعَةُ يُظْلَهُمُ اللَّهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ“

(بخاری ۵۱۳، ۶۲۰، ۶۲۹/۵، ۱۷۱۲) سات آدمی ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے پاس ان کو

عرش کا سایہ دے گا جس دن کہ اس کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا، اس حدیث کی شرح میں میں نے ذکر

کیا تھا کہ ستر آدمی تقریباً ایسے ہیں جن کو عرش الہی کا سایہ نصیب ہوگا، ان میں سے سات اُس حدیث میں ذکر

کئے گئے ہیں اور آٹھویں کا اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے۔

مختلف احادیث کو جمع کیا جائے تو قریب قریب تعداد ستر بنتی ہے، یعنی ستر آدمی نہیں ہیں بلکہ ستر

قسمیں ہیں، کسی نہ کسی قسم میں تو انسان آجائے، عربی زبان و ادب کے شہسوار مولانا ابوالحسن علی ندوی

صاحب کی کتاب ہے، اس میں بخاری کی یہ حدیث نقل کی ہے اور اس کا عنوان ذکر کیا ہے: ”مَنْ أَخَذَ

الشَّيْئَةَ“ عربی ادب کی کتاب ہے اس میں یہ ذکر کیا کہ ان سات آدمیوں میں سے ہونے کی کوشش کرو کہ

تمہارا شمار بھی ان سات میں سے کسی نہ کسی میں آجائے۔

بہر کیف یہاں معمر اور تنگ دست کو مہلت دینے کی فضیلت بیان کی گئی ہے، قرضہ دینے کے بعد

جب وصول نہیں ہوتا تو طبیعت بہت بد مزہ رہتی ہے، اس لئے بعض لوگوں کے یہاں تو قرض دینے کا دستور ہی

نہیں ہے، وہ دیتے ہی نہیں، میں نے جب اپنے لئے مکان لیا تھا، بہت سے دوستوں کو خطوط لکھے تھے میں نے

کہ کتنا قرضہ آپ دے سکتے ہیں اور کتنی مدت کے لئے دے سکتے ہیں، تو ایک دوست نے لکھا: ”ایک پیسہ بھی

نہیں ڈوں گا“ میں نے ان کو براہ راست خط نہیں لکھا تھا بلکہ کسی آدمی کے ذریعے بھیجا تھا، انہوں نے کہا: حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کسی کو قرض نہیں دیا کرو۔ میں نے کہا: کوئی بات نہیں، اچھی بات ہے، وہ میرے بہت اچھے دوست ہیں لیکن قرضہ نہیں دیا۔ ایک بات دل میں بیٹھ گئی، بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ صدقہ دینا ان کے لئے آسان مگر قرض دینا ان کے لئے مشکل، اور وجہ بالکل ظاہر ہے کہ صدقہ دے کر قصہ بالکل فارغ کر دیا، اور قرضہ دے کر وصول ہو نہیں رہا، یہ ذہن کے لئے کاٹنا بنا ہوا ہے، پوچھنے کی ڈیوٹی الگ مستقل لگ گئی، اور جب پوچھو تو جواب نہیں، یہ بہت کم ایسا ہوگا کہ کوئی یوں کہے کہ بھائی میرے ذمے تمہارا قرضہ تھا یہ تلے لو۔ مقرض کے پیچھے جب جوتیاں چنچاؤ تو پھر وہ ترسنا ترسا کے تھوڑا سا دیتا ہے، یہ ہمارے معاشرے کا رواج ہے، تو ایسے میں قرضہ کون دے؟ اور اسی لئے اب سود پر قرضہ ملے گا، مفت پر قرضہ نہیں ملے گا، انہی وجوہ کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ صدقہ دینا ایک صدقہ کا ثواب ہے، اور کسی کو قرض دینا اٹھارہ صدقے کا ثواب ہے، لیکن یہ بھی لازم ہے کہ جو شخص قرضے لے بلا ضرورت نہ لے، اور یہ بھی ضروری ہے کہ جب ادا کرنے کی قدرت ہو تو فوراً ادا کرے، خود تو تنگی اٹھالے لیکن دوسرے کا قرضہ ادا کر دے، بہت سے لوگ قرضہ ادا نہیں کرتے، اپنا کاروبار چلاتے رہتے ہیں، کہ اگر میں نے قرضے کی رقم اس میں سے نکال دی تو کام ٹھپ ہو جائے گا، دوسرے کا ٹھپ نہیں ہوتا، اپنے ٹھپ ہونے کی فکر ہے، بڑی بے جا بات ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”مَطْلُ الْغَنِيِّ ظَلَمٌ“ (بخاری ۸/۶۶، ۲۱۲۵، مسلم ۸/۲۰۵، ۲۹۲۳) مال دار کا مال منول سے کام لینا ظلم ہے، یہ مقرض کے ساتھ ساتھ ظالم بھی ہے، وہ بیچارہ قرضہ دینے والا مظلوم ہے، لہذا کسی کو قرضہ دینا بڑی ہمت کا کام ہے، اور قرضہ دینے کے بعد وصول کرنا بڑی ہمت کا کام ہے، میں تو بھول ہی جاتا ہوں، کسی کو دیتا ہوں، کہتا ہوں دینا ہے تو دیدے گا، ورنہ بھول جاتا ہوں۔ تو جو شخص کہ مہلت دے گا تنگ دست کو قرضے میں یا اس کے قرضے کو ساقط کر دے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے پاک عرش کا سایہ اس کو نصیب فرمائے گا۔

اس پر آپ کو دو قصے سناتا ہوں، ایک قصہ تو صحیح بخاری میں ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بنی اسرائیل میں ایک آدمی تھا بڑا مال دار، وہ اپنے ملازموں سے کہہ رہا تھا کہ کسی کو تنگ نہیں کرنا، اگر کسی کے ذمے قرض ہو، ادھار ہو، کسی کو تنگ نہیں کرنا، اگر کوئی کہے کہ میرے پاس گنجائش نہیں ہے، تو کہنا: ٹھیک ہے، پھر دے دینا۔ دنیا میں سدا کون رہا ہے، وہ شخص بھی مر گیا، جب بارگاہ الہی میں پیش کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ: یہ میرے بندوں کو مہلت دیتا تھا، میں اس کا زیادہ مستحق ہوں کہ اس کو مہلت ڈوں، یہ عاجز مخلوق ہو کر رحم اور شفقت سے کام لیتا تھا کہ کسی کو تنگ نہ کرو، ماتا ہے تو ملے ورنہ چلو تو میں غنی الاغنیاء ہوں، فرمایا اس کو لے جاؤ جنت میں بغیر حساب کتاب کے۔

ایک دوسرا قصہ تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے، علامہ دیرری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ”حیاۃ المؤمن“ میں بھی نقل کیا ہے اس کو، ایک حاکم تھے، بہت اچھے اور ہاتھ کے بھی سخی تھے، ایک دفعہ بیمار ہوئے تو کوئی عیادت کے لئے نہیں آیا، انہوں نے لوگوں سے پوچھا: کیا بات ہے کوئی ملنے نہیں آیا؟ ساتھیوں نے بتایا: آپ کے لوگوں کے ذمے قرضے ہیں، وہ شرمندگی کی وجہ سے آپ کے سامنے آنکھیں اٹھا نہیں سکتے، آئیں گے کیسے؟ بغداد کا کوئی ایسا آدمی نہ ہوگا جس نے آپ سے قرض نہ لے رکھا ہو، آئے گا کون؟ جب ان کو یہ بات معلوم ہوئی تو منادی کو بلا یا اور کہا: شہر کی گلیوں میں اعلان کر دو کہ میرے قرضے جتنے لوگوں کے ذمے تھے سب معاف۔ یہ اعلان ہو گیا، اب جو عیادت کے لئے لوگوں کا تانتا بندھا، دلیز ہی ٹوٹ گئی، پاؤں سے گھس گھس کر، تو وہ مہلت دینے کا قصہ ہے، یہ معاف کر دینے کا ہے۔

شفعہ کا مسئلہ

[حدیث: ۱۱۳۹] ”عَنْ جَابِرٍ..... مَنْ كَانَ لَهُ شَرِيكَ فِي رِبْعَةٍ أَوْ نَحْوِهَا

فَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَبِيعَ حَقِّي يُوْذِنَ شَرِيكَهٗ فَإِنْ رَضِيَ أَخَذَ وَإِنْ كَرِهَ تَرَكَ۔“

(صحیح مسلم ج: ۸، ص: ۳۱۸، حدیث نمبر: ۳۰۱۶، باب الشفعۃ)

ترجمہ: ”حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص کا کوئی شریک ہو گھر میں، یا کسی باغ میں، پس اس کو یہ حق نہیں کہ اس کو فروخت کرے یہاں تک کہ اپنے شریک کو اطلاع دے، پھر اگر وہ راضی ہو جائے تو لے لے، نہ چاہتا ہو تو چھوڑ دے۔“

تشریح: اس حدیث میں شفعہ کا مسئلہ بیان کیا ہے، ایک مکان یا باغ میں یا کسی قطعہ اراضی میں دو آدمی شریک ہیں، ایک ان میں سے اپنا حصہ بیچنا چاہتا ہے آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ اس کو بیچنے کا حق نہیں جب تک کہ اپنے ساتھی کو اطلاع نہ کرے کہ میں اپنا حصہ بیچنا چاہتا ہوں، پہلے اس کو بتائے اگر وہ کہے کہ میں ہی لے لوں گا تو ٹھیک ہے، اور اگر وہ کہے کہ بیچ رہے ہو تو بیچ دو میرے پاس تو گنجائش نہیں ورنہ میں لے لیتا تو پھر دوسرے کو دے سکتا ہے، یعنی اس کو اطلاع کئے بغیر اس سے چھپا کر اس کو فروخت کر دینا صحیح نہیں، اس لئے کہ جب دوسرا آدمی آئے گا تو وہ اس کا شریک بن جائے گا اور شریک مختلف قسم کے ہوتے ہیں، کوئی شریف ہوتا ہے، کوئی شریر ہوتا ہے، تو اس لئے شریعت نے شفعہ کا حق رکھا ہے، اس شخص کے لئے جو اس جائیداد میں خود شریک ہو یا منافع میں شریک ہو یا اس کا ہمسایہ ہو، تاکہ بڑے شریک یا بڑے ہمسائے سے یہ بیچ سکے، لیکن اس کے لئے یہ جائز نہیں کہ حق شفعہ کو پیسے لے کے چھوڑ دے کہ بھائی! تم اتنے پیسے لے لو حق شفعہ چھوڑ دو۔

سونے اور چاندی کے بدلے بیع کا حکم

[حدیث: ۱۱۵۰] ”..... مَتَّاعَ فَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ..... مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يَأْخُذَنَّ إِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ۔“

(صحیح مسلم ج: ۸، ص: ۲۷۲، حدیث نمبر: ۲۹۸۱، باب بیع القلاذیہ فیہا عوز و ذق)

ترجمہ: ”حضرت فضالہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے تو چاہئے کہ سونا چاندی نہ دے مگر برابر برابر وزن کے ساتھ۔“

تشریح: اس حدیث میں فرمایا کہ اگر کوئی شخص چاندی کو چاندی کے بدلے میں یا سونے کو سونے بدلے میں لے تو جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہئے کہ برابر برابر لے۔ اس حدیث کا قصہ یہ ہے کہ حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ جو اس حدیث کے روای ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ جنگ خیبر کے بعد جب خیبر فتح ہو گیا اور مال غنیمت ہاتھ آ گیا وہاں تجارت اور لین دین شروع ہو گیا، جس کے مطلب کی جو چیز نہیں تھی وہ بیچ دی اور جو مطلب کی تھی لے لی، تبادلہ کر لیا۔ وہ کہتے ہیں کہ میرے پاس کوئی ہارتھا جس میں سونے چاندی کا جزاؤ تھا، تو میں نے اس کے جواہرات کو اکھاڑا، میں نے یہ ہار خریدا تھا بارہ اشرفی یعنی بارہ دینار کا، خریدنے کے بعد جب اس کا سونا چاندی وغیرہ جب اکھاڑا تو سونا چاندی بارہ اشرفی سے زیادہ کا تھا، میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ: جو شخص اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، اگر سونے کا تبادلہ سونے کے ساتھ یا چاندی کا تبادلہ چاندی کے ساتھ کرنا چاہے تو برابر برابر ہونا چاہئے، ورنہ سود لازم آئے گا۔ تو تم نے جو بارہ کا ہار خریدا اس میں سونا بارہ سے زیادہ نکلا، تو یہ سود ہوا۔

ہمارے فقہاء فرماتے ہیں اگر ایسی چیز خریدی جس میں سونا لگا ہوا ہے یا چاندی لگی ہوئی ہے تو اگر سونے والی چیز سونے کے بدلے یا چاندی والی چیز چاندی کے بدلے خریدنا چاہتا ہے مثلاً یہ سونے کا ہار ہے اس کو سونے کے بدلے خریدنا چاہتا ہے یا چاندی کا ہار چاندی کے بدلے خریدنا چاہتا ہے تو اس کی قیمت اتنی مقرر کی جائے کہ اس میں جو سونا لگا ہوا ہے اس سے قیمت تھوڑی سی زیادہ ہو، مطلب یہ کہ قیمت اس سے برابر یا اس سے کم نہ ہو۔ مطلب یہ ہوگا کہ سونا تو سونے کے بدلے ہو جائے گا اور باقی قیمت اس چیز کے بدلے ہو جائے گی جس میں یہ سونا لگا ہوا ہے، مثال کے طور پر کسی تلوار پر چاندی یا سونے کا خول چڑھا ہوا ہے اور آپ اس کو خریدنے جا رہے ہیں، تو پہلے یہ اندازہ کر لیجئے کہ اس پر کتنا سونا اور چاندی ہے؟ اگر اس کو الگ

کر لیا جائے تو اس کا کتنا وزن ہوگا؟ اس سے زیادہ قیمت میں اس کو خریدنا پڑے گا۔ مثال کے طور پر اس پے دس تو لے سونا لگا ہوا ہے، تو جتنی قیمت دس تو لے کی ہے اس سے زیادہ پیسے آپ دیں، تاکہ دس تو لے کے پیسے دس تو لے کے بدلے ہو جائیں اور باقی پیسے تلوار کے بدلے میں ہو جائیں۔

خنزیر اور شراب کی بیع حرام ہے

[حدیث: ۱۱۵۱] ”عَنْ جَابِرٍ..... إِنَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ وَالْمَيْتَةِ وَالْخَنْزِيرِ وَالْأَصْنَامِ“

(صحیح بخاری ج: ۷، ص: ۳۸۳، حدیث نمبر: ۲۰۸۲، باب بَيْعِ الْمَيْتَةِ وَالْأَصْنَامِ)
ترجمہ: ”حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے حرام فرمایا ہے شراب اور مردار کے بیچنے کو اور خنزیر اور بتوں کے بیچنے کو، اور یہ بات آنحضرت ﷺ نے فتح مکہ کے بعد مکہ مکرمہ میں ارشاد فرمائی۔“

تشریح: یہ حدیث فتح مکہ کے موقع کی ہے، جس میں فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے مردار خنزیر اور شراب کے خریدنے اور بیچنے کو منع فرمایا ہے، یعنی یہ چیزیں بھی حرام اور ان کو بیچ کر ان کے پیسے کھانا بھی حرام، ٹی وی بھی حرام اور اس کو بیچ کر اس کو کھانا بھی حرام، یہاں سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ وہ تمام چیزیں جو شرعاً حرام ہیں ان کو بیچ کر ان کا نفع کھانا بھی حرام۔

شراب پینا اور بیچنا دونوں حرام ہیں

[حدیث: ۱۱۵۲] ”..... فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ..... إِنَّ الَّذِي حَرَّمَ شَرْبَهَا حَرَّمَ بَيْعَهَا (يَعْنِي الْخَمْرَ).“

(صحیح مسلم ج: ۸، ص: ۲۲۳، حدیث نمبر: ۲۹۵۷، باب تَحْرِيمِ بَيْعِ الْخَمْرِ)
ترجمہ: ”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: بے شک جس نے اس کا پینا حرام کیا، اسی نے اس کا بیچنا بھی حرام کیا، یعنی شراب کا۔“

تشریح: اس حدیث میں ارشاد فرمایا کہ جس ذاتِ عالی نے اس کا پینا حرام کیا ہے اس کا بیچنا بھی حرام کیا ہے۔ قصہ یہ ہوا تھا کہ ایک صاحب شراب کا مشکیڑہ باہر سے لائے، آپ ﷺ سے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں شراب کا ایک مشکیڑہ لایا تھا، مجھے معلوم نہیں تھا وہ بعد میں معلوم ہوا کہ حرام ہوگئی ہے، چپکے سے آہستہ سے کسی نے کہا کہ کسی غیر مسلم کے پاس بیچ دینا، آنحضرت ﷺ نے اس کی یہ بات سن لی تو فرمایا: جس نے اس

کا پینا حرام کیا، اس نے اس کا پیننا بھی حرام کیا، شراب کا پیننا بھی حرام، اس کا پیننا بھی حرام، اس کا بنانا بھی حرام، اور حد یہ ہے کہ جو شخص شراب اٹھا کر لے جائے اس پر بھی لعنت، شراب پر لعنت، اس کے بنانے والے پر لعنت، اس کے خریدنے والے پر لعنت، اس کے اٹھانے والے پر لعنت، اس کے پیننے والے پر لعنت۔

اس حدیث کے ضمن میں چند مسائل ذکر کرتا ہوں:

ایک یہ کہ شراب سے اگر کسی کو نشہ ہو جائے اور وہ نشے میں اپنی بیوی کو طلاق دیدے تو طلاق واقع ہو جاتی ہے، بہت سے لوگ مجھ سے مسئلہ پوچھتے ہیں کہ شوہر نے نشے کی حالت میں طلاق دی تھی، مدہوش تھا، اس کو علم نہ تھا تو مدہوش کی طلاق واقع ہو جاتی ہے بشرطیکہ وہ حرام کے نشے کے ساتھ مدہوش ہوا ہو، اگر کسی جائز اور پاک چیز کا استعمال کیا تھا اور اتفاق سے چڑھ گئی دماغ کو اور اس سے مدہوش ہو گیا اس حالت میں اس نے بیوی کو طلاق دے دی تو اس سے طلاق واقع نہ ہوگی، یا مثال کے طور پر کسی کافر نے زبردستی اس کو پلا دی اور اس کو نشہ ہو گیا اور نشے میں بدست ہو کر اس نے بیوی کو طلاق دے دی تو اس سے بھی طلاق نہ ہوگی، کیونکہ یہ اس نے اپنے اختیار سے نہ دی، تو حرام نشہ جو اپنے اختیار سے کیا ہو تو اگر اس سے آدمی مدہوش ہو جائے اور طلاق دے تو طلاق واقع ہو جائے گی، اور حرام نشہ نہ ہو لیکن کسی وجہ سے اس سے مدہوشی ہوئی اور طلاق دی تو اس سے طلاق نہ ہوگی۔

دوسری بات یہ کہ جس چیز کا استعمال حرام اس کی خرید و فروخت بھی حرام، شراب کا پیننا حرام تو اس کی خرید و فروخت بھی حرام، مسلمان کے حق میں شراب مال نہیں، اگر کسی مسلمان کے شراب کے منکے کسی نے توڑ دیئے تو اس پر کوئی تاوان نہیں ہے، لیکن غیر مسلم کے حق میں مال ہے، اگر غیر مسلم کے منکے توڑے تھے تو اس کا تاوان دینا پڑے گا، تو یہاں سے ایک بہت بڑا اصول معلوم ہوا کہ جس چیز کا استعمال حرام ہے اس کا خریدنا اور بیچنا بھی حرام ہے۔

میں سے ٹی وی کا حکم بھی معلوم ہو جاتا ہے، اس کا دیکھنا بھی حرام، اس کا خریدنا بیچنا بھی حرام، اور اسی طرح دوسری چیزیں بھی ہیں، مردار حرام ہے، اب کوئی مردار کا گوشت بیچے وہ بھی حرام۔ حرام کا مطلب یہ ہے کہ اس کی جو قیمت حاصل ہوگی اس کا بھی وہی حکم ہوگا جو مردار کا حکم ہے، اگر کسی نے مرا ہوا جانور کسی بھنگی کے پاس بیچ دیا، تو وہ لوگ تو استعمال کر لیتے ہیں تو اس رقم کا استعمال بھی ایسا ہی ہے جیسا کہ خود مردار کا کھانا۔

اور ہمیں سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہو جائے گا جیسا کہ دیہاتوں میں رواج ہے کہ اگر بھینس مر گئی، اس کو مرنے سے پہلے ذبح نہیں کر سکتے تو چوڑوں کے پاس اس کی کھال بیچ دیتے ہیں کہ اس کو لے جاؤ، وہ پیسے دے دیتے ہیں اور کھال اتار لیتے ہیں، تو مردار کی کھال بھی مردار کے حکم میں ہے اور اس کا بیچنا بھی حلال نہیں، الا یہ کہ مردار کی کھال کو اتار لیا اور اس کو رگوں والیا، اب وہ پاک ہو گئی، اب اس کا بیچنا جائز ہے، مردار کی کھال کو

رنگو لیا جائے تو پاک ہو جائے گی۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں دیکھا کہ ایک بکری مری ہوئی تھی، آپ نے فرمایا: ”هَلَّا انْتَفَعْنَا بِهَا هِيَ“ تم نے اس کے چمڑے سے کیوں نفع نہیں اٹھایا؟ کہا کہ: یا رسول اللہ! یہ تو میت ہے، مردار ہے، فرمایا: ”أَيُّهَا إِبْهَابُ ذَيْبِ فَقَدْ ظَهَرَ“ (سنن الترمذی ۳۳۸۶، نسائی ۱۶۳۱۳، ابن ماجہ ۴۶۱۰، ۳۵۹۹) جس کھال کو رنگ لیا جائے وہ پاک ہو جاتی ہے، اس کے بعد اس کو بیچ بھی سکتے ہیں، غرضیکہ ہر وہ چیز جس کا استعمال حرام اس کا بیچنا خریدنا بھی حرام، البتہ اگر کسی کے پاس شراب ہو تو اس میں سرکہ ڈال کر اس کا سرکہ بتالیا کرتے ہیں، شراب کا سرکہ بن جاتا ہے، شراب کا سرکہ بنانا جائز ہے یا ناجائز؟ یہ مسئلہ ائمہ میں مختلف فیہ ہے، اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ جب شراب کو سرکہ بتالیا تو اس کا استعمال جائز ہے، لیکن شراب کو سرکہ بنانا یہ عمل جائز ہے یا نہیں؟ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جائز نہیں، ہمارے امام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مناسب نہیں ہے لیکن بنا سکتا ہے، تحریم کا حکم نہیں لگاتے۔

سود اُدھار میں ہے

[حدیث: ۱۱۵۳] ”أَسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ..... قَالَ إِنَّمَا الزَّائِي النَّسِيئَةُ“

(صحیح مسلم ج: ۸، ص: ۲۸۳، حدیث نمبر: ۴۹۹۱، باب بَيْعِ الطَّعَامِ وَمِنَ الْبَيْعِ، صحیح بخاری ج: ۷، ص: ۴۰۱، حدیث نمبر: ۲۰۳۲، باب بَيْعِ الْذِيئَارِ بِالْذِيئَارِ نَسَاءً)

ترجمہ: ”حضرت أسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: سود تو صرف اُدھار میں ہوتا ہے۔“

تشریح: اس حدیث میں فرمایا: سود تو اُدھار میں ہوتا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک چیز کا مقابلہ اسی چیز سے کیا جائے، جیسے گندم کا گندم کے ساتھ، جو کا جو کے ساتھ، اور کی بیشی کے ساتھ کیا جائے تو یہ تو کھلا ہوا سود ہے۔ اور ایک صورت یہ ہے کہ جو کا تبادلہ گہوں کے ساتھ کیا گیا تو کی بیشی تو ٹھیک ہے، لیکن اُدھار جائز نہیں، اُدھار کرنا سود ہے، سود نقد ہونا چاہئے۔ اسی طرح سونے چاندی کا تبادلہ کرتے ہیں کہ سونے کا تبادلہ کیا چاندی کے ساتھ اور چاندی کا سونے کے ساتھ، تو ظاہر ہے کہ سونے اور چاندی کی مقدار میں تو فرق ہوگا لیکن اس میں تو اُدھار جائز نہیں۔ اُدھار ہوگا تو سود ہو جائے گا۔ یہ مطلب ہے کہ اس حدیث کا سود تو اُدھار میں ہوتا ہے۔ یعنی اُدھار کو لوگ معمولی چیز سمجھتے ہیں حالانکہ اس سے سود لازم آتا ہے۔ باقی سود کے موٹے موٹے مسائل ”بہشتی زیور“ میں دیکھو اور ایک حضرت حکیم الاثر مولانا اشرف علی صاحب رحمہ اللہ کا رسالہ

ہے ”صفائی معاملات“ اس میں دیکھ لو، بطور خاص جو لوگ کہ سونے اور چاندی کا کام کرتے ہیں ان کو ضرور اس کے مسائل سیکھ لینے چاہئیں۔

پھل پکنے سے پہلے بیچنے کا حکم

[حدیث: ۱۱۵۳] ”أَنْ أَبَاهُ زَوْجَهُ... لَا تَبْتَاعُوا الْقَمْزَ حَتَّى يَبْدُوَ صَلَاحَهُ وَلَا

تَبْتَاعُوا الْقَمْزَ بِالْقَمْزِ۔“ (صحیح مسلم ج: ۸، ص: ۱۰۱، حدیث نمبر: ۲۸۳۶،

باب التَّهْنِي عَنْ بَيْعِ الْقَمَارِ قَبْلَ بَدْوِ صَلَاحِهَا بِغَيْرِ شَرْطِ الْقَطْعِ)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: نہ

بیچو کھجور یہاں تک کہ اس کی صلاحیت ظاہر ہو جائے، اور نہ بیچو پھل کو کھجور کے بدلے

میں (کم یا زیادہ کر کے)۔“

تشریح: اس حدیث میں فرمایا کہ: کھجور کے پھل کو اس وقت تک نہ بیچو جب تک کہ اس کی

صلاحیت ظاہر نہ ہو جائے، اس میں بڑی طویل بحث ہے کہ ابھی بور لگا ہوا ہے پھلوں کا اور پھلوں کو بیچ دیا، یہ بیع

صحیح نہیں جب تک پھل نہ نکل آئیں، اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب تک کہ پک جائیں ان میں

مشاس اور شیرینی پیدا ہو جائے جب بیچو۔ ہمارے امام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کام میں استعمال ہو سکیں، اصل

میں ہمارے نزدیک کسی پھل کو خریدنے کے بعد اس کو درخت پر چھوڑنا جائز نہیں، خریدار کو چاہئے کہ ان کو

کاٹ لے، اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب وہ پک جائیں تو چند دن ان کو ٹھہرا سکتا ہے، یہ پھلوں کی بیع

سے متعلق مسئلہ ہے کہ درخت پر پھل آجائیں تو بیع کی جائے، یا پھر اس کی صورت یہ ہے کہ وہ جگہ ٹھیکے پر لے

لی جائے، لیکن ہوتا یہ ہے کہ پھل خرید لئے جاتے ہیں، زمین پر مالک کا قبضہ رہتا ہے، تین تین سال کے لئے

خرید و فروخت ہو جاتی ہے۔

اور دوسری بات اس حدیث شریف میں یہ فرمائی کہ ثمر کو تھر کے بدلے میں مت بیچو، ثمر کا معنی ہے

کھجور کے اوپر جو پھل لگا ہوا ہے اور تھر کا معنی خشک کھجوریں، یہ کہہ کر درخت دے دیا: ”مجھے اتنے میں

کھجوریں دے دو اور درخت تمہارا“ یہ سود ہو جائے گا، کیونکہ اگر وہ کم بیش نکلا تو پھر کھجور کا تبادلہ جب کھجور کے

ساتھ ہو تو اس کا دونوں طرف برابر ہونا ضروری ہے، کمی بیشی سود ہے، حرام ہے۔

تجارت میں مسلمان کو نقصان نہ پہنچایا جائے

[حدیث: ۱۱۵۵] ”سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ..... لَا تَلْقُوا الْجَلْبَ فَمَنْ تَلَقَّاهُ

فَاَشْتَرِي مِنْهُ فَاِذَا اَتَى سَيِّدُهُ الشُّوْقُ فَهُوَ بِالْخِيَارِ۔“

(صحیح بخاری ج: ۸، ص: ۵۳، حدیث نمبر: ۲۷۹۶، باب تَحْرِيمُ تَلْقَى الْجَلْبِ)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: آگے بڑھ کر اناج کی کھپ وصول نہ کیا کرو، سو جس بیوپاری کی کھپ آگے بڑھ کر خرید لی جائے جب وہ کھپ کا مالک بازار میں آوے تو اس کو اختیار ہے یعنی چاہے پہلے بیچے کو درست رکھے یا نہ رکھے، اپنا وہی اناج بازار میں بیچ لیوے۔“

تشریح: اس حدیث شریف میں ایک تجارت کا مسئلہ بیان فرمایا ہے، ہوتا یہ تھا کہ یہ جو چھوٹے شہر ہوتے ہیں قصبات، دو چار ہزار کی آبادی ہوتی ہے، وہاں باہر سے غلہ لے کر لوگ آتے ہیں، مجھے تجربہ ہے، ماموں کا فجن میں لوگ لکڑیوں کے گٹھے لے کر آیا کرتے تھے باہر سے اونٹوں یا گدھوں پر لاد کر اور جب بازار میں لاتے تھے تو جو بازار میں قیمت ہوگی وہ ان کو ملے گی اور شہر والوں کو نفع ہوگا، لیکن جو ہوشیار لوگ تھے وہ باہر جا کر وصول کر لیتے تھے راستے میں ہی، شہر میں آنے ہی نہیں دیتے تھے، شریعت کی اصطلاح میں اس کو ”حلقی جلب“ کہتے ہیں، ’جلب‘ جالب کی جمع ہے اور جالب کا معنی باہر سے غلہ یا چیزیں درآمد کرنے والا، تو در آمد کرنے والے بیوپاری سوداگر یہ تو جلب ہو گئے، ’حلقی‘ کا معنی آگے بڑھ کر ان کا استقبال کرنا، شہر سے باہر نکل کر ان کا استقبال کرنا، یعنی شہر سے باہر نکل کر راستے ہی میں ان سے جا ملے اور ان سے چیز خرید لی، ایسا نہ کرو، اس کی ممانعت فرمائی، اور ممانعت کی دو وجہیں ہیں: ایک تو یہ کہ یہ باہر جا کر اس بیوپاری کو دھوکا دیں گے اور اس کی چیز صحیح بھاؤ پر نہیں بکے گی، پھر شہر میں لا کر یہ شہر والوں کو دیں گے اور دوسری بات یہ کہ کبھی ایسا ہو جائے گا کہ شہر میں چیز نہیں آنے دیں گے اور جب شہر میں تنگی پیدا ہو جائے گی تو پھر یہ منگی بیچیں گے، ذخیرہ اندوزی کا اندیشہ ہے، اس لئے منع کر دیا۔

اور دوسری بات یہ ارشاد فرمائی کہ جس شخص نے شہر سے باہر جا کر کسی بیوپاری سے کوئی چیز خرید لی تو اس کا مالک جب شہر میں آئے گا اور بھاؤ معلوم کرے گا اور اگر اس کو معلوم ہوا کہ اس کو دھوکا ہوا ہے تو اس کو اختیار ہوگا کہ اپنے سودے کو رکھے یا فسخ کر دے۔

عام علماء کے نزدیک باہر جا کر اس طرح چیز خریدنا مکروہ ہے، لیکن اگر یہ خرید لے گا تو سودا ہو جائے گا اور جمہور علماء کے نزدیک اگر کوئی شخص اس طرح دھوکا کھا جائے اور زیادہ پیسے کے بجائے تھوڑے پیسے اس کو ملیں تو بازار آ کر اس کو اختیار ہوگا، چاہے رکھے چاہے نہ رکھے۔ لیکن ہمارے امام صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر اس کو دھوکے کا اندیشہ ہے تو اس کو چاہئے کہ شرط لگا دے کہ میں شہر جا کر بھاؤ معلوم کروں گا پھر میرا پکا سودا ہوگا، ورنہ اگر گڑبڑ ہوئی تو مجھے اس کو فسخ کرنے کا اختیار ہوگا، اگر شرط لگا دے گا کہ مجھے تین دن تک

اختیار ہے سودا رکھنے یا نہ رکھنے کا تو پھر وہ جیسا کہ حدیث شریف میں فرمایا ہے وہ مختار ہوگا، لیکن اگر اس سے کوئی شرط نہیں لگائی اور چونکہ سودا کامل و مکمل ہو چکا ہے اور چیز کا زیادہ بھاؤ نکل آنا کوئی عیب نہیں جس کی وجہ سے اس کا سودا واپس کروایا جائے، لہذا اس صورت میں اس کا سودا اچکا ہو جائے گا اور اس کو کوئی اختیار نہیں ہوگا، جبکہ عام علماء کے نزدیک اس صورت میں بھی اختیار ہوگا۔

حضرت امام رحمہ اللہ کے لوگ اسی لئے مخالف ہیں کہ حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص آیا جس نے خریداری کر لی اور پھر وہ مالک شہر میں آیا تو اس کو اختیار ہوگا، جبکہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اختیار رکھا ہوگا، مجرد اتنی بات سے اختیار نہیں۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ یہ فرماتے ہیں اور یہ حدیث کے خلاف نہیں، اس کو کسی حکیم نے کہا تھا کہ وہ بغیر خیال کے بیچے؟ اس کو چاہئے تھا کہ وہ کہتا کہ مجھے اختیار ہوگا، اس کو کیا جلدی پڑی تھی بیچنے کی، کس نے اس کی گردن پر تگوار رکھی تھی کہ ضرور بیچو اور فروخت کرو؟ اس نے اپنے اختیار سے بیچا ہے۔

مسلمان بھائی کے مال کی حرمت

[حدیث: ۱۱۵۶] ”عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ..... أَرَأَيْتَ إِذَا مَنَعَ اللَّهُ الْقَمَرَةَ بِمِ يَأْخُذُ أَخَذَ كُمْ مَالَ أَخِيهِ (وَفِي مَقَامٍ آخَرَ:) فِيمَ يَسْتَحِلُّ أَخَذَ كُمْ مَالَ أَخِيهِ۔“ (صحيح بخاری ج: ۷، ص: ۳۲۵، حدیث نمبر: ۲۰۳۸، باب إِذَا بَاعَ الْفِتَارَ قَبْلَ أَنْ يَبْدُوَ صَلاَحُهَا ثُمَّ أَصَابَتْ.....)

ترجمہ: ”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا بھلا بتاؤ تو اگر اللہ تعالیٰ پھل کو روک لے تو کس طرح اپنے مسلمان بھائی کے مال کو حلال سمجھے گا؟“

تشریح: اس حدیث کا مضمون پہلے آچکا ہے، تفصیل اس کی یہ ہے کہ کچے پھل کو بیچنے سے آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا ہے اور اس موقع پر ارشاد فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ پھل کو روک لے، پھل نہ لگے درختوں کو، تو تم اپنے بھائی کے مال کو کس وجہ سے حلال سمجھو گے اور اس کو جائز سمجھو گے؟ مطلب یہ کہ درخت کو پھل تو لگا نہیں اور تم فرض کرو دس ہزار کا ٹھیکہ لے لیا ہے اور پھل لگا نہیں اور اب تم نے جو دس ہزار وصول کر لیے کس بناء پر وصول کر لیا ہے اور تمہارے لئے یہ کس طرح حلال ہوگا؟ یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ ہمارے امام رحمہ اللہ کے نزدیک اگر کوئی آدمی کسی چیز کا سودا کر لیتا ہے کسی پھل کا سودا کر لیتا ہے تو فوری طور پر

اس کا کاٹنا لازم ہے اس کو درخت پر نہیں چھوڑ سکتا اور ظاہر بات ہے کہ جب اس کو کاٹنا ہے تو وہ پیسے بھی اتنے ہی دے گا یا سود اس وقت کرے گا جبکہ پھل پورا آجائے گا۔

قبضے سے پہلے خرید اہوا سا مان آگے نہیں بیچا جاسکتا

[حدیث: ۱۱۵۷] ”..... جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ..... إِذَا ابْتِيعَ طَعَامًا فَلَا يَبِيعُهُ

حَتَّى تَشْتَرِيَهُ“ (صحیح مسلم ج: ۸، ص: ۷۹، حدیث نمبر: ۲۸۱۹، باب

بِطْلَانِ بَيْعِ الْمَبِيعِ قَبْلَ الْقَبْضِ)

ترجمہ: ”حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

جب تو غلہ خریدے تو اس کو بیچ نہیں جب تک کہ تو اس کو وصول نہ کر لے قبضے میں نہ

لے لے۔“

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ جب تم غلہ خریدو تو جب تک کہ اس کو وصول نہیں کر لیتے اور قبضہ نہیں اس پر کر لیتے اس کو آگے نہ بیچو، غلے کی تخصیص نہیں بلکہ وہ تمام منقولہ چیزیں جن کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جاتا ہے سب کا یہی حکم ہے اور تمام ائمہ رحمہم اللہ کے نزدیک یہی حکم ہے کہ جب تک ان پر قبضہ نہ کر لیا جائے اس وقت تک ان کا نہ تو استعمال کرنا جائز اور نہ آگے بیچنا جائز اور قبضہ کرنے کے لئے ایک یہ کہ آدمی وصول بھی کر لے۔

اس مسئلے میں ہمارے ہاں بہت گڑبڑ ہوتی ہے، بعض اکابر کے یہاں گھر میں ترار و رکھی ہوئی ہوتی تھی جب بھی کوئی چیز دکاندار کی طرف سے آتی تھی جب تک کہ اس کو تول نہ لیتے اس کو استعمال نہیں کرتے تھے، اب پتہ نہیں دکاندار نے زیادہ دے دیا ہو تو ل کر یا کم دے دیا ہو، اگر تمہارے سامنے دکاندار نے تول لیا ہے تو اس کو تولنے کی ضرورت نہیں قبضہ ہو گیا ہے تمہارا لیکن اگر تمہارے سامنے نہیں تول لیا تو پہلے تولو پھر استعمال کرو لیکن ہم لوگ اس معاملے میں کوئی زیادہ چھان بین نہیں کرتے، تو ایک گڑبڑ یہ ہوتی ہے کہ چیز خرید لی اس پر قبضہ نہیں کیا آگے بیچ دی، اس اگلے والے نے آگے بیچ دی اس نے آگے بیچ دی دس جگہ تک گئی چیز ابھی تک آئی نہیں، یہ تمام غیر شرعی وجوہ ہیں یعنی اس کا بیچنا جائز نہیں ہے آگے جب تک کہ قبضے میں نہ آجائے اور بعض جگہ تو ایسا ہوتا ہے کہ کاغذات بیچے جاتے ہیں چیز خریدی بھی نہیں گئی کاغذات ہی بک رہے ہیں صرف، کسی کو موٹر منگوانے کا پر مٹل گیا اسی کاغذ کی خرید و فروخت ہو رہی ہے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ۔ اس کاغذ کی خرید و فروخت حرام ہے اور اس سے حاصل ہونے والا نفع باطل ہے۔

ایک جنس کا تبادلہ اسی جنس سے

[حدیث: ۱۱۵۸] ”عَنْ أَبِي سَعِيدٍ..... لَا صَاعِي تَمْرٍ بِصَاعٍ وَلَا صَاعِي

حَنْطَلَةٍ بِصَاعٍ وَلَا ذَرَاهِمٌ بِذَرَاهِمِينَ۔“

(صحیح مسلم ج: ۸، ص: ۲۷۹، حدیث نمبر: ۲۹۸۷، باب بیع الطعام بمثلها بمثل)

ترجمہ: ”حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا نہ بیچو

دو صاع کھجور کے بدلے میں ایک صاع اور نہ ایک درہم کو بدلے میں دو درہم کے۔“

تشریح: اس حدیث کا مضمون اس سے پہلے بھی گذر چکا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک جنس کا تبادلہ اسی جنس کے ساتھ اگر کیا جائے تو برابر برابر کیا جائے مثلاً اچھی کھجوریں اور گھٹیا کھجوریں اگر کھجور کا بدلہ کھجور سے کرنا چاہتے ہیں تو برابر کرنا چاہئے یہ نہیں ہونا چاہئے کہ دو ٹوپے گھٹیا کھجوروں کے ردی کھجوروں کے اور ایک ٹوپا بڑھیا کھجوروں کا اچھی کھجوروں کا ایسا نہیں ہونا چاہئے اور اسی طرح ایک اچھی گندم ہے اور ایک گھٹیا ہے گندم کا گندم سے تبادلہ کرنا ہے تو برابر ہونا چاہئے ایک درہم کا دو درہم کے ساتھ تبادلہ جائز نہیں، ایک روپے کا تبادلہ دو روپے کے بدلے میں جائز نہیں۔

اب ہوتا ہے یہ ہے مجھے ایک صاحب نے خط لکھا کہ اسٹیٹ بینک میں جو ملازم ہیں اس نے لکھا تھا کہ برانچوں کو بھیجنے کا حکم ہوتا ہے نئے نوٹ لیکن وہ لوگ جو ملازمین ہیں وہ نئے نوٹ خود رکھ لیتے ہیں پرانے نوٹ آگے بھیج دیتے ہیں اور پھر ان نئے نوٹوں کو ہار بنانے والوں کے پاس بھیج دیتے ہیں مثال کے طور پر سو روپے کی گڈی ہے چھوٹی چھوٹی نوٹوں کی وہ اس کو ایک سو پانچ سو کی دیتا ہے پانچ سو روپے کی نوٹ والی گڈی ہے تو بجائے پانچ سو کے پانچ سو تیس یا پانچ سو تیس کی دیتے ہیں یہ اوپر والا ہمارا کمیشن ہے، مجھے اس قسم کے خطوط پڑھ کر حیرت ہوتی ہے کہ شیطان ایسی تدبیر سمجھاتا ہے ان لوگوں کو، ہمارا ذہن کبھی اس طرف نہیں جاسکتا تھا تو بھائی ایک روپے کے بدلے میں دو روپے لے لیتا یا ایک روپے کے بدلے میں اس سے کم لیتا یہ سود ہے یہ سارا کاروبار ہی سود ہے، البتہ ایک ملک کی کرنسی کا کسی دوسرے ملک کی کرنسی کے ساتھ تبادلہ کیا جائے تو وہ جیسے بھی چاہو کرو، بازار کے بھاؤ کے مطابق امریکی ڈالر ۳ کے لگ بھگ جا رہا ہے ۳۶ کا دے دو یا ۳ کا دے دو کسی کو اجازت ہے کم کا لو زیادہ کا لو لیکن امریکی ڈالر اگر تم یہ چاہو کہ چھوٹے نوٹ ایک سو ایک لے کر ایک نوٹ سو کا امریکی ڈالر کا لے لوں یہ جائز نہیں ہے۔

بہر کیف یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ ایک جنس کا تبادلہ جب اسی جنس کے ساتھ ہو تو کمی بیشی جائز نہیں ہے، سو روپے کے بدلے میں آپ سو ہی لے سکتے ہیں نہ ایک سو ایک لے سکتے ہیں اور نہ ننانوے لے سکتے ہیں۔

[حدیث: ۱۱۵۹] "عَنْ أَبِي سَعِيدٍ..... لَا صَاعِي تَمْرٍ بِصَاعٍ وَلَا صَاعِي

جَنْطَلَةٍ بِصَاعٍ وَلَا ذِرْهَمٍ بِذِرْهَمَيْنِ۔"

(صحیح مسلم ج: ۸، ص: ۲۷۹، حدیث نمبر: ۲۹۸۷، باب بیع الطعام وبقائه)

ترجمہ: "حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: بیچنا صحیح نہیں دو صاع کھجور کا ایک صاع کے بدلے میں اور نہ دو صاع گیہوں کا ایک صاع کے بدلے میں۔ اور نہ درہم کا دو درہم کے بدلے میں۔"

خرید و فروخت میں خیار کا حکم

[حدیث: ۱۱۶۰] "عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو..... إِذَا بَايَعْتَ فَقُلْ لَا خِلَافَ لَكَ"

(صحیح بخاری ج: ۷، ص: ۳۱۲، حدیث نمبر: ۱۹۷۴، باب ما یکتو فیمن الخداع علی البیع)

ترجمہ: "حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اوس بن خلال سے فرمایا تھا کہ جب کوئی چیز تو خرید لیا کرے تو کہہ دیا کر مجھے دھوکا نہ دینا، دھوکا نہ دینا۔"

تشریح: اس حدیث میں ہے کہ حضرت اوس بن خلال ان کے صاحبزادے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ ابا بھولے ہیں ان کو سودے کرنے کا بہت شوق ہے اور ہر سودے میں کوئی نہ کوئی ان کے ساتھ گھپلا ہو جاتا ہے، دھوکا ہو جاتا ہے، رڈی چیز اٹھا کر لے آتے ہیں گھر میں، بس شوق ہے ان کو خریداری کا، یا رسول اللہ! ان کو آپ فرما دیجئے بہت نقصان ہو جاتا ہے، آپ ان کو بند کریں یہ نہ چیزیں خریدیں نہ بیچیں، آنحضرت ﷺ نے پوچھا تو فرمایا کہ مجھے تو یہ بیماری ہے خریدنے کی، بعض لوگوں کو شوق ہوتا ہے، اس موقع پر ارشاد فرمایا کہ تم جب سودا کرو کسی سے تو تم یوں کہہ دیا کرو لَا خِلَافَةَ لَكَ دھوکا نہیں ہے وَجَعُ الْخِيَارِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ۔ مجھے تین دن کا اختیار ہوگا چاہے اس کو رکھوں یا نہ رکھوں، جیسے سودا کر لینا پہلے بچوں سے گھر میں آکر مشورہ کر لینا اگر وہ کہیں کہ ٹھیک نہیں تو واپس کر دینا، چنانچہ وہ ایسا ہی کرنے لگے رسول اللہ ﷺ کی ہدایت کے مطابق تو اگلے سے کہہ دیتے تھے کہ لَا خِلَافَةَ لَكَ الْخِيَارِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ میں دغا بازی نہیں کرتا مجھے تین دن کا اختیار ہوگا۔

اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ اگر کوئی شخص سودا کرنا ضروری بھی سمجھتا ہے لیکن یہ بھی محسوس کرتا ہے کہ عزیز و اقارب میں بیوی بچے شاید اس پر کٹہہ چینی کریں اور پسند نہ کریں، اگر خریدوں کا تو گھر والے ناراض ہوں گے اور اگر نہیں خریدوں گا یہ چیز نہیں ملے گی پھر، ایسے چکر میں کوئی شخص مبتلا ہو جائے تو اس

کے لئے شریعت نے بیع اختیار رکھی ہے یعنی سودا کرتے وقت یہ کہہ دے کہ بھائی مجھے تین دن کا اختیار ہوگا، تین دن کا اختیار ہوگا، تین دن کا اختیار ہوگا تو بھی ٹھیک ہے، دو دن کا اختیار تو بھی ٹھیک ہے، تین دن کا اختیار رکھ لو اور تین دن کے اندر اچھی طرح سوچ و بچار کر کے مشورہ کر لے گھر والوں سے بھی یہی بیچوں سے اور دوست احباب سے بھی، اگر پسند آجائے اور ارادہ ہو رکھنے کا تو کہہ دے ٹھیک ہے ورنہ کہہ دے میں ختم کرتا ہوں، یہ اختیار بائع بھی رکھ سکتا ہے مشتری بھی، کسی نے ایک چیز بیچی ہے اس نے اختیار رکھ لیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تین دن تک یہ بیچ پکی نہیں ہے اور مشتری نے اگر اختیار رکھا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ۳ دن کے اندر اس کو واپس کرنے کا اختیار ہوگا۔

یہاں شریعت نے بہت عمدہ سہولت دی ہے اس کو بیع اختیار کہتے ہیں اور ایک اختیار اور ہوتا ہے خیار غیب یعنی آپ کوئی چیز خرید کر لے جا رہے ہیں، اس میں گھر جا کر دیکھا کوئی عیب نظر آ گیا تو آپ اس عیب کی بناء پر اس کو واپس کر سکتے ہیں اور شرعاً بیچنے والے کو اس کا واپس لینا لازم ہے۔

ایک تیسری قسم ہے خیار کی خیار ردیت، ایک چیز آپ نے بن دیکھے خرید لی تھی کسی چیز کا سودا کر لیا کپڑے کا جانور کا سودا کر لیا لیکن دیکھا نہیں تھا تو چیز کہ بن دیکھے خرید لی تھی دیکھنے کے بعد اگر پسند نہ آئے تو شرعاً اس کے واپس کرنے کی اجازت ہوگی لیکن بیچنے والے مالک نے بھی بن دیکھے چیز بیچی تھی اس کو بھی اختیار ہوگا اور ایک چوتھی قسم کا خیار ہے جس میں علماء کا اختلاف ہے وہ ہے خیار مجلس جس مجلس میں سودا ہوا ہے لیکن دین ہوا ہے سودا مکمل ہو گیا، امام شافعی رحمہ اللہ اور دوسرے ائمہ فرماتے ہیں جب تک مجلس قائم ہے ہر ایک کو مشتری بائع دونوں کو ہودے کو ختم کرنے کا اختیار ہوگا ہمارے نزدیک نہیں۔

ان کی ایک دلیل یہ ہے کہ اَلْبَيْعَانِ بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَنْتَفِزَا فَاس سے وہ استدلال کرتے ہیں، خیر یہ علمی بحث ہے ہمارے لئے وہی کہ جب سودا ہو گیا اب اس کو فسخ کرنے کا کسی فریق کو اختیار نہیں، ہاں دوسرا ایک طریقہ اس کو فسخ کر سکتا ہے اس کو اِقَالَہ کہتے ہیں، رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر ایک بھائی دوسرے بھائی سے کوئی چیز لے لے یا دے دے لیکن بعد میں بیچتا ہے تو اس کو واپس کر لینا چاہئے، دوسرے فریق کو چاہئے کہ وہ واپس کر دے لیکن یہ قانونی چیز نہیں ہے اخلاقی چیز ہے۔

خرید و فروخت میں زیادہ قسمیں کھانا

[حدیث: ۱۱۶۱] ”عَنْ أَبِي قَتَادَةَ..... إِنَّا كُنْمُ وَكَثْرَةُ الْخَلِيفِ فِي الْبَيْعِ فَإِنَّهُ

يَنْفَقُ ثُمَّ يَمْضِي“ (صحیح مسلم ج: ۸، ص: ۳۱۶، حدیث نمبر: ۳۰۱۵، باب

الْتَهْيِ عَنِ الْخَلِيفِ فِي الْبَيْعِ)

ترجمہ: ”حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا بیچنے میں زیادہ قسمیں کھانے سے بچا کرو اس لئے کہ چیز سودے کو تو چالو کر دیتی ہے لیکن برکت کو مٹا دیتی ہے۔“

تشریح: اس حدیث میں ارشاد فرمایا ہے کہ بیچ میں زیادہ قسمیں کھانے سے پرہیز کیا کرو اس لئے کہ اس سے سودا تو بک جاتا ہے لیکن برکت مٹ جاتی ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ کسی دکاندار کے پاس کوئی گاہک آتا ہے مثال کے طور پر کپڑے کا دکاندار ہے اس کے پاس کوئی خریدار آتا ہے تو بچاس قسمیں کھاتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے اس کے اتنے پیسے ملتے تھے مگر میں نے دیئے نہیں حالانکہ جھوٹ ہے، جھوٹ بول کر وہ چیز بیچ دیتا ہے، آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ ان جھوٹی قسموں کے کھانے سے چیز بلاشبہ بک جائے گی لیکن برکت مٹ جائے گی اس میں برکت نہیں رہے گی، حلال رزق ہو تو ہوا اس میں اللہ تعالیٰ برکت ڈال دیتے ہیں اور غلط مال ہو چاہے زیادہ ہو اس میں برکت نہیں رہتی۔

ہمارے شیخ حضرت زکریا نور اللہ مرقدہ فرماتے تھے کہ ہمارے گھر میں ایک پلنگ تھا جب حضرت فرماتے تھے اس وقت کی بات ہے کہ پلنگ ہے ہمارے گھر میں وہ ہمارے دادا کے وقت کا ہے اور بالکل ٹھیک ٹھاک ہے، چارہشتیں اس پر گزریں وہ استعمال بھی ہوتا رہا لیکن نہ اس کی چول خراب ہوئی نہ اس کی کوئی چیز خراب ہوئی، اس بات کو بیان کرنے کے بعد حضرت فرماتے ہیں کہ برکت کے یہی معنی ہیں کسی چیز میں برکت ہو جائے، اس کا یہی مطلب ہے کہ چیز تھوڑی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل سے استعمال ہو رہی ہے۔

پھلوں کو بیچنے کا صحیح وقت

[حدیث: ۱۱۶۲] ”عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ..... لَا تَبِيعُوا الثَّمَرَ حَتَّى يَبْدُوَ

صَلَاحًا.....“ (صحیح بخاری ج: ۷، ص: ۴۰۷، حدیث نمبر: ۲۰۳۵، باب

بَيْع الثَّمَرِ إِذَا نَدَى وَهُوَ يَبِيعُ الثَّمَرَ بِالثَّمَرِ وَبِيع.....)

ترجمہ: ”ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا بیچ نہ کرو کھجور

کی یہاں تک کہ اس کی صلاحیت ظاہر نہ ہو جائے۔“

تشریح: اس حدیث میں ارشاد فرمایا کہ کھجور کی بیچ نہ کیا کرو جب تک کہ اس کی صلاحیت ظاہر نہیں

ہوتی، یہ حدیث اس موضوع کی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے اوپر آچکی ہے۔

ایک کے بدلے دو کی خرید و فروخت

[حدیث: ۱۱۶۳] ”عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ..... لَا تَبِيعُوا الدِّينَارَ بِالدِّينَارِ

کو دو دینار کے بدلے لے اور ایک درہم کو دو درہم کے بدلے لے نہ خریدو۔“

“کے بدلے۔“

ہونا چاہیے، اس لئے غائب کو ناجز کے بدلے میں نہ بیچو، ناجز کے معنی نقد اور غائب کے معنی ادھار یعنی ایک طرف چیز ہے اور ایک طرف نہیں ہے تو خلاصہ یہ کہ سونے کا تبادلہ جب سونے کے ساتھ ہو تو برابر ہونا چاہئے، تمہیں اختیار ہے کہ تم سونے کے ساتھ سونے کا تبادلہ نہ کرو سونے کا چاندی کے ساتھ کرلو یا قیمت کے ساتھ کرلو اور چاندی کا تبادلہ چاندی کے ساتھ کرنا ہو تو برابر کرنا چاہئے دونوں طرف ایک جیسی چاندی ہو یا گھٹیا بڑھیا ہو۔

اور دوسری ہدایت یہ فرمائی گئی ہے کہ سونے چاندی کا جب تبادلہ ہو خرید و فروخت ہو تو ایک طرف سے نقد اور ایک طرف سے ادھار نہیں ہونا چاہئے یہ سود ہے، ہمارے شیخ نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ ہمارے مدرسے کے قریب ایک ہندو سنار تھا وہ مدرسے میں بزرگوں کے پاس آتا رہتا تھا اور سونے کی خرید و فروخت کے لئے مسائل معلوم کرتا رہتا تھا، جب خریدار اس کے پاس آتے اور کوئی معاملہ کرتے تو وہ کہتا کہ یہ صورت تو تمہارے مذہب میں جائز نہیں ہے، لوگ اس سے جھگڑتے کہ اپنے مذہب کو ہم جانتے ہیں یا تم جانتے ہو؟ وہ مسکرا کے کہتا ہے کہ علماء سے پوچھ لو۔

خیر! سونے چاندی کی خرید و فروخت کے مسائل نازک ہیں اور اسی بناء پر فقہاء نے اس کا مستقل باب باندھا ہے باب الصرف، صرف کے معنی سونے چاندی کا تبادلہ اور اس میں سود لازم آتا ہے اس لئے اس معاملے میں علماء سے مسائل پوچھنے چاہئیں۔

سود کو حلال قرار دینے کی نام نہاد مجددانہ کوشش

[حدیث: ۱۱۶۵] ”عن عبد اللہ بن حنظلۃ غسیل الملائکۃ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: درهم رباً یا کله الرجل وهو یعلم أشد من سنة وثلاثین زنیۃ۔“ (مشکوٰۃ ص: ۲۳۶)

ترجمہ: ”سود کا ایک درہم کھانا ۳۶۲ بار زنا کرنے سے بدتر ہے۔“

[حدیث: ۱۱۶۶] ”عن أبی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: الربا سبعون جزءاً یسرھا أن ینکح الرجل أمد۔“

(مشکوٰۃ ص: ۲۳۶)

ترجمہ: ”سود کے ستر درجے ہیں، اور سب سے ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی ماں سے منہ کالا کرے۔“

تشریح: قریباً ایک صدی سے جب سے غلام ہندوستان پر مغرب کی سرمایہ داری کا عفریت مسلط

ہوا، ہمارے مجتہدین سود کو "اسلامی سود" میں تبدیل کرنے کے لئے بے چین نظر آتے ہیں، اور بعض اوقات وہ ایسے مضحکہ خیز دلائل پیش کرتے ہیں جنہیں پڑھ کر اقبال مرحوم کا مصرعہ:

"یہ مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود!"

یاد آ جاتا ہے۔ ہمارے قریبی دور میں ایوب خان کے زیر سایہ جناب ڈاکٹر فضل الرحمن صاحب نے سود کو "اسلامائز" کی مہم شروع فرمائی تھی، جس کی نخواست یہ ہوئی کہ ڈاکٹر فضل الرحمن صاحب اپنے فلسفہ تجدد کے ساتھ ایوب خان کے اقتدار کو بھی لے ڈوبے۔ اب نئی حکومت نے اسلام کے نظام معاشیات کی طرف پیش رفت کا ارادہ کیا، ابھی اس سمت قدم اٹھتے نہیں پائے تھے کہ ہمارے لکھے پڑھے مجتہدوں کی جانب سے "الامان والحفیظ" کی پکار شروع ہوئی۔ ان حضرات کے نزدیک اگر انگریز کا نظام کفر مسلط رہے تو مضائقہ نہیں، مغرب کا سرمایہ داری نظام قوم کا خون چوس چوس کر ان کی زندگی کو سراسر اذیت بنا دے تو کوئی پروا نہیں، کیونستوں کا طحانہ نظام انسانوں کو بھیڑ بکریوں کی صف میں شامل کر دے تو کوئی حرج نہیں۔ لیکن اسلام کے عادلانہ نظام کا اگر کوئی نام بھی بھولے سے لے ڈالے تو خطرات کا مہیب جنگل ان کے سامنے آکھڑا ہوتا ہے، گویا ان کے ذہن کا معدہ دور فساد کی ہر گلی سڑی غذا کو قبول کر سکتا ہے، نہیں قبول کر سکتا تو بس اسلام کو، اِنَّا لَنُؤْمِنُ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاٰجِعُونَ!

اس موضوع پر چند دن پہلے عالی جناب جسٹس (ریٹائرڈ) قدیر الدین صاحب کا ایک مضمون دو قسطوں میں "ربا قطعی حرام ہے" کے زیر عنوان کراچی کے روزنامہ "جنگ" میں شائع ہوا، معلوم نہیں جناب جسٹس صاحب کا اسلامی مطالعہ کس حد تک وسیع ہے؟ وہ دور جدید کے کس اجتہادی کتب فکر سے وابستہ ہیں؟ اور خود اس موصوف کو منصب اجتہاد پر سرفرازی کا شرف کب سے حاصل ہوا ہے؟ لیکن ہمارے مجتہدین اپنے دعوے کو جس قسم کے دلائل سے آراستہ کرنے کے خواہر ہیں، افسوس ہے کہ موصوف کا معیار استدلال ان سے کچھ زیادہ بلند نہیں ہے۔ بلکہ اس مضمون میں علم و فہم کی وہ ساری بوالہعبیاں موجود ہیں، جو ہمارے نو مشق مجتہدین کا طرہ افتخار ہے۔

ان کی تحریر پڑھ کر قاری کو جو سب سے بڑی مشکل پیش آتی ہے وہ یہ کہ جسٹس صاحب "ربا قطعی حرام ہے" کا عنوان دے کر آخر کیا کہنا چاہتے ہیں؟ وہ کبھی یہ فرماتے ہیں کہ ہماری زبان میں جس چیز کو "سود" کہا جاتا ہے، وہ "ربا" نہیں۔ کبھی یہ بتاتے ہیں کہ بینکوں کے "سود" کو دور جدید کے بعض علماء نے حلال و مطہر قرار دیا ہے۔ کبھی یہ سمجھاتے ہیں کہ متقدمین بھی "سود" کی بعض صورتوں کو جائز قرار دیتے تھے۔ کبھی سود کی حرمت کو تسلیم فرما کر "نظر یہ ضرورت" ایجاد فرماتے ہیں۔ کبھی یہ وعظ فرماتے ہیں کہ اگر مسلمانوں نے "سود" چھوڑنے کی غلطی کی تو خدا نخواستہ ہماری معیشت تپت ہو جائے گی، وغیرہ وغیرہ۔

ایک جسٹس جو برسہا برس تک عدالت عالیہ کی کرسی پر رونق افروز رہا ہو، جس کی ساری عمر ماشاء اللہ انگریزی قانون کی موٹنگائیوں میں گزری ہو، اور سچ جھوٹ کے درمیان امتیاز جس کی خوبی بن گئی ہو، کیا اس سے ایسی فریادہ فکری کی توقع کی جاسکتی ہے...؟

جسٹس صاحب کو پہلے دو ٹوک بتانا چاہئے تھا کہ وہ بینک کے سود کو حرام سمجھتے ہیں یا حلال اور مطہر؟ اگر حرام سمجھتے ہیں تو ان کی یہ ساری کہانی غیر متعلق ہو جاتی ہے کہ سود کی فلاں فلاں قسمیں... معاذ اللہ... حلال بھی سمجھی گئی ہیں۔ اس صورت میں ان کا فرض یہ تھا کہ وہ ہمیں بتاتے کہ وہ کون کون سے اضطراری حالات ہیں جن کی بنا پر وہ بینکوں کو اس حرام خوری کی ”رخصت“ عطا فرما رہے ہیں۔ اور اگر وہ بینک کے سود کو ”حلال و مطہر“ سمجھتے ہیں تو ان کی نظریہ ضرورت و رخصت کی بحث قطعاً لغو اور غیر متعلق بن جاتی ہے۔ اس صورت میں انہیں یہ بتانا چاہئے تھا کہ قرآن و سنت کے وہ کون کون سے دلائل ہیں جن سے بینک کے ”سود“ کا تقدس ثابت ہوتا ہے۔ آخر دنیا کا کون کون عاقل ہے جو ایک پاک اور حلال چیز کا جواز ثابت کرنے کے لئے ”اضطرار“ کی بحث شروع کر دے...؟

خلاصہ یہ کہ موصوف کے مضمون سے قاری کو یہ سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے کہ ان کا دعویٰ کیا ہے اور وہ کس چیز کو ثابت کرنے کے درپے ہیں؟ اس طرح ان کا سارا مضمون ایک مبہم دعویٰ کے اثبات میں فکری انتشار کا شاہکار بن کر رہ جاتا ہے۔

دعویٰ کے بعد دلائل پر نظر ڈالنے تو اس میں بھی افسوسناک غلط فہمیاں نظر آتی ہیں، سب سے پہلے انہوں نے ”مقصد کلام“ کے عنوان سے ”رخصت“ کی بحث چھیڑی ہے، اور چلتے چلتے وہ یہ تک لکھ گئے ہیں:

”بڑے بڑے علمائے دین نے بھی اس حقیقت کو پہچانا ہے اور ”ربا“ (یا سود) کے معاملے میں مجبوری بلکہ خاص حالات میں ”رخصت“ یا ”اجازت“ کو تسلیم کیا ہے۔“

جسٹس صاحب کا یہ فقرہ میرے لئے ”جدید انکشاف“ کی حیثیت رکھتا ہے، مجھے معلوم نہیں وہ کون کون ”بڑے بڑے علماء“ ہیں جنہوں نے ”خاص حالت“ میں سود لینے کا فتویٰ صادر فرمایا ہے۔ اگر جناب جسٹس صاحب اس موقع پر ان ”بڑے بڑے علماء“ کے ایک دفتوے بھی نقل کر دیتے تو نہ صرف ہماری معلومات میں اضافہ ہوتا، بلکہ ان کا ہولناک دعویٰ ”خالی دعویٰ“ نہ رہتا۔

رخصت کی بحث:

رخصت اور اضطرار کی بحث میں فاضل حج صاحب نے جو کچھ لکھا ہے، اسے ایک نظر دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ موصوف نہ تو ”اضطرار“ اور ”رخصت“ کی حقیقت سے واقف ہیں، نہ ”رخصت“ کے مدارج اور ان کے الگ الگ احکام ہی انہیں معلوم ہیں، نہ انہوں نے اس کے لئے فقہ و اصول کے ابتدائی رسالوں

ہی کو دیکھنے کی زحمت فرمائی ہے، انہوں نے کہیں سے سن لیا کہ مجبوری کی حالت میں حرام کھانے کی بھی اجازت ہے، اس کے بعد سو کھانے کی مجبوری کا سارا انسانہ ان کے اجتہاد نے خود ہی تراش لیا۔

اسلام کی نظر میں سود خوری کس قدر گھناؤنا اخلاقی، معاشی اور معاشرتی جرم ہے، اس کا اندازہ اس حقیقت سے کیا جاسکتا ہے کہ زنا اور قتل ایسے افعال شنیعہ پر بھی وہ لرزہ خیز سزا نہیں سنائی گئی جو سود خوری پر سنائی گئی ہے، قرآن کریم میں مسلمانوں کو خطاب کر کے کہا گیا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنتُمْ مُؤْمِنِينَ ٥١﴾
 فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِمَحْذُوبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ۖ (البقرة)

ترجمہ: ”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سود کا جو بقایا رہتا ہے اسے ایک نکتہ چھوڑ دو، اگر تم مسلمان ہو۔ اور اگر تم ایسا نہیں کرتے تو خدا اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ سن لو!“

تمام بد سے بدتر کبیرہ گناہوں کی فہرست سامنے رکھو اور دیکھو کہ کیا کسی گنہگار کے خلاف خدا اور رسول کی طرف سے اعلان جنگ کیا گیا ہے؟ اور پھر یہ سوچو کہ جس بد بخت کے خلاف خدا اور رسول میدان جنگ میں اتر آئیں اس کی شورہ بنتی کا کیا حشر ہوگا؟ اس کو خدائی عذاب کے کوڑے سے کون بچا سکتا ہے؟ اور اس بدترین مجرم کو جو خدا اور رسول کے ساتھ جنگ لڑ رہا ہے، کون عقل مند ”اصول زخصت“ کا پروانہ لا کر دے سکتا ہے...؟

یہاں یہ نکتہ بھی یاد رہنا چاہئے کہ جو شخص انفرادی طور پر سود خوری کے جرم کا مرتکب ہے وہ انفرادی حیثیت سے خدا اور رسول کے خلاف میدان جنگ میں ہے، اور اگر یہ جرم انفرادی دائرے سے نکل کر اجتماعی جرم بن جائے اور مجموعی طور پر پورا معاشرہ اس سنگین جرم کا ارتکاب کرنے لگے تو خدائی عذاب کا کوڑا پورے معاشرے پر برسے لگے گا، اور دنیا کا کوئی بہادر ایسا نہ ہوگا جو اس جرم کے ارتکاب کے باوجود اس معاشرے کو خدا کے عذاب سے نکال لائے۔

یہ بد نصیب ملک ابتدا ہی سے خدا اور رسول کے خلاف بڑی ڈھٹائی سے رخ جنگ لڑ رہا ہے، اس پر چاروں طرف سے خدائی قہر و غضب کے کوڑے برس رہے ہیں، ”فَقَصَبَ عَلَيْهِمُ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ“ کا منظر آج ہر شخص کو کھلی آنکھوں نظر آ رہا ہے۔ ملک ستر آرب روپے کا مقروض ہے، نوے ہزار جوان ذلیل بچیوں کے ہاتھ میں قیدی بنا چکا ہے، دلوں کا سکون چھین چکا ہے، راتوں کی نیند حرام ہو چکی ہے، سب کچھ ہوتے ہوئے بھی ”روٹی، روٹی“ کی پکار چاروں طرف سے سنائی دے رہی ہے، لیکن وائے حسرت اور بد بختی کہ اب بھی عبرت نہیں ہوتی، بلکہ ہمارے ”نوجہتہ“ صاحب پروانہ ”زخصت“ لئے پہنچ جاتے ہیں۔ اور حالات کی

ذہائی دے کر سود کو حلال کرنے کے لئے ذہانت طباعی کے جوہر دکھاتے ہیں۔ قرآن کریم، خدا اور رسول کے ساتھ ”صلح“ کو، سود چھوڑ دینے کے ساتھ مشروط کرتا ہے، اور جو لوگ سود چھوڑ دینے کا اعلان نہ کریں انہیں مسلمان ہی تسلیم نہیں کرتا، لیکن محترم جسٹس صاحب فرماتے ہیں کہ سود بھی کھاؤ اور مسلمان بھی رہو، سود کا لین دین خوب کرو اور میدان جنگ میں خدائی عذاب کے ایٹم بم سے حفاظت کے لئے اصول رخصت کی خانہ ساز ملل جسٹس صاحب سے لیتے جاؤ۔۔۔!

جسٹس صاحب بتائیں کہ ”سود خور“ کے خلاف تو قرآن کریم اعلان جنگ کر چکا ہے، قرآن کریم کی وہ کون سی آیت ہے جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ ان کی خود ساختہ مجبوری میں ”سود خور“ کی ”صلح“ خدا اور رسول سے ہو سکتی ہے اور حالات کا بہانہ بنا کر خدا اور رسول کو میدان جنگ سے واپس کیا جاسکتا ہے؟ انہیں ”الف“، ”ب“، ”ج“ کے برخود غلط حوالے دینے کے بجائے قرآن کریم کے حوالے سے بتانا چاہئے تھا کہ اس اعلان جنگ سے فلاں فلاں صورتیں مستثنیٰ ہیں۔ جسٹس صاحب کو معلوم ہونا چاہئے کہ ”سود خور“ نہ نص قرآن، خدا اور رسول سے جنگ لڑ رہا ہے، خواہ امریکہ کا باشندہ ہو یا پاکستان کا، اس کی صلح خدا اور رسول سے نہیں ہو سکتی، جب تک وہ اپنے اس بدترین جرم سے باز آنے کا عہد نہیں کرتا۔ نہ آپ کی نام نہاد ”رخصت“ کا تاریک گت اسے خدائی گرفت سے بچا سکتا ہے۔

قرآن کریم کے بعد حدیث نبویؐ کو لیجئے، آنحضرت ﷺ نے نہ صرف سود کھانے، کھلانے والوں پر بلکہ اس کے کاتب و شاہد پر بھی لعنت کی بددعا کی ہے، اور انہیں رائدۃ بارگاہ خداوندی ٹھہرایا ہے:

”عن علی رضی اللہ عنہ أنه سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعن اکل الربا
أو موكله وکاتبه“ (مشکوٰۃ ص: ۲۴۶)

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ:

”عن عبد اللہ بن حنظلۃ غسیل الملائکۃ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم: درهم ربایا کله الرجل وهو یعلم أشد من ستة وثلاثین زنیۃ۔“
(مشکوٰۃ ص: ۲۴۶)

ترجمہ: ”سود کا ایک درہم کھانا ۳۶ بار زنا کرنے سے بدتر ہے۔“

اور ایک حدیث میں ہے کہ:

”عن أبی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: الربا
سبعون جزئاً أیسرها أن ینکح الرجل أُمہ۔“ (مشکوٰۃ ص: ۲۴۶)

ترجمہ: ”سود کے ستر درجے ہیں، اور سب سے ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی ماں

سے منہ کالا کرے۔“

جشن صاحب فرمائیں! کہ کیا دنیا کا کوئی عاقل ”مجبوری“ کے بہانے سے لعنت خریدنے، ۳۶ بار زنا کرنے اور اپنی ماں سے منہ کالا کرنے کی ”زخصت“ دے سکتا ہے...؟

جشن صاحب کو معلوم ہی نہیں کہ ”مجبوری“ کسے کہتے ہیں؟ اور آیا جس مجبوری کی حالت میں مردار کھانے کی ”زخصت“ دی گئی ہے، وہ مجبوری پاکستان کے کسی ایک فرد کو بھی لاحق ہے...؟

دینیات کا معمولی طالب علم بھی جانتا ہے کہ جس ”مجبوری“ میں مردار کھانے کی اجازت دی گئی ہے وہ یہ ہے کہ کوئی شخص کئی دن کے متواتر فاقے کی وجہ سے جاں بلب ہو، اور اسے خدا کی زمین پر کوئی پاک چیز ایسی نمل سکے جس سے وہ تن بدن کا رشتہ قائم رکھ سکے، تو اس کے لئے سدر متق کی بقدر حرام چیز کھا کر اپنی جان بچانے کی اجازت ہے، اور اس میں قرآن کریم نے ﴿غُلَّوْا بَآغِ وَآلَا عَاظِبُ﴾ کی کڑی شرط لگا رکھی ہے۔

یہ ہے وہ ”اصول ضرورت“ جس کو جشن صاحب کا ”آزاد اجتہاد“ کروڑ پتی سینٹھ صاحبان پر چسپاں کر رہا ہے۔ جشن صاحب بتائیں کہ پاکستانی سود خوروں میں کون ایسا ہے جس پر ”تین دن سے زیادہ فاقہ“ گزر رہا ہو اور اسے جان بچانے کے لئے گھاس، ترکاری بھی میسر نہ ہو...؟

(اور پھر یہ کہ حالت اضطراری میں بھی جس چیز کے کھانے کی اجازت ہوتی ہے، اس سے وہ چیز حلال نہیں ہو جاتی، بدستور حرام ہی رہتی ہے، بس ضرورت کے تحت کھانے کی اجازت ہے، واللہ اعلم بالصواب!)



